شرح صحیح مسلم

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو

شرح صحیح مُسلم

جلد رابع

عتاق، بیوع، مساقات، مزارعت، وصیت، نذر، ایمان
قسامت، قصاص، دیات، حدود

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ناشر:
فرید بُک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : شرح صحیح مسلم (الجزء الرابع)

تصنیف : علامہ مفتی غلام رسول سعیدی

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی، فاضل علوم شرقیہ

کتابت : دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ، گوجرانوالہ

مطبع : ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

ہدیہ : -/295 روپے

الطبع الثامن : صفر ۱۴۲۱ھ / مئی ۲۰۰۰ء

الطبع العاشر : جمادی الاول ۱۴۲۳ھ / جولائی ۲۰۰۲ء

ناشرین

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

فہرست مضامین شرح صحیح مسلم جلد رابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان اور بے انتہاء کرم ہے کہ شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس شرح کو عوام و خواص میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی، بہت سے احباب نے مجھے یہ بتایا کہ وہ ایک بار پڑھنے کے بعد اس شرح کو دوسری بار پڑھ رہے ہیں، کسی مصنف کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو گی کہ اس کی تصانیف اس کی زندگی میں چھپیں، پڑھی جائیں اور قبولیت پائیں اور للہ الحمد علی ذلک۔

شرح صحیح مسلم جلد رابع میں جن موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق، مفہوم مخالف کی تحقیق، اسلام، اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظاموں کا تقابلی مطالعہ، اور باہمی موازنہ اور اسلام کے اقتصادی نظام کی حقانیت اور بالادستی، سوشلزم اور اسلامی مساوات کا موازنہ اور اسلامی مساوات کی ترجیح اور برتری، انعامی بانڈز کی تحقیق، دستاویز اور ہنڈی کی بیع کا حکم، حقوق کی بیع کا حکم، امپورٹ لائسنس، روٹ پرمٹ اور پگڑی وغیرہ کی بیع پر بحث، باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع کا شرعی حکم، کیا زمین کو کرایہ پر دینا سود ہے؟ زمین کو بٹائی پر دینے کی بحث، زمین کی شخصی ملکیت پر بحث، انجکشن کے ذریعہ نر کا نطفہ مادہ کے رحم میں پہنچانے کا حکم، امام ابوحنیفہ پر نشہ آور شرابوں کو حلال کرنے کے اعتراض کا جواب، الکوحل اور اسپرٹ کے مرکبات کا حکم، بینک کے سود کی تحقیق، افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل، کرنسی نوٹ کی تحقیق، بیع عینہ کی تحقیق، دارالحرب کے سود کا حکم، عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟ زمین کے تیل یا گیس کا حکم، سات زمینوں کے متعلق اثر ابن عباس کی تحقیق، ایصال ثواب کی تحقیق، اولیاء اللہ کی مروجہ نذر پر بحث، قتل مرتد کی بحث، آلۂ قصاص کیا صرف تلوار کے ساتھ خاص ہے؟ عورت کی نصف دیت کی تحقیق، حدود میں عورتوں کی گواہی پر بحث، اسلامی حدود پر اعتراضات کے جوابات، چور کا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد کیا اس کو پیوند کرا کر دوبارہ لگایا جا سکتا ہے؟ رجم کی تحقیق، اسلام میں بیعت کا تصور اور معدنیات کے احکام وغیرہا۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: قضاء اور اجتہاد کے مباحث، عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق، رشوت کی تفصیل اور تحقیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق، نبی کی خصوصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کی بحث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی بحث، سرکاری خزانے سے اپنا حق وصول کرنے کی تحقیق، لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنے کی بحث، گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث، شہادت کی بحث، عورت کی شہادت کی تحقیق، آیا عورت کی شہادت نصف ہے یا کامل؟ مسائل جہاد، ہجرت کی تحقیق، دارالکفر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم، حدیث رد شمس کی تحقیق، جنگی قیدیوں کے تبادلہ یا ان کو بلا عوض احساناً چھوڑنے کی تحقیق، فدک کی تحقیق اور علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات، مسئلہ خلافت، حضرت ابوبکر کی خلافت پر اعتراضات کے جوابات، غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کی بحث، قیام تعظیمی کی بحث، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے امّی ہونے کا معنی اور آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مفصل بحث، سجدۂ شکر اور عورت کے ستر اور حجاب کی تحقیق، خلافتِ اسلامیہ اور موجودہ دور کی اسلامی حکومتوں پر بحث اور دیگر بہت سے مباحث۔

عصری اور مجتہد فیہ مسائل کو وسعتِ نظر سے دیکھنا چاہیے، جب کوئی شخص صدہا فقہی مسائل پر غور و فکر کر کے لکھتا ہے تو بعض مسائل میں دیگر علماء سے اختلاف ناگزیر ہے، یہ بہت مشکل ہے کہ فروعی مسائل میں تمام علماء سے سو فیصد اتفاق ہو جائے، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی سے نکر و نظر کا اختلاف ضرور ہوگا۔ سو ایسے مسائل میں علمی اور فروعی اختلاف کو وسعتِ ظرف سے لینا چاہیے۔

موجودہ دور کے علماء اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت غیر نزاعی اور اتفاقی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے بعض مسائل میں نہ صرف یہ کہ اپنے زمانہ کے معاصرین علماء سے اختلاف کیا ہے، بلکہ انہوں نے متقدمین علماء سے بھی اختلاف کیا ہے اور ان کے نظریات کو دلائل سے رد کیا ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی مجتہد فی المذہب ہیں اور فقہاء احناف میں ان کا بہت بلند مقام ہے لیکن ایک مسئلہ میں جہاں اعلیٰ حضرت کا ان سے اختلاف ہوا اعلیٰ حضرت نے ان کا بھی رد کیا ہے، اور ان کے ساتھ ساتھ علامہ بدر الدین عینی کا بھی رد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اقول وھذہ الاحادیث تؤید ما اخترنا وتؤذن ان تاویل ابی جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ لیس فی محلہ فیما فی عامۃ الکتب تأخذ لاعتضادھا بنصوص الاحادیث ولانہ علیہ الاکثر وقد نصوا ان العمل بما علیہ الاکثر وانہ لایعدل عن روایۃ ما وافقتھا درایۃ فکیف اذا کان ھو الاشھر الاظھر الاکثر الازھر وبھذا یضعف مازعم العلامۃ البدر فی العمدۃ فتبصر۔

(اہلاک الوہابیین ص ۲۲ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں اور یہ اعلان کرتی ہیں کہ امام ابو جعفر رحمہ اللہ کی تاویل عام کتابوں کے موافق نہیں ہے۔ ہمارا موقف احادیث کی تصریحات سے مؤید ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ اسی پر اکثر کا عمل ہے اور جب تک احادیث درایت کے موافق رہیں ان کے ظاہری مفہوم سے عدول نہیں کیا جاتا یہی قاعدہ مشہور اور ظاہر ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں جو امام طحاوی کی موافقت کی ہے اس بیان سے اس کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام کا بھی بہت اونچا مقام ہے اور وہ مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہیں۔ اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کا جہاں ان سے اختلاف ہوا اعلیٰ حضرت نے ان کا بھی رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

مگر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اپنی بحث سے وضو کے لیے بسم اللہ و ذکر الٰہی سے ابتداء کرنا برخلاف مذہب واجب ٹھہرایا اور مسئلہ متفق علیہا کے جواب میں فرمایا۔

ما قیل انہ مدخل للوجوب فی الوضوء لانہ شرط تابع فلو قلنا بالوجوب فیہ لساوی التبع الاصل غیر لازم اذا شتراکھما بثبوت الواجب فیھما لا تقتضیہ للثبوت عدم المساوات بوجہ اخر نحو انہ لایلزم بالنذر بخلاف الصلوۃ مع انہ لامانع من الحکم بان واجبہ احط رتبۃ من واجب الصلوۃ کفرضہ بالنسبۃ الی فرضھا اھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو وضو میں واجب قرار دینے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وضو تو نماز کے تابع ہے اگر بسم اللہ کو واجب کہیں تو تابع اصل کے برابر ہو جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس جہت سے وضو نماز کے مساوی ہوگا لیکن ایک اور جہت سے ان میں مساوات نہیں ہے۔ کیونکہ نذر سے وضو لازم نہیں ہوتا لیکن نذر سے نماز لازم ہو جاتی ہے اور وضو کا واجب نماز کے واجب سے کم ہے جیسے وضو کا فرض

کلامہ الشریف ۔

نماز کے فرض سے کم ہے۔ یہ امام ابن ہمام کا کلام تھا۔
اعلیٰ حضرت اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول لم یات المستدل الشیء حتی سمع ما سمع واذا لم یمنع تبعیۃ الوضوء ثبوت الفرائض فیہ فلم یمنع ثبوت الواجبات والرواتب توابع للفرائض انما شرعت مکملات لاخطلات لہا فلیست فی مرتبۃ الوضوء ایضا ثم لم یقعدھا ذلک عن یکون لہا کل من الفروض والواجبات والسنن والمستحبات کما للاصول ولم تعن ان الوضوء لایستاھل فی نفسہ ان یکون لہ واجب حتی نحتاج الی ما ذکر المستدل وانما عنینا ان لیس فی مذھبنا واجب فی الوضوء لایجوز ترکہ ویصح بدونہ وھذا ظاھر لایفتاق الی اظہار وثابت لایصلح للانکار۔

میں کہتا ہوں معترض نے کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا جو لائق التفات ہو، کیونکہ جب وضو میں فرائض کا ہونا اس کے تابع ہونے کے منافی نہیں ہے تو وضو میں واجب ہونا کیسے اس کے تابع ہونے کے منافی ہوگا۔ اور نوافل فرائض کے تابع اور ان کو مکمل کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ ان کو ساقط کرنے والے اور ان کا مرتبہ وضو سے بھی کم ہے، اس کے باوجود ان میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ہیں، اور یہ بات نہیں ہے کہ وضو فی نفسہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس میں کوئی واجب نہ ہو، حتیٰ کہ اس کے جواب کی ضرورت ہو، ہماری مراد تو صرف یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں وضو میں کوئی واجب نہیں ہے جس کا ترک کرنا ناجائز ہو، اور یہ بالکل ظاہر ہے اور اس پہ دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور مسئلہ تسمیہ اولاً تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱ ص ۲۵ - ۲۴، مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت لائل پور)

شرح عقائد کے محشی علامہ شمس الدین خیالی نے متکلمین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ برہان تطبیق جس سے متکلمین حدوث عالم ثابت کرتے ہیں یہ برہان اللہ تعالیٰ کے علوم میں بھی جاری ہو جائے گی جس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا متناہی ہونا لازم آئے گا۔ علامہ عبدالحکیم نے اس کے حاشیہ میں لکھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا جہل لازم نہیں آتا کیونکہ امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم کا تعلق ممکن نہیں ہے اور جہل اس وقت ہوتا جب کسی چیز کے ساتھ علم کا تعلق ممکن ہوتا اور پھر اس کا علم نہ ہوتا پس جیسا کہ قدرت کا محال کے ساتھ متعلق نہ ہونا عجز کو مستلزم نہیں ہے، اسی طرح امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم کا متعلق نہ ہونا جہل کو مستلزم نہیں ہے۔ اس کے بعد علامہ سیالکوٹی نے تامل کہا ہے اور ہمارا خیال ہے تامل میں اس کے رد کی طرف اشارہ ہے، بہرحال اعلیٰ حضرت نے علامہ سیالکوٹی اور علامہ خیالی دونوں کا رد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سنیے، منہیہ خیالی سے منقول ہوا کہ اس میں باری عزوجل کے علم کا امور غیر متناہیہ سے تفصیلاً متعلق ہونا ممنوع کہہ دیا، ملّا نے خیالی کا خیالِ خیالی نقل کر کے اس پر رجسٹری کردی۔

حیث قال قولہ فتامل نقل عنہ وجہ التامل ان علمہ تعالی الشامل انما یشتمل مالایمتنع العلم بہ کما ان قدرۃ الشاملۃ انما تشتمل مالایمتنع وجودہ وامکان تعلق العلم بالمراتب الغیر

علامہ خیالی سے وجہ تامل یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف امور متناہیہ کو شامل ہے، جیسا کہ اس کی قدرت صرف ان امور کو شامل ہے جو امور غیر ممتنع ہوں، اور یہ کہنا کہ امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم ممکن ہے ممنوع ہے اگر یہ کہا جائے کہ

المتناھیة مفصلة ممنوع انتھیٰ فان قیل فیلزم الجھل علی اللہ تعالیٰ قلت الجھل عدم العلم بما یصح تعلق العلم بہ کما ان العجز عدم تعلق القدرة بما یصح ان تتعلق بہ فتامل۔ اھ

اس سے اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا تو میں کہوں گا کہ جہل اس وقت ہوتا جب کسی چیز کے ساتھ علم کا تعلق ممکن ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہوتا۔ تامل (اس میں غور کرو۔)

ممنوع کہتے تو کہہ گئے، لیکن اگر نظر کرتے کہ یہ وسوسہ باطلہ جو عدد متبین اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر المبین نے القا کیا اس کی تہہ میں کیا کیا آفات قاہرہ ہیں تو ہرگز خامہ و نامہ کو اس سے آلودہ کرنا روا نہ رکھتے فاقول اولاً دو ہی ملا صاحب فرمائیں تو کہ سلسلہ اعداد سے کس قدر پر پہونچے عزوجل کا علم جا کر رک گیا، کہ اس سے آگے کا عدد خدا کو معلوم نہیں، سلسلہ ایام آخرت سے کتنے دن خدا کو معلوم ہیں آگے نعیم جنان وعذاب نیران سے کتنی مقدار علم الٰہی میں ہے، زیادہ کی اُسے خبر نہیں، کیا کوئی عاقل مسلم سوچ سمجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔

(سبحان السبوح ص ۱۵۶، مطبوعہ دار الاشاعت جامع گنج بخش لاہور)

اسی طرح اعلیٰ حضرت نے علامہ نووی سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق کہے لیس لہ نیتہ (اللہ کی نیت نہیں ہے) علامہ نووی نے اس کلمہ کی تاویل کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس کو الفاظ کفر سے قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۳، مطبوعہ کراچی)

اسی طرح اعلیٰ حضرت نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ اسماعیل دہلوی نے اللہ تعالیٰ کے کذب کو ممکن قرار دیا، اسی طرح مسئلہ شفاعت کا انکار کیا، اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے شیخ اسماعیل دہلوی کی قطعی تکفیر کر دی اور فرمایا یہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے گو اس کا کفر کم ہے اور اعلیٰ حضرت نے شیخ اسماعیل دہلوی کی تکفیر نہیں کی ہر چند کہ یہ کہا کہ اس کے اقوال پر بوجوہ کثیر کفر لازم ہے لیکن کہا ہم اس کو کافر نہیں کہتے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی، شیخ اسماعیل دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

اس بیہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے اور ہرگز مسلمان نہیں ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔ جو شخص اس کے کفر میں شک لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے کافر بے دین اور نا مسلمان و لعین ہے مگر کفر اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے۔

(تحقیق الفتویٰ ص ۲۴۰، مطبوعہ مدینہ پبلی)

اور اعلیٰ حضرت شیخ اسماعیل دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

ان کے امام اسماعیل دہلوی کا یہ قول (اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے) صریح ضلالت وگمراہی و بد دینی ہے جس میں بلا مبالغہ ہزارہا وجہ سے کفر لزومی ہے، جمہور فقہاء کرام کے طور پر ایسی ضلالت کا قائل صریح کافر ہو جاتا ہے اگرچہ ہم باتباع جمہور متکلمین کرام صرف لزوم پر بے التزام کافر کہنا نہیں چاہتے اور ضال مضل بد دین کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۷۵، مطبوعہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب۔

(الکوکبة الشہابیہ ص ۵۴، مطبوعہ بریلی۔)

اور اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔

عرض: اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیے۔؟

ارشاد: میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہیں کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔
(الملفوظ ج ۱ ص ۳۴، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

بہرحال ان تمام حوالوں کے بیان کرنے سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ متقدمین علماء یا معاصرین سے علمی اختلاف کرنا علماء کا حق ہے اور یہ اعلیٰ حضرت کے طریقہ اور اسلوب کے عین مطابق ہے، اس لیے جس عالم یا فقیہ سے اختلاف کیا جائے اس کو صرف علمی اختلاف کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس سے خدانخواستہ کسی عالم یا فقیہ کی توہین اور تخفیف مقصود نہیں ہوتی، اعلیٰ حضرت اور ہمارے دوسرے فقہاء نے بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ اور بعض صحابہ سے بھی اختلاف کیا ہے؛ اور جب امام ابوحنیفہ اور بعض صحابہ کرام سے بھی اختلاف کرنا جائز ہے تو اعلیٰ حضرت یا متقدمین فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی رائے یا فقہی نظریہ سے علمی اختلاف کرنا کیونکر ناجائز ہوگا؟ کیونکہ اعلیٰ حضرت اور متقدمین فقہاء اپنے تمام اعزازات و اکرامات کے باوجود صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے کسی طرح بھی برتر اور بالاتر نہیں ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان ہے کہ ان کے کسی قول سے اختلاف کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ کفر ہے اور پھر اجماع قطعی کا یہ مرتبہ ہے کہ اس سے اختلاف جائز نہیں ہے اور اس کے بعد ادب کے دائرہ میں رہ کر دلائل کے ساتھ ہر شخص کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ متقدمین فقہاء سے علمی اختلاف کرنا اعلیٰ حضرت کا طریقہ ہے اور ان کے اسلوب کے عین مطابق ہے۔ اس لیے اگر میں نے شرح صحیح مسلم میں کسی مقام پر بعض علماء سے علمی اختلاف کیا ہے تو اس سے کسی تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کو اعلیٰ حضرت کی اتباع پر محمول کرنا چاہیے اور اس علمی اختلاف کو وسعت نظر سے دیکھنا چاہیے۔

ہم مخالفین سے یہ کہتے ہیں کہ تم اکابر پرستی کا شکار ہو اور اگر تمہارے اکابر کی کوئی تحریر غلط ہو تو تم اس کو غلط نہیں مانتے، سو ہم کو بھی فرطِ عقیدت اور جذبات سے مغلوب ہو کر ایسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے اور جو چیز قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا دیگر قوی دلائل سے ثابت ہو اور حق واضح ہو جائے تو کسی تامل اور ہچکچاہٹ کے بغیر اس کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله (توبہ: ۳۱) کا مصداق قرار پائیں۔

میں اس کتاب کو گوناگوں بیماریوں اور جسمانی اور ذہنی تکالیف اور بعض لوگوں کی دل آزار باتوں کے باوجود محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے لکھ رہا ہوں۔ اور صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے کے بعد اس کتاب کے ذریعہ میرے نامۂ اعمال میں حسنات لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہے، اسی خواہش کے پیش نظر میں پہلے مسجد بنانا چاہتا تھا لیکن جس اثاثہ کی بنیاد پر مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا تھا وہ سب لاہور میں بیماری کے دوران ختم ہو گیا، اس لیے میں نے اب صدقہ جاریہ کے لیے یہ راستہ منتخب کر لیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیت کے خلوص کی وجہ سے اس کتاب کو ان شاء اللہ باقی رکھے گا۔

میں جن مسائل پر لکھتا ہوں حسب غور و خوض کے بعد حق اور صواب کو تلاش کر کے لکھتا ہوں، اول قرآن مجید، پھر احادیث اس کے بعد آثار صحابہ اور پھر بعد کے فقہاء اور ائمہ مجتہدین اس ترتیب کو میں ہر جگہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ اگر کسی شخص کو مجھ سے کسی مسئلہ میں

ت: اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بیع عینہ ناجائز اور حرام ہے اور اعلیٰ حضرت نے کفل الفقیہ میں بیع عینہ کو جائز لکھا ہے۔ اس کی باحوالہ بحث اسی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲۔ منہ۔

علمی اختلاف ہو تو وہ علمی دائرہ میں قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی ترتیب سے اپنی رائے بیان کرے۔ وہ انشاء اللہ حق اور صواب کو قبول کرنے میں مجھے کبھی پس و پیش کرتا ہوا نہیں پائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رائے کو مستحکم پاکر رجوع کر لیا۔ بعض معاملات میں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع کیا۔ حضرت ابن عباس نے متعہ اور ربا الفضل کے جواز کے قول سے اخیر عمر میں رجوع کر لیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں رجوع کر لیا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے تقریباً ہر مسئلہ میں اپنے قول سابق سے رجوع کیا ہے۔ حق بات کی طرف رجوع کرنا للہیت کی علامت ہے اور دلائل واضح ہونے کے بعد ضد اور انانیت سے اپنے قول پر ڈٹے رہنا نفسانیت اور ابلیس لعین کا طریقہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ الحمد للہ میں حق واضح ہونے کے بعد حق کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔ ہر چند کہ میں بے حد غور و فکر اور اہل علم سے بحث و تمحیص کے بعد کوئی موقف قائم کرتا ہوں، اس کے باوجود مجھے اپنی علمی بے بضاعتی اور فہم نارسا کا اعتراف ہے، مجھ سے سہو اور ذہول بھی ہو سکتا ہے اور غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں، سو صاحبان علم سے بصد ادب و احترام التماس ہے کہ وہ مجھے دلائل کی اس ترتیب سے میری غلطی پر متنبہ کریں وہ انشاء اللہ مجھے ہمیشہ ممنون اور حق کی اتباع کرنے والا پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ مجھے حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری زید مجدہ و لطفہ اور پروفیسر مولانا منیب الرحمان زید مجدہ کی رفاقت میسر ہے، میں نظری مسائل میں اکثر و بیشتر ان حضرات سے تبادلہ خیال کرتا ہوں اور ان کے مشوروں سے مستفید ہوتا ہوں ان کے علاوہ ملک کے دیگر اہل علم حضرات کی آراء سے بھی استفادہ کرتا ہوں۔

مجھے پہلے ذیابیطس کی تکلیف تھی اب دماغی کام کی زیادتی کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر بھی ہو گیا ہے، میں اپنے عزیز مولانا عبدالجبار نیازی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ہائی بلڈ پریشر سے متعلق لٹریچر فراہم کیا جس کی وجہ سے میں احتیاطی تدابیر پر عمل کرتا ہوں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت اور توانائی عطا فرمائے تاکہ میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب اکرم کے توسل سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کے مصنف، ناشر، کاتب، مصحح، معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائے اور دارین کی خیر اور برکات سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین خاتم النبیین وعلیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الف الف تحیات وصلوٰت۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث، دار العلوم نعیمیہ

بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل "بی" ایریا، کراچی نمبر ۳۸

۱۵-۱-۹۰

تعارف

از

حضرت علامہ مفتی اہلِ سُنّت ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ذوالمجد والکرم، حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی زیدت مکارمہم، جلیل القدر محدث، فقیہہ، مدرس، خطیب اور صاحب طرز مصنف و محقق ہیں، آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کے فاضل تلامذہ جو پاکستان اور بیرون پاکستان اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں، اور آپ کی گرانقدر تصانیف جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں، آپ کا بہترین تعارف ہیں۔

اور یہ شرف " دارالعلوم نعیمیہ دستگیر کالونی کراچی " کی یہ خوش قسمتی ہے کہ علامہ موصوف ایک عرصہ سے اس دارالعلوم میں حدیث، تفسیر اور فقہ اسلامی کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ساتھ ہی " صحیح مسلم " کا اردو ترجمہ اور اس کی شرح کے کام میں مصروف ہیں۔

الحمد للہ علی احسانہ علامہ کی شبانہ روز کوشش سے " صحیح مسلم " کی اس شرح کی اول، دوم اور سوم جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور اہل علم سے دادِ تحقیق پا چکی ہیں، جلد چہارم زیرِ طبع اور جلد پنجم مرحلہ تصنیف میں ہے۔

فقیر نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث اس شرح کو مکمل نہیں پڑھا ہے، مگر بقدرِ ضرورت اس کے اہم مقامات سے استفادہ کا شرف ضرور حاصل کیا ہے۔ دورانِ مطالعہ جو خوبیاں اس کی ابھر کر سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ احادیث کا بامحاورہ اردو ترجمہ۔
۲۔ ہر باب میں آنے والی احادیث کی مختصر تشریح، تاکہ پڑھنے والے کے ذہن میں متعلقہ باب کی احادیث کے بارے میں ایک اجمالی نقشہ آجائے اور مبحث یا موضوع بحث کی تعیین ہوجائے۔
۳۔ اصول حدیث سے متعلق نکات کی نشاندہی۔
۴۔ فقہ حنفی پر احادیث سے استدلال اور اس کی ترجیح کے دلائل۔
۵۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان، اور ان مذاہب کے دلائل پر گفتگو۔
۶۔ اختلافی مسائل میں علمی اندازِ نگارش۔
۷۔ جدید مسائل کی تحقیق اور ان پر بھرپور علمی تبصرے۔
۸۔ پوری کتاب پیچیدہ خالص علمی اور تحقیقی مواد پر مشتمل ہونے کے باوجود سلاست بیان اور ادیبانہ طرز تحریر کے باعث انتہائی دلچسپ و دل آویز ہے۔

۵۔ ایک بالغ نظر محقق اپنے معاصرین کی تحریروں سے بے خبر نہیں رہ سکتا ہے، علامہ نے معاصرین کی متعلقہ تحریروں کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور اُن پر بصیرت افروز تبصرے کیے ہیں، جس حدیث پر کلام کیا ہے سیر حاصل کیا ہے، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ دورانِ تصنیف میں علامہ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا ہوں اور بعض موضوعات پر مفید علمی تبادلۂ خیال رہا ہے، جو مسائل عصری اور اجتہادی ہیں ان میں کوئی رائے آخری اور حتمی نہیں کہلائی جا سکتی ہے اور نہ اُس سے ہر شخص کا اتفاق کرنا ضروری ہے، میری اور علامہ کی رائے اکثر عصری مسائل میں متفق ہوتی ہے، تاہم یہ لازمی نہیں اختلاف بھی ہوتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل علامہ کو صحت و عافیت سے نوازے اور اُن کی تدریس و تصنیف میں برکت ڈالے، اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام فرمائے اور مزید کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ناچیز

سیّد شجاعت علی قادری

خادم الحدیث و مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی

۲۶ - ۱۱ - ۱۹۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر علامہ منیب الرحمٰن
صدر شعبہ معارف اسلامیہ
علامہ اقبال گورنمنٹ کالج، کراچی
جنرل سکریٹری دارالعلوم نعیمیہ ٹرسٹ، کراچی۔

نظرے خوش گزرے

ہم جس علمی دور میں اپنی حیات مستعار کے دن پورے کر رہے ہیں وہ من حیث المجموع دینی علوم، دینی مزاج، اسلامی فکر اور اخلاقی اقدار کے اعتبار سے ارتقاء کا نہیں بلکہ تنزل کا دور ہے۔ بادی النظر میں یہ وہ دور ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب علم اٹھا لیا جائے گا، وہ اس طرح کہ علماء ربانیین داصل بحق ہوتے چلے جائیں گے اور ان کی وراثت علمی کا کوئی جانشین پیدا نہیں ہوگا۔ گزشتہ ربع صدی کا آپ جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ وراثت علم نبوت کے کتنے جلیل القدر آفتاب و ماہتاب یکے بعد دیگرے ہمیں داغ مفارقت دیتے چلے گئے، لیکن ہمیں دور دور تک ان کا نعم البدل تو کجا! بدل محض بھی تو نظر نہیں آتا۔ کچھ یہی صورت حال طریقت و سلوک اور دعوت وارشاد کے سلاسل کی ہے۔ جبہ و دستار، مسند و خانقاہ اور درگاہ کے وارث تو بے شمار ہیں بلکہ ان وراثتوں پر باقاعدہ مقدمات ہو رہے ہیں لیکن زہد و قناعت، مجاہدہ و ریاضت، فقر و استغناء، صبر و توکل، تزکیۂ نفس، تواضع و انکسار، پابندی شریعت اور اطاعت رسالت کا وارث کوئی بھی نہیں۔ ائمہ و مشائخ طریقت کے قلب و نظر میں جو انوار نبوت کی شمع روشن تھی اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو متاع گراں مایہ سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتی چلی آرہی تھی، آج ایسا کوئی گنجینہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں جو ان انمول خزینوں کا سفینہ ہوتا۔

اس علمی، فکری، عملی اور اخلاقی انحطاط و زوال کے اسباب و وجوہ متعدد ہیں۔ معاشرہ من حیث المجموع بھی اس کا ذمہ دار ہے، جس معاشرے میں تمام تر دواعی و محرکات اور تحریصات و ترغیبات نفس امارہ کی تسکین اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے موجود ہوں وہاں علمی و روحانی ارتقاء اور زہد و اتقاء کے خال خال مناظر و مظاہر کا نظر آنا بھی خرق عادت میں شمار ہونا چاہیے۔

اس مجموعی ابتری میں سونے پر سہاگہ یہ کہ ہماری معاشرتی زندگی کے بعض شعبے ایسے ہیں جن کے بارے میں تقریباً تواتر کی حد تک یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ لوگ اس جانب اپنے اختیار تمیزی، ترجیحات، خواہش نفس اور جذبۂ باطن کے تحت مائل نہیں ہوتے، بلکہ اضطرار، حالات کے جبر اور ناگزیر مجبوریوں کے پیش نظر انہیں ایسے شعبوں کی طرف آنا پڑتا ہے۔ ان شعبوں میں شعبۂ تدریس بالعموم اور تعلیم و تعلم علوم دینیہ بالخصوص سر فہرست ہیں۔ جب تک کوئی مشغلۂ زندگی صرف ذریعہ معاش بنا رہے مشن نہ بن سکے، اور

عقیدت وعبادت کا مقام دل میں نہ پا سکے تو اس کے ذریعے نہ کرامات کا ظہور ہوتا ہے نہ شاہکار تخلیق ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کی علمی درس گاہوں اور جامعات کے بانجھ پن اور علمی دیوالیہ پن کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کسی معاشرے میں کوئی شعبہ زندگی اتنا ہی پرکشش، دل فریب اور مرکز توجہ قرار پاتا ہے جتنی قدر و منزلت اور رفعت و توقیر وہ معاشرہ اسے عطا کرتا ہے۔ اگر دولت کی جھنکار معیارِ توقیر قرار پائے گی تو معاشرے میں رشوت، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، چوری، ڈاکہ زنی، جوا، وٹہ اور ہر طرح استحصال فروغ پائے گا اور اگر انوارِ علم کی تنظیم و توقیر ہوگی تو اہلِ صفہ، الیسی مجالسِ درس و تدریس سجیں گی، علم اور انسانی اقدار کا فروغ ہوگا۔

یہ سیاق وسباق میں نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے اور ہمارے اندر یہ جرأتِ اعتراف پیدا ہو کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ ایسے ماحول میں علامہ غلام رسول سعیدی کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد و ممتاز ہے کہ انھوں نے حصولِ علمِ دین کا سفر کسی اضطرار یا حالات کی مجبوری کے تحت اختیار نہیں کیا بلکہ عین عالمِ شباب میں جب کسبِ معاش کے لیے اپنی راہ متعین کر چکے تھے کہ ہاتفِ غیب کے "سازِ الست" نے ان کی "مضرابِ روح" کو چھیڑا، عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو "تارِ روح" میں اچانک رواں ہو گئی اور اس نے ان کے خوابیدہ بخت کو جگا دیا، کسی مردِ خدا مست کی مجلسِ وعظ میں شرکت کی اور ان کی تقریر سنتے ہی دل کی دنیا میں ایسا انقلاب بپا ہوا کہ روشنیوں، رنگینیوں اور رعنائیوں کے شہر کراچی کو خیرباد کہا اور سفرِ علمی کی منزلیں طے کرتے کرتے ضلع سرگودھا کے دور افتادہ قصبے بندیال تک جا پہنچے۔ بقول کسے ؎

چھیڑ کے سازِ لا الٰہ تڑپا گیا کوئی
عالم تھا سارا محوِ خواب جگا گیا کوئی

علامہ اقبال نے شاید اسی موقع کے لیے کہا تھا ؎

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

چونکہ جذبۂ دروں، طلبِ صادق اور عشقِ حقیقی کی تڑپ انھیں اس وادیٔ خارزار میں لے آئی تھی، اس لیے انھوں نے اس راہ کے تمام کانٹوں کو پھول سمجھا اور ہر کلفت کو اُلفت کا پیش خیمہ جانا۔ مبداءِ فیاض نے بھی اپنا بابِ رحمت وا کر دیا اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آج وہ علم کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی بلاشبہ ہمارے عہد کے عظیم مفسر، محدث، فقیہ اور محقق ہیں اور شرح صحیح مسلم ان کی علمی رفعت و ارتقاء کا ایک بلند ترین روشن مینار ہے۔ اس عظیم علمی تحقیق کے حوالے سے ان شاء اللہ ان کا نام تا ابد زندہ و تابندہ رہے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
وکاتبہ رمیم فی التراب

انسان کے بنائے ہوئے قوانین اس کے محدود علم، فکرِ نارسا اور محدود و معین ذاتی، گروہی، وقتی اور طبقاتی مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ کبھی بھی دائمی، دیرپا، انسانیت کے لیے بلاتفریق مذہب و رنگ و نسل منفعت بخش، نقائص سے مبرا اور غیر متبدل قرار نہیں پا سکتے۔ چنانچہ موجودہ مہذب دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کے مرتبہ و مروجہ قوانین و آئین میں آئے دن ترمیم و تنسیخ نہ ہوتی رہتی ہو۔ اس کے برعکس اسلام کے اساسی عقائد، عبادات، احکام

اور اصول غیر متبدل اور ناقابلِ تنسیخ ہیں۔ انسانی ذہن کی تخلیق اور خالقِ کائنات کی وحی و تنزیل میں یہی بنیادی فرق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسانی تمدن ہر دم ارتقاء پذیر اور رو بہ تغیر ہے، انسان کے احوال و کوائف آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے تغیر و ارتقاء کی اس رفتار کو تیز سے تیز تر کر دیا ہے۔ آج سے پچاس سال قبل ہم جن باتوں کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے، آج وہ حقیقتِ ثابتہ کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس لیے اسلام کو ہر دور میں ایسے مایۂ ناز، نابغۂ روزگار اور عبقریِ وقت فقہاء و مجتہدین کی ضرورت رہی ہے جو دین کے غیر متبدل اصول کو اپنی اصل شکل میں قائم بھی رکھیں اور ان کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل بھی تجویز فرمائیں کیونکہ جمود و تحجر پر مبنی فقہی علم اور مذہبی ذہن علمی و عملی زندگی پر دین کی گرفت کو کمزور کرنے کا باعث بن جاتا ہے اور اسلام کو ایک ایسے دین کے روپ میں متعارف کراتا ہے جو جدید سائنسی حقائق کا سامنا کرنے کی اہلیت سے محروم ہے۔

ایسی فضا میں جب دینی اصولوں کا اطلاق صحیح طور پر نہ کیا جا رہا ہو، ایسا ذہنی و فکری بعد پیدا ہو جاتا ہے جسے ...... (Generation Gap) یعنی قدیم و جدید نسل کے درمیان ایک ذہنی خلیج اور فکری خلاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اس خلاء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نام نہاد متجددین سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو نجات دہندہ کے روپ میں پیش کر کے نئی نسل کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت فکری طور پر ملحد و لادین ہوتے ہیں لیکن ظاہراً دین کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور دین کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

مصنف نے اجتہادی بصیرت سے کام لیا ہے، جدید مسائل کا انہیں صحیح ادراک ہے۔ جدید نسل کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات اور ابھرنے والے پیچیدہ سوالات تک پہنچنے کا انہیں ملکہ حاصل ہے اور مسکت، عام فہم اور عام انسانی ذہن (Common Sense) کو قائل کرنے والے (Appealing) جوابات دینے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبور عطا کیا ہے گویا ایک ماہر طبیب کی طرح مرض کی صحیح تشخیص بھی کرتے ہیں، اس کا شافی علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ اور ان مسائل کا خالص دینی اور فقہی حل بھی پیش کرتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ کسی بھی تفسیر و حدیث اور فقہی کاوش کو اسی میزان پر پرکھ کر اس کا مقام متعین کرنا چاہیے کہ آیا اس میں سابق ائمہ و مجتہدین کی تحقیقات اور اجتہادی کاوشوں پر کیا اضافہ کیا گیا ہے؟ کون کون سے نئے مسائل کو مسلّمہ اصولوں پر منطبق کر کے اجتہادی بصیرت سے کام لیا گیا ہے، دراصل ایسے علمی کام کو ہی تخلیقی کاوش قرار دیا جا سکتا ہے۔ علامہ سعیدی کی شرح صحیح مسلم کی ہر جلد میں اور ہر اہم مقام پر آپ کو ان کی محققانہ اور مجتہدانہ شان اپنے مرتبۂ کمال پر نظر آئے گی۔

اس دوران اہلِ علم کے لیے ایک نیا تجربہ سامنے آیا۔ وفاقی شرعی عدالت پاکستان کی تشکیل ہوئی اور اس کو یہ اختیار دیا گیا کہ بعض مستثنیات کے علاوہ مروجہ قوانین کی اسلامی حیثیت کو اس میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھانے کے لیے پاکستان بھر کے تمام فکری ملحدین اور متجددین کمر بستہ ہوتے اور "نیا جال لائے پرانے شکاری" کے مصداق وفاقی شرعی عدالت کی "شریعت پٹیشنز" میں اسلامی فقہی احکام کو وہ ملاحیاں سنائیں اور دل کی بھڑاس نکال کہ شاید کسی اور فورم پر وہ ایسا کرنے کی جسارت نہ کر سکتے۔ تاہم اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ کہیے کہ ہمارے ادارے کے سربراہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

مدظلہ اس دور میں بحیثیت جج وفاقی شرعی عدالت سے منسلک تھے اور راقم کے علاوہ بعض دیگر احباب بھی بحیثیت "فقہی مشیر" وفاقی شرعی عدالت کی خواہش پر بعض مسائل میں اپنی فقہی رائے دینے کے لیے پیش ہوتے رہتے۔ لہٰذا اس میں خیر کا ایک پہلو یہ نکل آیا کہ ہمارے ملک کے فکری ملحدین اور متجددین کو اسلامی احکام و قوانین پر جو اعتراضات ہیں وہ منظر عام پر آ گئے اور اہل علم کے علاوہ عامۃ المسلمین کو بھی یہ معلوم ہو گیا ان سیکولر عناصر کو اسلام سے کیا کیا پرخاش ہے۔ چنانچہ احباب کے توسط سے یہ تمام اعتراضات علامہ سعیدی صاحب کے علم میں آتے رہے اور علامہ صاحب نے شرح و بسط کے ساتھ اپنی شرح میں متعلقہ مقامات پر ان کے مسکت جوابات تحریر فرما دیے ہیں۔

جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں، علامہ سعیدی صاحب مجتہدانہ بصیرت کے حامل ہیں اور فکری جمود کا شکار نہیں ہیں اور ایسے ہی اہل علم نے تفقہ اور تحقیق کی روش کے تسلسل کو نہ صرف یہ کہ ہر دور میں برقرار رکھا بلکہ اس کو آگے بڑھاتے رہے۔ لیکن اس شان حزم و احتیاط کے ساتھ کہ شریعت کے جادۂ مستقیم سے ذرہ بھر بھی نہیں ڈگمگائے اور افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوئے۔ اسی طرح مصنف نے بھی کتاب و سنت، اجماع امت، آثار صحابہ، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے استناد کو نہایت ضبط و احتیاط کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی تحریر میں کمال توازن ہے۔ شریعت اسلامی کا اپنا ایک مزاج ہے، اس میں اگر صاحبان عزم و استقلال کے لیے رفعت و کمال کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل ہیں تو عزم و ہمت کی دولت سے عاری حرماں نصیبوں کے لیے بھی اس کے دامانِ رحمت میں عافیت و امان کا وافر اہتمام موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تعلیمات میں عزیمت کی کٹھن منازل بھی ہیں اور رخصت کی شاہراہیں بھی ہیں۔ کہیں اس میں رخصت کی گنجائش ہے لیکن عزیمت کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے جیسے حالت اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کا مسئلہ اور کہیں رخصت کو عزیمت پر ترجیح دی گئی ہے جیسے حالت اضطرار میں حرام سے "قوت لایموت" کی حد تک غذا حاصل کرنے کا مسئلہ۔

زیر مطالعہ شرح صحیح مسلم میں بھی آپ اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے کہ "رؤیت ہلال"، "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" اور "ضبط تولید" ایسے مسائل ہیں کہ شارح نے توازن کو پوری شان کے ساتھ قائم رکھا ہے اور جہاں تک شریعت میں رخصت کی گنجائش ہے، مصنف نے اس کا اطلاق کیا ہے، جواز و اباحت کی تمام ممکنہ صورتوں کا احاطہ کر لیا ہے لیکن اس رخصت شرعی کو ——— "حدود اللہ" کو توڑنے اور حدود شرع سے تجاوز کرنے کا ——— حیلہ بنانے کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اسی طرح موسیقی اور ویڈیو وغیرہ سے متعلق مسائل پر تحقیق کرتے وقت مصنف نے کمال احتیاط سے کام لیا ہے کیونکہ یہ فواحش و منکرات کا مدخل (Gate way) ہیں۔ ان کا جہاں تک ممکن ہو سد باب کرنا ہی اولیٰ اور منشاء شریعت ہے۔ کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن پر قرآن مجید کا یہ ارشاد بطریق کمال صادق آتا ہے کہ "اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" یعنی ان کا شر ان کے خیر پر غالب ہے۔

"رجم" کے "حد شرعی" ہونے کو ملک کے فکری ملحدین گزشتہ چند برسوں سے ایک متنازعہ اور مختلف فیہ مسئلہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور انھوں نے اس پر اپنے تمام علمی، فکری اور پروپیگنڈے کے وسائل صرف کیے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب نے اپنی شرح میں اس موضوع پر معرکۃ الآراء تحقیق سپرد قلم فرمائی ہے، جس میں مخالفین و منکرین کے تمام اُدِلّہ کے مسکت جوابات تحریر فرما دیے ہیں۔ اس عنوان پر اتنا مدلل و جامع مواد آپ کو ان شاء اللہ پہلی مرتبہ مرتب و منضبط شکل میں ملے گا۔ اسی طرح "عورت کی شہادت" اور "حدود میں عورت کی گواہی" کے مسئلہ پر بھی ان تمام اعتراضات کا جائزہ اور تشفی بخش جواب قرآن و سنت کی روشنی میں علامہ صاحب نے رقم فرما دیا ہے۔ اب ان مسائل پر ہم بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ الحمدللہ "حجت شرعیہ" کو اس طور سے واضح کر دیا گیا ہے کہ جدید ذہن کے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کی ضد، ہٹ اور انا قبول

حق میں مانع نہ ہو تو تسلیم خم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ گویا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق علامہ صاحب نے ادا کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن کا یہ ارشاد حدِ فاصل اور معیارِ تمیزِ حق و باطل ہے،

لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ ۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے تو واضح دلائل آنے کے بعد ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے تو دلائل حقہ واضح ہونے کے بعد زندہ رہے۔

اہلِ سُنّت کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم میں ایک خامی جو مجھے نظر آرہی ہے اور جس کا اعتراف اور ازالہ از حد ضروری ہے، وہ یہ کہ "تقابلِ مذاہب" اور "تقابلِ ادیان" کا گہرا مطالعہ نہیں کرایا جاتا اور نہ ہی اس پر ہمارے طلبہ اور فارغ التحصیل علماء کو کماحقہ عبور حاصل ہوتا ہے، جو اس دَور کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عنوان پر کافی و وافی کتب بھی دستیاب نہیں ہیں اسی بناء پر ہمارے طلبہ کو "اہلِ تشیع" کے معتقدات، ان کے اعتقادی و فقہی مراجع و مآخذ پر عبور حاصل نہیں ہوتا۔ علامہ سعیدی صاحب مدظلہ کے مختلف فیہ مسئلے پر تحقیق کے ضمن میں کافی دُور تک اور بہت گہرائی میں گئے ہیں۔ کراچی کی تمام علمی لائبریریاں چھان ماری ہیں اور اہلسنت کے جدید علمی سرمائے میں پہلی مرتبہ ایک وقیع اور جامع اضافہ سامنے آیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا علمی سرمایہ (contribution) ہے۔ اس میں گہرائی و گیرائی بھی ہے اور استدلال کی قوت بھی ہے۔ اور اس مسئلے کے ضمن میں ایسے بہت سے دوسرے مسائل کا بھی احاطہ کر لیا گیا ہے جو اہلسنت و اہلِ تشیع کے مابین "مختلف فیہ" ہیں۔

آپ جلد ثانی و ثالث کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے آپ کو بہت سے ایسے جدید مسائل ملیں گے جنھیں اس سے پہلے شروح حدیث میں یا تو چھیڑا ہی نہیں گیا یا ایسی جامع و مانع اور سیر حاصل بحث نہیں کی گئی کہ عام پڑھے لکھے قارئین کا ذہن مطمئن ہو جائے، اس کی کامل تشفی ہو جائے اور صاحبانِ علم کے لیے تحقیق کی نئی راہیں کھل جائیں مثلاً اعضاء کی پیوند کاری اور پوسٹ مارٹم وغیرہ۔

ایک مجلس میں تین طلاق کے انشاء اور نفاذ کا مسئلہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ کے نزدیک اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، لیکن اس کے باوجود عالیجناب جسٹس پیر کرم شاہ الازہری مدظلہ ایسے ثقہ عالمِ دین بھی اس مسئلہ میں متذبذب اور دعوتِ فکر دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ ہماری معلومات کی حد تک انھوں نے خود اپنی اس رائے یا تحقیق کے مطابق باقاعدہ فتویٰ جاری نہیں فرمایا ہے۔ ان کی "دعوتِ فکر" اہلسنت کے پائے ثبات کو تو متزلزل نہ کر سکی، لیکن چونکہ علماءِ اہلسنت نے اسے نظر انداز کیا اور دلائل حقہ سے اس کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہ فرمائی یا انھوں نے اپنے حلقۂ اثر کو مطمئن پا کر اس کی ضرورت محسوس نہ کی، لہٰذا غیر مقلد حضرات نے اس "دعوتِ فکر" کو اپنے حق میں مالِ غنیمت جانا اور نہایت شان و اہتمام کے ساتھ اسے شائع کیا اور خراجِ تحسین بھی پیش کیا۔ علامہ سعیدی صاحب نے پہلی بار پیر صاحب مدظلہ کے تمام اعزاز و اکرام کو قائم رکھتے ہوئے، اس کا مدلل علمی جواب اس شرح میں سپردِ قلم کیا ہے جس میں اس مسئلہ میں ان کے اشکالات کا ازالہ کر دیا ہے اور ان کے علاوہ غیر مقلدین کے دیگر تمام ادلّہ کا بھی تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

اسی طرح "عدالتی طلاق" اور "زوجِ متعنّت" (یعنی ایسا ظالم شعار شوہر جو نہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور نہ ہی اسے پاسداریٔ حقوق کے ساتھ اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو۔) کے بارے میں ہمارا جدید فقہی سرمایہ کچھ زیادہ قابلِ رشک نہیں ہے۔ علامہ صاحب نے پہلی مرتبہ اس مسئلے پر جامع اور سیر حاصل بحث کی ہے اور اسے ایک خالص انسانی مسئلہ سمجھتے ہوئے اس کا حل تجویز کیا ہے۔ یہ مسئلہ عرصے سے اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کے لیے وجۂ فکر رہا تھا۔ علامہ صاحب نے پہل کی ہے اور ایک شمع روشن کی ہے اب یہ اربابِ فتویٰ کا کام ہے کہ اس کی تائید کریں یا اگر دلائل کی بناء پر انھیں اس سے اختلاف ہے تو اپنا حق ضرور استعمال کریں لیکن

ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ اس انسانی مسئلے کا دینی اور فقہی حل کیا ہے؟۔

تمام جدید مسائل جو اس شرح میں زیر بحث آئے ہیں، اجتہادی مسائل ہیں اور علامہ صاحب کی تحریر ایک محدث، فقیہہ اور مجتہد عصر کی طرح ہے۔ ضروری نہیں کہ سب اہل علم اس سے اتفاق کریں مگر یہ تو تسلیم کریں کہ یہ صحرا و بیاباں میں ایک اذانِ حق ہے۔ نہایت وسعت ظرف کے ساتھ، دلائل حقہ کی بنیاد پر اس سے اتفاق کریں تاکہ امت کے سامنے کم از کم اجماع فقہاء کی صورت آجائے یا اگر اختلاف ہے تو علامہ صاحب کے پیش کردہ دلائل کا جواب دیں اور گریز کی بجائے اس مسئلے کا حل تجویز فرمائیں۔

بعض مسائل میں علامہ صاحب سے ہمارے بعض معتقد اہل علم کے اختلاف رائے کا غائبانہ ذکر تو سننے میں آیا ہے لیکن افسوس ہے کہ کوئی علمی، فقہی اور تحقیقی تردید یا رائے سامنے نہیں آئی۔ یہ بات اس رائے کو تقویت پہنچاتی ہے کہ اختلاف کی بنیاد دلائل و استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ ذہنی جمود اور غیر مجتہدانہ فکر اس کا باعث ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ عرصے سے مختلف تکلیف دہ امراض کا شکار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس دقیع علمی کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور اگر صحت اور زندگی نے وفا کی تو شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد اور بھی کئی علمی منصوبے ان کے ذہن میں ہیں۔ میں اس کتاب کے قارئین، اس کتاب سے استفادہ کرنے والے اہل علم اور عامۃ المسلمین سے التجا کرتا ہوں کہ وہ علامہ صاحب کی صحت اور درازی عمر کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں خلوص و محبت سے دعا فرماتے رہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ یہ عظیم شرح صحیح مسلم پایۂ تکمیل تک پہنچے بلکہ ان کے قلم سے اور بھی کئی معرکۃ الآراء کتب منصۂ شہود پر آسکیں۔

اس کتاب کے پبلیشر سید اعجاز احمد صاحب (مالک فرید بک اسٹال) بھی لائق تحسین ہیں کہ وہ کتاب کی کتابت، طباعت و اشاعت کے تمام مراحل کو سرعت رفتار سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی بڑے جان جوکھوں اور دل گردے کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی مزید صحت اور عزم کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

دارالعلوم نعیمیہ بھی لائق تحسین و آفرین ہے کہ اس ادارے سے علامہ صاحب کی وابستگی کے دور میں یہ دقیع، علمی اور تحقیقی کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور الحمد للہ منظر عام پر بھی آرہا ہے۔ ادارے کو بجا طور پر اس پر فخر ہے اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں اور نوائے سحر گاہی میں اس ادارے، اس کے اراکین، معاونین، اساتذہ اور طلبہ کو بھی یاد رکھیں تاکہ اس علمی سرچشمے کا فیض جاری رہے، یہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور اس کی مساعی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشکور ہوں۔

مخلص

منیب الرحمٰن

۵/ فروری ۱۹۹۰ء

آراء و تاثرات

حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری زید شرفہ

(شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاضل جلیل، علامۃ العصر مولانا غلام رسول سعیدی مد ظلہ اس دور کے نامور محقق اور متبحر عالم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں فکر کی بلندی، نظر کی دقت، مطالعہ کی وسعت اور اظہار مافی الضمیر کی بے پناہ قوت عطا فرمائی ہے، توضیح البیان، ذکر بالجہر اور مقام ولایت و نبوت کے بعد مسلم شریف کی شرح میں ان کے قلم کی جولانیوں کا نیا انداز اور نیا عالم ہے۔

راقم نے شرح صحیح مسلم کے بعض مقامات کا مطالعہ کیا مثلاً "جنبی غیبت شیوب"، "محفل میلاد"، "کوے کی حرمت" وغیرہ، اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت علامہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ شیعہ کتب پر بھی ان کی نظر ہے۔ قدیم مباحث کو انھوں نے بڑی عمدگی سے نکھار کر پیش کیا ہے اور جدید مسائل پر گہرائی میں اتر کر گفتگو کی ہے، البتہ بعض تحقیقات محل نظر ہیں مثلاً داڑھی منڈے کے پیچھے نماز جائز یا ناجائز ہونے کی بحث،[1] ظاہر ہے کہ بے شمار مباحث پر تحقیق کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں تسامح رہ ہی جاتا ہے، امید ہے کہ حضرت علامہ ایسے مقامات پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ مجموعی طور پر ان کی کوشش اور محنت لائق صد تبریک ہے، مولائے کریم جل مجدہ ان کے عمل، علم اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور جلد اس شرح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ امید کی جاتی چاہیے کہ وہ شرح صحیح مسلم مکمل کرنے کے بعد قرآن پاک کی تفسیر کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری
۳۰ - ۱۱ - ۸۹

---

[1] مصنف نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں لکھا ہے کہ داڑھی منڈانا فسق ظنی ہے اور جس شخص کا فسق ظنی ہو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا حسب تصریحات فقہاء مکروہ تنزیہی ہے مصنف کے نزدیک مطلقاً داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور ایک مشت داڑھی رکھنا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے کیونکہ ایک مشت کے وجوب یا سنت مؤکدہ کے ثبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت داڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہو اور یہ ثابت نہیں ہے یا آپ نے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے پر کوئی وعید فرمائی ہو اور یہ بھی ثابت نہیں ہے۔ جن احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم ہے ان میں ایک مشت کی قید نہیں ہے اور مطلقاً داڑھی بڑھانا واجب نہیں ہے، کیونکہ آپ سے کاٹنا بھی ثابت ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ کتاب اللباس میں آئے گی۔ ۱۲ منہ

حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری زید مجدہ

(شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

قد والمجد والکرم حضرت علامہ سعیدی صاحب دامت فیوضاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ ـــــــ مکتوب گرامی باعث نواز ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ۔ کچھ عرصہ قبل "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی میری نظر سے گزری تو اسے طرزِ استدلال، کثرتِ دلائل، اندازِ تفہیم، عصری مسائل پر سیر حاصل ابحاث، معاصرین کے تعاقب، سلاست وروانی، دقتِ نظر اور ندرتِ فکر کے اعتبار سے ممتاز ومنفرد پایا ـــــــ نیز اکثر تحقیقات کو حضرت فقیہ اعظم (قدس سرہ العزیز) کی تحقیقات (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) کے قریب تر پایا۔ یوں اس کتاب کی وقعت میری نظر میں اور بڑھ گئی۔ اب تیسری جلد دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ اتفاقاً لاہور جانا ہوا وہاں سے جلد ثالث حاصل کی، فہرست مسائل میں "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا مسئلہ سامنے آیا۔ چونکہ ان دنوں پاکستان میں تازہ تازہ یہ تجربہ کامیاب ہو چکا تھا لہٰذا خواص وعوام میں یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا سوچا کہ یہ دقیع تحقیق "نور الحبیب" میں چھاپ دی جائے۔ کاپیاں پریس جا رہی تھیں فوراً یہ مضمون فوٹو کرا کے شامل کر دیا گیا اور عجلت کی بناء پر وضاحتی نوٹ اور شرح صحیح مسلم کا حوالہ رہ گیا۔ جس پر بے حد معذرت خواہ ہوں۔ اگرچہ آپ سے مشافہتہ ملاقات نہیں ہوئی تاہم ایک قلبی رابطہ ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ کم وبیش دس پندرہ برس سے آپ کے گرانمایہ مضامین دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے تبلیغی رسائل کی زینت بن رہے ہیں۔

عصری مسائل پر آپ کی جرأت مندانہ تحقیقات انشاء اللہ تعالیٰ راہ نوردانِ تحقیق اور تشنگانِ علم وفکر کے لیے خضرِ راہ ثابت ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

کاش ہمارے علماء کرام اجتہاد واستنباط کی اہمیت کو سمجھیں اور تکفیر کا فقیر بن کر جمود وتعطل کا شکار نہ رہیں۔

والسلام

محمد محب اللہ نوری

۲۵ - ۸ - ۸۹

علامہ خالد محمود زیدمجدہ

(شیخ الحدیث قمر الاسلام کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اے لوگو! آگاہ رہو یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مجھے صلاح وفلاح انسانیت کی غرض سے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب مقدس جیسی تعلیمات الگ سے عطا کی گئی ہیں" اس سے اگلی روایت میں یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ یوں ہے: "خبردار! میں نے کئی چیزوں کا حکم دیا، کئی کے بارے میں رغبت دلائی، کئی سے منع فرمایا بے شک وہ تم پر لازم اور واجب الاتباع ہونے کے لحاظ سے بھی قرآن ہی کی مثل بلکہ اس سے زائد ہیں"

انہی پاکیزہ تعلیمات اور اوامر ونواہی کو حدیث نبوی کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف کی اس وقعت واہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے شروع سے لے کر آج تک بڑی جگر کاویوں، نہایت جانفشانیوں کے ساتھ اس کی خدمت اور حفاظت کی ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک رہے گا۔ حدیث شریف کے حصول وجمع، تدوین وترتیب، تحقیق وتدقیق اور تفحص وتجرید میں ہمارے اسلاف علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جس ذوق وشوق، عقیدت ومحبت اور والہانہ لگن سے کام لیا ہے، اس کی نظیر ومثیل باقی دنیائے علم کی تاریخ میں نظر نہیں آتی، نہ آسکتی تھی اور نہ آسکے گی۔ رشد وہدایت اور دینی ودنیوی فوز وفلاح کے اس بحر زخار میں حضرات محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے دور میں بھرپور غواصی کی اور انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کی راہنمائی کے لیے بے شمار گہرہائے آبدار مہیا فرمائے۔ اسی سلسلہ زرنگار کی ایک کڑی علم حدیث کی انتہائی بلند پایہ کتاب "صحیح مسلم" کی وہ اردو شرح ہے جو فی الواقع ممتاز سکالر علامہ غلام رسول سعیدی کی تصنیف ہے۔

فرماتے ہیں "اس کتاب میں اسلام کی حقانیت اور اہل سنت وجماعت کے اعتقادی نظریات پر ٹھوس دلائل پیش کیے ہیں، فقہاء اربعہ کے مسالک کو ان کی اصل کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے اور فقہ حنفی جو فی الواقع وحی الٰہی اور مزاج رسالت سے قریب تر اور سب سے زیادہ خوف خدا، دقت نظری اور احتیاط کی حامل ہے۔ اس کی ان خصوصیات کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ جو مسائل حاضرہ اس کتاب کے ابواب کے مناسب تھے ان کو شرح وبسط سے ذکر کیا ہے۔ کسی موضوع پر بھی لکھتے وقت ہم نے تنگ نظری اور فکر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ کتاب وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے وہ معروضی انداز میں لکھا ہے کسی شخص یا کسی مکتب فکر کے خلاف غیر سنجیدہ یا غیر شائستہ زبان استعمال نہیں کی اور کسی موقع پر بھی احترام انسانیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔"

حضرت مصنف نے عہد حاضر کے جن جدید مسائل پر سیر حاصل تحقیقی گفتگو کی ہے، ان میں چند ایک یہ ہیں، ریل گاڑی، ہوائی جہاز اور بحری جہاز میں نماز، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ۔ ہاؤس بلڈنگ کارپوریشن کے قرضہ جات اور ایسے دیگر میعادی قرضوں کے وجوب زکوٰۃ پر اثرات، عطیہ وانتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری، پوسٹ مارٹم، وی سی آر وغیرہ۔

شرح کو وقیع بنانے کے لیے انھوں نے جو عرق ریزی کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے متعلقہ تمام کتب کا موضوعی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ معاصر علماء کرام سے علمی مذاکرات کر کے حقیقت کے رخ زیبا کی نقاب کشائی کی ہے اسی طرح انھوں نے جدید مسائل میں متعلقہ محکمہ جات کے ماہرین اور ارباب بست وکشاد سے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو محیط معلومات حاصل کر کے قلم اٹھایا ہے۔

کتاب اگرچہ انتہائی علمی مباحث پر مشتمل ہے تاہم حضرت مصنف نے سلاست و فصاحت کے ساتھ ساتھ زبان کو انتہائی سادہ اور آسان رکھا ہے چنانچہ یہ تصنیف لطیف جتنی مفکرین و محققین، اساتذہ و سکالرز کے مفید بلکہ ضروری ہے ہندی طلبہ اور اردو دانوں کے لیے بھی اتنی ہی نافع ہے۔

خالد محمود
۱۵-۴-۸۹

مولانا محمد عالم مختار حق زید مجدہ (لاہور)

مکرمی و معظمی جناب سعیدی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف!

سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے صحیح مسلم کی شرح کر کے ایک بہت بڑے علمی خلاء کو پورا کیا ہے۔ جزاک اللہ تعالیٰ، اس شرح کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے اس شرح میں ان مسائل کا حل پیش کیا ہے جن کا جواب عام فقہی کتابوں میں نہیں ملتا، یا علماء کرام تقلید جامد کے پیش نظر ان مسائل پر قلم اٹھاتے ہوئے گھبراتے ہیں یا اپنے آپ میں ایسے مسائل کو حل کرنے کا ملکہ نہیں پاتے، اس سلسلہ میں آپ نے ہمت مردانہ سے کام لے کر اپنی خداداد قابلیت سے ان مسائل کے حل میں اپنی ژرف نگاہی سے کام لیا یہ آپ ہی کا حق تھا ورنہ علماء کرام تو اس کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، میں نے جلد دوم کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے اور میں علی وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو زبان میں اس قسم کی مثال اس سے پہلے موجود نہیں ہے۔

محمد عالم مختار حق
۳-۷-۸۹

حضرت علامہ قاری ظہور احمد فیضی زید حبہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی وسلم علی رسولہ الکریم

حقیقت یہ ہے کہ شرح صحیح مسلم کی مکمل خوبیوں کا احاطہ اس کا مطالعہ کئے بغیر نہیں کیا جاسکتا تاہم ہماری دانست میں اس کتاب کی جو سب سے اہم خوبی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے قاری کو مرعوبیت سے نکالتی ہے اور جرأت وعزیمت بخشتی ہے اس کو پڑھنے سے اقوالِ فاسدہ اور شخصیت پرستی سے نجات ملتی ہے اور قرآن وسنت کی اطاعت اور سلفِ صالحین کے اقوالِ صحیحہ کی اہمیت پیدا ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اہلسنت کے دلوں میں بفضلہٖ تعالےٰ ادب وتعظیم کی سعادت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ہمارے ہاں ادب وتعظیم کی تلقین بھی زیادہ کی جاتی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ ادب وتعظیم کے بغیر کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے بعض نادان لوگ بزعم خویش اتنے باادب بننے لگے اور ادب وتعظیم میں ان سے اس قدر مبالغہ ہوا کہ وہ شخصیت پرستی میں مبتلا ہوگئے، حتیٰ کہ بعض اکابرین کے بارے میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان سے (تحریری یا تقریری) کسی قسم کی غلطی نہ ہوئی نہ ہوتی ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر ہر بشر سے کوئی نہ کوئی غلط لفظ، فکر وسوچ کی غلطی اور خطا واقع ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں، اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالعدم نہیں، پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر ایک کا قول لیا بھی جاتا ہے اور مردود بھی قرار دیا جاتا ہے سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳) میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے (ج ۶، ص ۸۷) علامہ سعیدی زید فیوضہ کو اللہ تعالیٰ دارین کی خیر عطا فرمائے انہوں نے شرح صحیح مسلم میں بکثرت اعلیٰ حضرت کی اتباع کرتے ہوئے بڑے مہذب وشائستہ انداز سے ایسے بے ڈھنگے ادب کی بیخ کنی فرمائی اور اہلسنت کو پھر سے شخصیت پرستی سے نجات دلائی۔ اور انہیں یہ باور کرادیا کہ کسی بھی بڑی شخصیت سے علمی اختلاف کرنا اور دلائل قویہ کے ساتھ اس کے ضعیف، مرجوح یا باطل ومردود قول کو ترک کردینا اس بزرگ کی بے ادبی نہیں بلکہ شخصی قول کے مقابلہ میں قرآن وسنت اور اجماع امت کی حاکمیت کا برقرار رکھنا ہے اس میں کسی بڑی شخصیت کی بے ادبی سمجھنا قرآن وسنت کی حاکمیت کا انکار ہے۔

ترمذی شریف "باب ماجاء فی التمتع" میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا جائز ہے۔ اس نے کہا آپ کے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا، میرے باپ نے اس سے روکا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا۔ بتلائیے! میں باپ کے حکم کی اتباع کروں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی، اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم

کی۔ فرمایا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اسے یقیناً کیا ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۴) سبحان اللہ! اسے دین پرستی کہتے ہیں۔ شرح مسلم میں جہاں بھی کہیں کسی بڑی شخصیت سے اختلاف کیا گیا یا ان کے قول کو باطل قرار دیا گیا تو اسی پاکیزہ جذبہ کے تحت اگر اس دینی جذبہ کو شخصیت پرستی پر قربان کر دیا جاتا تو آج دینِ اسلام اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے قطعاً موجود نہ ہوتا۔ اگر اقوالِ باطلہ کا رد کرنا بے ادبی قرار دیا جائے تو اقوالِ صحیحہ پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً بہارِ شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ جو بدھ کے دن ناخن ترشوائے وسواس و خوف نکلے گا اور امن و شفا آئے گی۔ اور فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۷ میں ہے کہ بدھ کے دن ناخن تراشنے سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بہارِ شریعت حصہ ۴ ص ۲۸ میں ہے خوش خواں (خوش آواز) کو امام بنانا نہ چاہیئے بلکہ درست خواں کو امام بنائیں جبکہ فتاویٰ رضویہ میں خوش آوازی کو مرجحاتِ امامت سے شمار کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۱۸۱) اسی طرح مفتی مظہر اللہ دہلوی نے فتاویٰ مظہریہ ص ۸۹۔ ۲۸۸ میں انگریزی دواؤں کا استعمال جائز لکھا ہے اور فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۵ میں انگریزی دواؤں کو ناجائز لکھا ہے بتلائیے کس قول پر عمل کیا جائے؟ شرح صحیح مسلم کے مطالعہ سے قبل جب ہم لکیر کے فقیر تھے تو ایسے متضاد اقوال کو پڑھ کر پریشان ہو جاتے تھے کہ کس ہستی کے قول کو حق مانا جائے۔ اور کس کو ناحق۔ شرح صحیح مسلم کے پڑھنے سے حق تعالےٰ نے ایسی روشنی عطا فرمادی کہ اب یہ تمیز حاصل ہو گئی کہ ایسے تمام متضاد اقوال میں راجح اور مرجوح اور حق و باطل کا فرق سمجھ آجاتا ہے۔ ورنہ اس سے قبل ہمارے ذہنوں پر مرعوبیت و شخصیت پرستی کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس نے شرح صحیح مسلم کی صورت میں ہمیں عظیم نعمت عطا فرمائی۔

آج کل فرید العصر و حید الدہر عمدۃ المفسرین رئیس المحدثین نابغہ روزگار حضرت علامہ سعیدی دام فیوضہ تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں کامل صحت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ یہ تفسیر پوری کر سکیں اور اہلسنّت کے لئے اس قسم کی دیگر وقیع تصانیف تحریر کر سکیں۔ آمین۔

والحمد للہ اولاً و آخراً والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ دائماً ابداً

از قلم، ظہور احمد فیضی

خطیب جامع مسجد "الف" کھارادر کراچی

۵ صفر ۱۴۱۷ھ / ۲۲ جون ۱۹۹۶ء

ا ـــ ✽ ـــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العتق

عتق کا لغوی معنی

امام لغت سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں عتق کے متعدد معانی ہیں، کرم، جمال، شرف و نجابت اور حریت کہا جاتا ہے "عتق العبد فلان" فلاں شخص نے غلام آزاد کر دیا۔[1]

عتق کا اصطلاحی معنی

کسی شخص میں ایسی قوت حکمیہ نافذ کرنا جس کی وجہ سے وہ اپنی اور کسی اور کی مالکیت کا اہل ہو اور اپنے نفس کا اور غیر کا ولی ہو سکے، شہادت دے سکے، دوسری چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو اور اپنے نفس سے غیر کے تصرف کو دور کر سکے۔[2]

غلام کی تعریف

غلام وہ شخص ہوتا ہے جو غیر کا مملوک ہو، اس میں مالکیت اور ولایت کی اہلیت ہوتی ہے نہ شہادت کی اور وہ از خود کسی چیز میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا، نہ اپنے نفس میں نہ غیر میں۔

غلامی کے اسباب

غلامی کا ایک سبب ہے کسی شخص کا نسلاً غلام ہونا۔ دوسرا سبب ہے میدان جہاد میں جو کافر قید کیے گئے ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندیاں بنانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور غلامی سے باغی اور منحرف تھے اس لیے بطور سزا کے انہیں اللہ کے بندوں کا غلام بنا دیا گیا، پھر جب امیر لشکر انہیں مجاہدین میں تقسیم کرے گا تو یہ جن مجاہدین کے حصہ میں آئیں گے ان کے شخصی غلام قرار پائیں گے، اسی طرح میدانِ جنگ میں پکڑی جانے والی عورتیں جن کے حصہ میں آئیں گی ان کی باندیاں ہوں گی یا مالِ غنیمت کا جو پانچواں حصہ بیت المال روانہ کیا جائے گا اس حصہ میں سے سلطان جس شخص کو جو قیدی تقسیم کرے گا وہ اس کے غلام اور باندیاں ہوں گے، اگر تقسیم سے پہلے کسی شخص نے کسی قیدی مرد یا عورت کو پکڑ لیا تو وہ اس کے غلام اور باندی نہیں ہوں گے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ کسی شخص سے غلام یا باندی کو خرید لیا جائے، چوتھا سبب ہے ان کا ہبہ اور پانچواں سبب ہے ان کی وراثت۔

اسلام نے سب سے پہلے غلامی کے خاتمہ کے لیے قانون بنائے

اسلام کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے انسانوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہ فعل اخلاق اور انسانیت دونوں کے خلاف ہے۔ یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ اسلام

---

[1] امام لغت سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس شرح القاموس ج ۷، ص ۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ۔

[2] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۲ ص ۲ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔

سے پہلے دنیا میں یہ عام چلن تھا کہ آزاد انسان کو کوئی شخص پکڑ کر کہیں بیچ ڈالتا تھا اور خریدنے والا اس کو غلام بنالیتا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اس کی واضح مثال ہے۔ اسی طرح جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کو غلام اور باندیاں بنانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی، انسانیت پر اس ظلم کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے قانون بنایا اور آزاد انسان کی بیع کو حرام کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن میں تین شخصوں سے جھگڑا کروں گا ایک وہ شخص جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے مزدوری کرانے کے بعد اس کو اجرت نہیں دی[1] اسی طرح جنگی قیدیوں کو پہلے صرف غلام بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کے علاوہ تین اور صورتیں بیان کیں (ا) جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ (ب) مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیا جائے۔ (ج) ان پر احسان کر کے بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔

قرآن مجید نے غلام اور باندیوں کے لیے "ما ملکت ایمانکم" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جن کو تم نے اپنے زور بازو سے اپنا مملوک بنایا ہے اور محض زور بازو سے قبضہ کی جائز صورت صرف جہاد ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

یایها النبی انا احللنا لك ازواجك التی اتیت اجورهن وما ملكت یمینك مما افاء الله علیك (احزاب: ۵۰)

"اے نبی ہم نے آپ پر آپ کی بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں اور آپ کی باندیوں کو آپ پر حلال کر دیا ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کے ذریعہ عطا کی ہیں۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر جہاد میں قید ہو کر مال غنیمت سے تقسیم کیے جائیں صرف انہیں کو لونڈی یا غلام بنایا جاتا ہے اور یہ بھی اس صورت میں مباح کیا گیا ہے جب فریقین میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کا رواج نہ ہو، اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے قوانین اور ترغیبات

جس وقت مذہب اسلام کا ظہور ہوا دنیا میں غلامی کا رواج بہت زیادہ تھا، اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مختلف طریقے مشروع کیے اور غلام کے آزاد کرنے کو متعدد غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ قرار دیا مثلاً اگر کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے تو اس کے کفارے کی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ولكن یؤاخذكم بما عقدتم الایمان فكفارته اطعام عشرة مسكین من اوسط ما تطعمون اهلیكم اوكسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام ذلك كفارة ایمانكم اذا حلفتم (مائدہ: ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری پختہ قسموں (کی خلاف ورزی) پر مواخذہ کرے گا۔ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر انہیں توڑ دو۔"

اسی طرح ظہار کے کفارے میں بھی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے: والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا۔ (مجادلہ: ۳)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو اپنی ماؤں سے تشبیہ دے بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ باشر

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

سے پہلے ایک غلام آزاد کریں ... اور جس کو غلام میسر نہ ہو وہ مباشرت سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔"
اسی طرح احادیث صحیحہ میں روزے کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے مسلسل روزے بیان کیا گیا ہے۔[1]
اگر کوئی شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے (مثلاً ٹریفک کے حادثہ میں ڈرائیور کی غلطی سے کوئی راہ گیر مارا جائے) تو اس کا کفارہ بھی غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله (نساء: ۹۲) "جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو دیت بھی ادا کرنا ہے۔" اور اگر مسلمان نے کسی غیر معاہد کافر ملک میں رہنے والے مسلمان کو قتل کر دیا تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: فان كان من قوم عدو لكم وهو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة (نساء: ۹۲) "اور اگر مقتول تمہارے دشمن ملک کا رہنے والا ہے اور وہ مقتول خود مومن ہے تو اس کا کفارہ صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔" اور اگر کسی کافر معاہد ملک کے رہنے والے شخص کو کسی مسلمان نے غلطی سے قتل کر دیا تو اس کا کفارہ بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين (نساء: ۹۲) "اور اگر مقتول اس ملک کا رہنے والا ہو جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنا لازم ہے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا لازم ہے اور جس کو غلام نہ مل سکے وہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔"
اسی طرح قرآن اور سنت میں غلام کو آزاد کرنے کی ترغیبات بھی دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما ادراك ما العقبة ○ فك رقبة ○ او اطعام فى يوم ذى مسغبة ○ يتيما ذا مقربة ○ او مسكينا ذا متربة ○ (بلد: ۱۱ - ۱۶) "تمہیں کیا پتا کہ دین کی دشوار گزار راہوں پر چلنے کا کیا طریقہ ہے؟ (وہ طریقہ:) غلام کو آزاد کرنا ہے، قحط کے ایام میں بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یا کسی رشتہ دار یتیم کو کھلانا ہے یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔"
امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال قال النبی صلی الله علیه وسلم ايما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ الله بكل عضو منه عضوا منه من النار۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کر دے گا۔

مسلمانوں کے غلام آزاد کرنے کی چند مثالیں

مسلمانوں نے بکثرت غلام آزاد کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے نجم وہاج سے نقل کر کے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ۔
[2] " " " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۲

علیہ وسلم نے تریسٹھ غلام آزاد کیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہتر غلام آزاد کیے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بکثرت غلام آزاد کیے، حضرت عباس نے ستر غلام آزاد کیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف دوران محاصرہ بیس غلام آزاد کیے۔ حضرت حکیم بن حزام نے ایک سو غلام آزاد کیے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار غلام آزاد کیے، ذوالکلاع حمیری نے ایک دن میں آٹھ ہزار غلام آزاد کیے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے[1]

اسی طرح دیگر صحابہ و تابعین اور بعد کے مسلمان نجات اخروی و ثواب کے شوق میں مسلسل غلام آزاد کرتے رہے تا آنکہ غلامی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

اسیرانِ جنگ کے بارے میں اسلام کی ہدایات

ہر چند کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بنانا جائز ہے لیکن اسلام میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دو صورتیں اور بھی ہیں،

قرآن مجید میں ہے: فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ط حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا (محمد ۴) "جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو، پھر یا تو ان پر محض احسان رکھ کر ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دو"۔

ائمہ ثلاثہ، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس آیت کے مطابق قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور مال کے بدلہ میں یا جنگی قیدیوں سے تبادلہ میں ہر طرح چھوڑ دینا جائز ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ: ۵) "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" سے منسوخ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی جنگی قیدیوں کو قیدیوں سے تبادلہ میں یا بلا معاوضہ چھوڑ دینا جائز ہے، اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس طرح یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں، اگر جنگی قیدی اسلام قبول نہ کریں تو امیر چاہے تو ان کو قتل کر دے، یا ان کو غلام بنا لے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے، یہ حکم مشرکین عرب اور مرتدین کے ماسوا میں ہے، اور قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا حرام ہے، امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاما منا بعد واما فداء۔ "ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے منسوخ ہے (شرح مجمع) اسی طرح جنگ کے ختم ہونے کے بعد ان کو فدیہ لے کر انھیں چھوڑنا بھی حرام ہے البتہ جنگ کے اختتام سے پہلے مال کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے لیکن مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے (درر و صدر الشریعۃ) امام محمد اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ سے بھی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے (شمنی)[2]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ سیر کبیر میں لکھا ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلے میں چھوڑ دینا جائز ہے اور ان سے منقول دو روایتوں میں یہی زیادہ ظاہر

---

[1] نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح العلام شرح بلوغ المرام ج ۲ ص ۳۳۲۔

[2] علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷ - ۳۱۶ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

روایت ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ امام محمد اور امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک مشرک کو چھوڑ دیا اور مکہ میں قید کیے جانے مسلمانوں کے بدلہ میں ایک عورت کو چھوڑ دیا، (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جبکہ مال کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ کے عوض بھی جنگی قیدی چھوڑنا جائز ہے، اور مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا بھی جائز ہے۔[1]

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کا حکم جنگی قیدیوں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت "فاما منا بعد واما فداء" کے لیے ناسخ نہیں ہے۔[2] لہٰذا جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ چھوڑ دینا اور قیدیوں سے تبادلہ میں رہا کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی مشروعیت کا سبب

غلاموں کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص پر یہ واضح ہوگا کہ اسلام کی نظر میں انسان کو انسان کا غلام بنانا ایک ناپسندیدہ فعل ہے، چونکہ بعثت سے پہلے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا ایک عام دستور تھا اور قیدیوں کے تبادلہ میں یا انھیں احساناً رہا کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے اسلام نے قیدیوں کے غلام بنانے کو اباحت کے درجہ میں جائز رکھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو اور صورتیں بھی بیان کردیں کہ مال کے بدلہ میں یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کر دیے جائیں یا بطور احسان بلامعاوضہ جنگی قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنایا ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ کافر ملک کے جنگی قیدیوں کو غلام بنالیں کیونکہ "جزاء سیئة سیئة مثلها (شوریٰ: ۴۰)" اور برائی کا بدلہ تو اسی کی مثل برائی ہے" اور اگر کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بنایا ہو بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو قید کر رکھا ہو اور ان کی رہائی کے عوض وہ اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تو تبادلہ میں جنگی قیدی چھوڑ دینے چاہئیں، اور اگر کافروں نے ہمارے قیدیوں کو تبرعاً بلامعاوضہ چھوڑ دیا ہو تو ان کی بہ نسبت مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے ہم زیادہ لائق ہیں۔ اس لیے ایسے موقع پر ہمیں بھی ان کے قیدیوں کو احساناً اور تبرعاً بلامعاوضہ چھوڑ دینا چاہیے، اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو نفس میں غلام بنانے کی عام اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ایک خاص ضرورت میں بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق کتاب الجہاد (جلد خامس) میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے فوائد اور ثمرات

پہلی چیز تو یہ ہے کہ جب کوئی جنگی قیدی غلام بن کر کسی مسلمان کے پاس رہے گا تو اس کو مسلمانوں کے مکارم اخلاق کو دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ قید خانہ کی ہولناک اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا کہیں بہتر ہے، کیونکہ اسلام نے غلاموں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنے کے

---

[1] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷ - ۳۱۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ۔

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بعد غلامی کا صرف نام رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمسکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ۱ ۳۶)۔
ماں باپ، قرابت داروں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، رفقاء مجلس، مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے، پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ چیز کھلائے جس کو وہ خود کھائے اور وہ کپڑے پہنائے جن کو وہ خود پہنے اور ان کو ان کی قوت برداشت سے زیادہ مکلف نہ کرے[۵] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلاموں کی اپنی اولاد کی طرح عزت اور توقیر کرو اور ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان کو مکلف نہ کرو اگر ان کو کوئی مشکل کام سونپو تو اس میں ان کی مدد کرو[۶] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے[۷] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے جاتے وقت نماز کے بعد اگر کسی کی فکر تھی تو وہ لونڈیوں اور غلاموں کی تھی، رفیق اعلیٰ سے وصال کے وقت جو آخری کلمہ آپ کی زبان پر تھا وہ یہی تھا "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم[۸] "نماز اور لونڈی غلام"! کسی مسلم معاشرہ میں جب کوئی کافر غلام مسلمانوں کو ان احکام پر عمل کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یقیناً اسلام سے متاثر ہوگا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ لوگوں کا اسلام سے دور رہنا اور اسلام کو قبول نہ کرنا زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور جب کسی کافر شخص کو غلام ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ مسلمانوں کے مثالی معاشرہ کا مطالعہ کرے گا اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سے آگاہ ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم نہ رہ سکے گا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بکثرت کافر غلام مسلمان ہو گئے، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور ترغیبات کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی شخص کو ہمیشہ اپنی غلامی میں نہیں رکھتا اور جلد یا بدیر اس کو بالآخر آزاد کر دیتا ہے۔

اس بحث کے تمام عنوانات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلام نے لونڈیوں اور غلاموں کو فروغ نہیں دیا، بلکہ اسلام نے ایسی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے تدریجاً غلامی ختم ہو جاتی ہے اور فی الواقع دنیا میں اسی طرح ہوا، رہا جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے جواز کا معاملہ تو وہ اس زمانہ کے حالات کی وجہ سے تھا جنگی قیدیوں کو غلام بنانا لازم اور واجب نہیں ہے بلکہ چار مباح صورتوں (جزیہ لے کر آزاد کرنا، بلا معاوضہ رہا کرنا، معاوضہ لے کر رہا کرنا اور غلام بنانا) میں سے ایک صورت ہے اور اب چونکہ تمام دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور اسلام باقی مذاہب کی بہ نسبت مکارم اخلاق اور حقوق انسانیت کا زیادہ محافظ ہے اس لیے اب اسلام میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جن حالات میں اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی تھی اب مہذب دنیا میں وہ حالات نہیں رہے۔

۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ
۶۔ امام ابو عبد اللہ یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۴۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قابلِ اعتراض ہے؟

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام میں اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی نخواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؟ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کہے میں نے قبول کیا، اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب و قبول کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ آخر ایجاب و قبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکلیہ مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب و قبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کر دیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب و قبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں، بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لیے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قابلِ اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کو مالکوں پر حلال کر دیا ہے۔ بشرطیکہ اس کا شرعاً باندی ہونا صحیح ہو جسے ہم نے "غلامی کے اسباب" کے تحت بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم۔
(نساء: ۳)

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو۔

والمحصنات من النساء الا ما ملكت ايمانكم۔
(نساء: ۲۴)

دوسروں کی بیویاں تم پر حرام ہیں البتہ تمہاری باندیاں تم پر حرام نہیں ہیں۔

والذين هم لفروجهم حافظون ۝ الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين ۝ (مؤمنون ۵-۶)، (معارج ۳۰)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کرنے میں ان پر ملامت نہیں ہے۔

يا يها النبی انا احللنا لك ازواجك التی اتيت اجورهن وما ملكت يمينك مما افاء الله عليك۔

اے نبی! ہم نے آپ پر آپ کی بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں، اور آپ کی باندیوں کو آپ پر حلال کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ غنیمت کے ذریعہ

(احزاب، ۵۰)

عطا کی ہیں۔

لا یحل لك النسآء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن الا ما ملکت یمینك۔

(احزاب: ۵۲)

ان (ازواج مطہرات) کے بعد اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال نہیں، نہ ان بیویوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح آپ کے لیے جائز ہے خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو، البتہ جو باندیاں آپ کی ملک میں آئیں وہ آپ پر حلال ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے باندیوں سے مباشرت کی اجازت دی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد منکوحہ بیوی مرد پر حلال ہو جاتی ہے اور اس سے مباشرت کرنا قابل اعتراض نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد مملوکہ باندی بھی مرد پر حلال ہو جاتی ہے اور اس سے مباشرت کرنا بھی کسی طور سے لائق اعتراض نہیں ہے۔

اسلام میں غلاموں اور باندیوں کی جو حیثیت رکھی گئی ہے ایک طبقہ کی طرف سے اس پر مسلسل اعتراض کیے جاتے رہے ہیں اور کہا جاتا رہا ہے کہ انسانوں کو غلام بنانے کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے اور بغیر نکاح کے باندیوں سے مباشرت کی اجازت دی ہے اور ان چیزوں کا مذموم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس اعتراض کا جواب میں ہمیشہ درس حدیث میں دیتا رہا اور اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے میں نے ان جوابات کو شرح صحیح مسلم میں منضبط کر دیا ہے، ہر چند کہ ان جوابات میں کوئی نئی بات نہیں ہے اور ہمیشہ سے فقہاء اسلام، اسلام کی مدافعت میں اس قسم کے جوابات دیتے چلے آئے ہیں لیکن بقول غالب:

ہونے کو تو دنیا میں ہیں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

والحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على خاتم النبيين افضل المرسلين قائد الغر المحجلين وعلى اله الطيبين الطاهرين واصحابه القائدين الكاملين وازواجه امهات المؤمنين واولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔

۳۶۶۰- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے درآں حالیکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہو تو کسی عادل سے غلام کی متوسط قیمت لگوا کر دوسرے شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کی جائے گی اور اس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا جائے گا، اور اگر اس شخص کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو تو جس قدر غلام اس نے آزاد کیا تھا اتنا ہی آزاد ہوگا۔

٣٦٦١ - وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا أَيُّوبُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ ح قَالَ وَثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ .

امام مسلم نے آٹھ سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حسب سابق حدیث روایت کی۔

٣٦٦٢ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا نَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَمْلُوكِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا قَالَ يَضْمَنُ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی حصہ دار اس غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے جس میں ایک اور شخص بھی شریک ہے تو وہ دوسرے کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

٣٦٦٣ - وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ ابْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ فِي عَبْدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کسی غلام میں حصہ ہو اور وہ اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر آزاد کرنے والے کا مال ہے تو غلام کا بقیہ حصہ اس کے مال سے آزاد کر دیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو (اس بقیہ حصہ کے بدلے میں) غلام سے محنت مزدوری کرائی جائے گی اور اس پر

فَخَلَاصُهٗ فِیْ مَالِهٖ اِنْ کَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَیْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَیْهِ

مشقت نہیں ڈالی جائے گی۔

۳۶۶۴- وَحَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ اَنَا عِیْسٰی یَعْنِی ابْنَ یُوْنُسَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَزَادَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ مَالٌ قُوِّمَ عَلَیْهِ الْعَبْدُ قِیْمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ یُسْتَسْعٰی فِیْ نَصِیْبِ الَّذِیْ لَمْ یُعْتِقْ غَیْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَیْهِ۔

ایک اور سند سے یہ روایت منقول ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال نہیں ہوگا تو غلام کی منصفانہ قیمت لگوا کر غلام سے آسانی کے ساتھ محنت مزدوری لے کر اس شخص کا حصہ ادا کیا جائے گا جس نے اپنا حصہ آزاد نہیں کیا تھا۔

۳۶۶۵- حَدَّثَنِیْ هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِیْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ یُحَدِّثُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ بِمَعْنٰی حَدِیْثِ ابْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ وَذَکَرَ فِی الْحَدِیْثِ قُوِّمَ عَلَیْهِ قِیْمَةَ عَدْلٍ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اور اس حدیث میں بھی یہ ہے کہ اس کی منصفانہ قیمت لگوائی جائے گی۔

مشترک غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرنے کے بعد بقیہ حصے میں مذاہب فقہاء

دو شخصوں کا ایک مشترک غلام ہو اور ان میں سے ایک شخص اپنے حصہ کا غلام آزاد کر دے اور دوسرے نے اپنا حصہ آزاد نہ کیا ہو تو اس میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں، جن کو علامہ نووی اور علامہ عینی نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، چونکہ آج کل لونڈی اور غلام کے مسائل در پیش نہیں ہیں اس لیے یہاں ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے اختلاف فقہاء کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ کا یہ نظریہ ہے کہ اگر مشترک غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کرنے والا شخص مال دار ہے تو اس کا حصہ تو آزاد کر دیا جائے گا، اور اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو اپنے حصہ کو بھی آزاد کر دے اور اگر چاہے تو کسی عادل شخص کی لگائی ہوئی قیمت کے مطابق آزاد کرنے والے شخص کو ضامن بنا دے اور اگر چاہے تو اپنے حصہ کے مطابق غلام سے کمائی کرا لے اور غلام مکاتب کی طرح ہو جائے گا، پس اگر غلام آزاد کر دیا گیا یا اس سے کمائی کرائی گئی تو ولاء دونوں میں مشترک ہوگی اور اگر آزاد کرنے والے کو بقیہ حصہ کی قیمت کا ضامن بنا دیا گیا (یعنی دوسرا شریک آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کی رقم لے گا اور وہ غلام سے رجوع کرے گا اور غلام اس کو کما کر رقم ادا کرے گا) تو ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو اس کو ضامن بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے اور اب دوسرا فریق یا تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور یا اس کے بدلے میں غلام سے کمائی کرائے[1]

امام ابویوسف اور امام محمد کا نظریہ

امام ابویوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر مالدار شخص نے کسی مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے فریق

[1] (حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۸۳-۸۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

کے لیے جائز ہے کہ وہ آزاد کرنے والے کو کسی عادل شخص کی لگائی ہوئی قیمت کا ضامن کر دے اور آزاد کرنے والا اس قیمت کو غلام سے وصول نہیں کرے گا، اور اگر آزاد کرنے والا شخص غریب ہو تو وہ صرف غلام سے کمائی کرا سکتا ہے، اور ان دونوں صورتوں میں ولاء صرف آزاد کرنے والے شخص کے لیے ہوگی[1]

ائمہ ثلاثہ کا نظریہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مالدار شخص کے آزاد کرنے میں وہی نظریہ ہے جو امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے، اور غریب آدمی کے آزاد کرنے میں ان کا یہ نظریہ ہے کہ صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا، اور دوسرے فریق کی ملکیت غلام پر قائم رہے گی اور وہ اس کی کمائی میں سے اپنا حصہ لے گا یا ایک دن اس سے خدمت لے گا اور ایک دن اس کو آزاد رکھے گا اور اس سے کمائی نہیں کرائے گا، غریب آدمی کے آزاد کرنے میں امام مالک کا بھی یہی نظریہ ہے، البتہ امیر آدمی کے آزاد کرنے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ بغیر قیمت کی ادائیگی کے امیر آدمی کا حصہ آزاد نہیں ہوگا[2]

اختلاف فقہاء کا خلاصہ اصل میں فقہاء کا اختلاف صرف دو چیزوں میں ہے، پہلا اختلاف اس میں ہے کہ آیا اعتاق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عتق مطلقاً متجزی ہوتا ہے اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک عتق مطلقاً متجزی نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزاد کرنے والا اگر مالدار ہو تو عتق متجزی ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ عتق کی تجزی میں اختلاف ہے لیکن ہدایہ اور اس کی شروحات میں لکھا ہے کہ اصل میں اعتاق کی تجزی میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعتاق میں تجزی ہوتی ہے اس لئے اسی قدر غلام آزاد کیا جائیگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آیا آزاد کرنے والے کا شریک کسی صورت میں اپنے حصے کے بدلے میں کمائی کرا سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد کرنے والے کا شریک اپنے حصے کے بدلے میں کمائی کرا سکتا ہے خواہ آزاد کرنے والا مالدار ہو یا غریب، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہ غلام سے کمائی نہیں کرا سکتا اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک غریب آدمی کمائی کرا سکتا ہے اور امیر آدمی نہیں کرا سکتا۔

امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلیل عتق کی تجزی کے ثبوت میں امام ابو حنیفہ کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۶۰ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "اور اگر آزاد کرنے والے کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو تو اس نے جس قدر غلام آزاد کیا تھا اتنا ہی آزاد ہوگا۔" اور اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ دار قطنی میں روایت ہے: والا عتق منہ ما عتق ورق منہ ما بقی "ورنہ جتنا اس نے آزاد کیا ہے اتنا آزاد ہو جائے گا اور جو باقی رہ گیا ہے وہ بدستور غلام رہے گا"[3]

امام ابو حنیفہ جو یہ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے والا کا شریک غلام سے کمائی کرائے گا خواہ آزاد کرنے والا امیر ہو

---

[1] علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۸۳ - ۸۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔
[2] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت
[3] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۲۴ مطبوعہ نشر السنۃ - ملتان

یا غریب اس پر دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۶۳ ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کسی غلام میں حصہ ہو اور وہ اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر آزاد کرنے والے کا مال ہے تو غلام کا بقیہ حصہ اس مال سے آزاد کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو غلام سے کمائی کرائی جائے گی اور اس پر دشواری نہیں ڈالی جائے گی۔" آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل ہے اور اگر وہ امیر ہو تو اس صورت میں غلام سے کمائی کرانے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے لیکن کسی حدیث میں اس کی ممانعت بھی نہیں ہے، تاہم اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر یہ خدشہ ہے کہ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنے کا حکم بیان کیا ہے اور یہ بعینہٖ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

بَابُ بَيَانِ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

وَلاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۶۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَقَالَ أَهْلُهَا نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ کیا کہ ایک باندی کو خرید کر آزاد کر دیں، باندی کے مالکوں نے کہا ہم باندی کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ اس کی وَلاء ہمارے لیے ہو گی۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم اس کو خریدنے سے مت رکو، وَلاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۶۷- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكِ فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا وَقَالُوا إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی مکاتبت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئیں اس وقت تک انھوں نے اپنی مکاتبت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا، حضرت عائشہ نے فرمایا اپنے مالکوں کے پاس جاؤ اگر انھوں نے پسند کیا تو میں تمہاری مکاتبت کی ساری رقم ادا کر دوں گی، بشرطیکہ تمہاری وَلاء پر میرا حق ہو، حضرت بریرہ نے اس کا اپنے مالکوں سے ذکر کیا، انھوں نے وَلاء پر حضرت عائشہ کا حق ماننے سے انکار کیا اور انھوں نے کہا اگر حضرت عائشہ چاہیں تو ثواب کی نیت سے تم کو خرید کر آزاد کر دیں اور تمہاری وَلاء پر ہمارا حق ہو گا، حضرت عائشہ نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، رسول اللہ

وَيَكُونَ لَنَا وَلَاءُكِ فَذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ شَرْطُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم اس کو خرید کر آزاد کر دو [illegible] لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، اور جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے خواہ اس نے ایسی سو شرطیں کیوں نہ لگائی ہوں، اللہ تعالیٰ کی عائد کی ہوئی شرط ہی پوری کی جانے کی حقدار ہے اور وہی مضبوط شرط ہے۔

ف: اگر غلام یا لونڈی آزاد ہونے کے بعد کچھ ترکہ چھوڑ کر فوت ہو جائے اور پھر اس کے ذوی الفروض اور عصبات نسبیہ وارث نہ ہوں تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو دے دیا جاتا ہے اس کو ولاء کہتے ہیں اور آزاد کرنے والے کو عصبہ سببی کہا جاتا ہے۔

مکاتب سے یہ مراد ہے کہ مالک غلام سے یہ کہے کہ مجھے اتنی رقم لا کر دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا، حضرت بریرہ مکاتبت کی اس رقم میں مدد طلب کرنے کے لیے حضرت عائشہ کے پاس گئی تھیں۔

۳۶۶۸- حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيرَةُ إِلَيَّ فَقَالَتْ يَا عَائِشَةُ إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ بِمَعْنَى حَدِيثِ اللَّيْثِ وَزَادَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكَ مِنْهَا ابْتَاعِي وَأَعْتِقِي وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس بریرہ آئیں اور کہنے لگیں کہ اے عائشہ میرے مالکوں نے مجھے اس شرط پر مکاتب کیا ہے کہ میں نو سال تک ہر سال ایک اوقیہ (چالیس درہم) ادا کروں، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اتنا اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا ان کے کہنے کی وجہ سے تم اپنے ارادے کو مت چھوڑو تم اس کو خرید کر آزاد کر دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا اما بعد.....

۳۶۶۹- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ نَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ میرے مالکوں نے مجھے نو اوقیہ پر

نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَتْ عَلَيَّ بَرِيْرَةُ فَقَالَتْ اِنَّ اَهْلِيْ كَاتَبُوْنِيْ عَلٰى تِسْعِ اَوَاقٍ فِيْ تِسْعِ سِنِيْنَ كُلَّ سَنَةٍ وُقِيَّةٌ فَاَعِيْنِيْنِيْ فَقُلْتُ لَهَا اِنْ شَاءَ اَهْلُكِ اَنْ اَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً وَاُعْتِقَكِ وَيَكُوْنَ الْوَلَاءُ لِيْ فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِاَهْلِهَا فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَاَتَتْنِيْ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ قَالَتْ فَانْتَهَرْتُهَا فَقَالَتْ لَاهَا اللّٰهِ اِذًا قَالَتْ فَسَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَنِيْ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اشْتَرِيْهَا وَاَعْتِقِيْهَا وَاشْتَرِطِيْ لَهُمُ الْوَلَاءَ فَاِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ فَفَعَلْتُ قَالَتْ ثُمَّ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشِيَّةً فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ اَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ كِتَابُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ مَا بَالُ رِجَالٍ مِّنْكُمْ يَقُوْلُ اَحَدُهُمْ اَعْتِقْ فُلَانًا وَالْوَلَاءُ لِيْ اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

مکاتب کیا ہے بایں طور کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا جائے آپ اس میں میری مدد کریں، حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے مالک پسند کریں تو میں یک مشت یہ رقم ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں، لیکن وَلاء پر میرا حق ہوگا، بریرہ نے اس بات کا اپنے مالکوں سے ذکر کیا، انھوں نے انکار کیا اور کہا وَلاء ہماری ہوگی، بریرہ نے آکر مجھے یہ بتایا، میں نے اس کو جھڑکا اور کہا بخدا ایسا نہیں ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر مجھ سے ماجرا پوچھا، میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا اس کو خرید کر آزاد کر دو اور وَلاء کو ان کے حق میں مشروط کر دو، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کر دے، میں نے ایسا کیا، پھر شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں اللہ تعالٰی کی شان کے لائق حمد و ثناء کی پھر حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ ایسی شرطیں عائد کر رہے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے! اور جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں ہوں، اللہ کی کتاب زیادہ حقدار ہے اور اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ مضبوط ہے، تم میں سے بعض لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں فلاں شخص کو آزاد کر دو اور وَلاء ہماری ہوگی! وَلاء کا مستحق صرف آزاد کرنے والا ہے۔

٣٦٧٠ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا نَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ نَا وَكِيْعٌ ح قَالَ وَ

یہ حدیث کچھ اور اسانید سے بھی مروی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ قَالَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِمْ أَمَّا بَعْدُ.

اختیار دیا کہ وہ اس کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں) حضرت بریرہ نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا، اور اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو ان کو اختیار نہ دیتے۔ اس حدیث میں اما بعد کا لفظ نہیں ہے۔

۳۶۷۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ قَضِيَّاتٍ أَرَادَ أَهْلُهَا أَنْ يَبِيعُوهَا وَيَشْتَرِطُوا وَلَاءَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ وَعَتَقَتْ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا قَالَتْ وَكَانَ النَّاسُ يَتَصَدَّقُونَ عَلَيْهَا وَتُهْدِي لَنَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَكُمْ هَدِيَّةٌ فَكُلُوهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت بریرہ کے واقعہ سے تین مسائل معلوم ہوئے، ان کے مالکوں نے ان کو بیچنے کا ارادہ کیا اور ولاء کو اپنے حق میں رکھنے کی شرط عائد کی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا اس کو خرید کر آزاد کر دو، کیونکہ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے اور وہ آزاد کر دی گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا تو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور لوگ بریرہ کو صدقہ دیتے تھے اور بریرہ وہ چیزیں ہمیں ہدیۃً دے دیتی تھیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ چیزیں ان پر صدقہ ہیں اور تمہارے لیے ہدیہ ہیں سو ان کو کھا لیا کرو۔

۳۶۷۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے انصار کے کچھ لوگوں سے بریرہ کو خرید لیا انہوں نے ولاء کی شرط عائد کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کا حق ہے جو ولی نعمت ہو، اور رسول اللہ صلی

أَنَّهَا اشْتَرَتْ بَرِيرَةَ مِنْ أُنَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ [illegible] وَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا وَأَهْدَتْ لِعَائِشَةَ لَحْمًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ صَنَعْتُمْ لَنَا مِنْ هٰذَا اللَّحْمِ قَالَتْ عَائِشَةُ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا، کیونکہ بریرہ کے خاوند تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کاش اس گوشت سے ہمارے لیے بھی پکاتیں تو بہتر ہوتا، حضرت عائشہ نے کہا یہ بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے!

۳۶۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ لِلْعِتْقِ فَاشْتَرَطُوا وَلَاءَهَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ وَأُهْدِيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمٌ فَقَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا تُصُدِّقَ عَلَى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ وَخُيِّرَتْ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ زَوْجِهَا فَقَالَ لَا أَدْرِي۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے آزاد کرنے کے لیے بریرہ کو خریدنا چاہا مگر ان کے مالکوں نے کہا کہ ان کی ولاء ہمارے لیے ہوگی، حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو خرید کر آزاد کر دو۔ کہ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت ہدیۃً دیا گیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ گوشت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے، اور بریرہ کو اختیار دیا گیا۔ عبد الرحمن نے کہا اس کا خاوند آزاد تھا، شعبہ کہتے ہیں میں نے عبد الرحمان سے اس کے خاوند کے بارے میں پھر پوچھا تو انھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔

۳۶۷۴۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ نَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۶۷۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي هِشَامٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى قَالَ نَا وُهَيْبٌ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا۔

۳۶۷۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ خُيِّرَتْ عَلٰى زَوْجِهَا حِينَ عُتِقَتْ وَأُهْدِيَ لَهَا لَحْمٌ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ عَلَى النَّارِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأُتِيَ بِخُبْزٍ وَأُدْمٍ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً عَلَى النَّارِ فِيهَا لَحْمٌ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰى بَرِيرَةَ فَكَرِهْنَا أَنْ نُطْعِمَكَ مِنْهُ فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ مِنْهَا لَنَا هَدِيَّةٌ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ سے تین مسائل معلوم ہوئے، بریرہ جب آزاد کی گئیں تو انھیں ان کے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا، اور بریرہ کو گوشت ہدیۃً دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ دیگچی آگ پر رکھی ہوئی تھی، آپ نے کھانا منگایا، آپ کو روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں آگ پر چڑھی ہوئی دیگچی میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟ حاضرین نے کہا: یا رسول اللہ! یہ گوشت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا! اور ہم نے آپ کو صدقہ میں سے کھلانا پسند نہیں کیا، آپ نے فرمایا یہ اس کے حق میں صدقہ ہے اور ہمارے حق میں اس کی طرف سے ہدیہ ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کے واقعہ ہی میں فرمایا تھا ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۷۷ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِي سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ أَرَادَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک باندی خرید کر آزاد کرنا چاہی مگر ان کے مالکوں نے حق ولاء کے بغیر بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنا ارادہ مت

تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَأَبَى أَهْلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْوَلَاءُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

چھوڑ دو کیونکہ ولاء پر صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

قصۂ بریرہ میں شرط فاسد کے ساتھ بیع پر اعتراض کے جوابات

اس باب کی اکثر احادیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اُن کے ولاء کی شرط لگانے سے تم خریدنے کا ارادہ مت ترک کرو اور حدیث نمبر ۳۶۶۹ میں ہے کہ ولاء کو ان کے حق میں مشروط کر کے خرید لو"۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی متعدد طرق سے وارد ہے، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عقد بیع میں خریدار کا ایسی شرط لگانا جس کو خریدار پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، بائع کو دھوکا دینا ہے اور یہ شرط فاسد ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو یہ شرط لگانے کی اجازت کیسے دی؟

علامہ عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "یہاں پر لام علی کے معنی میں ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلها ای علیها۔" "اگر تم اچھا کرتے ہو تو اپنے نفسوں کے لیے اچھا کرتے ہو اور اگر برائی کرتے ہو تو اپنے نفسوں کے لیے، یعنی اس کا ضرر بھی تمہارے نفسوں پر ہے"۔ اسی طرح حدیث شریف "واشترطی لهم الولاء" بمعنی "واشترطی علیهم الولاء" ہے یعنی ان کے خلاف ولاء کی شرط عائد کرو، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حذف مضاف ہے اور اشتراط بمعنی اظہار ہے یعنی "اظهری لهم حکم الولاء" ولاء کا حکم ان پر ظاہر کر دو، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں زجر و توبیخ مراد ہے یعنی جب متعدد مرتبہ ان پر واضح کر دیا کہ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے تو آپ نے بطور خفگی فرمایا تم ان کی شرط کی پرواہ مت کرو اور خرید لو، چوتھا جواب یہ ہے کہ شرط فاسد کا لگانا ممنوع ہے اور اس حدیث میں جو شرط فاسد لگانے کی اجازت دی گئی ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے[1]۔ علامہ ابن حجر نے اس جواب پر علامہ ابن دقیق العید کا یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بالعموم شرط فاسد لگانے کی ممانعت پہلے سے بیان کر دی گئی تھی لہٰذا اس حدیث میں اس کے وقوع کا ذکر ہی خصوصیت پر دلیل ہے۔

شیخ عثمانی نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ شرط فاسد وہ شرط ہوتی ہے جو ربوا کا سبب ہو یا بائع اور مشتری کے درمیان منازعت کا سبب ہو، اور جس شرط کا پورا کرنا شرعاً یا عقلاً متعذر ہو وہ شرط فاسد نہیں بلکہ شرط لغو ہوتی ہے اور ایسی شرط کا لگانا انعقاد بیع میں مضر نہیں ہے[2]۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں کہ ہر وہ شرط جس کا عقد متقاضی نہ ہو اور اس میں بائع یا مشتری میں سے کسی ایک کو فائدہ ہو یا مبیع کو فائدہ ہو ایسی شرط فاسد ہے کیونکہ اس میں ایسی زیادتی ہے

---

[1] علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
[2] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۲ - ۲۸۱، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، الطبع الثانی، ۱۴۰۰ھ۔

جو معاوضہ سے خالی ہے اس لیے کہ یہ سود کا سبب ہے یا یہ منازعت کا سبب ہے، اور اگر ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضا کرتا ہو نہ اس میں کسی کی منفعت ہو تو یہ شرط فاسد نہیں ہے جیسے بائع یہ شرط لگائے کہ مشتری اس سواری کو فروخت نہیں کرے گا۔ اور اگر بائع کے لیے ولاء کی شرط لگائی جائے تو یہ شرط غلط ہے اس لیے لغو ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس شرط میں بائع کی منفعت بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے اس شرط کے شرط فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے نیز اس شرط کی وجہ سے تو عقد سے پہلے ہی نزاع ہو رہا ہے اور عقد کے بعد اس کا باعث نزاع ہونا اور بھی واضح ہے' اس لیے یہ شرط بہرحال شرط فاسد ہے۔

اس سوال کے جواب میں علامہ خطابی نے یحییٰ بن اکثم سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ یعنی درایۃً مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ غیر متصور ہے کہ وہ کسی شخص کو دھوکا دینے کا حکم دیں، ہر چند کہ اصول روایت سے یہ حدیث ثابت ہے لیکن درایۃً یہ حدیث مردود ہے۔

مکاتب کی بیع کے حکم میں مذاہب فقہاء

اس باب کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے مالکوں نے مکاتب کر دیا اور حضرت عائشہ نے ان کو ان کے مالکوں سے خرید لیا درآں حالیکہ وہ مکاتبہ تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو مقرر رکھا، اس لیے یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا مکاتب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ مکاتب جب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز نہ ہو اور اپنی بیع سے راضی ہو اس کی بیع جائز ہے۔ امام احمد، اوزاعی، امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رضی اللہ عنہم نے اسی کو پسند کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور صحیح تر قول کے مطابق امام شافعی اور بعض مالکی یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع جائز نہیں [2] بعض معاصرین نے احناف کے مسلک کی تحقیق کیے بغیر یہ لکھ دیا کہ "اگر مکاتب اپنی بیع پر راضی ہو تو یہ بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔" درحقیقت اس بیع میں امام اعظم سے دو روایتیں ہیں اور زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ولو رضی المکاتب بالبیع ففیہ روایتان والاظہر الجواز۔ [3]

اگر مکاتب اپنی بیع پر راضی ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔

علامہ بابرتی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لان عدمہ کان لحقہ فلما اسقطہ برضاہ انفسخت الکتابۃ وجاز البیع وہو فی النوادر انہ لا

کیونکہ اس بیع کا عدم جواز مکاتب کے حق کی وجہ سے تھا اور جب اس نے خود اپنی مرضی سے اپنا حق ساقط کر دیا تو اس کی مکاتبت فسخ ہو گئی اور بیع جائز ہو

---

[1] علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۷۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[2] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۲، مطبوعہ فیصل آباد۔

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

یجوز. [۱] گئی اور نوادر کی روایت میں ہے کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔

علامہ بابرتی کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مکاتب کی مرضی سے اس کی بیع کا جواز ظاہر الروایۃ ہے اور عدم جواز نوادر کی روایت ہے، اور علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

وتنفسخ الکتابۃ فی ضمنہ لان اللزوم کان لحقہ وقد رضی باسقاطہ۔ [۲]

بیع کے جواز سے مکاتبت فسخ ہو جائے گی، کیونکہ مکاتبت کا لازم ہونا اس کے حق کی بناء پر تھا اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو گیا۔

اور علامہ بدر الدین عینی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لان عدمہ کان لحقہ فلما اسقط حقہ برضاہ انفسخت الکتابۃ وجاز البیع وروی فی النوادر انہ لا یجوز وللشافعی فی بیع المکاتب قولان اصحہما انہ لا یجوز وبہ قال مالک واحمد وقال فی القدیم یجوز۔ [۳]

کیونکہ بیع کا عدم جواز مکاتب کے حق کی بناء پر تھا اور جب وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو گیا تو مکاتبت فسخ ہو گئی، اور نوادر میں ہے کہ یہ بیع جائز نہیں، امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔

علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام مالک کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز ہے، امام شافعی کے دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہے، بعض مالکیہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ [۴]

بہرحال امام ابوحنیفہ سے ظاہر روایت یہ ہے کہ جب مکاتب بیع پر راضی ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

خیارِ عتق میں شوہر کے غلام ہونے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کے دلائل

حدیث نمبر ۳۶۷۰ میں ہے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو (ان کے نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کا) اختیار دیا تھا۔

امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر لونڈی کو آزاد کیا جائے اور اس وقت اس کا شوہر غلام ہو تو لونڈی کو اختیار ہے کہ اس کے نکاح میں رہے یا اس نکاح کو فسخ کر دے، اور اگر اس وقت اس کا شوہر آزاد

[۱] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[۲] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[۳] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۸۲ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو
[۴] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

تھا تو پھر اس کو اختیار نہیں ہے، کیونکہ غلام کے نکاح میں آزاد کا رہنا باعث عار ہے اور آزاد کے نکاح میں رہنے میں کوئی عار نہیں ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب لونڈی کو آزاد کیا جائے تو اس کو ہر حال میں اختیار ملے گا خواہ شوہر غلام ہو یا آزاد کیونکہ لونڈی پر شوہر کی ملکیت کم ہوتی ہے اور وہ صرف دو طلاقوں سے منتقطہ ہو کر شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے اور آزاد پر شوہر کی ملکیت زیادہ ہوتی ہے وہ تین طلاقوں سے منقطعہ ہوتی ہے اس لیے جب وہ آزاد ہوئی تو اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اس زائد ملکیت کو قبول کرتی ہے یا نہیں۔

جمہور فقہاء کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں حضرت بریرہ کے شوہر کو غلام بتایا گیا ہے اور خاص طور پر صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۶۷۰ میں حضرت عائشہ کا یہ قول ہے کہ اگر بریرہ کا شوہر آزاد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار نہ دیتے، جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ یہ بات محض اپنے قیاس سے نہیں کہہ سکتیں کیونکہ یہ ایک تشریعی معاملہ ہے، علاوہ ازیں اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا تو ان کے شوہر غلام تھے۔

حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت ان کے شوہر کے آزاد ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

جس وقت لونڈی کو آزاد کیا جائے اس وقت اگر اس کا شوہر غلام ہو تو تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ باندی کو اختیار دیا جائے گا، امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اگر اس کا خاوند اس وقت آزاد ہو پھر بھی اس کو اختیار دیا جائے گا، اس اختلاف کا سبب دراصل اس بات میں ہے کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا تھا اس وقت ان کے شوہر مغیث غلام تھے یا آزاد، ائمہ ثلاثہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس وقت غلام تھے اور امام ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس وقت آزاد تھے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الاسود عن عائشة قالت اشتریت بریرة فاشترط اهلها ولاءها فذکرت ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم قال اعتقیها فانما الولاء لمن اعطی الورق فاعتقتها فدعاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فخیرها من زوجها قالت لو اعطانی کذا وکذا ما اقمت عنده فاختارت نفسها وکان زوجها حرا.[1]

اسود کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے بریرہ کو خریدا، اس کے مالکوں نے اس کی ولاء کی شرط لگائی، میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو ولاء اس کا حق ہے جو پیسے ادا کرے، میں نے اس کو آزاد کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس کے شوہر میں اس کو اختیار دیا، بریرہ نے کہا اگر وہ مجھے اتنے اتنے پیسے دے پھر بھی میں اس کے پاس نہیں رہوں گی، اس نے (شوہر کے مقابلہ میں) خود کو اختیار کر لیا اور اس کا شوہر آزاد تھا۔

---

[1] امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کر کے اختیار دیا گیا تھا تو ان کا شوہر اس وقت آزاد تھا، اس حدیث کو امام نسائی نے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[1]۔ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے[2]۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[3]۔ امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے[4]۔ امام ابن سعد نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے[5]۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

قال الحکم وکان زوجها حرا قال ابو عبد اللہ وقول الحکم مرسل۔ [6]

حکم کہتے ہیں کہ بریرہ کا خاوند آزاد شخص تھا، امام بخاری نے کہا یہ حدیث مرسل ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن الاسود عن عائشة فی قصة بریرة قال الاسود وکان زوجها حرا۔ [7]

اسود نے حضرت عائشہ سے بریرہ کا جو قصہ روایت کیا ہے اس میں اسود نے بیان کیا ہے کہ ان کا خاوند آزاد شخص تھا۔

حضرت عائشہ کی جس روایت میں بریرہ کے شوہر کا آزاد ہونا بیان کیا ہے وہ دوسری روایت پر راجح ہے

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی وہ روایت راجح ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت ان کے شوہر آزاد تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے اس حدیث کو تین راویوں نے روایت کیا ہے اسود، عروہ اور قاسم، اور اسود کی تمام روایات اس میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا وہ آزاد تھے اور عروہ سے دو صحیح روایتیں منقول ہیں ایک میں ہے کہ وہ آزاد تھے اور دوسری میں ہے وہ غلام تھے، اور قاسم سے بھی دو صحیح روایتیں منقول ہیں ایک میں ہے وہ آزاد تھے اور دوسری میں ہے وہ غلام تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۵۰، مسلم ج ۱ ص ۴۹۴۔ از سعیدی) عروہ اور قاسم کی روایات میں اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ جن روایات میں ذکر ہے وہ غلام تھے اس میں ان کے ماضی کے

[1] ۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور پاکستان، ۱۴۰۵ ھ۔
[2] ۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[3] ۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، المسند ج ۶ ص ۱۷۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ ھ
[4] ۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۹۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[5] ۔ امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ ھ
[6] ۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۸۱ ھ
[7] ۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

حال کی خبر دی ہے اور جن روایات میں ہے کہ وہ آزاد تھے ان میں اس وقت کے حال کا بیان کیا گیا ہے جب حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں جو ان کے غلام ہونے کا ذکر ہے وہ بھی ماضی کے حال کے اعتبار سے ہے یعنی چونکہ وہ ماضی میں غلام رہے تھے اس لیے ان پر غلام کا اطلاق کر دیا، اور یہ اطلاق عرف اور محاورے میں بکثرت ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مغیث کے غلام ہونے کی روایات قوت سند کے اعتبار سے راجح ہیں۔ تطبیق کی ضرورت اس وقت ہوتی جب یہ ایک درجہ کی حدیثیں ہوتیں لیکن علامہ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو صحیح اور متعارض حدیثوں میں پہلے تطبیق دی جاتی ہے اور اگر ان میں تطبیق نہ دی جا سکے تو پھر سند کے اعتبار سے ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت بریرہ کے شوہر کی آزاد ہونے والی روایت کی ازروئے درایت ترجیح

علامہ ابن ہمام نے پہلے تو ان دو حدیثوں میں تطبیق دی پھر فرمایا کہ ان دو روایتوں میں مغیث کے آزاد ہونے والی روایت درایۃً راجح ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیثیں متعارض ہوں اور ایک حدیث میں کسی وصف زائد کی نفی ہو اور دوسرے میں وصف زائد کا اثبات ہو تو اس حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے کہ جس میں کسی وصف زائد کا اثبات ہو کیونکہ جس میں نفی ہے اس میں حالت اصلیہ کے اعتبار سے روایت کی گئی ہے اور جس میں اثبات ہے اس میں راوی اپنے علم کی بنا پر کسی دلیل سے وصف زائد کی حکایت کر رہا ہے، اور چونکہ تمام صحابہ روایت میں عادل ہیں اس لیے اثبات والی روایت کا اعتبار کیا جائے گا، پس حضرت ابن عباس نے جو مغیث کے غلام ہونے کی روایت کی ہے وہ ان کی حالت اصلیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ اصل میں غلام تھے اور حضرت عائشہ نے جو ان کے آزاد ہونے کی روایت کی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ انھیں علم تھا کہ حضرت بریرہ کو جب آزاد کیا گیا تھا اس وقت حضرت مغیث بھی آزاد ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابن عباس کی روایت پر حضرت عائشہ کی روایت کو ترجیح ہے جس میں حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت حضرت مغیث کو آزاد بتایا گیا ہے کیونکہ اس میں ایک وصف زائد کا اثبات ہے۔[2]

حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد ہونے کے ثبوت میں مزید روایات

امام عبد الرزاق نے حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد ہونے کو مزید اسانید سے ثابت کیا ہے۔

عن سعید بن المسیب قال: ان زوج بریرۃ کان حرا۔[3]

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بریرہ کے خاوند آزاد شخص تھے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۷۵ - ۲۷۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۷۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ۔

عن ابراهیم عن عائشۃ ان زوج بریرۃ کان حرا۔ [۱]

ابراہیم حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے۔

اور امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن نافع قال: اخبرتنی صفیۃ بنت ابی عبید ان زوج بریرۃ کان حرا۔ [۲]

نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے خبر دی کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد تھے۔

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن عامر الشعبی ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبریرۃ لما اعتقت قد اعتق بضعک معک فاختاری۔ [۳]

عامر شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ جب آزاد کی گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ تمہاری فرج بھی آزاد کر دی گئی ہے اب جس کو چاہو اختیار کر لو۔

فرج کا آزاد کیا جانا اس بات سے کنایہ ہے کہ اب تم نکاح کے معاملہ میں آزاد ہو خواہ نکاح سابق کو برقرار رکھو یا اس نکاح کو فسخ کر دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو شوہر کے غلام ہونے یا آزاد ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا، بلکہ عام رکھا ہے، اس عموم سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو مطلقاً خیار عتق ملتا ہے۔ خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اس حدیث کی تائید اور تقویت امام دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبریرۃ، اذھبی فقد عتق معک بضعک [۴]

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا: جاؤ! تمہارے ساتھ تمہاری فرج بھی آزاد کر دی گئی۔

اور امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الزھری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لامۃ عتقت ولھا زوج: انی ذاکر لک امرا فلا علیک ان لا تفعلیہ ولکنی اتحرج ان اکتمکیہ ان لک الخیار علی

زہری بیان کرتے ہیں کہ جب ایک شادی شدہ لونڈی آزاد کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تم سے ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں اس مسئلہ کو چھپانا

---

[۱] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ
[۲] امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸، ص ۲۶۱ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
[۳] امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸، ص ۲۵۹ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
[۴] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ذوجك ۔[1] پسند نہیں کرتا، تمہیں تمہارے خاوند کے بارے میں اختیار ہے۔

یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کے اختیار کو مطلق رکھا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

شوہر کے آزاد ہونے کے باوجود خیارِ عتق پر فقہاء احناف کے دلائل

اگر آزاد شدہ باندی کا شوہر غلام ہو تو اس کا اختیار اتفاقی امر ہے اور آزاد ہونے کی صورت میں اس کے اختیار پر حسب ذیل اقوال تابعی دلیل ہیں۔ امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الشعبی قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔[2]

شعبی کہتے ہیں کہ جب آزاد شخص کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو اختیار ہے۔

عن الشعبی قال: تخیر عند حر کانت او عبد۔[3]

شعبی کہتے ہیں کہ باندی کو اختیار دیا جائے گا خواہ وہ آزاد کے نکاح میں ہو یا غلام کے۔

عن ابن سیرین قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔[4]

ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب کسی آزاد شخص کی بیوی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو اختیار ہے۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار ان شاءت جلست عندہ و ان شاءت فارقتہ۔[5]

قال ابن جریج: و قال حسن بن مسلم نحوہ۔

طاؤس کہتے ہیں کہ جب کسی آزاد شخص کی بیوی کو آزاد کیا جائے تو اس کو اختیار ہے، اس کے نکاح میں رہے یا علیحدہ ہو جائے۔ ابن جریج نے کہا حسن بن مسلم بھی یہی کہتے تھے۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔[6]

طاؤس کہتے ہیں کہ جب آزاد شخص کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو اختیار ہے۔

ہم نے ٹھوس شواہد اور بکثرت احادیث، آثار اور اقوال تابعین سے ثابت کر دیا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہی صحیح روایات اور قوی دلائل سے ثابت ہے لیکن حیرت ہے کہ بعض معاصرین لکھتے ہیں: صحیح تر روایت ہے کہ اس (بریرہ) کا شوہر غلام تھا لیکن احناف کے مذہب

۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ

۲۔ " " " " ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ " " "

۳۔ " " " " ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ " " "

۴۔ " " " " ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ " " "

۵۔ " " " " ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ " " "

۶۔ " " " " ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۵ " " "

کے مطابق اگر لونڈی کا شوہر آزاد شخص ہو اور لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے۔ [1]

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

خیار عتق میں غلام کی قید لگانے پر ائمہ ثلاثہ نے یہ دلیل قائم کی تھی کہ آزاد عورت کے لیے غلام کے نکاح میں رہنا باعث عار ہے اور آزاد کے نکاح میں رہنا کوئی عار نہیں ہے اس لیے باندی کو جب آزاد کیا جائے اس وقت اگر اس کا خاوند غلام ہو تو اس کو خیار عتق ملے گا ورنہ نہیں۔
علامہ بابرتی اس کے جواب میں فرماتے ہیں عدم کفارت کی وجہ سے نکاح کے ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار ابتداء عقد میں ہوتا ہے ابقاء عقد میں نہیں ہوتا کیونکہ امارت اور غربت بھی کفو میں معتبر ہیں اگر کوئی شخص امیری میں کسی امیر لڑکی سے نکاح کرے اور بعد میں غریب ہو جائے تو بعد میں کفو نہ رہنے کی بناء پر کسی امام کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے کہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے۔ [2]

حدیث بریرہ سے ایک سو ساٹھ مسائل کا استنباط

حدیث بریرہ سے فقہاء اسلام نے حسب ذیل فوائد مستنبط کیے ہیں:

۱۔ باندی کو بھی غلام کی طرح مکاتب کرنا جائز ہے۔
۲۔ شادی شدہ باندی کو اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی مکاتب کرنا جائز ہے۔
۳۔ خاوند کو مکاتبت سے منع کرنے کا حق نہیں ہے خواہ یہ مکاتبت ان کے باہمی فراق کا سبب بنے۔
۴۔ جب مکاتبہ کو مال کتابت کی جدوجہد میں مصروف کر دیا تو اب اس پر مالک کی خدمت واجب نہیں رہی۔
۵۔ مکاتبہ کے لیے جائز ہے کہ وہ مال کتابت کے حصول میں لوگوں سے سوال کرے۔
۶۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقروض بھی قرض سے خلاصی کے لیے لوگوں سے سوال کر سکتا ہے۔
۷۔ مال کتابت کو وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔
۸۔ خریدار کا خریدتے وقت بھاؤ طے کرنے یا قیمت کم کرانے میں سختی کرنا جائز ہے، چونکہ حضرت عائشہ نے طلب ولاء میں سختی کی۔
۹۔ صالح اور سمجھ دار عورت خود بھی خریداری کر سکتی ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو خریدا)
۱۰۔ جو شخص خود تصرف نہ کر سکے وہ کسی غیر کو اپنا قائم مقام کر سکتا ہے۔
۱۱۔ جو شخص کسی غلام کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کو بیچنے والے پر ظاہر کر سکتا ہے تاکہ وہ آسانی سے فروخت کر دیں اور یہ ریا نہیں ہے۔
۱۲۔ اگر کوئی غیر شرعی شرط لگائے تو اس کا رد کرنا چاہیے۔
۱۳۔ مقروض کی رضا مندی سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔
۱۴۔ کسی چیز کو ادھار خریدنا جائز ہے۔

[1] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۴۳، مطبوعہ مطبع ریاض حسین
[2] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۱۵۔ اگر مکاتب وقت سے پہلے مکمل مال کتابت ادا کر دے تو مالک اس کو مسترد نہ کرے۔
۱۶۔ قرض کو قسط وار وصول کرنا جائز ہے۔
۱۷۔ شرط عتق سے بیع کرنا جائز ہے۔
۱۸۔ مکاتب کی رضامندی سے اس کو بیچنا جائز ہے۔
۱۹۔ مکاتب کے عجز کے بغیر بھی اس کو بیچنا جائز ہے۔
۲۰۔ عورت اپنے شوہر کے علاوہ بھی کسی سے خفیہ بات چیت کر سکتی ہے، بشرطیکہ وہ مومن ہو۔
۲۱۔ حاکم اپنی زوجہ کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔
۲۲۔ باندی کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
۲۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
۲۴۔ شادی شدہ لونڈی کی بیع طلاق کے مترادف نہیں ہے۔
۲۵۔ خطبہ سے پہلے حمد و ثنا کرنا سنت ہے۔
۲۶۔ کھڑے ہو کر خطبہ دینا اور خطبہ کے بعد اما بعد کہنا بھی سنت ہے۔
۲۷۔ اگر بلا تکلف مسجع (موزون) کلام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔
۲۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات کو منبر پر کھڑے ہو کر بیان کرتے تھے۔
۲۹۔ نصیحت کے مواقع پر کسی غلط کار کی نشان دہی اور تعیین نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ عموم کے صیغے استعمال کرنے چاہئیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے! یہ نہیں فرمایا بریرہ کے مالکوں کا کیا حال ہے۔
۳۰۔ مکاتب کا کسب اس کے اپنے لیے ہوتا ہے۔ اس کے مالک کے لیے نہیں ہوتا۔
۳۱۔ سمجھ دار عورت مالک کی اجازت کے بغیر بھی اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے اور بیچنے والوں سے پیغام رسائی کر سکتی ہے۔
۳۲۔ جس شخص نے مال کتابت کی بعض یا اکثر اقساط ادا کر دی ہوں وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ کل اقساط ادا نہ کر دے۔
۳۳۔ اگر اقساط مقرر کردہ قیمت کے برابر ہو جائیں تو مکاتب آزاد ہو جائے گا۔
۳۴۔ شادی شدہ باندی کی بیع کے بعد خریدار کے لیے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بیع سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔
۳۵۔ حال اضطرار کے بغیر بھی سوال کا جواز، کیونکہ حضرت بریرہ نے مضطر ہوئے بغیر حضرت عائشہ سے سوال کیا۔
۳۶۔ شادی شدہ عورت سے مال مکاتبت میں استعانت کے سوال کا جواز۔
۳۷۔ طلب اجر کے لیے کسی چیز کو معروف قیمت سے زیادہ میں خریدنا۔
۳۸۔ طے شدہ اقساط کی بجائے یک مشت ادائیگی کا جواز کیونکہ حضرت عائشہ نے نو سال میں قسط وار ادا کی جانے والی رقم کو یک مشت نقد ادا کر دیا کیونکہ بیچنے والے کی رغبت ادھار کے مقابلہ میں نقد میں زیادہ ہوتی ہے۔
۳۹۔ حضرت بریرہ کے عدم اضطرار کے باوجود سوال پر رد نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بغیر احتیاج کے سوال کرنے

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذمت فرمانا خلاف اولیٰ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۴۰۔ غلام کا آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کا جواز ہر چند کہ اس کا فعل مالک کے لیے مضر ہے کیونکہ اسلام کا منشاء غلامی کا خاتمہ ہے۔

۴۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے" اس میں کتاب اللہ سے مراد عام ہے خواہ صراحتہً کتاب اللہ میں ہو یا اس کا منشاء کتاب اللہ میں ہو، لہٰذا وہ شرائط جو احادیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرط بیان فرمائی کہ "ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے" اس کا ذکر صراحتہً قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۴۲۔ جو شرائط غیر مشروعہ ہوں وہ مفسد عقد نہیں ہیں

۴۳۔ جو شخص شرط فاسد لگائے وہ اس وقت سزا کا مستحق ہو گا جب اس کی تحریم کو جان کر اس پر اصرار کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کے مالکوں کو، کوئی سزا دی نہ کوئی وعید سنائی۔

۴۴۔ مکاتب کا مالک، مکاتب کے آزاد ہونے کی جدوجہد میں حارج نہ ہو۔

۴۵۔ مکاتب جب اپنی کچھ اقساط کو وقت سے پہلے ادا کرے تو مالک ان کو قبول کرنے سے انکار نہ کرے۔

۴۶۔ کوئی شخص تبرعاً مکاتب کو آزاد کر دے تو جائز ہے۔

۴۷۔ مکاتب اور اس کے مالک کی رضامندی سے عقد کتابت کو فسخ کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عائشہ کی جدوجہد کے بعد پچھلا عقد فسخ ہو گیا۔

۴۸۔ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۴۹۔ غیر شرعی امر کا رد کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شرعی شرط کا رد فرمایا۔

۵۰۔ کسی اہم کام کو بیان کرنے سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہیے۔

۵۱۔ بغیر مطالبہ کے بھی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ شرط نہیں لگائیں گی۔

۵۲۔ فقہاء شافعیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یمین لغو پر کفارہ نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا شرط لگاؤ (کہ ولاء تمہارے لیے ہو گی) اور ان پر کفارہ لازم نہیں کیا، فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کفارہ ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں کفارہ نہ دیا ہو۔

۵۳۔ ایک شخص کا دوسرے سے تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی سے بات کرنا جب کہ اس کو تیسرے سے حیاء دامن گیر ہو۔ بشرطیکہ اس کو علم ہو کہ دوسرا، اس تیسرے کو بتا دے گا۔ اس سلسلے میں جو ممانعت ہے یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵۴۔ تیسرے شخص کا دوسرے سے سوال کرنا کہ اس نے کیا سرگوشی کی ہے؟ جبکہ اس کو علم ہو کہ اس کا بھی اس معاملہ میں دخل ہے، ایسی صورت میں راز افشاء کرنے کا جواز خصوصاً جبکہ اس میں سرگوشی کرنے والے کی خیر خواہی ہو۔

۵۵۔ غلام کا، مالک کی اجازت کے بغیر اپنے معاملہ میں کسی کو وکیل بنانا۔

۵۶۔ آزاد کرنے والی عورت کے لیے وَلاء کا ثبوت ہر چند کہ وَلاء وراثت میں عورت کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔

۵۷۔ آزاد کردہ غلام کی وَلاء کا کافر بھی حقدار ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے بصیغۂ عموم فرمایا وَلاء کا حقدار آزاد کرنے والا ہے۔

۵۸۔ وَلاء کی بیع اور ہبہ کا عدم جواز۔

۵۹۔ آپ نے فرمایا وَلاء اس کی ہے جو پیسے دے اس سے معلوم ہوا کہ مالک کے لیے وَلاء ہوگی ہر چند کہ وکیل نے پیسے دیے ہوں۔

۶۰۔ جو باندی آزاد کی جائے اس کو نکاح سابق میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ملتا ہے خواہ اس کا خاوند اس وقت آزاد ہو یا غلام۔ اس پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

۶۱۔ آزاد ہونے کے فوراً بعد اس کو اختیار مل جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے وہ آزاد کی گئیں آپ نے ان کو بلا کر اختیار دیا اور انھوں نے اپنے شوہر کے مقابلہ میں خود کو اختیار کر لیا۔

۶۲۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ یہ اختیار تین دن تک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اختیار ہمیشہ رہتا ہے، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کی مجلس یا جس مجلس میں آزاد کی گئی ہے اس مجلس سے اٹھنے کے بعد یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

۶۳۔ اگر خیار عتق کے بعد آزاد کردہ باندی اپنے شوہر کو مجامعت کا موقع دے تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث بریرہ کی بعض روایات سے یہ ثابت ہے اور امام مالک نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ کا بھی یہی فتویٰ تھا، حضرت ابن عمر کی بھی یہی رائے تھی اور علامہ ابو عمرو ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

۶۴۔ اگر عورت اپنے اختیار سے لاعلمی میں خاوند کو مباشرت کا موقع دے تو آیا پھر اختیار ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل کے نزدیک نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کے قواعد کا بھی یہی تقاضا ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ جہل کی وجہ سے معذور ہے۔

۶۵۔ دار قطنی کی روایت میں ہے "ان وطئك فلا خيار لك" "اگر تمہارے خاوند نے تمہارے ساتھ مباشرت کر لی تو پھر تمہیں اختیار نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورت کو اپنے شوہر کے کسی عیب (مثلاً غربت، دیوانگی وغیرہ) کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو وطی کا موقع دے تو اس کا اختیار باطل ہو جاتا ہے۔

۶۶۔ خیار سے فسخ نکاح کے بعد خاوند رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ حضرت مغیث حضرت بریرہ کے فراق میں سخت آزردہ ہونے کے باوجود رجوع نہیں کر سکے۔

۶۷۔ محبت میں محبوب کے پیچھے دربدر پھرنا جیسا کہ بروایت بخاری حضرت مغیث حضرت بریرہ کی محبت میں گلی کوچوں میں حضرت بریرہ کے پیچھے بریرہ، بریرہ پکارتے پھرتے تھے اور ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگتی رہتی تھی۔

۶۸۔ سفارش کا جواز، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیث کے لیے حضرت بریرہ سے نکاح کی سفارش کی

۶۹۔ اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو سفارش کرنے والے کو غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضرت بریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول نہیں کی تھی، اور آپ نے اس پر کسی قسم کے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا۔

۷۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حکم کے بارے میں تصریح فرما دیں کہ یہ واجب نہیں ہے اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ملامت نہیں ہوتی۔

۷۱۔ امر علی الاطلاق وجوب پر محمول ہوتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے مغیث سے نکاح کے لیے فرمایا تو حضرت بریرہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ آپ کا امر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میری سفارش ہے کہا پھر نکاح نہیں کروں گی۔

۷۲۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کسی سے دیوانہ وار محبت کرے تو اس کو بھی اس سے انس ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت بریرہ اور حضرت مغیث کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے محبت ہے اور بریرہ مغیث سے نفرت کرتی ہے۔

۷۳۔ جب کسی شخص کو دو چیزوں میں سے ایک پر عمل کے لیے کہا جائے اور وہ ایسی صورت کو اختیار کرے جو کسی کو ناگوار ہو تو اس پر ملامت نہیں ہے جیسا کہ حضرت بریرہ کو حضرت مغیث کے ساتھ نکاح نہ کرنے پر ملامت نہیں کی گئی۔

۷۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی عظمت کہ ایک باندی نے آپ کی سفارش قبول نہیں کی اور آپ نے کسی ملال کا اظہار نہیں کیا۔

۷۵۔ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد شوہر کو مسترد کر سکتی ہے۔

۷۶۔ امام شافعی نے اس حدیث کی بناء پر فرمایا حریت کا کفاءت میں اعتبار ہوتا ہے اور غلام آزاد کا کفو نہیں ہے۔

۷۷۔ جس عورت کا ولی نہ ہو وہ چاہے تو اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر سکتی ہے کیونکہ حضرت بریرہ چاہتیں تو حضرت مغیث کے نکاح میں رہتیں۔ (یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک حضرت مغیث آزاد تھے)

۷۸۔ جب باندی آزاد کر دی جائے تو اب اس کا خاوند دو کی بجائے تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے، چونکہ عورت پر اس کی ملکیت اب بڑھ جاتی ہے اس لیے اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔

۷۹۔ جب عورت کو اختیار دیا جائے اور وہ کہہ دے کہ "مجھے اس کی حاجت نہیں" تو تفریق کر دی جائے گی کیونکہ حضرت بریرہ نے یہی کلمات کہے تھے۔

۸۰۔ اجنبی عورتوں کے گھر میں آنے کا جواز، خواہ مرد گھر پر ہو یا نہ ہو۔

۸۱۔ مکاتبہ کے آزاد ہونے کے بعد نہ اس کے ساتھ شوہر لاحق ہوتا ہے نہ بچے۔

۸۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ مطلقاً حرام ہے۔

۸۳۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لاحق ہیں جیسے آپ کی ازواج اور موالی ان پر نفلی صدقہ جائز ہے۔

۸۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر صدقہ واجبہ جائز نہیں ہے اور آپ کے موالی (آزاد کردہ غلام اور باندیوں) پر جائز ہے کیونکہ بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔

۸۵۔ جب فقیر پر کیے گئے صدقہ کو غنی پر ہبہ کر دیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر بیچ دیا جائے تو بطریق اولیٰ جائز ہے
۸۶۔ ملک بدلنے سے چیز کا حکم بدل جاتا ہے، وہی گوشت پہلے صدقہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں آ گیا تو ہدیہ ہو گیا۔
۸۷۔ صدقہ اور ہدیہ کا حکم الگ الگ ہے۔
۸۸۔ گوشت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت، کیونکہ آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟۔
۸۹۔ اہل خانہ کی صاحب خانہ کی خیر خواہی کرنا، کیونکہ گھر والوں نے اس لیے آپ کو گوشت نہیں دیا تھا کہ یہ صدقہ کا ہے۔
۹۰۔ جب باندی آزاد کر دی جائے تو وہ معاملات میں تصرف کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت بریرہ نے گوشت لیا اور ازواج کو پیش کیا۔
۹۱۔ آزاد شدہ باندی اپنی کمائی میں خاوند کی اجازت کے بغیر بھی تصرف کر سکتی ہے۔
۹۲۔ جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس پر صدقہ کرنا، کیونکہ حضرت بریرہ، حضرت عائشہ کی زیر کفالت تھیں اور ان پر صدقہ کیا جاتا تھا حضرت عائشہ اس کو قبول فرماتیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہیں فرماتے تھے۔
۹۳۔ جس شخص کے اہل پر صدقہ کیا جائے وہ اس میں شریک ہو سکتا ہے۔
۹۴۔ عورت خاوند کے علم کے بغیر اس کے گھر میں ایسی چیز لا سکتی ہے جس کا خاوند مالک نہیں ہوتا۔
۹۵۔ ہر چند کہ عورت کا کھانا خاوند کے ذمہ ہے پھر بھی بیویوں کا اپنے شوہروں کے لیے کھانا پکانا جیسا کہ ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پکاتی تھیں۔
۹۶۔ مرد کو اپنے گھر میں جو مل جائے اس کا کھانا جائز ہے جبکہ یہ غلبہ ظن ہو کہ وہاں حلال چیزیں ہوتی ہیں اور اہل کو اس چیز کے بارے میں بتانا چاہیے جس کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس سے بچتا ہے۔
۹۷۔ جس چیز سے کسی علم یا کسی چیز کا حکم معلوم ہو سکتا ہو اس کا سوال کرنا مستحب ہے اور بسا اوقات واجب ہے۔
۹۸۔ اگر گھر میں کوئی نئی یا غیر معروف یا غیر مانوس چیز نظر آئے تو گھر والے کو اس کی تفتیش کرنی چاہیے۔
۹۹۔ ہدیہ کے جواب میں ہدیہ دینا لازم اور ضروری نہیں ہے۔
۱۰۰۔ ہدیہ کا گھر میں صرف پہنچا دینا ہی کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کو قبول کرایا جائے۔
۱۰۱۔ جس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہے وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اس سے صدقہ کرنے والے کے اجر میں کمی نہیں ہو گی۔
۱۰۲۔ جب کسی چیز میں بظاہر کوئی شبہ نہ ہو تو اس کی اصل کی تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔
۱۰۳۔ اسی طرح جو جانور مسلمانوں میں ذبح ہوا ہو اس کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے کہ حلال ہے یا حرام ہے۔
۱۰۴۔ اگر کسی کو کم مقدار میں یا معمولی مقدار میں چیز صدقہ دی جائے تو اس کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

۱۰۵۔ عورت کو اپنے تصرفات میں خاوند سے مشورہ کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کے آزاد کرنے کے معاملے میں حضور سے مشورہ کیا۔

۱۰۶۔ امور دینیہ میں عالم (مفتی) سے سوال کرنا چاہیے۔

۱۰۷۔ اگر کوئی شخص سوال نہ کرے تب بھی عالم کو اصلاح کے لیے مسئلہ بتانا چاہیے۔

۱۰۸۔ جب کسی عورت کو نکاح کا اختیار ملے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے اور مشورہ میں اس کی خیر خواہی ہو۔

۱۰۹۔ مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔

۱۱۰۔ حاکم بھی کسی کی سفارش کر سکتا ہے جب اس میں کسی کا ضرر نہ ہو اور کسی پر حکم لازم نہ کیا جائے۔

۱۱۱۔ کسی کی درخواست کے بغیر بھی اس کے حق میں سفارش کی جا سکتی ہے کیونکہ حضرت مغیث نے حضور سے شفاعت کے لیے درخواست نہیں کی تھی۔

۱۱۲۔ مسلمان کی دل جوئی اور اس کا غم دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۱۱۳۔ شفاعت کرنے والے کو اجر ملتا ہے خواہ اس کی شفاعت قبول نہ ہو۔

۱۱۴۔ جس کے پاس شفاعت کرنی ہے اگر اس کا مرتبہ شفاعت کرنے والے سے کم ہو تو اس وجہ سے شفاعت کرنے میں عار یا اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے حضرت مغیث کے لیے شفاعت کی۔

۱۱۵۔ اپنے تلامذہ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر متنبہ کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس سے کہتے تھے کیا تم مغیث کی محبت اور بریرہ کی نفرت پر تعجب نہیں کرتے۔

۱۱۶۔ حضرت بریرہ کا حسن ادب ہے کیونکہ انھوں نے صراحۃً آپ کی شفاعت کو رد نہیں کیا بلکہ کہا مجھے مغیث کی حاجت نہیں ہے۔

۱۱۷۔ جب غلبہ محبت ہو تو حیا رخصت ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی محبت کو چھپا نہ سکے۔

۱۱۸۔ جب کوئی شخص کسی کی محبت سے مغلوب ہو کر مارا مارا پھرے اور محبوب کی یاد میں روتا رہے اور اس کا نام لے کر پکارتا پھرے تو اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے اور اس کو معذور سمجھنا چاہیے جبکہ وہ اس میں مضطر ہو۔

۱۱۹۔ محبت ایک غیر اختیاری جذبہ ہے۔

۱۲۰۔ جو لوگ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغلوب ہو کر دوران سماع وجد میں اگر رقص کرتے ہیں اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہیں اور لوٹ لگاتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے یہ لوگ اس حال میں مرفوع القلم ہوتے ہیں (ہماری مراد اس سے وہ سماع ہے جو مزامیر سے خالی ہو کیونکہ اہل محبت اس چیز کو کبھی نہیں سنتے جس کے سننے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید سنائی ہو اور آپ نے اس کو ناپسند کیا ہو۔) ان مجذوبوں کا معاملہ الگ ہے اور سچے مجذوب کی یہ علامت ہے کہ وہ کبھی شریعت کا انکار نہیں کرتا۔

۱۲۱۔ جو مسلمان ایک دوسرے سے متنفر ہوں ان میں ملاپ کی کوشش کرنا خواہ زوجین ہوں یا نہیں، بشرطیکہ کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔

۱۲۲۔ شادی شدہ عورت کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔
۱۲۳۔ بڑے آدمی کا اپنے سے کمتر کے لیے نکاح کا پیغام دینا۔
۱۲۴۔ سفارش میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنا خواہ بڑا چھوٹے سے سفارش کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا: کاش تم مغیث کے پاس دوبارہ چلی جاؤ!
۱۲۵۔ غلام اپنی مطلقہ کو مالک سے اجازت لیے بغیر بھی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔
۱۲۶۔ زوجین میں باہم محبت ہو یا نفرت ہو اس پر ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری امر ہے۔
۱۲۷۔ کسی شخص سے اس کی محبوب چیز چھن جائے یا چلی جائے تو اس کے فراق میں رونے پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔
۱۲۸۔ دنیا کی پیاری چیزوں کے فراق میں انسان روتا ہے تو آخرت کی پیاری چیزوں اور عبادات کے فراق پر بطریق اولیٰ رونا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حج کے دوران حیض آگیا تو وہ بے اختیار رو پڑیں کہ حیض کی وجہ سے کچھ عبادات رہ جائیں گی۔
۱۲۹۔ بیوی سے محبت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔
۱۳۰۔ جب عورت کسی شخص کو ناپسند کرتی ہو تو ولی اس کو اس سے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔
۱۳۱۔ جب عورت کو خاوند سے نفرت ہو تو ولی اس کے ساتھ رہنے پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر اس سے محبت ہو تو اس سے علیحدگی پر مجبور نہیں کر سکتا۔
۱۳۲۔ کسی شخص کا کسی عورت کی طرف نکاح بار بار رجوع میں میلان کرنا جائز ہے۔
۱۳۳۔ کسی شخص کا اپنی مطلقہ سے راستہ میں بات کرنا، اس کی محبت کو طلب کرنا جہاں جائے اس کے پیچھے جانا جائز ہے اور یہ جواز اس وقت ہے جب فتنہ سے مامون ہو۔
۱۳۴۔ جس سے حاجت روائی کی درخواست کی جائے وہ حاجت روائی میں اپنے نفع کے پہلو کا اعتبار کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرنے میں یہ شرط لگائی کہ ولاء ان کی ہوگی۔
۱۳۵۔ اگر مقروض کا قرض کوئی ادا کر دے تو جائز ہے اور ادا ہو جاتا ہے۔
۱۳۶۔ شوہر کا اپنی بیوی کے معاملہ میں فتویٰ دینا۔
۱۳۷۔ حاکم کا اپنی بیوی کے حق میں فیصلہ کرنا۔
۱۳۸۔ غلام خریدنے والے کا بائع سے یہ کہنا کہ میں آزاد کرنے کے لیے خرید رہا ہوں تاکہ وہ بیع میں نرمی کرے اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز کسی سے خریدے تو وہ بھی اس کو بتا دے کہ وہ مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز خرید رہا ہے تاکہ وہ رعایتی قیمت لگائے اور آسان شرطوں پر فروخت کرے۔
۱۳۹۔ اللہ کا حق بندوں کے حقوق پر مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرط اللہ احق و اوثق "اللہ کی شرط پوری کی جانے کی زیادہ حقدار ہے" اسی طرح دوسری حدیث میں ہے اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔
۱۴۰۔ جس شخص کا کسی چیز پر بظاہر قبضہ ہو وہ اس کا مالک قرار دیا جاتا ہے اسی بناء پر بریرہ کا مالک ان لوگوں کو تصور

کیا گیا۔

۱۴۱۔ جب کوئی شخص کسی چیز کو خریدے اور اس میں بظاہر کوئی شک نہ ہو تو خریدار اس کی اصل کی تفتیش میں نہ پڑے۔

۱۴۲۔ حاکم کا حکم، احکام شرعیہ میں تبدیلی نہیں کر سکتا، نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے۔

۱۴۳۔ کسی چیز کو عملاً بیان کرنا اس کے زبانی بیان کرنے سے اولیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم بریرہ کو خرید لو، ولاء تمہاری ہوگی اور حضرت عائشہ کے خریدنے کے بعد فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے ۔ الحدیث۔

۱۴۴۔ وقت حاجت تک بیان کو مؤخر کیا جا سکتا ہے اور جب ضرورت متحقق ہو جائے تو بیان کر دینا چاہیے۔

۱۴۵۔ جو حکم عام ہو اس کا اعلان کرنا واجب ہے یا تقاضائے حال کے اعتبار سے مستحب ہے۔

۱۴۶۔ حدیث کی روایت بالمعنیٰ اور اس کا اختصار کرنا جائز ہے کیونکہ حدیث بریرہ ان دونوں طریقوں سے مروی ہے۔ اور ضرورت کے اعتبار سے حدیث کے بعض جملوں کے بیان پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

۱۴۷۔ عدت کا اعتبار عورتوں پر ہے۔ (یعنی باندی ہے تو دو حیض ورنہ تین حیض) کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے اس کو آزاد عورتوں کی عدت گذارنے کا حکم دیا گیا۔

۱۴۸۔ اس میں تصریح ہے کہ آزاد کردہ باندی کی عدت تین حیض ہے اور عدت میں حیض کا اعتبار کرنے سے احناف کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

۱۴۹۔ بعض روایات میں "تعتد بحیض" کے الفاظ ہیں اس سے مراد جنس حیض ہے یعنی حیض سے عدت کا شمار ہوگا ایک حیض مراد نہیں ہے۔

۱۵۰۔ پہلے احکام کو سنن سے تعبیر کیا جاتا تھا، واجب سے کم پر سنت کا اطلاق کرنا، اصطلاح حادث ہے۔

۱۵۱۔ باندی کا نکاح اس کا مالک جبراً ایسے شخص سے کر سکتا ہے جس کو وہ بدصورتی یا بدخلقی کی بناء پر ناپسند کرتی ہو کیونکہ حضرت بریرہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیث سیاہ فام تھے ان کا نکاح جبراً کیا گیا تھا۔ حضرت بریرہ نے اختیار ملتے ہی یہ نکاح فسخ کر دیا۔

۱۵۲۔ اگر کسی شخص کو اپنے حق کا پتا نہ ہو تو اس کو متنبہ کرنا چاہیے کہ یہ تمہارا حق ہے۔

۱۵۳۔ مغیث (فریادرسی کرنے والا) نام رکھنا جائز ہے ہر چند کہ حقیقی مغیث اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۵۴۔ مال کتابت کی کوئی حد نہیں ہے۔

۱۵۵۔ غلام کو آزاد کرنے والا اپنے غلام سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے اس سے اجر میں کمی نہیں ہوتی۔

۱۵۶۔ کسی شخص سے اجازت لیے بغیر اس کے گھر والوں کو ہدیہ دینا۔

۱۵۷۔ جب کوئی شبہ نہ ہو تو عورت ہدیہ قبول کر سکتی ہے۔

۱۵۸۔ انسان کا اپنے گھر کے احوال کے بارے میں سوال کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں کیا ہے!

۱۵۹۔ جس چیز میں شبہ نہ ہو اس کی اصلیت کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ بریرہ

پر کس نے صدقہ کیا، اس کا مال کیسا تھا؟ آیا حلال تھا یا حرام؟۔

۱۶۰۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت بریرہ کو اسلام میں سب سے پہلے مکاتب کیا گیا، حضرت سلمان مردوں میں پہلے مکاتب تھے اور حضرت بریرہ عورتوں میں پہلی مکاتبہ تھیں۔

۱۶۱۔ مکاتبت کی اقساط سے میعادی بیع اور قرض پر استدلال کیا گیا ہے۔

۱۶۲۔ خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو مکاتب کرنے کا جواز۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو میں سے کسی ایک کی بیع بھی جائز ہے، جس کو کوئی فن نہ آتا ہو اس کو مکاتب کرنا بھی جائز ہے۔

اس حدیث سے فقہاء اسلام نے اس سے بھی زیادہ مسائل مستنبط کیے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے اس سے چار سو مسائل مستنبط کیے ہیں۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام ابن خزیمہ اور امام ابن جریر نے اس حدیث کے مسائل پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ہمیں چونکہ اس کتاب میں اختصار مطلوب تھا اس لیے ہم نے صرف ایک سو باسٹھ مسائل کا ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر مسائل ہم نے فتح الباری کی مختلف ابحاث سے چنے ہیں، اور بعض مسائل ہماری ذہنی کاوش اور جودت طبع کا نتیجہ ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ امہات المؤمنین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

وَلاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت

۳۶۷۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ سَمِعْتُ مُسْلِمَ بْنَ الْحَجَّاجِ يَقُولُ النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع کر دیا، ابراہیم کہتے ہیں کہ مسلم بن حجاج نے کہا اس حدیث میں تمام لوگ عبداللہ بن دینار کے شاگرد ہیں۔

۳۶۷۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا

امام مسلم نے پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور الصدر ارشاد روایت کیا، البتہ عبید اللہ کی سند میں صرف بیع کا ذکر ہے ہبہ کا ذکر نہیں ہے۔

سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنًّى قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنًّى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ الثَّقَفِيَّ لَيْسَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ إِلَّا الْبَيْعَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْهِبَةَ۔

وَلاء کی بیع میں مذاہب فقہاء متقدمین اور متاخرین میں سے جمہور فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ وَلاء کی بیع اور اس کو منتقل کرنا حرام ہے، البتہ بعض متقدمین وَلاء کی بیع کے جواز کے قائل تھے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ شاید انھیں یہ حدیث نہیں پہنچی [1]

بَابُ تَحْرِيمِ تَوَلِّي الْعَتِيقِ غَيْرَ مَوَالِيهِ

آزاد شدہ کو اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی ممانعت

۳۶۸۰ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُولَهُ ثُمَّ كَتَبَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يَتَوَلّٰى مَوْلٰى رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ثُمَّ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ ہر قبیلہ پر اس کی دیت واجب ہے پھر فرمایا کسی مسلمان کے آزاد شدہ غلام کے لیے آزاد کرنے والے کی اجازت کے بغیر دوسرے کا مولیٰ بننا جائز نہیں ہے۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ آپ نے ایسا کرنے والے پر اپنی کتاب میں لعنت لکھی ہے۔

۳۶۸۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۴۹۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت ہے، اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

۳۶۸۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت ہے قیامت کے دن اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

۳۶۸۳۔ وَحَدَّثَنِيْهِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا شَيْبَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ وَمَنْ وَّالٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ۔

ایک اور سند سے بھی حسب سابق روایت ہے البتہ من تولی کی جگہ من والی کے الفاظ ہیں۔

۳۶۸۴۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَطَبَنَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهُ اِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ قَالَ وَصَحِيْفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فِيْ قِرَابِ سَيْفِهِ فَقَدْ كَذَبَ فِيْهَا اَسْنَانُ الْاِبِلِ وَاَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَفِيْهَا

ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا کوئی اور کتاب پڑھتے ہیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے وہ صحیفہ حضرت علی کی تلوار کی میان سے لٹکا ہوا تھا، آپ نے فرمایا اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا ذکر ہے اور زخموں کی دیت کا بیان ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے جو شخص مدینہ میں عبادت کا کوئی نیا طریقہ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا وَ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ وَمَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔

وضع کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل، اور تمام مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے، ایک ادنیٰ مسلمان بھی ذمہ دے سکتا ہے، اور جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف کرے یا اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی تمام انسانوں اور فرشتوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

مفہوم مخالف کی وجہ سے ایک اشکال کا جواب

حدیث نمبر ۳۶۸۱ میں ہے "جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر خود کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہو" اس حدیث کے مفہوم مخالف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے اس کو اجازت دے دیں تو پھر وہ اپنے آپ کو کسی اور قوم کی طرف منسوب کر سکتا ہے، حالانکہ اس صورت میں بھی اپنے آپ کو کسی اور قوم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء احناف کو تو اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک قرآن اور حدیث کے احکام میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا، البتہ فقہاء شافعیہ مفہوم مخالف کے قائل ہیں اس لیے ان کے قواعد پر یہ اشکال لاحق ہوگا!

علامہ نووی شافعی اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں تقیید اکثر اور غالب پر محمول ہے، کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ موالی اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وربائبکم اللاتی فی حجورکم" "اور تمہاری بیٹیاں جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پچھلی لڑکیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں (وہ بھی تم پر حرام ہیں)" اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "ولا تقتلوا اولادکم من املاق۔ (انعام: ۱۵۱)" "اپنی اولاد کو تنگی رزق کے ڈر سے قتل مت کرو۔" ان آیات میں بھی اکثر اور غالب مواقع کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے اور مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

مفہوم مخالف کی تعریف

مفہوم مخالف یہ ہے کہ مسکوت عنہ کا حکم نفی اور اثبات میں منطوق (مذکور) کے خلاف ہو، پس مسکوت عنہ کے لیے منطوق کے خلاف حکم ثابت ہوگا، اس کو دلیل خطاب کہتے ہیں۔

مفہوم مخالف کے حکم میں مذاہب فقہاء

مفہوم اللقب کے علاوہ مفہوم مخالف کی تمام اقسام جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفہوم مخالف

کی کوئی قسم معتبر نہیں ہے، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے شرح اللمع میں علامہ قفال شاشی اور علامہ ابو حامد مروزی سے اسی طرح نقل کیا ہے، امام اشعری بھی مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔ [1]

شمس الائمہ سرخسی حنفی نے کتاب السیر میں کہا ہے کہ خطابات شرع (قرآن اور حدیث) میں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے اور لوگوں کے عرف اور ان کی اصطلاحات میں مفہوم مخالف حجت ہے، اور بعض متاخرین شافعی علماء نے اس کے برعکس کہا ہے کہ مفہوم مخالف اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں حجت ہے اور عبارات علماء میں حجت نہیں ہے، علامہ زرکشی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

مفہوم مخالف کے اعتبار کی شرائط

مفہوم مخالف حسب ذیل شرائط کے بعد حجت ہوتا ہے۔

(۱) مفہوم مخالف اس وقت حجت ہوگا جب اس کے معارض اس سے قوی منطوق یا مفہوم موافق نہ ہو، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے کہا ہے کہ اگر مفہوم مخالف کے قیاس جلی معارض ہو تو قیاس کو مقدم کیا جائے گا اور قیاس خفی میں دو قول ہیں اور اگر اس کے معارض کوئی حکم عام ہو تو حکم عام پر عمل کیا جائے گا۔

(۲)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ منطوق سے امتنان اور احسان کا اظہار مقصود نہ ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "لتاکلوا منہ لحما طریا (نحل: ۱۴)" وہ ذات جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اس آیت میں گوشت کو تازہ کے ساتھ مقید کیا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر فرماتے ہوئے اس صفت (تازہ) کا ذکر کیا ہے اس لیے یہاں اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے یہ معنی نہیں ہوگا کہ باسی گوشت کھانے کی ممانعت ہے۔

(۳)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ منطوق کسی حکم خاص یا حادثہ خاصہ سے متعلق سوال کا جواب نہ ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ (آل عمران: ۱۳۰)" اے ایمان والو دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" اس آیت میں مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے یہ معنی نہیں ہوگا کہ "سود مفرد کھا لیا کرو" کیونکہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ لوگ مدت پوری ہونے کے بعد مقروض سے کہتے تھے یا تو سود ادا کرو ورنہ اس سود پر اور سود لگ جائے گا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ منطوق میں کسی صفت سے تعظیم کا قصد نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان لائی ہو وہ خاوند کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے" اس حدیث میں اللہ اور آخرت پر ایمان کی قید محض اس حکم کی تفخیم اور تعظیم کے لیے ہے، اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ منطوق میں صفت کا ذکر استقلالاً ہو اگر اس کا تبعاً ذکر ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد" (بقرہ: ۱۸۷) "اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو در آں حالیکہ تم مساجد میں معتکف ہو" اس آیت میں مساجد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کیونکہ اعتکاف میں مباشرت مطلقاً ممنوع ہے۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

(۶)۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ سیاق کلام سے عموم کا قصد ظاہر نہ ہو، اگر سیاق کلام سے یہ ظاہر ہو کہ یہاں عموم مراد ہے تو پھر مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "واللہ علی کل شیء قدیر" (حشر: ۶) "اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے" اس کا یہ مفہوم معتبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ معدوم پر قادر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معدوم اور ممکن پر بھی قادر ہے۔

(۷)۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ مفہوم مخالف مراد لینے سے اس کی اصل یعنی منطوق باطل نہ ہو جائے۔

(۸)۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ منطوق میں جو قید لگائی گئی ہے وہ باعتبار اکثر اور اغلب کے نہ ہو، اگر منطوق کی قید باعتبار اغلب کے ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے "وربائبکم التی فی حجورکم" (نساء: ۲۳) "جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پچھلک لڑکیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں" (وہ بھی تم پر حرام ہیں) اس کا یہ مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ تمہاری بیویوں کی جو پچھلک لڑکیاں تمہارے زیر پرورش نہیں ہیں وہ تم پر حلال ہیں۔

جمہور کے نزدیک اس باب کی احادیث میں مفہوم مخالف کے اعتبار نہ کرنے کی وجہ اسی شرط کا نہ پایا جانا ہے۔

مفہوم مخالف کی اقسام

جن مفاہیم مخالفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے ان کی اقسام حسب ذیل ہیں:

(۱) پہلی قسم ہے مفہوم الصفۃ، یعنی ذات کی کسی ایک صفت پر حکم معلق کیا جائے، جیسے "فی سائمۃ الغنم زکوٰۃ" "خود رو گھاس چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جن بکریوں کو کاشت کر کے یا خرید کر چارہ کھلایا جاتا ہے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۲)۔ دوسری قسم ہے مفہوم العلۃ، یعنی کسی چیز کی علت پر حکم معلق ہو جیسے "حرمت الخمر لاسکارھا" "یعنی شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ شراب اپنے کسی اور وصف مثلاً مخصوص رنگ اور ذائقہ کی وجہ سے حرام نہیں ہے (پہلی قسم میں وصف عام ہے علت ہو یا نہ ہو اور یہاں وصف خاص ہے)۔

(۳)۔ تیسری قسم ہے مفہوم شرط، شرط سے مراد شرط شرعی ہے جس پر مشروط کا وجود موقوف ہو اور وہ مشروط میں داخل اور اس میں موثر نہ ہو، جیسے استقبال قبلہ نماز کے لیے شرط ہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کسی اور جانب منہ کر نا نماز میں شرط نہیں ہے۔ شرط سے شرط لغوی مراد نہیں ہے جیسے "ان اکرمتنی اکرمتک" "اگر تم میری عزت کرو گے تو میں بھی تمہاری عزت کروں گا" "متی جئتنی اعطیتک" "جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تم کو عطا کروں گا۔"

(۴)۔ چوتھی قسم ہے مفہوم العدد یعنی کسی عدد پر حکم معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پر حکم معلق نہیں ہوگا جیسے قرآن مجید میں ہے: "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" (بقرہ: ۲۲۸) "مطلقہ عورتیں تین حیض گذاریں" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت دو حیض ہے نہ چار حیض۔ مفہوم مخالف کی اس قسم کا فقہاء احناف نے بھی اعتبار کیا ہے۔

(۵)۔ پانچویں قسم ہے مفہوم الغایت، یعنی کسی چیز کی انتہا پر حکم معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس بیان کردہ انتہاء کے ماوراء پر حکم نہیں ہے جیسے قرآن مجید میں وضوء کے حکم میں ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق" (مائدہ: ۶) "اپنے چہروں کو دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ" اس

کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کہنیوں کے بعد مثلاً بغلوں تک ہاتھوں کو دھونا وضو میں فرض نہیں ہے۔
جمہور فقہاء احناف نے بھی مفہوم مخالف کی اس قسم کو معتبر مانا ہے۔

(۶) چھٹی قسم ہے مفہوم اللقب۔ یعنی علم شخصی یا علم نوعی پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے "زید قام" "زید کھڑا ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اور کوئی شخص نہیں کھڑا، یا "فی الغنم زکوۃ" "بکریوں میں زکوٰۃ ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بکریوں کے علاوہ اور کسی جانور میں زکوٰۃ نہیں ہے۔
جو فقہاء مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان میں سے قاضی ابو بکر الدقاق کے سوا کسی نے بھی اس قسم کا اعتبار نہیں کیا لہٰذا یہ قسم محل نزاع سے خارج ہے۔

(۷) ساتویں قسم ہے مفہوم الحصر، جیسے "ما قام الا زید" "زید کے علاوہ کوئی اور شخص کھڑا نہیں ہوا" فقہاء احناف بھی مفہوم حصر کو مانتے ہیں لیکن وہ اس کو کلام کا مفہوم مخالف نہیں کہتے، وہ کہتے ہیں کہ حصر اس کلام کا منطوق صریح ہے۔ (وھو الاشبہ بالحق - از سعیدی)۔

(۸) مفہوم الزمان، جیسے الحج اشہر معلومات (بقرہ) "حج معروف مہینوں میں ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ کہ ان مہینوں کے علاوہ میں حج نہیں ہے۔ لیکن یہ قسم مفہوم صفت میں داخل ہے۔

(۹) دسویں قسم ہے مفہوم المکان جیسے "جلست امام زید" "میں زید کے آگے بیٹھا" یعنی پیچھے نہیں بیٹھا، یہ قسم امام شافعی کے نزدیک حجت ہے۔
یہ ساری بحث قاضی شوکانی نے بیان کی ہے[1] جس کا خلاصہ ہم نے کچھ ضروری وضاحتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

باب ۲۸۱ فَضْلِ الْعِتْقِ　غلام آزاد کرنے کی فضیلت

۳۶۸۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ ابْنُ هِنْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۶- حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ص ۱۷۰-۱۶۵ مطبوعہ مکتبۃ الخانجی مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۷ھ

قَالَ نَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ اَبِيْ غَسَّانَ الْمَدَنِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهَا عُضْوًا مِّنْ اَعْضَائِهٖ مِنَ النَّارِ حَتّٰى فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا، حتیٰ کہ غلام کی فرج کے بدلہ میں اس کی فرج کو آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا حتیٰ کہ غلام کی شرمگاہ کے بدلہ میں اس کی شرمگاہ کو آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۸- حَدَّثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ نَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ قَالَ نَا وَاقِدٌ يَعْنِيْ اَخَاهُ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ ابْنُ مَرْجَانَةَ صَاحِبُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اَعْتَقَ امْرَاً مُّسْلِمًا اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ قَالَ فَانْطَلَقْتُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مرد کسی مسلمان مرد کو آزاد کر دے گا، اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے نجات دے دے گا۔ سعید بن مرجانہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے جا کر اس کا ذکر علی بن حسین (امام زین العابدین) سے کیا تو انھوں نے اپنے ایک غلام کو آزاد کر دیا جس کی قیمت ابن جعفر ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دے رہے تھے۔

حِيْنَ سَمِعْتُ الْحَدِيْثَ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَذَكَرْتُهُ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَشَرَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ اَوْ اَلْفَ دِيْنَارٍ۔

بغیر توبہ کے محض عبادات سے مغفرت کی بحث

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
بعض علماء نے یہ بحث کی ہے کہ غلام آزاد کرنے سے کیا مرتکب کبیرہ کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے؟ جبکہ اس پر اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ قاضی ابن العربی نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد صغائر (مثلاً رانوں سے استلذاذ) کی مغفرت ہے یا جس شخص نے غلام آزاد کیا ہو گا اس کی نیکیاں میزان میں زیادہ ہوں گی کیونکہ غلام کی نیکیوں کا بھی اس کے نامۂ اعمال میں وزن کیا جائے گا۔[1]

تاہم یہ بعید نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ عام قاعدہ یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کی مغفرت توبہ سے ہوتی ہے، لیکن جن عبادات پر احادیث میں بشارت مغفرت کی تصریح ہے وہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے حج کرنے والے کے لیے جنت کی بشارت ہے، شہید کے لیے جنت کی بشارت ہے اسی طرح غلام آزاد کرنے والے کے لیے بھی جنت کی بشارت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو توبہ سے بھی معاف فرماتا ہے اور بلا توبہ اپنے فضل محض سے بھی گناہوں کو معاف کرتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (نساء: ۴۸)
"اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا اور اس کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔"

حدیث نمبر ۳۶۸۸ میں مسلمان مرد کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان مرد کو آزاد کرنا مسلمان عورت کو آزاد کرنے سے افضل ہے، نیز ان احادیث میں مسلمان کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور مسلمان غلام کو آزاد کرنا کافر غلام سے یقیناً افضل ہے لیکن کافر غلام کو آزاد کرنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے۔

بَابُ ۴۸۲ فَضْلِ عِتْقِ الْوَالِدِ
اپنے والد کو آزاد کرنے کی فضیلت

۳۶۸۹- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا جَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِيْ وَلَدٌ وَالِدًا اِلَّا اَنْ يَّجِدَهُ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَلَدٌ وَالِدَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور پھر اس کو خرید کر آزاد کر دے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

[1] حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۴۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۳۶۹۰ - وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْكُرَيْبٍ قَالَ نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِي ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ كُلُّهُمْ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَقَالُوْا وَلَدٌ وَالِدَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے، اس میں بھی یہ ہے کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

محارم کا مالک ہونے کے بعد ان کے آزاد ہونے میں مذاہب

ائمہ اربعہ کے نزدیک باپ کا آزاد ہونا محض خریدنے پر مترتب ہو جاتا ہے البتہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف خریدنے سے کوئی شخص آزاد نہیں ہوتا جب تک کہ خریدنے کے بعد وہ اس کو از خود آزاد نہ کر دے، غیر مقلدین کی دلیل اس باب کی حدیث ہے "کوئی شخص باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الّا یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور پھر خرید کر اس کو آزاد کر دے۔

ائمہ اربعہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ آزادی کا سبب خریدنا ہے اس لیے اس حدیث میں خریدنے کے ساتھ آزاد کرنے کا ذکر کر دیا ہے، ورنہ جیسے ہی کوئی شخص اپنے باپ کو خریدے گا وہ آزاد کرے یا نہ کرے اس کا باپ خود بخود آزاد ہو جائے گا، ائمہ اربعہ کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا وہ آزاد ہے [۱] یہ حدیث امام ابوداؤد کے علاوہ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ حدیث "من ملك ذا رحم محرم فهو حر" نسائی کے علاوہ باقی پانچ کتابوں میں ہے [۲] (نواب صاحب کو مغالطہ ہوا ہے یہ حدیث صحیحین کے علاوہ صحاح کی باقی چار کتابوں میں ہے۔ از سعیدی) ـــــ اور مسلم کی حدیث جو اس باب میں ہے اس کو بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے روایت کیا ہے۔ اکثر اہل علم کا مسلک حضرت سمرہ کی حدیث کے موافق ہے، صحابہ اور تابعین کی اکثریت کے علاوہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے [۲]

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں کہ اصول اور فروع کے آزاد کیے جانے میں تو امام شافعی ہمارے ساتھ متفق ہیں باقی محارم کے آزاد کیے جانے میں ان کا اختلاف ہے، کیونکہ مالک کی رضامندی کے بغیر آزاد قرار دینا خلاف قیاس ہے اور بھائی اور دوسرے محرم رشتہ داروں کی قرابت' ولادت کی قرابت سے کم درجہ کی ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی العموم فرمایا جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا وہ آزاد ہے [۳]

---

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[۲] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، السراج الوہاج ج ۱ ص ۵۸۷، مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۲ھ

[۳] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۲۴۹ - ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک ولادت (اصول و فروع) اور بھائیوں اور بہنوں میں آزادی جاری ہوگی باقی محارم میں نہیں۔[1]

امام مالک پر بھی یہ حدیث حجت ہے، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے علاوہ باقی فقہاء امام شافعی اور امام مالک قیاس پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں، اس مسئلہ سے امام ابوحنیفہ کا عمل بالحدیث اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کرنا واضح ہوتا ہے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب البیوع

بیع کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ قیمت والی چیز کو دے کر قیمت کو لے لینا بیع ہے اور خریدنے اور بیچنے دونوں پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یبیعن احدکم علی بیع اخیہ "کوئی شخص دوسرے بھائی کی بیع کو نہ خریدے۔" یہاں خریدنے پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے[1]

علامہ ابن نجیم مصباح کے حوالے سے بیع کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ایک چیز کے بدلہ میں دوسری چیز دینا عام ازیں کہ وہ مال ہو یا نہ ہو قرآن مجید میں ہے "وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ" (یوسف: ۲۰) انھوں نے اس کو معدودے چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا" حالانکہ حضرت یوسف آزاد شخص تھے "مال" نہ تھے۔ ہر چند کہ لغت میں بیع کا اطلاق خریدنے اور بیچنے دونوں پر ہوتا ہے لیکن بائع کا متبادر معنی بیچنے والا ہے۔[2]

بیع کا شرعی معنی

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ علامہ نسفی (صاحب کنز) نے لکھا ہے کہ البیع مبادلۃ المال بالمال بالتراضی "باہمی رضامندی سے مال کے بدلے میں مال دینے کو بیع کہتے ہیں" اور الکشف الکبیر میں لکھا ہے کہ جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس کو بوقت ضرورت ذخیرہ کیا جا سکے اس کو مال کہتے ہیں، کسی چیز کا مال ہونا تب ثابت ہوتا ہے جب عرف میں اس کی کوئی قیمت ہو اور جس چیز سے بغیر قیمت کے نفع حاصل کرنا مباح ہو (جیسے گندم کا ایک دانہ) وہ مال نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے کسی مرغوب چیز کا دوسری مرغوب چیز سے تبادلہ اگر قولاً ہو تو یہ ایجاب وقبول (متعارف بیع) ہے اور اگر فعلاً ہو تو یہ بیع تعاطی ہے[3] (بیع تعاطی کی تفصیل باب ۴۷ میں آرہی ہے۔

بیع اور شراء کے حوالے سے نظام سرمایہ داری اور نظام اشتراکیت کا تعارف

بیع اور شراء یعنی تجارت بیاتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مادہ پرست لوگ جن کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنا ہے وہ بیع اور شراء میں

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات: ص ۶۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

[3] " " " البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۷-۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

کسی قید وبند کے قائل نہیں۔ وہ ہر ایسے طریقہ کو جائز خیال کرتے ہیں جس کے سبب زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کیا جا سکے، اس کے برخلاف اسلام کا مطمح نظر اخروی فوز و فلاح ہے، ہر چند کہ انسان کی بقاء اور خوشحالی کے لیے اسلام نے طلب تجارت کو فضل اللہ اور مال کو خیر کہا ہے لیکن کسب معیشت میں انسان کو آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑا اور تجارت، شرکت مضاربت، صنعت وحرفت اور اجارات کے قواعد و ضوابط بیان کیے ہیں، آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں، زکوٰۃ و صدقات کا نظام قائم کیا ہے، نہ نظام سرمایہ داری کا جبر و استبداد ہے، جس میں صرف مالداروں کی رعایت ہوتی ہے اور غریبوں اور مزدوروں کے حقوق اور ان کی ضروریات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی، نہ اشتراکیت کا ظلم اور جور ہے جس میں افراد کی ملکیت کو بزور چھین کر پارٹی کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے۔

چونکہ کتاب البیوع سے اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کے بیان کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے، اس لیے ہم جدید نظام ہائے معاشی سے سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام کا اسلام کے اقتصادی نظام سے موازنہ پیش کر رہے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ انسانیت کی فوز و فلاح صرف اسلام کے دامن سے وابستہ ہے۔

نظام سرمایہ داری میں ذاتی نفع کی حیثیت

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد افراد کے ذاتی نفع پر ہے اس کے برعکس اشتراکی نظام کی بنیاد پارٹی کے نفع پر ہے۔ پہلے ہم نظام سرمایہ داری کے اہم اصول بیان کر رہے ہیں۔

نظام سرمایہ داری میں اشیاء ضرورت کی پیداوار اور ترقی کے لیے فائدہ کی طمع اور نفع کی امید پر انحصار کیا جاتا ہے، کیونکہ نفع کے امکانات جس قدر کم ہوں گے انسان کی جد وجہد اور محنت اسی قدر کم ہو گی اور نفع کا امکان جس قدر روشن ہوگا انسان اسی قدر زیادہ محنت اور جد وجہد کرے گا اس طرح پیداوار خود بخود بڑھے گی اس کا معیار بہتر ہوتا جائے گا، اسی طرح ذرائع اور وسائل کے استعمال سے صنعت وحرفت اور اشیاء صرف کا پھیلاؤ دن بدن بڑھتا جائے گا اور یہ کام ذاتی نفع کے لالچ کی بناء پر ہی ہو سکتا ہے، اگر کسی کارخانے یا تجارتی ادارے کو قومی ملکیت میں لے کر چلایا جائے تو اس سے یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، ہمارے ملک میں ریلوے کا مسلسل خسارے میں جانا اور بہت سی قومیائی ہوئی صنعتوں کا ڈوب جانا اور حکومت کا انھیں واپس سابقہ مالکوں کی تحویل میں دے دینا اس کا واضح ثبوت ہے۔

نظام سرمایہ داری میں طلب اور رسد کی حیثیت

ذاتی نفع کے زیادہ سے زیادہ حصول کے لیے نظام سرمایہ داری میں "رسد" اور "طلب" پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ رسد سے مراد یہ ہے کہ تاجر اپنے مال تجارت کو یا صنعتکار اپنی مصنوعات کو بازار میں فروخت کے لیے لائے اور طلب سے مراد یہ ہے کہ خریداروں میں ضرورت پیدا کر کے انھیں خریداری کے لیے بازاروں میں لایا جائے اور اقتصادیات کا یہ اصول ہے کہ رسد جب طلب سے زیادہ ہو گی تو قیمتیں گر جائیں گی اور جب طلب رسد سے بڑھ جائے گی تو قیمتیں چڑھ جائیں گی، اس کے لیے تاجر اور صنعتکار مختلف ذرائع اور وسائل سے طلب میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور مصنوعی طریقوں سے رسد میں کمی کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں اجناس کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جو قیمت ایک دفعہ چڑھ جاتی ہے وہ کبھی نیچے نہیں اترتی بلکہ اس میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

نظامِ سرمایہ داری کو پروان چڑھانے میں سود کا کردار

آج کل تمام دنیا میں جو نظام سرمایہ داری رائج ہے اس کی پرورش کا سب سے بڑا عنصر سود ہے، تاجر اور صنعتکار اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر بینکوں سے سود پر بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے ہیں۔ ان رقموں سے بھاری صنعتیں قائم کرتے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر تجارت کرتے ہیں، بینکوں کا یہ سرمایہ دراصل عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے پہلے بینک عوام کو سال کے بعد چھ فی صد سود دیتا تھا اب چھ سے آٹھ فی صد تک اسی سود کو بینک منافع کے نام سے دیتا ہے تاجروں اور صنعتکاروں کو بینک جو رقم قرض دیتا ہے پہلے ان سے چودہ فی صد سود وصول کرتا تھا اب چونکہ ملک میں بلا سود بینکاری کا نظام رائج ہے، اس لیے بینک تاجروں اور صنعت کاروں سے کہتا ہے یا تو حق مضاربت دو ورنہ تمہارے قرض پر چودہ فی صد مارک اپ (Mark Up) کر دیا جائے گا، چنانچہ بینک ان کے قرض میں چودہ فی صد اضافہ کر دیتا ہے اور یوں بلا سود بینکاری کے نام سے بینک عوام کے روپیہ پر چودہ فی صد وصول کرتا ہے اور چھ تا آٹھ فیصد عوام کو دے دیتا ہے۔

تاجروں اور صنعت کاروں کو یہ سود اپنی جیب سے نہیں دینا پڑتا وہ مصنوعات اور اموال تجارت میں اس رقم کو شامل کر کے قیمت وصول کرتے ہیں انھیں چودہ فی صد سود ادا کر کے بھی کوئی گھاٹا نہیں ہوتا اور عوام اپنے ہی پیسوں سے تیار کردہ اشیاء کو مہنگے داموں میں خریدتے ہیں اور یوں سود کی بدولت امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے

سودی نظام کی وجہ سے آڑھتی حضرات اپنی تجارتی ساکھ کی بنیاد پر بینک سے قرض حاصل کر کے سینکڑوں ٹن غلہ اور کپاس خرید کر بینک کے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں اور جب بازار میں اجناس اور مصنوعات کی قلت ہوتی ہے تو صنعت کار اور آڑھتی حضرات گوداموں سے مال نکال کر کھلے بازار میں لاتے ہیں اور اس عرصہ میں جو ان پر گوداموں کا کرایہ، انشورنس کا خرچ اور دیگر اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان اخراجات کو یہ لوگ منافع سمیت اس جنس کی قیمت پر ڈال دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پندرہ روپے کی لاگت کی چیز سو روپیہ میں بھی بمشکل دستیاب ہوتی ہے اور اس زیادتی کا بار بینک پر پڑتا ہے نہ آڑھتی یا صنعت کار پر، اس تمام زائد خرچ کا بار عوام اور صارفین پر پڑتا ہے، سرمایہ دار بینک کے قرض کے سہارے ایک کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگاتا ہے اور بینک اس قرض کا سود در سود وصول کر کے چند سال میں اپنی رقم کو دگنا کر لیتا ہے اور ملک کی تمام دولت سمٹ کر چند بڑے بڑے صنعت کاروں اور بینکوں کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں پچھلے تینتالیس[۴۳] برسوں میں صنعت کار اور تاجر پہلے سے زیادہ امیر اور مزدور اور ہاری پہلے سے زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ صرف سود کی لعنت ہے جو عوام کے جسم سے خون نچوڑ کر سرمایہ داری کو پروان چڑھا رہی ہے۔

سود کے استحصالی نظام کو ختم کرنے میں اسلام کی ہدایات

اب جتلائیے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں وہ کون سا مذہب ہے جس نے سودی کاروبار کی ممانعت کی ہے اسلام کے سوا دنیا کا کوئی اور مذہب نہیں ہے جس نے سودی کاروبار سے روکا ہو، اللہ تعالیٰ نے جس قدر شدت کے ساتھ سود لینے پر وعید سنائی ہے وہ کسی اور گناہ پر نہیں سنائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربٰو ان كنتم مؤمنين ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله۔ (بقرہ ۲: ۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اگر تم سچے مسلمان ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کر لو۔

احل الله البيع وحرم الربٰو فمن جاءه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف وامره الى الله ومن عاد فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون۔

(بقرہ ۲: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سودی کاروبار سے رک گیا تو اس سے پہلے جو ہو چکا ہے وہ اسی کا مال ہے اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جس نے دوبارہ سودی کاروبار کیا وہ ان جہنمیوں میں سے ہے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سود کی حرمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشادات ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربٰو وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر لعنت فرمائی اور سود کھلانے والے پر اور سودی معاملہ کو لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والوں پر، اور فرمایا: یہ تمام لوگ گناہ میں برابر ہیں۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الربٰو سبعون جزءا ايسرها ان ينكح الرجل امه۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کی برائی کے ستر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ کی برائی ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔ (العیاذ باللہ)

نظام سرمایہ داری کو پھیلانے میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا حصہ

نظام سرمایہ داری کی نشوونما میں دوسرا بڑا عنصر احتکار (ذخیرہ اندوزی)

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ
[2] امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

ہے، سرمایہ دار کاروبار کے فطری اور معقول طریقوں کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن سے مصنوعی طریقوں سے قیمتیں چڑھتی ہیں، وہ اپنے سرمائے کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ اشیاء صرف کو خرید کر اپنے گودام بھر لیتے ہیں یہاں تک کہ بازار میں ان کی رسد کم اور طلب بڑھ جاتی ہے اور سرمایہ دار مصنوعی گرانی پیدا کر کے دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ کر اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتے ہیں۔!

احتکار کے استحصال کو ختم کرنے کے لیے اسلام کی ہدایات

اسلام ہی صرف واحد مذہب ہے جس نے سرمایہ داروں کو احتکار سے روکا ہے، حسب ذیل احادیث میں احتکار کی حرمت کا بیان ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحتکر الا خاطئ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احتکار کرنے والا گنہگار ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحتکر ملعون۔[2]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احتکار کرنے والا لعنتی ہے۔

سرمایہ داری کے فروغ میں سٹے کا دخل

نظام سرمایہ داری کے فروغ میں سٹے کا بہت بڑا حصہ ہے فریقین صرف کاغذ پر خرید و فروخت کرتے ہیں مال کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ سینکڑوں آدمی محض اپنے بینک بیلنس اور ٹیلی فون کے ذریعہ مال بیچتے اور خریدتے ہیں، جبکہ اس مال کو پیدا کرنے لانے یا اس کو کار آمد بنانے کے لیے انھوں نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا جس کی وجہ سے وہ اس مال کے جائز حقدار ہوں۔

سٹے کو روکنے کے لیے اسلام کی تعلیمات

اسلام کے سوا کسی مذہب نے سٹے کے کاروبار سے ممانعت نہیں کی، حسب ذیل احادیث سے سٹے کی ممانعت ثابت ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن حکیم بن حزام قال نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع مالیس عندی۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس چیز کے بیچنے سے منع کیا ہے جو میرے پاس نہ ہو۔

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] " " " ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۸،

نیز امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بیع ما لیس عندک[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

سرمایہ داری بڑھانے میں ملاوٹ اور جعلی اشیاء وغیرہ کا رول

سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو بڑھانے کے لیے تمام جائز اور ناجائز طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں، اس سلسلہ میں ملاوٹ کرنا اور جعلی اشیاء بنانا بھی ان کا ایک عام وطیرہ ہے، ملاوٹ اور نقلی دواؤں کے نتیجہ میں کتنے لوگوں کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور کتنے لوگ مر جاتے ہیں، ان کو اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، ان کی دل چسپی صرف اپنے بینک بیلنس میں اضافہ سے ہوتی ہے۔

اسی طرح اسمگلنگ بھی سرمایہ داری کے فروغ کا ایک اہم جزء ہے۔ یہ لوگ کسٹم ڈیوٹی ادا کیے بغیر غیر قانونی راستوں سے اشیاء ملک میں لے آتے ہیں، اسمگلر اس سلسلے میں رشوت سے کام لیتے ہیں اور اگر رشوت سے کام نہ چل سکے تو رکاوٹ بننے والے قومی محافظوں کو شوٹ کر دیتے ہیں، نیز زیادہ تر اسمگلنگ ان اشیاء کی کی جاتی ہے جن کی کھلے عام خرید و فروخت قانوناً ممنوع ہوتی ہے۔

ملاوٹ اور جعلی اشیاء وغیرہ کی روک تھام کے لیے اسلام کے احکام

ملاوٹ کرنے، جعلی اشیاء بنانے، اسمگلنگ کرنے اور تمام ناجائز طریقوں سے کاروبار کرنے اور ناجائز کاموں کے حصول کے لیے رشوت کے لین دین سے اسلام نے ممانعت کر دی ہے اور اقتصادی نظام سے ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں یہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے۔ ہر قسم کے ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرما دی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ○ ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا۔ (النساء: ۲۹، ۳۰)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے نہ کھایا کرو، البتہ تم آپس میں باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو، اور اپنے آپ کو قتل مت کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے، جو شخص اپنی حد سے تجاوز کرے گا اور ظلماً ایسا کرے گا ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔

تنگ دستوں اور ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے کے لیے اسلام کے احکام

سرمایہ دار صرف مال کو جمع کرتے ہیں اور اس کو ضرورت مندوں اور غریبوں پر خرچ نہیں کرتے جبکہ اسلام کی

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

ہدایت یہ ہے کہ مال صرف چند لوگوں کی تجوریوں میں بند نہ رہے بلکہ ضرورت مندوں اور تنگ دستوں پر مال خرچ کیا جاتا رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ (حشر: ۷)

اللہ تعالیٰ نے جو مال اپنے رسول کو بستیوں والوں سے بطور فئ کے عطا فرمایا ہے وہ مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور ضرورت مندوں اور مسافروں کے لیے ہے (یہ حکم اس لیے ہے کہ) جو لوگ تم میں سے دولت مند ہیں یہ مال انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

جو لوگ مال میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے ان کو وعید سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم۔ (آل عمران: ۱۸۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل (مال) میں بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ (توبہ: ۳۴-۳۵)

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیں! جس دن جہنم کی آگ میں ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا یہ تمہارا وہ مال ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب چکھو (اس مال کو) جس کو تم جمع کیا کرتے تھے۔

یہ حکم سرمایہ داری پر کاری ضرب ہے، کیونکہ بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ سرمایہ کو مزید سرمایہ کے حصول کے لیے سود میں لگانا ہی درحقیقت سرمایہ داری کی بنیاد ہے لیکن اسلام اس کی سرے سے اجازت نہیں دیتا کہ غریبوں اور ناداروں کا حق ادا کیے بغیر کوئی شخص دولت کو جمع کرتا رہے۔

اسلام مال جمع کرنے کی بجائے مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، خرچ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان فضول اور ناجائز جھگڑے اٹھانے میں پیسہ خرچ کرے یا بے جا نام ونمود میں مال خرچ کرے یا لہو ولعب اور فسق و فجور میں روپے اڑائے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں پیسہ خرچ کیا جائے، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بنیادی ضروریات یعنی خوراک، لباس، رہائش وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ علاج معالجہ، ناگہانی آفات، مستقبل کے ضروری تحفظ اور اپنی عبادات (حج، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ) پر خرچ کے بعد جو رقم بچے اس کو رشتہ داروں، ہمسایوں، ناداروں کی مدد پر خرچ کرے اور ملک و ملت کے عام رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ

کرے، اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ کھانے پینے، سر چھپانے، تن ڈھانپنے اور دیگر ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد تمہارے پاس جو مال بچ جاتا ہے، اس میں دوسرے ضرورت مندوں کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریات: ۱۹)

اور ان کے مالوں میں سائلوں اور ناداروں کا حق ہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (بقرہ: ۲۱۹)

اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں! آپ کہیے کہ جو تمہاری ضروریات کے بعد بچ رہے اس کو خرچ کردو۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (النساء: ۳۶)

والدین، رشتہ داروں، قرابت دار پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، دوستوں، مسافروں اور غلاموں (نوکروں) کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون۔ (بقرہ: ۲۶۷)

جو تم نے کمایا ہے اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے پاکیزہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کیلئے ناپاک اور گھٹیا چیز کا قصد نہ کرو۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (توبہ: ۶۰)

صدقات دراصل فقراء اور مساکین کے لیے ہیں، اور ان کارکنوں کے لیے ہیں جو صدقات کے حصول کے لیے مقرر ہیں اور ان لوگوں کے لیے جن کی "تالیف قلب" مطلوب ہو اور لوگوں کی گردنیں اسیری سے چھڑانے کے لیے، اور مقروضوں کے لیے اور راہ خدا میں مسافروں کے لیے۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (الدہر: ۸، ۹)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تم کو کھلاتے ہیں، ہم نہ تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔

وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون۔ (بقرہ: ۲۷۲)

اور نیک کاموں میں تم جو کچھ کرو گے (اس کا اجر) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں ہوگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کو غریبوں پر خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے یہ اسلام کے اقتصادی نظام کی وہ خصوصیات ہیں جو دنیا کے اور کسی اقتصادی نظام میں نہیں ہیں۔

سوشلزم اور کمیونزم کا نقطۂ اتحاد سوشلزم اور کمیونزم میں یہ بات مشترک ہے کہ ان کے نزدیک صنعتی اور تجارتی پیداوار کے تمام ذخائر ایک فرد کی ملکیت میں جائز نہیں ہیں اور تمام پیداواری ذخائر کو قومی ملکیت میں لینا ضروری ہے ایک شخص مشین کے ذریعہ کپڑے سی کر کمائی کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ چند درزیوں کو نوکر رکھ کر کپڑے سینے کا کاروبار شروع کر دے اور ان درزیوں کی محنت سے فائدہ اٹھائے، اس چیز کو

وہ ناجائز استحصال کا نام دیتے ہیں، تاہم ان کے نزدیک ریاست ایک کارخانہ قائم کر کے محنت کشوں کی محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کو وصول کر سکتی ہے اور اس استحصال کو وہ جائز قرار دیتے ہیں۔

سوشلزم اور کمیونزم میں فرق

سوشلسٹ اور کمیونسٹ حضرات میں اس نظام کے برپا کرنے کے نظریہ میں اختلاف ہے، سوشلسٹوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس نظام کو جاری کرنے کے لیے جمہوری طریقے اختیار کیے جائیں، رائے عامہ کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کیا جائے اور اسمبلی کی منظوری سے زرعی، صنعتی اور تجارتی اداروں کو بتدریج ان کے مالکوں سے چھین کر معاوضہ دے کر یا بلامعاوضہ ان اداروں کو ان کے نجی مالکوں سے چھین کر قومیا (Nationalize) لیا جائے، اس نظریہ کو بالعموم سوشلزم کہا جاتا ہے، اور کمیونسٹ حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس نظام کو جاری کرنے کے لیے انقلاب لانا ضروری ہے، نادار اور محنت کش عوام کو منظم کر کے صنعتی، زرعی اور تجارتی اداروں کے مالکوں کے خلاف جنگ کرنی چاہیے اور مالکان زمین سے ان کی زمینیں، صنعت کاروں سے ان کے مل اور کارخانے اور تاجروں سے ان کی تجارتیں زبردستی چھین لی جائیں، اور جو شخص اس کام میں مزاحم ہو اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے اور تمام نجی اور شخصی ادارے ختم کر کے ان تمام اداروں کو ایک قومی ادارہ بنا دیا جائے اور قانون کے ذریعہ کسی شخص یا اشخاص سے اجرت پر کام لینا ممنوع قرار دیا جائے اس نظریہ کو کمیونزم کہتے ہیں۔

سوشلزم میں مالکوں سے ان کی املاک کو چھیننے کی بنیاد لادینی ہے

سوشلزم اور کمیونزم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جو لوگ تمام دنیا کے مسلّم مذہبی، اخلاقی اصولوں اور قانون کے مطابق اپنی املاک کے جائز مالک ہوں جب ان کو ان کی جائز املاک سے جبراً بے دخل کیا جائے گا تو لامحالہ ان تمام مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا انکار کرنا پڑے گا جن کی رُو سے وہ لوگ اپنی املاک کے جائز مالک قرار پائے تھے، یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ حضرات نے مذہب کو مطلقاً خیر باد کہہ دیا، ان کے نزدیک خدا، رسول، آسمانی کتاب، فرشتے، آخرت، حیات بعد الموت، جزاء و سزا، اور جنت و دوزخ سب مہمل الفاظ اور بے کار نظریات ہیں جن کو مذہبی طبقہ نے سادہ لوح عوام کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے گھڑ لیا ہے اور یہ مذہبی طبقہ دراصل سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے۔

سوشلزم کو برپا کرنے کے لیے ہر قسم کے جھوٹ، مکر و فریب ظلم، بے دردی اور شقاوت سے کام لیا جاتا ہے سوشلسٹ سب سے زیادہ دیندار طبقہ کے دشمن ہیں کیونکہ ان کے ظلم اور ناجائز اقدامات کے خلاف اگر کوئی آواز اٹھا سکتا ہے تو صرف یہی طبقہ اٹھا سکتا ہے جو خوف خدا رکھتا ہے اور جو دین اور آخرت کے نام پر ظلم اور تشدد کے ہر وار کو آسانی سے جھیل جاتا ہے، اسی وجہ سے اشتراکی ممالک میں دینی اداروں کو بری طرح سبوتاژ کیا گیا ہے اور اب وہاں صرف دکھانے کے لیے برائے نام چند دینی ادارے رہ گئے ہیں۔

انسانوں اور حیوانوں میں جو اخلاقی اقدار کا فرق ہے وہ صرف دین اور مذہب کے اثرات سے ہے اور جب انسانوں پر دین اور مذہب کی گرفت نہیں رہے گی تو وہ اپنی خواہشات کو پوری کرنے میں کلیۃً آزاد ہوں گے، ان کے لیے حلال، حرام جائز، ناجائز سب بے معنی الفاظ ہوں گے پھر شوہر اور بیوی کا کوئی تصور نہیں ہوگا اور انسانی معاشرے

اور حیوانوں کے ڈرائیں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اسلام میں کسی کی جائز شخصی ملکیت کو بزور چھین لینا جائز نہیں ہے۔

سوشلسٹ معیشت میں پیداواری ذرائع اور وسائل پر مشتمل تمام املاک کو بزور چھین لیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز تہذیب اور اخلاق دونوں کے خلاف ہے اسلام نے جبری چھیننے اور ظلم کو شدت سے منع کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا۔ (النساء: ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، البتہ تم آپس میں باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو اور اپنے آپ کو قتل مت کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے، اور جو شخص حد سے بڑھے گا اور ظلم کرے گا ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی حسب ذیل ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا طوقہ من سبع ارضین۔[1]

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے معمولی زمین بھی ظلماً لی اس کے گلے میں (قیامت کے دن) سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے معمولی زمین بھی ظلماً لی اس کو قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا۔

سوشلزم کی مزعوم طبقاتی مساوات

سوشلزم کے پروپیگنڈے کی وجہ سے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب سوشلسٹ معیشت کا رواج ہوگا تو تمام کارکنوں کی تنخواہیں مساوی ہوں گی، طبقاتی مساوات کا دور دورہ ہوگا، کار اور سائیکل اور بنگلوں اور جھونپڑیوں کا فرق نہیں رہے گا۔ ریل میں مختلف درجات کے ڈبے نہیں ہوں گے، سب لوگ ایک ہی درجہ کے ڈبوں میں سفر کریں گے، اور نہ کوئی بندہ رہا کوئی بندہ نواز کا منظر ہوگا، لیکن یہ صرف پروپیگنڈا اور خیال ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے تمام سوشلسٹ ملکوں میں حکومت کے تمام شعبوں اور معاشی کاروبار کے تمام اداروں میں ادنیٰ ملازمین اور اعلیٰ عہدہ داروں

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ۔

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۲

کے درمیان تنخواہوں اور مراعات میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کسی غیر سوشلسٹ ملک میں ہوتا ہے۔ وہاں عام کارکنوں کی تنخواہیں اور ان کا معیار زندگی امریکہ اور انگلینڈ کے مزدوروں اور کسانوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، البتہ کوریا اور بنگلہ دیش ایسے غریب ممالک سے کچھ بہتر ہے اور اس کے مقابلہ میں پارٹی اور حکومت کے عہدہ داروں، فوجی افسروں، ڈائرکٹروں اور منیجروں کی تنخواہیں اور مراعات ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے ہمارے ملک میں اس طبقے کی ہوتی ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہاں مختلف چھوٹے بڑے تاجر، صنعت کار اور زمیندار نہیں رہے اور تمام صنعتیں، تجارتیں اور زمینیں صرف پارٹی اور حکومت کی تحویل میں ہیں، لیکن مزدوروں اور کسانوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا وہ جس طرح پہلے غربت اور افلاس کے سائے میں زندگی گذارتے تھے، اب بھی اسی طرح زندگی گذارتے ہیں اور زمینداروں، صنعت کاروں اور تاجروں کی جگہ پارٹی کے عہدہ داروں اور حکومت کے افسروں نے لے لی ہے اور ان کے درمیان اونچے نیچے طبقے اسی طرح قائم ہیں اور تجارت، صنعت اور زراعت کے منافع کی تقسیم اسی غیر مساوی طریقے سے ہو رہی ہے، فرق صرف یہ ہو گیا ہے کہ مزدور اور کسان پہلے آزاد تھے اور اب غلام ہیں، پہلے وہ کسی ظلم اور بے انصافی کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، جلسے کرتے تھے، جلوس نکالتے تھے، ہڑتال اور تالہ بندی کرتے تھے، اب وہ کچھ نہیں کر سکتے، پارٹی کے عہدہ دار یا حکومت کے کسی افسر کے خلاف ذرا آواز نکالی اور سنسناتی ہوئی ایک گولی نے اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا! دور کیوں جاتے ہیں پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں جو عارضی طور پر سوشلسٹ نظام جاری کیا گیا تھا، کیا اس میں تھانیدار اور ایک سپاہی کی، منیجر اور چپڑاسی کی، وزیر اعلیٰ اور عام کلرک کی تنخواہ مساوی کر دی گئی تھی؟ سو جان لیجیے کہ سوشلزم میں جو طبقاتی مساوات کا نعرہ لگایا جاتا ہے وہ محض جھوٹ اور فریب ہے، سوشلسٹ معیشت میں بھی اسی طرح طبقاتی فرق قائم رہتا ہے، کسی شخص کو بغیر محنت اور مزدوری کے روٹی نہیں ملتی، البتہ انسان کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے، اس سے احتجاج کا حق چھین لیا جاتا ہے اور وہاں ایک انسان، جانوروں اور غلاموں کی طرح زندگی گذارتا ہے، اور جو شخص اس نظام کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اس کو موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔[1]

اسلام کی اصولی مساوات

اسلام اصولی مساوات کا داعی ہے، یعنی اصول اور قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں اور یہ مساوات صرف اسلام میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنو مخزوم کی ایک عورت کی چوری کی وجہ سے قریش بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں حضرت اسامہ بن زید کے سوا اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز ہیں، حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کی، آپ نے فرمایا: تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو! پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے، بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا![2]

---

[1] ۳۱ دسمبر ۱۹۹۱ء کو سویت ٹوٹ گئی اور تقریباً تمام دنیا میں کمیونزم ختم ہو گیا۔
[2] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

اسلام نے جو اصول اور قانون کی مساوات قائم کی ہے اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ جنگ بدر میں جو کفار قید ہوئے تھے ان کو چار، چار درہم فدیہ کے عوض آزاد کیا جا رہا تھا، ان جنگی قیدیوں میں حضرت عباس بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اس قرابت کے پیش نظر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا فدیہ معاف کر دینے کی درخواست کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے:

عن انس بن مالک ان رجالا من الانصار استأذنوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ائذن لنا فلنترک لابن اختنا عباس فداءہ قال لا واللہ لا تذرون منہ درھما۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور! آپ اجازت دیں تو ہم حضرت عباس کا فدیہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! بخدا العباس کے فدیہ سے ایک درہم بھی کم نہ کرو۔

اصول کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، آپ نے پانی مانگا، ہم نے بکری کا دودھ دوہا اور اس میں اپنے کنوئیں کا پانی ملا کر آپ کو پیش کیا، (اس مجلس میں) حضرت ابوبکر آپ کے بائیں جانب تھے، حضرت عمر آپ کے سامنے تھے اور ایک اعرابی آپ کے دائیں جانب تھا، جب آپ پی چکے تو حضرت عمر نے کہا: یہ ابوبکر ہیں! (تاکہ آپ بچا ہوا مشروب حضرت ابوبکر کو دیں اور دائیں جانب کی رعایت سے اعرابی کو نہ دیں) آپ نے بچا ہوا مشروب اس اعرابی کو دے دیا اور فرمایا دائیں جانب والے مقدم ہوتے ہیں، سنو! دائیں جانب سے ابتداء کیا کرو، یہی سنت ہے! یہی سنت ہے، یہی سنت ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول قائم کیا تھا کہ دائیں جانب سے ابتداء کی جائے اور اگر کسی وقت حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں ایک عام دیہاتی آپ کے دائیں جانب ہوا تو آپ نے اصول نہیں توڑا، اور حضرت ابوبکر کی تمام اسلامی خدمات اور شرف اور مرتبہ کے باوجود ان کی رعایت نہیں کی اور اصول کی بناء پر ان کے مقابلہ میں ایک بدو کو مشروب عطا فرمایا۔

غزوہ بدر میں سواریوں کا انتظام بہت کم تھا، تین، تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری چڑھتے اور اترتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہمراہی جاں نثار اپنی باری پر آپ کو سوار ہونے کی پیش کش کرتے اور عرض کرتے یارسول اللہ! آپ سوار رہیں آپ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے، فرمایا: نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں [2]

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔
[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۳ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت۔

سوشلسٹ نظام کی ڈکٹیٹرشپ

سوشلسٹ نظام میں پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ملک کے تمام زمیندار ختم کر دیے جاتے ہیں لیکن ان کے خاتمہ کے بعد ایک واحد لا شریک زمیندار وجود میں آتا ہے اسی طرح تمام صنعتکار اور تاجر ختم کر دیے جاتے ہیں لیکن ان کی جگہ ایک بہت بڑا صنعت کار اور تاجر وجود میں آتا ہے جو تمام پیداواری ذخائر پر قابض ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پارٹی کا لیڈر انتخاب سے وجود میں آتا ہے لیکن فی الواقع وہاں جمہوریت نہیں ہوتی کیونکہ کسی شخص کو یہ مجال نہیں ہوتی کہ وہ پارٹی کے منشور سے اختلاف کر سکے۔ پارٹی کے امیدوار کے مقابلہ میں ووٹ مانگ سکے اور اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو اولاً تو وہ دوسری سانس لینے تک زندہ نہیں رہتا اور ثانیاً ذرائع ابلاغ کے کسی ذریعہ سے وہ اپنی آواز دوسروں تک پہنچا سکتا ہے نہ اپنی بات سنانے کے لیے وہ کسی دوسرے ملک کا سفر کر سکتا ہے۔

پارٹی اپنے نظام کا مسلسل جائزہ لیتی رہتی ہے اور جس شخص میں بغاوت کے ذرا سے بھی جراثیم دکھائی دیں یا ناگواری کی ذرا سی بھی بو آئے انھیں دوسرے جہان کا سفر کرانے میں پارٹی ذرا تاخیر نہیں کرتی۔ حکومت نے جاسوسی کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر نظام قائم کیا ہوا ہوتا ہے کہ حکومت کے لاتعداد کارکن ہر گھر اور ہر ادارہ میں باغیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سوشلسٹ ممالک کی حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ اگر غلطی سے چند ہزار بے گناہ افراد مار ڈالے جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چند مجرم یا باغی چھوٹ جائیں۔

سوشلسٹ نظام کے خلاف بغاوت کے خطرے سے یہ لوگ ہر کارخانے اور ہر ادارے میں دیکھتے رہتے ہیں کہ کون سا مزدور یا کارکن اپنے کارخانے یا ادارے کے انتظام کے خلاف ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور جس کے بارے میں یہ شبہ ہو جائے کہ وہ کارخانے یا ادارے کے انتظام سے مطمئن نہیں ہے وہ اچانک گرفتار کر لیا جاتا ہے پھر کسی دن اس کی بیوی کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب اس کا شوہر اس دنیا میں نہیں رہا اور اگر وہ عورت بھی اس انجام سے دوچار ہونا نہیں چاہتی تو اسے خوشی کے ساتھ یہ فیصلہ قبول کرنا پڑتا ہے ورنہ اس کا انجام بھی اپنے شوہر سے مختلف نہیں ہوتا۔

اسلام میں اظہار آزادی رائے کا حق

اسلام میں صرف اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق حاکمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو بندوں کا مطلق العنان حاکم بننے کی اجازت نہیں دی، اسلام کے پہلے خلیفہ نے بار خلافت سنبھالنے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ دیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر ان کا آقا اور مطلق العنان حاکم نہیں ہوتا، وہ ان کے مسائل کا ذمہ دار اور خادم ہوتا ہے اور ہر بات کا جواب دہ ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن سعد واقدی نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تو حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

"مجھے خلافت کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے حالانکہ میں اس کو ناپسند کرتا تھا، بخدا میں یہ پسند کرتا تھا کہ میرے علاوہ کسی اور شخص کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا۔ سنو! تم نے مجھ پر یہ بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بالکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل کا حکومت انجام دوں گا تو یہ نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی تھے اور آپ پر وحی آتی تھی اور آپ وحی کی رہنمائی میں کام کرتے تھے، سنو! میں ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی شخص سے بہتر نہیں ہوں، جب تم مجھے صحیح کام کرتے دیکھو تو میری پیروی کرنا، اور جب تم دیکھو کہ میں راہ استقامت

سے ہٹ گیا ہوں تو میری اصلاح کرنا، یاد رکھو! مجھ پر بھی شیطان حملہ آور ہوتا ہے، جب تم یہ دیکھو کہ میں غضب میں ہوں تو مجھ سے دور رہنا، میں تم میں سے کسی شخص پر اپنے آپ کو ترجیح نہیں دیتا۔" [1]

علامہ سیوطی نے ابن سعد اور خطیب کے حوالے سے حضرت ابوبکر کے خطبہ کی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! میں تم پر حاکم بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں تھا، لیکن قرآن مجید نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے عمل کے لیے راستہ متعین کیا جس کو ہم نے جانا اور اس پر عمل کیا، لوگو! سب سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور سب سے بے وقعت اور برا آدمی وہ ہے جو گناہوں کے راستے پر چل پڑے، جو شخص تم میں سے قوی ہوگا وہ میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں اس سے حق وصول کر لوں اور جو شخص تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے حتیٰ کہ میں اس کو حق دلوا دوں۔ اے لوگو! میں سنت کی پیروی کرنے والا ہوں، دین میں نئی باتیں نکالنے والا نہیں ہوں، جب میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور جب میں راہِ حق سے ہٹنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ بس میرا یہی پیغام تھا، اللہ تعالیٰ تمہاری اور میری مغفرت فرمائے۔ [2]

حضرت ابوبکر کے اس خطبہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں حکمران، سوشلزم کے ڈکٹیٹر کی طرح بندوں پر خدائی کرنے کے لیے نہیں ہوتا، اگر وہ اللہ اور رسول کی ہدایات کے مطابق احکام جاری کرے تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم ہے اور اگر وہ قرآن اور سنت کے خلاف احکام جاری کرے تو مسلمانوں میں سے ہر شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو سیدھی راہ پر لگا دے۔

نظامِ سرمایہ داری اور نظامِ اشتراکیت کی اہم خرابیوں اور اس کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیوں کو ہم نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اشتراکیت کے پروپیگنڈے سے جو نوجوان نسل متاثر ہو رہی ہے اس کا تدارک کیا جا سکے۔ ہم نے صرف اسلام کی حقانیت کے اظہار کے لیے یہ بحث سپردِ قلم کی ہے، اللہ تعالیٰ اس مقالہ سے بھٹکے ہوئے ذہنوں کو ہدایت دے اور مسلمانوں کے لیے اس کو موجب طمانیت بنائے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ اصحابہ الکاملین وعلیٰ ازواجہ امہات المؤمنین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اللھم اغفر للمصنف والمعاون لہ والقاری والعامل بہ والکاتب آمین۔

بَابُ ۲۸۲ إِبْطَالِ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

بیع ملامسہ اور منابذہ کا ابطال

۳۶۹۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ اور

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ، تاریخ الخلفاء ص ۷۱، مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی

[2] " " " ، تاریخ الخلفاء ص ۷۲-۷۱

بْنِ حَبَّانَ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ۔

بیع منابذہ سے منع فرما دیا۔

۳۶۹۲۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ قَالَا نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے مثل سابق حدیث مروی ہے۔

۳۶۹۳۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ اُسَامَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نے مثل سابق بیان کیا ہے۔

۳۶۹۴۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِی ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نے مثل سابق حدیث بیان کی ہے۔

۳۶۹۵۔ وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِيْنَاءَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ نُهِیَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں دو قسم کی بیع سے منع کیا گیا ہے، ایک ملامسہ دوسری منابذہ، ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو غور کیے بغیر ہاتھ لگا دے (اور اس سے بیع لازم ہو جائے) اور بیع منابذہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف اپنا

أَمَّا الْمُلَامَسَةُ فَأَنْ يَلْمِسَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَ صَاحِبِهِ بِغَيْرِ تَأَمُّلٍ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يُنْبِذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَهُ إِلَى ثَوْبِ صَاحِبِهِ.

کپڑا پھینک دے اور فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے (اور بیع لازم ہو جائے)۔

۳۶۹۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَلِبْسَتَيْنِ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يَقْلِبُهُ إِلَّا بِذَلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهِ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ وَيَكُونُ ذَلِكَ بَيْعَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی بیع کرنے اور دو طرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے، بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دن یا رات کے وقت میں دوسرے کے کپڑے کو مس کرے اور اس کپڑے کو صرف بیع کے قصد سے پلٹ دے اور بیع منابذہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور محض اس کپڑے کو پھینک دینے سے ہی دونوں کی بیع ہو جائے گی نہ کوئی دوسرے کا کپڑا دیکھے اور نہ رضامندی کا اظہار کرے۔

۳۶۹۷ - وَحَدَّثَنِيهِ عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ نَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

ایک اور سند سے بھی حسب سابق حدیث مروی ہے۔

ملامسہ اور منابذہ کی تعریفات

علامہ نووی ملامسہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اندھیرے میں کپڑا لائے یا لپٹا ہوا کپڑا لائے اور خریدار سے کہے میں تم کو یہ کپڑا اس شرط پر بیچتا ہوں کہ جب تم اس کو ہاتھ لگا دو گے تو تمہارا اس کو چھونا اس کو دیکھنے کے قائم مقام ہوگا اور بعد میں تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، یہ تعریف امام شافعی سے منقول ہے، دوسری تعریف یہ ہے کہ صرف چھونے سے بیع لازم ہو جائے، بیچنے والا خریدار سے کہے جب تم نے اس کو چھو لیا تو بیع واجب ہو جائے گی، تیسری تعریف یہ ہے کہ بیچنے والا کہے جب تم نے اس کو چھو لیا تو تمہارا اختیار باطل ہو جائے گا۔ ان تمام تعریفات کے ساتھ بیع ملامسہ

باطل ہے، اور بیع منابذہ کی بھی تین تعریفیں ہیں ایک یہ ہے کہ کسی چیز کو پھینک دینے سے بیع لازم ہو جائے، دوسری تعریف یہ ہے کہ میں یہ چیز پھینکتا ہوں جب میں پھینک دوں گا تو تمہارا اختیار باطل ہو جائے گا، تیسری تعریف یہ ہے کہ پھینکنے سے کنکری پھینکنا مراد ہو، اس کی وضاحت ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔[1]

فقہاء احناف کے نزدیک ملامسہ اور منابذہ کی تعریف

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ بیچنے والا کہے میں تم کو یہ چیز اتنے پیسوں کے عوض بیچتا ہوں جب تم اس چیز کو چھو لو گے تو بیع واجب ہو جائے گی یا خریدار اسی طرح کہے۔[2]

علامہ بابرتی حنفی نے بیع منابذہ کی یہی تعریف کی ہے کہ بائع اور مشتری کسی چیز کی قیمت پر راضی ہو جائیں اور بائع یہ کہے کہ جب میں یہ چیز تمہارے پاس پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے گی اور تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔[3]

ملامسہ اور منابذہ کے بطلان کی وجہ

بیع ملامسہ اور بیع منابذہ اس لیے باطل ہیں کہ جب خریدار سودے کو نہیں دیکھے گا تو اس بیع میں دھوکا ہوگا اور یہ قمار (جوئے) کے مترادف ہے۔

غائب چیز کی بیع میں مذاہب

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ایسی چیز کو بیچے جو اس وقت غائب ہو اس میں امام احمد کا نظریہ یہ ہے کہ وہ چیز بیان کردہ صفت کے مطابق ہو تو بیع لازم ہو جائے گی اور اگر اس صفت کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو اختیار ہے۔

امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غائب چیز کی بیع جائز ہے اور اس میں خریدار کو دیکھنے کے بعد مسترد کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ بیان کردہ صفت کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ سنن دار قطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا راٰہ "جس شخص نے دیکھے بغیر کوئی چیز خریدی اس کو دیکھنے کے بعد اختیار ہوگا"۔[4]

باب ۴۸۴ بُطْلَانِ بَیْعِ الْحَصَاۃِ وَالْبَیْعِ الَّذِیْ فِیْہِ غَرَرٌ

کنکری پھینکنے اور دھوکے کی بیع کے باطل ہونے کا بیان

۳۶۹۸- حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۴۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِیْسَ، وَیَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ وَاَبُوْ اُسَامَۃَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ ح قَالَ وَحَدَّثَنِیْ زُھَیْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ نَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْحَصَاۃِ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینکنے کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

کنکری پھینکنے والی بیع

زمانہ جاہلیت میں بیع کا ایک یہ طریقہ تھا کہ بائع کے پاس مثلاً کپڑوں کا ایک ڈھیر ہو اور بائع اور مشتری جب قیمت پر متفق ہو جائیں تو مشتری جس کپڑے پر بھی کنکری رکھ دے تو اس کپڑے کو دیکھنے اور جانچنے کے بغیر بیع واجب ہو جاتی تھی اور پھر فریقین میں سے کسی کو اس کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا تھا[1]

دھوکہ کی بیع

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے جال میں جتنی مچھلیاں آئیں گی وہ اتنے کی ہوں گی تو یہ دھوکے کی بیع ہے کیونکہ کوئی پتا نہیں کہ اس کے جال میں مچھلیاں آتی بھی ہیں یا نہیں؟ یا کتنی آتی ہیں، یا اسی طرح کہے کہ اس بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ اتنے کا ہے یا کہے کہ اس گائے کے تھنوں میں جو دودھ ہے وہ اتنے کا ہے تو یہ دھوکے کی بیع ہے کیونکہ اس کی مقدار مجہول ہے اس لیے کنکری پھینکنے والی بیع اور ہر وہ بیع جس میں دھوکہ ہو وہ باطل ہے۔

بیع تعاطی کی تعریف

بیع کی ایک قسم وہ ہے جو ایجاب و قبول سے منعقد ہوتی ہے مثلاً بائع کہے میں نے یہ چیز بیچ دی اور مشتری کہے کہ میں نے یہ چیز خرید لی، اور دوسری قسم یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے کو کسی چیز کی قیمت ادا کرے اور بیچنے والا خریدار کو وہ چیز دے دے بغیر اس کے کہ وہ ایجاب و قبول (میں نے فروخت کی اور میں نے خریدی کہیں) کریں۔ اس بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں (ملخصاً ہدایہ و فتح القدیر)

بیع تعاطی میں فقہاء شافعیہ کا موقف

امام شافعی کے نزدیک بیع تعاطی ناجائز ہے؛ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

مذہب یہ ہے کہ تعاطی بیع نہیں ہے، اس کے برخلاف ابن سریج نے یہ تخریج کی ہے کہ حقیر چیزوں میں بیع تعاطی جائز ہے۔ علامہ رویانی وغیرہ کا اسی پر فتویٰ ہے، حقیر چیزیں جیسے سبزی اور روٹی وغیرہ جن کی لین دین سے بیع ہو جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو چیز نصاب سرقہ سے کم ہو وہ حقیر ہے۔ جس چیز کو بیع تعاطی کے طریقہ سے لیا جائے

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

اس میں دو قول ہیں، قاضی ابو الطیب کا قول یہ ہے کہ وہ مباح ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک وہ عقد فاسد ہے۔
امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس چیز کو لوگ عرف میں بیع کہتے ہوں وہ بیع منعقد ہو جاتی ہے، علامہ ابن صباغ نے اس قول کو مستحسن قرار دیا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ دلیل کے لحاظ سے علامہ ابن صباغ کا قول راجح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ شرع میں کسی لفظ کی شرط نہیں ہے اس لیے باقی الفاظ کی طرح اس میں بھی عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علامہ متولی اور بغوی وغیرہ کا بھی یہی مختار ہے[۱]

بیع تعاطی میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: بیع تعاطی یہ ہے کہ ایک شخص کہے مجھے اس دینار کی روٹی دے دو اور بائع اس کو اپنی مرضی سے روٹی دے دے، یا بائع کہے اس چیز کو ایک درہم میں لے لو اور خریدار لے لے۔ قاضی نے کہا ہے کہ یہ بیع صرف تھوڑی چیزوں میں جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام مالک کا بھی ایسا ہی قول ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو چیز لوگوں کے عرف میں بیع ہو اس سے بیع ہو جاتی ہے، بعض فقہاء احناف نے کہا ہے کہ حقیر اور معمولی چیزوں میں یہ بیع صحیح ہے (جمہور فقہاء احناف کے نزدیک بیع تعاطی مطلقاً جائز ہے۔ سعیدی) اور یہی قاضی کا قول ہے۔ کیونکہ عرف میں معمولی چیزوں کے اندر یہ بیع ہوتی ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ بیع صرف ایجاب اور قبول کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اور ہمارے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا، پس اس میں عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور مسلمان بازاروں میں اسی طرح بیع کرتے ہیں، نیز عہد رسالت میں اسی طرح بیع ہوتی تھی، اور شارع نے اس طریقے کو باقی رکھا ہے اس لیے محض رائے سے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں بکثرت بیع اور شراء ہونے کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ وہ بیع میں ایجاب و قبول کے کلمات استعمال کرتے تھے، اور اگر وہ یہ کلمات استعمال کرتے تو یہ بہت کثرت اور شہرت سے منقول ہوتا، اور اگر بیع میں ایجاب و قبول کی شرط ہوتی تو اس کا منقول ہونا واجب تھا اور صحابہ سے یہ متصور نہیں ہے کہ انھوں نے اس کو نقل کرنے میں غفلت برتی ہو۔ نیز بیع ان معاملات میں سے ہے جو انسان کو بکثرت پیش آتے ہیں پس اگر بیع میں ایجاب و قبول کی شرط ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو علی العموم بیان فرماتے اور اس کا حکم مخفی نہ رہتا کیونکہ شرط ہونے کے باوجود بیان نہ کرنے کے نتیجے میں اکثر عقد فاسد ہوتے اور لوگ مال باطل کھاتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی سے بیع میں ایجاب و قبول کی شرط منقول نہیں ہے اور ہر زمانے میں لوگ بیع تعاطی کرتے رہے ہیں اور اس کی مخالفت سے پہلے اس پر انکار منقول نہیں ہے لہٰذا بیع تعاطی کے جواز پر اجماع ہو گیا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ایجاب و قبول کا اعتبار اس لیے ہے کہ وہ بائع اور مشتری کی رضا پر دلالت کرتے ہیں اور جب قیمت طے کرنے اور

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۳۳۷ - ۳۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

مبیع کے دے دینے کی بھی رضا پر دلالت ہے تو یہ ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو گئے اور چونکہ ایجاب و قبول امر تعبدی نہیں ہے اس لیے قیاس کے تقاضے پر عمل جائز ہوگا۔[1]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی کے بعینہٖ یہی دلائل ہیں جن کو علامہ شمس الدین ابن قدامہ نے نقل کیا ہے۔[2]

بیع تعاطی میں فقہاء حنفیہ کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

چونکہ بیع کا مدار تراضی پر ہے اس لیے بیع تعاطی نفیس اور خسیس دونوں میں جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔[3]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ علامہ ابو الحسن نے صحیح کہہ کر علامہ کرخی کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ علامہ کرخی یہ کہتے ہیں کہ بیع تعاطی صرف خسیس اور معمولی اشیاء میں جائز ہے اور خسیس سے ان کی مراد سبزی، روٹی، انڈے اور افروٹ وغیرہ ہیں۔ اس بیع کا جواز استحسان کی بناء پر ہے اور جمہور کا قول اس لیے صحیح ہے کہ بیع تعاطی اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں بائع اور مشتری عقد پر رضامند ہیں اور رضا نفیس اور خسیس دونوں میں پائی جاتی ہے۔[4]

بیع تعاطی میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام مالک کے نزدیک بھی بیع میں ایجاب اور قبول کے کلمات کہنا شرط نہیں ہے، علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

لو قال خذها بعشرة او اعطيتكها او دونكها او بورك لك فيها بعشرة او سلمتها اليك وهما يريدان البيع فذلك كله بيع لازم۔[5]

اگر کسی شخص نے کہا اس چیز کو دس روپے میں لے لو، یا کہا میں نے یہ تم کو دی یا اس کو لے لو یا دس روپے میں یہ چیز تم کو مبارک ہو یا میں نے یہ چیز تم کو سونپ دی اور دونوں کا ارادہ بیع کا تھا تو یہ بیع لازم ہو جائے گی۔

اس میں ایک فریق (بائع) کی جانب سے بیچنے کے کلمات کا ذکر ہے اور خریدار کی طرف سے خریدنے کے کلمات کا ذکر نہیں ہے اور اس کو فقہاء مالکیہ نے جائز قرار دیا ہے، بیع تعاطی میں بھی عقد کا یکطرفہ ذکر ہوتا ہے مثلاً خریدار کہے کہ مجھے دو روپے کی روٹیاں دے دو اور بیچنے والا دے دے یا بیچنے والا کہے یہ چیز دس روپیہ کی لے لو اور خریدار لے لے۔

انعامی بانڈز کا شرعی حکم

پاکستان میں انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا سلسلہ عام ہے، حکومت پچاس، سو، پانچ سو اور ہزار روپیہ کی قیمت کے بانڈز جاری کرتی ہے اور سو روپیہ کے بانڈز

1۔ علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۴ ص ۴-۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

2۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ، المغنی (مع الشرح) ج ۴ ص ۴-۵ " " "

3۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

4۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

5۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

کی ہر دوسرے ماہ اور باقی سیریز کی باری باری ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ حکومت پچاس ہزار سے لے کر پانچ لاکھ تک کے انعامات خریداروں میں تقسیم کرتی ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد خریدار کی اصل رقم محفوظ رہتی ہے اور خریدار بانڈز کی رقم کو پاکستان کے کسی بھی بینک کے ذریعہ جب چاہے کیش (encash) کرا سکتا ہے اور جتنی رقم کے بانڈز ہوں خریدار کو اتنی رقم پوری مل جاتی ہے البتہ گیارہ روپے والے بانڈز جس میں ایک لاکھ روپیہ انعام رکھا گیا ہے، ان کو حکومت گیارہ روپے میں فروخت کرتی ہے اور جب خریدار اس کو فروخت کرے تو حکومت دس روپے میں واپس لیتی ہے۔

گیارہ روپے والا بانڈ جس میں دس روپے واپس ملتے ہیں (یہ اسکیم اب ختم کر دی گئی ہے) بالاتفاق ناجائز ہے تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس کو قمار (جوا) قرار دے کر ناجائز کہا ہے، اس کے علاوہ باقی بانڈز جن میں خریدنے والے کو اصل رقم پوری کی پوری بغیر کسی کمی بیشی کے جب چاہے مل جاتی ہے، لیکن اس میں خریدنے والوں کو ترغیب دینے کے لیے قرعہ اندازی کے ذریعہ جو انعام دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اہل علم کے اندر اس کے شرعی حکم میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض علماء اس کو قمار یا ربٰو (سود) قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں، ہم اس سلسلہ میں پہلے دوسرے علماء کی آراء پیش کریں گے۔ اس کے بعد اپنا موقف بیان کریں گے۔

انعامی بانڈز میں سید مودودی کا موقف

انعامی بانڈز کے معاملہ میں صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈز بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے مختلف کاموں میں لگانے کے لیے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا مگر اب جملہ رقم کا سود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے "انعامات" کی شکل میں دیا جاتا ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ "انعامات" کن کو دیے جائیں، قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے، پہلے ہر وثیقہ دار کو سود کا لالچ دے کر اس سے قرض لیا جاتا تھا، اب اس کے بجائے ہر ایک کو یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ شاید ہزاروں روپے کا "انعام" تیرے ہی نام نکل آئے، اس لیے قسمت آزمائی کرے۔

یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں سود بھی ہے اور روح قمار بھی، جو شخص یہ وثائق خریدتا ہے وہ اولاً اپنا روپیہ جان بوجھ کر ایسے کام میں قرضے کے طور پر دیتا ہے جس میں سود لگایا جاتا ہے۔ ثانیاً جس کے نام پر "انعام" نکلتا ہے اسے دراصل وہ سود اکٹھا ہو کر ملتا ہے جو عام سودی معاملات میں فرداً فرداً ایک ایک وثیقہ دار کو دیا جاتا تھا۔ ثالثاً جو شخص بھی یہ وثیقے خریدتا ہے وہ مجرد قرض نہیں دیتا بلکہ اس لالچ میں قرض دیتا ہے کہ اسے اصل سے زائد "انعام" ملے گا اور یہی لالچ دے کر قرض لینے والا اس کو قرض دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے۔ رابعاً جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے، جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام

ـــــــــــــــ

ـــہ۔ جس وقت مصنف نے یہ سطور لکھی ہیں اس وقت یہی طریقہ رائج تھا لیکن طریق کار میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ طریقہ بعد میں بدل سکتا ہے۔ سعیدی غفرلہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ۔ یکم جولائی ۱۹۸۸ء۔

پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے، لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سود، جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن (قرض دار) کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملاکرتا ہے، انھیں نہیں ملتا بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے [۱]

(ترجمان القرآن جنوری ۱۹۶۳ء)

انعامی بانڈز میں علماء دیوبند کا موقف

دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ تمام علماء، انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہتے ہیں، ہم نے اس سلسلے میں دیوبندی مکتب فکر کے نمائندہ دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ایک مفصل دستی فتویٰ منگوایا جسے ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کو شیخ مزمل حسین نے شیخ عبدالسلام کی تصدیق سے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی مہر کے ساتھ جاری کیا ہے۔ اصل فتویٰ کا متن حسب ذیل ہے:-

انعامی بانڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے حقیقۃً یہ سود کی ایک شکل ہے، انعامی بانڈز کے انعام میں ملنے والی رقم حرام ہے، اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کی حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

بینک جب انعامی بانڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعہ سے جو رقم وہ پبلک سے کھینچتا ہے اس رقم کو بینک کسی شخص یا ادارے کو سودی قرض پر دے دیتا ہے، اس سود سے جو رقم موصول ہوتی ہے، بینک اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنھوں نے انعامی بانڈز لیے تھے، چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم انعام کے نام سے ملتی ہے، وہ حقیقۃً سود ہی کی رقم ہے، اگرچہ بینک اس کو ہزار مرتبہ انعام کہے، یہ سودی رقم اس حدیث کے زمرے میں آتی ہے "کل قرض جر نفعا فھو حرام" ہر وہ قرض جس کے ذریعہ نفع کمایا جائے وہ حرام ہے، چنانچہ اس میں بھی انعامی بانڈز خریدنے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سود کی شکل میں نفع دیا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، اگر اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا جائے جیسے کہ بعض جواز کے قائل اٹھاتے ہیں، انعامی بانڈز میں بانڈز لینے والوں کی طرف سے اس نفع کی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ بینک والے اسے بطور انعام کے دیتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے کہ اگر مقروض بطور انعام کے قرض خواہ کو اصل قرض پر کچھ اضافہ کر کے دے تو جائز ہے؛ لیکن یہ ایک سطحی اور بچکانہ اشکال ہے اس لیے کہ فقہ کا ایک مشہور اصول ہے "المعروف کالمشروط" کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے یعنی جو چیز لوگوں میں عام رائج ہو اور پہلے سے ذہنوں میں طے شدہ ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ زبانی شرط لگانا چنانچہ اس صورت میں گو انعامی بانڈز لینے والے اس پر سود لینے کی شرط نہیں لگاتے لیکن ہر انعامی بانڈ لینے والے کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے مجھے اپنی اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی بصورت دیگر کوئی شخص بھی انعامی بانڈز نہ خریدے۔

---

[۱] سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۳ ص ۲۲۶-۲۲۵، مطبوعہ اسلامک پبلیشرز لاہور بار پنجم ۱۹۷۵ء

ان دلائل کے علاوہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک انعامی بانڈز لینے والوں کی رقم کو سودی قرضہ پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بانڈز لینے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی انعامی بانڈز پر ملنے والا انعام جائز نہیں ہے اس لیے کہ مشارکت (PARTNER SHIP) میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر ہی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ تجارتی اور شرعی اصول کے مطابق مشارکت کی تجارت میں جب نفع ہوتا ہے تو اس میں نفع سے ہر شریک کو اتنے فی صد ہی حصہ ملتا ہے جتنے فی صد اس نے روپیہ لگایا ہے، نفع کی تقسیم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ کرنا اس میں بہتوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے، لہٰذا انعامی بانڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے اگرچہ بینک اسے انعام ہی کہتا رہے، زہر کو اگر تریاق کہا جائے تو وہ تریاق نہیں بنتا بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔

اگر کسی کے پاس انعامی بانڈز آجاتے ہیں یا اس نے کسی ضرورت کی بناء پر خرید لیے ہیں اب اگر وہ ان کو قیمت خرید پر ہی فروخت کر دیتا ہے اور اس پر کوئی انعام یا نفع وغیرہ نہیں لیتا تو یہ جائز ہے [1]

انعامی بانڈز میں مصنّف کا موقف اور بحث و نظر

ہمارے نزدیک انعامی بانڈز کی بیع جائز ہے اور حکومت کی طرف سے اس کو خریدنے کی ترغیب کے لیے جو انعام جاری کیا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس انعام پر ربٰو یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی سید مودودی اور شیخ مزمل نے اس پر موضوعی انداز فکر سے گفتگو کی ہے، انھوں نے پہلے اس کو ناجائز فرض کر لیا پھر زبردستی اس کو قمار یا ربٰو کے معنی پہنا کر ناجائز قرار دے دیا، ہم پہلے اس کے جواز کے دلائل ذکر کریں گے اور پھر سید مودودی اور شیخ مزمل کے پیش کردہ دلائل پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربٰوا الفضل ہے؟

یہ دیکھنے کے لیے کہ انعامی بانڈز کا انعام ربٰو ہے یا نہیں یہ جاننا چاہیے کہ ربٰو کی دو قسمیں ہیں ربٰوا النسیئة اور ربٰوا الفضل یہ انعام ربٰوا الفضل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربٰوا الفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد اور قدر معروف (کیل یا وزن) میں زیادتی ہے۔ اور یہاں جنس ایک نہیں ہے کیونکہ انعامی بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے انعامی بانڈز کے عوض نہیں ہوتی۔ اور دونوں کی جنس الگ الگ ہے (واضح رہے کہ جنس سے مراد یہاں منطقی جنس نہیں ہے)، امام شافعی کے نزدیک ربٰوا الفضل میں حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے ان کے نزدیک ربٰوا الفضل سونے چاندی یا کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتا ہے، اور ظاہر ہے انعامی بانڈز اس قبیل سے نہیں ہیں امام مالک کے نزدیک ربٰوا الفضل ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن میں غذائیت ہو یا وہ چیزیں قابل ذخیرہ ہوں، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرمت کی علت ناپ اور تول ہے اور ربٰوا الفضل صرف ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن کی بیع ناپ اور تول سے کی جاتی ہو اور ظاہر ہے کہ بانڈز اس جنس سے نہیں ہیں، یہ مذاہب ہم نے امام رازی [2]، علامہ ابن رشد [3] اور علامہ الجزیری [4] کی کتابوں سے بیان کیے ہیں۔

---

[1] شیخ مزمل حسین، دستی مہر شدہ فتوی از دار الافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ١٤٠٦ھ

[2] امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ، تفسیر کبیر ج ٢ ص ٣٥١ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٣٩٨ھ

[3] علامہ ابن رشد مالکی متوفی ٥٩٥، بدایۃ المجتہد ج ٢ ص ٩٧، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[4] علامہ عبد الرحمٰن الجزیری کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ٢ ص ٢٤٩ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

نیز یہ ملحوظ رہے کہ ربوا الفضل اس وقت ہوگا جب بانڈز کی بانڈز کے عوض زیادتی کے ساتھ ہو اور فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربوا النسیئۃ ہے؟

مذکور الصدر تفصیل سے واضح ہوگیا کہ انعامی بانڈز پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی ربوا الفضل نہیں ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ انعام ربوا النسیئۃ کا مصداق ہے یا نہیں، ہم ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق ربوا النسیئۃ (ادھار والا سود) کی تعریفات ذکر کر رہے ہیں۔ دراصل ربوا النسیئۃ میں ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں ایک معین مدت کے بعد اصل رقم سے زائد رقم لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد رقم کی مقدار بھی معین ہو وہ ربوا النسیئۃ ہے، قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں سود کی اسی قسم کا رواج تھا۔ قرآن مجید نے اسی کو حرام قرار دیا ہے اور سود کی یہ قسم حرام قطعی ہے۔ امام رازی شافعی ربا النسیئۃ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اما ربا النسیئة فهو الامر الذی کان مشهورا متعارفا فی الجاهلیة وذلك انهم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شهر قدرا معینا ویکون راس المال باقیا ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون براس المال فان تعذر علیه الاداء زادوا فی الحق والاجل فهذا هو الربا الذی کانوا فی الجاهلیة یتعاملون به۔[1]

ربا النسیئۃ زمانۂ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھا کیونکہ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ اس کے عوض ہر ماہ ایک قدر معین لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر اس پر ادا کرنا دشوار ہوتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا اور سود بھی زیادہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا۔

علامہ ابو الولید باجی ربوا النسیئۃ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ان ربا الجاهلیة کان ان یقول الذی له الدین عند اجله للذی علیه الدین اتقضی ام تربی فیزید فی الدین فان اختار ان یزیده فی الدین لیزیده فی الاجل فعل وهذا مما لا خلاف بین المسلمین فی تحریمه۔[2]

ربا جاہلیت یہ ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے کہے کہ تم قرض ادا کر رہے ہو یا میں سود کے عوض مدت میں اضافہ کر دوں؟ اگر مقروض سود کو مان لیتا تو قرض خواہ مدت میں اضافہ کر دیتا اس کے حرام ہونے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

وکل قرض شرط فیه ان یزیده فهو حرام بغیر خلاف قال ابن المنذر اجمعوا علی ان المسلف اذا شرط علی المستسلف زیادة او هدیة فاسلف علی ذلك ان اخذ الزیادة

جس قرض میں اصل رقم سے زیادہ لینے کی شرط لگائی جائے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ قرض خواہ جب مقروض سے اصل سے زیادہ یا ہدیہ لینے کی شرط لگائے، تو اس پر اجماع ہے کہ اس زیادتی کا لینا

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

[2] علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت ۱۳۳۲ھ

علی ذلك ربا۔[1] سود ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ولا خلاف انه لو کان علیه الف درهم حالة فقال له اجلنی وازیدك فیها مائة درهم لا یجوز لان المائة عوض من الاجل (الی قوله) اذ جعله عوضا من الاجل وهذا هو الاصل فی امتناع جواز اخذ الابدال عن الآجال۔[2]

کسی شخص نے علی الفور ایک ہزار درہم دینے ہوں اور وہ یہ کہے مجھے مہلت دو تو میں ایک سو درہم زیادہ دوں گا تو اس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ سو درہم مہلت کے عوض ہیں، کیونکہ اس نے یہ سو درہم مدت کے عوض میں مقرر کیے ہیں اور مدت کے بدلہ میں معاوضہ لینے کے عدم جواز کی یہی اصل ہے۔

نیز علامہ ابوبکر جصاص ربوا الجاہلیۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ربا الجاهلیة وهو القرض المشروط فیه الاجل وزیادة مال علی المستقرض۔[3]

ربا جاہلیت اس قرض کو کہتے ہیں جس میں مقروض پر مدت کی وجہ سے اصل مال پر زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی ربوا الجاہلیت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

کانوا فی الجاهلیة اذا حل اجل الدین اما ان یقتضی واما ان یربی فان قضاه والا زاده فی المدة وزاده الآخر فی القدر هکذا فی کل عام فربما یضاعف القلیل حتی یصیر کثیرا مضاعفا۔[4]

زمانہ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی تو یا تو قرض ادا کر دیا جاتا اور یا اس پر سود لگایا جاتا، قرض خواہ مدت میں اضافہ کرتا تو مقروض اصل رقم پر اضافہ کرتا، ہر سال اسی طرح ہوتا حتیٰ کہ قلیل رقم دوگنی چوگنی ہو کر کثیر ہو جاتی۔

مذاہب اربعہ کے فقہاء کی مذکور الصدر تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس قرض میں مدت معین کے بدلہ میں ایک شخص معین پر دوسرا شخص معین، رقم معین کے اضافہ کی شرط لگائے وہ ربوا النسیئۃ ہے۔ اور انعامی بانڈز میں چونکہ مدت کے عوض اضافہ کی شرط نہیں ہوتی اس لیے اس پر ربوا النسیئۃ کی تعریف صادق نہیں آتی اور بغیر شرط لگائے اگر مقروض قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو یہ جائز ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة ان رجلا اتی النبی صلی الله علیه وسلم یتقاضاه بعیرا فقال رسول الله صلی الله

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے اونٹ

---

[1] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[3] 〃 〃 〃 احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۹ 〃 〃

[4] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

* یہ لفظ تین طرح لکھا جاتا ہے ربوٰ، ربا اور ربٰی، مرقات و شرح مسلم للنووی۔ سعیدی۔

علیہ وسلم اعطوہ فقالوا ما نجد الا سنا افضل من سنۃ قال الرجل اوفیتنی اوفاک اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوہ فان من خیار الناس احسنھم قضاءً۔ [1]

کا تقاضا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دے دو! صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ کی عمر سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے، اس شخص نے کہا آپ مجھے پورا پورا دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا دے، آپ نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو کیونکہ بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں۔

عن جابر بن عبد اللہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد قال مسعر اراہ قال ضحی فقال صل رکعتین وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی۔ [2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا در آں حالیکہ آپ مسجد میں تھے، مسعر کہتے ہیں کہ اس وقت چاشت کا وقت تھا، آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو، پھر آپ نے قرض ادا کیا اور اصل رقم سے کچھ زیادہ دیا۔

صحیح بخاری کی ان احادیث سے واضح ہوا کہ اگر مقروض از خود قرض کی ادائیگی کے بعد قرض سے زائد کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے اس لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت انعامی بانڈز کے ذریعہ لوگوں سے کچھ رقم قرض لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد از خود بعض افراد کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتی ہے تو وہ زیادتی ان احادیث کے پیش نظر جائز ہو گی اور سود نہیں ہو گی۔

کیا انعام کا رواج خریدار کی شرط لگانے کے مترادف ہے؟

بعض علماء نے لکھا ہے جیسا کہ شیخ مزمل نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ چیز معروف ہے کہ حکومت بانڈز خریدنے والوں کو انعام دیتی ہے اور ہر خریدنے والے کے ذہن میں انعامی بانڈز خریدتے وقت انعام ہی کا تصور ہوتا ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے "المعروف کالمشروط" جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے قائم مقام ہے، اس لیے اگرچہ بانڈز خریدنے والا بالفعل اصل سے زائد رقم لینے کی شرط نہیں لگاتا لیکن عرف اس کا قائم مقام ہے کہ وہ شرط لگا رہا ہے اس لیے بطور انعام اس کو جو رقم ملے گی وہ سود ہی ہے۔

یہ دلیل انتہائی سطحی ہے حکومت کسی خاص خریدار یا تمام خریداروں سے سودی معاہدہ نہیں کرتی اگر حکومت کا طریق کار یہ ہوتا کہ وہ تمام خریداروں کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کرتی تو پھر بانڈز خریدتے وقت خریدار شرط لگاتا یا نہ لگاتا عرف کی وجہ سے اس کی شرط تسلیم کی جاتی اور زیادتی سود ہوتی اس کی مثال یہ ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ اور ڈیفنس سرٹیفکیٹ کی رقم پانچ یا سات سال میں دگنی کر دی جاتی ہے اور یہ چیز معروف ہے اس لیے جو شخص بھی سیونگ یا ڈیفنس سرٹیفکیٹ خریدتا ہے وہ اس عرف کی وجہ سے پانچ یا سات سال میں رقم دگنی لینے کی شرط کے ساتھ خریدتا ہے اور

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ۔
[2] " " " " " ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲،

دہ اصل رقم سے جس قدر زائد دے گا وہ سود ہو گی۔ اس کے برخلاف انعامی بانڈز میں ایسا نہیں ہے کہ ہر خریدنے والا حکماً اس شرط کے ساتھ بانڈز خرید رہا ہے کہ اس کو لازماً انعام ملے گا کیونکہ حکومت ہر خریدار کو انعام نہیں دیتی نہ اس کا رواج ہے اور نہ یہ عرف ہے اور جو چیز عرف نہیں ہے وہ حکماً شرط بھی نہیں بن سکتی، البتہ عرف یہ ہے کہ لاکھوں خریداروں میں سے چند خریداروں کو انعام ملتا ہے اور ہر خریدار انعام کی امید میں بانڈز خریدتا ہے اور ظاہر ہے کہ انعام کی امید انعام کی شرط کے مترادف اور قائم مقام نہیں ہے، اور جس خریدار کے نام انعام کا قرعہ فال نکلتا ہے انعام کی امید رکھنے کے باوجود اس کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس کو انعام مل جائے گا پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس نے بانڈز خریدتے وقت حکماً اس زائد رقم کو لینے کی شرط لگائی تھی اس لیے یہ زائد رقم سود ہے۔

اس سے مستزاد یہ ہے کہ انعام کی رقم صرف ایک نہیں ہے پانچ سو سے لے کر پانچ لاکھ تک چھوٹی بڑی انعام کی متعدد قسمیں ہیں اور کوئی پتا نہیں کس کو کیا انعام ملتا ہے، خریدار کو اول تو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اس کو انعام ملے گا (صرف انعام کی امید اور خواہش ہوتی ہے) پھر انعام ملنے کی تقدیر پر یہ پتا نہیں کہ اس کو ان متعدد انعامات میں سے کون سا انعام ملنے والا ہے۔ فرض کیجئے اس کو پانچ سو روپیہ کا انعام مل گیا تو کیا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس نے یہ انعامی بانڈز اس شرط پر خریدے تھے کہ حکومت اس کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرے گی؟ اور "المعروف کالمشروط" والا قاعدہ اس وقت جاری ہوتا جب یہ رواج ہوتا کہ حکومت ہر خریدار کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرتی (یا کم از کم یہ کہ ہر خریدار کو کسی خاص تناسب سے زائد رقم دیتی) پھر اگر خریدار بالفعل شرط نہ بھی لگاتا تب بھی اس عرف کی وجہ سے اس کو شرط کہا جاتا، لیکن جب ہر خریدار کو انعام نہیں ملتا اور لاکھوں خریداروں میں سے چند افراد کو ملتا ہے ان کو بھی انعام کا پتا ہوتا ہے نہ یہ پتا ہوتا ہے کہ کتنا انعام ملے گا پھر یہاں عرف کا کیا سوال ہے؟ اہل علم سے اس قسم کی مغالطہ آفرینی بہت بعید ہے!

انعامی بانڈز کا لین دین قرض ہے یا خرید وفروخت؟

سید مودودی نے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دیا ہے یعنی حکومت عوام سے قرض لیتی ہے اور اس کا سود جمع کر کے قرعہ اندازی کے ذریعہ لوگوں میں تقسیم کر دیتی ہے، یہ بات سرے سے غلط ہے قرض میں ضروری ہے کہ ایک مدت معین کے لیے رقم لی جائے اور اگر اس پر سود دینا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے۔ انعامی بانڈز کا اول تو عنوان ہی خرید وفروخت ہے قرض نہیں ہے، دوم اس کے لین دین میں مدت کا تعین نہیں ہوتا کہ انعامی بانڈز کے بھنانے کے لیے اتنی مدت تک بانڈز رکھنا ضروری ہے، یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لیے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دینا صحیح نہیں ہے، آدمی بغیر تعین مدت کے بانڈز خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈز واپس کر کے اپنے پیسے لے لیتا ہے یہ قرض کہاں سے ہو گیا؟

کیا بانڈز پر انعامات سودی رقم سے دیے جاتے ہیں؟

انعامی بانڈز کے انعام کو ناجائز قرار دینے کے سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ بانڈز کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوتی ہے حکومت اس روپیہ کو سود پر قرض دیتی ہے اور اس سود میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے یا حکومت مختلف کمپنیوں کے کاروبار میں یہ رقم لگاتی ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے لیکن چونکہ کاروبار میں نفع اور نقصان کی شراکت نہیں ہوتی اس لیے یہ نفع ناجائز ہے اور اس

نفع سے جو انعامات تقسیم کیے جائیں گے وہ بھی ناجائز ہوں گے۔

یہ اعتراض انعامی بانڈز کے طریق کار کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے پر مبنی ہے، انعامی بانڈز کو فروخت کرنے والی حکومت ہے بینک نہیں ہے۔ بینک لوگوں سے جو سرمایہ لے کر جمع کرتا ہے اس کو کاروبار میں لگاتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور حکومت لوگوں سے انعامی بانڈز یا دوسرے ذرائع سے جو روپیہ حاصل کرتی ہے اس کو وہ اپنے منصوبہ جات اور اخراجات پر خرچ کرتی ہے، حکومت اپنی مختلف اسکیموں کی تکمیل کے لیے جس طرح بیرون ملک سے قرضہ جات لیتی ہے اسی طرح اندرون ملک عوام سے بھی اپنی اسکیموں کے لیے قرضہ جات لیتی ہے اور انعامی بانڈز کی فروخت سے رقم فراہم کرتی ہے، حکومت کا معاملہ بینک سے بالکل الگ ہے، حکومت انعامی بانڈز کو بینک کے ذریعہ فروخت کرتی ہے اس بناء پر ان لوگوں نے سادہ لوحی سے یہ سمجھ لیا کہ انعامی بانڈز کی بیع و شراء میں بینک فریق ہے جبکہ بینک صرف واسطہ ہے اور فریق حکومت ہے، اور اگر بالفرض حکومت اس رقم کو کسی کاروبار میں بھی لگاتی ہے اور تجارت کرتی ہے تو یہ کیسے اور کیونکر فرض کر لیا گیا کہ حکومت اس روپیہ کو کسی جائز کاروبار میں کیوں نہیں لگاتی؟ اور اس کا کیسے یقین ہو گیا کہ حکومت کو اس روپیہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بہرحال سود ہی ہوتی ہے، یہ روپیہ ڈیم بنانے یا کسی اور نفع آور اسکیم پر خرچ کیا جا سکتا ہے، اس روپیہ سے حصص کی خرید اری بھی ہو سکتی ہے، کوئی مل یا کارخانہ بنایا جا سکتا ہے اور تجارت بھی کی جا سکتی ہے، یہ کہنا کہ بینک اس روپیہ کو سودی کاروبار میں لگاتا ہے، انعامی بانڈز کے فریق اور اس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم کے مصرف کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے غلط اور ساقط ہے۔

یاد رکھیے احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے باطنی امور کے جانچنے اور کھنگالنے کا ہمیں مکلف کیا گیا ہے نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں امور ظاہر یہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اندرون خانہ کی تفصیلات میں جانے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ان ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ فخرج الیھم فقال انما انا بشر انہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ قد صدق و اقضی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او یترکھا۔[1]

زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں ایک بشر ہوں میرے پاس لوگ مقدمہ لے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس اگر میں نے کسی شخص کو (حجت ظاہری کی بناء پر) دوسرے مسلمان کا حق دے دیا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، وہ چاہے اس کو لے یا چھوڑ دے۔

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ

اس حدیث سے بہ صراحت معلوم ہو گیا کہ احکام شرعیہ کا مدار ظاہر پر ہے اگر کسی شخص کا ظاہر درست ہو اور باطن نادرست ہو تو ہم اس کے ظاہر کے اعتبار سے اس کے ساتھ معاملہ کریں گے اس کے باطن کو نہیں کھنگالیں گے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ اس لیے جب حکومت نے اعلان کر دیا کہ انعامی بانڈز کا لین دین خرید و فروخت ہے اور اس پر انعام دیا جاتا ہے تو اگر حکومت کا طریقہ کار بالفرض اس کے خلاف ہوتا اور واقع میں یہ صورت حال نہ ہوتی پھر بھی ہم ظاہر کے پابند تھے اور باطن میں تجسس کر کے صحیح صورت حال کو کھنگال کر لانے کے مکلف نہ تھے۔

کیا بانڈز پر انعامات اور حکومت کے دیگر عطیات کا حکم الگ الگ ہے؟

حکومت کی طرف سے جو عطیات ملتے ہیں اور تعلیمی اداروں کو گرانٹ دی جاتی ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبروں کو وظائف، وزیروں اور گورنروں کو مشاہرے اور سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں اور انعامی بانڈز پر انعامات دیے جاتے ہیں یہ سب سرکاری خزانہ (اسٹیٹ بینک) سے دیے جاتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اسٹیٹ بینک میں روپوں کی الگ الگ تخصیص ہو اور سرکاری نوازشات اور دینی اداروں کو دی جانی والی گرانٹ کے روپے الگ ہوں اور انعامی بانڈز پر انعامات دیے جانے والے روپے نشان زد کر کے الگ رکھے ہوں، حکومت کی تمام آمدنی خواہ بانڈز سے حاصل شدہ رقم کی تجارت کے ذریعہ ہو یا ٹیکسوں کے ذریعہ ہو، اندرون ملک یا بیرون ملک تجارت کی آمدنی ہو یا غیر ملکی امداد ہو یہ تمام رقوم اسٹیٹ بینک میں جمع کر دی جاتی ہیں، اور عطیات، تنخواہیں اور انعامات اور سرکاری نوازشات اسی مجموعی آمدنی سے کی جاتی ہیں، پھر انعامی بانڈز سے انعامات کو اس لیے ناجائز کہنا کہ یہ اس آمدنی سے دیے جاتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہے یا اس کی تجارت میں نقصان کی شرکت نہیں ہے اور سرکاری نوازشات، عطیات اور تنخواہوں کو ناجائز نہ کہنا ناقابل فہم ہے جب کہ حکومت اپنے تمام اخراجات انعامی بانڈز کی آمدنی یا اس جیسی آمدنی سے ہی کرتی ہے۔

کیا نیت پر حکم لگانا صحیح ہے؟

سید مودودی نے لکھا ہے "کہ جو شخص انعامی بانڈز خریدتا ہے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے۔" جبکہ حکومت یہ انعام سود کے عنوان سے نہیں دیتی نہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے پھر تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سود ایسی حرام چیز کے لین دین کی نیت کرتے ہیں، مسلمانوں کے بارے میں سوءِ ظن کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نیت ایک مخفی چیز اور غیب ہے۔ سید مودودی کا تعلق اس مکتب فکر سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی غیب کا علم تسلیم نہیں کرتا پھر ان تمام مسلمانوں کی نیت کے بارے میں ایسا حکم لگانا جس کا تعلق علم غیب سے ہو، نہایت حیرت انگیز ہے!

قمار کی تحقیق

سید مودودی لکھتے ہیں کہ بانڈز کے انعامات کی تقسیم لاٹری کے طرز پر ہوتی ہے یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے لیکن اس میں روح قمار ضرور موجود ہے، آئیے پہلے یہ دیکھیں کہ قمار (جوا) کیا چیز ہے پھر اس کا فیصلہ ہو گا کہ اس میں قمار کی روح ہے یا قمار کا جسم ہے؟

لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

القمار: كل لعب يشترط فيه ان ياخذ الغالب من المغلوب شيئا سواء

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب سے کوئی چیز لے گا خواہ وہ چاندی ہو یا

کان بالورق او غیرہ [۱]

کوئی اور چیز۔

میر سید شریف لکھتے ہیں:

القمار: کل لعب یشترط فیہ غالباً من المتغالبین شئ من المغلوب۔ [۲]

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی قمار ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ان القمار من القمر الذی یزداد تارۃ و ینتقص اخری وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذھب مالہ الی صاحبہ و یجوز ان یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص ولا کذلک اذا شرط من جانب واحد۔ (زیلعی) [۳]

قمار، قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو شرط کے ساتھ جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔
(اس کی تفصیل علامہ زیلعی کی عبارت میں آرہی ہے)۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ولا خلاف بین اھل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرۃ من القمار قال ابن عباس ان المخاطرۃ قمار وان اھل الجاھلیۃ کانوا یخاطرون علی المال والزوجۃ وقد کان ذلک مباحا الی ان ورد تحریمہ وقد خاطر ابوبکر الصدیق المشرکین حین نزلت الم غلبت الروم وقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم زد فی الخطر وابعد فی الاجل ثم حظر ذلک ونسخ بتحریم القمار ولا خلاف فی حظرہ الا ما رخص فیہ من الرھان فی السبق فی الدواب والابل والنصال اذا کان الذی یستحق واحدا ولا یستحق الآخران

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے، پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرط کی زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور قمار کی حرمت نازل ہو گئی، اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑ سواری اور تیر سے بازی میں سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے جبکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے

[۱] لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد ص ۶۵۳ مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت، الطبعۃ السادسۃ عشرۃ ۱۹۲۰ء
[۲] میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۷۷، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۶ھ
[۳] علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۳۵۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

سبق وان شرط ان من سبق اخذ ومن سبق اعطی فھذا باطل فان ادخلا بینھما رجلا ان سبق استحق وان سبق لم یعط فھذا جائز وھذا الدخیل سماہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم محللا۔ [۱]

اور پیچھے رہنے والے کو نہ دیا جائے، اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا تو یہ جائز ہے اس دخیل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل فرمایا ہے۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

وعن ابن سیرین ومجاھد وعطاء کل شیء فیہ خطر فھو من المیسر (الی قولہ) وقال الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ اذا خلا الشطرنج عن الرھان واللسان عن الطغیان والصلوۃ عن النسیان لم یکن حراما وھو خارج عن المیسر لان المیسر یوجب دفع المال او اخذ مال فلا یکون قمارا ولا میسرا۔ [۲]

ابن سیرین، مجاہد اور عطاء سے روایت ہے جس چیز میں بھی شرط لگائی جائے وہ میسر (جوا) ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب شطرنج شرط یا وہ گوئی اور نماز کی غفلت سے خالی ہو تو حرام نہیں ہے اور میسر سے خارج ہے کیونکہ میسر مال کے دینے یا لینے کو واجب کرتا ہے پس وہ نہ قمار ہے نہ میسر ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

قال ابن عباس کان الرجل فی الجاھلیۃ یخاطر الرجل علی اھلہ ومالہ فایھما قمر صاحبہ ذھب بمالہ واھلہ فنزلت الآیۃ [۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص بھی اپنے ساتھی پر غالب ہوتا (شرط جیت لیتا) وہ اپنے ساتھی کے مال اور اہل کو لے لیتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر (بقرہ: ۲۱۹)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

قال مالک المیسر میسران میسر اللھو ومیسر القمار فمن میسر اللھو النرد والشطرنج والملاھی کلھا، ومیسر القمار ما یتخاطر الناس علیہ [۴]

امام مالک نے فرمایا میسر کی دو قسمیں ہیں، میسر اللھو اور میسر القمار، میسر اللھو میں نرد، شطرنج اور تمام ملاہی ہیں اور میسر القمار ہر وہ عقد ہے جس میں لوگ شرط لگائیں۔

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۲۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

۴۔ " " " " الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۴ "

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

کل لعب فیہ قمار فھو محرم ای لعب کان، وھو من المیسر الذی امر اللہ تعالی باجتنابہ ومن تکرر منہ ذلک ردت شہادتہ، وما خلا من القمار وھو اللعب الذی لا عوض فیہ من الجانبین ولا من احدھما فمنہ ما ھو محرم ومنہ ما ھو مباح فاما المحرم فاللعب بالنرد وھذا قول ابی حنیفۃ واکثر اصحاب الشافعی وقال بعضھم ھو مکروہ غیر محرم [1]

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میسر میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے اور جو شخص بار بار جوا کھیلے اس کی شہادت مردود ہوگی اور جو کھیل قمار سے خالی ہوں اور یہ وہ ہیں جن میں جانبین یا کسی ایک جانب سے عوض نہ ہو ان کھیلوں میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں، امام ابوحنیفہ اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک نرد حرام ہے اور بعض نے کہا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فاما الشطرنج فھو کالنرد فی التحریم الی قولہ وسائر اللعب اذا لم یتضمن ضررا ولا شغلا عن فرض فالاصل اباحتہ [2]

شطرنج کی تحریم میں نرد کی طرح اقوال ہیں اور باقی کھیل جب ضرر اور فرائض میں غفلت سے خالی ہوں تو اپنی اصل پر مباح ہیں۔

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

والمسابقۃ بالفرس والابل والارجل والرمی جائزۃ وحرم شرط الجعل من الجانبین لا من احد الجانبین۔ [3]

گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں مقابلہ کرنا جائز ہے اور جانبین سے شرط رکھنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط رکھنا حرام نہیں ہے۔

علامہ زیلعی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ومعنی شرط الجعل من الجانبین ان یقول ان سبق فرسک فلک علی کذا وان سبق فرسی فلی علیک کذا وھو قمار فلا یجوز (الی قولہ) ولا کذلک اذا شرط من جانب واحد بان یقول ان سبقتنی فلک علی کذا وان سبقتک فلا شیء

جانبین سے شرط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ اگر تمہارا گھوڑا نکل گیا تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تم کو اتنے پیسے دینے ہوں گے، اور یہ قمار ہے اس لیے جائز نہیں ہے، اور جب شرط ایک جانب سے ہو بایں طور کہ ایک شخص یہ کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو مجھ پر

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] ″ ″ ″ ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۳ - ۱۷۱ ″ ″ ، ″

[3] علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ، کنز الدقائق ص ۴۳۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

لی عليك لان النقصان والزيادة يمكن الزيادة وفی الأخر النقصان فقط فلا يكون مقامرة لان المقامرة مفاعلة منه فتقتضی ان تكون من الجانبين واذا لم يكن فی معناه جاز استحسانا لما روينا والقياس ان لا يجوز لما فيه من تعليق التمليك على الخطر ولهذا لا يجوز فيما عدا الاربعة المذكورة فی الكتاب كالبغل وان كان الجعل مشروطا من احد الجانبين۔ ؎

اتنے ملنے لازم ہو، اور اگر ہو آئے گر نکا ار گا تو ذکر یہ میں ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف ایک فریق کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ لازم آرہا ہے اس لیے یہ مقامرہ نہیں ہے اور مقامرہ چونکہ باب مفاعلہ سے ہے اس لیے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جانبین سے ہو (یعنی ہر فریق کو نقصان یا فائدہ لازم ہو) اور جب ایک جانب سے شرط رکھنا مقامرہ نہیں ہے تو یہ اس حدیث کے اعتبار سے استحساناً جائز ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ زیلعی نے حضرت ابن عمر کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ میں مقابلہ کرایا اور شرط رکھی اور ج ۶ ص ۲۲ پر مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں کی دوڑ، نیزے بازی اور گھوڑ دوڑ کے سوا شرط رکھنا جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور قیاساً یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں ملکیت کو شرط پر معلق کرنا ہے اس لیے ان چار چیزوں (اونٹ، گھوڑے، پیدل اور تیر اندازی) کے سوا مثلاً خچر دوڑانے وغیرہ میں ایک جانب سے بھی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مذاہب اربعہ میں قمار حرام ہے اور اس کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، علماء احناف کے نزدیک قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس میں جانبین سے شرط ہو یعنی جس عقد یا کھیل میں ہر فریق کو فائدہ یا نقصان لازم ہو وہ قمار ہے نیز فقہاء احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ گھوڑ دوڑ، شتر سواری پیدل چلنے اور تیر اندازی میں ایک جانب سے نفع یا نقصان کی شرط جائز ہے اس کے علاوہ کسی عقد یا کھیل میں نفع یا نقصان کی شرط ایک جانب سے بھی جائز نہیں ہے اور یہ بھی حکماً قمار ہے اور ناجائز ہے۔

کیا بانڈز کے انعامات میں قمار کی روح ہے؟

قمار کی تعریف معلوم ہونے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز کے انعامات میں قمار بالکل نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط بالکل نہیں ہے دونوں جانبوں سے نہ ایک جانب سے، بانڈز کی خریداری کے لیے کوئی شرط ہے نہ فروخت کے لیے، خریدنے اور بیچنے والے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی نفع یا نقصان

؎ علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

لازم نہیں ہے۔ خریدار جتنے روپوں کا بانڈ خریدتا ہے جب چاہے اتنے روپوں میں اس کو فروخت کر دیتا ہے، اور حکومت جو بانڈز پر انعام دیتی ہے وہ محض تبرع ہیں جو محض بانڈز خریدنے کی ترغیب کے لیے جاری کیے جاتے ہیں جیسے بعض کمپنیاں شربت کی بوتل کے ساتھ گلاس مفت دے دیتی ہیں یا بعض ٹوتھ پیسٹ کمپنیاں دو ٹوتھ پیسٹ خریدنے پر تیسری ٹوتھ پیسٹ مفت دے دیتی ہیں[¹]، بعض کمپنیاں خریداری پر ڈائری اور کیلنڈر دیتی ہیں، یہ تمام چیزیں لازم یا کسی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں اسی طرح حکومت خریداری کا شوق بڑھانے یا ترغیب دلانے کے لیے انعامات جاری کرتی ہے، اس میں کوئی شرط ہے نہ خریدنے والے کا کوئی استحقاق ہے کیونکہ یہ صرف بیع ہے، نہ قرض ہے نہ شراکت! اس لیے اس میں سود کا شائبہ ہے نہ قمار کا۔

سید مودودی لکھتے ہیں: جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سود جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے، انھیں نہیں ملتا، بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے[²]

کیا سید مودودی کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ سب کے حصوں کا سود چند آدمیوں کی بجائے اگر سب آدمیوں کو مل جائے تو پھر اس عقد سے روح قمار نکل جائے گی؟ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ یہ صرف عقد بیع ہے یہاں کسی سود یا قمار کا کوئی شائبہ نہیں ہے البتہ اگر کسی کو یہ خدشہ ہو کہ بانڈز کی خریداری سے جو حکومت کو پیسہ حاصل ہوتا ہے وہ تمام خریداروں کا روپیہ ہوتا ہے۔ اب اگر اس روپیہ سے حکومت کو تجارت کے ذریعہ نفع ہوتا ہے تو اس نفع کو تمام خریداروں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ صرف چند خریداروں میں قرعہ اندازی کے ذریعہ انعامات تقسیم کرنا انصاف کے خلاف ہے لیکن یہ خدشہ اس لیے ساقط ہے کہ خریداروں نے حکومت کے ساتھ کوئی عقد شراکت نہیں کیا انھوں نے صرف بانڈز کا عقد بیع کیا ہے۔ بانڈز کی رقم سے اول تو کوئی آمدنی نہیں ہوتی کیونکہ یہ رقم مختلف منصوبوں پر خرچ کی جاتی ہے ثانیاً اگر بانڈز کے پیسوں کے ذریعہ حکومت کو آمدنی ہوتی ہے تو اس میں کسی خریدار کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ اور حکومت ترغیب اور تشویق کی خاطر محض تبرعاً انعامات کی تقسیم کرتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز کی خریداری، حکومت کا ان پر انعام دینا اور لوگوں کا انعام وصول کرنا جائز ہے۔ مجھ سے تین سال پہلے بعض دوستوں نے فرمائش کی تھی کہ میں انعامی بانڈز کے سلسلہ میں اپنا موقف

[¹] میکلنس ٹوتھ پیسٹ کی قیمت تین سال پہلے دس روپیہ تھی لیکن اگر دو ٹوتھ پیسٹ لو تو بیس روپوں میں تین ٹوتھ پیسٹ مل جاتی تھیں۔ ــــــ ۲۵ر جولائی ۱۹۸۸ء۔ سعیدی غفرلہٗ۔

[²] سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۳ ص ۲۶۴ مطبوعہ ترجمان اسلامک پبلیکیشنز لاہور بارہ پنجم ۱۹۷۵ء

دلائل کے ساتھ پیش کروں بہرحال اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ بیع الحصاۃ اور بیع غرر کی شرح میں، میں نے بیع تعاطی اور انعامی بانڈز کی بیع پر مفصل بحث کی۔ میری یہ کوشش صرف حلال اور حرام کا فرق واضح کرنے کے لیے ہے تاکہ بعض علماء کے فتاویٰ سے جو عام مسلمان اس بیع کے اندر خلجان میں مبتلا رہتے ہیں ان پر حق واضح ہو جائے اور جواز اور عدم جواز کے دلائل پر غور کر کے وہ خود نتیجہ اخذ کر سکیں، الٰہ العلمین میری اس کوشش کو قبول فرما، مجھے صحیح مسلم کی شرح مکمل کرنے اور اس کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی توفیق دے۔ میری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما، مجھے علوم نافعہ اور اعمال صالحہ سے نواز، میرا ایمان پر خاتمہ فرما اور دارین کی خیر کو میرے لیے مقدر کر دے۔ آمین یارب العالمین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید الشافعین والمشفعین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین۔

بَابُ ۳۸۵ تَحْرِيْمِ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ
حمل کی بیع کی ممانعت

۳۶۹۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا نَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ (جانور) کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۰۰ - وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا يَحْيٰى وَهُوَ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَبَايَعُوْنَ لَحْمَ الْجَزُوْرِ اِلٰى حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تَحْمِلُ الَّتِيْ نُتِجَتْ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اونٹ کا گوشت حاملہ کے حمل تک فروخت کرتے تھے اور حاملہ کے حمل سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی سے ایک اونٹنی پیدا ہو پھر بڑی ہو کر یہ اونٹنی حاملہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔

لفظ حبل کی تحقیق

اس باب کی احادیث میں حاملہ جانور کے لیے حبلہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، علامہ نووی اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل اللغت نے کہا ہے کہ حبلۃ حابل کی جمع ہے جیسے ظالم کی جمع ظلمۃ، فاجر کی جمع فجرۃ اور کاتب کی جمع کتبۃ ہے، اخفش نے کہا جب عورت حاملہ ہو تو حابل کہتے ہیں اور

اس کی جمع حبلہ ہے۔ ابن انباری نے کہا کہ حبلۃ میں تامبالغہ کے لیے ہے، اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ حمل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور آدمیوں کے علاوہ حمل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، عورت کے لیے حاملہ اور حابلہ دونوں لفظ مستعمل ہیں اور جانوروں کے لیے صرف حاملہ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے مثلاً بکری یا اونٹنی کو حاملہ کہتے ہیں، حیوانات کے لیے حابلہ کا لفظ صرف اس حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ابن درید نے کہا ہے کہ ہر مونث کے لیے حابلہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان، ہروی اور اخفش نے بھی اپنے نوادر میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور جامع میں ہے " امراۃ حبلی (حاملہ عورت) " اور " سنور حبلی " (حاملہ بلی) اور ان اشعار سے استشہاد کیا ہے:

ان فی دارنا ثلاث حبالی · فوددنا ان قد وضعنا جمیعا

(ہمارے گھر میں تین حاملہ ہیں - ہماری خواہش ہے کہ ان سب کا حمل وضع ہو)

جارتی ثم ھرتی ثم شاتی · فاذا ما وضعن کن ربیعا

میری پڑوسن، میری بلی اور میری بکری - جب ان کے بچے ہو جائیں گے تو بہار آجائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ان اشعار سے واضح ہو گیا کہ حدیث میں حبل کا استعمال اپنے محل پر ہے اور علامہ نووی کا اعتراض صحیح نہیں ہے [2]

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں حَبَل کا معنی پیٹ میں اٹھایا ہوا بچہ یا حمل ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے " حَبَل الحَبَلَة " سے منع فرمایا ہے پہلے حبل سے اونٹنیوں کے پیٹ کا حمل مراد ہے اور دوسرے لفظ سے اونٹنیوں کے پیٹ کا بچہ مراد ہے [3]

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ حابلۃ ہر مونث کی صفت ہو سکتی ہے یا خاص مونث کی صفت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حیوانات میں اس کا اطلاق صرف اس حدیث میں ہے، ابو عبیدہ نے کہا اونٹنی کے پیٹ کے بچے کو حبل الحبلہ کہتے ہیں، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ ابن منظور نے متعدد اقوال نقل کرکے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ عام ہے اخیر میں لکھا ہے " سنورۃ حبلی وشاۃ حبلی " [4]

علامہ زبیدی نے بھی اس لفظ پر بحث کی ہے اور علامہ سہیلی سے نقل کیا ہے کہ " حبلۃ " کی تا سے لوگوں کو اشتباہ پڑ گیا اور انھوں نے بے سروپا باتیں کہیں اور ابن الانباری سے نقل کیا ہے کہ " حبل الحبلہ " پیٹ کے بچے کو کہتے ہیں [5]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳-۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ۔

[2] علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[3] علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۱ ص ۳۳۴، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

[4] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۳۰-۱۳۹، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[5] السید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

حبل الحبلہ کی تفسیر میں فقہاء کے اقوال

اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۹۹ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبل الحبلہ (حاملہ اونٹنی کے حمل) کی بیع سے منع فرمایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے حبل الحبلہ کی چار تفسیریں ذکر کی ہیں:

(الاول): کسی چیز کو خریدا جائے اور کہا جائے کہ اس کی قیمت اس وقت دی جائے گی جب اس حاملہ اونٹنی کے بچی ہو پھر وہ بڑی ہو کر بچہ دے، یہ تفسیر حضرت ابن عمر سے صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔

(الثانی): کسی چیز کی میعادی قیمت پر بیع کی جائے اور کہا جائے کہ قیمت اس وقت دی جائے گی جب یہ حاملہ اونٹنی اپنا حمل وضع کرے گی، یہ تفسیر ابن مسیب سے منقول ہے، امام مالک، امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(الثالث): کسی چیز کی میعادی قیمت پر بیع ہو اور قیمت اس وقت دی جائے جب اونٹنی کی بچی پیدا ہونے کے بعد حاملہ ہو جائے اور اس کے وضع حمل کی شرط نہ ہو، یہ تفسیر حضرت ابن عمر سے منقول ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۷۰۰ سے ظاہر ہے۔ ان تینوں صورتوں میں بیع اس لیے ممنوع ہے کہ قیمت کی ادائیگی کی مدت مجہول ہے۔

(الرابع): حاملہ اونٹنی کے پیٹ کے بچے یا پیٹ کے بچے کے بچے کی بیع کی جائے، امام ترمذی نے اس تفسیر پر اعتماد کیا ہے، امام احمد، ابو عبیدہ اور اسحاق نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اس صورت میں بیع کے ممنوع ہونے کی وجہ غرر اور مبیع کی جہالت ہے، کیونکہ پیٹ کے بچہ کا خود پیدا ہونا یقینی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کے بچہ کا پیدا ہونا یقینی ہو۔[۱]

بیع غرر کے احکام کی تفصیل

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ بیع غرر (وہ بیع جس میں دھوکا ہو) سے ممانعت بیع کا ایک اہم اصول ہے، اور اس کے تحت بہت سے مسائل داخل ہیں مثلاً معدوم چیز کی بیع (جیسے ہمارے ملک میں رواج ہے کہ باغ کے پھلوں کی بیع اس وقت کی جاتی ہے جب اس میں پھلوں کا بور بھی نہیں لگا ہوتا) مجہول چیز کی بیع، جس چیز کے دینے پر بائع قادر نہ ہو، جس چیز پر بائع کی ملکیت نہ ہو، دریا یا سمندر میں مچھلیوں کی بیع، جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بیع، جانور کے پیٹ میں حمل کی بیع، غلہ کے ڈھیر کی بیع جس کی مقدار مجہول ہو، کسی غیر معین کپڑے یا غیر معین جانور کی بیع، ان چیزوں اور ان کی مثل دوسری چیزوں کی بیع باطل ہے کیونکہ اس میں غرر ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ غرر کی بعض صورتیں ضرورت کی بناء پر مستثنیٰ ہیں مثلاً کسی حاملہ جانور کو فروخت کیا جائے یا کسی دودھ دینے والے جانور کو فروخت کیا جائے تو چونکہ پیٹ کے حال اور تھنوں میں دودھ کی مقدار کا جاننا عادۃً اور عام ذرائع سے ممکن نہیں ہے اس لیے اس قدر جہالت اور غرر کے ساتھ بیع صحیح ہے، اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غرر حقیر کے ساتھ بیع جائز ہے، مثلاً لحاف کی بیع جائز ہے حالانکہ اس میں روئی کی مقدار مجہول ہے یا جس کوٹ یا چسٹر میں کچھ بھرائی ہو اور بھرائی کی مقدار مجہول ہو، اسی طرح ایک ماہ کے لیے مکان یا کسی چیز کو کرائے پر دینا جائز ہے حالانکہ مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا ہوتا ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ اجرت دے کر حمام میں غسل کرنا جائز ہے، حالانکہ پانی استعمال کرنے میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ جانوروں کے پیٹ کے بچوں کی اور ہوا میں پرندوں کی

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۳۵۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

بیع ناجائز ہے اور اس کا عدم جواز غرر کی وجہ سے ہے، البتہ اگر غرر ناگزیر ہو اور بغیر مشقت شدیدہ کے اس سے احتراز ممکن نہ ہو تو بیع اور اجارہ میں غرر حقیر جائز ہے جیسا کہ ہماری دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہو گیا۔[1]

بَابُ ۴۸۶ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الرَّجُلِ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ وَسَوْمِهِ وَتَحْرِيْمِ النَّجْشِ وَتَحْرِيْمِ التَّصْرِيَةِ

کسی کی بیع اور نرخ پر بیع اور نرخ کرنے اور تھنوں میں دودھ روکنے کی حرمت

۳۷۰۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔

۳۷۰۲ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيْهِ إِلَّا أَنْ يَّأْذَنَ لَهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، نہ کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے سوا اس کے کہ وہ اجازت دے دے۔

۳۷۰۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا إِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ الْمُسْلِمِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے نرخ کرتے وقت نرخ نہ کرے۔

۳۷۰۴ - وَحَدَّثَنِيْ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ۔

الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَلَاءِ وَسُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ وَفِي رِوَايَةِ الدَّوْرَقِيِّ عَلَى سِيمَةِ أَخِيهِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ کرنے سے منع فرمایا۔

۳۷۰۵۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تجارتی) قافلہ (کے شہر پہنچنے سے پہلے) اس سے بیع کے لیے ملاقات نہ کرو، اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش (اس لفظ کی وضاحت شرح میں آئے گی) نہ کرو اور شہری دیہاتی کے مال کو فروخت نہ کرے اور اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ نہ روکو اور اگر کوئی شخص ایسے جانور کو خریدے تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اگر وہ جانور اس کو پسند ہے تو اسی قیمت پر رکھ لے اور اگر اس کو پسند نہیں ہے تو جانور واپس کر دے اور (دودھ کے عوض) ایک صاع (چار کلوگرام اور ڈھائی سو گرام) کھجوریں واپس کرے۔

۳۷۰۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے اور یہ کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے اور نجش نہ کرے اور تھنوں میں دودھ روکنے سے اور اپنے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّلَقِّيْ وَاَنْ يَّبِيْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَّاَنْ تَسْاَلَ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا وَعَنِ النَّجْشِ وَالتَّصْرِيَةِ وَاَنْ يَّسْتَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ.

بھائی کے نرخ پر نرخ کرنے سے منع فرمایا۔

۳۷۰۷۔ وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُوْبَكْرِ بْنُ نَافِعٍ قَالَ نَا غُنْدَرٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ نَا اَبِيْ قَالُوْا جَمِيْعًا نَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ فِيْ حَدِيْثِ غُنْدَرٍ وَّوَهْبٍ نُهِيَ وَفِيْ حَدِيْثِ عَبْدِ الصَّمَدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى بِمِثْلِ حَدِيْثِ مُعَاذٍ عَنْ شُعْبَةَ.

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے غندر اور وہب کی روایت میں ہے "منع فرمایا" اور عبدالصمد کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

۳۷۰۸۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّجْشِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا۔

بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ کی صورتیں

حدیث نمبر ۳۷۰۱ میں بیع پر بیع کرنے کی ممانعت ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے مدت خیار میں کوئی چیز خریدی اس سے کوئی شخص یہ کہے کہ اس بیع کو فسخ کر دو، میں تم کو یہ چیز اس سے کم قیمت پر فروخت کر دوں گا، یہ حرام ہے یا خریدار کہے تم اس بیع کو فسخ کر دو میں تم کو اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت دوں گا، یہ بھی حرام ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۰۲ میں نرخ پر نرخ کرنے کی ممانعت ہے کہ خریدار اور بائع دونوں کسی چیز کی بیع پر راغب اور راضی ہوں لیکن ابھی عقد بیع نہ ہوا ہو کہ ایک اور شخص بائع سے کہے میں زیادہ قیمت دوں گا قیمت طے ہو جانے کے بعد یہ بھی حرام ہے، البتہ نیلام میں زیادہ بولی دینا جائز ہے، اس کی تفصیلی بحث عنقریب آرہی ہے، رہا کسی عورت کا اپنی بہن کی طلاق کا سوال کرنا اور منگنی پر منگنی کرنا اس پر تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم جلد ثالث کی کتاب النکاح میں گزر چکی ہے[۱]

---

[۱] علامہ یحیی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

بیع پر بیع کی ممانعت میں مذاہب اور مصنف کا تجزیہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ ممنوع ہے، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اس حکم کا خلاف کر کے بیع پر بیع کر لی تو وہ گنہگار ہوگا اور بیع منعقد ہو جائے گی، داؤد ظاہری نے کہا کہ بیع منعقد نہیں ہوگی، امام مالک سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔[1]

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: نرخ پر نرخ کرنا حرام ہے جبکہ فریقین کی رضامندی صراحۃً ہو، ایک قول یہ ہے کہ ظاہراً ہو، ایک قول یہ ہے کہ جب دونوں امر مساوی ہوں، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ جب بائع اور مشتری عقد کر چکے ہوں تو مدت خیار میں اس پر بیع کرنا صحیح نہیں ہے۔[2]

علامہ مرداوی حنبلی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع پر بیع کی ممانعت کا حکم خیار مجلس یا خیار شرط کے زمانے کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بعد ممانعت نہیں ہے۔ محرر، رعایتین، حاویین میں بھی اسی پر جزم ہے۔ امام احمد کے کلام سے بھی بظاہر اسی طرح معلوم ہوتا ہے (علامہ مرداوی لکھتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ابن رجب نے شرح النوویہ میں لکھا ہے کہ امام احمد کا اس قول کی طرف میلان ہے کہ یہ ممانعت دونوں زمانوں میں عام ہے یعنی مدت خیار اور عقد لازم ہونے کے بعد ہر صورت میں بیع پر بیع ممنوع ہے۔ فقہاء حنابلہ کی ایک جماعت کا اسی طرف میلان ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔[3]

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے" امام مالک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت پر قیمت نہ لگائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب بائع قیمت لگانے والے کی طرف راغب ہو چکا ہو اور بیع منعقد ہونے میں معمولی سا مسئلہ رہتا ہو، مثلاً بائع دینار میں قیمت لینا چاہتا ہو اور خریدار درہم میں قیمت دینا چاہتا ہو، یا خریدار عیب کی شرط لگانا چاہتا ہو اور بائع عیب سے برأت کی شرط لگا رہا ہو، امام ابوحنیفہ نے بھی اس حدیث کی تشریح، امام مالک کی طرح کی ہے۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: کہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے کر لی تو بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ یہ اس بیع پر قیمت لگائی گئی ہے جو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ داؤد ظاہری اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بیع ہو جائے تو فسخ کر دی جائے گی خواہ کسی حالت میں ہو (یعنی بیع تام ہونے سے پہلے یا بعد) انھوں نے عموم سے استدلال کیا ہے، امام مالک اور ان کے بعض اصحاب سے یہ بھی روایت ہے کہ جب تک مبیع فوت نہ ہو بیع کو فسخ کر دیا جائے گا۔

نیز قاضی ابن رشد مالکی فرماتے ہیں: آیا اس ممانعت میں ذمی کی بیع بھی داخل ہے یا نہیں؟ جمہور یہ کہتے ہیں کہ ذمی اور غیر ذمی میں کوئی فرق نہیں ہے، امام اوزاعی یہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ذمی ہمارا بھائی نہیں ہے۔[4]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ ھ۔

[2] علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبداللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ ھ، کتاب الفروع ج ۴ ص ۵۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۸۸ ھ

[3] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵، تصحیح الفروع ج ۴ ص ۳۶،

[4] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

فقہاء احناف نے بالعموم بیع پر بیع کی ممانعت کو نرخ پر نرخ کی ممانعت پر محمول کیا ہے علامہ ابن نجیم نے اسی طرح لکھا ہے[1] اور علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: یہ ممانعت دوسرے شخص کے نقصان کی وجہ سے ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب فریقین قیمت پر راضی ہو جائیں۔[2] علامہ حصکفی نے بھی در مختار میں اسی طرح لکھا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے اس ممانعت کو دونوں صورتوں میں عام رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ نرخ پر نرخ لگانے کی صورت یہ ہے کہ فریقین ایک قیمت پر راضی ہو جائیں اور عقد پر ان کا میلان ہو پھر ایک اور شخص اگر زیادہ قیمت کی پیش کش کرے یا اسی قیمت کی پیش کش کرے لیکن وہ شخص بائع کے نزدیک صاحب وجاہت ہو اس وجہ سے وہ اس کے ہاتھ مبیع کو فروخت کر دے، اور بیع پر بیع کرنے کی صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری ایک چیز کی ایک قیمت پر راضی ہو جائیں پھر ایک شخص آکر کہے میں تم کو یہ چیز اس سے کم قیمت پر دوں گا اس سے فروخت کرنے والے کو ضرر ہو گا، پس ظاہر ہو گیا کہ بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ کی الگ الگ صورتیں ہیں اور دونوں کے سلسلہ میں حدیثیں ہیں اس وجہ سے اس حدیث میں بیع کو مجازاً نرخ پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کی گنجائش اس وقت ہوتی جب نرخ پر نرخ کی ممانعت کی حدیث نہ ہوتی اور جب یہ حدیث موجود ہے تو بیع کو نرخ پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟[3]

راقم الحروف یہ کہتا ہے کہ بیع پر بیع کی صحیح اور مفصل صورت علامہ نووی شافعی نے بیان کی ہے اور علامہ نووی سے زیادہ تفصیل علامہ مرداوی حنبلی نے بیان کی ہے، ان دونوں کی عبارات ہم بیان کر چکے ہیں۔

فقہاء مذاہب اربعہ کی عبارات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ نے نرخ پر نرخ لگانے اور بیع پر بیع کرنے دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے، فقہاء مالکیہ نے بیع پر بیع کرنے کو نرخ پر نرخ لگانے پر محمول کیا ہے، فقہاء احناف میں سے اکثر کے اقوال مالکیہ کی طرح ہیں، علامہ ابن ہمام نے ہر چند کہ باقی فقہاء سے اختلاف کر کے دونوں صورتوں کو الگ الگ قرار دیا ہے لیکن انہوں نے جو دو صورتیں بیان کی ہیں وہ دونوں درحقیقت نرخ پر نرخ لگانے کی صورتیں ہیں کیونکہ دونوں صورتیں بیع منعقد ہونے سے پہلے کی ہیں۔

علامہ شامی نے بھی حدیث شریف کے مطابق نرخ اور بیع دونوں کی ممانعت بیان کی ہے، البتہ بیع پر بیع کی صورت فتح القدیر کے حوالے سے انہوں نے وہی بیان کی ہے جو نرخ پر نرخ لگانے کی صورت ہے، اس مسئلہ پر انہوں نے خود غور نہیں کیا، ایک چیز زائد انہوں نے علامہ خیر الدین رملی کے حوالے سے یہ بیان کی ہے کہ اجارہ پر اجارہ بھی ممنوع ہے۔[4]

نجش کے حکم میں مذاہب اربعہ

حدیث نمبر ۳۷۰۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ نجش کا لغوی معنی جوش دلانا ہے، ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی دھوکا دینا ہے، ہروی نے کہا اس کا معنی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے۔ علامہ نووی نجش کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ نجش یہ ہے کہ

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۹۹ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

ایک آدمی مبیع کی قیمت زیادہ لگائے اور اس سے اس کا مقصد مبیع میں رغبت اور اس کو خریدنا نہ ہو بلکہ اس کا مقصد دوسرے شخص کو دھوکے سے پھنسانا ہو وہ اس کو قیمت بڑھانے اور خریدنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے، اور اگر اس دوسرے شخص نے اس مبیع کو خرید لیا تو بیع صحیح ہے اور اس کا گناہ نجش کرنے والے پر ہے اور اگر اس کی اور بائع دونوں کی ملی بھگت ہو تو دونوں پر گناہ ہے۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے کیونکہ حدیث میں ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے[1]

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: جب کسی چیز کی اصل قیمت لگا دی جائے اس کے بعد کوئی شخص اس کی قیمت بڑھائے حالانکہ وہ خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ دوسرے شخص کو ترغیب دینا چاہتا ہو تو یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کیونکہ یہ مسلمان کو دھوکا دینا ہے اور اس پر ظلم ہے، ہاں اگر کسی چیز کی قیمت نہ لگائی گئی ہو اور وہ خریدنے کا ارادہ کیے بغیر اصل قیمت لگوانے کے لیے بڑھائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں کسی کو ضرر پہنچائے بغیر مسلمان کو نفع پہنچانا ہے یہ اس وقت ہے جب دوسرا شخص اس چیز کو کم قیمت سے خریدنا چاہتا ہو[2]

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: نجش کے ممنوع ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، البتہ جب نجش کے ساتھ بیع ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا قول ہے کہ یہ بیع فاسد ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ یہ عیب کی طرح ہے اور خریدار کو اس میں اختیار ہے، اگر وہ اس بیع کو رد کرے گا تو بیع رد کر دی جائے گی۔ اور اگر وہ مبیع کو رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نجش کرنے والا گنہگار ہوگا لیکن بیع ہو جائے گی۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن ہوتی ہے اگر چہ ممانعت نفس شی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ خارج کی وجہ سے ہو، جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن ہوتی ہے۔ وہ بیع کو جائز نہیں کہتے اور جو کہتے ہیں کہ نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن نہیں ہوتی وہ بیع کو جائز کہتے ہیں۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ نہی جب منہی عنہ کی ذات میں کسی وصف کی وجہ سے وارد ہوئی ہو تو فساد کو متضمن ہوتی ہے جیسے ربٰو اور غرر سے نہی ہے۔ اور جب نہی کسی خارجی سبب سے آئی ہو تو فساد کو متضمن نہیں ہوتی۔[3]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جس شخص کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو وہ سودے کی قیمت میں اضافہ کرے تاکہ خریدار دھوکے میں آکر قیمت بڑھائے تو یہ نجش ہے اور حرام ہے ——— اگر کوئی شخص نجش کے ساتھ کسی چیز کو خرید لے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کا خریدنا صحیح ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی موقف ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے۔ فقیہ ابوبکر کا بھی مختار ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے کیونکہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نہی ناجش کی طرف راجع ہے۔ عاقد کی طرف راجع نہیں ہے اس لیے بیع میں مؤثر نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ نہی آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، ایسی بیع فاسد نہیں ہوگی، جیسے

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۶ - ۱۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

عیب کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی، برخلاف اس کے عیب اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ممانعت ہو، کیونکہ جو ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہو اس کی تلافی خیار فسخ سے ہو سکتی ہے۔ اگر نجش کے ساتھ بیع میں اتنا غبن کیا گیا ہو جتنا عادۃً نہیں ہوتا تو خریدار کو اختیار ہے [illegible] اگر اتنا غبن [illegible] تو خریدار کو اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک نجش حرام اور ناجائز ہے لیکن اگر نجش کے ساتھ بیع ہو جائے تو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیع صحیح ہے اور امام مالک کے نزدیک بیع باطل ہے، امام احمد بن حنبل سے بھی یہ ایک روایت ہے لیکن یہ جمہور فقہاء حنبلیہ کا مختار نہیں ہے۔ علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی نے اس مسئلہ کی بہت عمدہ تقریر کی ہے۔[1]

نیلام کی بیع میں مذاہب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے، اس وجہ سے بعض فقہاء نے نیلام کی بیع کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ نیلام میں بھی لوگ خریدار کی بولی پر بڑھ چڑھ کر بولی لگاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی کے نزدیک نیلام کی بیع مکروہ ہے، امام اوزاعی اور امام اسحاق کے نزدیک یہ بیع صرف غنائم اور مواریث میں جائز ہے اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک یہ بیع مطلقاً جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۵۴)۔ جو فقہاء اس بیع کو مکروہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن سفیان بن وھب قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن المزایدۃ

حضرت سفیان بن وہب کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیع میں بڑھ چڑھ کر قیمت لگانے سے منع فرماتے تھے۔

حافظ نور الدین الہیثمی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔[3]

جمہور فقہاء اس حدیث کو نجش پر محمول کرتے ہیں۔

جو فقہاء اس بیع کو صرف غنائم اور مواریث کے ساتھ خاص کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عن زید بن اسلم قال سمعت رجلا یسئل ابن عمر عن بیع المزایدۃ فقال ابن عمر نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع احدکم علی بیع اخیہ الا الغنائم والمواریث۔[4]

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے نیلام کی بیع کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عمر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم اور مواریث کے سوا بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا جواب حافظ الہیثمی کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ، المغنی (مع الشرح) ج ۴ ص ۳۰۱ ـ ۳۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ
[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ
[3] ،، ،، ،، ،، ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۴۰۲ھ
[4] ،، ،، ،، ،، ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۲ ،، ،، ،،

قلت هو فی الصحیح خلا قوله الا الغنائم والمواریث رواه احمد والطبرانی فی الاوسط۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ غنائم اور مواریث کے سوا الفاظ حدیث صحیح میں ہیں، اس کو احمد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باع حلسا و قدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح فقال رجل اخذتھما بدرھم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یزید علی درھم من یزید علی درھم فاعطاہ رجل درھمین فباعھما منہ ھذا حدیث حسن۔ [2]

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچا اور فرمایا اس چادر اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں ان کو ایک درہم میں لوں گا، آپ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک شخص نے دو درہم دیے۔ آپ نے وہ پیالہ اور چادر اس شخص کو دے دیے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں بہت تفصیل سے روایت کیا ہے [3] امام نسائی نے اس کو کتاب البیوع میں نہایت اختصار سے روایت کیا ہے [4] امام ابن ماجہ نے اس کو ابواب التجارات میں تفصیل سے روایت کیا ہے [5] اور حافظ نور الدین الہیثمی نے اس کو مسند احمد کے حوالے سے تفصیلاً ذکر کیا ہے [6]

نیلام کی بیع کے جواز پر نجش کی ممانعت سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے زیادہ قیمت لگانے سے اس وقت منع کیا ہے جب کہ قیمت لگانے والے کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو اس سے بطور مفہوم مخالف کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب خریدنے کے ارادہ سے قیمت زیادہ لگائی جائے تو جائز ہے۔ ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال درست نہیں ہے لیکن باقی ائمہ کے نزدیک یہ استدلال صحیح ہے اور نیلام کی بیع کا جواز ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اس باب کی احادیث میں تلقی الجلب اور مصراۃ کا بھی ذکر ہے لیکن چونکہ صحیح مسلم میں ان کا ذکر مستقل ابواب کے تحت ہے، اس لیے ان شاء اللہ ہم ان پر وہیں بحث کریں گے۔

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ۔

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۹۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ۔

[4] امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۹ - ۱۵۸

[6] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ

بَابُ ۴۸: تَحْرِيمِ تَلَقِّي الْجَلَبِ

تلقی جلب کی ممانعت

۳۷۰۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ ح قَالَ وَثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى قَالَ ثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ح قَالَ وَثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُتَلَقَّى السِّلَعُ حَتَّى تَبْلُغَ الْأَسْوَاقَ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ نُمَيْرٍ وَقَالَ الْآخَرَانِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّلَقِّي۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودا بیچنے والوں کی ملاقات سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ خود بازار نہ پہنچ جائیں۔ یہ الفاظ ابن نمیر کی روایت میں ہیں، اور دوسرے راویوں نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملنے سے منع فرمایا۔

۳۷۱۰ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت کرتے ہیں۔

۳۷۱۱ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوعِ۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (آگے جاکر) سوداگروں کے ملنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۱۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا هُشَيْمٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آگے جاکر) سوداگروں کے ملنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۱۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ هِشَامُ الْقُرْدُوسِيُّ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّى فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سودا بیچنے والوں سے (آگے جاکر) نہ ملو، جس نے پہلے آگے جاکر سودا خرید لیا پھر سودے کا مالک بازار گیا (اور اس کو بازار کا بھاؤ معلوم ہو گیا) تو اس کو (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے۔

تلقی جلب کا معنی

تلقی کا معنی ہے ملنا، ملاقات کرنا اور جلب کا معنی ہے کسی چیز کو ہانک کر لانا۔ جلب جالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دیہاتوں سے سودا لے کر شہر میں بیچنے کے لیے آتے ہیں۔

تلقی جلب سے ممانعت کی حکمت

تلقی جلب کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کران تاجروں کا استقبال کرے جو شہر میں فروخت کرنے کے لیے غلہ اور دیگر اجناس لاتے ہیں، اور وہ شخص ان تاجروں کے شہر میں داخل ہونے اور شہر کا نرخ معلوم ہونے سے پہلے ان سے ان کا مال خرید لے۔ اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ تاجروں کو ضرر سے بچایا جائے کیونکہ جب وہ شہر کا بھاؤ معلوم ہونے سے پہلے اپنا مال فروخت کر دیں گے تو بسا اوقات ان سے ملاقات کرنے والا شہر کے نرخ سے کم قیمت پر ان سے مال خریدے گا اس طرح وہ تاجر نفع سے محروم رہیں گے۔ دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس ممانعت سے مقصود شہر والوں کو ضرر سے بچانا ہے کیونکہ اگر تاجر خود شہر آکر سستے داموں سے اپنا مال فروخت کرتے تو تمام شہر والے کم قیمت سے مال خرید کر فائدہ اٹھاتے اور اب صرف اس ایک شخص نے فائدہ اٹھایا اور باقی شہر والوں کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے منع فرما دیا۔

تلقی جلب میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی نے تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خرید لی اور بازار میں جاکر تاجروں کو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا ہے تو اگر وہ بیع فسخ کرنا چاہیں تو بیع فسخ کر سکتے ہیں" اہل علم میں سے عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، لیث، اوزاعی، امام شافعی اور اسحاق نے اس بیع کو مکروہ قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اتباع کے زیادہ لائق ہے (یہاں ابن قدامہ کو تسامح ہوا ہے امام اعظم کے نزدیک ضرر کی صورت میں یہ بیع مکروہ تحریمی ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو پھر اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے اور باقی ائمہ کے اقوال کا بھی یہی مآل ہے۔ علامہ ابن قدامہ کا شکوہ بے جا ہے — سعیدی غفرلہ) علامہ عبدالبر نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اس حکم کی مخالفت کی اور تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خرید لی تو تمام فقہاء کے نزدیک بیع صحیح ہے، امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلقی جلب نہ کرو پس جس شخص نے تلقی جلب کر کے تاجر سے کوئی چیز خرید لی اور پھر تاجر بازار گیا تو اس

کو اختیار ہے (صحیح مسلم) اور اختیار صرف عقد صحیح میں ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فی ذاتہٖ بیع کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے مگر یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ تاجروں کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے جس کی تلافی بائع کو خیار فسخ دے کر ہو سکتی ہے۔ پس یہ بیع مصراۃ کے مشابہ ہے (امام ابوحنیفہ کے بھی یہی دلائل ہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہو گا۔ سعیدی غفرلہٗ) برخلاف شہری کی دیہاتی سے بیع کے، کیونکہ اس میں تاجر کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو ضرر ہے اور جب یہ مقرر ہو گیا تو بائع کو غبن کا علم ہونے کے بعد بیع رد کرنے کا اختیار ہے اور اصحاب رائے نے یہ کہا ہے کہ اس کو اختیار نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ بائع کو اختیار ہے اور آپ کے قول کے مقابلہ میں کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ (د بہ اقول۔ سعیدی) اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ بائع کو صرف غبن کی صورت میں اختیار ہے کیونکہ یہ اختیار ضرر کی وجہ سے ہے اور عدم غبن کی شکل میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

امام شافعی کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔[1]

تلقی جلب میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: "تلقی رکبان (تلقی جلب) حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک جماعت طعام لے کر شہر آئے اور کوئی شخص ان کے شہر پہنچنے اور نرخ پر آگاہ ہونے سے پہلے ان سے مال خریدے۔ اس کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ ممانعت کا علم ہونے کے باوجود قصداً تلقی کرے۔ اور اگر کسی شخص نے اس حکم کی مخالفت کر کے تلقی کر لی اور مال خرید لیا تو وہ گنہگار ہو گا اور بیع صحیح ہے، اور جب تک تاجر شہر میں آ کر نرخ معلوم نہ کر لیں ان کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے بعد ان کے لیے اختیار ثابت ہو گا بشرطیکہ ان سے شہر کی قیمت سے کم پر مال خریدا گیا ہو، خواہ خریدار نے ان کو سچ خبر دی ہو یا جھوٹ، اور اگر ان سے شہر کی قیمت کے برابر یا زیادہ قیمت سے خریدا گیا ہو تو پھر دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں ان کو اختیار نہیں ہے، اور اگر تاجروں نے ملاقات کرنے والے سے خود خریدنے کی درخواست کی خواہ انہیں شہر کی قیمت کا علم تھا یا نہیں تو اس میں دو قول ہیں۔ اور اگر کسی شخص نے قصداً تلقی نہیں کی مثلاً وہ شکار یا کسی اور غرض سے شہر سے باہر نکلا اور تاجروں کو دیکھ کر ان سے کوئی چیز خرید لی تو اس میں بھی دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ گنہ گار نہیں ہو گا کیونکہ اس نے قصداً تلقی نہیں کی، اور جمہور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ گنہ گار ہو گا کیونکہ ممانعت اس صورت کو بھی شامل ہے۔ پہلے قول کی تقدیر پر ان کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے اور دوسرے قول پر ان کو رد کرنے اختیار ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: جن صورتوں میں اختیار ہے ان میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ اختیار علی الفور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اختیار تین دن تک رہے گا۔[2]

تلقی جلب میں فقہاء مالکیہ کا موقف

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے فرمایا تلقی جلب کی ممانعت سے بازاروں کو ضرر سے بچانا مقصود ہے کیونکہ جب ایک

---

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴، ص ۱۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۴۱۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

شخص شہر سے آگے جاکر تاجروں سے اشیاء خرید ے گا تو باقی بازار والے اس فائدے سے محروم رہیں گے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک تاجر شہر کے بازاروں میں نہ پہنچ جائیں کسی شخص کے لیے ان سے سودا خریدنا جائز نہیں ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب شہر کے قریب تاجروں سے مال خریدا جائے اور اگر دور جاکر خریدیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مذہب یہ ہے کہ قرب کی حد اندازاً چھ میل ہے نیز امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر یہ بیع ہوگئی تو جائز ہے لیکن خریدار بازار والوں کو بھی اس سودے میں شریک کرے۔[1]

تلقی جلب میں غیر مقلدین کا موقف

شیخ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں: کسی شخص کے لیے بھی تلقی جلب جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کے لیے قصداً شہر سے نکلے یا تاجروں کے راستے پر کھڑا ہو، خواہ ملاقات کی جگہ شہر سے قریب ہو یا دور، خواہ وہ شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر کھڑا یا اس سے کم، قربانی کے لیے خریدنا چاہتا ہو یا کھانے پینے کے لیے، خواہ تلقی سے ضرر ہو یا نہ ہو، جس شخص نے تلقی جلب سے کوئی چیز خریدی خواہ وہ کوئی چیز ہو تو تاجروں کو بازار میں جانے کے بعد بیع رد کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ کئی سالوں کے بعد بازار جائیں اور ان کی رضامندی کا اس وقت اعتبار ہوگا جب وہ اپنی رضامندی کی تصریح کریں ان کا خاموش ہونا رضامندی نہیں ہے خواہ انھیں علم ہو یا نہ ہو، اگر خریدار مر جائے پھر بھی تاجروں کا خیار باقی رہے گا اور اگر تاجر مر جائے تو بیع مکمل ہو جائے گی، شیخ ابن حزم نے اپنے موقف پر متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے اکثر صحیح مسلم کے اس باب میں مذکور ہیں ان کا جملہ یہ حدیث ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سودا بیچنے والوں سے (آگے جاکر) نہ ملو، جس نے پہلے جاکر سودا خرید لیا پھر وہ بازار گیا (اور اس کو بازار کا بھاؤ معلوم ہوگیا) تو اس کو (فسخ بیع کا) اختیار ہے۔[2]

تلقی جلب میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی فرماتے ہیں: اگر تلقی جلب سے شہر والوں کو حرج ہو (مثلاً اس چیز کا قحط ہو) تو یہ مکروہ تحریمی ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے، الا یہ کہ تلقی کرنے والا تاجروں پر قیمت ملتبس اور مشتبہ کر دے اس وقت غرر اور ضرر کی وجہ سے یہ بیع مکروہ تحریمی ہے۔[3]

فقہاء احناف کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن نافع عن عبد اللہ قال کنا نتلقی الرکبان فنشتری منھم الطعام فنھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیعہ حتی نبلغ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم تاجروں سے ملاقات کرکے ان سے طعام خریدتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طعام کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع کیا جب تک کہ ہم

---

[1] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[2] ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۴۴۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۵۰ھ

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۶۷ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، ۱۳۹۶ھ

به سوق الطعام۔[1] اس طعام کو طعام کے بازار میں نہ لے جائیں۔

اس حدیث میں تلقی جلب کو مباح رکھا گیا ہے (اور قبضہ سے پہلے بیع کو منع کیا گیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں ممانعت ہے وہ کسی علت پر مبنی ہیں اور وہ علت ضرر ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تلقوا الجلب فمن تلقی فاشتری منہ فاذا اتی سیدہ السوق فھو بالخیار۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلقی جلب نہ کرو، جس شخص نے تلقی کی اور تاجروں سے خرید لیا تو جب وہ تاجر بازار جائے گا تو اس کو بیع رد کرنے کا اختیار ہوگا۔

اگر تلقی جلب مطلقاً حرام اور ممنوع ہوتی جیسا کہ شیخ ابن حزم نے اسی حدیث سے سمجھا ہے تو یہ بیع مطلقاً باطل ہوتی اور بائع اور مشتری دونوں کو اس بیع کے فسخ کرنے پر مجبور کیا جاتا اور بازار جانے کی تقدیر پر بائع کو خیار فسخ نہ دیا جاتا۔ بائع کو خیار فسخ دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بیع کا انعقاد صحیح ہے البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بائع کو اس بیع میں دھوکا دیا گیا تھا تو غرر اور ضرر کی وجہ سے اس کو خیار فسخ ہوگا۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ بیع کی کراہت کی علت غرر اور ضرر ہے اور یہ وجہ نہ پائی جائے تو بیع صحیح ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

شیخ ابن حزم نے اپنی شیریں گفتاری کی وجہ سے احناف کے استدلال کو عادات خبیثہ سے تعبیر کیا ہے![3]

تلقی جلب میں خیار کی نفی کی وجہ سے فقہاء احناف پر مخالفت حدیث کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس باب کی حدیث نمبر ۳۷۱۳ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خریدے تو شہر میں آنے کے بعد تاجروں کو اس بیع کے رد کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین اس بیع میں تاجروں کے حق استرداد کے قائل ہیں البتہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ تاجروں کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہے، چونکہ ان کا یہ قول بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے اس وجہ سے فقہاء احناف نے اس حدیث کے متعدد جوابات دیے ہیں:

امام طحاوی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم تلقی کیے جانے والے بائع کے لیے اختیار نہیں مانتے حالانکہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[3] شیخ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۴۵۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البیعان بالخیار ما لم یتفرقا "جب تک بائع اور مشتری الگ الگ نہ ہوں ان کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے۔" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب وہ الگ الگ ہو جائیں تو پھر ان کا اختیار نہیں رہتا۔ رہا خیار رویت تو چونکہ وہ تواتر کے ساتھ آثار صحابہ سے ثابت ہے اس لیے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ احناف نے حدیث مذکور (البیعان بالخیار ما لم یتفرقا) کے قاعدہ سے "تلقی کیے جانے والے بائع کے اختیار کی نفی کی ہے، اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں جو اس کے لیے اختیار ثابت ہے وہ دیانت پر محمول ہے یعنی اس حدیث کے مطابق بائع کے لیے اختیار دیانۃً ہے قضاءً نہیں ہے جیسا کہ "البیعان بالخیار ما لم یتفرقا" کا مقتضیٰ ہے۔ ہم نے "البیعان بالخیار" کو اصل اور قضاء پر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کو دیانت پر اس لیے محمول کیا ہے کہ پہلی بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے اور دوسری روایت میں امام مسلم منفرد ہیں۔

علامہ ابن الملک حنفی نے کہا ہے کہ یہ حدیث متروک الظاہر ہے کیونکہ تلقی کرنے والا اگر بائع سے شہر کی قیمت پر مال خریدے یا اس سے زیادہ قیمت پر مال خریدے تو پھر بالاتفاق بائع کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے (جیسا کہ روضۃ الطالبین کے حوالے سے گذر چکا ہے)۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ بغیر شرط کے اختیار ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جب تم بیع کرو تو تین دن تک اختیار کی شرط لگا لیا کرو"[2] اس لیے بغیر شرط کے اختیار ثابت نہیں ہوگا، ہر چند کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے لیکن مخالفین پر حجت ہے۔ الغرض حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت چونکہ "البیعان بالخیار" اور حبان بن منقذ کی روایات اور اس کا عموم درایت کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ ابن الملک کی تقریر سے ظاہر ہو گیا اس لیے یہ حدیث متروک الظاہر ہے اور اس کی یہی توجیہ ہے کہ یہ دیانت پر محمول ہے۔

فقہاء احناف میں سے علامہ ابن ہمام نے ایک الگ موقف اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں چونکہ اس مسئلہ میں امام اعظم کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہے اس لیے حدیث پر عمل کیا جائے اور امام اعظم کے قول کو چھوڑ دیا جائے۔ لکھتے ہیں:

وكذا البيع من القادمين مع حاجة المقيمين فانه لم يرض بالثمن المذكور الا على تقدير كونه سعر البلد فيجب ان يكون غير منعقد لعدم الرضا به

جب شہر والوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو اس وقت اگر کوئی شخص باہر سے آنے والے تاجروں سے بیع کرے تو اس کا غیر منعقد ہونا واجب ہے۔ کیونکہ شہر کے بھاؤ پر فروخت کیے بغیر تاجر راضی نہیں ہوں گے۔ اس لیے عدم رضا

---

[1] امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور، ۱۴۰۴ھ
[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۴۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

كقول مالك او يثبت له خيار الفسخ كقول الشافعي وكون الوصف مجاورًا اولازمًا لا ينفي ما ذكرنا اذ الاصطلاحات لا تنفي المعاني الحقيقية المقتضية البطلان او الفساد على ان معنى الفساد ليس الا كون العقد مطلوب التفاسخ للمعصية بمباشرة المنهي عنه[1]

کی بناء پر امام مالک کے قول کے مطابق اس بیع کا غیر منعقد ہونا واجب ہے یا امام شافعی کے قول کے مطابق اس میں بائع کے لیے خیار فسخ واجب ہے۔ جس وصف کی وجہ سے اس بیع کی ممانعت کی گئی ہے (مثلاً غرر) ہر چند کہ وہ وصف بیع کو عارض یا لازم ہے اور بیع میں داخل نہیں ہے لیکن اس سے ہماری بات کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ اصطلاحات ان اسباب حقیقیہ کی نفی نہیں کرتیں جو بیع کے فساد یا بطلان کا تقاضا کرتی ہیں، کیونکہ فساد صرف اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اس عقد کی وجہ سے ممنوع کام کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے یہ عقد فسخ کا تقاضا کرتا ہے۔

علامہ ابن ہمام کی اس علمی اور دقیق گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا کہ انھوں نے خیار فسخ کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی بناء حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ صحیح حدیث ہے، اور جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے سامنے کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے اس لیے واجب الاعتبار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور جس طرح خیار رویت کو "البیعان بالخیار" سے خارج اور مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اسی طرح تلقی جلب میں بائع کے خیار کو بھی مستثنیٰ کرنا چاہیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو متروک قرار دینے کے بجائے امام اعظم کے قول کو ترک کر دینا چاہیے، هذا مذهبي وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

نوٹ: علامہ ابن ہمام سے یہاں امام مالک کا مذہب بیان کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ امام مالک کا صحیح مذہب وہ ہے جس کو ہم نے بدایۃ المجتہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے۔

بَابُ[۴۸۹] تَحْرِيْمِ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ

شہری کو دیہاتی کا مال فروخت کرنے کی ممانعت

۳۷۱۴ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَقَالَ زُهَيْرٌ عَنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے، زہیر کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کو دیہاتی کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا۔

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنْ تَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ۔

٣٧١٥- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ وَاَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَوْلُهُ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ لَا يَكُنْ لَهُ سِمْسَارًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کو ملنے سے منع فرمایا اور شہری کو دیہاتی کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا۔ طاؤس کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا شہری کو دیہاتی کی بیع سے ممانعت کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا اس کا دلال نہ بنے۔

٣٧١٦- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ اَنَا اَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے، لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے۔

٣٧١٧- وَحَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

امام مسلم ایک اور سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

٣٧١٨- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نُهِينَا اَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَاِنْ كَانَ اَخَاهُ اَوْ اَبَاهُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اس چیز سے منع کیا گیا ہے کہ شہری دیہاتی سے بیع کرے خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بھائی ہو۔

٣٧١٩- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا مُعَاذٌ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نُهِیْنَا اَنْ یَّبِیْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ۔

ہمیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ شہری دیہاتی سے بیع کرے۔

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: شہری کی دیہاتی سے بیع حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ دیہاتی اس وقت کے نرخ پر سودا فروخت کرنے کیلئے شہر میں لائے اور اس کے پاس شہری آ کر کہے کہ اپنا سامان میرے پاس رکھو تاکہ میں تمہارے سامان کو موجودہ نرخ سے زیادہ پر بتدریج بیچ دوں۔ اس بیع کی تحریم کی حسب ذیل شروط ہیں:

(ا) بیع کرنے والے کو علم ہو کہ یہ بیع منع ہے اور یہ شرط تمام ممنوعات کو شامل ہے۔

(ب) جس سودے کو بیچنے کے لیے لایا گیا ہو اس کی لوگوں کو عام حاجت ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں۔ اور جن چیزوں کی عام ضرورت نہیں ہوتی وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔

(ج) اس چیز کی بیع سے شہر میں وسعت ہو اگر شہر کے بڑے ہونے یا اس چیز کے کم ہونے یا اس چیز کے عام ہونے اور نرخ کے کم ہونے کی وجہ سے یہ وسعت نہ ہو تو پھر دو قول ہیں اور حدیث کے موافق یہ ہے کہ پھر بھی حرام ہے۔

(د) شہری، دیہاتی پر بیع پیش کرے اور اس کو بیع کی دعوت دے۔ لیکن اگر دیہاتی نے خود شہری سے بیع کی درخواست کی ہے یا اس چیز کو بیچنے کے لیے شہری کے پاس ٹھہرنے کا قصد کیا ہے اور شہری نے کہا یہ معاملہ میرے سپرد کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو ضرر نہیں ہے۔

اگر ان چاروں شرطوں کے باوجود شہری دیہاتی سے سودا خریدے تو اس کا یہ فعل حرام ہے، وہ گنہگار ہوگا اور بیع صحیح ہے اور خریدنے والے کے لیے خیار شرط نہیں ہوگا۔[1]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: کہ اگر شہری دیہاتی سے بیع کرے تو یہ بیع باطل ہے (الی قولہ) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے، اور ابو اسحٰق بن شاقلا نے نقل کیا ہے کہ حسن بن علی مصری نے امام احمد سے پوچھا کہ شہری کا دیہاتی سے خریدنا جائز ہے؟ امام احمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے! حسن بن علی مصری نے کہا جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟ امام احمد نے فرمایا یہ ابتداء اسلام پر محمول ہے جب مسلمان تنگ حال تھے۔ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے (امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بیع علی الاطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ خاص صورت میں صحیح ہے علامہ ابن قدامہ نے امام

---

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۴۱۲، مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ۔

ابوحنیفہ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا ـــــ سعیدی) علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ مختار پہلا قول ہے کیونکہ حدیث میں نہی عام ہے۔ خرقی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بیع کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں:

(ا) شہری دیہاتی سے بیع کرنے کا قصد کرے۔

(ب) دیہاتی کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو۔

(ج) دیہاتی شہر میں سودا فروخت کی غرض سے لایا ہو۔

قاضی نے دو شرطیں مزید عائد کی ہیں:

(د) دیہاتی اس دن کے بھاؤ پر بیچنے کے لیے مال لایا ہو۔

(ہ) شہر والوں کو اس مال کی ضرورت ہو اور بیع میں تاخیر سے ان پر تنگی ہو۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ جب یہ شرائط پائی جائیں تو بیع حرام ہے۔ علامہ خرقی اور امام احمد نے اس بیع کے بطلان کی تصریح کی ہے اگرچہ امام احمد سے ایک قول اس بیع کے جواز کا بھی منقول ہے۔[۱]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء مالکیہ کا موقف

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ شہری دیہاتیوں سے بالکل بیع نہ کرے۔ اور ابن حبیب سے یہ روایت ہے کہ شہریوں کا خانہ بدوشوں سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔[۲]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے اس بیع کو بالخصوص خانہ بدوشوں پر محمول کیا ہے جو شہر کے نرخ سے ناواقف ہوتے ہیں اور شہریوں کی خانہ بدوشوں سے بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔[۳]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: شہری کی دیہاتی سے بیع اس وقت منع ہے جب شہر میں قحط ہو یا اس چیز کی ضرورت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شہری دیہاتی سے مہنگے داموں بیچنے کی طمع میں کوئی چیز خریدے کیونکہ اس میں اہل شہر کو ضرر ہے۔ ہاں اگر ان کو ضرر نہ ہو تو پھر جائز ہے۔[۴]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ شہری دلال دیہاتی کو بیع سے روک دے، اور اس سے کہے تم خود نہ بیچو۔ میں اس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور شہری اس سے خرید کر مہنگے داموں بیچ دے اور اگر وہ اس کو چھوڑ دیتا اور دیہاتی خود بیچتا تو شہر والے اس چیز کو سستے داموں سے خریدتے۔[۵]

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۵۱ ـ ۱۵۰ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۔ علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۴۷ مطبوعہ مطبع مکتبہ شرکیہ ملتان ۱۳۹۶ھ

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بَابُ ۳۸۹ حُكْمِ بَيْعِ الْمُصَرَّاةِ

بیع مصراۃ کا حکم

۳۷۲۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَلْيَنْقَلِبْ بِهَا فَلْيَحْلُبْهَا فَإِنْ رَضِيَ حِلَابَهَا أَمْسَكَهَا وَإِلَّا رَدَّهَا وَمَعَهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصراۃ (وہ دودھ دینے والی بکری یا گائے جس کے تھن باندھ کر دودھ روک دیا گیا ہو) خریدے پھر اسے جاکر اس کا دودھ نکالے پھر اگر اس کو دودھ (کی مقدار) پسند آجائے تو اس کو رکھ لے ورنہ اس کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے۔ (ایک صاع ۴۰۲۵ ملی گرام کے برابر ہے)۔

۳۷۲۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ فِيهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مصراۃ بکری خریدی اُس کو تین دن تک اس کا اختیار ہے کہ چاہے تو اس بکری کو رکھ لے اور اگر چاہے تو اس بکری کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے۔

۳۷۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ قَالَ نَا أَبُو عَامِرٍ يَعْنِي الْعَقَدِيَّ قَالَ نَا قُرَّةُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مصراۃ بکری خریدی اس کو تین دن تک اختیار ہے اگر وہ اس کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع طعام بھی دے گندم ضروری نہیں ہے۔

۳۷۲۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصراۃ بکری

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا وَاِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ لَّا سَمْرَاءَ.

خریدے اس کو دو باتوں کا اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس بکری کو رکھ لے اور اگر چاہے تو اس بکری کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے، گندم دینا ضروری نہیں ہے۔

۳۷۲۴۔ وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ اَيُّوْبَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى مِنَ الْغَنَمِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اس میں بکری کے لیے شاۃ کی بجائے غنم کا لفظ ہے۔

۳۷۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ نَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِيْثَ مِنْهَا وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَا اَحَدُكُمُ اشْتَرٰى لِقْحَةً مُصَرَّاةً اَوْ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِمَّا هِيَ وَاِلَّا فَلْيَرُدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مصراۃ اونٹنی یا مصراۃ بکری خریدے تو دودھ دوہنے کے بعد اس کو دو چیزوں کا اختیار ہے یا تو اس کو رکھ لے یا واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس دے۔

مصراۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مصراۃ کا مصدر تصریہ ہے اور مادہ صری ہے اس کا معنی ہے جمع کرنا عرب کہتے ہیں "صریت الماء فی الحوض" "میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا" "صری الماء فی ظھرہ" "اس کی پشت میں پانی جمع ہے، یعنی اس نے شادی نہیں کی۔ ابو عبید نے کہا اس کا معنی روکنا ہے" "التصریۃ حبس الماء" "تصریہ کا معنی پانی روکنا ہے، امام شافعی نے کہا تصریہ، یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کے تھنوں کو باندھ دیا جائے اور دو تین دن ان کا دودھ نہ دوہا جائے حتیٰ کہ ان کا دودھ جمع ہو جائے اور اس وجہ سے خریدار یہ گمان کرے کہ یہ عادۃً اتنا دودھ دیتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ لگائے۔

تصریہ خواہ بکری کا ہو یا اونٹنی کا یا کسی اور دودھ دینے والے جانور کا، یہ حرام ہے کیونکہ اس میں خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے اور بیع صحیح ہے اس میں حسب ذیل مذاہب ہیں:

مصراۃ کی بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ تصریہ حرام ہے اور بیع صحیح ہے، اور جب خریدنے والے کو تصریہ کا علم ہو جائے تو وہ اس مصراۃ کو واپس کر سکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ دھوکے سے بیع کی گئی ہے۔ اس امر میں ہمارے اصحاب شافعیہ کا اختلاف ہے کہ علم کے باوجود آیا یہ اختیار اسی وقت ہوتا ہے یا تین دن تک رہتا ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اختیار اسی وقت ہوتا ہے البتہ اگر اس کو فوراً پتا نہ چلے تو تین دن تک یہ اختیار رہتا ہے کیونکہ عموماً تین دن سے پہلے اس کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب دوسرے دن پہلے دن سے کم دودھ نکلے تو یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس دن کم کھایا ہو یا اور کوئی وجہ ہو لیکن جب لگاتار تین دن تک وہ کم دودھ دے تو اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مصراۃ ہے۔ پھر جب دودھ دوہنے کے بعد وہ مصراۃ کو واپس کرنے کا فیصلہ کرے تو اس کو ایک صاع کھجور بھی دینا ہوگی، خواہ دودھ کم دوہا ہو یا زیادہ اور خواہ مصراۃ بکری ہو، اونٹنی ہو یا گائے۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام مالک، لیث، ابن ابی لیلیٰ، ابویوسف، ابوثور اور دیگر فقہاءؒ اور محدثین کا بھی یہی موقف ہے اور یہی نظریہ سنت کے موافق ہے اور ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا قول یہ ہے کہ شہر کے عام طعام میں سے ایک صاع دے یہ کھجور کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (ایک صاع چار کلوگرام اور ڈھائی سو گرام کے برابر ہے) امام ابوحنیفہ، بعض مالکیہ اور عراق کے بعض علماء اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک صاع کھجور نہیں دی جائے گی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی کوئی چیز تلف کر دے تو اگر وہ مثلی ہو تو اس کی مثل دی جاتی ہے، ورنہ اس کی قیمت اور اس کے بدلہ میں کسی اور جنس کی کوئی چیز دینا خلاف قاعدہ ہے، اور جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کسی چیز کا سنت میں حکم آ جائے تو اس پر عقل سے اعتراض نہیں کیا جاتا۔

حدیث میں جو ایک صاع کھجور واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی عام خوراک کھجوریں تھیں، اس لیے شریعت کا حکم اسی پر باقی اور مستمر رہا۔ اور دودھ کی مثل یا اس کی قیمت کو نہیں واجب کیا بلکہ دودھ قلیل ہو یا کثیر ہر حال میں ایک صاع کھجوروں کو واجب کیا ہے تاکہ ایک شرعی ضابطہ مقرر ہو جائے اور اختلاف کی صورت میں اس ضابطہ کی طرف رجوع کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف اور نزاع دور کرنے پر بہت حریص تھے، نیز بیع مصراۃ اکثر دیہاتوں میں ہوتی ہے جہاں اکثر دودھ تلف ہو جاتا ہے اور اس کی قلت اور کثرت میں اختلاف ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ان کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر دیا جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو سکے اور وہ ایک صاع کھجوریں ہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ پیٹ کے بچہ کو اگر کوئی شخص ضائع کر دے تو اس کی جنایت ایک غرہ (غلام یا لونڈی) ہے خواہ پیٹ کا بچہ مذکر ہو یا مؤنث، اس کی خلقت پوری ہو یا ناقص، حسین ہو یا قبیح۔[1]

بیع مصراۃ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص تدلیس سے قیمت زیادہ کرے مثلاً تھنوں میں دودھ روک لے تو خریدار اس جانور کو واپس کر سکتا ہے اور مصراۃ کے ساتھ دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجور بھی واپس کرے گا۔ علامہ مرداوی لکھتے ہیں کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک صاع کھجوروں کا واپس کرنا شرط ہے خواہ ان کی قیمت دودھ سے زیادہ ہو یا کم اکثر اصحاب حنبلیہ کا یہی موقف ہے۔[2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۴ ص ۳۹۹، ۳۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۶ھ

بیع مصراۃ میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کا مشہور قول حدیث کے مطابق ہے یعنی خریدار چاہے تو مصراۃ کو واپس کر سکتا ہے اور اس کو ایک صاع کھجوریں دینی ہوں گی۔[1]

علامہ بدر الدین عینی نے امام مالک کا جو مذہب نقل کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ شہر میں جو خوراک عام طور پر کھائی جاتی ہے اس میں سے ایک صاع دینا ہوگا۔ علامہ اشبیلی مالکی نے شرح موطا امام مالک میں اسی طرح لکھا ہے۔ لیث، اسحاق، ابو ثور، ابو عبید، ابو سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور احناف میں سے ابو یوسف اور امام زفر کا نظریہ یہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کا ہے۔[2]

بیع مصراۃ میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا موقف یہ ہے کہ خریدار مصراۃ کو واپس نہیں کر سکتا، کیونکہ تصریہ (تھنوں میں دودھ روکنا) عیب نہیں ہے، البتہ بائع نے جو اس سے تلبیس کی ہے اور اس وجہ سے خریدار کو معروف قیمت سے زیادہ قیمت لگانے کا جو نقصان ہوا ہے اس لیے خریدار بائع سے اتنے پیسے واپس لے سکتا ہے۔[3]

فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا کیونکہ اولاً تو یہ حدیث مضطرب ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے، ثانیاً یہ حدیث قرآن مجید، سنت، اجماع اور قیاس کے مخالف ہے، ثالثاً یہ حدیث منسوخ ہے۔ ان دلائل کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حدیث مصراۃ مضطرب ہے

حدیث مصراۃ کی بعض روایات میں ایک صاع کھجور دینا لازم ہے، بعض روایات میں ہے ایک صاع طعام دیا جائے گا جو گندم نہ ہو، بعض روایات میں ہے ایک صاع گندم ہو، بعض روایات میں ہے دودھ کی مقدار یا دوگنا گندم دیا جائے گا۔ ان کے حوالوں کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

والا ردھا و معھا صاع من تمر۔[4] — ورنہ مصراۃ کو واپس کرے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دے۔

امام مسلم حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں:

فان ردھا، رد معھا صاعا من طعام لا سمراء۔[5] — اگر مصراۃ واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع طعام واپس کرے جو گندم نہ ہو۔

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] ″ ″ ″ ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۰،

[4] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ

[5] ″ ″ ″ ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رواہ البزار من طریق اشعث بن عبد الملک عن ابن سیرین بلفظ ان ردھا ردھا ومعھا صاع من بر لا سمراء۔[1]

امام بزار نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے: اگر مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع گندم بھی واپس کرے جو سمراء (گندم کی ایک قسم ہے) نہ ہو۔

امام ابو داؤد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

فان ردھا رد معھا مثل او مثلی لبنھا قمحا۔[2]

اگر مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ دودھ کی مقدار یا اس کے مثل گندم دے۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عوض کی جنس اور اس کی مقدار دونوں میں اضطراب ہے۔

حدیث مصراۃ قرآن مجید کے خلاف ہے

حدیث مصراۃ کا یہ تقاضا ہے کہ خریدار نے جو دودھ استعمال کیا ہے اس کے عوض میں ایک صاع کھجور یا کوئی اور طعام دے اور ایک صاع کھجور یا طعام کی مالیت اس استعمال شدہ دودھ سے کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی جبکہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ بدلے اور عوض میں مساوات ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ (بقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کے بدلے میں اتنی ہی زیادتی کرو۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ (شوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ۔ (نحل: ۱۲۶)

اگر تم کو تکلیف پہنچائی جائے تو تم بھی اتنی ہی سزا دو جتنی تکلیف تم کو پہنچائی گئی ہے۔

حدیث مصراۃ ان آیات کے خلاف ہے اور جو حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہے اور اس کا خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قولِ رسول نہیں ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انھا تکون بعدی رواۃ یروون عنی الحدیث فاعرضوا حدیثھم

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد کچھ لوگ مجھ سے احادیث روایت کریں گے، ان

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبع الثانی ۱۴۰۵ھ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

علی القرآن، فما وافق القرآن فخذوا به، وما لم یوافق القرآن فلا تاخذوا به۔[1]

احادیث کو قرآن پر پیش کرو، جو حدیث قرآن کے موافق ہو اس پر عمل کرو اور جو قرآن مجید کے موافق نہ ہو اس پر عمل نہ کرو۔

حدیث مصراۃ سنت کے خلاف ہے

حدیث مصراۃ میں ہے کہ بیع کے بعد خریدار مبیع کو واپس کر سکتا ہے اور یہ حکم اس حدیث کے خلاف ہے:

عن حکیم بن حزام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیعان بالخیار ما لم یتفرقا۔[2]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدار اور بائع کو اس وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تفرق کے بعد بائع یا خریدار کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے ہر چند کہ یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے لیکن ائمہ ثلاثہ چونکہ مفہوم مخالف کے قائل ہیں اس لیے یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

حدیث مصراۃ میں مصراۃ کے دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجور یا طعام لازم کیا گیا ہے، حالانکہ جو چیز کسی کی ضمان میں ہو (یعنی اس چیز کے تلف ہونے کی صورت میں اس کا تاوان کسی اور پر نہ ہو بلکہ خود اسی کا نقصان ہو) اس کی آمدنی بھی اسی کی ہوتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص نے بکری خریدی اور اس کا دودھ استعمال کرتا رہا بعد میں وہ اس بکری کے کسی قدیم عیب پر مطلع ہوا جو عیب بائع کے ہاں سے آیا ہے تو وہ بکری واپس کر سکتا ہے اور دودھ کا تاوان اس پر نہیں ہوگا، کیونکہ بکری اس کی ضمان میں تھی اگر مر جاتی تو اس کا نقصان ہوتا بائع پر اس کا تاوان نہ ہوتا لہٰذا اس بکری کی آمدنی بھی اسی کی ہو گی اور یہ حکم اس حدیث سے ثابت ہے:

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الخراج بالضمان۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کا نفع (یا آمدنی) اس کے ضمانت کے سبب سے ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی[4]، امام نسائی[5]، امام ابن ماجہ[6] اور امام احمد بن حنبل[7] نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۰۶ھ، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰۹، ۲۰۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[6] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[7] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند ج ۶ ص ۴۹، ص ۲۰۸، ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام ترمذی "الخراج بالضمان" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: خراج بالضمان کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے فائدہ اٹھایا پھر اس میں عیب نظر آیا تو وہ بائع کردہ غلام واپس کر دے گا اور اس کا حاصل شدہ فائدہ خریدار کا ہوگا کیونکہ اگر غلام ہلاک ہو جاتا تو خریدار کا مال ضائع ہوتا۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الخراج بالضمان کا جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کے اعتبار سے مصراۃ کا دودھ خریدار کا ہے اور اس کے عوض میں ایک صاع طعام یا کوئی اور چیز بائع کو دینا لازم نہیں ہے اور حدیث مصراۃ اس کے خلاف ہے نیز واضح ہوا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" جب تک بائع اور مشتری متفرق نہ ہوں ان کو اختیار ہے کے بھی خلاف ہے اور آپ کی ایک اور قائم کردہ سنت "الخراج بالضمان" کے بھی خلاف ہے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور جو حدیث قرآن اور سنت کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: سیأتیکم عنی احادیث مختلفۃ، فما جاءکم موافقا لکتاب اللہ و سنتی فھو منی وما جاءکم مخالفا لکتاب اللہ وسنتی فلیس منی۔[۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس مختلف احادیث پہنچیں گی۔ پس اگر تمہارے پاس ایسی حدیث آئے جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہو وہ میری حدیث ہے اور اگر تمہارے پاس ایسی حدیث آئے جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں ہے

بیع مصراۃ قرآن اور سنت کے خلاف ہے اور جو روایت قرآن اور سنت کے خلاف ہو وہ حدیث رسول نہیں ہے لہٰذا اس روایت سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال باطل قرار پایا۔

حدیث مصراۃ اجماع امت کے خلاف ہے

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ضمان کی دو قسمیں ہیں مثلی اور معنوی اور ایک صاع کھجوریں کسی قسم میں داخل نہیں ہیں دودھ کی مثل نہ ہونا تو ظاہر ہے اور ایک صاع کھجوریں استعمال شدہ دودھ کی قیمت نہیں ہیں یہ بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ دودھ کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں اس کا بدل ایک صاع کھجوریں ہی ہیں۔

حدیث مصراۃ قیاس کے خلاف ہے

مصراۃ کے دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجوریں دینا قیاس کے بھی خلاف ہے، کیونکہ خریدار نے جس دودھ کو دوہا ہے اس میں وہ دودھ بھی شامل ہے جو بیع کے وقت مصراۃ میں تھا اور وہ دودھ بھی ہے جو بعد کو مصراۃ میں پیدا ہوا، اگر یہ کہا جائے کہ اس

۱۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۰۶ھ، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

تمام دودھ کی قیمت واپس کرنا خریدار پر لازم ہے تو اس میں خریدار کا نقصان ہے کیونکہ جو دودھ اس کی ملک میں پیدا ہوا اس کا واپس کرنا اس پر لازم نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کسی دودھ کی قیمت واپس کرنا اس پر لازم نہیں ہے تو اس میں بائع کا نقصان ہے کیونکہ عقد بیع کے وقت مصراۃ میں جو دودھ تھا وہ بائع کی ملکیت تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ جو دودھ بیع کے وقت تھا صرف اس کی قیمت واپس کی جائے تو اس دودھ کی مقدار مجہول ہے اس لیے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت قیاس صحیح کے خلاف ہو اس پر عمل نہیں ہوتا مثلاً جب حضرت ابوہریرہ نے یہ روایت بیان کی کہ جو شخص جنازہ اٹھائے اس پر وضو لازم ہے تو حضرت ابن عباس نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا جو شخص خشک لکڑیاں اٹھائے اس پر وضو لازم ہے؟ اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس سے وضو لازم ہے[1]

جو خبر واحد، قرآن مجید، سنت معروفہ، اجماع یا عقل کے خلاف ہو وہ غیر مقبول ہے

حدیث مصراۃ پر ہم نے مفصل گفتگو کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ حدیث نص قرآن، سنت ثابتہ، اجماع امت اور قیاس صحیح کے مخالف ہے اور جو خبر واحد ان اصول میں سے کسی ایک کے بھی مخالف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

ولا یقبل خبر الواحد فی منافاۃ حکم العقل وحکم القرآن الثابت المحکم والسنۃ المعلومۃ والفعل الجاری مجری السنۃ وکل دلیل مقطوع بہ وانما یقبل بہ فیما لا یقطع بہ مما یجوز ورود التعبد بہ۔[2]

جو خبر واحد عقل، قرآن محکم، سنت معروفہ اور دلیل قطعی کے حکم کے مخالف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی، خبر واحد امور ظنیہ غیر قطعیہ میں مقبول ہوتی ہے جن امور کے ساتھ عبادت کرنا جائز ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ومنہا ما یؤخذ من حال المروی کان یکون منافضا لنص القرآن او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی او صریح العقل حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل[3]

خبر موضوع کے قرائن میں سے یہ ہے کہ وہ نص قرآن، سنت متواترہ، اجماع قطعی یا عقل صریح کے مخالف ہو اور اس کی کوئی (صحیح) تاویل نہ ہو سکے۔

عبداللہ بن حسین خاطر السمین[4]، ملا علی قاری[5] اور قاضی محمد اکرم[6] سندھی نے شرح نخبۃ الفکر کی شروح میں اس قاعدہ کو برقرار رکھا ہے۔

---

[1] ـ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[2] ـ حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ، الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۳۲ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

[3] ـ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، شرح نخبۃ الفکر

[4] ـ علامہ عبداللہ بن حسین خاطر السمین، لقط الدرر ص ۸۳ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ

[5] ـ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۶ - ۱۲۵ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ

[6] ـ قاضی محمد اکرم سندھی، امعان النظر شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۳ مطبوعہ اکادمی شاہ ولی اللہ حیدر آباد سندھ

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ان من جملة دلائل الوضع ان یکون مخالفا للعقل بحیث لا یقبل التاویل، ویلتحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة او یکون منافیا لدلالة الکتاب القطعیة او السنة المتواترة او الاجماع القطعی۔[1]

حدیث کے موضوع ہونے کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عقل کے مخالف ہو اور کسی تاویل کو قبول کرے اور اسی کے ساتھ یہ بھی لاحق ہے کہ حس اور مشاہدہ اس کو رد کرے یا وہ کسی آیت کی دلالت قطعیہ، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے منافی ہو۔

ہمارا مقصد اس حدیث کو موضوع قرار دینا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ حدیث قرآن مجید کی قطعی الدلالۃ آیات، سنت معروفہ، اجماع امت اور قیاس صحیح کے خلاف ہے اس لیے یہ حدیث مقبول نہیں ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، جیسا کہ خطیب بغدادی نے صراحۃً لکھا ہے اور باقی عبارات ہم نے اس کی تائید میں پیش کی ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاری حدیث مصراۃ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کے استدلال کو رد کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جزاء سیئة سیئة مثلها" اور "فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" نیز اس پر اجماع ہو چکا ہے، اور یہ سنت مشہورہ "الخراج بالضمان" کے بھی خلاف ہے۔[2]

حدیث مصراۃ منسوخ ہے

حدیث مصراۃ کی اگر کوئی توجیہ کی جا سکتی ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث مصراۃ میں چونکہ علی الاطلاق دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم ہے اور ایک صاع کھجوریں دودھ سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں اس لیے اس کا جواز اس وقت تک تھا جب تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اور سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس پر عمل منسوخ ہو گیا۔ یہ جواب علامہ عینی نے عیسیٰ بن ابان سے نقل کیا ہے۔[3]

حدیث مصراۃ کا محمل

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب کوئی شخص مصراۃ خریدے تو اپنے لیے خیار شرط رکھ لے، یہی وجہ ہے کہ اس کو واپس کرنے کے لیے حدیث میں تین دن کی شرط لگائی گئی ہے ورنہ عیب کی وجہ سے واپس کرنے کی کوئی حد نہیں ہے اور حدیث میں تصریہ کا ذکر اس لیے ہے تاکہ شرط خیار لگانے کا سبب بیان ہو جائے اور اگر شرط خیار نہیں لگائی تو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ مصراۃ کو ..... واپس کرنے کا یہ حکم دیا نفس ہے تقاضا نہیں ہے۔

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ، تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۷۶ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ ھ۔
[2] علامہ محب اللہ بہاری، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۴۷ مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر ۱۲۹۴ ھ۔
[3] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ۔
[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۳۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ ھ۔

بَابُ ۴۹ بُطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو بیچنا باطل ہے

۳۷۲۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اناج (غلہ) خریدے وہ اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں میں ہر چیز کو اناج پر قیاس کرتا ہوں۔

۳۷۲۷ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَا نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا نَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ وَهُوَ الثَّوْرِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۷۲۸ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ نَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ہر چیز کا حکم اناج کی طرح ہے۔

۳۷۲۹ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا لِمَ فَقَالَ اَلَا تَرَاهُمْ يَتَبَايَعُوْنَ بِالذَّهَبِ وَالطَّعَامِ مُرْجًا وَلَمْ يَقُلْ اَبُوْ كُرَيْبٍ مُرْجًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو ناپنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ سونے اور اناج کے ساتھ میعادی بیع کرتے ہیں۔ ابوکریب کی روایت میں میعاد کا ذکر نہیں ہے۔

۳۷۳۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ قَالَ نَا مَالِكٌ ح قَالَ وَثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اناج خریدے وہ اس کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔

۳۷۳۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَاْمُرُنَا بِانْتِقَالِهٖ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي ابْتَعْنَاهُ فِيْهِ اِلٰى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ اَنْ نَبِيْعَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اناج خریدتے تھے پھر آپ ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجتے جو ہمیں بیچنے سے پہلے اناج کو خریدی ہوئی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتا تھا۔

۳۷۳۲ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہ کرے حضرت ابن

نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ وَكُنَّا نَشْتَرِي الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ جِزَافًا فَنَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَبِيعَهُ حَتَّى نَنْقُلَهُ مِنْ مَكَانِهِ۔

عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم سواروں سے بغیر ناپ تول کے اندازاً اناج خرید تے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کر دیا۔

۳۷۳۳- حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ وَيَقْبِضَهُ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو وزن کرنے اور قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے

۳۷۳۴- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ وَقَالَ عَلِيٌّ نَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے۔

۳۷۳۵- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُمْ كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جِزَافًا أَنْ يَبِيعُوهُ فِي

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں کو اس پر مارا جاتا تھا کہ وہ اندازاً اناج خریدتے اور اس کو منتقل کرنے سے پہلے فروخت کر دیتے تھے۔

مَكَانِهٖ حَتّٰى يُحَوِّلُوْهُ -

٣٧٣٦ - حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَبَاهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَدْ رَاَيْتُ النَّاسَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ابْتَاعُوْا طَعَامًا جُزَافًا يُضْرَبُوْنَ اَنْ يَبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِمْ ذٰلِكَ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَحَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ يَشْتَرِي الطَّعَامَ جُزَافًا فَيَحْمِلُهٗ اِلٰٓى اَهْلِهٖ -

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو اس پر مار پڑتی تھی کہ لوگ اندازاً (ڈھیر کے ڈھیر) اناج خریدتے اور اس کو اپنے گھر منتقل کرنے سے پہلے فروخت کر دیتے تھے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ ان کے والد اناج کا ایک ڈھیر خریدتے تھے اور اس اناج کو اپنے گھر لے آتے تھے۔

٣٧٣٧ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالُوْا نَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ مَنِ ابْتَاعَ -

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو ناپنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ ابوبکر کی روایت میں (اشتری کی بجائے) "ابتاع" کا لفظ ہے۔

٣٧٣٨ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ قَالَ نَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لِمَرْوَانَ اَحْلَلْتَ بَيْعَ الرِّبَا فَقَالَ مَرْوَانُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَحْلَلْتَ بَيْعَ

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: کیا تم نے سود کی بیع کو حلال کر دیا ہے؟ مروان نے کہا: میں نے کیا کیا ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا تم نے ہنڈی (Bill of Exchange) کی بیع کو جائز کر دیا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ سے پہلے اناج کی بیع کو منع فرمایا ہے۔ پھر مروان نے لوگوں کو خطبہ دیا اور لوگوں کو ہنڈی کی بیع سے منع کر دیا ــــ سلیمان کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ سپاہی لوگوں

الْقِبَالَ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتّٰى يُسْتَوْفٰى فَخَطَبَ مَرْوَانُ النَّاسَ فَنَهٰى عَنْ بَيْعِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ فَنَظَرْتُ إِلٰى حَرَسٍ يَأْخُذُوْنَهَا مِنْ أَيْدِي النَّاسِ۔

کے ہاتھوں سے ہنڈیاں چھین رہے تھے۔

نوٹ: ہنڈی کی وضاحت شرح میں آئے گی۔

۳۷۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَنَا رَوْحٌ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اناج خریدو تو اس کا وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرو۔

بیع قبل القبض کی ممانعت کی حکمتیں

بیع قبل القبض سے ممانعت کی ایک واضح حکمت یہ ہے کہ جب خریدار مبیع پر قبضہ کرے گا تو اس میں بائع کے تصرف کرنے کا امکان ختم ہو جائے گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ بیچنے کے بعد بائع کو زیادہ منافع والا کوئی اور گاہک مل جائے تو وہ خریدار کو مبیع پر قبضہ نہ دے اور بیع فسخ کر دے۔

ہمارے زمانے میں اس حکم کی ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی ہے کہ بیع قبل القبض کی وجہ سے سٹے کو فروغ ہوتا ہے اور اجناس کی قیمت دس بیس گنا زیادہ ہو جاتی ہے جس سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے مثلاً جاپان سے ایک شخص بحری جہاز کے ذریعہ مصنوعات منگاتا ہے اور جہاز کے لنگر انداز ہونے سے پہلے وہ سامان کچھ منافع پر دوسرے شخص کو بیچ دیتا ہے یہ دوسرا شخص کچھ اور منافع لے کر یہ سامان تیسرے شخص کو بیچ دیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ بندرگاہ پر جہاز کے پہنچنے تک ایک ہی چیز نفع در نفع سے دس بار تک بک چکی ہوتی ہے، اور جو چیز جاپان سے دس روپیہ میں چلی تھی منافع خوروں کے غیر شرعی کاروبار کی وجہ سے وہ پاکستان میں دو سو روپیہ کی پڑتی ہے۔

اگر بیع قبل القبض کا رواج ہو اور ایک شخص کسی سے دس روپیہ میں کوئی چیز خریدے اور اس چیز پر قبضہ کیے بغیر وہی چیز پندرہ روپوں میں کسی اور کو بیچ دے جبکہ وہ چیز ابھی بائع کے پاس ہے تو اس نے دس روپے کو پندرہ روپے میں بیچ دیا اور یہ حکماً سود ہے۔ (حقیقۃً سود اس لیے نہیں ہے کہ اس میں عقد الگ الگ ہیں)۔

سٹے کا عدم جواز

ہمارے ملک میں روزانہ لاکھوں روپے کا سٹے کا کاروبار ہوتا ہے اور چونکہ سٹے میں صرف کاروباری ساکھ کی بنیاد پر صرف کاغذات اور ٹیلی فون پر سونے اور روئی وغیرہ کی بیع ہوتی ہے

اور عملی طور پر خرید و فروخت نہیں ہوتی نہ مبیع پر قبضہ کیا جاتا ہے اس لیے اس حدیث کے تحت سٹے کا کاروبار ناجائز ہے۔

بیع قبل القبض میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں، ہمارا مذہب یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے خواہ مبیع منقول چیز ہو (جیسے سامان) یا غیر منقول چیز ہو (جیسے زمین) یہ بیع بائع کی اجازت سے جائز ہے نہ اس کی اجازت کے بغیر، قیمت ادا کرنے سے پہلے جائز ہے نہ قیمت ادا کرنے کے بعد۔ [1]

بیع قبل القبض میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کے نزدیک بیع قبل القبض بالخصوص طعام میں ممنوع ہے خواہ طعام (اناج) کی بیع ناپ سے ہو یا تول سے، اور قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ یہ بیع ہر اس چیز میں ناجائز ہے جس کی بیع ناپ، تول یا عدد سے ہوتی ہو، سحنون اور ابن حبیب نے کہا مشہور یہ ہے کہ یہ ممانعت طعام میں منحصر ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ ممانعت ربوی اور غیر ربوی میں عام ہے اور ابن وہب کا قول یہ ہے کہ یہ ربوی میں منحصر ہے۔ [2]

بیع قبل القبض میں حنابلہ کا موقف

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: جب تک مبیع پر قبضہ نہ کرے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ یہ مذہب مطلقاً ہے۔ فقہاء حنبلیہ کا یہی موقف ہے، امام احمد سے ایک روایت ہے کہ بائع کے لیے یہ بیع جائز ہے، شیخ تقی الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن مذہب اس کے خلاف ہے۔ [3]

بیع قبل القبض میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن فرغانی لکھتے ہیں: جس شخص نے کسی منقول چیز کو خریدا اس چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے اور اس لیے کہ اس بیع میں غرر (دھوکا) ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مبیع، بائع کے پاس ہلاک ہو جائے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین کی بیع قبل القبض جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مطلقاً بیع قبل القبض سے منع فرمایا گیا ہے، نیز وہ غیر منقول کو منقول پر قیاس کرتے ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اس بیع میں تمام ارکان اور شرائط پائے گئے ہیں اور اس میں غرر نہیں ہے، کیونکہ زمین کا ہلاک ہونا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ برخلاف منقولات کے، اور حدیث میں ممانعت کی علت غرر ہے کیونکہ دوسرے دلائل سے اس بیع کا جواز ثابت ہے، لہٰذا یہ بیع جائز ہے۔ [4]

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب ج ۹ ص ۲۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[2] علامہ ابو عبد اللہ دشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۴ ص ۴۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۶ھ

[4] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخرین ص ۷۵-۷۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کی دلیل

امام محمد، امام شافعی اور امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام نسائی اور امام احمد نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان بیوع (چیزوں) کو خریدتا ہوں اور بیچتا ہوں، میرے لیے ان بیوع میں سے کون سی حلال ہیں اور کون سی حرام ہیں؟ آپ نے فرمایا کسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت مت کرو۔[1]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے خواہ وہ زمین کی بیع ہو یا منقول کی، امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کا استدلال اس حدیث کے عموم اور اطلاق سے ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل

علامہ ابن ہمام نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنے مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع کر سکتی ہے، اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ شوہر بدل خلع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کر سکتا ہے، اسی طرح صلح عن دم العمد اور میراث کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اور جب حدیث کے عموم میں اجماع سے ان چیزوں کی تخصیص کر دی گئی ہے تو غرر نہ ہونے کی وجہ سے زمین کی بھی تخصیص کی جا سکتی ہے۔[2]

امام اعظم کے موقف پر ایک خدشہ

بیع قبل القبض کی ممانعت میں امام شافعی، امام احمد اور امام محمد بن حسن شیبانی کا موقف اس حدیث صحیح اور صریح کے عموم کے مطابق ہے جس کو ہم نسائی، بیہقی اور مسند احمد کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں، امام مالک صرف طعام میں بیع قبل القبض کی ممانعت کے قائل ہیں۔ ان کا نظریہ بھی اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے زمین میں بیع قبل القبض جائز قرار دی ہے۔ یہ بھی اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لاتبیعن شیئا حتی تقبضه" "قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت مت کرو۔" صاحب ہدایہ نے زمین کو خاص کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس میں غرر نہیں ہے، لیکن یہ نص صریح کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دینا ہے، علامہ ابن ہمام نے چند اجماعی مسائل کی تخصیص کی بناء پر زمین کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان سب چیزوں پر حدیث رسول مقدم ہے اور صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں بعض فقہاء کے اقوال کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں امام محمد بن حسن شیبانی کے قول پر ہی فتویٰ دینا چاہیے۔ اور صحیح اور صریح حدیث کے عموم کو ترک کرنے کے بجائے امام اعظم اور امام ابو یوسف کی تخصیص کو ترک کر دینا چاہیے۔ علامہ سرخسی حنفی نے بھی مبسوط ج ۱۳ ص ۸ سے ص ۱۳ تک اس مسئلہ پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ وہی ہے جو ہم فتح القدیر

---

[1] امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
(ایضاً)۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
(ایضاً)۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۱۳ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۳۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں: طعام ہو یا غیر طعام کسی چیز کی بھی قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے مگر وہ غیر منقول چیزوں مثلاً گھروں اور زمینوں میں قبضہ سے پہلے بیع کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہم قبضہ سے پہلے کسی چیز کی بیع کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔[1]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ گندم اور کھجور وغیرہ کے ڈھیر کی بیع، ناپ تول کے بغیر جائز ہے، حرام نہیں ہے، آیا وہ مکروہ بھی ہے یا نہیں؟ اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔[2]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: جو چیزیں ناپ اور تول سے فروخت ہوتی ہیں ان کی بغیر ناپ اور تول کے بیع جائز ہے کیونکہ غور اور فکر سے ان کی مقدار کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ہر وقت ناپ اور تول کے آلات میسر نہیں ہوتے (الی قولہ) جو چیزیں ناپ اور تول سے فروخت نہیں ہوتیں جیسے کپڑے، بڑی مچھلیاں اور شہتیر وغیرہ ان کی بیع اندازے سے جائز نہیں ہے۔[3]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: غیر ربوی اور غیر متماثل چیزوں میں جزافاً (بغیر ناپ اور تول کے) بیع جائز ہے اور ناپ اور تول کے ساتھ بھی بیع جائز ہے۔ خرقی اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ علامہ ابن منذر نے کہا کہ ایک قسم کی چیز کے دو ڈھیر ہوں اور ہمیں ان میں سے کسی کی مقدار کا علم نہ ہو، ناپ سے نہ تول سے تو ان کی ایک دوسرے کے بدلے میں بیع جائز نہیں ہے اور جب دو ڈھیر الگ الگ قسم کی چیزوں کے ہوں تو ان کی بیع جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "فاذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" جب دو مختلف اجناس ہوں تو ان کی جس طرح چاہو بیع کرو۔" ہمارے بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو چیز ناپی جاتی ہے اس کی ناپی جانے والی چیزوں کے ساتھ، اور جو چیز وزن کی جاتی ہے اس کی وزن کی جانے والی چیزوں کے ساتھ جزافاً بیع کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ مختلف الاجناس ہوں یا نہ ہوں۔ ان ناپی جانے والی چیزوں کی وزن کی جانے والی چیزوں کے ساتھ جزافاً بیع کرنا جائز ہے۔ یہ قاضی اور شریف ابو جعفر حنبلی کا قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام کی طعام کے ساتھ مجازفۃً (بغیر ناپ اور تول کے) بیع سے منع فرمایا ہے۔ نیز انہوں نے متفق الجنس

١۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ١٨٩ھ، مؤطا امام محمد ص ٣٣١ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

٢۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ٥ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

٣۔ علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ٨٢٨ھ، اکمال اکمال المعلم ج ٤ ص ١٩٢ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کو مختلف الجنس پر قیاس کیا ہے۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری (جمہور فقہاء حنبلیہ) کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب دو جنسیں مختلف ہوں تو ان کی جس طرح چاہو بیع کرو“ نیز جب جنسیں مختلف ہوں تو ان کی زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے تو جزافاً بھی جائز ہوگی جیسا کہ ناپ والی کی وزن کی جانے والی کے ساتھ مجازفۃً بیع جائز ہے۔ اور جب حقیقی زیادتی اس بیع میں ممنوع نہیں ہے تو بیع مجازفۃً جس میں زیادتی کا احتمال ہے، کس طرح ممنوع ہوگی، اور انھوں نے جو حدیث پیش کی ہے وہ ایک نوع کے طعام پر محمول ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: آپ نے کھجور کے ایک ڈھیر کی بیع کو جس کی مقدار معلوم نہ ہو دوسرے کھجور کے ڈھیر کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ان حضرات نے مختلف الجنس کو متفق الجنس پر جو قیاس کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب دو چیزوں کی جنس ایک ہو تو ان کی مقداروں میں تماثل واجب ہے اس لیے ان کی مجازفۃً بیع سے منع کیا گیا ہے کیونکہ مجازفۃً بیع سے تماثل نہیں رہے گا، اور جب دو مختلف جنسیں ہوں تو ان میں حقیقۃً زیادتی کے ساتھ بیع منع نہیں ہے تو زیادتی کے احتمال (جزاف کی صورت میں) کے ساتھ تو بیع بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔[1]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ایک جنس کی چیزوں کی بیع مجازفۃً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ربوٰ کا احتمال ہے، البتہ مختلف الاجناس چیزوں کی بیع مجازفۃً جائز ہے۔[2]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: ایک جنس کی چیزوں میں مجازفۃً بیع کا عدم جواز اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب وہ جنس اموال ربویہ میں سے ہو (یعنی جن چیزوں کی بیع ناپ اور وزن کے ساتھ ہوتی ہو) پس اموال ربویہ میں سے ایک جنس کی چیزوں کی مجازفۃً بیع احتمال ربوٰ کی وجہ سے حقیقۃً ربوٰ کی طرح ناجائز ہے، اور یہ عدم جواز بھی اس مقدار کے ساتھ مقید ہے جو معیاری ناپ اور تول میں داخل ہو ورنہ ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے ساتھ جائز ہے۔[3]

دستاویز کی بیع

حضرت ابوہریرہ نے جس دستاویز کی بیع سے منع کیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زید، عمرو سے کچھ مال خریدے اور قیمت کے بجائے اسے ایک دستاویز فراہم کرے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم کو اتنی رقم ادا کرنی ہے، عمرو اس رقم پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ دستاویز مثلاً بکر کو فروخت کر دے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے، فقہاء شافعیہ اور دوسرے فقہاء کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، جو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ظاہر قول پر عمل کرتے ہیں اور جو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح وارث مال وراثت پر قبضہ کرنے

۱۔ علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۸۔۱۲۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۱۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

۳۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۰۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

سے پہلے اس کی بیع کر سکتا ہے اسی طرح دستاویز کی رقم پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع ہو سکتی ہے کیونکہ یہ حقیقۃً بیع قبل القبض نہیں ہے۔[1]

دستاویز کی بیع میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد فرماتے ہیں: جس شخص نے کسی سے قرض وصول کرنا ہو وہ قرض کی رقم پر قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ (قرض کی دستاویز) غرر ہے معلوم نہیں وصول ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

ہنڈی کی بیع کا شرعی حکم

ہنڈی (Bill of Exchange) بھنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا، اس کے لیے زید نے عمرو کو ایک دستاویز (ہنڈی) فراہم کی جس میں اس نے لکھ دیا کہ وہ تین ماہ بعد عمرو کو مثلاً ایک ہزار روپیہ ادا کرنے کا پابند ہے، بائع عمرو یہ ہنڈی لے کر بینک الف کے پاس گیا اور پانچ فیصد کمیشن پر نو سو پچاس (۹۵۰) روپے میں یہ ہنڈی بینک الف کو فروخت کر دی، پھر بینک مقررہ تاریخ پر عمرو سے ایک ہزار روپے وصول کر لیتا ہے، بینک کو اس کار روائی کے عوض پچاس روپے مل جاتے ہیں اور بائع (عمرو) کو اپنی رقم جلد مل جاتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلا بینک وہ ہنڈی دوسرے بینک کو فروخت کر دیتا ہے، ادائیگی رقم کی میعاد جتنی زیادہ ہوتی ہے کمیشن زیادہ ہوتا ہے اور میعاد جس قدر کم ہوتی ہے کمیشن بھی کم ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کفل الفقیہ میں نوٹ کی بیع کو کمی اور زیادتی کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ نوٹ ایک کاغذ ہے اور مال متقوم ہے جس کو بائع باہمی رضامندی سے جس قیمت پر چاہے بیچ سکتا ہے اور فتح القدیر سے یہ جزیہ پیش کیا ہے کہ ایک کاغذ ایک ہزار میں فروخت کرنا جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے[3] بنا بریں دس روپے کا نوٹ آٹھ روپے میں بھی بیچا جا سکتا ہے اور پندرہ روپے میں بھی۔[4]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس اصول پر ہنڈی کا کاروبار جائز قرار پاتا ہے کیونکہ ہنڈی بھی بہر حال ایک کاغذ ہے جس کو کمی اور زیادتی کے ساتھ بیچا جا سکتا ہے!

لیکن نظر عمیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہنڈی ایک عام کاغذ نہیں ہے، نہ اس کی بیع محض کاغذ ہونے کی وجہ سے ہو رہی ہے یہ بیع دراصل ادائیگی رقم کی دستاویز کی وجہ سے ہو رہی ہے، اس بیع میں کاغذ کی خصوصیت کا دخل نہیں ہے بلکہ کاغذ پر جو خریدار کا اقرار لکھا ہوا ہے اس لکھائی کی خصوصیت کا دخل ہے اور درحقیقت یہ قرض کی بیع ہے اور بائع اپنا قرض اس شخص (بینک) پر بیچ رہا ہے جس پر اس کا قرض واجب نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے۔

دراصل اس بیع کے عدم جواز کی قوی وجہ یہ ہے کہ اس بیع میں غرر ہے کیونکہ فرض کیجئے مشتری (زید جو مقروض ہے) دیوالیہ ہو جائے تو بینک کی رقم ماری جائے گی یا بالفرض مشتری میعاد مقرر سے پہلے اپنی تمام املاک بیچ کر ملک سے باہر چلا جائے یا ڈاکو اس کا مال لوٹ کر لے جائیں یا کوئی حادثہ ہو جائے تو اس دستاویز کی حیثیت ایک ردی کاغذ کی ہو گی، اور بینک

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ
[2] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد ص ۳۵۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[4] اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، کفل الفقیہ الفاہم ص ۵۹ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی ۱۳۲۹ھ

نے اس دستاویز کے عوض جو رقم بائع (عمرو) کو فراہم کی تھی وہ ضائع جائے گی اور اس کو اس کے عوض کچھ نہیں ملے گا، اس لیے غرر کی بناء پر یہ بیع ناجائز ہے۔

شیخ تقی عثمانی نے اس بیع کے عدم جواز میں یہ لکھا ہے کہ یہ تاخیر اور زیادتی کے ساتھ نقود کا نقود سے تبادلہ ہے اور اس کی حرمت ربوٰ الفضل میں منصوص ہے[1] لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک ہزار روپے کی ہنڈی کو نو سو پچاس روپے میں بیچنا اور چیز ہے اور ایک ہزار روپوں کو نو سو پچاس روپوں میں بیچنا اور چیز ہے، مؤخر الذکر صورت صراحۃً ربوٰا ہے (اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے برخلاف[2]) اور پہلی صورت ربوٰ نہیں ہے کیونکہ ایک ہزار کی دستاویز "ایک ہزار روپے ہیں" اور نہ ہی اس کے حکم میں ہے کیونکہ بالفرض اگر مشتری دیوالیہ ہو گیا تو اس دستاویز کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ہنڈی بھنانے کی جائز صورت

ہنڈی کے کاروبار میں اگر کچھ تغیر کیا جائے تو پھر اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں رہے گی، اور وہ یہ ہے کہ بائع اس دستاویز کی رقم خریدار سے وصول کرنے کے لیے بینک کو وکیل بنائے اور اس بینک کو اس کی اجرت ادا کرے، یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بینک کو ہنڈی کی رقم کا مثلاً پانچ فیصد بطور اجرت ادا کرے، پھر ہنڈی کی ساکھ پر بینک سے قرض حاصل کرے مثلاً اگر ایک ہزار روپے کی ہنڈی ہے تو اس کی ضمانت پر بینک سے نو سو یا نو سو پچاس روپے قرض حاصل کرے، اب یہ دو الگ الگ معاملے ہیں ایک معاملہ اجرت پر بینک کو وکیل بنانا ہے اور دوسرا معاملہ ہنڈی کی ساکھ پر بینک سے قرض لینا ہے اور یہ دونوں شرعاً جائز ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک معاملہ دوسرے معاملہ کے لیے شرط نہ بنایا جائے مثلاً بائع کہے میں بینک کو وکیل تب بناؤں گا جب وہ مجھے اتنی رقم قرض دے گا یا بینک کہے کہ میں قرض تب دوں گا جب مجھے اتنی اجرت پر وکیل بناؤ کیونکہ یہ بیع در بیع اور قرض میں منفعت کی شرط کی وجہ سے باطل ہے۔

حقوق کی بیع کا حکم

کسی شخص کے لیے کوئی حق شرعاً یا قانوناً ثابت ہو تو آیا اس حق کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو سامان فروخت کیا اور اس کے لیے شرعاً قیمت وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا یا اس نے کسی شخص کو کچھ رقم ایک ماہ کے لیے قرض دی تو ایک ماہ بعد اس کے لیے قرض وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا یا حکومت نے اس کے لیے کسی عطیہ کا اعلان کیا تو اس کے لیے قانوناً اس عطیہ یا گرانٹ کو وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا، اب اس شخص کو میعاد مقررہ سے پہلے پیسوں کی ضرورت ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا حق فروخت کر دے۔ اور کہے کہ فلاں تاریخ کو تم فلاں سے قیمت یا قرض وصول کر لینا یا حکومت سے گرانٹ لے لینا اور اس کے عوض مجھ کو اب اتنی رقم دے دو تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس چیز کی بیع کر رہا ہے جو اس کے پاس موجود نہیں ہے اور معدوم کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کو مت فروخت کرو۔

---

[1] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الثانی ۱۴۰۷ھ

[2] اعلیٰ حضرت کی تحقیق اس اصول پر مبنی ہے کہ احناف کے نزدیک عددی چیزوں میں ربوٰ نہیں ہے اس پر مفصل بحث باب الربوٰ میں آئے گی۔ ــــــــ سعیدی غفرلہٗ

ٹکٹوں کی بیع کا حکم جو ٹکٹ کسی معین شخص کے نام ہوتے ہیں جیسے ہوائی جہاز کے ٹکٹ، یا ریل میں ریزرویشن کے ٹکٹ ان کو خریدنے کے بعد کسی اور شخص کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اول تو اس لیے کہ ان ٹکٹوں کے ذریعہ عقد اجارہ ایک شخص کے ساتھ منعقد ہوا ہے اور متعلقہ ادارے (مجیر) کی اجازت کے بغیر یہ ٹکٹ دوسرے شخص کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے ثانیاً اس لیے کہ یہ فریب اور دھوکا دہی ہے اور ثالثاً اس لیے کہ چیکنگ کے وقت وہ شخص جھوٹ بول کر اپنے نام کی بجائے ٹکٹ والے کا نام بتائے گا۔ اسی طرح ایک شخص نے ریل یا بس کا پاس بنوایا ہو تو دوسرا شخص اس کو شرعاً استعمال نہیں کرسکتا۔ البتہ جو ٹکٹ کسی معین شخص کے نام نہیں ہوتے جیسے عام ریل کے ٹکٹ، یا ڈاک کے ٹکٹ ان کو خریدنے کے بعد استعمال سے پہلے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ استعمال شدہ ٹکٹوں کو فروخت کرنا یا دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ کی بیع کا حکم حکومت سیاسی نوازشات کے طور پر بعض لوگوں کو امپورٹ لائسنس جاری کرتی ہے جو پیشہ ور تاجر نہیں ہوتے اس لیے وہ اس لائسنس کو پیشہ ور تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اسی طرح روٹ پرمٹ بھی بعض ایسے لوگوں کو دیئے جاتے ہیں، جو اس پیشے سے منسلک نہیں ہوتے اس لیے وہ اس کو پیشہ ور لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں آیا یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اگر امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ کسی خاص شخص کے نام ہوتے ہیں تو انھیں دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بیع جھوٹ اور دھوکا دہی کو مستلزم ہے اور اگر یہ کسی خاص شخص کے نام نہ ہو بلکہ ان کی حیثیت ایک ایسی دستاویز کی ہو کہ جو شخص بھی اس دستاویز کا حامل ہو وہ اس کے ذریعہ بیرون ملک سے مال منگوا سکتا ہے یا اس دستاویز کے ذریعہ اندرون شہر یا بیرون شہر بسیں چلا سکتا ہے تو پھر ان کی بیع جائز ہے۔ کیونکہ اس وقت ان کی حیثیت ڈاک کے ٹکٹوں کی طرح ہوگی۔

امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ سے استفادہ کی جائز صورت ہمارے ملک میں امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ عام اجازت نامہ نہیں ہوتے بلکہ یہ کسی خاص شخص یا خاص ادارے کے لیے تجارت یا بس چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور اس کی دوسرے شخص کو بیع جائز نہیں ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی جائز صورت یہ ہے کہ جس شخص کے نام تجارتی لائسنس ہے وہ کسی تاجر کو اپنا وکیل بنا دے اور وکیل اصل شخص کے نام پر مال منگوائے اور اس کو فروخت کرے اور جو نفع حاصل ہو وہ اصل حامل لائسنس کو دے اور اصل شخص وکیل کو حق خدمت ادا کرے جو پہلے طے کر لیا جائے یہ حق خدمت لم سم بھی دیا جا سکتا ہے اور نفع کے تناسب سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ روٹ پرمٹ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

کتابوں پر رائلٹی کا حکم مصنف کا اپنے مسودے کو بیچنا شرعاً جائز ہے خواہ اس مسودے کی یک مشت قیمت لے یا مثلاً یہ مقرر کرے کہ جب تک کتاب چھپتی رہے گی وہ اس کی لکھی ہوئی قیمت کا چھٹا حصہ وصول کرتا رہے گا۔ ہمارے ہاں عام قانون یہی ہے۔ شیخ تقی عثمانی لکھتے ہیں: یہ شرعاً جائز نہیں ہے کہ ناشر حقوق طباعت کو اپنے ساتھ خاص کرے نہ حق اشاعت کو مصنف فروخت کرسکتا ہے کیونکہ حقوق کی بیع جائز نہیں ہے، اس کی اصل وہ

حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلاء کی بیع سے منع فرمایا ہے[1] نیز بیع مال کی ہوتی ہے جواز قبیل اعیان سے ہے، اور حق اشاعت مال اور عین نہیں ہے۔

کیا حقوقِ اشاعت کو اپنے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے؟

ایک نظریہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک کتاب خرید لیتا ہے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے وہ اس کو دوبارہ نقل بھی کر سکتا ہے اور چھاپ بھی سکتا ہے اس پر یہ پابندی لگانا کہ وہ اس کتاب کو چھاپ نہیں سکتا شرعاً ناجائز ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ اصل چھاپنے والے کے نفع میں کمی واقع ہو اور نفع میں کمی ہونا شرعاً قباحت نہیں ہے، نیز کسی کتاب کی اشاعت کو اپنے ساتھ خاص کر لینا اور دوسرے لوگوں کو اجازت نہ دینا ایک طرح کا احتکار ہے کیونکہ اس طرح ناشر اس کتاب کی من مانی قیمت مقرر کر کے مہنگے داموں بیچتا رہے گا جس سے لوگوں کو ضرر ہوگا، اور جب اس کتاب کو متعدد ناشرین چھاپیں گے تو مقابلہ میں اس کی قیمت ارزاں ہوگی جس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔[2]

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناشر مصنف کو رائلٹی دیتا ہے، کتاب کی کتابت کرا کے کاتب کو اجرت دیتا ہے، تصحیح کراتا ہے، جس پر اچھی خاصی رقم اور محنت خرچ ہوتی ہے اور وقت صرف ہوتا ہے اور جب کتاب چل پڑتی ہے اور نفع حاصل کرنے کا وقت آتا ہے تو چور بازار سے ایک ناشر اس کتاب کا فوٹو لے کر چھاپ دیتا ہے اور بغیر کسی محنت کے رقم اور پیسہ خرچ کیے بغیر وہ نفع میں اصل ناشر کا شریک ہو جاتا ہے، نیز فوٹو لینے کی وجہ سے اس دوسرے ناشر کا کتاب پر زیادہ خرچ نہیں ہوتا اس لیے وہ سستے داموں پر کتاب مارکیٹ میں لے آتا ہے جس سے اصل ناشر کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے اصل ناشر کو ضرر سے بچانے کے لیے کتاب کی اشاعت پر پابندی لگانا جائز ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کسی شخص کا کسی کتاب کو چوری چھپے اصل ادارے کے نام سے چھاپنا جھوٹ اور دھوکا دہی کی وجہ سے ناجائز ہے۔

پگڑی کی بیع کا حکم

ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ کرائے کے مکان اور دکانیں پگڑی پر اٹھائے جاتے ہیں ایک کرایہ دار جب مکان یا دکان دوسرے کرایہ دار کو منتقل کرتا ہے تو مکان یا دکان پر قبضہ دینے کے عوض پگڑی طلب کرتا ہے اور پگڑی کی رقم موقع اور محل کی اہمیت کے اعتبار سے ایک ہزار سے کئی لاکھ روپیہ تک لی اور دی جاتی ہے، اور قبضہ دینا کوئی حسی اور عینی چیز یا مال نہیں ہے اس لیے یہ بیع باطل ہے۔

بعض حیلہ جو فقہاء نے پگڑی کو جائز کرنے کا یہ حیلہ نکالا ہے کہ خالی مکان یا دکان میں کچھ سازوسامان مثلاً پنکھے، الماری، میز، کرسی وغیرہ رکھ دی جائیں اور ان کی قیمت حسب منشاء لگائی جائے یعنی جس قدر پگڑی لینی ہو اتنی ہی قیمت کسی پنکھے یا الماری کی لگا کر وہ قیمت وصول کر لی جائے اس طرح فقہی طور پر تو یہ عقد جائز ہو جائے گا، اور ظاہر شرع کے لحاظ سے اس پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی، لیکن یہ معاملہ تو اس کے ہاں پیش ہونا ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ دلوں کے حال اور نیات کو خوب جانتا ہے، اس لیے حیلوں اور بہانوں سے حرام کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۵۔ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

[2] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۵، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الثانی، ۱۴۰۷ھ

بَابُ ۴۹۱ تَحْرِيْمِ بَيْعِ صُبْرَةِ التَّمْرِ الْمَجْهُوْلَةِ الْقَدْرِ بِتَمْرٍ

کھجور کے جس ڈھیر کی مقدار مجہول ہو اس کی دوسری کھجوروں سے بیع ممنوع ہے

٣٧٤٠ - حدثني ابو الطاهر احمد بن عمرو بن سرح قال نا ابن وهب قال حدثني ابن جريج ان ابا الزبير اخبره قال سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما يقول نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الصبرة من التمر لا يعلم مكيلها بالكيل المسمى من التمر۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کھجوروں کے جس ڈھیر کی بیع پیمائش کے معروف طریقے سے معلوم نہ ہو اس کو معین کھجوروں کے عوض بیچنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

٣٧٤١ - حدثنا اسحق بن ابراهيم قال انا روح قال انا ابن جريج قال اخبرني ابو الزبير انه سمع جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما يقول نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثله غير انه لم يذكر من التمر في اخر الحديث۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (حسب سابق) البتہ اس حدیث کے آخر میں کھجوروں کا ذکر نہیں ہے۔

(ف) اس باب کی حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ جب تک کسی چیز کی مقدار معلوم نہ ہو اس کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ ایک جنس کی چیزوں میں جب تک مساوات کا علم نہ ہو یہ خطرہ رہتا ہے کہ کسی ایک جانب زیادتی ہوگی اور یہ ربٰو کو مستلزم ہے اور جس طرح حقیقۃً ربٰو کے ساتھ بیع ممنوع ہے احتمال ربٰو کے ساتھ بھی بیع ممنوع ہے۔

بَابُ ۴۹۲ ثُبُوْتِ خِيَارِ الْمَجْلِسِ لِلْمُتَبَايِعَيْنِ

بیع سے پہلے عاقدین کے لیے خیار مجلس

٣٧٤٢ - حدثنا يحيى بن يحيى قال قرأت على مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال البيعان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بائع اور مشتری جب تک الگ الگ نہ ہوں اس وقت تک ہر ایک کو دوسرے کے عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہے ماسوا بیع اختیار کے (وہ بیع جس میں اختیار کی شرط لگائی

كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

گئی ہو)

۳۷۴۳ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَا نَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ ح وَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ۔

امام مسلم نے پانچ مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت ذکر کی ہے۔

۳۷۴۴ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذَلِكَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں تو ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ہونے سے پہلے (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے، جب تک وہ ایک ساتھ رہیں یا ان میں سے ایک فریق دوسرے کو اختیار دے دے، جب ایک فریق نے دوسرے کو اختیار دے دیا اور انھوں نے اس پر بیع کر لی تو بیع واجب ہو گئی، اور اگر بیع کے بعد وہ دونوں متفرق ہو گئے اور ان میں سے کسی فریق نے بیع کو فسخ نہیں کیا تو بیع واجب ہو گئی۔

فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ۔

۳۷۴۵- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ زُهَيْرٌ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَمْلَى عَلَيَّ نَافِعٌ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْبَيْعِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَكُوْنُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَإِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ نَافِعٌ فَكَانَ إِذَا بَايَعَ رَجُلًا فَأَرَادَ أَنْ لَا يُقِيلَهُ قَامَ فَمَشٰى هُنَيْهَةً ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں تو جب تک وہ متفرق نہ ہوں ان میں سے ہر ایک اختیار ہے، الا یہ کہ ان کی بیع شرط خیار سے ہو اور جب وہ اپنے اختیار سے بیع کرلیں تو بیع واجب ہو جائے گی۔
نافع کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر کسی شخص سے بیع کرتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ یہ بیع فسخ نہ ہو تو (مجلس سے) کھڑے ہو جاتے اور کچھ دور چل کر واپس آجاتے۔

۳۷۴۶- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيٰى أَنَا وَقَالَ الْآخَرُوْنَ نَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیع کرنے والے ہر دو فریقوں کی اس وقت تک بیع (لازم) نہیں ہوگی جب تک کہ وہ متفرق نہ ہو جائیں ماسوا بیع خیار کے۔

۳۷۴۷- حَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ ح قَالَ وَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ نَا

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرید اور فروخت کرنے والے فریقین جب تک الگ نہ ہوں ان کو اختیار ہے، اگر وہ دونوں سچ بولیں اور (عیوب کو) بیان

شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

کردی تو ان دونوں کی بیع میں برکت ہوگی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور (عیوب کو) چھپائیں تو ان کی بیع کی برکت مٹادی جائے گی۔

۳۷۴۸- وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ نَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ وُلِدَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَعَاشَ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت بیان کی ہے، امام مسلم فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام کعبہ میں پیدا ہوئے اور ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔

خیارِ مجلس میں فقہاءِ شافعیہ اور فقہاءِ حنبلیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے طاؤس، سعید بن مسیب، عطاء، شریح قاضی، حسن بصری، شعبی، زہری اور فقہاءِ مجتہدین میں سے امام اوزاعی، امام سفیان بن عیینہ، امام عبداللہ بن مبارک، امام علی بن مدینی، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ نظریہ ہے کہ بائع اور مشتری جب تک مجلس سے اٹھ نہ جائیں انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور جب فریقین میں سے کوئی ایک مجلس سے اٹھ جائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ ان فقہاء نے اس باب کی ظاہر احادیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث میں جو تفرق کا لفظ ہے اس سے مراد تفرق بالابدان لیا ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام مالک اس حدیث میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال لیتے ہیں اور ایجاب وقبول کے بعد بیع لازم ہوجاتی ہے اور کسی فریق کو بھی بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا ماسوا خیارِ شرط، خیارِ رویت اور خیارِ عیب کی صورتوں کے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ احادیث صحیحہ فقہاءِ احناف اور فقہاءِ مالکیہ کے خلاف ہیں اور ان کے پاس ان احادیث کا کوئی صحیح جواب نہیں ہے۔[۱]

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

خیار مجلس میں فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے موقف پر دلائل

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ بائع اور مشتری جب تک دونوں جسمانی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں اور ایک مجلس میں جمع ہوں ان میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک مجلس سے چلا جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنے موقف کے ثبوت میں احادیث پیش کیں (یہ احادیث اس باب میں مذکور ہیں) اور لکھا ہے کہ فقہاء احناف ان احادیث میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال لیتے ہیں یعنی مشتری کہے "میں نے خریدا" کے بعد بائع میں نے بیچا کہہ دے تو تفرق بالاقوال ہو گیا اور بیع لازم ہو گئی۔ علامہ ابن قدامہ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حدیث میں ہے: اذا تبایع الرجلان فکل واحد منهما بالخیار "جب دو آدمیوں نے بیع کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے" اس حدیث میں بیع کے بعد اختیار کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بیع ایجاب و قبول کے مکمل ہونے یعنی تفرق بالاقوال سے ہوتی ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ تفرق بالاقوال یعنی بیع کے بعد اختیار باقی رہتا ہے اور تفرق بالاقوال سے ختم نہیں ہوتا، نیز حدیث میں ہے: وان تفرقا بعد ان تبایعا ولم یترک احد هما البیع فقد وجب البیع "جب بائع اور مشتری بیع کے بعد متفرق ہو جائیں اور کوئی فریق بیع کو فسخ نہ کرے تو بیع لازم ہو جاتی ہے" اس حدیث سے بھی ظاہر ہو گیا کہ بیع (یعنی تفرق بالاقوال) کے بعد اختیار باقی رہتا ہے حتیٰ کہ بائع اور مشتری متفرق ہو جائیں اور بیع کے بعد میں تفرق کا ذکر ہے اس سے مراد تفرق بالاقوال نہیں ہو سکتا اس لیے اس سے لامحالہ تفرق بالابدان مراد ہوگا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو اس حدیث کی تفسیر کی ہے اس سے مراد تفرق بالابدان لیا ہے کیونکہ جب وہ کسی شخص سے بیع کرتے تو مجلس سے اٹھ کر چند قدم چل لیتے تاکہ بیع لازم ہو جائے اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ دونوں اس حدیث کے راوی ہیں اور اس حدیث کا معنی زیادہ بہتر جانتے ہیں، حضرت عمر نے پہلے اس کے خلاف کہا تھا بعد میں اپنے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف رجوع کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سامنے کسی کا قول معتبر نہیں ہے[۱]

خیار مجلس میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابو الولید باجی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: "بائع اور مشتری جب تک دونوں متفرق نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے" اس حدیث کی تاویل میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ اس حدیث میں متبایعان سے مراد متساومان ہے (یعنی قیمت لگانے والے دو فریق) کیونکہ بیع کرتے وقت متبایعان درحقیقت قیمت لگانے کے وصف سے متصف ہوتے ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: لا یبیع بعضکم علی بیع بعض. "یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کی قیمت پر قیمت نہ لگائے" اس اعتبار سے اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ دو قیمت لگانے والے جب ایجاب و

۱۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۳ ص ۶، ۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

قبول کو مکمل کرلیں تو پھر ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور تفرق سے تفرق بالقول مراد ہوگا کیونکہ تفرق کا اطلاق معنوی افتراق پر بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے: وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ۔ " اہل کتاب نے کتاب آنے کے بعد ہی افتراق کیا" اس افتراق سے مجلس کا افتراق مراد نہیں ہے بلکہ دین میں اختلاف اور افتراق مراد ہے اسی لحاظ سے زیر بحث حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ دو قیمت لگانے والوں (بائع اور مشتری) کو اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ (ایجاب و قبول سے) بیع کو مکمل نہیں کر لیتے، امام ابوحنیفہ نخعی اور ربیعہ بن عبدالرحمن کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تفرق سے تفرق عن المجلس مراد ہے یعنی بیع کے وقت بائع اور مشتری کو اس وقت تک اختیار رہے گا جب تک کہ وہ شخصی طور پر ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوتے[1]

خیار مجلس میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں، اور اہل مدینہ نے کہا کہ ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے، جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے، امام محمد فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جب وہ اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار ہوتا ہے۔ ماسوا بیع الخیار کے ہم نے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام سے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے؟ انھوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا کہ تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں، جب بائع نے کہا " میں نے یہ چیز فروخت کی " تو اب مشتری کو اختیار ہے وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں ہے) حدیث کی تفسیر اس طریقہ سے ہے، امام محمد نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ کیونکہ جب انھوں نے رکاب میں پیر رکھا تو فرمایا: لوگ کل کہیں گے کہ عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو بیع صفقۃ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے۔" (امام محمد فرماتے ہیں) تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہو سکتا ہے؟ نیز ہمیں شریح سے یہ روایت پہنچی ہے کہ " جب دو شخص بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا " نیز امام محمد نے اہل مدینہ پر معارضہ

---

[1] علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۵ ص ۵۵ مطبوعہ دارالفکر العربی بیروت

[2] اس کی مزید وضاحت علامہ سرخسی کی عبارت میں آرہی ہے۔

کرتے ہوئے فرمایا: اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ کہ جب تفرق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے اور دوسرا شرط نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لیے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔ [۱]

خیار مجلس میں فقہاء احناف کے موقف پر قرآن مجید سے استدلال

ایجاب وقبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر فریقین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، فقہاء احناف نے یہ نظریہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے قائم کیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ (مائدہ: ۱) اے ایمان والو! عقد کو پورا کرو۔

عقد ایجاب وقبول کو کہتے ہیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بائع اور مشتری کو عقد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور خیار مجلس ایفاء عقد کے منافی ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ (نساء: ۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ناحق مال مت کھاؤ، البتہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

تراضی کے ساتھ تجارت ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے، اس لیے اب کسی فریق کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے۔

واشھدوا اذا تبایعتم۔ (بقرۃ: ۲۸۲) جب تم بیع کرو (تو اس بیع پر) گواہ کر لو۔

بیع ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اگر بیع ایجاب وقبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

خیار مجلس میں احناف کے موقف پر احادیث سے استدلال

خیار مجلس میں احناف کا نظریہ حسب ذیل احادیث پر قائم ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابتعت طعاما فلا تبعہ حتی تستوفیہ۔ [۲]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اناج خریدو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت فروخت کرو۔

---

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۶۹۳ - ۶۸۰ ملخصاً، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور
[۲] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ حدیث خیار مجلس کی نفی پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اناج پر قبضہ کے بعد اس کی بیع جائز ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مجلس سے اٹھنے سے پہلے اناج پر قابض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تفرق عن البدن سے پہلے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا تو تفرق عن البدن سے پہلے خریدار کا مبیع کو بیچنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ مبیع پر قبضہ کے بعد تفرق سے پہلے یہ بیع جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ تفرق عن البدن تک خیار نہیں رہتا اور باب مذکور کی احادیث میں تفرق سے تفرق عن القول مراد ہے تفرق عن البدن مراد نہیں ہے۔[1]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر فکان یغلبنی فیتقدم امام القوم فیزجرہ عمر و یردہ ثم یتقدم فیزجرہ عمر و یردہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بعنیہ فقال ھو لک یا رسول اللہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعنیہ فباعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو لک یا عبد اللہ بن عمر تصنع بہ ما شئت[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، میں حضرت عمر کے ایک اکھڑ اونٹ پر سوار تھا، جو میرے قابو میں نہیں آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمر اس کو جھڑک کر لوٹاتے وہ پھر آگے نکل جاتا۔ حضرت عمر پھر اس کو جھڑک کر لوٹاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دو، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی ملکیت ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اونٹ فروخت کر دو، پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اونٹ فروخت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن عمر! یہ اونٹ تمہارا ہے تم اس سے جو چاہو کرو!

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدتے ہی تفرق عن المجلس سے پہلے وہ اونٹ حضرت عبد اللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا اگر اس وقت یہ بیع لازم نہ ہوئی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خریدتے ہی وہ اونٹ ہبہ نہ کرتے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن رجل من کنانۃ قال، قال عمر حین وضع رجلہ فی الغرز وھم بمنی: اسمعوا ما اقول لکم ولا تتقولوا، قال عمر، قال عمر!

کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے فرمایا سنو میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ نہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے، یہ عمر کا

[1] امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ۔
[2] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

البیع عن صفقة او خیار و لکل مسلم شرطه۔[1] قول ہے بیع یا سودے سے ہوتی ہے یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

امام عبدالرزاق نے یہ حدیث حجاج سے بھی روایت کی ہے۔[2]

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں صفقہ (سودا طے ہوجانا) اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری بیع لازم جس میں اختیار ہو، اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔[3]

اس حدیث کی سند پر شیخ ابن حزم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلی روایت مجہول سے ہے اور دوسری حجاج بن ارطاۃ سے ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن چونکہ یہ حدیث طرق متعددہ سے مروی ہے اس لیے استدلال کے لائق ہے، خصوصاً اس لیے کہ امام مجتہد امام محمد بن حسن شیبانی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال اس کی تقویت کا موجب ہے۔

فقہاء شافعیہ وحنابلہ کے جوابات

فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ کے دلائل کے جوابات علامہ ابوالولید باجی مالکی اور امام محمد بن حسن شیبانی کی عبارات میں آچکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

الا بیع الخیار کی تشریح

حدیث نمبر ۳۷۳۰ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بائع اور مشتری جب تک الگ الگ نہ ہوں اس وقت ہر ایک کو فسخ عقد کا اختیار ہے ماسوا بیع الخیار کے۔

اس حدیث میں اس استثناء کی تشریح میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء احناف نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تفرق بالقول (یعنی ایجاب وقبول کے بعد) بیع لازم ہو جاتی ہے البتہ فریقین میں سے کوئی ایک خیار شرط لگائے پھر بیع لازم نہیں ہوگی اور تفرق بالقول کے بعد بھی بیع بالخیار رہے گی، اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک معنی یہ ہے کہ بیع کے بعد تفرق بالبدن تک اختیار رہے گا اور اس کے بعد بیع لازم ہو جائے گی الا یہ کہ فریقین میں سے کوئی ایک خیار شرط لگانے پھر تفرق عن المجلس کے بعد بھی بیع لازم نہیں ہوگی۔

علامہ نووی شافعی نے اس استثناء کے تین محمل بیان کیے ہیں (ا) زیادہ صحیح یہ ہے کہ فریقین کو عقد کے بعد مجلس سے اٹھنے تک فسخ کا اختیار رہتا ہے الا یہ کہ دونوں مجلس میں بیع کو اختیار کرلیں پھر تفرق عن المجلس تک فسخ کا اختیار نہیں رہے گا اور بیع لازم ہو جائے گی (ب) فریقین کو تفرق عن المجلس تک اختیار رہے گا اور اس کے بعد بیع لازم ہو جائے گی الا یہ کہ کوئی فریق خیار شرط لگائے پھر تفرق عن المجلس کے بعد بھی بیع لازم نہیں ہوگی اور شرط لگانے والے کو اختیار رہے گا۔ (ج) فریقین کو تفرق عن المجلس تک اختیار رہتا ہے سوا اس بیع کے جس میں نفی اختیار کی شرط لگائی جائے پھر نفس بیع سے

---

[1] امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۵۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[2] 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۵۲ 〃

[3] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۵۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ۔

خیار شرط میں مذاہب فقہاء اگر بیع کے وقت فریقین میں سے کوئی بعد میں بیع فسخ کرنے کی شرط لگائے تو اس کو خیار شرط کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک خیار شرط کی انتہائی مدت تین دن ہے، امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور ہمارے علماء میں سے امام ابویوسف اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے کوئی قید نہیں ہے جس مدت پر بھی فریقین کا اتفاق ہو جائے جائز ہے اور امام مالک کے نزدیک خیار کی مدت مبیع کے اعتبار سے ہے زمین کے لیے ایک ماہ کپڑے اور دیگر تجارتی اشیاء میں دو دن اور حیوانات میں پانچ دن ہے۔[2]

بَابُ ۹۳ مَنْ يُّخْدَعُ فِي الْبَيْعِ — جو شخص بیع میں دھوکا کھا جائے

۳۷۴۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَ يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ وَ ابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى اَنَا وَ قَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ ذَكَرَ رَجُلٌ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ اِذَا بَايَعَ يَقُوْلُ لَا خِيَابَةَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس کو بیوع میں دھوکا دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جس شخص سے بیع کرو اس سے کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہیں ہوگا، وہ شخص جب بیع کرتا تو کہہ دیا کرتا کہ دھوکا نہیں ہوگا۔

۳۷۵۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيْعٌ قَالَ نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِهِمَا فَكَانَ اِذَا بَايَعَ يَقُوْلُ لَا خِيَابَةَ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ جب وہ بیع کرتا تو کہتا دھوکا نہیں ہوگا۔ (وہ شخص لا خلابة کی جگہ لا خیابة کہتا تھا، اس کی زبان سے لام نہیں نکلتا تھا۔ کیونکہ ایک جنگ میں اس کے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے اس کی عقل اور زبان میں کچھ نقص واقع ہو گیا تھا)۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

[2] علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد اندلسی مالکی متوفی ۵۹۵ ھ، بدایة المجتہد ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

لاخلابۃ کہنے کی وجہ

یہ شخص (حبّان بن منقذ) صاحب بصیرت نہیں تھا اور عدم بصیرت کی وجہ سے اس کو بیع اور شراء میں نقصان ہو جاتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کلمات تلقین کیے تاکہ لوگ اس سے بیع کا معاملہ کرتے وقت اس کی اس کمزوری سے مطلع رہیں اور بیع میں ازراہِ ہمدردی اس کا خیال کریں کہ کہیں اس کو نقصان نہ ہو جائے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ایک جنگ میں انکے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے انکی زبان اور عقل میں کچھ نقص آگیا تھا ۔[1]

ناتجربہ کار کو زیادہ مہنگے داموں پر فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

حضرت حبّان بن منقذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاخلابۃ کہنے کا حکم دیا تھا اس بناء پر فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہوا کہ مسترسل (جس شخص کو سودے کی قیمت کا پتا نہ ہو اور نہ ہی اس کو خرید و فروخت کا تجربہ ہو) اگر کوئی چیز خریدے اور بائع اس کے ساتھ غبن کرے (یعنی اس کی ناتجربہ کاری کی بناء پر زیادہ مہنگے داموں میں فروخت کرے) تو آیا اس کو خیار فسخ ہے یا نہیں ؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ مسترسل کے ساتھ جب غیر معمولی غبن کیا جائے تو اس کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا ، امام مالک کا بھی یہی موقف ہے اور امام ابو حنیفہ ، اور امام شافعی فرماتے ہیں اس کو سودا فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ جب چیز صحیح ہو اور اس کو کم قیمت پر فروخت کر دیا جائے تو اس سے بیع کے لزوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا ، جیسا کہ غیر مسترسل پر کسی چیز کو فروخت کر دے یا جیسا کہ معمولی غبن میں خیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے غبن کی تفسیر میں کئی قول لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ کسی چیز کی قیمت ایک تہائی سے زیادہ لگائی جائے یعنی دس روپیہ کی چیز پندرہ میں فروخت کر دی جائے امام مالک نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تہائی کثیر ہے ، بعض فقہاء نے کہا چھٹا حصہ قیمت زیادہ ہو تو غبن ہے اور بعض فقہاء نے کہا جو قیمت تاجروں کے عام معمول سے زیادہ لگائی جائے وہ غبن ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ عرف پر موقوف ہے ۔[2]

فقہاء مالکیہ اور حنابلہ نے مسترسل کے لیے خیار فسخ ثابت کرنے میں حضرت حبان بن منقذ کی حدیث سے استدلال کیا ہے ۔ اور فقہاء احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ یہ ان کی خصوصیت تھی ۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں : فقہاء کا اس حدیث میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے اس کے حکم کو حضرت حبّان کے ساتھ خاص رکھا ہے ، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا یہی نظریہ ہے اور امام مالک سے بھی یہی صحیح روایت ہے اور بغداد کے مالکی علماء اس حدیث کی بناء پر مسترسل (ناتجربہ کار) کے لیے خیار فسخ کے قائل ہیں ۔[3]

غبن فاحش کی وجہ سے خیار کے حکم میں متاخرین فقہاء احناف کا موقف

متاخرین فقہاء احناف نے غبن فاحش کی صورت میں بیع فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے ، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں :

---

[1] ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، الطبعۃ الاولیٰ ، ۱۳۷۵ھ

[2] ۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ ، المغنی ج ۴ ص ۱۸ ، ۱۷ ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ، ۱۴۰۵ھ

[3] ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، الطبعۃ الاولیٰ ، ۱۳۷۵ھ

متاخرین نے غبن فاحش میں بیع کو رد کرنے کا اختیار دیا ہے یا مطلقاً، یا دھوکے کی صورت میں خریدار پر رحم کرتے ہوئے یہ حکم اس قاعدہ کے تحت بیان کیا ہے کہ مشقت، آسانی کا باعث ہوتی ہے [1]

علامہ حموی لکھتے ہیں: تنویر میں ہے ظاہر الروایۃ کے مطابق غبن فاحش کی وجہ سے رد نہیں ہو سکتا اور فتویٰ یہ ہے کہ اگر خریدار کو دھوکا دیا جائے تو وہ بیع رد کر سکتا ہے، علامہ زیلعی نے فرمایا بائع نے مشتری سے کہا اس چیز کی (بازار میں) اتنی قیمت ہے اور اس نے وہ چیز خرید لی بعد میں معلوم ہوا اس کی قیمت کم ہے تو وہ بیع رد کر سکتا ہے کیونکہ اس کو دھوکا دیا گیا تھا۔ اور اگر اس نے اس طرح نہیں کہا تھا تو پھر رد کرنا جائز نہیں ہے (مثلاً یوں کہا ہو کہ میں اتنے کی دوں گا) صدر الشہید نے بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے ـــــ دھوکے کی وجہ سے غبن فاحش کی بناء پر رد کرنے کا خیار بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہے اور کثیر فقہاء کے نزدیک یہی معتمد ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خیار وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے یا نہیں؛ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ اختیار وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ـــــ غبن فاحش کا معیار یہ ہے کہ جو قیمت عام قیمت سے زیادہ ہو اور اتنی قیمت پر کوئی شخص اس چیز کو فروخت نہ کرتا ہو وہ غبن فاحش ہے [2]

بَابُ (۲۹۳) النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلَاحِهَا بِغَيْرِ شَرْطِ الْقَطْعِ

ظہور صلاحیت سے پہلے درختوں پر پھلوں کی بیع کا عدمِ جواز

۳۷۵۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا۔ بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔

۳۷۵۲ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

۳۷۵۳ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

---

[1] علامہ زین العابدین ابراہیم الشہیر بابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، کتاب الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ

[2] سید احمد بن محمد حنفی حموی، غمز عیون البصائر ج ۱ ص ۲۵۸ - ۲۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتَّى تَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ وَنَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بالیوں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں، بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

۳۷۵۴- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَيَذْهَبَ عَنْهُ الْآفَةُ قَالَ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا حُمْرَتُهُ وَصُفْرَتُهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے اور وہ (قدرتی) آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں ان کو مت فروخت کرو۔ آپ نے ظہور صلاحیت کا معیار یہ بیان فرمایا کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائیں۔

۳۷۵۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ يَحْيَى بِهٰذَا الْإِسْنَادِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ لَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں صرف پھلوں کی ظہور صلاحیت کا ذکر ہے اور بعد کی علامتوں کا ذکر نہیں ہے

۳۷۵۶- حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَبْدِ الْوَهَّابِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل بیان کی۔

۳۷۵۷- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت بیان کی۔

مَالِكٍ وَعُبَيْدِ اللهِ.

٣٧٥٨ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو۔

٣٧٥٩ - وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا مَا صَلَاحُهُ قَالَ تَذْهَبُ عَاهَتُهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ پھلوں کی ظہور صلاحیت کا کیا معیار ہے؟ انھوں نے فرمایا وہ (قدرتی) آفات سے محفوظ ہو جائیں۔

٣٧٦٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَى أَوْ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيبَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

٣٧٦١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا أَبُو عَاصِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَا رَوْحٌ قَالَ نَا زَكَرِيَّا ابْنُ إِسْحٰقَ قَالَ نَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ۔

۳۷۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَاكُلَ مِنْهُ اَوْ يُؤْكَلَ مِنْهُ وَحَتّٰى يُوْزَنَ قَالَ فَقُلْتُ مَا يُوْزَنُ فَقَالَ رَجُلٌ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرَزَ۔

ابو البختری کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کھجوروں کی بیع کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ کھائی جانے یا کھلائی جانے کے قابل اور وزن کے لائق ہو جائیں، میں نے پوچھا وزن کے لائق ہونے کا کیا مطلب ہے تو ان کے پاس (بیٹھا ہوا) ایک شخص بولا: تاوقتیکہ وہ کاٹ کر محفوظ رکھنے کے لائق ہو جائیں۔

۳۷۶۳۔ وَحَدَّثَنِيْ اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نُعْمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الثِّمَارَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو۔

ظہور صلاحیت کی تفسیر میں اختلاف فقہاء

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا معنی یہ ہے کہ پھل اتنی مقدار کے ہو جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آجانا ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۸۹ مطبوعہ سکھر، ایضاً (مبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۶) ایضاً (بنایہ ج ۳ ص ۳۰) ایضاً (رد المحتار ج ۴ ص ۵۲ مطبوعہ استنبول) بعض معاصرین نے جو مدعی حنفیت ہیں ظہور صلاحیت کا معنی بیان کرتے ہوئے شافعیوں کی تفسیر لکھ دی ہے لکھتے ہیں: یبدو اصلاح کا معنی یہ ہے کہ پھل کی ترشی اور سختی جاتی رہے اور اس میں مٹھاس اور نرمی آجائے۔ [۱]

---

[۱] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری، ج ۳ ص ۳۳۵ مطبوعہ فیصل آباد

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع کی تین صورتیں ہیں:

(۱)۔ کوئی شخص درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کرے اور درختوں پر پھلوں کے لگے رہنے کی شرط لگائے یہ بیع بالاجماع باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم) اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

(۲)۔ کوئی شخص پھلوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کرے کہ ان پھلوں کو فوراً توڑ لیا جائے گا، یہ بیع بالاجماع صحیح ہے کیونکہ بیع سے ممانعت اس وجہ سے تھی کہ اگر پھل درخت پر لگے رہے تو ان کے تلف ہونے یا قدرتی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اور جب ان کو فوراً توڑ لیا گیا تو یہ خطرہ نہیں رہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع کیا اور فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو روک لیا تو تم اپنے بھائی کا مال کس وجہ سے حلال کرو گے (بخاری) اور پھل توڑ لیے جانے کی وجہ سے چونکہ پھل اس آفت سے محفوظ ہو گئے اس لیے یہ بیع جائز ہے۔

(۳)۔ خریدار پھلوں کی مطلقاً بیع کرے، پھلوں کو توڑنے کی شرط لگائے نہ درخت پر باقی رکھنے کی، امام احمد بن حنبل، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ بیع باطل ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ عقد کو مطلق رکھنے کا یہ تقاضا ہے کہ پھلوں کو توڑ لیا جائے اور جس طرح پھلوں کو توڑنے کی شرط سے بیع جائز ہے اسی طرح یہ مطلق عقد بھی جائز ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے بیع سے مطلقاً منع فرمایا ہے اور ممانعت کی صورت محل نزاع کو بھی شامل ہے۔[۱]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اسی طرح پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اگر یہ شرط لگائی جائے کہ پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا جائے گا اور توڑا نہیں جائیگا تب بھی اس بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کو توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع جائز ہے، اسی طرح اس میں بھی اتفاق ہے کہ صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد پھلوں کی بیع جائز ہے لیکن ظہور صلاحیت کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل قدرتی آفات اور فساد سے محفوظ ہو جائیں (مثلاً بور بننے کا مرحلہ گذر جائے اور پھل اپنی ہیئت اختیار کر لیں) اور امام شافعی کے نزدیک ظہور صلاحیت کا معنی یہ ہے کہ پھل پک جائیں اور ان میں مٹھاس آ جائے اور ظہور صلاحیت سے پہلے بیع کے جواز میں اختلاف، ظہور صلاحیت کے معنی میں اختلاف پر مبنی ہے، یعنی ظہور صلاحیت سے پہلے ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

پھلوں کی بیع مطلقاً (بغیر توڑنے کی شرط کے) کرنا جائز نہیں ہے اور ہمارے نزدیک جائز ہے، البتہ اگر اس حال میں ہوں کہ ان سے کھانے میں بالکل فائدہ نہ اٹھایا جاسکے نہ ہی اس کو جانور کھا سکیں تو اس میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، قاضی خاں نے لکھا ہے کہ ہمارے عام مشائخ اس کو ناجائز کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ ایسا مال ہے جس سے مستقبل میں فائدہ ہوسکتا ہے اگرچہ فی الحال اس سے فائدہ حاصل نہیں ہے ایسی صورت میں یعنی جب پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو تو توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اور مطلقاً بھی بیع جائز ہے اور خریدار پر واجب ہے کہ فوراً پھلوں کو درختوں سے کاٹ لے اور اگر اس نے اس شرط کے ساتھ بیع کی ہے کہ پھلوں کو درخت پر چھوڑا جائے گا تو اگر پھل اپنی انتہائی مقدار تک نہیں پہنچے (یعنی پکے ہیں) تو سب کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے اور اگر پھل اپنی انتہائی مقدار تک پہنچ چکے ہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پھر بھی یہ بیع ناجائز ہے اور یہی قیاس ہے، البتہ امام محمد اس بیع کو استحساناً جائز کہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی قول کو عموم بلویٰ کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ امام ابو یوسف نے ان دونوں صورتوں میں عدم جواز کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور وہ غیر کی ملکیت میں تصرف ہے اور اگر اس کی اجرت دی جائے تو یہ بیع در بیع ہے۔[1]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع کے جواز میں فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت سے پہلے درخت پر پھلوں کی مطلقاً (یعنی کاٹ لینے کی شرط کے بغیر) بیع کرنا جائز ہے۔ فقہاء احناف نے اپنے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من باع نخلا قد ابرت فثمرها للبائع الا ان یشترط المبتاع۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کھجور کے درخت کو بیچا اس کے پھل بائع کے ہیں الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگالے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ پیوند کاری ظہور صلاحیت سے پہلے کی جاتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیوند کاری کے متصل بعد بیع کی اجازت دی ہے اس صورت میں بیع کی یہ اجازت ظہور صلاحیت سے پہلے ہوگی، اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بیع تو درخت کے تابع ہے جس سے یہ ثابت ہوگا کہ جو پھل درخت کے تابع ہوں ان کی بیع ظہور صلاحیت سے پہلے بھی ہوسکتی ہے اس سے علیحدہ پھلوں کی بیع کا جواز لازم نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جس متصل چیز کی بیع شرط کے ساتھ ہو اس کی بیع علیحدہ بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے بکری کا بچہ بکری کی بیع میں بغیر شرط

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۴۸۹ - ۴۸۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

کے داخل نہیں ہوتا اور بکری کے بچے کی علیحدہ بیع بھی ہو سکتی ہے

فقہاء احناف کی دوسری دلیل امام مالک کی حسب ذیل روایت ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن تقول ابتاع رجل ثمر حائط فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم فعالجه وقام فیه حتی تبین له النقصان فسأل رب الحائط ان یضع له او ان یقیله فحلف ان لا یفعل فذهبت ام المشتری الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرت ذلک له فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم تألی ان لا یفعل خیرا فسمع بذلک رب الحائط فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله هو له [1]

عمرہ بنت عبد الرحمان بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک باغ کے پھل خریدے، پھر اس نے ان پھلوں پر کام کیا اور ان کے تیار ہونے تک ٹھہرا رہا حتیٰ کہ اسے پتہ چلا کہ اسے اس سودے میں نقصان ہوا ہے پھر اس نے باغ کے مالک سے کہا یا تو قیمت میں کمی کرے یا اپنے پھل واپس لے لے۔ باغ کے مالک نے قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ خریدار کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے خیر نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، باغ کے مالک نے یہ سن لیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ یہ (قیمت میں کمی یا سودے کی واپسی) اس کے لیے ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کیے گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو مقرر رکھا، اگر یہ بیع ناجائز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باغ کے آقا کو صلح پر نہ برانگیختہ کرتے، بلکہ تقاضاً اس بیع کو فسخ فرما دیتے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس حدیث کو کتاب الصلح میں ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں دلیلیں علامہ ابن ہمام نے فقہاء احناف کے موقف پر قائم کی ہیں [2]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع کے عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کی حدیث کا جواب۔

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے بیع سے منع فرمایا ہے۔ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب خریدار پھلوں کو درخت پر برقرار رکھنے کی شرط لگائے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن ہمام کی بیان کردہ صورت ثانیہ سے ظاہر ہے، رہا یہ سوال کہ حدیث میں تو عموم ہے خواہ خریدار درخت پر برقرار رکھنے کی شرط لگائے یا نہ لگائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عموم پر ائمہ ثلاثہ بھی

[1] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۷۰۵-۷۰۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۰۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب خریدار کاٹنے کی شرط لگائے تو ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع جائز ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ کی بیان کردہ دوسری اور علامہ ابن ہمام کی بیان کردہ تیسری صورت سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جب خریدار کاٹنے کی شرط نہ لگائے اور فقہاء احناف نے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جب خریدار کاٹنے کی شرط لگائے گویا اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع کا شرعی حکم

ہمارے زمانے کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی جاتی ہے اور پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے، اور کبھی ان پھلوں کی صلاحیت کے ظہور (پکنے کے آثار) سے پہلے بیع ہوتی ہے اور زیادہ تر بیع اس وقت ہوتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس کے بھی ظہور سے پہلے بیع ہو جاتی ہے، پھلوں کی بیع کی یہ تمام مروجہ صورتیں باطل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الثمر حتی یبدو صلاحھا، نھی البائع والمبتاع۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، آپ نے خریدار اور بائع دونوں کو منع فرمایا ہے۔" نیز پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے عدم جواز پر تمام فقہاء کا اجماع ہے جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے پہلی بحث میں ذکر کیا ہے اور حدیث میں بھی معدوم کی بیع کی ممانعت ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع کے بطلان کی ایک وجہ پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدار ان پھلوں کو ایک معینہ عرصہ تک درختوں پر برقرار رکھتا ہے اور اگر خریدار پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کی شرط سے بیع کرے تو یہ بیع بھی بالاجماع باطل ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ اور علامہ ابن ہمام کے حوالوں سے گذر چکا ہے۔ لیکن آج کل تقریباً تمام دنیا میں پھلوں کی بیع کا یہی طریقہ ہے اور اسلامی احکام سے جہالت کے غلبہ کی وجہ سے لوگ سالہا سال سے اس معمول کے عادی ہو گئے ہیں اور اگر عدم جواز کے اس حکم کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو آج دنیا میں کسی جگہ کوئی پھل کھانا جائز نہیں ہوگا الا یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ سے خود پھل توڑ کر کھائے۔ اس مشکل سے نجات کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان تاجروں کو اسلامی طریقہ سے باغات کے پھلوں کی بیع پر مجبور کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع میں جواز کا پہلو تلاش کیا جائے۔ الحمد للہ ہمارے فقہاء نے غور و فکر کر کے ایسی فقہی صورتیں بیان کر دی ہیں جن کی رو سے پھلوں کی مروجہ بیع جائز ہو جاتی ہے۔ پہلے ہم پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کا حل ذکر کریں گے اور اس کے بعد ایک معین عرصہ تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل بیان کریں گے۔ وباللہ التوفیق:

پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حل

باغ کے پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کے حل کی متعدد صورتیں عبارات فقہاء سے واضح ہوتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ وہ ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک کے لیے باغ کی زمین کو کرایہ پر لے لے پھر پھلوں کے آثار نے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

ان هنالك لو استأجر الارض مدة معلومة يجوز .[1]

اس صورت میں اگر وہ مدت معلومہ کے لیے زمین کو کرایہ پر لے لے تو جائز ہے۔

ہر چند کہ یہ حل بالکل صاف اور بے غبار ہے اور اس پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے لیکن تمام دنیا کے تاجروں کو یک لخت اس حل کی طرف لوٹا دینا عملاً مشکل ہے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اذا صار بعض الثمار منتفعا به ولم يخرج البعض بعد او لم يصر منتفعا به ولم يخرج البعض ولم يصر منتفعا به كالتين ونحوه فاشترى الكل فظاهر المذهب ان هذا العقد لا يجوز عندنا خلافا لمالك (الى قوله) قال رضى الله عنه وكان شيخنا الامام شمس الائمة يفتى بجواز هذا البيع فى الثمار والباذنجان والبطيخ وغير ذلك وهكذا حكى عن الشيخ الامام ابى بكر محمد بن الفضل قال اجعل الموجود اصلا فى العقد وما يحدث بعد ذلك تبعا قال استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فى ذلك عادة ظاهرة وفى نزع الناس عن عاداتهم حرج بين قال وقد رأيت رواية فى هذا عن محمد وهو فى بيع الورد على الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البيع فى الكل مطلقا بهذا الطريق .[2]

جب بعض پھل لائق نفع ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا بعض لائق نفع نہ ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا قابل نفع نہ ہوں مثلاً تنکوں کی طرح ہوں (یا بور کی حالت میں ہوں) اور خریدار سب کو خریدے تو ظاہر مذہب میں یہ عقد باطل ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں ہمارے استاذ شمس الائمہ (حلوانی) پھلوں، بینگن اور خربوزوں وغیرہ میں اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، امام محمد بن فضل سے بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔ انہوں نے کہا میں اس عقد میں موجود کو اصل اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیتا ہوں، انہوں نے کہا میرے نزدیک یہ بیع مستحسن ہے کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے کیونکہ وہ انگوروں کو اسی طرح فروخت کرتے ہیں اور ان کی اس بیع میں عادت معروف ہے اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے۔ امام محمد بن فضل نے کہا میں نے اس مسئلہ میں امام محمد کی ایک روایت بھی دیکھی اور درختوں پر گلاب کے پھولوں کی بیع ہے کیونکہ پھول بعد میں بھی آتے ہیں، پھر انہوں نے تمام چیزوں میں اس طریقہ سے مطلقاً بیع کو جائز قرار دیا۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[2] ″ ″ ″ ″ ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، ″ ″ ″ ″

علامہ سرخسی نے متعدد مستند فقہاء کے حوالوں سے پھلوں کی بیع کی جو یہ صورت ذکر کی ہے یہ باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع پر مکمل صادق آتی ہے اور بیع کی اس صورت کے جواز سے مسلمانوں سے حرج عظیم دور ہو جاتا ہے ورنہ کسی مسلمان کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہیں ہوگا، علامہ سرخسی کی اس عبارت کو تلخیص کے ساتھ علامہ ابن ہمام[1]، علامہ ابن نجیم[2] اور علامہ حصکفی[3] نے بھی نقل کر کے بطور حل کے پیش کیا ہے۔

تیسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے اور اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔ اور فی الواقع باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع اسی طرح ہوتی ہے خریدار موجود پھل (خواہ وہ جس حال میں بھی ہوں) خرید لیتا ہے اور باغ کا مالک فصل تک پیدا ہونے والے پھل اس کے لیے حلال کر دیتا ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

او یشتری الموجود بجمیع الثمن ویحل له البائع ان ینتفع بما یحدث فیحصل مقصودهما بهذا الطریق۔[4]

یا خریدار موجود پھلوں کو پوری قیمت سے خرید لے اور بائع اس کے لیے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کا لینا حلال کر دے۔ اس طریقے سے دونوں کا مقصود حل ہو جائے گا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

فی ثمار الاشجار یشتری الموجود ویحل له البائع ما یوجد۔[5]

درختوں کے پھلوں میں جو موجود ہوں ان کو خرید لے اور (فصل تک) بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لیے حلال کر دے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی نے بھی اس حل کا ذکر کیا ہے۔[6]

یہ تین حل اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو لیکن ہمارے اہل علم نا؟ اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا یا چند درختوں پر بور آیا ہوا ہوتا ہے اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم قرار دیا جائے اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی اور پھلوں کا کھانا جائز ہو جائے گا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورة فی

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں ضرورت کا

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۔ علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

۳۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۵۲-۵۳، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ ھ

۴۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ ھ

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۶۔ علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

زماننا ولا سيما في مثل دمشق الشام كثيرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم بالتخلص باحد الطرق المذكورة وان امكن ذلك بالنسبة الى بعض افراد الناس لا يمكن بالنسبة الى عامتهم وفي نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت ويلزم تحريم اكل الثمار في هذه البلدان اذ لا تباع الا كذلك والنبي صلى الله عليه وسلم انما رخص في السلم للضرورة مع انه بيع المعدوم فحيث تحققت الضرورة هنا ايضا امكن الحاقه بالسلم بطريق الدلالة فلم يكن مصادما للنص فلذا جعلوه من الاستحسان لان القياس عدم الجواز[1]

متحقق ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت اور پھل بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اس لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا (مثلاً زمین کرایہ پر لینا) ناممکن ہے ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے اس پر عمل کرانا ممکن ہے لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا، ناممکن ہے، اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے۔ اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے یہ لازم آئے گا کہ پھلوں کا کھانا حرام ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر دی ہے۔ حالانکہ وہ بیع المعدوم ہے پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے اس لیے اس بیع کا بیع سلم کے ساتھ دلالت کے طریقہ سے لاحق کرنا ممکن ہے پس یہ بیع حدیث (لا يبيع احد ما ليس عنده "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے) کے مخالف نہ رہی اس لیے اس بیع کو استحساناً جائز کیا ہے کیونکہ قیاس ظاہر کا تقاضا عدم جواز ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع میں پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل

تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پھل خریدنے کے بعد ان کا درخت سے اُتارنا واجب ہے اور اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ وہ پکنے تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھے گا تو اس کی یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ سودا در سودا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے یا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع کیا ہے۔ (طبرانی) باغ کے پھلوں کی بیع میں ایک خاص وقت تک پھل درخت پر رہنے دیے جاتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی اس بیع میں اشکال پیدا ہو گیا۔

اس اشکال کا ایک حل یہ ہے کہ بیع بغیر شرط ترک کے کی جائے اور پھر اگر بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دینے کی اجازت دے دے تو جائز ہے اور چونکہ عرف یہ ہے کہ بیع میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی اور ایک مدت معینہ تک پھلوں کے درختوں پر برقرار رہنے پر بائع کو اعتراض نہیں ہوتا اس لیے یہاں حکماً بائع کی اجازت حاصل ہے۔

---

[1] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۵۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

علامہ ابوالحسن مرغینانی فرماتے ہیں:

ولو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الفضل۔[1]

اگر خریدار نے پھلوں کی مطلقاً بیع کی اور بائع کی اجازت سے ان کو درختوں پر چھوڑ دیا تو اس سے جو زائد پھلوں کی پیداوار ہوگی وہ خریدار کے لیے حلال وطیب ہے۔

اس اشکال کا دوسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کے عدم جواز کا سوال اس وقت پیدا ہوگا جب بیع کے وقت درختوں پر پھل یا پھلوں کا بور موجود ہو اور ان کی بیع پہلے مذکور دو طریقوں سے کی جائے لیکن اگر بیع کے وقت بور یا کوئی چیز موجود نہ ہو اور مروجہ بیع ایسے ہی ہوتی ہے تو یہ علامہ شامی کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق بیع سلم ہے جو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب مروجہ طریقہ کے مطابق بیع جائز قرار پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد: "ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو" کا کیا محل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اطلاق مواضع ضرورت کے ماسوا مواقع پر ہوگا اور مواضع ضرورت، ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسری حدیث سے تعارض ہے اور وہ ہے "لایبیع احد مالیس عندہ" "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے"[2] اور معدوم کی بیع مواضع ضرورت کے ماسوا میں ناجائز ہے اور جس طرح بیع سلم ضرورت کی بنا پر جائز ہے، اسی طرح پھلوں کی مروجہ بیع بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے ایسی جزئیات بیان کر دی ہیں جس سے مروجہ بیع جائز ہوگئی اور بازار میں بکنے والے پھلوں کا کھانا جائز ہوگیا ورنہ کسی شخص کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہ ہوتا۔ وللہ الحمد۔

بَابُ ۴۹۹ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ اِلَّا فِي الْعَرَايَا

کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع کی ممانعت اور عرایا کا جواز

۳۷۶۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لَهُمَا قَالَا نَا سُفْيَانُ قَالَ نَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا اور تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں (چھواروں) کے عوض بیع سے منع فرمایا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی بیع کی

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۲۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

[2] حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي رِوَايَتِهِ أَنْ تُبَاعَ۔

اجازت دی اور ابن نمیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عرایا کو بیچنے کی اجازت دی۔

۳۷۶۵- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَحَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ سَوَاءً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت بیچو اور تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے۔

۳۷۶۶- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا حُجَيْنٌ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَاعَ ثَمَرُ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ وَالْمُحَاقَلَةُ أَنْ يُبَاعَ الزَّرْعُ بِالْقَمْحِ وَاسْتِكْرَاءُ الْأَرْضِ بِالْقَمْحِ قَالَ وَأَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا، مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ ہے کہ کھیت کی کھڑی فصل کو اناج کے بدلے میں فروخت کیا جائے (یعنی گندم کے خوشوں کو گندم کے عوض) اور گندم کے بدلے میں زمین کرائے پر لینے سے آپ نے منع فرمایا ہے اور سالم بن عبداللہ بن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع مت کرو اور تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو اور سالم نے کہا مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے

وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالثَّمَرِ وَقَالَ سَالِمٌ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ أَوْ بِالتَّمْرِ وَلَمْ يُرَخِّصْ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ۔

یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے ساتھ بیع کی اجازت دی اور عرایا کے علاوہ اور کسی صورت میں اجازت نہیں دی۔

۳۷۶۷- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب عرایا کو اندازے سے خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۶۸- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يُحَدِّثُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں یہ اجازت دی ہے کہ گھر والے اندازے کے ساتھ خشک کھجوریں دیں اور تازہ کھجوریں کھائیں۔

۳۷۶۹- وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے

۳۷۷۰- وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَالْعَرِيَّةُ النَّخْلَةُ تُجْعَلُ لِلْقَوْمِ فَيَبِيعُونَهَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ عریہ کھجور کا وہ درخت ہے جو (نادار) لوگوں کو دیا جائے پھر اندازے سے اس کے پھلوں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں خرید لیا جائے

۳۷۷۱- حدثنا محمد بن رمح بن المهاجر قال انا الليث عن يحيى بن سعيد عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في بيع العرية بخرصها تمرا قال يحيى العرية ان يشتري الرجل ثمر النخلات لطعام اهله رطبا بخرصها تمرا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ میں اندازے سے چھواروں کی بیع کی اجازت دی، یحییٰ نے کہا عریہ کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے اندازے سے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلہ میں خریدے۔

۳۷۷۲- وحدثنا ابن نمير قال نا ابي قال نا عبيد الله قال حدثني نافع عن ابن عمر عن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرايا ان تباع بخرصها كيلا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں ناپ کے اندازے سے بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۷۳- وحدثناه ابن مثنى قال نا يحيى بن سعيد عن عبيد الله بهذا الاسناد وقال ان تؤخذ بخرصها۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے۔

۳۷۷۴- وحدثنا ابو الربيع وابو كامل قالا نا حماد ح قال وحدثنيه علي بن حجر قال نا اسماعيل كلاهما عن ايوب عن نافع بهذا الاسناد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في بيع العرايا بخرصها۔

ایک اور سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں اندازے سے بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۷۵- وحدثنا عبد الله بن مسلمة القعنبي قال نا سليمان يعني ابن بلال عن يحيى وهو ابن سعيد عن بشير بن يسار عن بعض اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل دارهم منهم

بشیر بن یسار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں جو ان کے گھر میں رہتے تھے، ان میں سے حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ ہیں جو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے

سَهْلَ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَقَالَ ذٰلِكَ الرِّبَا تِلْكَ الْمُزَابَنَةُ إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ النَّخْلَةِ وَالنَّخْلَتَيْنِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُوْنَهَا رُطَبًا۔

منع کیا ہے اور فرمایا کہ یہی سود ہے اور یہی مزابنہ ہے البتہ آپ نے بیع عریہ میں اجازت دی ہے کہ ایک کھجور کے درخت یا دو درختوں (کی کھجوروں) کو گھر والے چھوارے دے کر خرید لیں۔

۳۷۷۶- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ قَالُوْا رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا۔

سعید بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ میں اندازے سے چھواروں کی بیع کی اجازت دی ہے

۳۷۷۷- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيْعًا عَنِ الثَّقَفِيِّ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ دَارِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى غَيْرَ أَنَّ إِسْحَاقَ وَابْنَ مُثَنّٰى جَعَلَا مَكَانَ الرِّبَا الزَّبْنَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ الرِّبَا۔

سعید بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ان اصحاب سے روایت کرتے ہیں جو ان کے گھر میں رہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پھر حسب سابق حدیث ذکر کی البتہ اسحاق اور ابن مثنیٰ کی روایت میں ربٰو کی جگہ مزابنہ کا ذکر ہے اور ابن ابی عمر کی روایت میں ربٰو کا ذکر ہے۔

۳۷۷۸- وَحَدَّثَنَاهُ عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

ایک اور سند سے امام مسلم نے حضرت سہل بن ابی حثمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت ذکر کی ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

۳۷۷۹- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَا نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَسَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا أَصْحَابَ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے منع فرمایا، البتہ اصحاب عرایا کو اس بیع کی اجازت دی۔

۳۷۸۰- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا مَالِكٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةٍ يَشُكُّ دَاوُدُ قَالَ خَمْسَةٌ أَوْ دُونَ خَمْسَةٍ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں اندازے کے ساتھ بیع کی اجازت دی ہے جبکہ یہ بیع پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق ہو، راوی کو شک ہے۔

۳۷۸۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو ناپ کے ساتھ خشک کھجوروں کے بدلہ میں فروخت کرنا یا انگوروں کو ناپ کے ساتھ کشمش کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

۳۷۸۲- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا نَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع

مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الْعِنَبِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا وَبَيْعُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا۔

فرمایا ہے۔ بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض ناپ سے بیچنا، اسی طرح انگوروں کو کشمش کے ساتھ ناپ سے بیچنا اور ایسے ہی اندازے سے گندم کے کھیت کو گندم کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

۳۷۸۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

۳۷۸۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيسٰى قَالُوْا نَا أَبُوْ أُسَامَةَ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْعِنَبِ كَيْلًا وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهٖ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض ناپ سے بیچا جائے اور انگور کو ناپ کے کشمش کے عوض، اور ہر پھل کو اندازے سے بیچا جائے۔

۳۷۸۵۔ وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ تُبَاعَ مَا فِي رُءُوْسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى إِنْ زَادَ فَلِي وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو معروف ناپ سے چھواروں کے عوض فروخت کیا جائے بایں طور کہ اگر زیادہ ہوں تو اس کا نفع میرا ہے اور اگر کم ہوئیں تو اس کا نقصان بھی مجھ پہ ہے۔

۳۷۸۶۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا أَيُّوبُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

۳۷۸۷ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ اَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَتْ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَّ اِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا وَّاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَفِيْ رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ اَوْ كَانَ زَرْعًا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ کی تعریف یہ ہے کہ اگر اس کے باغ کے پھل کھجوریں ہوں تو ان کو چھواروں کے عوض ناپ کر اور اگر انگور ہوں تو ان کو کشمش کے عوض ناپ کر اور اگر اس کا کھیت ہو تو اس کو اناج کے عوض ناپ کر فروخت کیا جائے، آپ نے ان تمام بیوع سے منع فرمایا۔ قتیبہ کی روایت میں اوکان زرعا کے الفاظ ہیں۔

۳۷۸۸ - وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الضَّحَّاكُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِهِمْ۔

نافع نے اسی سند کے ساتھ ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

عرایا کا لغوی معنی

علامہ نووی لکھتے ہیں: عرایا، عَرِيَّة کی جمع ہے جیسے مَطَايَا، مَطِيَّة کی جمع ہے اور ضَحَايَا ضَحِيَّة کی جمع ہے، عَرِيَّة، تعرّی سے ماخوذ ہے جس کا معنی تجرد اور خالی ہونا ہے، کیونکہ عَرِيَّة کا حکم باغ کے باقی احکام سے مجرد اور خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو عَرِيَّة کہتے ہیں۔ جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ فعیلة کے وزن اور فاعلة کے معنی میں ہے، اور ہروی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ فعیلة کا وزن ہے اور مفعولة کے معنی میں ہے اور یہ عراہ یعرو ہ سے ماخوذ ہے اور یہ آنے جانے والے شخص کے لیے کہا جاتا ہے کیونکہ عریة والا باغ والے کے پاس بار بار آتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس کا حکم باغ کے باقی احکام سے الگ کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کو عریة کہتے ہیں۔[1]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

عرایا کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف

اس باب کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خشک پھلوں کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے لیکن عرایا کی اجازت دی ہے، اس لیے عرایا کو سمجھنا ضروری ہے، عرایا کی تفسیر میں ائمہ مجتہدین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: عرایا یہ ہے کہ باغ والا کھجور کے درخت پر پھلوں کا اندازہ لگائے اور یہ کہے کہ یہ کھجوریں خشک ہو کر مثلاً تین وسق ہوں گی اور پھر ان کھجوروں کو تین وسق چھواروں کے عوض فروخت کر دے اور اسی مجلس میں فریقین قبضہ کر لیں، خریدار چھوارے دے دے اور بائع تازہ کھجوریں آنے دے۔ یہ بیع پانچ وسق سے کم میں جائز ہے اور پانچ وسق سے زیادہ میں ناجائز ہے اور پانچ وسق میں امام شافعی کے دو قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔[۱]

علامہ خرقی حنبلی لکھتے ہیں: جن عرایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کھجور کے اتنے درخت ہبہ کیے جائیں جس میں پانچ وسق سے کم کھجوریں ہوں پھر ان کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کر دیا جائے تاکہ تازہ کھجوریں کھائی جا سکیں۔[۲]

قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: اس کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ سے کسی کو کھجوریں ہبہ کرتا ہے پھر ہبہ کیے جانے والے شخص کا باغ میں بار بار آنا اس پر گراں گزرتا ہے تو اس کے لیے یہ مباح کیا گیا ہے کہ وہ درخت کی کھجوروں کا اندازہ کر کے اس سے چھواروں کے بدلے میں وہ کھجوریں کٹائی کے وقت خرید لے۔[۳]

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے بیع عریہ میں فرمایا اگر صاحب عریہ کا کسی شخص کے باغ میں کھجور کا درخت ہو اور وہ پھل دے اور درخت کا مالک اس کے پھل کو کھجوروں کے عوض، میعاد مقررہ پر یا فی الحال یا کٹائی تک باغ والے کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ ہاں اگر درخت کے مالک نے اس درخت کی کھجوریں کسی شخص کو بطور صلہ دی ہوں پھر ان کھجوروں کے بدلے میں اندازے سے کٹائی کے وقت یا میعاد مقررہ پر چھوارے دے دے تو مناسب ہے۔[۴]

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بیع عرایا ہدیہ اور ہبہ کی قسم ہے اور اس پر بیع کا اطلاق محض صورۃً ہے اور یہ صرف پانچ وسق سے کم میں ہو سکتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ حقیقۃً بیع ہے اور بیع مزابنہ ہے اور صرف پانچ وسق یا اس سے کم میں جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں ہے اور یہ ہبہ کی شکل میں جائز ہے اور اس پر بیع کا اطلاق محض صورۃً ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور امام مالک کا نظریہ ہے، امام ابوحنیفہ کی تفسیر امام شافعی کے مقابلہ میں اس لیے راجح ہے کہ لغت میں بھی عریہ کا معنی ہبہ ہے۔

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[۲] علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ بن احمد الخرقی حنبلی متوفی ۳۳۴ھ مختصر الخرقی مع المغنی ج ۴ ص ۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
[۳] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۲ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت
[۴] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۴۹ - ۵۴۰، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: واعرا النخلة : وهب له ثمرة عامها " کھجور کا درخت عریۃ دیا یعنی اس سال کے پھل اس کو ہبہ کر دیے۔ [1]

نوٹ : ایک وسق ۲۵۵ کلوگرام کے برابر ہے۔

احناف کی بیان کردہ عرایا کی تفسیر پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات کے جوابات

امام ابوحنیفہ نے عرایا کی جو تفسیر کی ہے اس پر فقہاء شافعیہ نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اگر عرایا ہبہ کی تبدیلی کا نام ہے تو یہ تو ہر وقت جائز ہے پھر عرایا میں رخصت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ رخصت کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ عرایا کے ماسوا میں جائز نہیں ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے رخصت دی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہبہ کو تبدیل کرنا وعدہ خلافی کو مستلزم ہے اور یہ مکروہ ہے اور عرایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کی وجہ سے کراہت اٹھ گئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عرایا کا بیع مزابنہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرایا درحقیقت مزابنہ میں داخل ہے اور فقہاء احناف نے عرایا کی جو تفسیر کی ہے اس کے اعتبار سے یہ مزابنہ میں داخل نہیں ہے، پھر استثناء کس طرح صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عرایا پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے اور احناف کی تفسیر کے مطابق یہ بیع نہیں ہبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر بیع کا اطلاق صورۃً ہے۔

تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع میں مذاہب فقہاء

اس باب کی حدیث نمبر ۳۷۶۴ اور ۳۷۶۵ میں ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عرایا کے سوا تازہ کھجوروں کی چھواروں کے بدلہ میں بیع کرنا ناجائز ہے نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ انگوروں کی کشمش کے بدلہ میں اور خوشوں میں گندم کی صاف گندم کے بدلہ میں بیع ناجائز ہے خواہ انگور اور تازہ کھجوریں درخت پر ہوں یا درخت سے کاٹی ہوئی ہوں، اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تازہ کھجوریں درخت سے اتاری ہوئی ہوں تو ان کی چھواروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے۔ [2]

تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا مناظرہ

امام ابوحنیفہ تازہ کھجوروں کی چھواروں کے بدلہ میں بیع کو جائز قرار دیتے تھے جبکہ یہ بیع برابر برابر اور نقد ہو کیونکہ تازہ کھجور بھی چھوارا ہے اور چھوارے کی چھوارے کے بدلہ میں بیع جائز ہے جبکہ برابر، برابر ہو اور عمدہ اور ردی کا فرق نہیں ہے۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اہل بغداد، امام ابوحنیفہ کے شدید مخالف تھے، جب آپ بغداد گئے تو انہوں نے آپ سے اس مسئلہ میں گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تازہ کھجوریں یا تو چھوارے ہیں یا نہیں اگر چھوارے ہیں تو ان کی نقد بیع برابر برابر از روئے حدیث (التمر بالتمر مثلاً بمثل) جائز ہے، اور اگر تازہ

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور زبیدی مصری متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۵ ص ۴۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

کھجوریں چھواروں کی جنس سے نہیں ہیں تب بھی ان کی ایک دوسرے کے بدلہ میں بیع جائز ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے "اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم" "جب دو مختلف قسمیں ہوں تو ان کو جس طرح چاہو فروخت کرو" پھر اہل بغداد نے یہ حدیث پیش کی: عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ زید ابو عیاش نے کہا کہ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سوال کیا آیا بیضاء (جو کی ایک قسم) کی سُلت (بغیر چھلکے کا جو) کے بدلہ میں بیع جائز ہے؟ حضرت سعد نے پوچھا ان میں کون سا جو افضل ہے انھوں نے کہا بیضاء، ابو عیاش نے کہا حضرت سعد نے مجھے اس بیع سے منع کیا اور کہا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا: کیا چھواروں کی تازہ کھجوروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے؟ آپ نے پوچھا کیا تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں، صحابہ نے کہا جی! پھر آپ نے اس بیع سے منع فرما دیا۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا: اس حدیث کا مدار ابو عیاش پر ہے اور وہ ان راویوں میں سے ہے جس کی روایت مقبول نہیں ہوتی [1] صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ زید بن عیاش ناقلین کے نزدیک مجہول ہے۔ [2]

زید بن عیاش کو مجہول قرار دینے پر اعتراضات

مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور زید مجہول نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ زید کی کنیت ابو عیاش ہے اور اس کے باپ کا نام عیاش ہے یہ مدنی تابعی ہے اور سچا ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا آزاد کردہ غلام تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بنو مخزوم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے زید بن عیاش ابو عیاش زرقی اور ایک قول میں مخزومی، حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتا ہے اور اس سے عبداللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس روایت کرتے ہیں، امام ابن حبان نے اس کا ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، امام دارقطنی نے کہا یہ ثقہ راوی ہے۔ امام احمد نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اہل نقل کا اس پر اجماع ہے کہ امام مالک کی تمام روایات صحیح ہیں خاص طور پر ان کی جو روایات اہل مدینہ سے ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو اس لیے روایت نہیں کیا کیونکہ ان کو زید کے مجہول ہونے کا خدشہ تھا اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ زید بن عیاش ابو عیاش زرقی مدنی کی روایت میں کوئی حرج نہیں، اور ہمارے مشائخ نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ زید مجہول ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے اس قول کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ زید ثقہ ہے، امام مالک نے اس سے مؤطا میں روایت کی ہے اور وہ مجہول سے روایت نہیں کرتے۔ منذری نے کہا کہ زید کیسے مجہول ہو سکتا ہے جبکہ اس سے عبداللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس ایسے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اس فن کے ائمہ نے اس کی تعریف کی ہے اور امام مالک نے اس کی روایت قبول کی ہے حالانکہ وہ راویوں میں بہت غور و فکر کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے "تحقیق" میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے زید کو مجہول کہا ہے، ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ اس کو نہ جانتے ہوں لیکن ائمہ نقل اس کو جانتے ہیں، غایۃ البیان شرح ہدایہ میں بھی اس کو ثقہ لکھا ہے علامہ عینی نے بنایہ شرح

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ
[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۸۴ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان۔

ہدایہ میں لکھا ہے اس کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اہل نقل کے نزدیک ثقہ ہے، تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے زید کی جہالت کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے، ان میں امام طحاوی، امام طبری، شیخ ابن حزم، عبدالحق وغیرہ ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دارقطنی نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور منذری نے کہا اس سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہیں امام مالک نے اس پر اعتماد کیا اور امام ترمذی اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا اور کہا ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے اس پر طعن کیا ہو۔ یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد مولانا عبدالحئی لکھتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ زید بن عیاش شخصاً مجہول ہے نہ وصفاً [1]

زید بن عیاش کے معروف ہونے کے جوابات مولانا عبدالحئی لکھنوی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ زید بن عیاش کو مجہول قرار دینے میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں ہیں بلکہ بقول حاکم امام بخاری اور امام مسلم نے بھی زید بن عیاش کے مجہول ہونے کے خدشہ سے اس سے روایت نہیں کی، نیز علامہ عسقلانی نے تلخیص میں صراحت کی ہے کہ امام طحاوی، امام طبری، شیخ ابن حزم اور عبدالحق نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اور مولانا عبدالحئی نے التعلیق الممجد کے ص ۳۳۱ پر لکھا ہے امام عبداللہ بن مبارک نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اسی طرح مبسوط میں بھی ہے جن لوگوں نے زید بن عیاش سے جہالت دور کی ہے ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ اگر یہ مجہول ہوتا تو امام مالک اس سے روایت نہ کرتے، سب سے پہلے امام مالک نے اس کا اعتبار کیا اور بعد کے لوگوں نے امام مالک کی تقلید میں اس کی توثیق کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک میں اصولی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ زید بن عیاش پر جرح کرتے ہیں اور امام مالک اس کی توثیق کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ امام مالک کی تعدیل امام ابوحنیفہ کی جرح کے پائے کی نہیں ہے۔

زید بن عیاش کی روایت کی توجیہ موطا امام مالک کی اس روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس روایت کا جواب یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کی چھواروں سے بیع کی ممانعت ادھار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ سنن بیہقی اور سنن ابوداؤد میں جو زید بن عیاش کی روایت ہے اس میں اس ممانعت کو ادھار کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن یحیی بن ابی کثیر ان ابا عبد اللہ ان ابا عیاش اخبرہ انہ سمع سعد بن ابی وقاص یقول نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ [2]

یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں انھیں عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ابو عیاش نے خبر دی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت پر امام بیہقی کا اعتراض امام بیہقی نے یحییٰ بن ابی کثیر کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے

---

[1] مولانا عبدالحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ، التعلیق الممجد ص ۳۳۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔
[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبری ج ۵ ص ۲۹۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

امام مالک، اسماعیل بن امیہ، ضحاک بن عثمان، اور اسامہ بن زید کی مخالفت کی ہے جنھوں نے عبداللہ بن یزید سے یہ روایت کی ہے اور اس میں نسیئۃً (ادھار) کا لفظ نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث معلول ہے۔

امام بیہقی کے اعتراض کا جواب

امام بیہقی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے بھی ابوعیاش کی اس روایت کو نسیئۃً کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے:

اخبرنا عبد الله ان ابا عیاش اخبرہ انہ سمع سعد بن ابی وقاص یقول نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ قال ابو داؤد رواہ عمران بن ابی انس عن مولی لبنی مخزوم عن سعد نحوہ۔[1]

عبداللہ کہتے ہیں کہ ابوعیاش نے خبر دی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو عمران بن ابی انس نے بنو مخزوم کے مولی (ابوعیاش) سے اور انھوں نے حضرت سعد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی مزید تائید

علامہ ماردینی، امام بیہقی کے اس اعتراض پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمران بن انس روایت کرتے ہیں کہ بنو مخزوم کے مولی (ابوعیاش) نے یہ حدیث بیان کی کہ انھوں نے حضرت سعد سے پوچھا کیا کوئی شخص تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع کر سکتا ہے؟ حضرت سعد نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ عمران نے بھی یحییٰ کی موافقت میں نسیئۃ کی زیادتی کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس روایت کی سند (ثنا یونس ثنا ابن وھب اخبرنی عمرو بن الحارث ان بکیر بن عبد الله بن الاشج حدثہ عن عمران بن ابی انس) بیہقی کی سند سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ کیوں کہ یونس (ابن عبد الاعلیٰ) سے امام مسلم روایت کرتے ہیں اسی طرح عمرو بن حارث مصری بھی حافظ جلیل ہیں پھر امام طحاوی نے امام بیہقی کے ذکر کردہ چاروں راویوں پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان چاروں کی بہ نسبت یحییٰ بن ابی کثیر زیادہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت قبول کے زیادہ لائق ہے کیونکہ انھوں نے حدیث میں ایک لفظ زیادہ ذکر کیا ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے نیز عمران بن ابی انس کی روایت۔ یحییٰ کی روایت کی تقویت کرتی ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ نسیئۃ کی زیادتی میں یحییٰ بن ابی کثیر متفرد نہیں ہیں۔ عمران بن ابی انس بھی ان کے ساتھ ہیں اور اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں سند اور متن کے اعتبار سے شدید اضطراب ہے اور اختلاف کے باوجود زید مجہول ہے، ابن حزم وغیرہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ صاحب مستدرک نے اس حدیث کے کئی طرق ذکر کیے پھر یحییٰ کی روایت کو صحیح قرار دیا پھر کہا امام بخاری نے اس روایت کو اس لیے روایت نہیں کیا کیونکہ ان کو زید بن عیاش کے مجہول ہونے کا

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ۔

خدشہ تھا اور امام طبری نے تہذیب الآثار میں اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ زید اس روایت کے ساتھ منفرد ہے اور وہ اہل نقل کے نزدیک غیر معروف ہے[1]

مدار حرمت "نسیئۃ" کو قرار دینے پر ایک اعتراض کا جواب

زید بن عیاش کی "نسیئۃ" والی روایت کو ترجیح دینے کی صورت میں یہ نکتہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ جب حرمت کا مدار ادھار پر ہے اور مقدار میں عدم مساوات پر نہیں ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں سوال فرمایا تھا: کیا تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہوجاتی ہیں کیونکہ جب حرمت کا مدار ادھار ہے تو تازہ کھجوریں کم ہوں یا نہ ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہاؤالدین مرجانی نے حاشیۂ توضیح میں اس کا یہ جواب بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال سے اس پر متنبہ کیا ہے کہ اس بیع کو ادھار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ تازہ کھجوریں سوکھنے کے بعد کم ہوجاتی ہیں' ورنہ تحریم کا مدار صرف ادھار ہے۔

حدیث رسول کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ ، امام محمد اور امام ابو یوسف[2] زید بن عیاش کی حدیث کے پیش نظر تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض برابر برابر بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ از روئے قیاس اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں اس حدیث کے جواب میں امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس کا مدار زید بن عیاش پر ہے اور وہ مجہول ہے لیکن زیادہ تر ماہرین حدیث[6] کی تحقیق یہ ہے کہ زید بن عیاش مجہول اور مردود نہیں معروف اور ثقہ ہے اور حنفی محققین میں علامہ زیلعی[3] علامہ بدرالدین عینی[4] اور علامہ کمال الدین ابن ہمام[5] کی بھی یہی تحقیق ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کی طرف سے آخری توجیہ یہ کی گئی کہ حدیث میں جو ممانعت ہے وہ ادھار پر محمول ہے۔ امام طحاوی اور علامہ ماردینی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے لیکن یہ توجیہ بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت کے مطابق تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع منع ہے اور اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ چونکہ ممانعت ادھار کے ساتھ خاص ہے اس لیے نقد بیع جائز ہے تو یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ امام ابو حنیفہ کے اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے اس لیے بے خطر اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ تاویلات کی پیچ در پیچ وادیوں سے احتراز کرکے حدیث رسول کے دامن میں پناہ لی جائے اور اس حدیث صحیح کے مطابق امام محمد اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

---

[1] علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۷۴۵ ھ ، الجوہر النقی علی البیہقی ج ۵ ص ۲۹۵ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر متوفی ۵۹۳ ھ ، الہدایہ اخیرین ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[3] علامہ ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ ھ ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۱ مطبوعہ مجلس علمی ہند الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

[4] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ ، البنایہ ج ۳ ص ۱۵۹ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور

[5] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[6] یہ روایت سنن اربعہ ، مسند احمد ، صحیح ابن حبان ، مستدرک ، موطا امام مالک اور دیگر کتب حدیث میں ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے ۔ ـــــ سعیدی غفرلہٗ۔

بَابُ[۲۹۶] مَنْ بَاعَ نَخْلًا وَعَلَيْهَا ثَمَرٌ

درخت کی بیع میں اس کے پھلوں کا حکم

۳۷۸۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پیوند لگی کھجوروں کے درخت فروخت کیے تو اس پر لگے ہوئے پھل بائع کے ہیں الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگا لے۔

۳۷۹۰ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا نَخْلٍ اشْتُرِيَ أُصُولُهَا وَقَدْ أُبِّرَتْ فَإِنَّ ثَمَرَهَا لِلَّذِي أَبَّرَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الَّذِي اشْتَرَاهَا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پورا درخت خریدلیا درآں حالیکہ اس میں پیوند لگایا گیا ہو تو اس درخت کے پھل پیوند لگانے والے کے لیے ہیں الا یہ کہ خریدار ان پھلوں کی شرط لگالے۔

۳۷۹۱ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ بَاعَ أَصْلَهَا فَلِلَّذِي أَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھجور کے درخت میں پیوند لگایا ہو پھر وہ اس درخت کو فروخت کر دے تو اس کے پھل پیوند لگانے والے کے لیے ہوں گے الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگالے۔

۳۷۹۲ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ كِلَاهُمَا

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

۳۷۹۳- وَحَدَّثَنَا یَحْیَى بْنُ یَحْیٰى وَ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا اَنَا اللَّیْثُ ح قَالَ وَثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ اَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلَّذِیْ بَاعَهَا اِلَّا اَنْ یَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا فَمَالُهٗ لِلَّذِیْ بَاعَهٗ اِلَّا اَنْ یَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قلم لگنے جانے کے بعد کھجور کا درخت خریدے تو اس کے پھل بائع کے لیے ہیں الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگائے۔ اور جو شخص کسی غلام کو خریدے تو اس کا مال بائع کے لیے ہے الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگائے۔

۳۷۹۴- وَحَدَّثَنَاهُ یَحْیَى بْنُ یَحْیٰى وَ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَزُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ یَحْیٰى اَنَا وَ قَالَ الْاٰخَرَانِ نَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔

۳۷۹۵- وَحَدَّثَنِیْ حَرْمَلَةُ بْنُ یَحْیٰى قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا... اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

تابیر کا لغوی معنی تابیر اور ابار کا لغوی معنی ہے شق کرنا، مادہ کھجور کے شگوفوں کو شق کر کے اس میں نر کھجور کے شگوفوں کی قلم لگانا یا نر کھجور کے شگوفوں کو مادہ کھجور میں پیوند کر دینا، تابیر کہلاتا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ تابیر ابرۃ سے بنا ہے ابرۃ سوئی کو کہتے ہیں اور تابیر کا معنی ہے سوئی چبھونا چونکہ نر کے شگوفے مادہ کے شگوفوں میں چبھو کر درست کر دیے جاتے ہیں اس لیے اس عمل کو تابیر کہتے ہیں نیز اس عمل کو عربی میں تلقیح بھی کہتے ہیں (جدید عربی میں تلقیح انجکشن لگانے کو کہتے ہیں۔ سعیدی) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ تابیر کا معنی ہے اصلاح کرنا اور چونکہ

اس عمل سے کھجور کے درخت کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے اس کو تابیر کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ہر چیز کی اصلاح کو تابیر کہتے ہیں اور حمید کے اس شعر سے استدلال کیا:

ان الحبالة الهتنی ابارتها
حتی اصید کما فی بعضها قنصا

رسی کی اصلاح نے مجھے شکار کرنے سے مشغول رکھا۔ اس شعر میں رسی کی اصلاح پر ابارۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔[1]

کھجور کے درخت کی بیع کے بعد اس کا پھل بائع کا ہے یا خریدار کا؟

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ درختوں میں پیوند لگانا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ پیوند لگانے سے پہلے یا پیوند لگانے کے بعد فروخت کیے ہوئے درخت کے پھلوں کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ بائع کی ملک میں رہیں گے یا ان کا خریدار مالک ہوگا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ان پھلوں کا خریدار مالک ہوگا لیکن یہ قول اس صریح حدیث کے خلاف ہے۔ شاید ابن ابی لیلیٰ تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ اگر پیوند لگانے کے بعد درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لیے ہوں گے الا یہ کہ خریدار بیع کے وقت پھلوں کو بھی بیع میں شامل کرے اور اگر پیوند لگانے سے پہلے درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل خریدار کے لیے ہوں گے الا یہ کہ بائع پھلوں کو رکھنے کی شرط لگائے، البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ بائع کے لیے شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ پیوند لگانے کے بعد جمہور کا استدلال حدیث کے منطوق سے ہے اور پیوند لگانے سے پہلے ان کا استدلال حدیث کے مفہوم (مفہوم مخالف) سے ہے۔ اس کو اصول فقہ میں دلیل الخطاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ چونکہ مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل نہیں ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ پیوند لگایا گیا ہو یا نہ لگایا گیا ہو ہر صورت میں پھل بائع کے ہوں گے الا یہ کہ بیع کے وقت خریدار پھلوں کی شرط لگائے (مفہوم مخالف کی تعریف، اقسام اور مذاہب پر سیر حاصل بحث ہم کتاب الحج ج ۳ باب ۷۰ میں کر چکے ہیں۔ ـــــ سعیدی) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض ہے کہ بیع میں ظاہر کا حکم باطن کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ اگر باندی حاملہ ہو اور اس کی بیع کی جائے تو پیٹ کا بچہ بھی بیع میں شامل ہوگا، یہ باطن کا حکم ہے اور ظاہر کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ اگر باندی کی گود میں بچہ ہو تو وہ بیع میں شامل نہیں ہوگا۔[2]

علامہ نووی کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ محض اختراعی ہے، قرآن مجید اور احادیث میں اس قاعدہ کا ذکر نہیں ہے اور شوافع کا اختراعی قاعدہ احناف پر حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ احناف اس کے قائل ہیں کہ جب پھل ظاہر ہو جائیں تو بائع کے ہوں گے، خواہ پیوند لگایا گیا ہو یا نہیں، پس احناف اور شوافع میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام احمد، اہل ظاہر (غیر مقلدین) اور فقہاء اصحاب حدیث کا موقف بھی امام شافعی کی طرح ہے اور امام اوزاعی کا نظریہ امام ابوحنیفہ کی طرح ہے۔[3]

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۳ ص ۳-۲ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۱۳۰۶ھ۔

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء شافعیہ اور دیگر فقہاء کا موقف

اس باب کی حدیث نمبر ۲۹۳۴ میں ہے: "جس شخص نے غلام خریدا تو اس کا مال بائع کے لیے ہے الّا یہ کہ خریدار اس مال کی شرط لگا لے" علامہ نووی لکھتے ہیں امام مالک کا موقف اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث کی تاویل میں یہ کہا ہے کہ یہ اضافت اختصاص کی بناء پر ہے ملکیت کی بناء پر نہیں ہے۔ یعنی غلام کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ اس کی ملک نہیں ہوتا۔ مال اس کے مالک کا ہوتا ہے اور اختصاص کی بناء پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ غلام کا مال ہے جیسے کہا جاتا ہے گھوڑے کی زین اور گدھے کی جُل۔ اس لیے جب کوئی شخص غلام کو فروخت کرے گا تو اس کا مال بائع کا ہوگا کیونکہ وہ اس کی ملک ہے البتہ اگر خریدار نے مال کی بھی شرط لگائی تو یہ جائز ہے۔ اب گویا خریدار نے دو چیزیں خریدی ہیں: غلام اور مال اور دونوں کی ایک قیمت لگائی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اپنے قول جدید میں یہ کہا ہے کہ اس بیع میں ربٰو سے احتراز ضروری ہے، امام شافعی نے کہا کہ اگر مال دراہم ہے تو دراہم کے بدلے میں بیع جائز نہیں ہے اور اگر مال دینار ہے تو سونے کے عوض بیع جائز نہیں اور اگر غلام کا مال گندم ہے تو گندم کے عوض ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا کہ اگر غلام کا مال دراہم ہو تو دراہم کے عوض بیع جائز ہے، علیٰ ہذا القیاس تمام صورتوں میں بیع جائز ہے ان کا استدلال حدیث کے اطلاق سے ہے۔[1]

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فرمایا جس شخص نے غلام کو خریدا تو اس کا مال بائع کا ہے الّا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگا لے، اگر خریدار نے مال کی شرط لگائی اگر قیمت چاندی (دراہم) ہے اور غلام کے مال میں بھی اتنی ہی یا اس سے زیادہ چاندی ہے یا غلام کا کسی انسان پر قرض ہے تو یہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ قرض میں غرر ہے پتا نہیں وصول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر غلام کے مال میں چاندی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو یہ چاندی کی چاندی کے بدلہ میں زیادتی سے بیع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔[2]

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: اہل مدینہ (امام مالک) کا یہ قول ہے کہ جب خریدار مال کی شرط لگا لے تو وہ مال خریدار کا ہوگا خواہ وہ مال نقد (سونا، چاندی) ہو قرض ہو یا ساز و سامان ہو اس کی مقدار معلوم ہو یا مجہول خواہ وہ مال قیمت سے زیادہ ہو عام ازیں کہ قیمت نقد ہو قرض ہو یا ساز و سامان ہو۔[3]

امام محمد کا فقہاء مالکیہ پر تعاقب

امام محمد بن حسن شیبانی مالکیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل مدینہ کا یہ گمان ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے غلام خریدا اور غلام کے پاس ایک ہزار درہم مال

---

1. علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
2. امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۳، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور
3. " کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۲ " " "

تھا اور خریدار نے مال کی شرط لگائی اور پانچ سو درہم میں غلام اور مال کو خرید لیا، اب اس قاعدے سے خریدار کو پانچ سو درہم کے عوض ایک ہزار درہم اور ایک غلام مل جائے گا اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے؟ [۱]

فقہاء مالکیہ کا جواب اور جواب الجواب

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: بیع کے وقت اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ یہ مال غلام کا ہے اور قیمت غلام کے عوض ہو تو یہ ربوا نہیں ہے اور اگر خریدار مال کی شرط اپنے لیے لگائے اور قیمت مال کے عوض ہو تو یہ ربوا ہے [۲]

علامہ وشتانی مالکی نے جو اپل ذکر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک اعتباری فرق ہے کیونکہ جب خریدار نے یہ شرط لگائی کہ مثلاً ایک ہزار درہم غلام کے ہیں اور پھر کہا میں اس غلام کو پانچ سو درہم میں خرید رہا ہوں تو بہر حال خریدار پانچ سو درہم کے عوض ایک غلام اور ایک ہزار درہم خرید رہا ہے ——— اور یہ کھلا ہوا سود ہے!

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَعَنِ الْمُخَابَرَةِ وَبَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلَاحِهَا وَعَنْ بَيْعِ الْمُعَاوَمَةِ وَهُوَ بَيْعُ السِّنِيْنَ

محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور ظہور صلاحیت سے پہلے بیع کی حرمت اور چند سالوں کی بیع کی ممانعت

۳۷۹۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوْا جَمِيْعًا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا يُبَاعُ إِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا اور فرمایا کہ پھلوں کو صرف دینار اور درہم کے عوض فروخت کیا جائے البتہ عرایا میں کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

۳۷۹۷ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ أَنَّهُمَا سَمِعَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے۔

---

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۴ مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور۔

[۲] امام ابو عبد اللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ۔

۳۷۹۸ - وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ اَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ الْجَزَرِيُّ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُطْعَمَ وَلَا تُبَاعُ اِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدَّرَاهِمِ اِلَّا الْعَرَايَا قَالَ عَطَاءٌ فَسَّرَهَا لَنَا جَابِرٌ قَالَ اَمَّا الْمُخَابَرَةُ فَالْاَرْضُ الْبَيْضَاءُ يَدْفَعُهَا الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فَيُنْفِقُ فِيْهَا ثُمَّ يَاْخُذُ مِنَ الثَّمَرِ وَزَعَمَ اَنَّ الْمُزَابَنَةَ بَيْعُ الرُّطَبِ فِي النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَالْمُحَاقَلَةُ فِي الزَّرْعِ عَلٰى نَحْوِ ذٰلِكَ يَبِيْعُ الزَّرْعَ الْقَائِمَ بِالْحَبِّ كَيْلًا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ، محاقلہ، مزابنہ اور ان پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جو کھانے کے لائق نہ ہوں۔ اور عرایا کے سوا باقی پھل دینار اور درہم سے ہی فروخت کیے جائیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: مخابرہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو غیر آباد زمین دے وہ اس میں خرچ کرے اور جب پیداوار ہو تو اس میں سے حصہ لے، مزابنہ یہ ہے کہ (مثلاً) تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض پیمائش سے بیع کی جائے محاقلہ کھیت میں اسی قسم کی بیع ہے مثلاً خوشوں میں گندم کی خشک گندم کے عوض پیمائش سے بیع کی جائے۔

۳۷۹۹ - وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ كِلَاهُمَا عَنْ زَكَرِيَّا قَالَ ابْنُ اَبِيْ خَلَفٍ نَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ قَالَ اَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِيْ اُنَيْسَةَ قَالَ نَا اَبُو الْوَلِيْدِ الْمَكِّيُّ وَهُوَ جَالِسٌ عِنْدَ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور جب تک پھل سرخ یا زرد نہ ہوں یا کھانے کے لائق نہ ہوں ان کی بیع سے منع فرمایا، محاقلہ یہ ہے، کہ کھیت کی فصل کو معین پیمانوں کے اناج کے عوض فروخت کر دیا جائے، اور مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کی چند وسق چھواروں کے عوض بیع کی جائے۔ اور مخابرہ کھیت کی پیداوار کی تہائی، چوتھائی یا اس کی مثل کا لینا ہے زید کہتے ہیں میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کیا تم نے

وَاَنْ يُشْتَرَى النَّخْلُ حَتّٰى يُشْقِهَ وَالْاِشْقَاهُ اَنْ يَحْمَرَّ اَوْ يَصْفَرَّ اَوْ يُؤْكَلَ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يُبَاعَ الْحَقْلُ بِكَيْلٍ مِنَ الطَّعَامِ مَعْلُوْمٍ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُبَاعَ النَّخْلُ بِاَوْسَاقٍ مِنَ التَّمْرِ وَالْمُخَابَرَةُ الثُّلُثُ وَالرُّبُعُ وَاَشْبَاهُ ذٰلِكَ قَالَ زَيْدٌ قُلْتُ لِعَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَذْكُرُ هٰذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ وہ اس تفسیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے؟ انھوں نے کہا، ہاں!۔

٣٨٠٠ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ نَا بَهْزٌ قَالَ نَا سَلِيْمُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ نَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُشْقِحَ قَالَ قُلْتُ لِسَعِيْدٍ مَا تُشْقِحُ قَالَ تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَيُؤْكَلُ مِنْهَا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ، محاقلہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور جب تک پھل سرخ یا زرد یا کھانے کے لائق نہ ہوں ان کی بیع سے منع فرمایا۔

٣٨٠١ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ نَا اَيُّوْبُ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ مِيْنَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَالْمُخَابَرَةِ قَالَ اَحَدُهُمَا بَيْعُ السِّنِيْنَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ سے منع فرمایا۔ راویوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ معاومہ چند سالوں کی بیع کرنا ہے، نیز آپ نے فرمایا کہ سوا بیع میں استثناء سے بھی منع فرمایا ہے۔

وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا۔

۳۸۰۲ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَذْكُرُ بَيْعَ السِّنِينَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے مگر اس میں یہ نہیں ہے کہ معاومہ کئی سالوں کی بیع ہے۔

مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ اور معاومہ کی تعریفات اور احکام

مزابنہ: تازہ پھلوں کی اسی جنس کے خشک پھلوں کے عوض پیمانوں سے بیع کرنا۔ (یہ ناجائز ہے)

محاقلہ: کھیت کی فصل کی اسی جنس کے خشک اناج کے عوض پیمانوں سے بیع کرنا۔ (یہ ناجائز ہے)۔

مخابرہ: زمین کو بٹائی پر دینا، بایں طور کہ ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا شخص کھیتی باڑی کرے اور پیداوار کی پہلے سے طے شدہ حصہ کے مطابق تقسیم کر لی جائے اس کو مزارعت بھی کہتے ہیں، بعض علماء نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ اگر بیج زمین کے مالک کا ہو تو یہ مزارعت ہے اور اگر بیج عامل کا ہو تو یہ مخابرہ ہے۔ (اس کے حکم میں اختلاف ہے)۔

معاومہ: درختوں کے پھلوں کو چند سالوں کے لیے فروخت کر دینا۔ (یہ غرر کی وجہ سے باطل ہے)۔

صرف درہم اور دینار کے عوض پھلوں کی بیع کی وضاحت

حدیث نمبر ۳۷۹۶ میں ہے "عرایا کے سوا باقی پھلوں کی بیع دراہم اور دینار سے ہی کی جائے" یہ حصر اضافی ہے اور مقصود یہ ہے کہ باقی پھلوں کی اسی جنس کے خشک پھلوں کے ساتھ بیع نہ کی جائے، کیونکہ یہ مزابنہ ہے البتہ اگر کسی اور جنس کے پھلوں سے بیع کی جائے یا ساز و سامان کے عوض بیع کی جائے تو جائز ہے۔

بیع میں استثناء کی ممانعت کی وضاحت اور بیان مذاہب

حدیث نمبر ۳۸۰۱ میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں استثناء سے منع فرمایا ہے" یہ ممانعت اس وقت ہے جب بیع میں حصہ مجہولہ کا استثناء ہو مثلاً کوئی شخص کہے میں تم کو یہ ڈھیر بیچتا ہوں لیکن اس سے بعض حصہ مستثنیٰ ہے یہ بیع بالاجماع باطل ہے، اور اگر استثناء اور بیع معلوم ہوں تو بیع جائز ہے، مثلاً کوئی شخص کہے میں تم کو یہ کپڑے بیچتا ہوں لیکن یہ معین کپڑا مستثنیٰ ہے تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے۔

اگر استثناء معلوم ہو لیکن استثناء سے پہلے مبیع میں جہالت لازم آتی ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے مثلاً ایک شخص کہے میں تم کو اناج کا یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں مگر اس سے ایک صاع مستثنیٰ ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے کیونکہ استثناء کے بعد باقی مبیع مجہول ہے، ہاں اگر کسی عام حصہ کا استثناء کیا جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہے میں تم کو یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں لیکن اس کا نصف اس بیع سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ استثناء کے بعد باقی مبیع معلوم ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی بیع جائز ہے بشرطیکہ تہائی سے زیادہ استثناء نہ ہو، اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ استثناء سے ممانعت مبیع میں جہالت کی وجہ سے کی گئی ہے کیونکہ ترمذی شریف میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور استثناء سے منع فرمایا الا یہ کہ قدر استثناء معلوم ہو جائے[1] پس جب استثناء سے مبیع میں جہالت لازم آئے گی تو بیع فاسد ہوگی اور جب استثناء سے مبیع میں جہالت نہیں ہوگی تو بیع جائز ہوگی۔

بَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ[۴۹۸]

زمین کو کرایہ پر دینا

۳۸۰۳ - وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ قَالَ نَا رَبَاحُ بْنُ أَبِي مَعْرُوفٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ وَعَنْ بَيْعِهَا السِّنِينَ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيبَ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا اور کئی سالوں کے لیے اس کی بیع منع فرمایا اور مٹھاس آنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا۔

۳۸۰۴ - وَحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا۔

۳۸۰۵ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ لَقَبُهُ عَارِمٌ وَهُوَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

أَبُو النُّعْمَانِ السَّدُوسِيُّ قَالَ نَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ نَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَإِنْ لَمْ يَزْرَعْهَا فَلْيُزْرِعْهَا أَخَاهُ۔

زمین ہو وہ اس میں کھیتی باڑی کرے اگر وہ اس میں کاشتکاری نہ کرے تو اپنے بھائی سے کاشت کاری کرائے۔

٣٨٠٦۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى قَالَ نَا مِعْقَلٌ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ لِرِجَالٍ فُضُولُ أَرَضِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ أَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس فالتو زمین ہے، وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا وہ زمین اپنے بھائی کو عطا کر دے اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

٣٨٠٧۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ الرَّازِيُّ قَالَ نَا خَالِدٌ قَالَ أَنَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَخْنَسِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْخَذَ لِلْأَرْضِ أَجْرٌ أَوْ حَظٌّ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے یا اس کا کوئی فائدہ حاصل کرنے سے منع فرمایا۔

٣٨٠٨۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَزْرَعَهَا وَعَجَزَ عَنْهَا فَلْيَمْنَحْهَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں کاشتکاری کرے اور اگر وہ اس میں کاشتکاری نہ کر سکے اور اس سے عاجز ہو جائے تو وہ زمین اپنے کسی مسلمان بھائی کو عطا کر دے اور اس سے کرایہ نہ لے۔

أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُوَاجِرُهَا إِيَّاهُ -

۳۸۰۹- **وَحَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا هَمَّامٌ قَالَ سَأَلَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى عَطَاءً فَقَالَ أَحَدَّثَكَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلَا يُكْرِيهَا قَالَ نَعَمْ۔

سلیمان بن موسیٰ نے عطاء سے پوچھا کیا تم کو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشتکاری کرائے اور اس کو کرایہ پر نہ دے۔ عطاء نے کہا: ہاں۔

۳۸۱۰- **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۱۱- **وَحَدَّثَنِي** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ قَالَ نَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ نَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ أَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلَا تَبِيعُوهَا فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ مَا لَا تَبِيعُوهَا يَعْنِي الْكِرَاءَ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس فالتو زمین ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشتکاری کرائے اور اس کو فروخت مت کرو۔ میں نے سعید سے پوچھا فروخت کرنے کی ممانعت سے کیا کرایہ پر دینا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں!

۳۸۱۲- **وَحَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُصِيبُ مِنَ الْقِصْرِيِّ وَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کو بٹائی پر دیتے تھے، اور کوٹنے کے بعد خوشوں میں جو دانے رہ جاتے ہیں ان میں سے حصہ لیا کرتے تھے، حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین

مِنْ كَذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ فَلْيُحْرِثْهَا اَخَاهُ وَاِلَّا فَلْيَدَعْهَا۔

ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشتکاری کرائے ورنہ اس زمین کو چھوڑ دے۔

۳۸۱۳۔ حَدَّثَنِیْ اَبُوالطَّاهِرِ وَاَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ ابْنُ عِيْسٰى نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ اَنَّ اَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّیَّ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنَّا فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاْخُذُ الْاَرْضَ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بِالْمَاذِيَانَاتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَّمْ يَزْرَعْهَا فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَلْيُمْسِكْهَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم نہروں کے کنارے والی زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار پر لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور اس بارے میں فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کاری کرے اور اگر وہ اس میں کاشت کاری نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو کاشت کاری کے لیے دے، اور اگر وہ اپنے بھائی کو زمین نہیں دیتا تو اپنے پاس رکھے۔

۳۸۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا يَحْيٰى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ نَا اَبُوْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَهَبْهَا اَوْ لِيُعِرْهَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس (فالتو) زمین ہو وہ اس کو ہبہ کر دے یا عاریتاً دے دے۔

۳۸۱۵۔ وَحَدَّثَنِيْهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ نَا اَبُو الْجَوَّابِ قَالَ نَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ فَلْيُزْرِعْهَا رَجُلًا۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ اس زمین میں خود کاشتکاری کرے یا کسی اور شخص سے کاشتکاری کرائے۔

۳۸۱۶ - وحدثنا هارون بن سعيد الأيلي قال نا ابن وهب قال أخبرني عمرو وهو ابن الحارث أن بكيرا حدثه أن عبد الله بن أبي سلمة حدثه عن النعمان بن أبي عياش عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء الأرض قال بكير وحدثني نافع أنه سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول كنا نكري أرضنا ثم تركنا ذلك حين سمعنا حديث رافع بن خديج.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ بکیر کہتے ہیں کہ نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم اپنی زمینوں کو کرائے پر دیتے تھے پھر ہم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر (زمین کو کرائے پر دینا) چھوڑ دیا۔

۳۸۱۷ - وحدثنا يحيى بن يحيى قال أنا أبو خيثمة عن أبي الزبير عن جابر رضي الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع أرض البيضاء سنتين أو ثلاثا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالی زمین کو دو یا تین سال کے لیے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

۳۸۱۸ - وحدثنا سعيد بن منصور وأبو بكر بن أبي شيبة وعمرو الناقد وزهير بن حرب قالوا نا سفيان بن عيينة عن حميد الأعرج عن سليمان بن عتيق عن جابر رضي الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع السنين وفي رواية ابن أبي شيبة عن بيع الثمر سنين.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سالوں کی بیع سے منع فرمایا اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کئی سالوں کے لیے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا۔

۳۸۱۹ - وحدثنا حسن الحلواني قال نا أبو توبة قال نا معاوية عن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس

يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ [illegible] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ.

زمین ہو اس میں وہ خود کاشت کاری کرے، یا وہ زمین رہے۔

۳۸۲۰- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ نَا أَبُوْ تَوْبَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ يَزِيْدَ بْنَ نُعَيْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْحُقُوْلِ فَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا الْمُزَابَنَةُ الثَّمَرُ بِالتَّمْرِ وَالْحُقُوْلُ كِرَاءُ الْأَرْضِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور حقول سے منع فرمایا، مزابنہ چھواروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع ہے اور حقول زمین کو کرایہ پر دینا ہے۔

۳۸۲۱- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

۳۸۲۲- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُوْلُ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو فروخت کرنا ہے اور محاقلہ زمین کو کرائے پر دینا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اِشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِيْ رُءُوْسِ النَّخْلِ وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ۔

۳۸۲۳- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَاَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ اَبُو الرَّبِيْعِ نَا وَقَالَ يَحْيٰى اَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنَّا لَا نَرٰى بِالْخِبْرِ بَأْسًا حَتّٰى كَانَ عَامُ اَوَّلَ فَزَعَمَ رَافِعٌ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم زمین کو بٹائی پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ جب پہلا سال آیا تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۲۴- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَا نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ ح قَالَ وَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا وَكِيْعٌ قَالَ نَا سُفْيَانُ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ فَتَرَكْنَاهُ مِنْ اَجْلِهٖ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن اس میں یہ زیادہ ہے کہ ہم نے اس حدیث کی وجہ سے زمین کو بٹائی پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۵- وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا لَقَدْ مَنَعَنَا رَافِعٌ نَفْعَ اَرْضِنَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت رافع نے ہم کو زمین کی آمدنی سے روک دیا۔

۳۸۲۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهٗ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت اور حضرت معاویہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں اپنی زمینوں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں انہیں حضرت رافع بن خدیج

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ إِمَارَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ حَتّٰى بَلَغَهُ فِيْ اٰخِرِ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ أَنَّ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُحَدِّثُ فِيْهَا بِنَهْيٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا بَعْدُ فَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْهَا بَعْدُ قَالَ زَعَمَ ابْنُ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا۔

کی یہ حدیث پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (مجاہد کہتے ہیں) پھر حضرت ابن عمر حضرت رافع کے پاس گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا: انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا! سو اس کے بعد حضرت ابن عمر نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا، پھر جب ان سے اس بارے میں سوال کیا جاتا تو کہتے ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۲۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيْلُ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوْبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَكَانَ لَا يُكْرِيْهَا۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس کے بعد زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۸ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِيْ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ ذَهَبْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا إِلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ حَتّٰى أَتَاهُ بِالْبَلَاطِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ۔

نافع کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا یہاں تک کہ وہ بلاط میں گئے انہوں نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشت کی زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ (بلاط مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ کا نام ہے)

۳۸۲۹ - وَحَدَّثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ خَلَفٍ وَ

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت

حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا نَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ قَالَ أَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهُ أَتَى رَافِعًا فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رافع بن خدیج کے پاس گئے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔

۳۸۳۰- **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا حُسَيْنٌ يَعْنِي ابْنَ حَسَنِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يَأْجُرُ الْأَرْضَ قَالَ فَنُبِّئَ حَدِيْثًا عَنْ نَافِعٍ فَانْطَلَقَ بِي مَعَهُ إِلَيْهِ قَالَ فَذَكَرَ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهِ ذَكَرَ فِيْهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ قَالَ فَتَرَكَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَلَمْ يَأْخُذْهُ۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین کو کرائے پر دیتے تھے، پھر ان کو حضرت رافع کی ایک حدیث سنائی گئی، میں بھی ان کے ساتھ حضرت رافع کے پاس گیا حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے پھر حضرت عمر نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۳۱- **وَحَدَّثَنِيْهِ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ قَالَ فَحَدَّثَهُ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی۔

۳۸۳۲- **وَحَدَّثَنِيْ** عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِيْ أَرْضَهُ حَتّٰى بَلَغَهُ أَنَّ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ زمین کرائے پر دے دیتے تھے حتیٰ کہ انھیں یہ حدیث پہنچی کہ حضرت رافع بن خدیج انصاری زمین کو کرائے پر دینے سے منع کرتے ہیں، پھر حضرت عبداللہ نے ان سے ملاقات کی اور کہا اے ابن خدیج زمین کو کرائے پر دینے کے سلسلے میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی حدیث بیان کرتے ہو، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں

الْاَرْضِ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ خَدِيْجٍ مَاذَا تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كِرَآءِ الْاَرْضِ قَالَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لِعَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَمِعْتُ عَمَّيَّ وَكَانَا قَدْ شَهِدَا بَدْرًا يُحَدِّثَانِ اَهْلَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَآءِ الْاَرْضِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَقَدْ كُنْتُ اَعْلَمُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْاَرْضَ تُكْرٰى ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُ اللّٰهِ اَنْ يَّكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْدَثَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلِمَهٗ فَتَرَكَ كِرَآءَ الْاَرْضِ۔

نے اپنے ان دو چچوں سے سنا ہے، جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں وہ گھر والوں سے حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کرائے پر دی جاتی تھی، پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ خوف ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نیا حکم دیا ہو جس کا انھیں علم نہ ہوا سو انھوں نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۳۔ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَيَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَا نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُكْرِيْهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى فَجَآءَنَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مِّنْ عُمُوْمَتِيْ فَقَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَطَوَاعِيَةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْفَعُ لَنَا نَهَانَا اَنْ نُّحَاقِلَ الْاَرْضَ فَنُكْرِيَهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کو کرائے پر دیا کرتے تھے، ہم زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور اناج کی ایک معین مقدار کے عوض کرائے پر دیتے تھے۔ ایک روز میرے پاس میرے چچاؤں میں سے کوئی ایک آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا جس میں ہمارے لیے نفع تھا اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں زیادہ نفع ہے آپ نے ہمیں زمین کو کرائے پر دینے سے منع کر دیا، ہم زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور اناج کی ایک معین مقدار کے عوض دیتے تھے، آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا کسی سے کاشتکاری کرائے اور کرائے اور اس کے ماسوا کو مکروہ فرمایا۔

وَأَمَرَنَا أَنْ لَا نُكْرِيَ الْأَرْضَ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَأَمَرَ رَبَّ الْأَرْضِ أَنْ يَزْرَعَهَا سِوَى ذَلِكَ.

۳۸۳۴۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ كَتَبَ إِلَيَّ يَعْلَى بْنُ حَكِيمٍ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الْأَرْضَ فَنُكْرِيهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیتے تھے اور تہائی پیداوار اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۳۸۳۵۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ح قَالَ وَثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا عَبْدُ الْأَعْلَى ح قَالَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا عَبْدَةُ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے بھی اسی طرح یہ روایت منقول ہے۔

۳۸۳۶۔ وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ عَنْ بَعْضِ عُمُومَتِهِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اور یہ نہیں کہا کہ میرے بعض چچوں سے روایت ہے۔

۳۸۳۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ أَنَا أَبُو مُسْهِرٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ ظُهَيْرَ بْنَ رَافِعٍ

حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا ظہیر بن رافع میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا ہے جس میں ہمارا فائدہ تھا، میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا ہے وہ حق

وَهُوَ عَمُّهُ قَالَ اَتَانِیْ ظُهَیْرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَمْرٍ کَانَ بِنَا رَافِقًا فَقُلْتُ وَمَا ذَاكَ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ قَالَ سَأَلَنِیْ کَیْفَ تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِکُمْ فَقُلْتُ نُؤَاجِرُهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَی الرَّبِیْعِ اَوِ الْاَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ اَوِ الشَّعِیْرِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِزْرَعُوْهَا اَوْ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِکُوْهَا۔

ہے۔ حضرت ظہیر بن رافع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال کیا تم اپنے کھیتوں میں کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم زمین کو چوتھائی پیداوار یا کھجور اور جو کے معین وسق کے عوض اجرت پر دیتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، اس کو خود کاشت کرو یا کسی سے کاشت کراؤ یا اس کو اپنے پاس رکھو۔

۳۸۳۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ عِکْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِی النَّجَاشِیِّ عَنْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا وَلَمْ یَذْکُرْ عَنْ عَمِّهٖ ظُهَیْرٍ۔

حضرت رافع بن خدیج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت ذکر کی ہے لیکن اس میں ان کے چچا ظہیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۸۳۹ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَیْسٍ اَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ کِرَاءِ الْاَرْضِ فَقَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ کِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ فَقُلْتُ اَبِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ اَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ۔

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے، میں نے پوچھا کیا سونے اور چاندی کے عوض زمین کو اجرت پر دیا جا سکتا ہے؟ انھوں نے کہا سونے اور چاندی کے بدلے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۰ - حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ قَالَ اَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ قَالَ نَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِیْ حَنْظَلَةُ بْنُ قَیْسٍ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعَ

حنظلہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ سے سونے اور چاندی کے عوض زمین کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ

بْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَآءِ الْاَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ اِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَاَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَاَشْيَآءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَآءٌ اِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ وَاَمَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ فَلَا بَاْسَ بِهٖ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ نہروں کے کناروں اور نالوں کے ساتھ والی زمین کو پیداوار کے عوض کرائے پر دیتے تھے۔ سو اس زمین کی فصل تباہ ہو جاتی اور دوسری زمین کی فصل سلامت رہتی اور بسا اوقات یہ فصل بچ جاتی اور دوسری تلف ہو جاتی، پھر لوگوں کو باقی ماندہ فصل کے علاوہ اور کچھ کرایہ نہ ملتا، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائے پر دینے سے منع فرما دیا، البتہ اگر کرایہ کا معاوضہ کوئی معین چیز ہو جس کے تلف نہ ہونے کی ضمانت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۱ - وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ كُنَّا اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ حَقْلًا قَالَ كُنَّا نُكْرِي الْاَرْضَ عَلٰى اَنَّ لَنَا هٰذِهٖ وَلَهُمْ هٰذِهٖ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ هٰذِهٖ وَلَمْ تُخْرِجْ هٰذِهٖ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ وَاَمَّا الْوَرِقُ فَلَمْ يَنْهَنَا۔

حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم انصار کے کھیت بہت تھے اور ہم زمین کو اس طریقہ سے کرایہ پر دیتے تھے کہ زمین کے اس حصہ کی پیداوار ہماری ہے اور زمین کے اس حصہ کی پیداوار مزارعین (کاشت کاروں) کی ہے، بسا اوقات زمین کے اس حصہ میں پیداوار ہوتی اور اس حصہ میں پیداوار نہ ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا البتہ چاندی کے عوض اجرت پر دینے سے نہیں روکا۔

۳۸۴۲ - حَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ نَا حَمَّادٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔

۳۸۴۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ كِلَاهُمَا عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّآئِبِ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَعْقِلٍ عَنِ الْمُزَارَعَةِ فَقَالَ اَخْبَرَنِيْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا مجھے حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے، اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے اس سے روکا اور "ابن معقل" کا لفظ ہے عبداللہ کا لفظ نہیں ہے۔

تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ نَهَى عَنْهَا وَقَالَ سَأَلْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ وَلَمْ يُسَمِّ عَبْدَ اللَّهِ.

۳۸۴۴ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ أَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ فَسَأَلْنَاهُ عَنِ الْمُزَارَعَةِ فَقَالَ زَعَمَ ثَابِتٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَأْسَ بِهَا.

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے مزارعت کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور زمین کو اجرت پر دینے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو أَنَّ مُجَاهِدًا قَالَ لِطَاوُسٍ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى ابْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ فَاسْمَعْ مِنْهُ الْحَدِيثَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَانْتَهَرَهُ قَالَ إِنِّي وَاللَّهِ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهُ مَا فَعَلْتُهُ وَلَكِنْ حَدَّثَنِي مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِهِ مِنْهُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ يَمْنَحَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَعْلُومًا.

عمرو کہتے ہیں کہ مجاہد نے طاؤس سے کہا کہ ہمارے ساتھ رافع بن خدیج کے لڑکے کے پاس چلو اور ان سے وہ حدیث سنو جس کو وہ اپنے والد رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، طاؤس نے مجاہد کو جھڑکا اور کہا بخدا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع کیا ہے، تو میں مزارعت کبھی نہ کرتا، لیکن مجھے اس شخص نے حدیث بیان کی جو صحابہ میں سے زیادہ عالم تھا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے معین اجرت (کرایہ) لے۔

۳۸۴۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو وَابْنِ طَاوُسٍ عَنْ طَاوُسٍ أَنَّهُ كَانَ يُخَابِرُ قَالَ عَمْرٌو فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوْ تَرَكْتَ هٰذِهِ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ فَقَالَ أَيْ عَمْرُو أَخْبَرَنِي أَعْلَمُهُمْ بِذٰلِكَ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا إِنَّمَا قَالَ يَمْنَحُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَعْلُومًا۔

عمرو اور ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ طاؤس اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے عمرو نے کہا اے ابو عبد الرحمان! اگر تم بٹائی کو ترک کر دو تو بہتر ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے انھوں نے کہا اے عمرو! مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جو صحابہ میں اس معاملے کا سب سے زیادہ عالم تھا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کو معین اجرت پہ دے۔

۳۸۴۷ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَرِيكٍ عَنْ شُعْبَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

چار سندوں سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی جس طرح عمرو نے بیان کیا ہے۔

۳۸۴۸ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ عَبْدٌ أَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا كَذَا وَكَذَا لِشَيْءٍ مَعْلُومٍ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا هُوَ الْحَقْلُ وَهُوَ بِلِسَانِ الْأَنْصَارِ الْمُحَاقَلَةُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اتنی، اتنی معین اجرت لے۔

۳۸۴۹ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِي اُنَيْسَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي زَيْدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَاِنَّهٗ اَنْ يَّمْنَحَهَا اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اسے اپنے بھائی کو ہبہ کر دے تو بہتر ہے۔

زمین پر کاشت کاری کی صورتیں

مالک زمین اور مزارع کے درمیان معاملہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مالک زمین مزارع سے یہ کہے کہ میں تم کو مزارعت کے لیے یہ زمین اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم اس کی پیداوار میں سے مثلاً سو کلوگرام پیداوار مجھے بطور معاوضہ دو گے۔ یہ معاوضہ بالاجماع باطل ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ زمین میں پیداوار ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو کس قدر ہوگی!

(۲)۔ مالک زمین یہ کہے کہ میں تم کو اس شرط پر مزارعت کے لیے زمین دیتا ہوں کہ تم اس زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار مجھے دو گے اور اس زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار خود رکھو گے یہ معاملہ بھی بالاجماع باطل ہے، اس میں بھی غرر ہے۔ کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ زمین کے فلاں حصہ میں پیداوار ہوگی یا نہیں، کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔

(۳)۔ مالک زمین مزارع کو زمین کرایہ پر دے اور کرایہ میں سونا، چاندی، کرنسی، غلہ اور دوسری چیزوں کی ایک معین مقدار طے کرے اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمین کی پیداوار اجرت میں نہ دی جائے یعنی بٹائی پر نہ دی جائے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(۴)۔ مالک زمین، مزارع کو زمین بٹائی پر دے یعنی یہ طے کیا جائے کہ مزارعت کے عوض اس زمین کی پیداوار کا نصف یا تہائی حصہ بطور معاوضہ کے دیا جائے گا اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

زمین کو کرایہ پر دینے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی لکھتے ہیں: مزروعہ زمین کی پیداوار کے علاوہ اور کسی جنس کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ البتہ ربیعہ کی رائے یہ ہے کہ زمین کو صرف سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دیا جا سکتا ہے، اور امام مالک کے نزدیک طعام (غلہ، اناج) کے علاوہ سونے، چاندی اور دوسری چیزوں کے عوض زمین کو کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام ابویوسف، امام محمد اور جمہور فقہاء کے نزدیک زمین کو سونے، چاندی، کرنسی، کپڑے، اناج اور دوسری چیزوں کے عوض کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔

طاؤس، حسن بصری، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مسروق، شعبی، ابن سیرین، قاسم بن محمد اور شیخ ابن حزم کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔[۱]

(حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

زمین کو کرایہ پر دینے کے عدم جواز میں ابن حزم کے دلائل

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: زمین کو کرایہ پر دینا بالکل جائز نہیں ہے، دینار کے عوض نہ درہم کے عوض، سامان کے عوض نہ اناج کے عوض، کسی چیز کے عوض بھی زمین کو کرایہ پر دینا اصلاً جائز نہیں ہے۔ زمین پر کاشتکاری صرف تین طریقوں سے جائز ہے یا خود کاشتکاری کرے، یا زمین کسی کو ہبہ کر دے اور وہ اس میں کاشتکاری کرے اور یا زمین کو بٹائی پر دے دے۔

شیخ ابن حزم نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث پیش کی کہ جس شخص کے پاس زمین ہو اس میں وہ خود کاشتکاری کرے یا وہ زمین کسی کو ہبہ کر دے ورنہ زمین کو اپنے پاس رکھے" اور صحیح بخاری کی حدیث جز نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی زمینیں کرائے پر دیتے تھے ایک دن حضرت ابن عمر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گئے نافع کہتے ہیں میں بھی ان کے ساتھ تھا حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے" اس مضمون کی روایت کو شیخ ابن حزم نے متعدد طرق اور اسانید سے پیش کیا ہے۔ [1]

زمین کو کرائے پر دینے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور اقوال تابعین

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء نے زمین کو کرایہ پر دینے کے جواز میں حسب ذیل احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن رافع بن خدیج حدثنی عمای انھم کانوا یکرون الارض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بماینبت علی الاربعاء او بشئ یستثنیہ صاحب الارض فنھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقلت لرافع فکیف ھی بالدینار والدراھم فقال رافع لیس بھا باس بالدینار والدراھم۔ [2]

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے دو چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کو اس غلہ کے عوض کرائے پر دیتے تھے جو نہروں کے کناروں والی زمین پر پیدا ہوتا تھا یا اس چیز کے عوض جس کا زمین کا مالک استثناء کر لیتا تھا، (مثلاً تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار کا استثناء کر لیتا تھا۔) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کر دیا۔ میں نے رافع سے پوچھا: زمین کو درہم اور دینار کے عوض کرائے پر دینا کیسا ہے انھوں نے کہا درہم اور دینار کے عوض میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[1] (حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

[2] شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ ھ، المحلی ج ۸ ص ۲۱۳-۲۱۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۵۰ ھ

[3] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ ھ

حنظلہ بن قیس کی اس روایت کا امام مسلم نے بھی اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [1]

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن حنظلة بن قيس الانصاري قال سالت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق فقال لا بأس به انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به۔ [2]

حنظلہ بن قیس انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا آیا زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے؟۔ انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ نہروں اور نالوں کے ساتھ والی زمینوں کی پیداوار کے عوض اور زمین کی معین پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دیتے تھے پس کبھی پانی کے ساتھ والی زمین خراب ہو جاتی اور دوسری سلامت رہتی اور کبھی یہ سلامت رہتی اور وہ خراب ہو جاتی اور لوگوں کے لیے یہی کرایہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا۔ البتہ اگر کرایہ کی مقدار معلوم اور اس کی سلامتی کی ضمانت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے [3] امام ابن حبان نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [4]

عن حنظلة الزرقي انه سمع رافع بن خديج يقول كنا اكثر الانصار حقلا قال كنا نكرى الارض على ان لنا هذه ولهم هذه فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذلك واما الورق فلم ينهنا۔ [5]

حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج فرماتے تھے کہ ہم انصار کے بہت کھیت تھے، ہم زمینوں کو اس طرح کرایہ پر دیتے تھے کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار ہماری ہوگی اور اس حصے کی پیداوار کاشت کرنے والوں کی ہوگی، بسا اوقات زمین کے اس حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے حصے میں پیداوار نہ ہوتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا۔ البتہ چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا۔

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] " " " " صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳،

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ (مرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

[5] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

امام عبدالرزاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[1] اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[2]
نیز امام حمیدی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

عن عبد الله بن السائب قال دخلنا على عبد الله بن معقل فسألناه عن المزارعة فقال زعم ثابت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة وامر بالمؤاجرة وقال لا بأس بها۔[4]

عبداللہ بن السائب بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن معقل کے پاس گئے اور ان سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا ثابت یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور زمین کو اجرت پر دینے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سعيد بن المسيب عن سعد قال كنا نكرى الارض بما على السواقى من الزرع وما سعد بالماء منها فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك وامرنا ان نكريها بذهب او فضة۔[5]

سعید بن مسیب، حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نہروں کے کناروں والی زمین کی پیداوار، اور زمین کے جس حصے کو از خود نہروں سے سیراب کیا جاتا تھا اس کی پیداوار کے عوض زمین کو کاشت کے لیے دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کر دیا اور ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دیں۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

عن رافع بن خديج قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة والمزابنة وقال انما يزرع ثلاثة رجل له ارض فهو يزرعها ورجل منح ارضا فهو يزرع ما منح ورجل استكرى ارضا بذهب

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ زراعت صرف تین طرح کی جا سکتی ہے ایک شخص اپنی زمین میں خود کاشت کرے، ایک شخص اپنی زمین کسی کو ہبہ کر دے اور وہ شخص ہبہ شدہ زمین میں

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۲ھ
[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[3] امام حافظ عبداللہ بن زبیر حمیدی، المسند ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔
[4] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ
[5] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، ۱۴۰۵ھ
[6] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۸-۳۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

او فضة۔ [۱]

کاشت کرے، ایک شخص سونے یا چاندی کے عوض زمین کو کرائے پر حاصل کرے۔

حافظ الہیثمی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ [۲]

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال کنا نکری الارض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونشترط ان لا نعرھا بعرة الناس۔ [۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کو کرایہ پر دیتے تھے اور اس میں شرط عائد کرتے تھے کہ ہم اس میں لوگوں کی کھاد نہیں ڈالیں گے۔

حافظ الہیثمی، امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم کراء الارض و لکن امر بمکارم الاخلاق۔ [۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے کرایہ پر دینے کو حرام نہیں کیا لیکن آپ نے حسن اخلاق کا حکم دیا ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن قتادة عن ابن المسیب، سالم بن عبداللہ وابراھیم النخعی کانوا لا یرون بکراء الارض باسا یکرون ارضھم۔ [۵]

قتادہ کہتے ہیں کہ ابن مسیب، سالم بن عبداللہ اور ابراہیم نخعی زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنی زمینیں کرائے پر دیتے تھے۔

عن ھشام بن عروة عن ابیہ لم یکن یری بکراء الارض باسا۔ [۶]

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ زمینوں کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عن عبدالکریم الجزری قال: قلت لسعید بن جبیر ان عکرمة یزعمان کراء

عبدالکریم جزری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ عکرمہ یہ کہتے ہیں کہ زمین کو کرایہ پر دینا ٹھیک

---

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبعة الثانیہ ۱۴۰۵ھ

[۲] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ

[۳] 〃 〃 〃 (المرتب) کشف الاستار عن زوائد البزار مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۴۰۴ھ

[۴] 〃 〃 〃 〃 مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ

[۵] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ

[۶] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۹۱،

الارض لا یصلح، فقال کذب عکرمة، سمعت ابن عباس یقول: ان خیر ما انتم صانعون فی الارض البیضاء ان تکروا الارض البیضاء بالذهب و الفضة.[۱]

نہیں ہے، سعید بن جبیر نے کہا عکرمہ نے جھوٹ بولا، میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خود سنا ہے کہ خالی زمین کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اس کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

عن سعید ان ابن عباس قال ان امثل ما انتم صانعون ان تستاجروا الارض البیضاء.[۲]

سعید (ابن جبیر) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے بہترین کام یہ ہے کہ تم خالی زمین کو کرایہ پر دو۔

عن ابراهیم وسعید بن جبیر انهما قالا: لا باس بکراء الارض البیضاء.[۳]

ابراہیم اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ خالی زمین کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قیس قال: سالت رافع بن خدیج عن کراء الارض البیضاء، فقال: حلال لا باس به انما نهی عن الارمات ان یعطی الرجل الارض و یستثنی بعضها و نحوه.[۴]

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے خالی زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا یہ حلال ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور نے اراث سے منع کیا ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی کو زمین دے اور اس کی پیداوار کے بعض حصے کو مستثنیٰ کرے۔

اخبرنا الثوری عن ابراهیم النخعی انه استاجر ارضا بیضاء الی اجل معلوم بذهب او فضة.[۵]

ثوری کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے خالی زمین کو سونے یا چاندی کے عوض ایک مدت معین کے لیے کرائے پر لے لیا۔

عن موسی بن عبد الله بن یزید قال، سئل ابن عمر عن کراء الارض فقال ارضی و بعیری سواء.[۶]

موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں سوال کیا گیا: انھوں نے کہا میری زمین اور میرا اونٹ برابر ہیں۔

۱۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ۔
۲۔ " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۲، " " " " " " "
۳۔ " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۳ - ۹۲، " " " " " "
۴۔ " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴، " " " " " "
۵۔ " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴، " " " " " "
۶۔ " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴، " " " " " "

اخبرنا اسماعیل بن ابی خالد عن انس بن مالک قال: ارضی و مالی سواء۔[1]

اسماعیل بن ابی خالد حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میرا مال اور میری زمین دونوں برابر ہیں۔

قال الزھری: فسئلت ابن المسیب عن کراءھا بالذھب والورق فقال: لا باس به۔[2]

زہری کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب سے زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن نصیر بن ادھم قال: سمعت الضحاک بن مزاحم یقول: لا یصلح من الارض الا خصلتان ارض منحکھا رجل یملک رقبتھا او ارض استاجرتھا باجر معلوم الی اجل معلوم۔[3]

نصیر بن ادھم کہتے ہیں کہ ضحاک بن مزاحم یہ کہتے تھے کہ زمین میں صرف دو صورتیں جائز ہیں ایک وہ زمین جو کسی شخص نے تم کو ہبہ کی اور تم اس کے مالک ہو گئے، یا وہ زمین جس کو تم نے مدت معین کے لیے معین اجرت کے عوض کرائے پر لیا۔

عن الحکم عن ابراھیم قال: ان امثل ابواب الزرع ان یستاجر الارض البیضاء باجر معلوم۔[4]

حکم کہتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا، کاشت کاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خالی زمین کو معین کرایہ پر لے لیا جائے۔

عن عکرمۃ، قال، لا باس بکری الارض بالطعام۔[5]

عکرمہ کہتے ہیں کہ طعام (اناج، غلہ) کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن زیاد بن ابی مسلم قال: سألت سعید بن جبیر عن کری الارض بالدرھم والطعام فلم یر به باسا۔[6]

زیاد بن ابی مسلم کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ آیا دراہم اور طعام کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے؟ تو انھوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھی۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المصنف ج ۸ ص ۹۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ
[2] 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۹۴
[3] امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ھ
[4] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، 〃 〃
[5] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، 〃 〃
[6] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، 〃 〃

عن ابی معشر عن ابراهیم قال: لا بأس ان تأخذ بطعام مسمی۔[1]

ابو معشر کہتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا زمین کو معین طعام کے عوض کرائے پر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت کی روایات کے جوابات

شیخ ابن حزم اور زمین کو کرائے پر دینے کے دیگر منکرین نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ روایات اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن نافع ان ابن عمر کان یاجر الارض قال فنبئ حدیثا عن رافع قال فانطلق بی معہ الیہ قال فذکر عن بعض عمومتہ ذکر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن کراء الارض قال فترکہ ابن عمر فلم یاجر۔[2]

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر زمین کو کرائے پر دیتے تھے پھر ان کو حضرت رافع کی ایک روایت سنائی گئی وہ میرے ساتھ حضرت رافع کے پاس گئے حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے یہ روایت بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمادیا ہے پھر حضرت ابن عمر نے زمین کرائے پر نہیں دی۔

اس مضمون پر مشتمل حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

اس مضمون کی تمام حدیثوں کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں مختصر ہیں امام بخاری اور امام مسلم نے اگلی صفحات پر ان حدیثوں کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، جن کو ہم نے جمہور کے دلائل کے زیر عنوان باحوالہ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں بعض لوگ زمین کے ایک معین حصہ کی پیداوار کے عوض زمین کرائے پر دیتے تھے اور باقی حصہ کی پیداوار کاشتکار کے حصہ میں ہوتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر کی وجہ سے اس سے منع فرمادیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مالک زمین کے حصہ والی زمین میں پیداوار ہو اور دوسرے حصہ میں پیداوار نہ ہو یا اس کے برعکس ہو، اور درہم، دینار اور طعام معروف کے عوض کرائے سے آپ نے منع نہیں کیا خود حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ درہم اور دینار کا کرایہ جائز ہے اور متعدد احادیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم اور دینار کے بدلے میں زمین کو کرائے پر دینے کا حکم دیا، ان احادیث کو ہم جمہور کے دلائل کے زیر عنوان پیش کر چکے ہیں۔

زمین کو کرائے پر دینے کے منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حدثنا ھناد ثنا ابوبکر بن عیاش عن ابی حصین عن مجاھد عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنا نافعا اذا

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا جس میں ہمارا فائدہ تھا، جب ہم میں سے کسی کے

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

كانت لاحدنا ارض ان يعطيها ببعض خراجها او بدراهم وقال اذا كانت لاحدكم ارض فليمنحها اخاه او ليزرعها.[1]

پاس زمین ہوتی تو وہ اس کو کچھ پیداوار کے عوض یا دراہم کے بدلہ کاشتکاری کے لیے دیتا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو یا اپنے بھائی کو ہبہ کر دو یا اس میں خود کاشت کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام نسائی نے معلول قرار دیا ہے کیونکہ مجاہد نے اس حدیث کو رافع سے نہیں سنا، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عیاش ہے اس کے حافظہ پر تنقید کی گئی ہے۔ ابوعوانہ نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ اپنے شیخ سے زیادہ ثقہ ہیں اور اس میں دراہم کا ذکر نہیں ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو از سلیمان بن یسار از رافع بن خدیج کی سند سے بیان کیا ہے اور ان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں اس وقت سونے اور چاندی کے عوض کرایہ نہیں تھا۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ اور منکر ہے اور ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے، اس لیے مقبول نہیں ہے دوسرا جواب اس کا خود امام ترمذی نے دیا ہے وہ روایت کے اخراج کے بعد حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

عن طاؤس عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يحرم المزارعة ولكن امر ان يرفق بعضهم ببعض هذا حديث حسن صحيح.[3]

طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں فرمایا لیکن آپ نے (ہبہ کا امر فرما کر) لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد[4] اور امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے[5] خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو مفت زمین دینا، کرائے پر دینے کی بہ نسبت افضل اور اولیٰ ہے۔ اس لیے کسی ضرورت مند کو زمین مفت دینے کی بجائے کرائے پر دینا افضل اور اولیٰ کے خلاف ہے۔ نہ یہ کہ ناجائز یا مکروہ تحریمی ہے۔

منکرین کا تیسرا اعتراض امام ابوداؤد کی اس روایت سے ہے:

حدثني عثمان بن سهل بن رافع بن خديج قال انى ليتيم فى حجر رافع بن خديج وحججت معه فجاءه اخى عمران بن سهل فقال اكرينا ارضنا فلانة بمائتى درهم فقال دعه فان النبى صلى الله عليه وسلم نهى

عثمان بن سہل بن رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت رافع بن خدیج کی گود میں یتیم تھا اور میں نے ان کے ساتھ حج کیا، حضرت رافع کے پاس میرا بھائی عمران بن سہل آیا اور کہا ہم کو اپنی فلاں زمین دو سو درہم کے عوض کرائے پر دے دو، حضرت رافع نے فرمایا اس کو چھوڑو

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۲۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
[3] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[4] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ - ۱۲۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ
[5] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

عن کراء الارض[1]

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے کیونکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں حضرت رافع بن خدیج سے یہ روایت ہے کہ درہم اور دینار کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے اور صحیح مسلم میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے کا حکم فرمایا۔ مسند بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کو کرائے پر دیتے تھے اس لیے ان بکثرت صحیح روایات کے مقابلہ میں اس شاذ روایت کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے یعنی کرائے پر دینا افضل اور اولیٰ امر کے خلاف ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت سے ظاہر ہے:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کانت له ارض فانه ان منحها اخاه خیر له.[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس (زائد) زمین ہو وہ اسے اگر اپنے بھائی کو ہبہ کر دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ نے ص ۲۵۶ سے لے کر ۲۶۳ تک زمین کے کرائے پر بہت طویل علمی اور محدثانہ بحث کی ہے اور انہوں نے کرائے کا جواز ثابت کرنے کے لیے تقریباً ان تمام احادیث کو نقل کیا ہے جن کو ہم متعدد حوالوں سے پیش کر چکے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات کے بھی امام طحاوی نے وہی جوابات ذکر کیے ہیں جن کو ہم بکثرت حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔ البتہ امام طحاوی نے ایک علمی اور دقیق جواب زائد بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

عن عروة بن الزبیر عن زید بن ثابت انه قال: یغفر الله لرافع بن خدیج انا والله کنت اعلم بالحدیث منه انما جاء رجلان من الانصار الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قد اقتتلا فقال ان کان هذا شانکم فلا تکروا المزارع فسمع قوله لا تکروا المزارع.[3]

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے بخدا میں اس حدیث کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے جو آپس میں لڑ رہے تھے، آپ نے فرمایا اگر تمہارا یہی حال ہے تو تم زمین کو کرائے پر مت دو، رافع بن خدیج نے آپ کا یہ قول سن لیا "زمین کو کرائے پر مت دو۔"

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ سنا تھا "زمین کو کرائے پر مت دو" وہ بطور تحریم نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لڑائی کو ناپسند کیا تھا[1] گویا آپ کا یہ حکم برائے شفقت تھا اور ان کے ساتھ خاص تھا اور حضرت رافع بن خدیج نے اس کو ایک حکم عام سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ زمین کو نقد رقم، سونے، چاندی اور دیگر اشیائے متقومہ کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے اور اس کے خلاف جو روایات ہیں وہ یا ضعیف ہیں یا ان میں تاویل ہے، اسی طرح بعض تابعین کے اقوال پر جو اس کے خلاف ہیں ان میں یا تاویل ہے اور یا وہ اقوال مردود ہیں ائمہ اربعہ کا زمین کو کرائے پر دینے کے جواز پر اجماع ہے اور شیخ ابن حزم اور ان کے موافقین کے اقوال مردود ہیں اور ظاہر ہے احادیث کے مقابلہ میں ان اقوال کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

مخابرہ (زمین کو بٹائی پر دینے) میں مذاہب فقہاء

کاشتکاری کی چوتھی صورت مخابرہ ہے، یعنی مالک زمین، کاشتکار کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ اس زمین سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس کا مثلاً نصف، ثلث یا ربع میں لوں گا اور باقی پیداوار تمہاری ہو گی۔ مخابرہ میں بھی فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

اول: مخابرہ (مزارعت) مطلقاً جائز ہے، یہ امام احمد، امام ابو یوسف اور محمد کا قول ہے اور بعض شافعیہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے[2]

ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے[3]

ثانی: مخابرہ (مزارعت) مطلقاً ناجائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کا قول ہے[4]

ثالث: مزارعت چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ان میں بنیادی شرط یہ ہے کہ مزارعت، مساقات کے ضمن میں ہو بایں طور کہ درختوں کے درمیان خالی زمین ہو اور ان میں کاشتکاری کی جائے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے[5]

رابع: مزارعت، مساقات کے ضمن میں جائز ہے بشرطیکہ وہ خالی زمین جس میں کاشتکاری ہو، وہ درختوں پر مشتمل جگہ کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کے حصہ کے عوض زمین کو دینا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک

---

[1] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ
[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
[3] شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی ظاہری متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ
[4] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۲۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
[5] علامہ یحیی بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ناجائز ہے، البتہ امام شافعی اور امام مالک بعض شرائط کے ساتھ مساقات کے ضمن میں مزارعت کو جائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ مساقات کے ضمن میں بھی مزارعت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مساقات بھی ناجائز ہے۔

زمین کو بٹائی پر دینے کے عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ مزارعت کو حسب ذیل احادیث کی بناء پر ناجائز کہتے ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن رافع بن خديج قال كنا نحاقل الارض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فنكريها بالثلث والربع والطعام المسمى فجاءنا ذات يوم رجل من عمومتي فقال نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن امر كان لنا نافعا وطواعية الله ورسوله انفع لنا نهانا ان نحاقل بالارض فنكريها على الثلث والربع والطعام المسمى وامر رب الارض ان يزرعها او يزرعها وكره كراءها وما سوى ذلك۔[1]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاشتکاری کرتے تھے اور زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور معین اناج کے عوض کرایہ پر دیتے تھے، ایک دن میرے ایک چچا آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک نفع آور چیز سے روک دیا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زیادہ نفع ہے۔ آپ نے زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور معین اناج کے عوض کرایہ پر دینے سے روک دیا ہے اور زمین کے مالک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ زمین میں خود زراعت کرے یا کسی کو زراعت کے لیے دے دے اور کرایہ پر دینے یا اس کے علاوہ کسی اور صورت کو ناپسند فرمایا۔

عن عبد الله بن السائب قال سالت عبد الله بن معقل عن المزارعة فقال اخبرني ثابت بن الضحاك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة۔[2]

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے حضرت ثابت بن ضحاک نے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرما دیا۔

اس مضمون کی روایات حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ ہم نے وہ روایات پیش کی ہیں جو ائمہ ثلاثہ کے موقف پر زیادہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] " " " " ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴، " " "

مزارعت پر اعتراضات کے جوابات

امام احمد، امام ابویوسف اور امام محمد کی طرف سے امام ذیلعی نے ائمہ ثلاثہ کی پیش کردہ روایات کے تین جوابات دیئے ہیں:

پہلا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصومات اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے مزارعت سے منع فرمایا تھا اگر فریقین میں خصومات نہ ہوں تو پھر مزارعت ممنوع نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے، بخدا مجھے اس حدیث کا (حضرت) رافع بن خدیج سے زیادہ علم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو انصاری صحابہ آئے جو آپس میں لڑ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہی روش ہے تو تم زمین کو کرائے پر نہ دیا کرو۔[1] اس حدیث کو امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔

دوسرا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی پیداوار کے معروف حصہ کے عوض زمین دینے کو منع نہیں کیا بلکہ ایک خاص صورت سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک زمین یہ کہتا تھا کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار تمہاری ہوگی اور اس حصے کی پیداوار تمہاری ہوگی پھر بسا اوقات اس حصے میں پیداوار ہوتی اور اُس حصے میں پیداوار نہ ہوتی اور کبھی اس کے برعکس ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص صورت میں مزارعت سے منع فرمایا ہے مطلقاً مزارعت سے منع نہیں فرمایا۔ اس کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۴۰ اور ۳۸۴۱ ہے۔

تیسرا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحریم مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ بطور تنزیہ منع فرمایا ہے، کیونکہ فالتو زمین اپنے کسی مسلمان بھائی کو مفت دے دینا اس کو مزارعت پر دینے سے افضل ہے اس کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۵۵، ۳۸۵۶، ۳۸۵۷، ۳۸۵۸، ۳۸۵۹ میں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے حضرت رافع کی حدیث کے چار جواب دیئے ہیں ایک جواب وہی ہے جو علامہ ذیلعی نے دیا ہے کہ زمین کے حصے متعین کر کے اس کی پیداوار کے لین دین سے منع کیا ہے۔

دوسرا جواب: حضرت رافع کی حدیث زمین کی تہائی یا چوتھائی پیداوار کو بطور کرایہ لینے کے بارے میں ہے اور ہماری بحث مزارعت میں ہے اور یہ حدیث مزارعت کی نفی پر بالکل دلالت نہیں کرتی، اور حضرت رافع کی جس حدیث میں مزارعت کا ذکر ہے اس کو کرائے پر بھی محمول کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ہی قصہ ہے جس کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ حدیث کے الفاظ کی ایسی تفسیر کی جائے جو دوسری روایات کے موافق ہو۔

تیسرا جواب: حضرت رافع کی حدیث میں بہت زیادہ اضطراب اور اختلاف ہے جو اس حدیث پر ترک عمل کا موجب ہے۔ امام احمد نے کہا حدیث رافع کے کئی رنگ ہیں، نیز کہا اس کی کئی قسمیں ہیں، ابن منذر نے کہا یہ حدیث معلل ہے جس کی وضاحت حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات سے ہوتی ہے۔ نیز یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں کرائے سے علی الاطلاق ممانعت ہے۔ کسی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت رافع اپنے بعض چچاؤں سے روایت کرتے ہیں، کسی میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے خود سنا ہے، کسی میں ہے کہ انہوں نے ظہیر بن

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

رافع سے سنا ہے، اس کے برخلاف جن روایات میں مزارعت کے ثبوت کا ذکر ہے وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور تمام خلفاء راشدین نے ان پر عمل کیا ہے پس ان احادیث متواترہ کو چھوڑ کر اس مضطرب حدیث پر عمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

چوتھا جواب: اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت رافع کی حدیث صحیح ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، تو پھر یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں خیبر کی زمین کو مزارعت پر دینے کا ذکر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خیبر کی حدیث کو منسوخ مان لیا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عمل ہوتا رہا ہے پھر آپ کے وصال کے بعد سے تابعین کے زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے تو پھر اس کا نسخ کیسے ہو سکتا ہے۔!

حضرت جابر سے جو مخابرہ (مزارعت) کی ممانعت کی حدیث منقول ہے اس کے بھی یہی چار جواب ہیں کیونکہ حضرت جابر سے ہی خیبر کی زمین کو مزارعت پر دینا مروی ہے، پس ان میں سے کوئی ایک حدیث منسوخ ہو گی اور خیبر مزارعت پر دینے والی حدیث تو منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر سرکار ابد قرار کے عہد مبارک سے لے کر عصر تابعین تک مسلسل عمل ہوتا رہا ہے اس لیے ضرور مخابرہ والی روایت منسوخ قرار پائے گی۔[۱]

مزارعت کے جواز پر دلائل

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: مزارعت کا معنی یہ ہے کہ مالک زمین، اپنی زمین کا شتکار کو دے، اور فصل ان دونوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ حصہ کے مطابق تقسیم کر لی جائے۔ اور یہ بہت سے اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: ابو جعفر نے کہا تمام اہل مدینہ تہائی یا چوتھائی پیداوار پر مزارعت کرتے ہیں، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود اور عمر بن عبد العزیز نے مزارعت کی ہے، آل علی، آل ابوبکر، عروہ اور ابن سیرین وغیرہ مزارعت کرتے رہے ہیں، فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب، طاؤس، عبد الرحمان بن الاسود، موسیٰ بن طلحہ، زہری، عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے یہ طے کیا کہ اگر بیج حضرت عمر کے ہوں تو وہ نصف لیں گے اور اگر بیج مزارعین کے ہوں تو وہ اس قدر لیں گے۔ عکرمہ، مجاہد، نخعی اور امام ابو حنیفہ نے مزارعت کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس سے دونوں روایتیں ہیں، امام شافعی درختوں کے درمیان مزارعت کو جائز کہتے ہیں اور خالی زمین میں ناجائز کہتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے کھیتوں اور باغات کے نصف پر عمل کرایا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا، پھر حضرت ابوبکر نے، پھر حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان نے پھر حضرت علی نے، پھر ان کے اہل آج تک تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کراتے رہے یہ امر صحیح اور مشہور ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس پر عمل کیا،

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی ج ۵ ص ۲۴۲-۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

آپ کے بعد خلفائے راشدین اس پر تا حیات عمل کرتے رہے۔ پھر ان کے اہل کا اس پر عمل رہا، اور تمام اہل مدینہ مزارعت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بھی مزارعت پر عمل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے اس شرط پر عمل کرایا کہ باغات اور کھیتوں سے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف انہیں دینا ہوگا، پھر آپ ازواج مطہرات کو ایک سو وسق دیتے تھے۔ اسّی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو، پھر جب حضرت عمر نے اموال خیبر تقسیم کیے تو انہوں نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو وہ پانی اور زمین لے کر مزارعت کرائیں یا وہ ان کے لیے وسق جاری کر دیں، سو بعض ازواج نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے وسق کو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین کو اختیار کیا۔ اور اس قسم کی حدیث منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ نسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوتا تھا، لیکن جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عمل ہوتا رہا، پھر آپ کے بعد خلفاء راشدین کا اس پر عمل رہا، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا اور ان میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، اس کا نسخ کیسے جائز ہوگا؟ اور اس کو کب منسوخ کیا جائے گا؟ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں منسوخ ہوا تھا تو پھر آپ نے بعد میں اس پر عمل کیسے کیا؟ اور یہ نسخ مخفی رہا جو خلفاء راشدین کو معلوم نہ ہو سکا حالانکہ خیبر کی مزارعت کا قصہ بہت مشہور تھا، پھر وہ نسخ کا راوی کہاں گیا؟ جس نے ان کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچائی! [۱]

احادیث مخابرہ پر فقہاء احناف کے اعتراضات

علامہ ابن ہمام نے امام ابو حنیفہ کی طرف سے خیبر کی زمین میں مزارعت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ خراج مقاسمہ تھا، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ خراج کی دو قسمیں ہیں، خراج وظیفہ اور خراج مقاسمہ۔ خراج وظیفہ یہ ہے کہ امام ہر سال مال پر کچھ ٹیکس مقرر کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران پر مقرر کیا تھا کہ وہ ہر سال بارہ سو حلّے پیش کریں اور خراج مقاسمت یہ ہے کہ امام زمین کی پیداوار سے خراج لے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے خراج لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیداوار سے نصف وصول کریں گے۔ جامع صغیر میں ہے کہ اس حدیث میں جواز مزارعت پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین کے از روئے غنیمت مالک ہو گئے تھے، اگر آپ کل پیداوار بھی لے لیتے تو جائز تھا، آپ نے اس میں سے جو نصف ان کے لیے چھوڑا وہ آپ کا فضل تھا نیز اس پر اجماع ہے کہ عقد مزارعت مدت کے تعین کے بغیر جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں مدت کے تعین کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے یہ حدیث مزارعت کے لیے حجت نہیں بن سکتی۔ [۲]

احادیث مخابرہ پر اعتراضات کے جوابات

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ خراج کفار کی زمین سے لیا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں کی زمین تھی، اور علامہ ابن ہمام کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نصف پیداوار کو بطور خراج لازم کیا تھا بلکہ خیبر کے یہودیوں نے خود یہ پیش کش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی اس زمین پر مزارعت کریں گے اور اس کے عوض ان کو

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۴۲ - ۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

[۲] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۸ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

نصف پیداوار دی جایا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو منظور فرما لیا تھا، نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں مدت کے تعین کا ذکر نہیں اور مدت مجہول کا عقد صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ عقد ایک سال کا تھا اور ہر سال اس عقد کی تجدید ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جتنے سال تک ہم چاہیں گے اس عقد کو قائم رکھیں گے اور جب چاہیں گے اس عقد کو فسخ کر دیں گے اس کی مزید وضاحت (۴۸۹) کتاب المساقات میں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اجلی الیہود والنصاری من ارض الحجاز وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظہر علی خیبر اراد اخراج الیہود منہا وکانت الارض حین ظہر علیہا للہ ولرسولہ وللمسلمین فاراد اخراج الیہود منہا فسالت الیہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیقرہم بہا علی ان یکفوا عملہا ولہم نصف الثمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرکم بہا علی ذلک ما شئنا فقروا بہا حتی اجلاہم عمر الی تیماء واریحاء۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے یہود اور نصاریٰ کو سرزمین حجاز سے نکال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو آپ نے خیبر سے یہودیوں کو نکالنے کا ارادہ کیا اور جس وقت آپ نے خیبر کو فتح کر لیا تو یہ زمین اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو گئی تھی، جب آپ نے یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ یہود کو وہاں رہنے دیں اور خیبر کی زمین میں وہ کاشتکاری کریں گے اس کے عوض ان کو آدھی پیداوار دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملے پر برقرار رکھیں گے، پھر ان کو وہاں برقرار رکھا گیا حتیٰ کہ حضرت عمر نے ان کو تیما اور اریحا کی طرف نکال دیا۔

بعض احناف نے احادیث خیبر کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث فعلی ہیں اور مخابرہ سے نفی کی احادیث قولی ہیں اور قولی احادیث فعلی احادیث پر راجح ہوتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مخابرہ کی نفی والی حدیث کے ہم اس سے پہلے علامہ ابن قدامہ حنبلی اور علامہ ذہبی حنفی کے حوالوں سے صحیح جواب ذکر کر چکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مزارعت کی ممانعت پر استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لیے اس کا احادیث خیبر سے کوئی تعارض ہی نہیں ہے، ثانیاً احادیث خیبر میں صرف فعل نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ہے آپ نے فرمایا: نقرکم بہا علی ذلک ما شئنا " ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس معاملہ پر عمل کیا اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جس فعل پر استمرار ہو وہ بمنزلہ قول ہے۔

بعض فقہاء احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ احادیث خیبر مزارعت کو مباح کرتی ہیں اور احادیث ممانعت مخابرہ اس کو حرام کرتی ہیں اور تعارض کے وقت محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔ یہ جواب بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

چونکہ ممانعت مخابرہ کی احادیث ممانعت پر استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لیے یہاں سرے سے تعارض ہی نہیں ہے۔ ثانیاً یہ قاعدہ اس وقت جاری ہوتا ہے جب تاریخ مجہول ہو اور جب تاریخ معلوم ہو تو مؤخر پر عمل کیا جاتا ہے اور یہاں تاریخ معلوم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر حیات تک خیبر کی مزارعت کو برقرار رکھا اور بعد میں خلفاء راشدین نے بھی مزارعت پر عمل کیا لہٰذا احادیث خیبر کو ہی ترجیح ہے۔

احادیث مخابرہ پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

فقہاء شافعیہ نے احادیث خیبر کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس زمین پر اہل خیبر سے معاہدہ کیا گیا تھا وہ درختوں کے درمیان ہو، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس جواب کو پانچ وجوہ سے رد کیا ہے۔ اول یہ کہ یہ بات بہت بعید ہے کہ ایک بڑا شہر ہو جس سے چالیس ہزار وسق غلہ حاصل ہوتا ہو اور اس میں کوئی خالی زمین نہ ہو جس میں کاشت کی جا سکے، اور یہ بھی بہت بعید ہے کہ پوری زمین پر کاشت نہ کی جاتی ہو صرف بعض زمین پر کاشت ہوتی ہو اور راوی اس واقعہ کو بغیر کسی تفصیل کے علی العموم بیان کریں۔ ثانی یہ کہ فقہاء شافعیہ نے جو تاویل ذکر کی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ہم نے جو معنی ذکر کیا ہے اس پر بعض روایات صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ثالث یہ کہ ان کی تاویل سے ہر دو حدیثوں میں قید لگانی پڑے گی رابع یہ کہ ہم نے جو محمل بیان کیا ہے وہ بعض خلفاء راشدین کے عمل سے مؤید ہے۔ خامس یہ کہ ہم نے جو محمل بیان کیا ہے اس پر اجماع ہے کیونکہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ تمام اہل مدینہ، خلفاء اربعہ، ان کے اہل و عیال اور تمام فقہاء الاستمرار مزارعت کرتے رہے ہیں اور اس کا مخفی ہونا ناممکن ہے اور صحابہ میں سے کوئی ایک بھی مزارعت کا منکر نہیں تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اس کے معانی کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔[1]

جوازِ مزارعت کے ثبوت میں احادیث، آثار اور اقوال تابعین

امام حمیدی روایت کرتے ہیں:

حدثنا الحمیدی قال: ثنا سفیان قال: ثنا عمرو: قال: قلت لطاؤس: یا ابا عبد الرحمٰن لو ترکت المخابرۃ فانھم یزعمون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا: فقال ای عمرو اخبرنی اعلمھم بذلک یعنی ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنھا ولکن قال لان یمنح احدکم اخاہ ارضہ خیر لہ من ان یاخذ علیہ

امام حمیدی کہتے ہیں ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں عمرو نے بیان کیا کہ میں نے طاؤس سے کہا اے ابو عبد الرحمان! کاش تم مخابرہ (زمین کو بٹائی پر دینا) چھوڑ دو! کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے، طاؤس نے کہا: اے عمرو! جو ان میں سب سے زیادہ حدیث کا عالم ہے یعنی حضرت ابن عباس انھوں نے مجھے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص

[1] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

خرجا معلوما وان معاذا حين قدم اليمن اقرهم عليها وانی ای عمرو اعيتهم واعطيهم فان ربحوا فلی ولهم وان نقصوا فعلی وعليهم وان الحيقلة فی الانصار فسئل عنها فسئلت علی بن ابی رفاعة فقال هی المخابرة۔[۱]

اپنے بھائی کو زمین مفت دے دے تو وہ اس کو معاوضہ پر دینے سے بہتر ہے، اور حضرت معاذ جب یمن آئے تو آپ نے اہل یمن کو کاشتکاری پر برقرار رکھا اور لے عمرو! میں ان کی مدد کرتا ہوں اور ان کو معاوضہ دیتا ہوں اگر نفع ہوتا ہے تو وہ بھی میرا اور ان کا مشترک ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو وہ بھی میرا اور ان کا مشترک ہوتا ہے اور انصار میں کھیتی باڑی ہوتی ہے ان سے پوچھو وہ کس طرح کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ میں نے علی بن ابو رفاعہ سے پوچھا انھوں نے کہا مخابرہ کرتے ہیں یعنی بٹائی پر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن المسيب قال: دفع رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر الى يهود يعملونها ولهم شطرها فمضى على ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وسنتين من خلافة عمر حتى اجلاهم عمر منها۔[۲]

ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہود کو مزارعت پر دی وہ اس سے نصف پیداوار لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس معاملے کو جاری رکھا، آپ کے بعد حضرت ابوبکر نے اسے جاری رکھا، اور حضرت عمر نے دو سال جاری رکھا، پھر ان (یہود) کو خیبر سے نکال دیا۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی جعفر قال: عامل رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل خيبر على الشطر ثم ابوبكر وعثمان وعلى ثم اهلوهم الى اليوم يعطون الثلث والربع۔[۳]

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو نصف پیداوار کے عوض زمین بٹائی پر دی، پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بٹائی پر دی، پھر ان کے اہل وعیال آج تک تہائی اور چوتھائی کے عوض زمین بٹائی پر دیتے رہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن موسى بن طلحة قال: اقطع عثمان لخمسة من اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لعبد الله، ولسعد وللزبير، ولخباب و

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہ کو زمین عطا کی، حضرت عبداللہ، حضرت سعد، حضرت زبیر، حضرت

---

[۱] حافظ عبداللہ بن زبیر حمیدی، المسند ج ۲ ص ۳۲۷ - ۳۲۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت

[۲] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ

[۳] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ھ

لاسامة بن زید فکان جاراي عبد الله وسعد یعطیان ارضهما بالثلث .[1]

خباب اور حضرت اسامہ بن زید کہ حضرت عبداللہ اور حضرت سعد میرے پڑوسی تھے وہ اپنی زمین کو تہائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں:

عن ابی جعفر محمد بن علی یقول ، آل ابی بکر وآل عمر وآل علی ، یدفعون ارضیھم بالثلث والربع .[3]

ابوجعفر محمد بن علی کہتے ہیں کہ آل ابی بکر، آل عمر اور آل علی اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اهل بیت ھجرة الا یعطون ارضھم بالثلث والربع .[4]

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ تمام مہاجرین مدینہ اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے[5]

امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:

عن موسی بن طلحة قال : کان سعد وابن مسعود یزارعان بالثلث والربع .[6]

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

عن یحیی بن سعید ان عمر بن عبد العزیز کان یامر باعطاء الارض بالثلث والربع[7]

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض زمین کو بٹائی پر دیتے تھے۔

عن مجاھد عن ابن عمر انه کان یدفع ارضه بالثلث .[8]

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنی زمین کو تہائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ ، المصنف ج ۸ ص ۹۹ ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[2] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۶ ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ، ۱۴۰۶ھ

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ ، المصنف ج ۸ ص ۱۰۱ ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ، ۱۳۹۲ھ

[4] 〃 〃 ، المصنف ج ۸ ص ۱۰۰ ،

[5] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۳ ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ، ۱۴۰۶ھ

[6] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۷ ،

[7] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۱ ،

[8] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۳ ،

زمین کو بٹائی پر دینے میں فقہاء احناف کا موقف

بکثرت احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہے اس لیے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

الا ان الفتوی علی قولہما لحاجۃ الناس الیہا ولظہور تعامل الامۃ بہا والقیاس یترک بالتعامل کما فی الاستصناع۔[1]

فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور تمام امت کا مزارعت پر عمل ہے، اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے اگلے باب (نمبر ۴۹۹) کا بھی مطالعہ کر لینا چاہیے۔

قرآن مجید کی روشنی میں زمین کی شخصی ملکیت پر بحث و نظر

بعض لوگ جو اشتراکی نظریات کا ثبوت قرآن مجید سے کشید کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہے کہ زمین کا کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا اور ملکیت زمین کا مسئلہ بادشاہت کی دریافت ہے اس لیے زمین کو کرایہ یا بٹائی پر دینا، یا زمین پر مکان بنا کر کرایہ پر اٹھانا سب از روئے اسلام ناجائز ہیں کیونکہ جب زمین کا کوئی انسان مالک ہی نہیں ہو سکتا تو مکانوں اور زمینوں کا کرایہ سب باطل ہو گیا اس سلسلہ میں یہ لوگ پہلی آیت یہ پیش کرتے ہیں:

ان الارض للہ "زمین اللہ کی ملکیت ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: للہ ما فی السموٰت و الارض (لقمان: ۲۶) "آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ ہی کی ملکیت ہے" اس طرز استدلال کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے پاس کھانے پینے، پہننے اور استعمال کی جتنی چیزیں ہیں ان میں سے کسی چیز کا بھی انسان مالک نہیں ہے اور جس طرح ہوا، روشنی، پانی اور زمین پر سب کا حق ہے اور وہ سب کے لیے مشترک ہیں اس طرح کوئی چیز کسی کی ملکیت میں نہیں ہے پھر صرف زمین اور کارخانے ہی نہیں بلکہ ہر گھر اور اس کی تمام چیزیں پوری قوم بلکہ پوری انسانیت کے استعمال کے لیے مباح ہونی چاہئیں اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے پوری آیت نہیں پڑھی ورنہ اس سوال کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے پوری آیت اس طرح ہے:

قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ (الاعراف: ۱۲۸)

(حضرت) موسیٰ نے اپنی امت سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک زمین صرف اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور حسن عاقبت پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔

اس پوری آیت کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بے شک زمین صرف اللہ کی ملکیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخرین ص ۴۲۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

جس کو چاہتا ہے اس کو ایک عارضی مدت کے لیے اس زمین کا مالک بنا دیتا ہے۔

ان لوگوں کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے والارض وضعها للانام (رحمان: ۱۰) "اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین کو بنایا" اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین تمام مخلوق کے استفادے کے لیے بنائی گئی ہے اور تمام مخلوق زمین سے تب ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے جب اس زمین پر کسی کی شخصی ملکیت نہ ہو، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ: ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزیں پیدا کیں" اس طرز استدلال کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ زمین میں جہاں کہیں بھی جو کچھ بھی ہے وہ تمام انسانوں کے نفع کے لیے ہے پھر جس شخص کے پاس جو کچھ بھی کپڑا، نقدی، کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں ہیں اس پر سب لوگوں کا حق ہے اور جو شخص چاہے اس سے وہ چیزیں لے سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ملکیت زمین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے ذکر کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے اس کے بعد والی آیت ہے: فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام ۞ والحب ذو العصف والریحان (رحمان: ۱۲-۱۱) "اس (زمین) میں میوے اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں، اور بھوسے والا غلہ اور خوشبودار پھل ہیں اور یہ تمام نعمتیں ایسی ہیں جن میں شخصی ملکیت جاری ہوتی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ نے زمین کو (تمام) مخلوق (کے استفادے) کے لیے بنایا ہے" یہاں تمام انسانوں کے فائدہ کے لیے نہیں فرمایا اور دوسری بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ زمین بھی حکماً جمع ہے اور انام بھی جمع ہے اور جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو آحاد کی آحاد کی طرف تقسیم ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ روئے زمین کے تمام قطعات تمام مخلوق کے استفادے کے لیے ہیں، بایں طور کہ ہر مخلوق اپنے اپنے قطعہ ارض سے فائدہ حاصل کر رہی ہے اس کو یہ لازم نہیں ہے کہ مخلوق کا کوئی ایک فرد تمام قطعات ارض سے استفادے کا حق رکھتا ہے، بلکہ ہر مخلوق اپنے اپنے قطعہ ارض سے فائدہ حاصل کرتی ہے اس لیے فرمایا: "اسی نے مخلوق کے لیے زمین کو بنایا"۔

اشتراکیوں کا تیسرا استدلال اس آیت سے ہے:

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ذلك رب العالمین ۞ وجعل فیها رواسی من فوقها وبارك فیها وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام سواء للسائلین۔

(حٰم السجدہ: ۱۰-۹)

آپ فرمایئے کیا یقیناً تم ضرور اس (اللہ) کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو، وہ سارے جہان کا پروردگار ہے اور جس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا، اور اس میں (بہت) برکت فرمائی، اور اس زمین میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اشتراکیوں کے استدلال کے اعتبار سے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین اور اس کی غذائیں تمام ضرورتمندوں اور سائلوں کے لیے برابر ہیں اور زمین پر شخصی ملکیت کی صورت میں زمین اور اس کی غذائیں سب سوالیوں کے لیے برابر نہیں ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ غلط ہے۔ مفسرین نے سواء (برابر) کا تعلق ایام کے ساتھ کیا ہے۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کتنے عرصہ میں بنایا تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی زمین اور اس کی غذاؤں کو پورے چار روز میں کسی کمی و بیشی کے بغیر بنایا ہے، اور آیت کا ترجمہ یوں ہوگا اور اس زمین میں اس (کے رہنے والوں)

کی غذائیں پورے چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو طلب کرنے والوں کے لیے ہیں، علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ سواء، اربعۃ ایام کی صفت ہے اور سائلین کا تعلق اقواتھا سے ہے اور اب ترجمہ یوں ہوگا، اس زمین میں رزق مانگنے والوں کی غذائیں پورے چار دنوں میں مقدر فرمائیں۔ علامہ ابن کثیر وغیرہ نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے زمین میں مقدر کر دیا ہے اس میں ہر سائل مساوی ہے۔ سائلین کے لیے وہ تمام رزق مساوی ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے جس رزق کا بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق اسے عطا فرماتا ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے: وآتاکم من کل ما سألتموہ (ابراھیم: ۳۴) "اور (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تمام کو (بہت کچھ) دیا۔"

احادیث کی روشنی میں زمین کی شخصی ملکیت پر بحث و نظر

بعض سوشلسٹ حضرات احادیث سے بھی زمین کی شخصی ملکیت پر استدلال کرتے ہیں: چنانچہ اس سلسلے میں صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

عن جابر قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ فضل ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس فالتو زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کرے ورنہ وہ زمین اپنے بھائی کو عطا کر دے۔

سوشلسٹ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی ہے کہ جو شخص اپنی زمین کاشت نہیں کر سکتا، اس پر واجب ہے کہ وہ زمین اپنے کسی اور مسلمان بھائی کو دے دے اور اس کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس زمین کو کرائے یا بٹائی پر دے! اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زمین پر شخصی ملکیت جائز نہیں ہے اور نہ ہی زمین کو کرائے یا بٹائی پر دینا جائز ہے۔

اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے حسب عادت پوری حدیث پیش نہیں کی ورنہ اس کا جواب اسی حدیث میں ہے، پوری حدیث اس طرح ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال کان لرجال فضول ارضین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ فضل ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ۔[1]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ملکیت میں فاضل زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کرے، یا اپنے کسی بھائی کو عاریتاً دے اور اگر اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

امام مسلم نے یہ حدیث متعدد اسانید سے روایت کی ہے، ایک اور سند سے ملاحظہ ہو:

عن ابی ھریرۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس شخص کی ملکیت میں زمین ہو اس میں وہ خود کاشت کرے، یا اپنے بھائی کو عاریتاً دے اور اگر

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

فليمسك ارضه۔[1] اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

یہ حدیث زمین کی شخصی ملکیت کی نفی پر نہیں بلکہ شخصی ملکیت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے، اولاً اس لیے کہ من کانت له ارض میں لام تملیک کا ہے یعنی جس شخص کی ملکیت میں زمین ہو، ان الفاظ سے آپ نے زمین کی شخصی ملکیت کا اثبات فرمایا ہے، ثانیاً اس لیے کہ آپ نے فرمایا او ليمنحها اخاه اور منحة کا معنی عاریت ہے

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

يمنح اعارة ولا تكون المنيحة الا المعارة اللبن خاصة وفى الحديث المنحة مردودة۔[2]

منح کا معنی عاریۃً دینا ہے، منیحۃ صرف دودھ کی عاریت کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے منحۃ واپس کی ہوئی ہے، یعنی واپس کی جائے گی۔

ثالثاً زمین کو عاریۃً دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زمین دینے والے کے ملکیت میں ہے ثالثاً اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ اگر وہ زمین کسی کو نہیں دیتا تو اسے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس زمین کو اپنی ملکیت میں رکھے، اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مالک زمین پر کسی کو فالتو زمین دینا واجب نہیں ہے، اور نہ اس سے زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت لازم آتی ہے اس کی مزید وضاحت صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم لم ينه عنها انما قال يمنح احدكم اخاه خير له من ان يأخذ عليها خرجًا معلومًا۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا، صرف یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو زمین عاریۃً دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کوئی معین معاوضہ لیا جائے۔

مزید وضاحت کے لیے اس باب میں زمین کو کرائے پر دینے کی ہماری بحث ایک بار پھر دیکھ لی جائے گی۔

کیا مکانوں کو کرایہ پر دینا شرعاً حرام اور سود ہے؟

سوشلسٹ حضرات مکانوں کے کرائے کو سود قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک مکان، مکان کے عوض جو کرایہ لیتا ہے اس کو یہ کرایہ بغیر کسی محنت اور خرچ کے حاصل ہوتا ہے، اس کا مکان جوں کا توں قائم رہتا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور وہ مکان کی بنیاد پر ماہ بماہ کرایہ حاصل کرتا رہتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو سود پر کچھ رقم قرض دے اس کی رقم جوں کی توں محفوظ رہے اور وہ ماہ بماہ اس پر سود لیتا رہے، سو جس طرح سود ناجائز ہے اسی طرح مکانوں کا کرایہ لینا بھی ناجائز ہے!

سوشلسٹ حضرات کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے اول تو یہ بات غلط ہے کہ مکان کا کرایہ بغیر کسی محنت اور خرچ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ مکان بنانے میں مالک مکان کا پیسہ اور وقت خرچ ہوتا ہے اور اس پر محنت بھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ پیسہ

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] السید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ المطبعة الخیریہ ۱۳۰۶ھ

[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

محنت سے حاصل ہوتا ہے، نیز یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ مکان جوں کا توں قائم رہتا ہے کیونکہ مکان غیر متناہی مدت تک قائم نہیں رہتا بلکہ مکان کی بقاء اور زندگی ایک متناہی عرصہ کے لیے ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ مکان کی زندگی سو سال ہے، اور سو سال بعد وہ اس قدر خستہ اور بوسیدہ ہو جائے گا کہ قانون کے مطابق اس کا گرانا ضروری ہو گا، اب اگر کرایہ دار اس میں ایک سال رہتا ہے تو اس مکان کی زندگی اور بقاء ایک سال کم ہو گئی، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ کرایہ دار کے رہنے سے مکان میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور وہ جوں کا توں رہتا ہے، ثانیاً مکان میں بجلی اور گیس کی فٹنگ کی دیکھ بھال اور ضروری مرمت پر بھی مالک مکان کا خرچ ہوتا رہتا ہے، مالک مکان، مکان کا جو ٹیکس ادا کرتا ہے اس پر بھی اس کا خرچ ہوتا رہتا ہے، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ مالک مکان کا مکان پر کچھ خرچ نہیں ہوتا، نیز جس طرح کاروبار میں خطرہ (RISK) ہوتا ہے اسی طرح مکان میں بھی خطرہ رہتا ہے کوئی پتا نہیں کہ کسی قدرتی آفت یا ناگہانی مصیبت سے کب مکان تباہ ہو جائے، جبکہ سود میں کوئی خطرہ (RISK) نہیں ہوتا، نہ اس میں اصل مالیت میں کمی واقع ہوتی ہے، نہ اصل مالیت پر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لیے مکان کے کرائے کو سود پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور غلط ہے، جس طرح اور دیگر اشیاء مثلاً سائیکل، مشینیں اور پنکھوں کا کرایہ لینا جائز ہے اور جس طرح بس، ریل اور ہوائی جہاز کا کرایہ لینا جائز ہے اسی طرح مکانوں کا کرایہ لینا بھی جائز ہے۔

مکانوں کے کرائے کو سود قرار دینے پر ایک حدیث سے استدلال اور اس کا جواب

علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے: من اکل کرایۃ بیوت مکۃ فقد اکل الربوا۔ "جس شخص نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا اس نے سود کھایا"، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھانا سود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں سود کا لفظ راوی نے غلطی سے ذکر کیا ہے۔ اصل روایت کے الفاظ یہ ہیں "جس شخص نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ لیا اس نے آگ کھائی۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حدیث من اجر ارض مکۃ فکانما اکل الربٰوا ھذا کانہ تصحیف عن قول فکانما یاکل نارًا۔[1]

"جس شخص نے مکہ کی زمین کرایہ پر دی گویا اس نے سود کھایا" حدیث کے ان الفاظ میں غلطی سے تبدیلی ہو گئی اصل میں یوں ہے گویا اس نے آگ کھائی۔

حافظ ذیلعی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ امام دارقطنی نے اس حدیث کو حج کے آخر میں "اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے" عن ایمن بن نابل عن عبید اللہ بن ابی زیاد عن ابی نجیح عن عبد اللہ بن عمرو رفعہ الحدیث۔[2]

حافظ زیلعی کو دراصل تسامح ہوا ہے امام دارقطنی نے کتاب الحج کے آخر میں من اکل کرایۃ بیوت مکۃ فقد اکل الربٰوا۔ نہیں بیان کی بلکہ یہ حدیث بیان کی ہے: من اکل کرایۃ بیوت مکۃ اکل نارًا[3] اور سند

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، الدرایۃ ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔

[2] حافظ جمال الدین زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۶۶۔ ۲۶۵ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[3] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۰۰ ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

میں ایمن بن نابل ۔ ۔ ۔ کی جگہ ابن اسرائیل ہے علاوہ ازیں حافظ ذیلعی نے امام دارقطنی کی طرف جو سند منسوب کی ہے اس کے تمام راوی ضعیف ہیں ایمن بن نابل کے متعلق علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یعقوب بن شیبہ نے اس کو ضعیف کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۴) عبیداللہ بن ابی زیاد کو یحییٰ بن معین نے ضعیف لکھا ہے (تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۳۸۲) ابن ابی نجیح کا علامہ سیوطی نے اسماء المدلسین میں تیسویں نمبر پر مدلسین میں شمار کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں سود کے الفاظ نہیں ہیں، حافظ ذیلعی نے سنن دارقطنی کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے لیکن وہاں دوسری حدیث ہے اور اس کی جو سند ذکر کی ہے اس کے سب راوی ضعیف ہیں اس لیے یہ ثابت نہیں ہوا کہ مکانوں کا کرایہ سود ہے۔

مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت کی روایات پر بحث ونظر

امام حاکم روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة مناخ لا تباع رباعها ولا تواجر بيوتها۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے، اس کی حویلیاں فروخت کی جائیں نہ اس کے مکان کرائے پر دیے جائیں۔

ہر چند کہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لیکن امام حاکم کا تساہل مشہور ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں اس حدیث کا ایک راوی "اسماعیل" ضعیف ہے [۲]

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال، قال النبي صلى الله عليه وسلم مكة حرام وحرام بيع رباعها وحرام اجر بيوتها۔ [۳]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ حرم ہے، اس کی حویلیوں کو فروخت کرنا اور اس کے مکانوں کو کرائے پر دینا حرام ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی عبیداللہ ضعیف ہے [۴]

عن عبد الله بن عمرو بن العاص انه قال، ان الذي يأكل كراء بيوت مكة انما يأكل في بطنه نارا۔ [۵]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا جو شخص مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی ہے عبیداللہ بن ابی زیاد، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن معین نے کہا یہ ضعیف ہے، ابو حاتم نے کہا یہ قوی اور متین نہیں ہے اور اس کی احادیث لکھنے کے لائق نہیں ہیں، آجری نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں،

۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

۲۔ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

۳۔ امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ ″ ″

۴۔ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ ″ ″

۵۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

امام نسائی نے کہا یہ قوی اور ثقہ نہیں ہے، حاکم ابو احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔[1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے بھی خلاف ہے:

عن اسامة بن زید انه قال یا رسول اللہ این تنزل فی دارک بمکة فقال وھل ترک عقیل من رباع او دور وکان عقیل ورث اباطالب ولم یرثه جعفر ولا علی شیئا لانھما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین فکان عمر بن الخطاب یقول لا یرث المؤمن الکافر۔[2]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ مکہ کے کون سے گھر میں ٹھہریں گے، آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لیے حویلیاں اور مکانات چھوڑے ہیں۔ عقیل، ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے، اور عقیل اور طالب کافر تھے سو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس حدیث سے مکہ کے مکانات کی بیع پر استدلال کیا ہے، کیونکہ عقیل نے اپنے باپ ابوطالب کا وارث ہونے کے بعد ان مکانوں کو بیچ دیا تھا، جس وقت ابوطالب فوت ہوئے تھے تو عقیل اور طالب دونوں کافر تھے اس لیے عقیل ابوطالب کے وارث ہوئے، بعد میں عقیل مسلمان ہو گئے اور ان مکانوں کو فروخت کر دیا، وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس بیع کو جائز قرار دیا، علامہ خطابی کہتے ہیں کہ یہ گھر ہر چند کہ حضرت عقیل کی ملک تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھروں میں اس لیے قیام نہیں کیا کہ یہ وہ گھر تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر چکے تھے، علامہ قرطبی نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے؟" اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیل نے ان گھروں پر قبضہ کرنے کے بعد ان میں ایسا تصرف کیا تھا۔[3]

اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے مکانوں میں وراثت جاری ہوتی ہے اور اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، اسی لیے علامہ عینی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے" اور اس اضافت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ گھر ابوسفیان کی ملک تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مکہ میں مکانات تھے، حضرت ابوبکر، حضرت زبیر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے مکہ میں بکثرت مکان تھے، ان میں سے بعض نے اپنے مکان فروخت کر دیئے اور بعض ان کی اولاد میں اب تک باقی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان چار ہزار درہم میں خریدا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مکہ میں دو مکان خریدے ایک ساٹھ ہزار درہم میں اور دوسرا چالیس ہزار درہم میں، یہ واقعات مشہور ہیں اور ان کا کوئی منکر نہیں

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد، دکن ۱۳۲۶ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۷ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۸۱ھ

ہے پس مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت پر اجماع ہو گیا۔[1]

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جن روایات میں مکہ کے مکانوں کی بیع اور کرائے کو ناجائز کہا ہے وہ روایات نہ صرف سنداً ضعیف ہیں بلکہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ اور معلول ہیں اور اجماع کے بھی خلاف ہیں۔

مکہ کے مکانوں کی بیع اور کرائے میں مذاہب ائمہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مکہ کے مکانوں کی بیع اور اجارہ جائز نہیں ہے اور امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام طحاوی کے نزدیک مکہ کے مکانوں کی بیع اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔[2] بعد کے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ مکہ کے مکانوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور یہی چیز دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اور تمام امت مسلمہ کا اسی پر تعامل ہے۔

عام طور پر مصنفین نے مکہ کے مکانوں کے کرائے میں امام ابو حنیفہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ وہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن محرر مذہب امام محمد بن حسن شیبانی نے یہ تصریح کی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ صرف حج اور عمرہ کے ایام میں مکہ کے مکانوں کا کرایہ مکروہ قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد جائز کہتے ہیں، "جس نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا اس نے آگ کھائی" کے تحت امام محمد لکھتے ہیں:

وکان ابوحنیفۃ یکرہ اجور بیوتھا فی الموسم وفی الرجل یعتمر ثم یرجع فاما المقیم والمجاور فلا یری باخذ ذلک منھم باسا قال محمد وبہ ناخذ۔[3]

امام ابو حنیفہ حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کا کرایہ مکروہ قرار دیتے ہیں اور اس شخص کے حق میں جو عمرہ کر کے واپس آ جائے، لیکن مکہ کے اصل باشندوں یا وہاں سکونت پذیر لوگوں سے کرایہ لینے میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں ہمارا بھی یہی نظریہ ہے۔

مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت کی روایت سے علی العموم کرائے کے جواز پر استدلال

اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایات ہر چند کہ ضعیف ہیں تاہم یہ متعدد اسانید سے مروی ہیں اور تعدد اسانید ان کی تقویت کا موجب ہے خصوصاً اس صورت میں کہ ان روایات سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت پر استدلال کیا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح کی دلیل ہوتا ہے، اس لیے یہ روایات صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ روایات صحیح بھی ثابت ہوں تب بھی مکانوں کے کرائے کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کرائے کی ممانعت کی وجہ خود بیان فرما دی ہے کہ وہ حرم ہے اور اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے یعنی لوگ وہاں طویل سفر کر کے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اس لیے وہاں مکانات فارغ رہنے

---

[1] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[2] عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۵۔

[3] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۶۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ کراچی

چاہئیں تاکہ زائرین کو قیام میں سہولت ہو اور مکہ کے علاوہ باقی مقامات حرم ہیں، نہ زیارت گاہ خلائق ہیں اس لیے وہاں کے مکانوں کا یہ حکم نہیں ہے، چونکہ یہ ممانعت ایک علت پر مبنی ہے اس لیے جہاں وہ علت نہیں ہوگی ممانعت کا حکم بھی نہیں ہوگا جیسے شراب کی ممانعت کی علت نشہ ہے اور اگر شراب میں نمک ڈال دیا جائے اور وہ نشہ آور نہ رہے تو اب اس کا پینا حرام نہیں ہے، کیونکہ اب ممانعت کی علت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ کے مکانات کو کرائے پر دینے کی ممانعت کی روایت سے تین چیزیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ عہد رسالت میں بھی مکانوں کو کرائے پر دینے کا طریقہ رائج تھا جب ہی تو آپ ہی نے مکہ کے مکانوں کے کرائے سے منع فرمایا دوسری چیز یہ کہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ مکہ حرم ہے، زیارت گاہ ہے اور لوگ سفر کر کے مکہ آتے ہیں، تیسری چیز یہ کہ آپ نے کرائے کی ممانعت کا عام حکم نہیں دیا بالخصوص مکہ کے مکانوں کے کرائے سے منع فرمایا ہے اگر یہ حکم عام ہوتا تو آپ علی العموم منع فرما دیتے اس سے واضح ہوا کہ مکہ کے علاوہ باقی مقامات پر مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔

مکانوں کے کرائے کے جواز کے ثبوت میں روایات

اسلام میں مکانوں کو کرائے پر دینا جائز ہے ہم شروع میں بکثرت احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام کا اس پر اجماع ہے، ہم یہاں صرف ایک حدیث پیش کر رہے ہیں، امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سعد قال کنا نکری الارض بما علی السواقی من الزرع وما سعد بالماء منها فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك وامرنا ان نکریها بذهب او فضة۔[1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نہروں کے کناروں والی زمین کی پیداوار اور زمین کے جس حصہ کی پیداوار کو از خود سیراب کیا جاتا ہے اس کی پیداوار کے عوض زمین کو بٹائی پر دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دیں۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

جب زمین کو کرائے پر دینا جائز ہوا تو زمین پر بنائے گئے مکانوں کو بھی کرائے پر دینا جائز ہوگا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں مکانوں کو کرائے پر دینے کا بھی رواج تھا، امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن یحیی بن سعید ان سعید بن المسیب سئل عن المرأة یطلقها زوجها وهی فی بیت بکراء علی من الکراء قال سعید علی زوجها قال فان لم یکن عند زوجها قال

یحیی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب سے سوال کیا گیا کہ اگر مطلقہ عورت کرائے کے مکان میں رہتی ہو تو اس کا کرایہ کس پر ہوگا؟ سعید نے کہا اس کے خاوند پر، کہا اگر خاوند کے پاس کرایہ نہ ہو؟ کہا اس عورت پر! کہا اگر

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[2] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

فعليها قال فان لم يكن عندها قال فعلى الامير [1]

اس عورت کے پاس بھی کرایہ نہ ہو؟ کہا سربراہ مملکت پر۔

اور امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الشعبي عن شريح في رجل استاجر بيتا اشهرا وقال الى اجل فسكن ثم اراد ان يخرج منه فقال اذا اتى بالمفاتيح فقد برئ وعليه اجر ما سكن [2]

شعبی بیان کرتے ہیں کہ شریح سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے چند مہینوں کے لیے ایک مکان کرائے پر لے لیا، اور ایک مدت بتادی، وہ اس مکان میں رہا پھر اس نے وہ مکان چھوڑنا چاہا؛ شریح نے کہا جب اس نے چابیاں حوالے کر دیں تو وہ بری ہو گیا، اور جتنے دن وہ رہا اس کا کرایہ دینا اس پر لازم ہے۔

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن دينار انه سئل عن كراء بيوت مكة فقال لا بأس به الكراء مثل الشراء قد اشترى عمر بن الخطاب رضي الله عنه من صفوان بن امية دارا باربعة الف درهم [3]

عمرو بن دینار سے مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینے کے متعلق سوال کیا گیا، انھوں نے کہا، کوئی حرج نہیں، کرایہ خریدنے کی مثل ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے (مکہ میں) ایک مکان چار ہزار درہم میں خریدا تھا۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وقد سئل عن كرائها سعيد بن جبير بالحنطة كيلا معلوما فرخص في ذلك فقال هل ذلك الا مثل البيت يكرى [4]

معین ماپ کے بدلے زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ مکانوں کو کرائے پر دینے کی مثل ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی طبرانی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

عن محمد بن سوقة عن ابيه قال لما بنى عمرو بن حريث داره اتيته لاستاجر منه بيتا فقال ما تصنع به فقلت اجلس فيه واشتري وابيع قال ان هذا الدار

محمد بن سوقہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان بنایا تو میں ان کے پاس کرائے کا مکان لینے کے لیے گیا، انھوں نے فرمایا: تم مکان میں کیا کرو گے؟ میں نے

---

[1] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور
[2] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶، ص ۴۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ
[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۴ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔
[4] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

مبارکۃ علی من سکن فیھا مبارکۃ علی من باع فیھا و اشتری (ملخصا)۔ [۱]

کہا: میں اس میں رہوں گا اور خرید و فروخت کروں گا حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اس مکان میں رہے گا یا خرید و فروخت کرے گا اس میں برکت ہوگی (پھر اس بارے میں ایک حدیث سنائی)

امام ابن سعد واقدی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عروۃ قال کان للزبیر بمصر خطط وبالاسکندریہ خطط وبالکوفۃ خطط وبالبصرۃ دور وکانت لہ غلات تقدم علیہ من اعراض المدینۃ۔ [۲]

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر کی مصر، اسکندریہ اور کوفہ میں زمینیں تھیں اور بصرہ میں مکانات تھے اور مدینہ میں جائیداد تھی جس کی آمدنی اس کے پاس آتی تھی۔

فقہاء تابعین کے فتاویٰ کے علاوہ ان حوالوں میں صحابہ کرام میں سے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اپنے مکانوں کو کرایہ پر دینے کا صراحۃً ذکر ہے، اور یہ مکانوں کے کرایہ کے جائز ہونے پر واضح دلیل ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم فی الرجل یکتری البیت فیکریہ باکثر مما استاجرہ قال: یرد الفضل [۳]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا پھر اس کو زیادہ کرایہ پر دے دیا وہ زیادہ لی ہوئی رقم واپس کرے

عن سعید بن المسیب وابی سلمۃ بن عبدالرحمن وعروۃ بن الزبیر وسلیمان بن یسار فی الرجل یستاجر الدار فیؤجرھا باکثر مما استاجرھا فرخص فیہ اثنان وکرھہ اثنان۔ [۳]

سعید بن مسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمان، عروہ بن الزبیر اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا اور جتنے کرایہ پر لیا تھا اس سے زیادہ کرایہ پر چڑھا دیا، پس ان میں سے دو نے اس کو جائز کہا اور دو نے مکروہ کہا۔

عن منصور عن ابراھیم انہ کرہ ان یستاجر الرجل الدار ثم یؤجرھا باکثر مما استاجرھا، قال قلت لابراھیم فان اجرھا باکثر لمن یکون الاجر قال،

منصور کہتے ہیں کہ جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا پھر جتنے کرایہ پر لیا تھا اس سے زیادہ کرایہ پر کسی کو دے دیا، ابراہیم نے اس کو مکروہ کہا میں نے پوچھا اگر اس نے زیادہ کرایہ پر چڑھا دیا تو وہ کرایہ کس کو ملے گا؟

---

[۱] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

[۲] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۱۰، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

[۳] امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷، ص ۳۲۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبقۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

[۳] 〃 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۳۲۸،

لصاحبها۔ [1]

انھوں نے کہا مالک مکان کو۔

عن ابن سیرین انه کرهه۔ [2]

ابن سیرین سے روایت ہے کہ انھوں نے اس کرائے کو مکروہ کہا۔

عن ابن طاؤس عن ابیه قال لاباس اذا اکتریت بیتا ان تکریه باکثر من اجره۔ [3]

طاؤس نے کہا جب تم کوئی مکان کرائے پر لو اور اس کو زیادہ کرائے پر دے دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن هشام بن هبیرة انه کرهه الا ان یستعمل او یسکن فی الدار او یسکن بعضها۔ [4]

ہشام بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے الا یہ کہ کرائے پر لینے والا اس کو استعمال کرے، یا مکان میں رہے یا اس کے بعض حصہ میں رہے۔

عن الحکم قال اذا استاجر الرجل الدار فاجر بعضها واسکن بعضها قال: لاباس۔ [5]

حکم کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مکان کرائے پر لیا اور اس کا بعض حصہ کرائے پر دیا اور بعض میں خود رہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عامر انه کرهه الا ان یصلح فیها شیئا۔ [6]

عامر کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، ہاں اگر وہ مکان میں کچھ اصلاح کرے تو پھر جائز ہے۔

فقہاء تابعین کا اس میں اختلاف تھا کہ کوئی شخص مکان کرائے پر لے کر اس کو زیادہ کرائے پر دے دے تو آیا یہ مکروہ ہے یا اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ فقہاء تابعین کے ان فتاوی سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ فقہاء تابعین صحابہ کرام کے مشہور تلامذہ ہیں اور برسوں ان کی مجلس میں رہے ہیں اور ان سے فیض یافتہ ہیں اور ان کے فتاوی صحابہ سے ہی مستفاد ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عہد صحابہ اور تابعین میں مکانوں کو کرائے پر دینے کا عام رواج تھا، بلکہ کرایہ دار مکان کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر چڑھا دیتے تھے۔

مکانوں کے کرائے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے کرائے کا مکان لیا تو اس پر عقد کا اطلاق جائز ہے اور رہائش کا ذکر یا مکان کی صفت بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ امام شافعی اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا قول ہے، اور فقیہ ابو ثور نے یہ کہا ہے کہ جب تک یہ نہ کہے کہ میں اور میرے اہل وعیال اس گھر میں رہیں گے عقد صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہائش مختلف ہوتی

1۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ

2۔ 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۰، 〃 〃 〃

3۔ 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

4۔ 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

5۔ 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

6۔ 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

ہے، اور اگر اس نے صرف اپنی رہائش کے لیے مکان کرائے پر لیا تو اس کے لیے بیوی کو ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ مکان چونکہ صرف رہائش کے لیے کرایہ پر لیا جاتا ہے اس لیے رہائش کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس ملک میں جس کرنسی کا رواج ہو وہاں اس کرنسی کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے اور رہائش کرنے والوں کی کثرت یا قلت سے کچھ فرق نہیں ہوتا اور اگر ایسا ضروری ہوتا تو کرائے دار کے پاس کوئی زائر یا مہمان بھی نہ رہ سکتا۔[1]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں: صرف اس منفعت کا کرایہ لینا جائز ہے جو معلوم ہو، کیونکہ کرایہ بیع ہے اور اس میں منفعت بیع میں عین کی طرح ہے اور جو چیز معلوم نہ ہو اس میں بیع صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح جو چیز معلوم نہ ہو اس کا کرایہ بھی صحیح نہیں ہے، اگر مکان کو کرایہ پر دیا جائے تو جب تک مکان معلوم نہ ہو اس کو کرایہ پر لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مکان کے اختلاف سے منفعت مختلف ہو جاتی ہے اس لیے اس کا علم ضروری ہے۔[2]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: بیع کی طرح دکانوں اور مکانوں کو کرائے پر دینا جائز ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دکانوں اور مکانوں کو پہلے دیکھ لیا جائے۔[3]

علامہ عبدری مالکی لکھتے ہیں:

مدونہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اجنبی تمہارے مکان میں کسی کو ٹھہرائے اور تم علم کے باوجود اس کو نہ نکالو تو اس پر مدت رہائش کا کرایہ لازم ہوگا۔[4]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

رہائش کے لیے دکانوں اور مکانوں کو کرائے پر لینا جائز ہے خواہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اس میں کیا کیا جائے گا۔ کیونکہ عرف یہ ہے کہ مکان میں رہائش ہوتی ہے اور کرایہ دار اس میں لوہار، دھوبی اور چکی پیسنے والے کے سوا سب کر سکتا ہے۔[5]

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ، المہذب (مع شرح المہذب) ج ۱۵ ص ۱۳، دار الفکر بیروت

[3] علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر مالکی، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ج ۴ ص ۵۹ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۹۲ھ

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، التاج والاکلیل لشرح مختصر خلیل ج ۵ ص ۲۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

[5] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان۔

کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

باب ۴۹۹

۳۸۵۰ - حدثنا احمد بن حنبل وزهير بن حرب واللفظ لزهير قالا نا يحيى وهو القطان عن عبيد الله قال اخبرني نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عامل اهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر او زرع۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے زمین کی نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا، خواہ پھل ہوں یا غلہ۔

۳۸۵۱ - وحدثني علي بن حجر السعدي قال نا علي وهو ابن مسهر قال نا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال اعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر بشطر ما يخرج من ثمر او زرع فكان يعطي ازواجه كل سنة مائة وسق ثمانين وسقا من تمر وعشرين وسقا من شعير فلما ولي عمر وقسم خيبر خير ازواج النبي صلى الله عليه وسلم ان يقطع لهن الارض والماء او يضمن لهن الاوساق كل عام فاختلفن فمنهن من اختار الارض والماء ومنهن من اختار الاوساق كل عام فكانت عائشة وحفصة ممن اختار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں یا غلہ کی نصف پیداوار کے عوض خیبر کی زمین دی، آپ ازواج مطہرات کو ہر سال سو وسق دیتے تھے (ایک وسق ۲۵۵ کلوگرام کے برابر ہے) جس میں سے اسی ۸۰ وسق کھجور اور بیس وسق جو ہوتے تھے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور انھوں نے اموال خیبر کی تقسیم کی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زمین اور پانی میں سے ایک حصہ لے لیں، یا وہ ہر سال مقررہ وسق لے لیں، ازواج مطہرات میں اختلاف ہوا، بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض نے اوساق کو اختیار کیا، حضرت عائشہ اور حفصہ ان میں سے تھیں جنھوں نے زمین اور پانی کو اختیار کیا۔

الْأَرْضَ وَالْمَاءَ

٣٨٥٢ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ أَوْ ثَمَرٍ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فَكَانَتْ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنِ اخْتَارَتَا الْأَرْضَ وَالْمَاءَ وَقَالَ خَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ الْأَرْضَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَاءَ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا خواہ پھل ہوں یا غلہ، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے زمین اور پانی کو پسند کیا، البتہ یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو یہ اختیار دیا کہ وہ زمین کو اختیار کر لیں اور پانی کا ذکر نہیں ہے۔

٣٨٥٣ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ اللَّيْثِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا افْتُتِحَتْ خَيْبَرُ سَأَلَتْ يَهُودُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِرَّهُمْ فِيهَا عَلَى أَنْ يَعْمَلُوا عَلَى نِصْفِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُقِرُّكُمْ فِيهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ وَابْنِ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ وَزَادَ فِيهِ وَكَانَ الثَّمَرُ يُقْسَمُ عَلَى السُّهْمَانِ مِنْ نِصْفِ خَيْبَرَ فَيَأْخُذُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُمُسَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں خیبر میں رہنے دیں اور وہ نصف پیداوار کے عوض خیبر میں کاشتکاری کریں گے خواہ اناج ہو یا پھل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس عمل پر اس وقت تک قائم رکھوں گا جب تک ہم چاہیں گے، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اس میں یہ زائد ہے کہ خیبر سے حاصل شدہ نصف حصہ کی تقسیم کی جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے خمس لے لیتے۔

۳۸۵۴ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ [illegible] تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر [illegible] کاشتکاری کریں گے اور اس کی نصف پیداوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے۔

۳۸۵۵ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا وَكَانَتِ الْأَرْضُ حِينَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِلْمُسْلِمِينَ فَأَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا فَسَأَلَتِ الْيَهُودُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا عَلَى أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا فَقَرُّوا بِهَا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلَى تَيْمَاءَ أَوْ أَرِيحَاءَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے سرزمین حجاز سے یہود اور نصاریٰ کو نکال دیا، اور یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا اور وہ زمین اللہ عزوجل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ملکیت ہوگئی تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ ہمیں خیبر میں رہنے دیں اور ہم نصف پیداوار کے عوض خیبر میں کاشتکاری کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس عمل پر مقرر رکھیں گے۔ وہ اس عمل پر رکھے گئے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیماء یا اریحا کی طرف نکال دیا۔

مساقات کا معنی

زمین کو غلہ کی پیداوار کے ایک معین حصہ کے عوض دینا مزارعت ہے، اور پھلوں کی پیداوار سے ایک معین حصہ کے عوض درختوں کی دیکھ بھال کرنا، مساقات ہے۔

مزارعت اور مساقات میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: مزارعت کے ثبوت میں یہ عمدہ حدیث ہے، علامہ ابن بطال نے کہا نصف، ثلث یا ربع پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دینے میں اختلاف ہے، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد، حضرت ابن الزبیر، حضرت اسامہ، حضرت ابن عمر، حضرت معاذ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم اس کو جائز کہتے ہیں۔ فقہاء تابعین میں سے ابن مسیب، طاؤس، ابن ابی لیلی، اوزاعی اور ثوری اسے جائز کہتے ہیں، امام ابویوسف، امام محمد اور امام احمد بن حنبل بھی اس کو جائز کہتے ہیں۔ یہ حضرات مساقات اور مزارعت دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ مکروہ ہے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور عکرمہ سے یہی منقول ہے۔ (یہ نقل صحیح نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے نزدیک مزارعت اور مساقات جائز ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے باب میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں، سعیدی غفرلہ) امام مالک، امام ابوحنیفہ، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے انہوں نے کہا کہ مزارعت جائز نہیں ہے اور مساقات جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام زفر یہ کہتے ہیں کہ مساقات اور مزارعت دونوں ناجائز ہیں، انہوں نے کہا کہ مزارعت اس لیے جائز نہیں ہے کہ یہ اجارہ مجہولہ ہے کیونکہ کبھی زمین سے بالکل پیداوار نہیں ہوتی اور مساقات اس لیے ناجائز ہے کہ وہ مزابنہ سے ممانعت میں داخل ہے۔[1]

ہم گزشتہ باب میں بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف نے مزارعت اور مساقات میں امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے دلائل کا ضعف ہم نے اس باب میں بیان کر دیا ہے۔

مساقات اور مزارعت کے جواز پر دلائل

علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک مزارعت اور مساقات ناجائز ہیں اور امام ابویوسف، امام محمد اور ابن ابی لیلی کے نزدیک جائز ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں اور دیگر درختوں میں معاملہ کرنا صحیح ہے اور اس کو وہ مساقات کہتے ہیں اور مزارعت، مساقات کے تابع ہو کر صحیح ہے، بایں طور کہ اس کو انگور کی بیلیں دی جائیں اور ان کے درمیان خالی زمین ہو اور زمین کا مالک نصف پیداوار کے عوض اس سے کاشتکاری کرائے، احادیث اور آثار کی روشنی میں ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اور امام ابویوسف اور امام محمد کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات میں زمین کی پیداوار میں شرکت ہوتی ہے سو یہ مضاربت کی طرح صحیح ہے، اور اس کی تحقیق دو طرح سے ہے۔ اول یہ کہ مضاربت میں نفع، مال اور عمل دونوں سے حاصل ہوتا ہے پس ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کے ساتھ یہ شرکت منعقد ہوتی ہے اور یہاں بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک جانب سے زمین اور بیج ہے اور دوسری جانب سے محنت اور عمل ہے یا ایک جانب سے درخت ہیں اور دوسری جانب سے عمل اور محنت ہے اور ثانی اس طرح کہ لوگوں کو عقد مضاربت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے خود عمل نہیں کر سکتا اور بعض لوگ عمل کر سکتے ہیں لیکن عمل اور تصرف کے لیے ان کے پاس مال نہیں ہوتا، پس عقد مضاربت کو جائز کیا گیا تاکہ دونوں کا مقصود حاصل ہو جائے، یہاں بھی اسی طرح ہے کہ بسا اوقات زمین

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۶۷ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اور بیج کا مالک عمل نہیں کر سکتا اور جو عمل کر سکتا ہے بسا اوقات اس کے پاس عمل کے لیے زمین اور بیج نہیں ہوتے سو اس لیے مزارعت اور مساقات کو جائز کیا گیا تاکہ دونوں کو مقصود حاصل ہو جائے اور مضاربت کی طرح تمام شہروں میں مزارعت اور مساقات کا رواج ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل ہے پس اس کو عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے خواہ قیاس اس کے خلاف ہو۔[1]

کیا تعین مدت کے بغیر عقد مساقات صحیح ہے؟

حدیث نمبر ۳۸۵۵ میں ہے یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم کو یہاں مزارعت پر برقرار رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے، جمہور فقہاء کے نزدیک مساقات اور مزارعت مدت کے تعین کے بغیر صحیح نہیں ہے، اور اصحاب ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اگر مدت مجہول ہو پھر بھی مساقات اور مزارعت کا معاملہ صحیح ہے اصحاب ظاہر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، علامہ نووی اور علامہ عینی نے اس سوال کے متعدد تفصیلی جوابات دیئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱)۔ عام مسلمانوں کے لیے مزارعت اور مساقات میں مدت کا تعین ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدت کا تعین ضروری نہیں تھا۔

(۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے اور مدت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر کوئی مدت مقرر کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے مدت مقرر نہیں فرمائی اور چونکہ ہماری یہ حیثیت نہیں ہے اس وجہ سے ہمارے لیے مدت کا تعین کرنا ضروری ہے۔

(۳)۔ فقیہ ابو ثور اور محمد بن مسلمہ کا قول ہے جب عقد مزارعت یا عقد مساقات مطلقاً ہو تو وہ ایک سال پر محمول ہوتا ہے۔

(۴)۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کا قول ہے کہ جب عقد مزارعت یا عقد مساقات مطلقاً کیا جائے تو وہ استحساناً ایک فصل کی پیداوار پر محمول ہوتا ہے۔

(۵)۔ یہ حدیث منسوخ ہے۔

(۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کا تعین کیا تھا جس کا راوی نے ذکر نہیں کیا اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے کے بعد اگر ہم چاہیں گے تو آئندہ کے لیے تم سے عقد کریں گے اور اگر چاہیں گے تو تم سے نیا عقد نہیں کریں گے اور تم کو خیبر سے نکال دیں گے۔ اور یہی آخری جواب زیادہ واضح ہے۔

مال جمع کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے

حدیث نمبر ۳۸۵۱ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک فراہم کر دیتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت کو جمع کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اور آپ اسباب معیشت کو جمع کرتے، غار حرا میں کئی دن کا کھانا لے جا کر تشریف فرما ہوتے تھے سو یہ جو مشہور ہے کہ صبح کھاؤ اور شام کے لیے مت رکھو، اور ضرورت کے لیے پس انداز نہ کرو۔ محض ایک بے بنیاد بات ہے۔ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کے اسباب حاصل کرنے کے بعد نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

---

[1] علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۳ ص ۱۰۔ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ

بَابُ فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ

کاشتکاری اور درخت لگانے کی فضیلت

۳۸۵۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی پودا اُگاتا ہے تو اس درخت میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے، جو کچھ اس سے چوری ہو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو درندے کھالیں وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو پرندے کھائیں وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس میں سے کم کرے گا وہ اس کا صدقہ ہو جائے گا۔

۳۸۵۷ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ مُبَشِّرٍ الْأَنْصَارِيَّةِ فِي نَخْلٍ لَهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ فَقَالَتْ بَلْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام مبشر انصاریہ کے کھجور کے باغ میں گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کھجور کا درخت کس شخص نے لگایا تھا، مسلمان نے یا کافر نے؟ حضرت ام مبشر نے کہا مسلمان نے! آپ نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت لگاتا ہے اس درخت یا کھیت سے کوئی انسان، چوپایہ یا کوئی اور جانور کھائے تو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

۳۸۵۸ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ قَالَا نَا رَوْحٌ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت اُگاتا ہے اس میں سے کوئی درندہ، کوئی جانور یا کوئی چوپایہ بھی کھائے تو اس کو اس میں اجر ملتا ہے، ابن ابی خلف کی روایت میں "طائر شئی" کے الفاظ کے

يَقُوْلُ لَا يَغْرِسُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ سَبُعٌ اَوْ طَائِرٌ اَوْ شَيْءٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْهِ اَجْرٌ وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ خَلَفٍ طَائِرٌ شَيْءٌ كَذَا۔

الفاظ ہیں۔

۳۸۵۹- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا زَكَرِيَّا بْنُ اِسْحٰقَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ مُسْلِمٌ اَمْ كَافِرٌ فَقَالَتْ بَلْ مُسْلِمٌ قَالَ فَلَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا طَيْرٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے باغ میں گئے۔ آپ نے فرمایا: اے ام معبد یہ کھجور کا درخت کس نے لگایا ہے مسلمان نے یا کافر نے؟ حضرت ام معبد نے فرمایا بلکہ مسلمان نے آپ نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے اس سے انسان، چوپایہ یا درندہ جو بھی کھائے وہ اس کا قیامت تک صدقہ ہو جاتا ہے۔

۳۸۶۰- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا عَمَّارُ بْنُ مُحَمَّدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ زَادَ عَمْرٌو فِيْ رِوَايَتِهٖ عَنْ عَمَّارٍ وَاَبُوْ بَكْرٍ فِيْ رِوَايَتِهٖ عَنْ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ فَقَالَا عَنْ اُمِّ مُبَشِّرٍ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ فُضَيْلٍ عَنِ امْرَاَةِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ

امام مسلم نے چار مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اس میں بعض راویوں نے ام مبشر کا قصہ بیان کیا اور بعض راویوں نے زید بن حارثہ کی بیوی کا قصہ بیان کیا ہے، اسحاق نے ابو معاویہ سے روایت کی کہ حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ اور تمام راویوں نے عطاء، ابو الزبیر اور عمرو بن دینار کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

رُبَّمَا قَالَ عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَرُبَّمَا لَمْ يَقُلْ وَكُلُّهُمْ قَالُوا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ۔

۳۸۶۱ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت اگاتا ہے، اس سے کوئی پرندہ، انسان یا جانور کھائے تو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

۳۸۶۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ نَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا أَبَانُ ابْنُ يَزِيدَ قَالَ نَا قَتَادَةُ قَالَ نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ نَخْلًا لِأُمِّ مُبَشِّرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ قَالُوا مُسْلِمٌ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا کے کھجوروں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کھجوروں کے درختوں کو کس نے لگایا ہے؟ کسی مسلمان نے یا کافر نے، انھوں نے کہا مسلمان نے، اس کے بعد حسب سابق روایت کی طرح ہے۔

کیا بغیر نیت کے بھی نیک کاموں پر ثواب ہو سکتا ہے؟

اس باب کی احادیث میں ہے کہ مسلمان کوئی درخت لگائے تو جو جاندار بھی اس کا پھل کھائے گا وہ درخت لگانے والے کا صدقہ ہوگا۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ثواب کا مدار تو نیت پر ہے جب درخت لگانے والے نے اس صدقہ کی نیت نہیں کی تو اس کو اس کا اجر کیسے ملے گا؟ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اعمال اختیاریہ کے ثواب کا مدار نیت پر ہے۔ اور اگر کوئی فعل دوسرے فعل کا اتفاقاً سبب بن جائے جس میں اس کے

قصد اور ارادے کا دخل نہ ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے تو اس پر بغیر نیت کے بھی اجر مل جاتا ہے۔

کاشتکاری اور دیگر دنیاوی امور کی فضیلت اور مذمت کے جدا جدا محمل

اس باب کی احادیث سے ثابت ہوا کہ کاشتکاری میں بہت فضیلت ہے، اس کے برخلاف بعض احادیث میں کاشتکاری کی مذمت کی گئی ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کاشتکاری کے آلات دیکھ کر کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم کے گھروں میں یہ آلات ہوں گے اللہ تعالیٰ ان پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دے گا۔"[1]

فقہاء اسلام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا: اس حدیث کا محمل وہ لوگ ہیں جو کاشتکاری میں حد سے زیادہ مشغول ہوں جس کی وجہ سے ان کے فرائض اور واجبات فوت ہو جائیں۔ اسی طرح جامع ترمذی میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "زمین اور جائیداد نہ بناؤ پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے۔"[2] اس حدیث کا محمل بھی یہی ہے کہ زمین اور جائیداد بنانے میں اس قدر مشغول مت ہو جس سے امور دینیہ رہ جائیں، اور اس باب کی احادیث کا محمل یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کاشتکاری کرو، یا اس قدر کاشتکاری کرو جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو یا ثواب کی غرض سے کاشتکاری کرو اور محض دنیاوی اموال کو مقصود مت بناؤ۔

تمام دنیاوی امور میں یہی قاعدہ کار فرما ہے اگر ان میں بقدر ضرورت اشتغال ہو اور اپنے فرائض اور حقوق کی ادائیگی سے غفلت نہ ہو تو وہ مباح ہیں بلکہ اگر ان امور کو کسی عبادت کے ساتھ مرتبط کیا جائے تو مستحب ہیں، اور اگر ان دنیاوی امور کو خلق خدا کو نفع پہنچانے کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ بلا تاویل مستحب ہیں اور ان میں اجر ملے گا، اور اگر دنیاوی امور میں دنیا کی محبت کی وجہ سے یا ریاکاری سے یا فخر و مباہات کی وجہ سے اشتغال ہو، یا ان امور میں اس قدر زیادہ اشتغال ہو جس کی وجہ سے فرائض یا واجبات فوت ہو جائیں تو پھر یہ ضرر اور وبال کا باعث ہیں۔

کون سا کسب سب سے افضل ہے؟

فقہاء اسلام نے یہ بحث بھی کی ہے کہ انسان کے کسب میں سب سے افضل کون سا کسب ہے، بعض علماء نے کہا کاشتکاری سب سے افضل ہے، بعض نے کہا ہاتھ کی محنت پر مشتمل کام سب سے افضل ہے، بعض نے کہا تجارت سب سے افضل ہے۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا کسب سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا جو کام انسان اپنے ہاتھ سے کرے اور ہر جائز بیع۔ درحقیقت ان سب میں اضافی فضیلت ہے بعض اعتبار سے کاشتکاری افضل ہے، بعض اعتبار سے تجارت افضل ہے اور بعض اعتبار سے صنعت و حرفت افضل ہے۔

کیا کافر کو بھی نیک کاموں پر اجر ملتا ہے؟

اس باب کی احادیث میں ہے کہ جو مسلمان بھی درخت لگاتا ہے اس سے جو جاندار بھی پھل کھائے وہ اس شخص کا صدقہ ہوگا۔ بعض

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

روایات میں مسلمان کی جگہ "عبد" (جو بندہ بھی درخت لگاتا) ہے۔ اس عموم سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کافر درخت لگائے تو اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی اور اس کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی لیکن یہ نظریہ قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لا یخفف عنہم العذاب (بقرہ: ۱۶۲) "کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔" شرح صحیح مسلم جلد اول باب نمبر ۸، میں ہم اس پر مکمل بحث کر چکے ہیں۔

بَابُ ۵۰۱ وَضْعِ الْجَوَائِحِ

قدرتی آفات سے پھلوں کے نقصان کو وضع کرنا

۳۸۶۳ - حَدَّثَنَا اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ نَا اَبُوْ ضَمْرَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اپنے بھائی کو پھل فروخت کر دو، پھر ان پھلوں کو کوئی آفت لاحق ہو جائے تو تمہارے لیے اس سے کوئی عوض لینا جائز نہیں ہے۔ تم بغیر کسی حق کے اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لوگے؟

۳۸۶۴ - حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

۳۸۶۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ فَقُلْنَا لِاَنَسٍ مَا زَهْوُهَا قَالَ تَحْمَرُّ وَ تَصْفَرُّ اَرَاَيْتَكَ اِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درختوں پر پھل بیچنے سے اس وقت تک منع فرمایا ہے جب تک کہ ان پر رنگ نہ آجائے، ہم نے انس سے پوچھا رنگ آنے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کھجوریں سرخ یا پیلی ہو جائیں۔ یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک لے تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دوگے؟

بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ .

۳۸۶۶ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّى تُزْهِيَ قَالُوا وَمَا تُزْهِي قَالَ تَحْمَرُّ فَقَالَ إِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان پر رنگ نہ آجائے، لوگوں نے عرض کیا: رنگ آنے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا سرخ ہوجائیں، جب اللہ تعالی پھلوں کو روک لے گا تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دوگے؟

۳۸۶۷ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ لَمْ يُثْمِرْهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَبِمَ يَسْتَحِلُّ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالے پھلوں کو پیدا نہ کرے تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دو گے؟

۳۸۶۸ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِبِشْرٍ قَالُوا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيقٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ عَنْ سُفْيَانَ بِهٰذَا .

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (قدرتی) آفات سے نقصان کو وضع کرنے کا حکم دیا۔

فروخت شدہ پھلوں کو نقصان لاحق ہونے پر اس کے تاوان کے ذمہ میں مذاہب فقہاء

فقہاء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ پھلوں کو پختہ ہونے کے بعد فروخت کیا گیا اور بائع نے درختوں پر لگے ہوئے پھل خریدار کے سپرد کر دیے پھر پکنے سے پہلے کسی قدرتی آفت سے وہ پھل تلف ہو گئے، اس صورت میں وہ نقصان بائع پر پڑے گا یا خریدار پر! امام ابوحنیفہ، لیث بن سعد اور امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ یہ نقصان خریدار پر پڑے گا، اور اس نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے، البتہ مستحب ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اگر یہ نقصان تہائی قیمت سے کم ہو تو اس کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے اور یہ نقصان تہائی قیمت یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی قیمت سے وضع کرنا واجب ہے ــــ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب ہے۔ انھوں نے اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۶۸ سے استدلال کیا ہے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقصان کو قیمت سے وضع کرنے کا حکم دیا ہے، نیز اس باب کی متعدد احادیث میں ہے "تمہارے لیے اس سے کچھ لینا جائز نہیں ہے"، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ پھل ابھی تک بائع کی ملک میں ہیں کیونکہ درختوں کو پانی دینا اسی پر لازم ہے، اور چونکہ یہ پھل قبضہ سے پہلے تلف ہو گئے، اس لیے یہ پھل بائع کی ضمانت میں ہیں ــــ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ نقصان خریدار پر ہے اور اس نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے ان کا استدلال صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے پھل خریدے اور وہ قدرتی آفت سے تلف ہو گئے اور اس شخص پر (پھلوں کی قیمت کا) قرض زیادہ ہو گیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو، پھر لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، صدقات کی یہ رقم بھی قرض (پھلوں کی قیمت) کے برابر نہ ہو سکی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں (پھل بیچنے والوں) سے فرمایا جو کچھ تم کو ملا ہے وہ لے لو، اس کے علاوہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔" وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر نقصان کا قیمت سے کم کرنا واجب ہوتا تو لوگوں سے اس پر صدقہ کرانے کی ضرورت نہ تھی، اور باقی ماندہ نقصان کو قیمت سے وضع کرنے کا جو آپ نے حکم دیا وہ بطور استحباب تھا، یا یہ حکم ان پھلوں کے بارے میں تھا جو پختگی کے ظہور سے پہلے بیچے گئے تھے اور بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ نقصان بائع پر ہے وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس میں خریدار کی تقصیر تھی کیونکہ اس نے پھل کاٹنے کے وقت کے بعد بھی پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا اس سبب سے یہ نقصان خریدار کی ضمان پر آگیا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس کے علاوہ تمہارا حق نہیں ہے، اور اگر اس نقصان کو بائع سے وضع نہ کیا جاتا تو قرض کی باقی رقم کا مطالبہ کرنا بھی اس کا حق تھا اور دوسرے فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے اب اس کے علاوہ لینا جائز نہیں ہے اور جب تک یہ تنگ دست اور مفلس ہے اس سے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ تاوقتیکہ یہ خوشحال اور قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے ۔[۱]

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ۔

جو صورت یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ پھلوں کی پختگی کے ظہور کے بعد ان کی بیع ہو اور اس میں یہ شرط نہ ہو کہ پھل درخت پر رہیں گے اور درختوں سے پھل کاٹنے سے پہلے وہ کسی قدرتی آفت کا شکار ہو کر تلف ہو جائیں ان میں ائمہ مذاہب کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)۔ علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ پھل خریدار کے ذمہ ہے۔[1]

(۲)۔ علامہ نووی شافعی نے امام شافعی کا بھی یہی نظریہ بیان کیا ہے۔[2]

(۳)۔ علامہ ابن رشد مالکی نے لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر تہائی سے کم نقصان ہو تو خریدار کے ذمہ ہے اور اگر تہائی یا اس سے زیادہ نقصان ہو تو بائع کے ذمہ ہے۔[3]

(۴)۔ علامہ مرداوی نے لکھا ہے نقصان کم ہو یا زیادہ بائع کے ذمہ ہے۔[4]

(۵)۔ غیر مقلدین کے امام ثانی شیخ ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے۔[5]

بَابُ ۵۰۲ اِسْتِحْبَابِ الْوَضْعِ مِنَ الدَّيْنِ

قرض میں سے کچھ معاف کر دینے کا استحباب

۳۸۶۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُصِيْبَ رَجُلٌ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ خُذُوْا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے درخت پر پھل خریدے، وہ پھل قدرتی آفت سے تلف ہو گئے اور اس پر قرض زیادہ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، صدقہ کی وہ رقم اس کے قرض کے برابر نہ پہنچ سکی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے فرمایا، جو تم کو مل گیا ہے وہ لے لو اس کے علاوہ رقم پر تمہارا حق نہیں ہے۔

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

[3] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۳ ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۴۲ - ۱۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[4] علامہ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ ھ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۶ ھ

[5] شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ، المحلی ج ۸ ص ۳۸۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ ھ

۳۸۷۰ - حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ اَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ -

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے۔

۳۸۷۱ - وَحَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِنَا قَالُوْا نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَخِيْ عَنْ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اُمَّهٗ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا تَقُوْلُ سَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُوْمٍ بِالْبَابِ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُمَا وَاِذَا اَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْاٰخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهٗ فِيْ شَيْءٍ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللهِ لَا اَفْعَلُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ اَيْنَ الْمُتَاَلِّيْ عَلَى اللهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ قَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَلَهٗ اَيُّ ذٰلِكَ اَحَبَّ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کے دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی اونچی آوازیں سنیں، ان میں سے ایک قرض میں کچھ کمی اور نرمی کے لیے کہہ رہا تھا، دوسرا کہہ رہا تھا بخدا میں ایسا نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس تشریف لے گئے، اور آپ نے فرمایا کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا تھا کہ میں نیکی نہیں کروں گا؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہوں۔ اس کو اختیار ہے یہ جو چاہے کرے۔

۳۸۷۲ - حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ تَقَاضَى ابْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ

عبداللہ بن کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے رسول اللہ کے عہد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مسجد میں تقاضا کیا، حتیٰ کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آوازوں کو حجرے میں سن لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا دروازہ کھولا اور ان کے پاس تشریف لائے، اور آپ نے آواز دی اے کعب بن مالک! اس نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے ہاتھ سے

الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَنَادٰی كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَقَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔

باشارہ کر کے فرمایا اپنے قرض میں سے آدھا کم کر دو، انھوں نے کہا میں نے آدھا کم کر دیا، یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن ابی حدرد) سے فرمایا: اٹھو اور ان کا قرض ادا کر دو۔

۳۸۷۳- وَحَدَّثَنَاهُ اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ اَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ تَقَاضٰى دَيْنًا لَهٗ عَلَى ابْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ وَهْبٍ۔

عبداللہ بن کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا یہ حدیث بھی سابق روایت کی طرح ہے۔

۳۸۷۴- قَالَ مُسْلِمٌ وَرَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ مَالٌ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ الْاَسْلَمِيِّ فَلَقِيَهٗ فَلَزِمَهٗ فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فَمَرَّ بِهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَقُوْلُ النِّصْفُ فَاَخَذَ نِصْفًا مِمَّا عَلَيْهِ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی پر ان کا کچھ مال قرض تھا، وہ ان کو ملے تو انھوں نے ان کو پکڑ لیا ان دونوں میں تکرار شروع ہو گئی اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے ہاتھ سے آدھا قرض کم کرنے کا اشارہ کیا اور فرمایا اے کعب! پھر کعب بن مالک نے آدھا قرض کم کر دیا۔

وَتَرَكَ نِصْفًا۔

حضرت ابن ابی حدرد کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہو گئے۔

(۱)۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مسجد میں قرض یا کسی بھی حق کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

(۲)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا جائز ہے بشرطیکہ زیادہ بلند آواز نہ کی جائے جو مسجد کے ادب اور وقار کے خلاف ہو، سنن ابن ماجہ میں حضرت واثلہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی مساجد کو بچوں اور آپس کے جھگڑوں سے الگ رکھو" اسی طرح حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ "مسجد میں آوازیں نہ بلند کی جائیں" ہر چند کہ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں اور امام بخاری و مسلم کی اس صحیح روایت سے متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم ان میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ان روایات میں اس قدر بلند آواز سے منع کیا گیا ہے جو مسجد کے احترام کے منافی ہو اور بخاری و مسلم کی روایت میں معمولی بلند آواز کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ مسجد میں ذکر بالجہر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ متوسط جہر ہو، جو کسی کی نماز میں خلل کا موجب ہو نہ احترام مسجد کے خلاف ہو۔

(۳)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشارہ سے کلام کرنا صحیح ہے، بنا بریں گونگا اشارے سے طلاق دے یا گواہی دے تو وہ صحیح ہے۔

(۴)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم کو صلح کرانا چاہیے۔

(۵)۔ اس حدیث میں صاحب معاملہ کے پاس شفاعت کا ثبوت ہے۔

(۶)۔ اس حدیث میں اکابر کا اصاغر کے پاس شفاعت کا ثبوت ہے۔

(۷)۔ صاحب حق کو چاہیے کہ وہ شفاعت کو قبول کرے، بشرطیکہ کسی معصیت میں سفارش نہ ہو۔

(۸)۔ جو شخص نیک کام نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو سرزنش کرنا، اس میں امر بالمعروف بھی ہے اور نہی عن المنکر بھی۔

(۹)۔ اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کو بہت جلد سمجھ جاتے تھے اور اس پر فوراً عمل کرتے تھے۔

(۱۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جان و مال کے مالک ہیں اور حاکم علی الاطلاق ہیں جس پر چاہیں جیسا چاہیں حکم فرما دیں اور صحابہ کرام اپنے موقف، اپنی مرضی حتیٰ کہ اپنی کھائی ہوئی قسم کے خلاف بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خوشی سے عمل کرتے تھے اور اسی کو اپنی دنیا اور آخرت کی سعادت گردانتے تھے۔

(۱۱)۔ حدیث نمبر ۳۸۶۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کے باہر آواز سنی اور حجرے سے باہر تشریف لے گئے، اور حدیث نمبر ۳۸۷۰ میں ہے کہ یہ دونوں تکرار کر رہے تھے آپ ان کے پاس سے گذرے اور قرض کم کرنے کی سفارش کی ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ پہلے ان کے پاس سے گذرے، اور دوبارہ حجرے سے باہر گئے اور راوی نے گذرنے کے ساتھ واقعہ بیان کر دیا، حافظ ابن حجر نے کہا اس گذرنے سے حسی گذر نا مراد نہیں ہے معنوی گذرنا یعنی توجہ کرنا مراد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)۔ اس حدیث کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ قرض کی رقم کو کم کر دینا مستحب ہے۔ اسی طرح مقروض کو مہلت دینا، بلکہ مہلت

دینا واجب ہے۔

بَابُ ۵۰۳ مَنْ اَدْرَكَ مَا بَاعَهُ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ وَقَدْ اَفْلَسَ فَلَهُ الرُّجُوْعُ

اگر خریدار دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس خریدی ہوئی چیز ہو تو بائع اس سے لے سکتا ہے

۳۸۷۵ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ اَفْلَسَ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اس کے پاس کوئی شخص اپنی چیز بعینہٖ پائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے

۳۸۷۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا هُشَيْمٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيْعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ وَيَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ

امام مسلم نے پانچ اسانید کے ساتھ یہ روایت بیان کی اس میں ہے جو شخص دیوالیہ قرار دیا گیا۔

الْوَهَّابِ وَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيثِ زُهَيْرٍ وَقَالَ ابْنُ رُمْحٍ مِنْ بَيْنِهِمْ فِي رِوَايَتِهِ أَيُّمَا امْرِئٍ فُلِّسَ۔

۳۸۷۷- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَهُ عَنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ الَّذِي يُعْدِمُ إِذَا وُجِدَ عِنْدَهُ الْمَتَاعُ وَلَمْ يُفَرِّقْهُ أَنَّهُ لِصَاحِبِهِ الَّذِي بَاعَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص معدوم المال (دیوالیہ) قرار دیا گیا ہو اور اس کے پاس ایسی متاع پائی جائے جس میں تصرف نہ کیا گیا ہو تو اس پر اس شخص کا حق ہے جس نے اس کو فروخت کیا تھا۔

۳۸۷۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْلَسَ الرَّجُلُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کو دیوالیہ قرار دیا جائے اور اس کے پاس کسی شخص کی متاع بعینہٖ پائی جائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

۳۸۷۹- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

سَعِيْدٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ اَيْضًا قَالَ نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ نَا اَبِيْ كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَقَالَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنَ الْغُرَمَاءِ.

۳۸۸۰ - وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ وَّحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا نَا اَبُوْ سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ قَالَ حَجَّاجٌ نَا مَنْصُوْرُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ خُثَيْمِ بْنِ عِرَاكٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُفْلِسَ الرَّجُلُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ عِنْدَهٗ سِلْعَتَهٗ بِعَيْنِهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو دیوالیہ قرار دیا جائے اور کسی شخص کو اس کے پاس اپنا سامان بعینہٖ مل جائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

مفلّس (دیوالیہ) کا لغوی اور شرعی معنی

مفلس کا لفظ افلاس سے بنا ہے، اور یہ باب افعال ہے اس کا ایک خاصہ ہے سلب ماخذ یعنی جس شخص کے پاس پیسے نہ رہیں، اور اس کا ایک خاصہ انتقال ہے یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا، کسی شخص کا امارت سے غربت کے حال کی طرف منتقل ہونا، افلس الرجل اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جائے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ رافعی نے مفلّس کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ مفلّس وہ شخص ہے جس پر قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں جو اس کے مال سے ادا نہ کیے جا سکیں، لیکن اس پر دو اعتراض ہیں اول یہ کہ اس میں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ حاکم اس کے تصرفات پر پابندی لگائے کیونکہ اگر اس کے تصرفات پر پابندی نہیں ہوگی تو اس کی خرید و فروخت صحیح ہوگی۔ دوسری قید یہ ضروری ہے کہ اس پر جو قرض ہوں وہ بندوں کے قرض ہوں کیونکہ اگر اس پر اللہ تعالیٰ کا قرض ہو مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو اس کے تصرفات پر پابندی نہیں ہوگی نہ اس کو دیوالیہ قرار دیا جائے گا۔[1]

علامہ عینی نے علامہ رافعی کی بیان کردہ تعریف میں جن قیود کا اضافہ کیا ہے اس کے اعتبار سے مفلّس کی تعریف یہ ہوگی: جس شخص پر بندوں کے قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں کہ وہ اس کے مال سے ادا نہ کیے جا سکیں اور حاکم اس کے تصرفات پر پابندی لگا دے۔

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

مفلس (دیوالیہ) کے شرعی احکام

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص پر بہت سے قرض واجب ہو جائیں اور قرض خواہ اس کو قید کرنے یا اس کے تصرفات پر پابندی لگانے کا مطالبہ کریں تو اس پر پابندی نہیں لگائی جائے گی اور اگر اس کا مال ہے تو اس میں حاکم تصرف نہیں کرے گا، البتہ حاکم اس شخص کو اس وقت تک قید میں رکھے جب تک کہ وہ اس مال کو قرض کی ادائیگی میں فروخت نہیں کرتا۔

امام ابویوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ جب قرض خواہ مفلس کے تصرفات پر پابندی کا مطالبہ کریں تو قاضی اس کے تصرفات پر پابندی لگا دے اور اس کو خرید و فروخت، اقرار اور دیگر تصرفات سے روک دے، اور اگر مفلس اپنے مال کو فروخت نہ کرے یا قرض خواہوں میں مال کو حصہ رسد کے اعتبار سے تقسیم نہ کرے تو قاضی اس کے مال کو خود فروخت کرے، اور اگر قرض دراہم ہوں اور مقروض کے پاس دراہم ہوں تو قاضی مفلس کے امر کے بغیر وہ دراہم قرض خواہوں میں تقسیم کر دے، اور قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دینار ہوں یا اس کے برعکس ہو تو قاضی ان کو فروخت کر دے، قرض کی ادائیگی میں پہلے سونا اور چاندی فروخت کیے جائیں، پھر سازو سامان اور پھر زمین۔ مفلس کے کپڑوں کا ایک جوڑا چھوڑ کر اس کا تمام سامان فروخت کر دیا جائے۔ پابندی لگانے کے بعد اگر وہ کسی شخص کے لیے کوئی اقرار کرے تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد وہ لازم ہوگا، اگر پابندی کے بعد اسے کوئی مال حاصل ہوا تو اس میں اس کا اقرار نافذ ہو جائے گا، مفلس کے مال سے، مفلس پر اس کی بیوی پر اس کے چھوٹے بچوں پر اور ذوی الارحام میں سے جن کا خرچ اس پر واجب ہو خرچ کیا جائے گا، اگر مفلس کے کسی مال کا پتا نہ چلے اور اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کریں اور وہ کہتا ہو کہ میرے پاس کوئی مال نہیں ہے تو حاکم اس کو ہر اس قرض کے عوض قید کرے گا جس کا وہ کسی عقد کے ساتھ التزام کرے گا مثلاً مہر یا کفالت، قید سے رہا ہونے کے بعد حاکم اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو بلکہ قرض خواہ اس کو پکڑے رکھیں اور اس کو تصرفات سے منع نہ کریں، اور اس کی فاضل آمدنی سے آپس میں حصہ رسد کے اعتبار سے تقسیم کر لیں۔ امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا جب حاکم اس کو دیوالیہ قرار دے دے تو حاکم اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو الا یہ کہ قرض خواہ دلیل (گواہی) سے ثابت کریں کہ اس کے پاس مال ہے، اگر مقروض کسی کام سے گھر جائے تو حاکم اس کا پیچھا نہ کرے بلکہ اس کے دروازے پر ٹھہرے، حتیٰ کہ وہ باہر نکل آئے، اگر کسی مرد کا عورت پر قرض ہو تو وہ اس کو نہ پکڑے بلکہ کسی امانت دار عورت کو بھیجے جو اس کے ساتھ رہے۔ جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اور اس کے پاس کسی شخص کا سامان بعینہٖ موجود ہو جس کو مفلس نے اس شخص سے خریدا ہو تو سامان والا اور باقی قرض خواہ اس سامان میں برابر ہیں [1]۔ (اس آخری مسئلے کے بارے میں اس باب کی احادیث وارد ہیں اور اسی پر ہم یہاں تفصیلی بحث کریں گے۔ سعیدی)

مفلس کے پاس بائع کی چیز بعینہٖ ملنے کی صورت میں مذاہب ائمہ

اس باب کی احادیث میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اس کے پاس کوئی شخص اپنی چیز بعینہٖ پائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔" علامہ عینی لکھتے ہیں عطاء بن ابی رباح، عروۃ بن زبیر، طاؤس، شعبی، اوزاعی، عبداللہ بن الحسن۔

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۶۱۔ ۳۵۸ مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق اور داؤد (ظاہری) کا مذہب اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے۔[1]

مفلس کے پاس بائع کی چیز ملنے کی صورت میں ائمہ احناف کا موقف

نیز علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: ابراہیم نخعی، حسن بصری، شعبی، وکیع بن جراح، عبداللہ بن شبرمہ قاضی کوفہ، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص نے مفلس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی وہ اس چیز میں باقی قرض خواہوں کے برابر ہے، عمر بن عبدالعزیز سے صحیح روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی چیز کی قیمت طلب کی پھر مقروض دیوالیہ قرار دیا گیا ہو تو وہ شخص اور باقی قرض خواہ برابر ہیں، زہری کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی انہیں کے مذہب کے مطابق روایت ہے۔ خلاس بن عمرو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنی چیز بعینہٖ مقروض کے ہاں پائے تو وہ اس میں قرض خواہوں کے برابر ہے، اسی طرح ابراہیم سے یہ روایت ہے کہ وہ اور دیگر قرض خواہ اس میں برابر ہیں۔[2]

ائمہ احناف کے دلائل

ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب بائع نے مدت معینہ کے وعدہ پر ایک چیز خریدار کو فروخت کر دی تو وہ چیز اب بائع کی ملک سے نکل گئی اور خریدار کی ملک میں داخل ہو گئی اور بائع کا حق اس چیز کی قیمت ہے جو خریدار پر قرض ہے اور جب خریدار کو مفلس قرار دے دیا گیا تو جس طرح باقی قرض خواہوں کو اپنے اپنے قرضوں کی رقم مفلس کے مال اور ساز و سامان کو فروخت کرنے کے بعد حصہ رسد کے اعتبار سے ملے گی، بائع کو بھی اپنے قرض کی رقم ملے گی خواہ اس کی فروخت کی ہوئی چیز مفلس کے پاس بعینہٖ موجود ہو یا نہ ہو، امام ابوحنیفہ کی یہ دلیل خرید و فروخت کے مسلّمہ اصول اور قیاس کے مطابق ہے اور اس کی تائید حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن بلال بن الحارث قال: کان رجل یغالی بالرواحل ویسبق الحاج۔ حتی افلس قال فخطب عمر بن الخطاب فقال اما بعد! فان الاسیفع اسیفع جهینة رضی من امانته و دینه ان یقال سبق الحاج فادان معرضا فاصبح قد دین به فمن کان له شیء فلیاتنا حتی نقسم ماله بینهم۔[3]

بلال بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت مہنگی اونٹنیاں خریدتا تھا اور حاجیوں سے پہلے پہنچ جاتا تھا حتیٰ کہ وہ (اس شوق میں) دیوالیہ ہو گیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر بن خطاب نے خطبہ دیا اور فرمایا قبیلہ جہینہ کا اسیفع (جس شخص کا رنگ عصر میں معمول سا سیاہ ہو جائے۔ تاج العروس) اپنی دینداری اور امانت داری میں صرف اس بات پر راضی ہو گیا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حاجیوں سے پہلے پہنچ گیا" اس نے سامان قرض لیا اور وہ دیوالیہ ہو گیا جس نے اس سے کچھ لینا ہو وہ ہمارے پاس آئے حتیٰ کہ اس کا مال ہم حصہ رسد کے اعتبار سے قرض خواہوں میں تقسیم کریں۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] 〃 〃 〃 ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۰ 〃 〃 〃

[3] حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷ ص ۲۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

اس حدیث کو امام بیہقی[1] اور شیخ ابن حزم[2] نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر نے یہ نہیں فرمایا کہ اونٹنیاں فروخت کرنے والے اس سے اونٹنیاں واپس لے لیں بلکہ تمام قرض خواہوں میں مال تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اور یہی امام ابوحنیفہ کا موقف ہے۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن خلاس عن علی قال: هو فيها اسوة الغرماء اذا وجدها بعينها۔[3]

خلاس کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ جب (بائع) اپنی چیز کو بعینہٖ پائے تو وہ اور دوسرے قرض خواہ اس میں برابر ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی احادیث کے جوابات

صحیح بخاری اور مسلم کی احادیث میں سے (سوا ایک روایت کے جس پر ہم بحث کریں گے) کسی میں یہ تصریح نہیں ہے کہ مفلس کے پاس بائع اپنی چیز کو بعینہٖ پائے بلکہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں: من ادرك ماله بعينه عند رجل "جو شخص اپنے مال کو بعینہٖ کسی شخص کے پاس پائے" اس میں بائع کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے ان حدیثوں سے بائع کی بیچی ہوئی چیز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ شخص "اپنا مال" مفلس کے پاس بعینہٖ پائے اور بیچنے کے بعد بائع کا مال نہیں مشتری کا مال ہے، اور یہ بعینہٖ وہ مال بھی نہیں ہے کیونکہ تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے اس لیے حدیث کے لفظ (وہ شخص) کو بائع پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں مال سے مراد اس شخص کا مال ہے جس سے کوئی شخص وہ مال غصب کر کے لے گیا تھا، یا پکڑ کر لے گیا تھا اور بعد میں چور یا غاصب نے وہ مال مفلس کو فروخت کر دیا۔ یا مفلس نے کسی شخص سے عاریۃً مال لیا تھا یا اس کے پاس کسی شخص نے امانۃً وہ مال رکھوایا تھا۔ ان تمام صورتوں میں جب صاحب مال نے اپنے مال کو مفلس کے پاس بعینہٖ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔ اس توجیہ کی تائید حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ضاع لاحدكم متاع او سرق له متاع فوجده في يد رجل بعينه فهو احق به ويرجع المشتري على البائع بالثمن۔[4]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی چیز گم ہو جائے یا چوری ہو جائے پھر وہ چیز بعینہٖ کسی شخص کے پاس سے مل جائے تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔ اور وہ شخص (جس سے چیز ملی ہے یعنی خریدار) بائع سے قیمت واپس لے۔

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۴۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔
[2] شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۶ھ
[3] حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ
[4] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۵۱ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے [۱]

چوتھا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں بائع کا ذکر نہیں ہے، امام مسلم نے اس باب میں چھ احادیث ذکر کی ہیں، پانچ احادیث امام بخاری کی روایت کے مطابق ہیں اور ان میں بائع کا ذکر نہیں ہے البتہ ایک روایت جو عن ابن ابی عمر عن ہشام بن سلیمان ہے اس میں بائع کا ذکر ہے: یہ حدیث نمبر ۳۸۷۷ ہے، اور یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے۔ ابن ابی عمر کا پورا نام محمد بن یحییٰ العدنی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابوحاتم نے کہا یہ نیک آدمی تھا لیکن اس میں غفلت تھی میں نے دیکھا کہ اس نے ابن عیینہ سے ایک موضوع حدیث روایت کی ہے، اور یہ صادق تھا [۲]، جس شخص کی غفلت کا یہ حال ہو کہ وہ موضوع حدیث بھی روایت کرتا ہو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس کی روایت ثقہ راویوں کے مخالف ہو اور ہشام بن سلیمان مخزومی کے بارے میں علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ اس کی روایات مضطرب ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم کی یہ روایت شاذ اور معلل ہے، اس لیے صحیح اور معتبر وہی روایات ہیں جو امام بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے جو نظریہ قائم کیا ہے اس کے اعتبار سے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث، حضرت عمر اور حضرت علی کے آثار اور امام بخاری کی روایت اور امام مسلم کی اسانید صحیحہ سے جو روایات ہیں سب آپس میں موافق اور مطابق ہو جاتی ہیں، اور ائمہ ثلاثہ نے جو نظریہ قائم کیا ہے اول تو وہ ایک شاذ اور معلل حدیث پر مبنی ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض اس حدیث کو مان لیا جائے تو باقی احادیث اور آثار میں تخالف اور تعارض لازم آتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر ایسا نظریہ قائم کیا ہے کہ کسی حدیث اور اثر کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

ائمہ ثلاثہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے: امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

اخبرنا عبدالرزاق عن ابن شہاب عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ھشام قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل باع رجلا متاعا، فافلس المبتاع ولم یقبض الذی باعہ من الثمن شیئا فان وجد البائع سلعتہ بعینھا فھو احق بھا وان مات المشتری فھو فیھا اسوۃ الغرماء [۳]

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام (یہ تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کو اپنا سامان فروخت کیا پھر خریدار دیوالیہ ہو گیا اور بائع نے اپنی قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہیں کیا تو اگر بائع نے دیوالیہ کے پاس اپنا سامان بعینہٖ پایا تو وہ اس کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار مر گیا تو وہ دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام دارقطنی اور علامہ ابوعمر و ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق مرسل ہے امام مالک نے بھی مؤطا میں اس کو مرسلاً روایت کیا ہے [۴]۔ اور حدیث مرسل سے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک استدلال صحیح نہیں

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند ج ۵ ص ۱۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۱۹، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۷ھ

۳۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

۴۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

ہے ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک حدیث مرسل سے استدلال صحیح ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب حدیث مرسل کسی حدیث مسند کے معارض نہ ہو اور یہ حدیث مسند کے معارض ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی جن روایات میں بائع کا ذکر نہیں ہے وہ مسند احادیث ہیں یہ حدیث مصنف کی بھی مسند حدیث کے خلاف ہے جو ابن حارث بن ہشام سے ہی مسنداً روایت ہے۔

اخبرنا عبد الرزاق عن الثوری عن یحیی بن سعید قال، حدثنا ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال، ایما رجل افلس وعنده سلعة بعینها، فصاحبها احق بها دون الغرماء [1]

ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دیوالیہ ہوگیا اور اس کے پاس کسی کا سامان بعینہ موجود ہو تو وہ شخص اس سامان کا قرض خواہوں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔

اس مسند حدیث میں بائع کا ذکر نہیں ہے اور تعارض کے وقت مسند کو مرسل پر ترجیح ہوگی۔

علامہ نووی، علامہ قرطبی اور علامہ ابن بطال کے اعتراضات کے جوابات

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی نے مفہم میں لکھا ہے کہ حنفیہ نے اس حدیث کے جواب میں بے بنیاد تاویلات کی ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ احناف نے اس حدیث میں جو تاویلات کی ہیں وہ سب کمزور اور مردود ہیں، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امانت پر محمول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے جب کوئی شخص اپنی چیز کو بعینہ پائے تو قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ زیادہ حقدار ہے، جب کہ امانت کو لینے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بعینہ موجود ہو اگر امانت میں تغیر بھی ہوجائے تو صاحب امانت اس کو لینے کا حقدار ہے، نیز احناف کی دلیل قیاس ہے حالانکہ قیاس پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب حدیث نہ ہو، حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔ [2]

علامہ بدرالدین عینی حنفی ان اعتراضات کے جواب میں لکھتے ہیں کہ علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے صرف یہ دعوی کیا ہے کہ احناف کی تاویلات ضعیف ہیں وجہ ضعف نہیں بیان کی اس لیے ان کے اعتراضات لائق التفات نہیں ہیں اور علامہ ابن بطال کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ احناف نے حدیث پر عمل نہیں کیا کیونکہ احناف نے حدیث پر ہی عمل کیا ہے حدیث میں ہے: من ادرک مالہ بعینہ۔ "جس نے اپنے مال کو بعینہ پایا" اور "اپنا مال" مال مغصوب، مال عاریت اور مال امانت ہی میں متصور ہو سکتا ہے اور جو چیز فروخت کر دی گئی وہ خریدار کا مال ہے اور کسی وجہ سے بھی بائع کا مال نہیں ہے۔ [3] اور علامہ ابن بطال نے مال امانت پر جو اعتراض کیا ہے وہ مفہوم مخالف پر مبنی ہے۔

۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

۲۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۳۔ " " " " " " " عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۱

مفلس کے پاس بائع کی چیز بعینہ ملنے کی صورت میں اس کے حق استرداد کے ثبوت میں صریح اور صحیح احادیث

فقہاء احناف کا موقف ہم نے دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درایت کے اعتبار سے فقہاء احناف کا ہی موقف مضبوط ہے تاہم کچھ صحیح احادیث ایسی ہیں جو ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہیں۔ امام ابن حبان روایت کرتے ہیں:

اخبرنا احمد بن محمد بن الشرقی حدثنا محمد بن یحیی الذھلی حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن ایوب عن عمرو بن دینار عن ھشام بن یحیی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا افلس الرجل فوجد البائع سلعتہ بعینھا فھو احق بھا دون الغرماء[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے اور بائع اس کے پاس اپنی چیز بعینہ پائے تو دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔

اخبرنا عمران بن موسی السختیانی حدثنا سلمۃ بن شبیب حدثنا الحسن بن محمد بن اعین حدثنا فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا عدم الرجل فوجد البائع متاعہ بعینہ فھو احق بہ[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جائے اور بائع اس کے پاس اپنی متاع بعینہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

یہ دونوں احادیث سند صحیح سے مروی ہیں اور کسی تاویل کو قبول نہیں کرتیں نیز امام عبدالرزاق کی یہ مرسل روایت بھی ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہے:

عن ابن ابی ملیکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من باع سلعۃ برجل لم ینقدہ ثم افلس الرجل فوجد سلعتہ بعینھا فلیاخذھا دون الغرماء۔[3]

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا سودا کسی شخص کو ادھار فروخت کیا پھر وہ خریدار دیوالیہ ہو گیا پھر اس نے اس شخص کے پاس اپنا سودا بعینہ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بجائے بائع اس چیز کو لے گا۔

ہر چند کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث مقدم ہیں، رہا یہ کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بیع کے بعد چیز بائع کا مال نہیں رہی، خریدار کا مال ہو گئی اس لیے بائع اور دیگر قرض خواہوں کو مساوی ہونا چاہیے یہ ٹھیک ہے لیکن حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائیگا

---

[1] امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی متوفی ٧٣٩ھ (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ٧، ص ٢٤٨-٢٤٧ مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ الطبعۃ الاولیٰ، ١٤٠٧ھ

[2] ،، ،، ،، ،، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ج ٧، ص ٢٤٨،

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ٢١١ھ، المصنف ج ٨، ص ٢٦٦ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٣٩٠ھ

جیسا کہ شفعہ میں بالاتفاق قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ جب ایک شخص نے اپنی چیز فروخت کر دی تو وہ چیز خریدار کی ملکیت ہو گئی اب کسی اور شخص کا اس بیع کو فسخ کرانے کے لیے شفعہ کرنا خلاف قیاس ہے لیکن حدیث صحیح کی بنا پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا اسی طرح یہاں بھی حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دینا چاہیے وھذا ھو الحق۔

بَابُ فَضْلِ اِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالتَّجَاوُزِ فِي الْاِقْتِضَاءِ مِنَ الْمُوْسِرِ وَالْمُعْسِرِ

مقروض کو مہلت دینے اور تقاضے میں درگذر کی فضیلت

۳۸۸۱- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا مَنْصُوْرٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَقَالُوْا اَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا قَالَ لَا قَالُوْا تَذَكَّرْ قَالَ كُنْتُ اُدَايِنُ النَّاسَ فَاٰمُرُ فِتْيَانِيْ اَنْ يُنْظِرُوا الْمُعْسِرَ وَيَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ تَجَوَّزُوْا عَنْهُ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کا واقعہ ہے کہ فرشتوں نے ایک شخص کی روح سے ملاقات کی اور پوچھا کیا تم نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں فرشتوں نے کہا یاد کرو، اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ مفلس کو مہلت دینا اور مالدار سے درگذر کرنا، اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگذر کرو۔

۳۸۸۲- وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ حُجْرٍ قَالَا نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ اجْتَمَعَ حُذَيْفَةُ وَاَبُوْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَجُلٌ لَقِيَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَا عَمِلْتَ قَالَ مَا عَمِلْتُ مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا اَنِّيْ كُنْتُ رَجُلًا ذَا مَالٍ فَكُنْتُ اُطَالِبُ بِهِ النَّاسَ فَكُنْتُ اَقْبَلُ الْمَيْسُوْرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمَعْسُوْرِ فَقَالَ تَجَاوَزُوْا عَنْ

ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شخص کی اپنے رب عزوجل سے ملاقات ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے کیا عمل کیا ہے؟ اس شخص نے کہا میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، البتہ میں ایک مالدار شخص تھا اور لوگ مجھ سے مال طلب کرتے تھے، میں مالدار سے قرض لے لیتا اور تنگ دست سے درگذر کرتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے سے درگذر کرو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے!

عَبْدِیْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ۔

٣٨٨٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ فَقِيْلَ لَهٗ مَا كُنْتَ تَعْمَلُ قَالَ فَاِمَّا ذَكَرَ وَاِمَّا ذُكِّرَ فَقَالَ اِنِّیْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فَكُنْتُ اُنْظِرُ الْمُعْسِرَ وَاَتَجَوَّزُ فِی السِّكَّةِ اَوْ فِی النَّقْدِ فَغُفِرَ لَهٗ فَقَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ وَاَنَا سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوا، اس سے پوچھا گیا تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے؟ راوی کہتے ہیں اسے خود یاد آیا، یا اس کو یاد دلایا گیا، اس نے کہا: میں لوگوں کو چیزیں فروخت کرتا تھا، میں مفلس کو مہلت دیتا تھا اور سکوں کے پرکھنے میں اس سے درگزر کرتا تھا، پس اس کی مغفرت کر دی گئی، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے۔

٣٨٨٤ - حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ الْاَشَجُّ قَالَ نَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اُتِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِهٖ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ لَهٗ مَاذَا عَمِلْتَ فِی الدُّنْيَا قَالَ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا قَالَ يَا رَبِّ اٰتَيْتَنِیْ مَالَكَ فَكُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ وَكَانَ مِنْ خُلُقِی الْجَوَازُ فَكُنْتُ اَتَيَسَّرُ عَلَی الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ الْمُعْسِرَ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ فَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ الْجُهَنِیُّ وَاَبُوْ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک بندہ لایا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ راوی نے کہا لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے۔ اس شخص نے کہا: اے میرے رب تو نے مجھے مال عطا فرمایا تھا، اور میری عادت درگزر کرنا تھی، میں مالدار پر آسانی کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ سے زیادہ درگزر کرنے کا حقدار ہوں، میرے اس بندے سے درگزر کرو، حضرت عقبہ بن عامر جہنی اور ابومسعود انصاری نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے اسی طرح سنا ہے۔

مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ هٰكَذَا سَمِعْنَاهُ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۳۸۸۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيٰى قَالَ يَحْيٰى اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُوْسِبَ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ مُوْسِرًا فَكَانَ يَاْمُرُ غِلْمَانَهٗ اَنْ يَّتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی اُمتوں کے ایک شخص کا حساب لیا گیا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں پائی گئی ماسوا اس کے کہ وہ لوگوں سے گھل مل کر رہتا تھا، وہ امیر شخص تھا اور اس نے اپنے نوکروں کو یہ حکم دیا تھا کہ غریب آدمی سے درگذر کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس سے زیادہ درگذر کرنے کے حقدار ہیں، اس (کے گناہوں) سے درگذر کرو۔

۳۸۸۶ - حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِيْ مُزَاحِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ مَنْصُوْرٌ نَا اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ ابْنُ جَعْفَرٍ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ وَهُوَ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا فَلَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، وہ اپنے نوکر سے کہتا تھا کہ جب تم کسی غریب آدمی کے پاس جاؤ تو اس سے درگذر کر لینا، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر کرے، سو جب اس کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر کر لیا۔

۳۸۸۷ - حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِمِثْلِهٖ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

۳۸۸۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْهَيْثَمِ خَالِدُ بْنُ خِدَاشِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ طَلَبَ غَرِيْمًا لَهٗ فَتَوَارٰى عَنْهُ ثُمَّ وَجَدَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ مُعْسِرٌ قَالَ اٰللّٰهِ قَالَ اٰللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ.

ابن ابی قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قرض دار سے قرض کا مطالبہ کیا تو وہ ان سے چھپ گیا، پھر جب حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس سے ملے تو وہ کہنے لگا میں غریب آدمی ہوں، حضرت ابو قتادہ نے کہا بخدا؟ اس نے کہا بخدا، حضرت ابو قتادہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو یوم قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے، وہ کسی مفلس کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔

۳۸۸۹۔ وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ اَيُّوْبَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ.

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے۔

قرض معاف کرنے کے مسائل اور فضائل

مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کے قرض کو معاف کر دینا مستحب ہے، خواہ پورا قرض معاف کیا جائے یا اس کا کچھ حصہ معاف کیا جائے، ان احادیث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیک کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ہو سکتا ہے اسی کی وجہ سے نجات ہو جائے اسی طرح کسی برائی کے کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیا پتا اس میں گرفت ہو جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض وصول کرنا اور قرض داروں کو مہلت دینا اور ان سے درگزر کرنا نوکروں کے سپرد کیا جا سکتا ہے، ہر چند کہ یہ ہم سے پہلی شریعت کا حکم ہے، لیکن چونکہ ہماری شریعت میں اس سے منع نہیں کیا گیا اس لیے یہ احادیث حجت ہو سکتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے لکھا ہے کہ فرض نفل سے ستر درجہ زیادہ افضل ہوتا ہے، لیکن چند مسائل میں نفل کو فرض پر فضیلت ہے اول تنگ دست مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور یہ واجب سے افضل ہے، ثانی ابتداء باسلام کرنا جواب دینے سے افضل ہے ثالث وقت سے پہلے وضو کرنا وقت کے بعد وضو کرنے سے افضل ہے۔ لہ

بَابُ تَحْرِيمِ مَطْلِ الْغَنِيِّ وَصِحَّةِ الْحَوَالَةِ وَاسْتِحْبَابِ قُبُولِهَا إِذَا أُحِيلَ عَلَى مَلِيٍّ

قرض ادا کرنے میں مالدار کی تاخیر کا حرام ہونا اور حوالہ کا جائز ہونا

۳۸۹۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض کی ادائیگی میں مالدار کی تاخیر کرنا ظلم ہے، اور جب تمہارا قرض کسی مالدار کے حوالے کر دیا جائے تو اسی سے مانگنا چاہیے۔

۳۸۹۱ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا جَمِيعًا نَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت کی ہے۔

قرض وصول کرنے کے احکام

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کی تشریح میں حسب ذیل مسائل بیان کیے ہیں:

(۱) مالدار کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ممنوع ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ تاخیر گناہ کبیرہ ہے یا نہیں؟ جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ یہ تاخیر فسق ہے، لیکن کیا ایک مرتبہ کی تاخیر سے فسق ہو جاتا ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ تاخیر کرنا فسق نہیں ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے، علامہ سبکی نے شرح المنہاج میں اس کا رد

لہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۶ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب مطالبہ کے باوجود بلا عذر تاخیر کی جائے تو یہ غصب کی مثل ہے اور غصب گناہ کبیرہ ہے، اور اس کو ظلم قرار دینا بھی اس کے کبیرہ ہونے کی تائید ہے۔

(۲)۔ جو شخص قرض ادا کرنے سے عاجز ہو اس کی تاخیر کرنے کا یہ حکم نہیں ہے۔

(۳)۔ جو شخص تنگ دست ہو اس کو قرض ادا کرنے کے سبب سے گرفتار نہیں کیا جائے گا نہ اس کا پیچھا کیا جائے گا۔

(۴)۔ جب مالدار کو قرض حوالہ کیا جائے تو امام شافعی کے نزدیک قرض خواہ کا قبول کرنا مستحب ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک اس کا قبول کرنا واجب ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں، جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ مستحب ہے کیونکہ اس سے تنگ دست کو سہولت ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ مباح ہے، جب ابن وہب نے امام مالک سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا یہ حکم ترغیباً ہے وجوباً نہیں ہے البتہ قرض خواہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

(۵)۔ جو شخص بلا عذر قرض کی ادائگی میں تاخیر کرے اس کا پیچھا کرنا چاہیے اور قرض وصول کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہیے خواہ قرض وصول کرنے کے لیے زبردستی کرنی پڑے۔[1]

حوالہ کی تعریف اور احکام

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں حوالہ کے چار ارکان ہیں محیل (مقروض) محال یا محتال (قرض خواہ)۔ محتال علیہ (جس شخص نے مقروض کا قرض ادا کرنے کا التزام کر لیا) اور محتال بہ (نفس قرض) حوالہ کی شرعی تعریف یہ ہے "قرض کے مطالبہ کو مقروض کے ذمہ سے ملتزم کے ذمہ کی طرف منتقل کر دینا"، حوالہ کے بعد مقروض سے بالاتفاق مطالبہ نہیں کیا جاتا۔[2]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: محیل، محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے حوالہ صحیح ہوتا ہے، محتال کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ قرض اس کا حق ہے جو اب دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو رہا ہے، اور اشخاص مختلف ہوتے ہیں۔ محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ جب تک کہ وہ التزام نہ کرے اس پر قرض لازم نہیں ہوگا، اور محیل کے بارے میں امام محمد نے زیادات میں ذکر کیا ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر بھی حوالہ صحیح ہے کیونکہ اگر محتال علیہ نے از خود اس کا قرض اپنے ذمہ لے لیا تو اس میں اس کا نفع ہے، ضرر نہیں ہے۔[3]

حوالہ کا طریقہ یہ ہے کہ مقروض قرض خواہ سے کہے کہ تمہارا قرض فلاں بن فلاں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اب تم اس سے مطالبہ کرنا، پھر اگر قرض خواہ نے اس کو منظور کر لیا تو حوالہ صحیح ہوگا اور اب مقروض سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، قرض خواہ کی غیر موجودگی میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا الا یہ کہ کوئی شخص اس کی طرف سے قبول کرے اور وہ بعد میں اس کی اجازت دے دے۔[4]

---

[1]۔ علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

[2]۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۴۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3]۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۲۹ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[4]۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بَابُ ٥٠٦ تَحْرِيمِ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ الَّذِي يَكُونُ بِالْفَلَاةِ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِرَعْيِ الْكَلَآءِ وَتَحْرِيمِ مَنْعِ بَذْلِهِ وَتَحْرِيمِ بَيْعِ ضِرَابِ الْفَحْلِ

جنگلات کے فاضل پانی کو بیچنے اور جفتی کرانے کی اجرت کی ممانعت

۳۸۹۲- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فالتو پانی کو بیچنے سے منع فرمایا۔

۳۸۹۳- وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ انَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَآءِ وَالْأَرْضِ لِتُحْرَثَ فَعَنْ ذٰلِكَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی جفتی کی بیع اور پانی اور کاشت کے لیے زمین کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۹۴- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِيُمْنَعَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی سے نہ روکا جائے تاکہ اس وجہ سے گھاس کو بھی روک دیا جائے۔

بِهِ الْكَلَأُ۔

۳۸۹۵- وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ الْكَلَأَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کرو کہ گھاس کی پیداوار کو روک دو۔

۳۸۹۶- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زِيَادُ بْنُ سَعْدٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی کی بیع نہ کی جائے تاکہ اس وجہ سے گھاس کی بیع کی جائے۔

فالتو پانی کی بیع میں مذاہب

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں کہ فاضل پانی سے ممانعت کی صورت یہ ہے کہ کسی انسان کی ملکیت میں جنگل کا ایک کنواں ہو اور وہاں گھاس ہو اور اس کے قریب اس کنویں کے سوا اور کوئی پانی نہ ہو، پھر مویشیوں کے مالکوں کے لیے سوا اس کنویں کے پانی پلانا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں جانوروں کو اس فالتو پانی پلانے سے روکنا حرام ہے، اور اس پر واجب ہے کہ وہ بلاعوض پانی خرچ کرے، کیونکہ اگر وہ اس پانی سے منع کرے گا تو لوگوں کے لیے اس گھاس سے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس صورت کے علاوہ فالتو پانی سے منع کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ فالتو پانی کی بیع کی حرمت کے لیے تین شرائط ہیں۔ اول یہ کہ اس پانی کے علاوہ اور کوئی فالتو پانی نہ ہو، ثانی یہ کہ مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اس پانی کی ضرورت ہو، کاشت کاری کے لیے نہ ہو، ثالث یہ کہ اس پانی کے مالک کو اس کی ضرورت نہ ہو۔ علامہ نووی مزید لکھتے ہیں: صحیح مذہب یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں کوئی پانی نکل آئے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔[1]

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہی تنزیہ کے لیے ہے یا تحریم کے لیے، طیبی نے کہا ہے کہ اسی اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ آیا پانی پر ملکیت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ توضیح میں ہے کہ امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ علامہ خطابی اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک فالتو پانی خرچ کرنا مستحب ہے اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ فالتو پانی کو مویشیوں کے لیے خرچ کرنا واجب ہے، اور کاشت کاری کے لیے واجب نہیں ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ احناف کا مذہب بھی یہی ہے کہ مویشیوں کے لیے پانی خرچ کرنا واجب ہے اور کاشت کاری کے لیے پانی خرچ کرنا واجب نہیں ہے امام شافعی نے اس کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا مویشی جاندار ہیں اور پانی کے نہ دینے سے ان کی موت کا خطرہ ہے اور کاشتکاری میں یہ خطرہ نہیں ہے۔ [1]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: کسی نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ابوثور اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نر جانور کو جفتی کے لیے کرائے پر طلب کرنا باطل اور حرام ہے، مالک اس میں کسی عوض کا مستحق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اپنی مادہ جانور کی کسی کے نر سے جفتی کرائے تو نر جانور کا مالک طے شدہ اجرت کا مستحق ہوگا نہ اجرتِ مثلیہ کا، نہ کسی اور مال کا مستحق ہوگا، ان فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ غرر مجہول ہے اور مالک اس مادہ کو دینے پر قادر نہیں ہے، صحابہ کی ایک جماعت، فقہاء تابعین اور امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ مدت معلومہ یا ضربات معلومہ کے عوض جفتی کے لیے نر کو کرائے پر لینا جائز ہے کیونکہ یہ کام ایک منفعت مقصودہ ہے اور اس کی ضرورت ہے اور حدیث میں ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے جیسا کہ فالتو پانی کی بیع کی ممانعت مکروہ تنزیہی ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے ہے۔ [2]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: نر جانور کو جفتی کرانے کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں ہے، امام شافعی، فقہاء حنفیہ ابوثور اور ابن المنذر کا ظاہر مذہب یہی ہے۔ ابوالخطاب نے اس کے جواز کی ایک وجہ نکالی ہے، کیونکہ یہ انتفاع مباح ہے اور اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس جس طرح دودھ پلانے والی عورت کو کرائے پر دینا جائز ہے یا کنویں کو کرائے پر دینا جائز ہے اسی طرح نر کو بھی کرائے پر دینا جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے کی صریح ممانعت ہے، اور اس کرائے سے مقصود وہ پانی حاصل کرنا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے سو جس طرح بکری کو دودھ کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے، اور یہ پانی حرام ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی عوض لینا بھی جائز نہیں ہے، جس طرح مردار اور خون کا عوض لینا جائز نہیں ہے، جو شخص اس کو جائز کہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس عمل پر عقد کرے اور اس کو ایک بار یا دو بار کے ساتھ مقید

---

[1] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ مدت پر عقد کیا جائے لیکن یہ بعید ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: مذہب یہ ہے کہ اس کا کرایہ جائز نہیں ہے اگر کسی شخص کو اس کی ضرورت ہو اور اس کو کوئی ایسا جانور نہ ملے جو اس کی مادہ کو گابھن کر سکے تو اس کے لیے اجرت پر نر جانور کو حاصل کرنا جائز ہے لیکن جانور کے مالک کے لیے نر کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ نر کی اجرت لینا جائز نہیں ہے لیکن جب اجرت کے بغیر جانور نہ ملے تو اجرت دینا جائز ہے جیسا کہ ظالم کے ظلم کو دفع کرنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے۔ اگر کوئی انسان اپنا جانور جفتی کے لیے دے اور بغیر کرائے اور شرط کے اس کو کوئی ہدیہ دیا جائے یا اس کی کوئی تکریم کی جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ نیکی کا صلہ دینا جائز ہے۔[1]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: نر کو جفتی کے لیے کرائے پر لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے ان احادیث کے پیش نظر اس کو ناجائز کہا ہے اور امام مالک نے مدت معلومہ کے عوض نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے کو جائز کہا ہے، اسی طرح انھوں نے ضربات معلومہ کے عوض بھی کرائے پر دینے کو جائز قرار دیا ہے، ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں، ایک مسئلہ ہے نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینا، دوسرا مسئلہ ہے اس کی ضربات کو خریدنا، ہم پہلی صورت کو جائز قرار دیتے ہیں اور دوسری صورت کو ناجائز کہتے ہیں، جس طرح ہم دودھ پلانے والی کو کرائے پر لینے کو جائز کہتے ہیں اور عورت کے دودھ خریدنے کو ناجائز کہتے ہیں، جو فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مجہول چیز کا معاوضہ ہے اور ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک معلوم چیز کا معاوضہ ہے، جبکہ ضرورت بھی اس کے جواز کا تقاضا کرتی ہے اور اس حدیث کو ہم ضربات کی بیع پر محمول کرتے ہیں یا یہ کہ حدیث میں مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہے۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ ضرب الفحل سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نر اپنا پانی مادہ کے رحم میں افزائش نسل کے لیے پہنچائے، اگر اس چیز کی بیع کی گئی ہے تو اس کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس میں غرر ہے اور نر سے پانی کا منفصل ہو کر مادہ کے رحم تک پہنچنا مجہول ہے، ___ اور اس اعتبار سے حدیث کی ممانعت مکارم اخلاق پر محمول نہیں ہے۔[2]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء حنفیہ کا موقف

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس حدیث کے پیش نظر نر کی جفتی کی بیع اور اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، امام مالک کے نزدیک نر کو جفتی کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ علماء نے کہا یہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ علامہ رافعی کہتے ہیں کہ مادہ کا مالک اگر نر کے مالک کو بطور ہدیہ کے کچھ دے تو جائز ہے لیکن امام احمد اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام احمد کا

---

[1] علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۳۲۰۔ ۳۱۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

نظر بہ حسب ذیل آثار صحابہ و اقوال تابعین پر مبنی ہے:

(۱)۔ امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: مسروق کہتے ہیں میں نے عبداللہ سے پوچھا "سحت" کیا ہے؟ انھوں نے کہا کوئی شخص اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد ہدیہ دے اور وہ قبول کر لے۔

(۲)۔ امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حضرت عبداللہ بن عمر سے کسی نے سوال کیا: ایک شخص نے کسی کی ضمانت دی اس نے اس کو ایک درہم دیا اور چادر پہنائی کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر وہ ضمانت نہ دیتا تو کیا وہ اس کو یہ چیزیں دیتا؟ کہا نہیں، فرمایا پھر جائز نہیں ہے۔

(۳)۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو اپنے گھر گئے تو وہاں ایک ہدیہ دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ جس شخص کی آپ نے سفارش کی تھی اس نے بھیجا ہے، فرمایا اس کو واپس کر دو، کیا وہ میری شفاعت کا صلہ دنیا میں دے رہا ہے؟

(۴)۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی سے کسی دہقان کی سفارش کی اس نے عبداللہ بن جعفر کے پاس چالیس ہزار (درہم) بھیجے، آپ نے فرمایا ان کو واپس کر دو، ہم اہل بیت نیکی نہیں بیچتے۔

(۵)۔ امام ابوداؤد نے سنن میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کی شفاعت کی اور اس نے اس کو کوئی ہدیہ پیش کیا تو اس نے سود کا ایک بہت بڑا دروازہ کھول لیا۔

(۶)۔ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ابو عامر ہوزنی، ابو کبشہ انماری کے پاس گئے اور کہا مجھے اپنا گھوڑا جفتی کے لیے دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے گھوڑے کو جفتی کے لیے دیا اور اس سے بچہ ہو گیا تو اس کو اللہ کی راہ میں ستر گھوڑے دینے کا اجر ملے گا، اور اگر بچہ نہیں ہوا تو اس کو ایک گھوڑے کو اللہ کی راہ میں دینے کا اجر ملے گا۔[۱]

یہ تمام آثار اور اقوال تابعین عزیمت اور تقوے پر دلالت کرتے ہیں اور فتوے اور رخصت کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کرایہ طے کیے اور بغیر کسی شرط کے نر کی جفتی کا کوئی صلہ دیا جائے تو جائز ہے۔ اور اب چونکہ جانوروں کی نسل کی افزائش کی عام ضرورت ہے اس لیے امام مالک کے قول کے مطابق نر کی جفتی کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس سلسلے میں جو ممانعت کی احادیث ہیں وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہیں۔

انجکشن کے ذریعے نر کا نطفہ مادہ کے رحم میں پہنچانے کا حکم

اب یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ نر کا نطفہ ایک ٹیوب میں حاصل کر کے انجکشن کے ذریعہ مادہ کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے، یہ عمل جائز ہے اور اس عمل کی اجرت لینا بھی جائز ہے البتہ اس نطفہ کی بیع جائز نہیں ہے، نطفہ تبرعاً دیا جائے اور اس عمل کی اجرت لی جائے تو صحیح ہے۔

[۱] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۶ - ۱۰۵ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ

بَابُ تَحْرِيمِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَالنَّهْيِ عَنْ بَيْعِ السِّنَّوْرِ

کتوں کی قیمت، فاحشہ اور نجومی کی اُجرت اور بلی کی بیع کا حرام ہونا

۳۸۹۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا۔

۳۸۹۸ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَسْعُودٍ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور ابن رمح کی روایت ہے کہ انھوں نے ابو مسعود سے سنا ہے۔

۳۸۹۹ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ وَثَمَنُ الْكَلْبِ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بُری کمائی فاحشہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کی اجرت ہے۔

۳۹۰۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتے کی قیمت خبیث

عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ قَارِظٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ۔

ہے، فاحشہ کی کمائی خبیث ہے اور پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔

۳۹۰۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل روایت منقول ہے۔

۳۹۰۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ نَا رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت کرتے ہیں۔

۳۹۰۳۔ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ قَالَ نَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ فَقَالَ زَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔

ابوالزبیر کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔

کتے کی بیع اور اس کی قیمت میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: فقہاء کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کتوں کی بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ کتے سدھائے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، خواہ ان کا رکھنا جائز ہو یا ناجائز، ہر حال میں ان کی قیمت باطل اور حرام ہے۔ حسن بصری، محمد بن سیرین، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حکم، حماد بن ابی سلیمان، ربیعہ، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابن المنذر اور اہل ظاہر کا یہی موقف ہے۔ امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری میں ہر قسم کے کتے کی قیمت کو مکروہ قرار دیتا ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ ابن زرقون نے شرح المؤطا میں لکھا ہے کہ جس کتے کا رکھنا مباح ہے اس کے بارے میں امام مالک کے اقوال مختلف ہیں، بعض اقوال میں اس کی اجازت دی ہے اور بعض اقوال میں منع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ہر اس کتے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جس کا رکھنا مباح ہے۔

جو فقہاء کتے کی بیع کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں وہ اس باب کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اس کے برخلاف عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، ابن کنانہ، سحنون مالکی اور امام مالک (ایک قول کے مطابق) یہ کہتے ہیں کہ جن کتوں سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے ان کی بیع بھی جائز ہے اور ان کی قیمت مباح ہے اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ کاٹنے والے کتے کی بیع جائز نہیں ہے اور نہ اس کی قیمت مباح ہے۔[1]

جن کتوں کا رکھنا جائز ہے ان کی بیع کے جواز میں احادیث

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید قال ابو عبد الرحمن ھذا منکر۔[2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو عبد الرحمان نسائی فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

اخرجہ النسائی باسناد رجالہ ثقات الا انہ طعن فی صحتہ۔[3]

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ انہوں نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس لیے منکر قرار دیا ہو کہ دوسرے راویوں نے شکاری کتے کے استثناء کا ذکر نہیں کیا لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جبکہ درایت سے بھی اس زیادتی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کتوں کا رکھنا جائز کر دیا ہے ان کی بیع اور قیمت بھی جائز ہونی چاہیے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابو کریب ثنا وکیع عن حماد بن سلمۃ عن ابی المھزم عن ابی ھریرۃ قال نھی عن ثمن الکلب، وھذا حدیث لا یصح من ھذا الوجہ وابو المھزم تکلم فیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے صحیح (الذات) نہیں ہے اس کی سند میں ایک راوی ابو المہزم ہے اس پر شعبہ بن حجاج نے

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۹۔ ۵۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ

[2] امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ جرح کی ہے۔

ہر چند کہ امام ترمذی نے ابوالمہزم کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حضرت ابوہریرہ سے صرف ابوالمہزم روایت نہیں کرتے بلکہ عطاء بن ابی رباح نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

ابوبکر احمد بن محمد بن الحارث الفقیہ ثنا ابو محمد بن حیان ابو الشیخ الاصبہانی ثنا محمد بن یحیی بن مالک الضبی ثنا محمود بن غیلان ثنا مؤمل ثنا حماد بن سلمۃ ثنا قیس عن عطاء عن ابی ھریرۃ نھی عن مھر البغی وعسب الفحل وعن ثمن السنور وعن الکلب الا کلب صید۔ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فاحشہ کی اجرت، نر کی جفتی کی اجرت اور کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے، البتہ شکاری کتے کی بیع سے منع نہیں کیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث پر ابوالمہزم کی وجہ سے جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے عطاء نے بھی روایت کیا ہے اور جب اس حدیث کا ایک متابع موجود ہے تو ابوالمہزم کے ضعف کی وجہ سے جو اعتراض تھا وہ ختم ہوگیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کے اعتراض کی بناء پر یہ حدیث زیادہ سے زیادہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور چونکہ یہ حدیث اور متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ صحیح لغیرہ ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے (یعنی ابوالمہزم والی سند سے) صحیح (لذاتہ) نہیں ہے مطلقاً اس حدیث کی صحت کا انکار نہیں کیا۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن جابر لا اعلمہ الا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید۔ [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا، کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۔

عن جابر قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید۔ [4]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۔

عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۶، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۳۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۴۔ ″ ″ ″ ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳،

اللہ علیہ وسلم عن ثمن السنور و الکلب الا کلب صید۔ [1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا، کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تین مختلف اسانید کے ساتھ بیان کی ہے، اختصار کے پیش نظر ہم نے اسانید کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں:

ابو حنیفۃ عن الھیثم عن عکرمۃ عن ابن عباس قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت کی اجازت دی ہے۔

حافظ زیلعی اس حدیث کی سند پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ سند جید ہے، حافظ ابن حبان نے ہیثم کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے اور ابن عدی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ کامل میں ذکر کیا ہے۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بالعموم کتے کی بیع یا اس کی قیمت سے منع کیا ہے وہ ان کتوں کے ماسوا پر محمول ہیں جن کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس تخصیص پر ایک قرینہ تو یہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی گئی ہے اور دوسرا قرینہ وہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتوں اور کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے (یہ احادیث اگلے باب میں آرہی ہیں) اور اگر ان کتوں کی بیع ناجائز ہو تو پھر ان کو رکھنے کی اجازت کا کوئی معنی نہیں ہے۔

کاہن کی تعریف اور اس کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے معالم السنن میں بیان کیا ہے کہ کاہن اور عراف میں یہ فرق ہے کہ کاہن مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں بیان کرتا ہے اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرتا ہے اور عراف وہ ہے جو چوری ہونے والی اشیاء اور گم شدہ چیز کی جگہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے، نیز علامہ خطابی نے بیان کیا کہ کاہن وہ ہے جو مطالعہ غیب کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو مستقبل کی باتوں کی خبر دیتا ہے۔ عرب میں کاہن ہوتے تھے جو بہت سی چیزوں کا دعویٰ کرتے تھے، بعض یہ کہتے تھے کہ جن ان کا تابع ہے اور وہ آکر انہیں خبریں دیتا ہے، بعض یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی عقل سے آئندہ ہونے والی باتوں کو جان لیتے ہیں اور بعض ان میں سے عراف کہلاتے تھے یہ کہتے تھے کہ وہ چیزوں کو اسباب سے جان لیتے ہیں مثلاً کوئی چیز چوری ہو جائے تو جس پر چوری کا گمان ہو اس کو جان لیتے تھے اور شک کی بناء پر کسی کو چوری کی تہمت لگا دیتے تھے۔ ان میں سے بعض نجومی ہوتے تھے ان کو بھی کاہن کہا جاتا تھا۔ حدیث میں جو کاہنوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے یہ ممانعت ان تمام اقسام کو شامل ہے۔ [4]

---

[1] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۷۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم (مترجم) ص ۳۰۳-۳۰۲ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

[3] حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۷۵ھ

پچھنے لگانے کی اجرت کا حکم

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں جمہور کا موقف یہ ہے کہ فصد لگانے کی اجرت جائز ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور اس کی اجرت دی۔ نیز موطأ امام مالک اور جامع ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فصد لگانے والے کی کمائی کا حکم پوچھا آپ نے فصد لگانے سے منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر منع فرمایا، تیسری بار آپ نے فرمایا "یہ کمائی اپنے غلام کو کھلا دو" اس حدیث سے اس کمائی کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جس چیز کی آمدنی حرام ہے وہ آزاد اور غلام دونوں پہ حرام ہے۔ اس باب کی احادیث میں آپ نے فصد (پچھنے) لگانے کی اجرت سے منع فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہے یعنی مروت کا تقاضا یہ ہے کہ فصد لگانے والا بلا عوض فصد لگائے، ایک توجیہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں فصد لگانے کے بعد کفار حاصل شدہ خون کو کھلانے کے لیے فروخت کر دیتے تھے ان احادیث میں دراصل آپ نے خون کی بیع سے منع فرمایا ہے[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک فصد لگانے کی اجرت جائز ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت ابن عباس کی روایات سے استدلال کیا ہے۔[2]

باب ۵۰۹ میں ان احادیث کا بیان ہے جو فصد لگانے کی اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

بلی کی بیع اور اس کی قیمت کا حکم

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: بلی کی بیع کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کا موقف یہ ہے کہ بلی کی بیع جائز ہے، حسن بصری، محمد بن سیرین، حکم حماد، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور امام احمد کا یہی موقف ہے، ابن منذر کہتے ہیں کہ بلی کی بیع کی رخصت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے، اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ بلی کی بیع ناجائز ہے ان کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۹۰۳ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کی قیمت سے منع کیا ہے جمہور نے اس حدیث کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱)۔ یہ ممانعت وحشی بلی کی بیع پر محمول ہے جس کا سپرد کرنا غیر مقدور ہے۔

(۲)۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام کا تھا، جب بلی کو ناپاک قرار دیا تھا، اور جب اس کے جھوٹے کو جائز فرمایا تو اس کی بیع بھی جائز ہو گئی۔

(۳)۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔ یہ علامہ نووی کا جواب ہے۔

(۴)۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس کی روایات کے معارض ہے جن میں اس کی بیع کو جائز کہا گیا ہے۔[3]

اس باب کی احادیث میں فاحشہ کی اجرت سے بھی منع کیا گیا ہے اور یہ نہی تحریم کے لیے ہے، چونکہ فاحشہ کی اجرت کا حرام ہونا بالکل بدیہی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لیے ہم نے اس پر مستقل بحث کرنے سے

---

[1] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی اُبی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[3] " " " " " " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۶۰

اجتناب کیا ہے۔

بَابُ الْاَمْرِ بِقَتْلِ الْكِلَابِ وَبَيَانِ نَسْخِهٖ وَبَيَانِ تَحْرِيْمِ اقْتِنَائِهَا اِلَّا لِصَيْدٍ اَوْ زَرْعٍ اَوْ مَاشِيَةٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ!

کتوں کے قتل کا حکم اور پھر اس کے منسوخ ہونے کا بیان اور شکار اور کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے پالنے کا جواز

۳۹۰۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

۳۹۰۵ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ فَاَرْسَلَ فِيْ اَقْطَارِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ تُقْتَلَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور مدینہ کے اطراف میں کتوں کو قتل کرنے کے لیے آدمی روانہ کیے۔

۳۹۰۶ - وَحَدَّثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ قَالَ نَا اِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ اُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِقَتْلِ الْكِلَابِ فَتُنْبَعَثُ فِي الْمَدِيْنَةِ وَاَطْرَافِهَا فَلَا نَدَعُ كَلْبًا اِلَّا قَتَلْنَاهُ حَتّٰى اِنَّا لَنَقْتُلُ كَلْبَ الْمُرَيَّةِ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ يَتْبَعُهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے تھے پھر مدینہ اور اس کے اطراف میں کتوں کا پیچھا کیا گیا اور ہم نے کوئی کتا مارے بغیر نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ دیہاتیوں کی اونٹنی کے ساتھ جو کتا رہتا تھا ہم نے اس کو بھی مار ڈالا۔

۳۹۰۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے اور بکریوں یا مویشیوں

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب الا کلب صید او کلب غنم او ماشیۃ فقیل لابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ یقول او کلب زرع فقال ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان لابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ زرعا۔

کی حفاظت کے کتوں کے سوا کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کھیت کے کتے کا بھی استثناء کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابوہریرہ کے پاس کھیت ہے (اس وجہ سے انہوں نے کھیت کا حکم بطور خاص یاد رکھا۔ سعیدی)

۳۹۰۸- حدثنا محمد بن احمد بن ابی خلف قال نا روح ح قال وحدثنی اسحاق بن منصور قال انا روح بن عبادۃ قال نا ابن جریج قال اخبرنی ابو الزبیر انہ سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما یقول امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب حتی ان المرأۃ تقدم من البادیۃ بکلبھا فنقتلہ ثم نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قتلھا وقال علیکم بالاسود البھیم ذی النقطتین فانہ شیطان۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حتی کہ کوئی عورت دیہات سے اپنا کتا لے کر آتی تو ہم اس کتے کو بھی قتل کر دیتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا، اور فرمایا اس کالے سیاہ کتے کو قتل کر دو جو دو نقطے والا ہو، کیونکہ وہ شیطان ہے۔

۳۹۰۹- وحدثنا عبید اللہ بن معاذ قال نا ابی قال نا شعبۃ عن ابی التیاح سمع مطرف بن عبد اللہ عن ابن المغفل قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب ثم قال ما بالھم وبال الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم۔

حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کتے لوگوں کو کیا تکلیف دیتے ہیں! پھر آپ نے شکاری کتے اور بکریوں (کی حفاظت) کے کتوں کی اجازت دی۔

۳۹۱۰- وحدثنیہ یحیی بن حبیب

امام مسلم متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن مغفل

قَالَ نَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ ح قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيْدِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَنَا النَّضْرُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي حَدِيْثِهِ عَنْ يَحْيَى وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْعِ

کی روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے کتوں، شکار کے کتوں اور کھیت کے کتوں کی اجازت دی۔

۳۹۱۱- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيًا نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کے کتے کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

۳۹۱۲- وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

۳۹۱۳- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرُوْنَ نَا إِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ قَالَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا مویشیوں کے کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ ضَارِيَةٍ اَوْ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ.

۳۹۱۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَيَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيٰى اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اِسْمٰعِيْلُ عَنْ مُحَمَّدٍ وَهُوَ ابْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ كَلْبَ صَيْدٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت یا شکاری کتے کے علاوہ اور کوئی کتا پالا تو اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں اور کھیتی کا کتا۔

۳۹۱۵ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا وَكِيْعٌ قَالَ نَا حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ ضَارِيَةٍ اَوْ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ قَالَ سَالِمٌ وَكَانَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ وَكَانَ صَاحِبَ حَرْثٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا حفاظت کے کتوں کے سوا کوئی اور کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے، سالم نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے یا کھیت کی حفاظت کا کتا اور وہ کاشتکاری کرتے تھے (اس وجہ سے انہوں نے کھیت کے کتے کا حکم بطور خاص یاد رکھا۔ سعیدی)

۳۹۱۶ - حَدَّثَنَا دَاوٗدُ بْنُ رُشَيْدٍ قَالَ نَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَنَا عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل خانہ میں سے جس نے بھی مویشیوں کے کتے یا شکاری کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا ان کے اعمال سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

أَهْلِ دَارٍ اتَّخَذُوا كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ كَلْبَ صَائِدٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ۔

۳۹۱۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ مُثَنَّى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ زَرْعٍ أَوْ غَنَمٍ أَوْ صَيْدٍ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کھیت یا بکریاں یا شکار کے کتوں کے علاوہ کوئی اور کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

۳۹۱۸- وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَلَا مَاشِيَةٍ وَلَا أَرْضٍ فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي الطَّاهِرِ وَلَا أَرْضٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شکار، مویشی اور زمین کے علاوہ کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے، ابوالطاہر کی روایت میں زمین کا لفظ نہیں ہے۔

۳۹۱۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَذُكِرَ لِابْنِ عُمَرَ قَوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مویشی، شکار یا کھیت کے علاوہ کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو حضرت ابوہریرہ کی روایت سنائی گئی تو انھوں نے فرمایا: اللہ ابوہریرہ پر رحم کرے وہ کھیت والے تھے۔

اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ یَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا هُرَیْرَةَ کَانَ صَاحِبَ زَرْعٍ۔

۳۹۲۰ - حَدَّثَنِیْ زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ نَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِیُّ قَالَ نَا یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَمْسَكَ کَلْبًا فَاِنَّهٗ یَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ اِلَّا کَلْبَ حَرْثٍ اَوْ مَاشِیَةٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کھیت یا مویشی کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

۳۹۲۱ - وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اَنَا شُعَیْبُ بْنُ اِسْحٰقَ قَالَ نَا الْاَوْزَاعِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

۳۹۲۲ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا حَرْبٌ قَالَ نَا یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

۳۹۲۳ - حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ یَعْنِی ابْنَ زِیَادٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ سُمَیْعٍ قَالَ نَا اَبُوْ رَزِیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا لَیْسَ بِکَلْبِ صَیْدٍ وَّلَا غَنَمٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا بکریوں کی حفاظت کے علاوہ کوئی اور کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ.

۳۹۲۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ حضرت سفیان بن ابی زہیر (یہ قبیلہ شنوءۃ کے تھے) خَصِيْفَةَ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ وَّهُوَ رَجُلٌ مِّنْ شَنُوْءَةَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَّا يُغْنِيْ عَنْهُ زَرْعًا وَّلَا ضَرْعًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ قَالَ أَأَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيْ وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ.

حضرت سفیان بن ابی زہیر (یہ قبیلہ شنوءۃ کے تھے)، صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسا کتا پالے جو کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کا نہ ہو اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں اس مسجد کے رب کی قسم!۔

۳۹۲۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا إِسْمَاعِيْلُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ أَنَّهُ وَفَدَ عَلَيْهِمْ سُفْيَانُ بْنُ أَبِي زُهَيْرٍ الشَّنَائِيُّ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

حضرت سفیان بن ابی زہیر شنائی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

کتوں کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے پر اجماع ہو چکا ہے، اور جو کتے بے ضرر ہیں، ان میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام الحرمین فرماتے ہیں اولاً شارع علیہ السلام نے ہر قسم کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا اور سیاہ شریر کتے کے سوا باقی کتوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ حسن اور ابراہیم سیاہ شریر کتے کے شکار کو بھی مکروہ کہتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور بعض شافعیہ کا بھی یہی موقف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب سیاہ کتا شکار کرے تو وہ حلال نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سیاہ شکاری کتے کا شکار کیا ہوا بھی حلال ہے[1] (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ مسلک ہے کہ جن کتوں کا حدیث میں استثناء ہے ان کے سوا تمام کتوں کو قتل کرنا جائز ہے اور جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ سیاہ کتے کے سوا باقی تمام کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔[1]

کھیت کے کتے کے مستثنیٰ ہونے کی روایت

حدیث نمبر ۳۹۰ میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ کھیت کا کتا بھی قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت ابن عمر نے جواب دیا کہ حضرت ابوہریرہ کھیت والے تھے۔ حضرت ابن عمر کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حضرت ابوہریرہ پر طنز کر رہے تھے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے اپنے مفاد میں کھیت کے بارے میں حدیث گھڑ لی ہے! علامہ نووی فرماتے ہیں اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ کھیت میں کام کرتے تھے اس لیے انھوں نے ان الفاظ کو یاد رکھا، کیونکہ جو شخص جس کام میں مشغول رہتا ہے وہ اس کام کے احکام کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ یاد رکھتا ہے۔ نیز کھیت کے استثناء کی روایت میں حضرت ابوہریرہ منفرد نہیں ہیں، امام مسلم نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ذکر کی ہے جس میں قتل کے حکم سے کھیت کا کتا مستثنیٰ ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۳۹۱) نیز امام مسلم نے کھیت کے کتے کے استثناء کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی بیان کی ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۳۹۱) رہا یہ سوال کہ جب حضرت ابن عمر نے خود بھی کھیت کے کتے کا استثناء بیان کیا ہے تو حضرت ابوہریرہ کے بارے میں ایسا ریمارک کیوں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عمر نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث سن لی اور ان کو اس کی تحقیق ہو گئی تو انھوں نے اس کو خود بھی روایت کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب انھوں نے کھیت کا استثناء بیان نہیں کیا تھا اس وقت ان کو یہ استثناء یاد نہیں تھا اور جب ان کو یاد آیا تو انھوں نے بیان کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کھیت کے کتے کا استثناء بیان کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں بلکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس کو بیان کرتی ہے اور اگر وہ منفرد ہوتے تب بھی ان کی روایت مقبول ہوتی۔[2]

ایک قیراط اور دو قیراط کی دو حدیثوں میں تطبیق

حدیث نمبر ۳۹۱ میں ہے جس شخص نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوں گے، اور حدیث نمبر ۳۹۱۲ میں ہے اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوگا، ان دونوں حدیثوں میں کس طرح موافقت ہوگی؟ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کتے کی دو قسمیں ہوں جو زیادہ ایذاء دینے والا ہو اس کی وجہ سے دو قیراط اور جو کم ایذاء دینے والا ہو اس کی وجہ سے ایک قیراط کم ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آبادی والے کتوں کی وجہ سے دو قیراط اور جنگلوں والے کتوں کی وجہ سے ایک قیراط اجر کم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں جب کتوں کے معاملے میں آپ نے شدت کی تھی اس وقت آپ نے دو قیراط اجر کم ہونے کا بیان فرمایا اور جب کتوں کے امر میں تخفیف کر دی تو ایک قیراط اجر کم ہونے کا بیان فرمایا۔[3]

---

[1] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ آبی مالکی وشتانی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۵۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

کتوں کو رکھنے کی وجہ سے ایک یا دو قیراط اجر میں کمی کی وجہ

کتوں کو رکھنے کی وجہ سے اجر میں کیوں کمی ہوتی ہے؟ بعض فقہاء نے کہا کتوں کی وجہ سے فرشتے گھر میں نہیں آسکتے اس لیے رکھنے والے کے اجر میں کمی ہوتی ہے، بعض نے کہا کتوں کی وجہ سے گھر میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے اجر میں کمی ہوتی ہے، یا اس وجہ سے کہ رکھنے والے نے ایک ممنوع کام کا ارتکاب کیا اس کی پاداش میں اس کے اجر میں کمی ہوتی ہے، یا اس وجہ سے کہ کتا بکثرت نجاسات کھاتا ہے یا اس کی بدبو کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ جب گھر والے غافل ہوں تو یہ برتن میں منہ ڈالتا ہے۔

قیراط کے وزن اور مصداق کی تحقیق

اس میں بھی اختلاف ہے کہ دو قیراط کی کمی کون سے اعمال میں ہوتی ہے؟ بعض نے کہا ایک قیراط دن کے اعمال سے اور ایک قیراط رات کے اعمال سے کم کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ایک قیراط فرائض سے اور ایک قیراط نوافل سے کم کیا جاتا ہے۔

عام طور پر ایک قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہوتا ہے اور شام میں ایک قیراط ایک دینار کا چوبیسواں حصہ ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ایک قیراط تین حبات کے برابر ہے اور ایک حبہ چار چاولوں کے برابر ہوتا ہے تو گویا ایک قیراط بارہ چاول (ڈیڑھ رتی) کے برابر ہوتا ہے[1] امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حالت ایمان میں اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ گیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے فراغت تک اس کے ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ آیا اس کو ایک قیراط اجر ملے گا[2] اب سوال یہ ہے کہ کتوں کو گھر میں رکھنے کی وجہ سے جو دو قیراط اجر میں کمی ہوتی ہے کیا یہ قیراط بھی احد پہاڑ کے برابر ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کو ایسا پایا ہے کہ وہ نیکیوں کے اجر و ثواب کو بڑھا دیتا ہے اور برائی کے عذاب کو برائی کے برابر رکھتا ہے زیادہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ہے: من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا (انعام: ۱۶۰) "جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کے لیے اس کے دس نیکیوں کا اجر ہے اور جو شخص ایک برائی کرتا ہے اس کو صرف ایک برائی کی سزا دی جائے گی" اس لیے نماز جنازہ پڑھنے والے شخص کا ایک قیراط اجر احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور کتا رکھنے والے کے اجر میں جس ایک قیراط کی کمی ہوگی وہ ڈیڑھ رتی (بارہ چاول) سے زیادہ نہیں ہوگا۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں تین چیزوں کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے، شکار کے لیے، کھیت کی حفاظت کے لیے اور جانوروں کے لیے اس پر قیاس کر کے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۱ص ۲۰۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ص ۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

وان اقتناه لحفظ البیوت لم یجز للخبر ویحتمل الاباحۃ وهو قول اصحاب الشافعی، لانه فی معنی الثلاثۃ فیقاس علیها والاول اصح لان قیاس غیر الثلاثۃ علیها یبیح ما یتناول الخبر تحریمه۔[1]

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا حدیث شریف کی ممانعت کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور اباحت کا بھی احتمال ہے۔ فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ گھر کی حفاظت بھی حدیث میں مذکور تین چیزوں کے حکم میں ہے، سو اس پر قیاس کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ کسی اور چیز کو ان تین چیزوں پر قیاس کرنا اس چیز کی اباحت کو مستلزم ہے جس کو حدیث نے حرام کیا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

فقہاء شافعیہ کے بھی اس مسئلے میں دو قول ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جائز ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

وهل یجوز لحفظ الدور والدروب ونحوها فیه وجهان احدهما لا یجوز لظواهر الاحادیث فانها مصرحۃ بالنهی الا لزرع او صید او ماشیۃ واصحهما یجوز قیاسا علی الثلاثۃ عملا بالعلۃ المفهومۃ من الاحادیث وهی الحاجۃ۔[2]

آیا گھروں اور محلوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نا جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ کھیت، شکار اور جانوروں کے علاوہ کتا رکھنا منع ہے۔ اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے، کیونکہ گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کو تین صورتوں میں کتا رکھنے پر قیاس کیا ہے کیونکہ علت مشترک ہے اور وہ ہے ضرورت۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

والاصح عند الشافعیۃ اباحۃ اتخاذ الکلاب لحفظ الدرب الحاقا للمنصوص بما فی معناه کما اشار الیه ابن عبد البر۔[3]

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ محلہ کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے اور اس کی وجہ اشتراک علت کی بناء پر حدیث میں مذکور تین صورتوں پر قیاس ہے جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تاہم بعض فقہاء نے گھر کی حفاظت کے لیے کتا

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۶، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

واختلف فی اتخاذها للحرس فی الدور فاجیز قیاسا علی اتخاذها لحفظ الزرع وقال بعضهم حدیث اتخاذها لحفظ الزرع دلیل علی ذلك لانه صلی اللہ علیہ وسلم نبه باتخاذها بقوة المنفعة علی اتخاذها لکل منفعة وانما النهی عن اتخاذها لا لمنفعة۔[1]

گھروں کی چوکیداری کے لیے کتوں کو رکھنے میں اختلاف ہے، سو کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے پر قیاس کرتے ہوئے اس کو بھی جائز کہا گیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں اس پر دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوت منفعت کی وجہ سے اس پر متنبہ کیا ہے کہ ہر جس چیز میں کتا رکھنے سے فائدہ ہو اس میں کتا رکھنا جائز ہے۔ اور جہاں کتا رکھنے سے کوئی منفعت نہ ہو وہاں ناجائز ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء احناف کا موقف

فقہاء احناف کے نزدیک دشمن یا چور کے خطرہ سے گھر کی حفاظت کی خاطر گھر میں کتا رکھنا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

واما اقتناؤه للصید وحراسة الماشیة والبیوت والزرع فیجوز بالاجماع لکن لا ینبغی ان یتخذه فی داره الا ان خاف لصوصا او اعداء۔[2]

شکار کے لیے، مویشیوں، گھروں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا بالاجماع جائز ہے، لیکن گھر کے اندر کتا نہیں رکھنا چاہیے۔ البتہ اگر چوروں اور دشمنوں کا خوف ہو پھر جائز ہے۔

وفی الاجناس لا ینبغی ان یتخذ کلبا الا ان یخاف من اللصوص اوغیرهم۔[3]

اجناس میں ہے کتا نہیں رکھنا چاہیے البتہ اگر چوروں وغیرہ کا خوف ہو پھر جائز ہے۔

بَابُ حِلِّ اُجْرَةِ الْحِجَامَةِ
فصد لگانے کی اجرت کا حلال ہونا

۳۹۲۶ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ وَ قُتَیْبَةُ وَعَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمَاعِیْلُ یَعْنُوْنَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَیْدٍ قَالَ

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے والے کی اجرت کے متعلق سوال کیا گیا انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی تھی، حضرت ابوطیبہ

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۴۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۱ مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهُ اَبُوْ طَيْبَةَ فَاَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ اَهْلَهُ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ هُوَ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمْ۔

رضی اللہ عنہ نے آپ کو فصد لگائی تھی، آپ نے اس کو دو صاع اناج دینے کا حکم دیا اور ان کے مالکوں سے سفارش کی کہ اس کے خراج سے کچھ کم کر دیں اور فرمایا تمہاری دواؤں میں بہتر ین چیز فصد لگانا ہے یا فرمایا: یہ تمہاری بہتر ین دواؤں میں سے ہے۔

۳۹۲۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ قَالَ نَا مَرْوَانُ يَعْنِي الْفَزَارِيَّ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ فَلَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ۔

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے والے کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا، حضرت انس نے اس کی مثل جواب دیا اور سابق جملے کی بجائے یہ فرمایا تمہاری داؤوں میں بہترین چیز فصد لگانا اور عود ہندی ہے۔ اپنے بچوں کا حلق دبا کر انہیں تکلیف نہ دو۔ (یعنی حلق دبانے کی بجائے اس کو عود ہندی کھلا دو، یہ حلق کی بیماری میں مفید ہے)

۳۹۲۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ قَالَ نَا شَبَابَةُ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ فَاَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ اَوْ مُدٍّ اَوْ مُدَّيْنِ وَكَلَّمَ فِيْهِ فَخُفِّفَ عَنْ ضَرِيْبَتِهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے ہمارے ایک غلام کو بلایا اس نے آپ کے فصد لگائی۔ آپ نے اس کو ایک صاع (۴.۲۵ کلو گرام) یا ایک یا دو مد (ایک مد ایک کلو گرام کے برابر ہے) دینے کا حکم دیا اور اس کے خراج میں کم کرنے کی سفارش کی۔ سو اس کے خراج میں کمی کر دی گئی۔

(ف) غلام کے مالک غلام کے لیے کچھ رقم مقرر کر دیں کہ تم نے اتنے پیسے روزانہ محنت مزدوری سے کما کے لاکر دینے ہیں اس کو خراج اور ضریبۃ کہتے ہیں۔

۳۹۲۹۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا الْمَخْزُوْمِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ وُهَيْبٍ قَالَ اَنَا الْمَخْزُوْمِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور فصد لگانے والے کو اس کی اجرت دی اور ناک میں دوا ڈالی۔

كِلَاهُمَا عَنْ وُهَيْبٍ قَالَ نَا طَاوُسٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعَطَ۔

۳۹۳۰- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالَا أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لِبَنِي بَيَاضَةَ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَهُ وَكَلَّمَ سَيِّدَهُ فَخَفَّفَ عَنْهُ مِنْ ضَرِيبَتِهِ وَلَوْ كَانَ سُحْتًا لَمْ يُعْطِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجرت دی اور اس کے مالک سے سفارش کی کہ اس کے خراج سے کچھ کم کر دیں۔ پس اس نے اس کے خراج سے کم کر دیا۔ اگر فصد کی کمائی حرام ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اجرت نہ دیتے۔

فصد لگانے کی اجرت کے حکم میں مذاہب

اس باب کی احادیث فصد لگانے والے کی اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اور یہی جمہور فقہاء اسلام کا موقف ہے جیسا کہ ہم باب نمبر ۵۰ میں بیان کر چکے ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے جمہور کے نزدیک وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہیں کیونکہ اس کسب میں نجاست کے ساتھ تلوث ہوتا ہے، علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے یہ اجرت اس لیے مکروہ ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے مسلمان بھائی کی بلا معاوضہ معاونت کرے، علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "فصد لگانے والے کی کمائی خبیث ہے" اس کا محل یہ ہے کہ جب عمل مجہول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے کو اجرت اس وقت عطا کی تھی جب اس کا عمل معلوم تھا، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں، امام طحاوی کا بھی یہی مختار ہے۔[۱]

فصد کا طبی حکم

فصد لگانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی آلے کے ذریعہ جسم سے خون نکال لیا جائے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ فصد لگانے کا طبی حکم زمانے، جگہ اور مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، گرم علاقوں، گرمیوں کے موسم اور گرم مزاج والوں میں فصد لگانا مفید ہے اور ٹھنڈے علاقوں میں سردیوں کے موسم میں اور سرد مزاج والے لوگوں میں فصد لگانا نقصان دہ ہے۔ اسی طرح نوجوان لوگوں میں یہ مفید ہے اور بوڑھے لوگوں میں نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے "تمہارا بہترین علاج فصد لگوانا ہے" اہل معرفت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۵۹ مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کا یہ خطاب اہل حجاز کے لیے ہے اور ان دیگر گرم علاقوں کے لیے ہے جو حجاز کے حکم میں ہیں۔[۱]

ان احادیث میں علاج کی مشروعیت پر بھی دلیل ہے، مقالات سعیدی میں "علاج کی شرعی حیثیت" کے زیر عنوان ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے، نیز شرح صحیح مسلم جلد ثانی کی کتاب الجنائز میں بھی ہم نے علاج کی بعض صورتوں سے مفصل بحث کی ہے جس میں انتقال خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوند کاری اور ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کی ابحاث لائق مطالعہ ہیں۔

بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ
شراب کی بیع کا حرام ہونا

۳۹۳۱ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَبُو هَمَّامٍ قَالَ نَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ وَلَعَلَّ اللَّهَ سَيُنْزِلُ فِيهَا أَمْرًا فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلْيَبِعْهُ وَلْيَنْتَفِعْ بِهِ قَالَ فَمَا لَبِثْنَا إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هَذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ قَالَ فَاسْتَقْبَلَ النَّاسُ بِمَا كَانَ عِنْدَهُمْ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمَدِينَةِ فَسَفَكُوهَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے شراب (کی حرمت) کا اشارۃً ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ عنقریب اس کے متعلق کوئی (قطعی) حکم نازل فرمائے گا، سو جس شخص کے پاس کچھ شراب ہو وہ اس کو فروخت کر کے اس (کی قیمت) سے فائدہ اٹھا لے" حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ ہمیں چند روز ہی ہوئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے، سو جس شخص کو حرمت شراب کی آیت معلوم ہو جائے اور اس کے پاس شراب ہو وہ نہ اس کو پیے اور نہ فروخت کرے" حضرت ابو سعید کہتے ہیں پھر جن لوگوں کے پاس شراب تھی انہوں نے اس کو لا کر مدینہ کے راستوں پر بہا دیا۔

۳۹۳۲ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ وَغَيْرُهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ

عبد الرحمن بن وعلہ سبائی مصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انگور کے شیرے کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ اَنَّهٗ جَآءَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَّغَيْرُهٗ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ السَّبَائِيِّ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ اَنَّهٗ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاوِيَةَ خَمْرٍ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَهَا قَالَ لَا فَسَارَّ اِنْسَانًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَ سَارَرْتَهٗ فَقَالَ اَمَرْتُهٗ بِبَيْعِهَا فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا قَالَ فَفَتَحَ الْمَزَادَةَ حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِيْهَا۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شراب کی ایک مشک ہدیہ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا ہے؟" اس نے کہا: "نہیں" اس شخص نے کسی سے سرگوشی میں کوئی بات کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم نے اس سے کیا کہا ہے؟" اس نے کہا میں نے اس سے شراب کو فروخت کرنے کے لیے کہا ہے، آپ نے فرمایا: "جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام کر دیا ہے۔" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس شخص نے مشک کا منہ کھول کر ساری شراب بہا دی۔

٣٩٣٣ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مروی ہے۔

٣٩٣٤ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَّاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ زُهَيْرٌ نَا وَقَالَ اِسْحَاقُ اَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ اَبِي الضُّحٰى عَنْ عَآئِشَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں پر وہ آیات تلاوت کیں اور لوگوں کو شراب کی تجارت سے منع کر دیا۔

قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتِ الْاٰيَاتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْتَرَاهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ نَهٰى عَنِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ۔

۳۹۳۵ - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ كُرَيْبٍ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اُنْزِلَتِ الْاٰيَاتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سود کے بارے میں سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور شراب کی تجارت حرام فرما دی۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے

علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ احکام شرعیہ وارد ہونے سے پہلے اشیاء میں تحریم وغیرہ کا حکم نہیں تھا، تاآنکہ کوئی شرعی حکم آجائے (کیونکہ شراب حرام ہونے سے پہلے پی جاتی تھی) اور اس مسئلہ میں اصولیین کا اختلاف مشہور ہے، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ شریعت وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم ہوتا ہے نہ انسان کسی حکم کا مکلف ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ "ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں" دوسرا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل تحریم ہے حتیٰ کہ کوئی شرعی حکم آجائے، تیسرا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اصل اشیاء میں اباحت ہے اور جب کتے کو رکھنے سے ممانعت اور ان کو قتل کرنے کا حکم وارد ہوا تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ کتوں کو رکھنا حرام ہے اور ان کی بیع حرام ہے، اور جس چیز سے نفع حاصل کرنا حرام ہو اس کی قیمت بھی حرام ہوتی ہے[2]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے تحریر میں تصریح کی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ علامہ ابن ہمام کے تلمیذ علامہ قاسم نے بھی یہی لکھا ہے۔ ہدایہ اور خانیہ میں بھی

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۰۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اسی طرح ہے۔ شرح تحریر میں ہے معتزلہ بصرہ، کثیر شافعیہ اور کثیر حنفیہ خصوصاً عراقیین کا یہی موقف ہے، امام محمد نے فرمایا "مردار کا کھانا اور شراب کا پینا شریعت کی ممانعت سے حرام ہوا ہے" اس سے معلوم ہوا انھوں نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے[1]

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں ہے کیونکہ اس عورت کے حق میں نکاح کی نعمت فوت ہی نہیں ہوئی کہ وہ اس پر افسوس کرتی اور اباحت اصل ہے[2]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں یعنی اصل میں زینت مباح ہے۔[3]

علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں اصل میں خوشبو کا استعمال کرنا مباح ہے۔[4]

قرآن کی روشنی میں شراب کی حرمت کا بیان

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: شراب مال کو ضائع کرتی ہے اور عقل کو معطل کر دیتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بارے میں حکم نازل فرمائے، حضور نے دعا کی اے اللہ! ہمارے لیے بیان شافی نازل فرما، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس۔ "یہ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا نفع ہے" کچھ لوگ شراب پینے سے رک گئے اور کچھ لوگ پیتے رہے اور کہا اس میں ہمارا نفع ہے اور گناہ کو ہم ترک کر دیں گے، حضرت عمر نے دعا کی اے اللہ زیادہ بیان فرما تب یہ آیت نازل ہوئی: لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون۔ "نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" بعض لوگوں نے شراب چھوڑ دی اور کہا جو چیز ہمیں نماز سے روکے اس میں خیر نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہم اس وقت شراب پی لیں گے جب نماز کا وقت نہیں ہوگا، حضرت عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ زیادہ بیان فرما، پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ○ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ○

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر ناپاک ہی ہیں، شیطانی کاموں سے (ہیں) تو تم ان سے بچو تاکہ کامیاب ہو جاؤ، شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم (ان کاموں سے) باز آنے والے ہو؟

(مائدہ: ۹۱-۹۰)

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار ج ۱ ص ۹۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ۔

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۵ " "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو سن کر فرمایا: ہم باز آگئے۔[۱]

علامہ شامی لکھتے ہیں اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل: شراب کا ذکر جوئے، بت اور جوئے کے تیروں کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب حرام ہیں۔ دوسری دلیل: شراب کو ناپاک (رجس) فرمایا اور ناپاک چیز حرام ہوتی ہے۔ تیسری دلیل: شراب کو عمل شیطان فرمایا اور عمل شیطان حرام ہے۔ چوتھی دلیل: شراب سے اجتناب کا حکم دیا اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہوتا ہے۔ پانچویں دلیل: فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق کیا اس لیے اجتناب فرض اور ارتکاب حرام ہوا۔ چھٹی دلیل: شراب کے سبب سے شیطان عداوت واقع کرتا ہے، اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، ساتویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان بغض واقع کرتا ہے اور بغض حرام ہے: آٹھویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے، نویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان نماز سے روکتا ہے، دسویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے صیغہ استفہام کے ساتھ نہی بلیغ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم (شراب پینے سے) باز آنے والے ہو؟[۲]

احناف کے نزدیک خمر کی تعریف اور خمر اور دیگر شرابوں کا حکم

قرآن مجید نے (خمر) شراب کو حرام کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر انگور کے کچے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے انی اعصر خمرا (یوسف: ۳۶) "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر کو نچوڑ رہا ہوں یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔[۳]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے، اس کا پینا، رکھنا، بیچنا اور خریدنا سب حرام قطعی ہے۔ خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں ایک باذق ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے۔ تیسرا نقیع الزبیب یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے[۴] ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست خفیفہ ہے۔ جبکہ یہ اس مقدار میں ہوں جو نشہ آور ہو۔ اور اس سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی اور باقی تین شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب نشہ ہو جائے۔[۵]

---

[۱]۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[۲]۔ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۷-۲۹۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[۳]۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[۴]۔ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۹ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[۵]۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۵ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

امام ابوحنیفہ پر نشہ آور شرابوں کو حلال کرنے کا اعتراض اور اس کا جواب

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] اس کی تشریح میں علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: یہ عبارت اس میں نص ہے کہ جو شراب گندم، جو اور شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے، اس کے پینے والے پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس کو ان شرابوں سے نشہ ہو جائے اور جس کو ان شرابوں سے نشہ ہو جائے اس کی طلاق بھی نہیں واقع ہوگی۔[2]

ہدایہ کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس دور کی تمام نشہ آور شرابوں کو حلال کر دیا ہے اور نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دینا احادیث صحیحہ کی صراحت اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابوالحسن مرغینانی نے جامع صغیر کی عبارت کی جو تخریج کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ جامع صغیر کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابوں کو نشہ کی حد تک پینا بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو حرام قطعی ہے باقی تین شرابیں (باذق، سکر اور نقیع الزبیب) حرام ظنی ہیں اور ان چار کے علاوہ باقی چیزوں کی شراب پینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ان کو اس مقدار سے کم پیا جائے جس سے نشہ ہو جاتا ہے کیونکہ مقدار نشہ تک پینے کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جو مشروب بھی اتنی مقدار میں پی لیا جائے جس سے نشہ ہو جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے، خود علامہ ابوالحسن مرغینانی نے لکھا ہے کہ: مختصر (قدوری) میں ہے چھواروں اور کشمش کے نبیذ کو جب ہلکا جوش دیا جائے تو وہ حلال ہے خواہ گاڑھا ہو جب کہ اس کو ظن غالب ہو کہ اس کے پینے سے نشہ نہیں ہوگا اور اس کا پینا لہو اور طرب کی وجہ سے نہ ہو (بلکہ طاقت کے لیے ہو) یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے۔[3]

چھواروں اور کشمش کا نبیذ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے لیکن امام ابوحنیفہ نے اس کے پینے کی شرط یہ لگائی ہے کہ جب پینے والے کو یہ ظن غالب ہو کہ اس سے نشہ نہیں ہوگا اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اس سے نشہ ہو جائیگا تو پھر اس کا پینا جائز نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابیں اس وقت حلال ہیں جب نشہ آور نہ ہوں یا اس مقدار میں حلال ہیں جب نشہ آور نہ ہوں، اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ علامہ ابوالحسن مرغینانی نے لکھا ہے کہ انگور کے شیرے کو جب پکا لیا جائے اور وہ ایک تہائی رہ جائے تو وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حلال ہے خواہ گاڑھا ہو اور باقی ائمہ اور فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرمت الخمر لعینها قلیلها و کثیرها و السکر من کل شراب "خمر بعینہ حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر وہ مشروب حرام ہے جو نشہ آور ہو" اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر خمر میں نشہ آور ہونے کی قید لگائی ہے۔[4]

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، الجامع الصغیر ص ۱۵۲ مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند، ۱۲۹۱ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

[3] " " " " ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶

[4] " " " " ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۷

علامہ ابوالحسن مرغینانی نے امام ابوحنیفہ کی جو دلیل پیش کی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو مشروب نشہ آور ہو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ادھ کچی اور ادھ پکی کھجوروں کو ملا کر جو مشروب بنایا جائے وہ نشہ آور ہونے سے پہلے حلال ہے۔ [۱]

اس مشروب کے بھی حلال ہونے کی شرط، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبل از اسکار (نشہ) ہے۔

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ المحرم عصیر العنب النیٔ فمن شرب منھا ولو نقطۃ حد وما عداھا لا یحد الا بالسکر۔ [۲]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں انگور کا کچا شیرہ حرام ہے، جس نے اس کا ایک قطرہ بھی پیا اس پر حد لگائی جائے گی اس کے ماسوا جو شرابیں ہیں ان کے پینے پر اس وقت حد لگائی جائے گی جب ان سے نشہ ہو جائے۔

علامہ عینی نے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امام محمد نے جامع صغیر میں جو یہ لکھا ہے کہ ان "چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے"، اس عبارت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ وہ شرابیں اس مقدار میں نہ پی جائیں جس سے نشہ ہو جائے، کیونکہ شراب کی جو مقدار نشہ آور ہو وہ بالاجماع حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

علامہ علائی لکھتے ہیں:

ولکن لا یحد شاربہ عندنا (بلا سکر) وبہ یحد اجماعا۔ [۳]

لیکن ہمارے نزدیک بغیر نشہ کے نبیذ پینے والے پر حد نہیں لگائی جائے گی اور نشہ کے ساتھ اجماعاً حد لگائی جائے گی۔

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وقال الشافعی یحد لانہ شرب جزأ من اجزاء الخمر ولنا ان قلیلہ لا یدعو الی کثیرہ لما فی الطباع من النبوۃ عنہ فکان ناقصا فاشبہ غیر الخمر من الاشربۃ ولا فیھا الا بالسکر۔ [۴]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبیذ پینے پر حد لگے گی، کیونکہ اس نے خمر کے اجزاء میں سے ایک جز پی لیا، ہم کہتے ہیں کہ نبیذ کی قلیل مقدار، کثیر مقدار کی طرف دعوت نہیں دیتی کیونکہ طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے، سو یہ ناقص ہے اور خمر کے علاوہ دوسری شرابوں کے مشابہ ہے۔ اور دوسری شرابوں میں بغیر نشہ کے حد نہیں لگتی۔

---

[۱]۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[۲]۔ " " " " ، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۷، " " "

[۳]۔ علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[۴]۔ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۴، " "

ہم نے بکثرت حوالہ جات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کے علاوہ دیگر شرابیں اس وقت حلال ہیں جب ان کو مقدار نشہ سے کم پیا جائے اور مقدار نشہ میں امام اعظم کے نزدیک ان کا پینا حرام ہے اور اس پر حد واجب ہوگی۔ اس لیے جامع صغیر کی زیر بحث عبارت میں بھی یہ قید ملحوظ ہے کہ "ان شرابوں کو مقدار نشہ تک نہ پیا جائے" اور علامہ ابوالحسن مرغینانی نے جامع صغیر کی اس عبارت پر جو یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ "امام ابوحنیفہ کے نزدیک گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی گئی شرابیں حلال ہیں خواہ نشہ آور ہوں" وہ علامہ ابوالحسن کی خطاء فاحش ہے۔ میں نے ہدایہ کی متعدد شروح اور حواشی کو دیکھا کسی نے علامہ ابوالحسن صاحب ہدایہ کی اس خطاء پر متنبہ نہیں کیا۔ میں نے اپنے معاصرین اور اکابر علماء سے بھی ہدایہ کی اس عبارت پر مذاکرہ کیا لیکن کوئی شخص اس کا جواب نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم سے میں نے جب پہلی بار اس عبارت پر غور کیا تھا تو اسی وقت میرے ذہن میں یہ آیا تھا کہ جامع صغیر کی اس عبارت پر علامہ ابوالحسن کی ذکر کردہ یہ تخریج صحیح نہیں ہے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس تخریج سے پہلے ہدایہ میں لکھا ہے کہ جامع صغیر کے شارحین نے کہا ہے کہ یہ حکم اس عموم اور بیان کے ساتھ جامع صغیر کے علاوہ اور کسی کتاب میں نہیں ہے لیکن اس شذوذ کا تقاضا تو یہ تھا کہ جامع صغیر کی اس عبارت کے عموم اور اطلاق کی قید بیان کی جاتی نہ یہ کہ اس عموم اور اطلاق سے ایسے مسائل نکالے جاتے اور ان کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا جن سے امام ابوحنیفہ بری ہیں، اللہ تعالیٰ علامہ ابوالحسن مرغینانی صاحب ہدایہ کی اس لغزش کو معاف فرمائے (آمین) اور امام ابوحنیفہ کا موقف واضح کرنے میں اس گنہ گار نے جو کاوش اور سعی کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ قرآن اور سنت کے علوم اور امام ابوحنیفہ کی فقاہت سے اس عاجز کو حظ وافر عطا فرمائے اور تمام جسمانی اور روحانی بیماریوں سے کلی نجات عطا فرمائے۔ امین یا رب العلمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الکوحل کا شرعی حکم

ہم فقہ حنفی کی متعدد کتابوں کے حوالہ جات سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ خمر کے علاوہ دیگر شرابوں کی قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اس لیے الکوحل بھی اگر اس قلیل مقدار میں ہو تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ الکوحل انگور اور کھجور سے نہیں بنائی جاتی بلکہ شہد، شیرہ مختلف دانے، جو، انناس، گندھک، ادرک کی جڑ اور دیگر نشاستہ دار اشیاء سے بنائی جاتی ہے۔ جب کہ خمر کے لیے صرف انگور سے بنایا جانا کافی نہیں بلکہ انگور کا کچا شیرہ جو پڑے رہنے سے جھاگ چھوڑ دے وہ خمر کہلاتا ہے، اس لیے الکوحل پر خمر کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اور الکوحل کی وہ مقدار جو حد نشہ تک نہ پہنچے، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔

الکوحل آمیز دواؤں پرفیوم اور الکوحل اور سپرٹ کے دیگر مرکبات کا حکم مذاہب اربعہ کی روشنی میں

مذکورہ الصدر تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ قلیل اور غیر نشہ آور مقدار میں الکوحل اور سپرٹ کا استعمال جائز ہے، کیونکہ وہ

لہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

حرام ہے نہ نجس، اس لیے ایلو پیتھک کی مائع ادویات اور ہومیو پیتھک کی ادویات کا استعمال کرنا جائز ہے۔ پرفیوم کا اسپرے کرنا جائز ہے، سینٹ لگانا جائز ہے، انجکشن لگانے سے پہلے اور بعد جسم پر اسپرٹ لگانا جائز ہے، غرضیکہ اسپرٹ اور الکوحل کے تمام مرکبات کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حرام ہیں نہ نجس۔

ایک علمی مجلس میں جب میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تو اس پر ایک معمر فقیہ[1] نے یہ اعتراض کیا کہ غیر خمر کی قلیل مقدار کو یہ تو لکھا ہے کہ حرام نہیں ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ نجس نہیں ہے، میں نے کہا فقہاء نے قلیل مقدار میں اس کے پینے کی اجازت دی ہے، تو کیا آپ کی رائے میں نجس چیز کا پینا جائز ہے؟ اس پر وہ بزرگ بالکل خاموش ہو گئے۔!

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو چیز کثیر مقدار میں نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہوتی ہے۔ اس لیے الکوحل اور اسپرٹ کی قلیل مقدار بھی ان کے نزدیک ناجائز ہے اور جن دواؤں میں الکوحل ملی ہوئی ہو ان کا استعمال ان کے نزدیک ناجائز ہے

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: خمر، نبیذ اور دیگر نشہ آور مشروبات کو کیا بطور دواء یا پیاس بجھانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اس میں مشہور قول چار ہیں۔ اول: جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں نشہ آور مشروب کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے (ثانی) دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ (ثالث) بطور دواء جائز ہے اور پیاس بجھانے کے لیے جائز نہیں ہے (رابع) پیاس بجھانے کے لیے جائز ہے اور بطور دوا جائز نہیں ہے۔ علامہ رافعی نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔[2]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دواء کے طور پر بھی خمر کو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ نبیذ کو دواء کے لیے تیار کیا جائے؟ آپ نے فرمایا یہ دواء نہیں، بیماری ہے۔[3]

(ہمارے نزدیک یہ نبیذ مسکر پر محمول ہے اور دواؤں میں الکوحل کی جتنی مقدار ہوتی ہے وہ مسکر نہیں ہے۔ سعیدی)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

دواء کے لیے خمر کو پینا ناجائز ہے خواہ موت کا خدشہ ہو کیونکہ اس میں شفاء نہیں ہے نہ پیاس بجھانے کے لیے اس کو پینا جائز ہے کیونکہ یہ پیاس بڑھاتی ہے۔[4]

فتاویٰ اسلامیہ میں ہے:

فقہاء مذاہب کا خمر اور دیگر حرام دواؤں سے علاج میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام مالک نے حرام دواؤں سے علاج کو منع کیا ہے، فقہاء حنفیہ کے قول مختار میں یہ جائز ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک ایک قول میں یہ جائز ہے، بشرطیکہ مسلمان طبیب یہ خبر دے کہ یہ دواء متعین ہے اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے۔[5]

---

[1] مولانا وقار الدین کراچی۔

[2] علامہ یحیٰی بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب ج ۹ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[3] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۳۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[4] علامہ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد دردیر مالکی، الشرح الصغیر ج ۴ ص ۵۰۲، مطبوعہ دار المعارف ۱۹۷۴ء

[5] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱۰ ص ۳۴۹۲ - ۳۴۹۱، مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۳ھ

خمر کو سرکہ بنانے پر علامہ نووی کے اعتراض کا جواب

فقہاء احناف کے نزدیک خمر کو سرکہ بنانا اور سرکہ بنا کر استعمال کرنا جائز ہے[1] علامہ نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحابہ کرام نے شراب بہا دی تھی اگر شراب کو سرکہ بنانا جائز ہوتا تو آپ ان کو بہانے سے منع فرما دیتے اور سرکہ بنانے کی ہدایت دیتے کیونکہ آپ صحابہ کی خیر خواہی پر حریص تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں خمر کے سلسلے میں بہت شدت کی گئی تھی حتیٰ کہ ان برتنوں کے استعمال سے بھی روک دیا تھا جن میں شراب بنائی جاتی تھی اس وجہ سے آپ نے شراب بہانے سے منع نہیں کیا اور خمر جب سرکہ بن گئی تو اس کی ماہیت بدل گئی اب اس پر سرکہ کے احکام جاری ہوں گے۔ خمر کے احکام جاری نہیں ہوں گے

علامہ نووی لکھتے ہیں یہ اختلاف اس وقت ہے جب خمر کو سرکہ بنایا جائے لیکن اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر شراب کو سرکہ بنایا جائے تو صرف امام ابو حنیفہ اور اوزاعی کے نزدیک جائز ہے اور ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک بھی جائز ہے، امام شافعی اور امام احمد اس کو بہر حال ناجائز کہتے ہیں[2]

بَابُ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ

شراب، مُردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کا حرام ہونا

۳۹۳۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهُ يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَتُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں فتح مکہ کے سال یہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر، مردار اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ مُردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے اور کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور لوگ (چراغ جلا کر) اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں، وہ حرام ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر دے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر مُردار کی چربیاں کو حرام کیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۹ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ ھ

قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهَا أَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهٗ

۳۹۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا نَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا الضَّحَّاكُ يَعْنِيْ أَبَا عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ قَالَ كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ أَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ۔

امام مسلم نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے۔

۳۹۳۸۔ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ بَكْرٍ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ سَمُرَةَ بَاعَ خَمْرًا فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ سَمُرَةَ أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے، تو انھوں نے فرمایا سمرہ پر خدا کی مار! کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کی گئی تھی انھوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا۔

۳۹۳۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ بِسْطَامٍ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ نَا رَوْحٌ يَعْنِي ابْنَ الْقَاسِمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

عمرو بن دینار سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۹۴۰- وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اِبْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمَ فَبَاعُوْهَا وَاَكَلُوْا اَثْمَانَهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تھی، انھوں نے اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی۔

۳۹۴۱- وَحَدَّثَنِیْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰی قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَ عَلَيْهِمُ الشَّحْمُ فَبَاعُوْهُ وَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی، انھوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔

اللہ اور رسول کی طرف ضمیر واحد لوٹانے کی توجیہ

حدیث نمبر ۳۹۳۶ میں ہے: ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر، الحدیث اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حرما بصیغہ تثنیہ ہوتا اس کا علامہ عینی نے یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر، اللہ تعالیٰ کے امر سے الگ اور متغائر نہیں ہے اس لیے واحد کے صیغہ سے ذکر فرمایا۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر ہے: واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (توبہ: ۶۲) نیز فرمایا: ان اللہ بریء من المشرکین ورسولہ (توبہ: ۳)[1]

آیا مردار کا صرف گوشت حرام ہے یا اس کے تمام اجزاء؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام شافعی اور امام احمد کا یہ نظریہ ہے کہ مردار کا گوشت، اس کے بال، ناخن، کھال اور ہڈی تمام اجزاء نجس ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ جن اجزاء میں حیات نہیں ہوتی وہ موت سے نجس نہیں ہوتے، مثلاً بال، ناخن، سینگ، کھر، ــــــ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت کی کنگھی تھی اور ہاتھی کا دانت اس کی ہڈی ہے اور ہاتھی کا گوشت چونکہ کھایا نہیں جاتا اس لیے وہ مردار ہے۔ پس

---

[1] علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

ثابت ہو گیا کہ مُردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، نیز سنن دارقطنی میں حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کے صرف گوشت کو حرام کیا ہے، اس کی کھال، بال اور اُون میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز سنن دارقطنی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُردار کی مشک کو جب رنگ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور اس کے اُون، بال اور سینگوں کو جب پانی سے دھو لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پہلی روایت کی سند میں ایک راوی عبدالجبار بن مسلم ہے اس کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان نے عبدالجبار کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں ایک راوی یوسف بن ابی السفر ہے اس کو دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے جو اصولیین کے نزدیک غیر مقبول ہے۔[1]

کیا مُردہ انسان کے اجزاء سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ مردہ انسان کی بیع حرام ہے خواہ وہ مُردہ مسلمان ہو یا کافر، مردہ مسلمان کی بیع اس کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے حرام ہے حتیٰ کہ اس کے بال اور کھال سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے، اور مُردہ کافر کی بیع کی ممانعت پر یہ دلیل ہے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ جب خندق میں داخل ہوا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو مشرکین نے اس کی لاش کو خریدنا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں اس کے جسم کی ضرورت ہے نہ اس کی قیمت کی۔[2]

فتاویٰ اسلامیہ مصریہ میں ہے:

قال الحنفیة علی ماجاء فی الدر المختار للحصکفی وحاشیة رد المحتار لابن عابدین فی الجزء الخامس، ان لحم الانسان لایباح فی حال الاضطرار ولوکان میتا للکرامة المقررة فی قوله تعالی ولقد کرمنا بنی آدم۔[3]

حصکفی کی در مختار اور ابن عابدین کا جو اس پر رد المحتار حاشیہ ہے اس کی پانچویں جلد میں تصریح ہے کہ فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ حالِ اضطرار میں بھی انسان کا گوشت مباح نہیں ہے، خواہ انسان مُردہ ہو کیونکہ اس کی کرامت ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے بنو آدم کو عزت دی ہے۔

اس مسئلہ پر مکمل اور مفصل بحث ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الجنائز میں کر چکے ہیں، خصوصاً اہل علم کے لیے یہ بحث لائق مطالعہ ہے۔ اس بحث میں ہم نے انسانی اعضاء کی پیوند کاری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

حیلہ کی تحقیق

حدیث نمبر ۳۹۳۸ میں ہے: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی، انھوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا۔ اس حدیث کی بناء پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حیلہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ بنو اسرائیل نے چربی فروخت کرنے کے لیے حیلہ کیا تو ان کی مذمت کی گئی اسی طرح انھوں نے مچھلیوں کو حیلہ سے اتوار کے دن شکار کیا تو اس وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بنو اسرائیل نے حیلہ نہیں کیا تھا بلکہ بعینہٖ حرام کا ارتکاب

---

[1] علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱۲ ص ۵۶، مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] " " " " ، عمدة القاری ج ۱۲ ص ۵۵،

[3] الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ، ج ۱۰ ص ۳۵۵۹، مطبوعہ قاہرہ، ۱۴۰۳ھ

کیا تھا، کیونکہ چربی پگھلانے کے بعد بھی چربی ہی رہتی ہے اور ہفتہ کے دن شکار منع تھا۔ وہ ہفتہ کے دن ایک نالی کے راستہ مچھلیوں کو ایک حوض میں جمع کر لیتے اور اتوار کو ان کا شکار کر لیتے، ان کا مچھلیوں کو حوض میں جمع کر لینا ہی مچھلیوں کا شکار کرنا تھا۔ اس لیے یہ حیلہ نہیں ہے۔

شریعت کے بہت سے احکام حیلہ پر مبنی ہیں اور حیلہ کا انکار کرنا، احکام شرعیہ کا انکار کرنا ہے۔ علامہ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے حیلہ کی دو قسمیں ہیں، مستحسن اور مکروہ اور ان کی حسب ذیل تعریفیں کی ہیں:

ما یتخلص بہ الرجل من الحرام او یتوصل بہ الی الحلال من الحیل فھو حسن وانما یکرہ ذلک ان یحتال فی حق لرجل حتی یبطلہ او فی باطل حتی یموھہ او فی حق حتی یدخل فیہ شبھۃ فما کان علی ھذا السبیل فھو مکروہ[1]

جس حیلہ کی وجہ سے انسان حرام سے چھٹکارا پائے یا جس حیلہ کی وجہ سے حلال چیز کو حاصل کرے وہ مستحسن ہے اور حیلہ اس وقت مکروہ ہے جب حیلہ کر کے کسی شخص کے حق کو باطل کرے یا حیلہ کر کے کسی باطل کو حق کر کے دکھلائے یا حیلہ کر کے کسی حق میں شبہ ڈالے، اس قسم کے حیلے مکروہ ہیں۔

قرآن مجید سے حیلہ کا ثبوت

وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث۔ (ص: ۴۴)

اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو پکڑو اور اس کے ساتھ مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو سو تنکوں والی ایک جھاڑو مار دو۔ اور اپنی قسم نہ توڑو۔

فلما جھزھم بجھازھم جعل السقایۃ فی رحل اخیہ۔ (یوسف: ۷۰)

پھر جب ان کا سامان تیار کیا تو (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

قرآن مجید کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے ملکی قانون کی رو سے جس شخص کے سامان سے مسروقہ مال برآمد ہو اس شخص کو پکڑ لیا جاتا تھا اس حیلہ کے ذریعہ حضرت یوسف اپنے بھائی کو روک سکتے تھے، حضرت یوسف کو یہ حیلہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم کیا تھا کذلک کدنا لیوسف (یوسف: ۷۶) یہ آیت بھی حیلہ کے جواز اور استحسان پر واضح دلیل ہے۔

حدیث سے حیلہ کا ثبوت

علامہ سرخسی نے حیلہ کے جواز پر احادیث اور آثار کو پیش کیا ہے ہم اس سلسلہ میں ایک واضح حدیث کو پیش کر رہے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو عامل بنا کر خیبر بھیجا، وہ بہت عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۳۰ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

اكل تمر خيبر هكذا، قال لا والله يا رسول الله انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا ¹

نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، بخدا، یا رسول اللہ ہم دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع ایسی کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع کھجوریں دے کر دو صاع ایسی کھجوریں لیتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، سب کھجوریں دراہم کے بدلے بیچ دو، پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو۔

بَابُ الرِّبَا ۵۱۲

سود کا بیان

۳۹۴۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو سونے کے عوض صرف برابر برابر فروخت کرو اور بعض سونے کے عوض کم سونا فروخت مت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض صرف برابر برابر فروخت کرو اور بعض چاندی کو کم چاندی کے عوض فروخت مت کرو اور ان میں سے کسی کو ادھار مت فروخت کرو۔

۳۹۴۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي لَيْثٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَأْثِرُ هٰذَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ فَذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ وَنَافِعٌ مَعَهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ رُمْحٍ قَالَ نَافِعٌ فَذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ

نافع کہتے ہیں کہ بنو لیث کے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ قتیبہ کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر اور نافع اس شخص کے ساتھ گئے اور ابن رمح کی حدیث میں ہے کہ نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر گئے اور میں اور لیثی ان کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ ابن عمر، حضرت ابو سعید خدری کے پاس تشریف لے گئے، حضرت ابن عمر نے کہا اس شخص نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں چاندی

¹ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

وَاَنَا مَعَهٗ وَاللَّيْثِيُّ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اَخْبَرَنِيْ اَنَّكَ تُخْبِرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَعَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَاَشَارَ اَبُوْ سَعِيْدٍ بِاِصْبَعَيْهِ اِلٰى عَيْنَيْهِ وَاُذُنَيْهِ فَقَالَ اَبْصَرَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا شَيْئًا غَائِبًا مِّنْهُ بِنَاجِزٍ اِلَّا يَدًا بِيَدٍ۔

کو برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو اور سونے کو سونے کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو، تو حضرت ابو سعید نے اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں اور کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو، اور بعض چاندی کو کم چاندی کے عوض مت فروخت کرو، اور ہاتھ کے ہاتھ فروخت کرو اور ادھار مت فروخت کرو۔

۳۹۴۴ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ قَالَ نَا جَرِيْرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِنَحْوِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

امام مسلم نے دو سندوں کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

۳۹۴۵ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض مت فروخت کرو مگر برابر برابر ناپ اور تول دونوں میں مساوی ہوں۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ۔

۳۹۴۶ - حَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ وَهَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى قَالُوْا نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَخْرَمَةُ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَقُوْلُ أَنَّهُ سَمِعَ مَالِكَ بْنَ أَبِيْ عَامِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الدِّيْنَارَ بِالدِّيْنَارَيْنِ وَلَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں مت فروخت کرو۔

۳۹۴۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ ابْنِ الْحَدَثَانِ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ أَقُوْلُ مَنْ يَصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَرِنَا ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا إِذَا جَآءَ خَادِمُنَا نُعْطِيْكَ وَرِقَكَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْ لَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا

مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں، میں یہ کہتا ہوا آیا کہ دراہم کون فروخت کرتا ہے؟ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا در آں حالیکہ وہ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس تھے، ہمیں اپنا سونا دکھاؤ، اور پھر آنا جب ہمارا نوکر آئے گا تو ہم تمہیں (قیمت) دے دیں گے، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: ہرگز نہیں، تم اس کو چاندی ابھی دو، ورنہ اس کا سونا واپس کر دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چاندی سونے کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو، اور گندم، گندم کے بدلے سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور جو، جو کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور کھجور، کھجور کے بدلے میں سود ہے، مگر جو نقد بہ نقد ہو۔

هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ.

٣٩٤٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

٣٩٤٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ كُنْتُ بِالشَّامِ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ فَجَاءَ أَبُو الْأَشْعَثِ قَالَ قَالُوا أَبُو الْأَشْعَثِ فَجَلَسَ فَقُلْتُ لَهُ حَدِّثْ أَخَانَا حَدِيثَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ نَعَمْ غَزَوْنَا غَزَاةً وَعَلَى النَّاسِ مُعَاوِيَةُ فَغَنِمْنَا غَنَائِمَ كَثِيرَةً فَكَانَ فِيمَا غَنِمْنَا آنِيَةٌ مِنْ فِضَّةٍ فَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا أَنْ يَبِيعَهَا فِي أَعْطِيَاتِ النَّاسِ فَتَسَارَعَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ فَبَلَغَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَامَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاوِيَةَ فَقَامَ خَطِيبًا فَقَالَ أَلَا مَا بَالُ رِجَالٍ يَتَحَدَّثُونَ عَنْ رَسُولِ

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں شام میں لوگوں کے ایک حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں مسلم بن یسار بھی تھے، اتنے میں ابو الاشعث آگئے، راوی کہتے ہیں لوگوں نے کہا ابو الاشعث (آگئے) جب وہ بیٹھ گئے تو میں نے ان سے کہا ہمارے ان بھائیوں کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سناؤ۔ انھوں نے کہا اچھا: ہم ایک جہاد میں گئے جس میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سردار تھے۔ ہم کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا۔ حضرت معاویہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں کی تنخواہوں میں فروخت کر دیں، لوگوں نے اس کو لینے میں جلدی کی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے اٹھ کر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے سونے کی بیع سونے کے عوض، چاندی کی بیع چاندی کے عوض، گندم کی گندم کے عوض، جَو کی جَو کے عوض، کھجور کی کھجور کے عوض اور نمک کی نمک کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے البتہ جو برابر برابر، اور نقد بہ نقد ہو، سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا وہ سود ہو گیا، پس لوگوں نے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی مجلس میں رہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَادِیْثَ قَدْ کُنَّا نَشْھَدُہٗ وَنَصْحَبُہٗ فَلَمْ نَسْمَعْھَا مِنْہُ فَقَامَ عُبَادَۃُ فَاَعَادَ الْقِصَّۃَ فَقَالَ لَنُحَدِّثَنَّ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَرِہَ مُعَاوِیَۃُ اَوْ قَالَ وَاِنْ رَغِمَ مَا اُبَالِیْ اَنْ لَّا اَصْحَبَہٗ فِیْ جُنْدِہٖ لَیْلَۃً سَوْدَآءَ قَالَ حَمَّادٌ ھٰذَا اَوْ نَحْوَہٗ۔

ہیں اور ہم نے آپ سے ایسی احادیث نہیں سنیں. حضرت عبادہ نے کھڑے ہو کر پھر قصہ دہرایا اور کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث سنی ہیں ہم وہ ضرور بیان کریں گے خواہ حضرت معاویہ کو ناپسند ہو، یا کہا خواہ ان کی ناک خاک میں آلود ہو. مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں معاویہ کے لشکر کی تاریک راتوں میں اس کے ساتھ نہ رہوں، حماد نے بھی یہی یا اس کی مثل کہا ہے۔

۳۹۵۰ - وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ جَمِیْعًا عَنْ عَبْدِ الْوَھَّابِ الثَّقَفِیِّ عَنْ اَیُّوْبَ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَہٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۳۹۵۱ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا وَکِیْعٌ قَالَ نَا سُفْیَانُ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّآءِ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَبِی الْاَشْعَثِ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ یَدًا بِیَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ ھٰذِہِ الْاَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ اِذَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کی بیع سونے کے عوض، اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض اور گندم کی بیع گندم کے عوض اور جو کی بیع جو کے عوض اور کھجور کی بیع کھجور کے عوض اور نمک کی بیع نمک کے عوض برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو اور جب یہ اقسام مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ نقد بہ نقد ہو۔

۳۹۵۲ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ نَا وَکِیْعٌ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْعَبْدِیُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْمُتَوَکِّلِ النَّاجِیُّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا، چاندی کے بدلے میں چاندی، گندم

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الذَّہَبُ بِالذَّہَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبَی الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَآءٌ۔

کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو، کھجور کے بدلے میں کھجور اور نمک کے بدلے میں نمک برابر برابر اور نقد بہ نقد (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی کاروبار کیا، اس میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

۳۹۵۳ - حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا یَزِیْدُ بْنُ ہَارُوْنَ قَالَ اَنَا سُلَیْمَانُ الرَّبْعِیُّ قَالَ نَا اَبُو الْمُتَوَکِّلِ النَّاجِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الذَّہَبُ بِالذَّہَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَذَکَرَ بِمِثْلِہٖ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا برابر پھر اس کی مثل حدیث ذکر کی۔

۳۹۵۴ - حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَآءِ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی قَالَا نَا ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْحِنْطَۃُ بِالْحِنْطَۃِ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اِلَّا مَا اخْتَلَفَتْ اَلْوَانُہٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کے بدلے میں کھجور، گندم کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو اور نمک کے بدلے میں نمک برابر اور نقد بہ نقد (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو اس نے سودی کاروبار کیا الا یہ کہ اقسام بدل جائیں۔

۳۹۵۵ - حَدَّثَنِیْہِ اَبُوْ سَعِیْدِ الْاَشَجُّ قَالَ نَا الْمُحَارِبِیُّ عَنْ فُضَیْلِ بْنِ غَزْوَانَ بِہٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَمْ یَذْکُرْ یَدًا بِیَدٍ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے مگر اس میں نقد بہ نقد کا ذکر نہیں ہے۔

٣٩٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا تول کر برابر برابر چاندی کے بدلے میں چاندی تول کر برابر برابر فروخت کرو، جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو وہ زیادتی سود ہے۔

٣٩٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي تَمِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دینار کے بدلے میں دینار (فروخت کرو) اور کسی کو زیادہ مت دو اور درہم کو درہم کے بدلے میں فروخت کرو، اور کسی کو زیادہ مت دو۔

٣٩٥٨ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ أَبِي تَمِيمٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

٣٩٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ بَاعَ شَرِيكٌ لِي وَرِقًا بِنَسِيئَةٍ إِلَى الْمَوْسِمِ أَوْ إِلَى الْحَجِّ فَجَاءَ إِلَيَّ فَأَخْبَرَنِي فَقُلْتُ هَذَا أَمْرٌ لَا يَصْلُحُ قَالَ قَدْ بِعْتُهُ فِي السُّوقِ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ فَأَتَيْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ قَدِمَ

ابوالمنہال کہتے ہیں کہ میرے ایک شریک نے حج کے موسم یا حج تک چاندی ادھار بیچی، پھر وہ آیا اور مجھے اس بات کی اطلاع دی، میں نے کہا یہ چیز صحیح نہیں ہے، اس نے کہا میں نے بازار میں یہ بیع کی تھی اور کسی نے اس سلسلے میں مجھ پر اعتراض نہیں کیا، پھر میں براء بن عازب کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ پوچھا، انھوں نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم اس طرح کی بیع کرتے تھے، آپ نے فرمایا جو نقد ہو اس میں

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَنَحْنُ نَتَبَایَعُ ھٰذَا الْبَیْعَ فَقَالَ مَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ فَلَا بَأْسَ بِہٖ وَمَا کَانَ نَسِیْئَۃً فَھُوَ رِبًا وَأْتِ زَیْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَإِنَّہٗ أَعْظَمُ تِجَارَۃً مِّنِّیْ فَأَتَیْتُہٗ فَسَأَلْتُہٗ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ ۔

کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو وہ سود ہے۔ اور تم حضرت زید بن ارقم کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ تجارت کرتے ہیں میں ان کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔

۳۹۶۰ - حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِیُّ قَالَ نَا أَبِیْ قَالَ نَا شُعْبَۃُ عَنْ حَبِیْبٍ سَمِعَ أَبَا الْمِنْھَالِ یَقُوْلُ سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ سَلْ زَیْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَھُوَ أَعْلَمُ فَسَأَلْتُ زَیْدًا فَقَالَ سَلِ الْبَرَاءَ فَإِنَّہٗ أَعْلَمُ ثُمَّ قَالَا نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْوَرِقِ بِالذَّھَبِ دَیْنًا ۔

ابوالمنہال کہتے ہیں میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے صرف (سونے، چاندی کی بیع) کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا حضرت زید بن ارقم مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ان سے سوال کرو، میں نے حضرت زید سے سوال کیا، انھوں نے کہا حضرت براء بن عازب سے سوال کرو وہ زیادہ عالم ہیں، پھر ان دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے بدلے میں چاندی کی ادھار بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۹۶۱ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِیْعِ الْعَتَکِیُّ قَالَ نَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ أَنَا یَحْیَی بْنُ أَبِیْ إِسْحَاقَ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ أَبِیْہِ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِضَّۃِ بِالْفِضَّۃِ وَالذَّھَبِ بِالذَّھَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَأَمَرَنَا أَنْ نَّشْتَرِیَ الْفِضَّۃَ بِالذَّھَبِ کَیْفَ شِئْنَا وَنَشْتَرِیَ الذَّھَبَ بِالْفِضَّۃِ کَیْفَ شِئْنَا قَالَ فَسَأَلَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَدًا بِیَدٍ فَقَالَ ھٰکَذَا سَمِعْتُ ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے بدلے میں چاندی اور سونے کے بدلے میں سونے کی بیع سے منع فرمایا الا یہ کہ برابر برابر ہو اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے کے بدلے چاندی کو جس طرح چاہیں خریدیں، اور چاندی کے بدلے سونا جس طرح چاہیں خریدیں۔ ایک شخص نے سوال کیا تو کہا نقد بہ نقد اور کہا میں نے اسی طرح سنا ہے۔

۳۹۶۲ - حَدَّثَنِیْ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ أَنَا یَحْیَی بْنُ صَالِحٍ قَالَ نَا مُعَاوِیَۃُ عَنْ یَحْیٰی وَھُوَ ابْنُ کَثِیْرٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ أَبِیْ إِسْحَاقَ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِیْ بَکْرَۃَ أَخْبَرَہٗ أَنَّ أَبَا بَکْرَۃَ قَالَ نَھَانَا

حضرت ابوبکرہ نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پھر حسب سابق حدیث ہے۔

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ۔

۳۹۶۳۔ حَدَّثَنِیْ اَبُو الطَّاہِرِ اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اَبِیْ سَرْحٍ قَالَ اَنَا ابْنُ وَہْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ ہَانِیءٍ الْخَوْلَانِیُّ اَنَّہٗ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ رَبَاحٍ اللَّخْمِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ فَضَالَۃَ ابْنَ عُبَیْدٍ الْاَنْصَارِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِخَیْبَرَ بِقِلَادَۃٍ فِیْھَا خَرَزٌ وَذَھَبٌ وَھِیَ مِنَ الْمَغَانِمِ تُبَاعُ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالذَّھَبِ الَّذِیْ فِی الْقِلَادَۃِ فَنُزِعَ وَحْدَہٗ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر میں مال غنیمت کا ایک ہار لایا گیا جس میں پتھر کے نگینے اور سونا تھا، اس کو فروخت کیا جا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار سے سونے کو نکالنے کا حکم دیا، پس صرف سونے کو نکال لیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا برابر، برابر تول کے فروخت کریں۔

۳۹۶۴۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ نَا لَیْثٌ عَنْ اَبِیْ شُجَاعٍ نَا سَعِیْدُ بْنُ یَزِیْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ اَبِیْ عِمْرَانَ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِیِّ عَنْ فَضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اشْتَرَیْتُ یَوْمَ خَیْبَرَ قِلَادَۃً بِاثْنَیْ عَشَرَ دِیْنَارًا فِیْھَا ذَھَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُھَا فَوَجَدْتُّ فِیْھَا اَکْثَرَ مِنِ اثْنَیْ عَشَرَ دِیْنَارًا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفَصَّلَ۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ خیبر میں بارہ دینار کا ایک ہار خریدا، جس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے جب میں نے ہار سے سونا الگ کیا تو وہ سونا بارہ دینار سے زیادہ تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا سونے کو جدا کیے بغیر نہ بیچا جائے۔

۳۹۶۵۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاَبُوْ کُرَیْبٍ قَالَا نَا ابْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ یَزِیْدَ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَہٗ۔

ایک اور سند سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

٣٩٦٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنِ الْجُلَاحِ قَالَ حَدَّثَنِي حَنَشٌ الصَّنْعَانِيُّ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ نُبَايِعُ الْيَهُودَ الْأُوقِيَّةَ الذَّهَبَ بِالدِّينَارَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ.

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ایک اوقیہ سونے کی یہودیوں سے دو اور تین دینار کے عوض بیع کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے میں بغیر برابر برابر وزن کے فروخت نہ کریں۔

٣٩٦٧ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَافِرِيِّ وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ وَغَيْرِهِمَا أَنَّ عَامِرَ بْنَ يَحْيَى الْمَعَافِرِيَّ أَخْبَرَهُمْ عَنْ حَنَشٍ أَنَّهُ قَالَ كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي غَزْوَةٍ فَطَارَتْ لِي وَلِأَصْحَابِي قِلَادَةٌ فِيهَا ذَهَبٌ وَوَرِقٌ وَجَوْهَرٌ فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهَا فَسَأَلْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ فَقَالَ انْزِعْ ذَهَبَهَا فَاجْعَلْهُ فِي كِفَّةٍ وَاجْعَلْ ذَهَبَكَ فِي كِفَّةٍ ثُمَّ لَا تَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ.

حنش کہتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، سو میرے اور میرے ساتھیوں کے حصے میں ایک ہار آیا جس میں سونا، چاندی اور جواہر تھے، میں نے اس کو خریدنا چاہا، میں نے فضالہ بن عبید سے پوچھا، انھوں نے کہا سونا الگ کر کے ایک پلڑے میں رکھو اور اپنا سونا ایک پلڑے میں رکھو، پھر برابر کے سوا مت خریدنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ برابر کے سوا نہ لے۔

٣٩٦٨ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو قَالَ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ

معمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے غلام کو ایک صاع گندم دے کر بھیجا اور کہا اس کو بیچ کر اس کے بدلے میں جو خرید لینا۔ غلام گیا اور اس نے ایک صاع

قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ بُسْرَ بْنَ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ أَرْسَلَ غُلَامَهُ بِصَاعِ قَمْحٍ فَقَالَ بِعْهُ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ شَعِيرًا فَذَهَبَ الْغُلَامُ فَأَخَذَ صَاعًا وَزِيَادَةَ بَعْضِ صَاعٍ فَلَمَّا جَاءَ مَعْمَرًا أَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ لَهُ مَعْمَرٌ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ انْطَلِقْ فَرُدَّهُ وَلَا تَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَإِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرُ قِيلَ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِمِثْلِهِ قَالَ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُضَارِعَ.

سے زیادہ (جو) خرید لیے اور جب معمر آئے تو ان کو اس کی خبر دی، معمر نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جاؤ جا کر اسے واپس کرو، اور صرف برابر برابر لینا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنتا رہا ہوں کہ طعام کے بدلے طعام برابر برابر (فروخت کرو) اور ان دنوں ہمارا طعام جو تھے، ان سے کہا گیا کہ گندم اور جو ایک مثل تو نہیں ہیں، انھوں نے مجھے اس کے مشابہ ہونے کا خوف ہے۔

۳۹۶۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَخَا بَنِي عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ فَاسْتَعْمَلَهُ عَلَى خَيْبَرَ فَقَدِمَ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَشْتَرِي الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ مِنَ الْجَمْعِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عدی انصاری کے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! ہم دو صاع ردی کھجوریں دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں خریدتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح نہ کرو، لیکن برابر برابر کی بیع کرو یا اس کو فروخت کرو، اور اس کی قیمت سے اس کو خرید لو اسی طرح تول میں بھی برابری رکھو۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلُوْا وَلٰكِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ اَوْ بِيْعُوْا هٰذَا وَاشْتَرُوْا بِثَمَنِهٖ مِنْ هٰذَا وَكَذٰلِكَ الْمِيْزَانُ۔

۳۹۷۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَآءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا، وہ عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا نہیں بخدا، یا رسول اللہ! ہم دو صاع کھجوریں دے کر یہ ایک صاع کھجوریں لیتے ہیں، اور تین صاع دے کر یہ دو صاع لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح مت کرو، ردی کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دو پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۱- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْوُحَاظِيُّ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيْمِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُمَا جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَسَّانَ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ كَثِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ برنی کھجوریں لے کر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ حضرت بلال نے جواب دیا میرے پاس ردی کھجوریں تھیں، میں نے اس میں سے دو صاع فروخت کر کے اس کے عوض یہ ایک صاع کھجوریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لیے لی ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوہ: یہ تو بعینہٖ سود ہے، ایسا نہ کرو، لیکن جب تم کھجور خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں فروخت کر دو

الْغَافِرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدٍ يَّقُوْلُ جَآءَ بِلَالٌ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا فَقَالَ بِلَالٌ تَمْرٌ كَانَ عِنْدَنَا رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِمَطْعَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِيَ التَّمْرَ فَبِعْهُ بِبَيْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ سَهْلٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ عِنْدَ ذٰلِكَ۔

پھر اس (قیمت) سے دوسری کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۲۔ وَحَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيْبٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ اَعْيَنَ قَالَ نَا مَعْقِلٌ عَنْ اَبِيْ قَزَعَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا التَّمْرُ مِنْ تَمْرِنَا فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِعْنَا تَمْرَنَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ مِّنْ هٰذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الرِّبَا فَرُدُّوْهُ ثُمَّ بِيْعُوْا تَمْرَنَا وَاشْتَرُوْا لَنَا مِنْ هٰذَا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، آپ نے فرمایا ہماری کھجوروں کے مقابلہ میں یہ کیسی (اچھی) کھجوریں ہیں! ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے اپنی دو صاع کھجوریں دے کر یہ ایک صاع کھجوریں لی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سود ہے، ان کو واپس کر دو، ہماری کھجوریں فروخت کرو، پھر ہمارے لیے یہ کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۳۔ حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُرْزَقُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں کھجوریں دی جاتی تھیں وہ کھجور کی ایک ملی جلی (ردی) قسم تھی ہم ان کے دو صاع کو ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے۔

تمر الجمع على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الخلط من التمر فكنا نبيع صاعين بصاع فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا صاعي تمر بصاع ولا صاعي حنطة بصاع ولا درهم بدرهمين

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا دو صاع کھجوروں کو ایک صاع کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو اور نہ دو صاع گندم کو ایک صاع گندم کے عوض اور نہ ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے۔

٣٩٧٤ - حدثني عمرو الناقد قال نا إسماعيل بن إبراهيم عن سعيد الجريري عن أبي نضرة قال سألت ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن الصرف فقال أيدا بيد قلت نعم قال لا بأس به فأخبرت أبا سعيد فقلت إني سألت ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن الصرف فقال أيدا بيد قلت نعم قال ولا بأس به قال أو قال ذلك إنا سنكتب إليه فلا يفتيكموه قال فوالله لقد جاء بعض فتيان رسول الله صلى الله عليه وسلم بتمر فأنكره فقال كأن هذا ليس من تمر أرضنا قال كان في تمر أرضنا أو في تمرنا العام بعض الشيء فأخذت هذا وزدت بعض الزيادة فقال أضعفت أربيت لا تقربن هذا إذا رابك من تمرك شيء فبعه ثم اشتر الذي تريد من التمر

ابو نضرہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباس نے پوچھا: کیا نقد بہ نقد، میں نے کہا ہاں حضرت ابن عباس نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، میں نے یہ جواب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ میں نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا کیا نقد بہ نقد؟ میں نے کہا ہاں، انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو سعید نے کہا کیا واقعی حضرت ابن عباس نے اس طرح کہا ہے؟ ہم ان کی طرف لکھتے ہیں وہ تمہیں ایسا فتویٰ نہیں دیں گے، حضرت ابو سعید نے کہا بخدا بعض جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں لے کر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کھجوریں دیکھ کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا یہ ہمارے علاقے کی کھجوریں تو نہیں ہیں، انھوں نے کہا اس سال ہمارے علاقے کی کھجوروں میں کچھ نقص تھا۔ ہم نے یہ کھجوریں لیں اور ان کے بدلے میں کچھ زیادہ کھجوریں دیں، آپ نے فرمایا تم نے زیادہ کھجوریں دیں۔ تم نے سُود دیا، اب اس کے قریب نہ جانا، جب تمہیں اپنی کھجوروں میں کچھ کمی محسوس ہو تو ان کو فروخت کر دینا، پھر جو کھجوریں پسند ہوں وہ خرید لینا۔

٣٩٧٥ - حدثنا إسحاق بن إبراهيم

ابو نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور

قَالَ اَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی قَالَ اَنَا دَاوٗدُ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ عَنِ الصَّرْفِ فَلَمْ یَرَیَا بِہٖ بَاْسًا فَاِنِّیْ لَقَاعِدٌ عِنْدَ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَسَاَلْتُہٗ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ مَا زَادَ فَھُوَ رِبًا فَاَنْکَرْتُ ذٰلِکَ لِقَوْلِھِمَا فَقَالَ لَا اُحَدِّثُکَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَہٗ صَاحِبُ نَخْلَۃٍ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ طَیِّبٍ وَّکَانَ تَمْرُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا اللَّوْنَ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنّٰی لَکَ ھٰذَا قَالَ انْطَلَقْتُ بِصَاعَیْنِ فَاشْتَرَیْتُ بِہٖ ھٰذَا الصَّاعَ فَاِنَّ سِعْرَ ھٰذَا فِی السُّوْقِ کَذَا وَسِعْرَ ھٰذَا کَذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلَکَ اَرْبَیْتَ اِذَا اَرَدْتَّ ذٰلِکَ فَبِعْ تَمْرَکَ بِسِلْعَۃٍ ثُمَّ اشْتَرِ بِسِلْعَتِکَ اَیَّ تَمْرٍ شِئْتَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ اَحَقُّ اَنْ یَّکُوْنَ رِبًا اَمِ الْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ قَالَ فَاَتَیْتُ ابْنَ عُمَرَ بَعْدُ فَنَھَانِیْ وَلَمْ اٰتِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ فَحَدَّثَنِیْ اَبُو الصَّھْبَآءِ اَنَّہٗ سَاَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا بِمَکَّۃَ فَکَرِھَہٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بیع صرف کے بارے میں سوال کیا تھا تو انھوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے ان سے بیع صرف کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا اس میں زیادتی سود ہے، میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے جو سنا ہوا تھا اس وجہ سے حضرت ابوسعید کے قول کا انکار کیا حضرت ابوسعید نے کہا میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا۔ ایک کھجور والا آپ کے پاس ایک صاع اچھی کھجوریں لے کر آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوریں بھی اس رنگ کی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ انھوں نے کہا میں دو صاع کھجوریں لے گیا اور ان کے بدلے میں یہ ایک صاع کھجوریں لایا ہوں، کیونکہ اس کا بازار میں بھاؤ اتنا ہے اور اس کا بازار میں بھاؤ اتنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر افسوس ہے کہ تم نے سود دیا، جب تم ایسا کرنا چاہو تو اپنی کھجوروں کو ایک سودے میں فروخت کر دو، پھر اس کی قیمت سے جس قسم کی کھجوریں چاہو خرید لو، ابوسعید نے کہا یہ بتاؤ کہ کھجور کے بدلے میں کھجور پر سود ہونے کی زیادہ حقدار ہے یا چاندی کے بدلے میں چاندی! ابونضرہ کہتے ہیں پھر میں حضرت ابن عمر کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اس سے منع کیا، اور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس نہیں گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے ابوالصہبا نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس سے مکہ میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کو ناپسند فرمایا۔

۳۹۷۶۔ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ عَبَّادٍ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ مِثْلًا بِمِثْلٍ مَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ غَيْرَ هَذَا فَقَالَ لَقَدْ لَقِيتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَقُلْتُ أَرَأَيْتَ هَذَا الَّذِي تَقُولُ أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ لَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَكِنْ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ

ہیں کہ دینار کے بدلے میں دینار اور درہم کے بدلے میں درہم برابر برابر (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو وہ سود ہے، راوی ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید سے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس کے خلاف کہتے ہیں، حضرت ابوسعید نے کہا میری حضرت ابن عباس سے ملاقات ہوئی تھی میں نے ان سے کہا مجھے بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں کیا اس بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے یا کتاب اللہ میں ایسی کوئی آیت ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث سنی ہے نہ میں نے یہ حکم کتاب اللہ میں دیکھا ہے لیکن مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود صرف ادھار میں ہے۔

۳۹۷۷- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو قَالَ إِسْحَاقُ أَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود صرف ادھار میں ہے۔

إِنَّمَا الرِّبٰوا فِي النَّسِيئَةِ۔

۳۹۷۸- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا عَفَّانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ نَا بَهْزٌ قَالَا نَا وُهَيْبٌ قَالَ نَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رِبًا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نقد بہ نقد میں کوئی سود نہیں ہے۔

۳۹۷۹- حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسٰى قَالَ نَا مُعَقِلٌ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَقِيَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ أَرَأَيْتَ قَوْلَكَ فِي الصَّرْفِ شَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ شَيْءٌ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَلَّا لَا أَقُولُ أَمَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِهِ وَأَمَّا كِتَابُ اللّٰهِ فَلَا أَعْلَمُهُ وَلٰكِنْ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی حضرت ابو سعید نے ان سے کہا: یہ بتائیے کہ بیع صرف میں جو آپ فتویٰ دیتے ہیں آیا آپ نے یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا آپ نے اس کو اللہ عزوجل کی کتاب میں پایا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا میں ان میں سے کوئی بات نہیں کہتا، رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو آپ اس کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور رہا کتاب اللہ کا معاملہ تو مجھے اس میں اس حکم کا علم نہیں، لیکن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود صرف ادھار میں ہے۔

۳۹۸۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ قَالَ إِسْحٰقُ أَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ نَا جَرِيرٌ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا

عَنْ مُغِیْرَۃَ قَالَ سَاَلَ شِبَاکٌ اِبْرَاهِیْمَ فَحَدَّثَنَا عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَهٗ قَالَ قُلْتُ وَکَاتِبَهٗ وَشَاهِدَیْهِ قَالَ اِنَّمَا نُحَدِّثُ بِمَا سَمِعْنَا۔

اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر؟ حضرت ابن مسعود نے کہا ہم حدیث اتنی ہی بیان کرتے ہیں جتنی ہم نے سنی

۳۹۸۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَزُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالُوْا نَا هُشَیْمٌ اَنَا اَبُو الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَهٗ وَکَاتِبَهٗ وَشَاهِدَیْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَآءٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سود لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔

ربٰوا کا لغوی معنی

لغت میں ربٰوا کے معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی ہیں، علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربٰوا کہتے ہیں۔ اور زجاج نے کہا ہے کہ ربٰوا کی دو قسمیں ہیں ایک ربٰوا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے، ربٰوا حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربٰوا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے[1] علامہ عینی نے شرح المہذب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربٰوا کو الف، واؤ اور یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی ربا، ربٰوا ور ربي۔[2]

ربٰوا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں ربٰوا کی دو قسمیں ہیں ربٰوا النسیئۃ (اس کو ربٰوا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) اور ربٰوا الفضل (اس کو ربٰوا الحدیث بھی کہتے ہیں) ربٰوا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو، مثلاً چار کلوگرام گندم کو نقد آٹھ کلوگرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ ربٰوا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، جس کو انشاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ربٰوا النسیئۃ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

---

[1] السید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی نزیل مصر متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۴۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن اثیر نے کہا ہے شریعت میں ربٰو بغیر عقد بیع کے اصل مال پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربٰو یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلا عوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلا عوض ہے۔[1]

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئۃ پر صادق نہیں آتی اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئۃ پر اس لیے صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں اُدھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجانست کی قید نہیں ہے اس لیے ربا الفضل پر بھی صادق نہیں آتی۔

ربا النسیئۃ کی صحیح اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے لکھتے ہیں: ربا النسیئۃ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے، کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی، مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ، مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا، اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔[2]

باب: ۲۸۴ میں انعامی بانڈز کی بحث میں ہم نے فقہاء اربعہ کے حوالوں سے ربا النسیئۃ کی تعریفات ذکر کی ہیں۔

بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ربا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی، بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار، تاجر اور صنعت کار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے۔ اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فیصد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا، سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ ربا غرباء پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ۔

[2] امام محمد بن ضیاء الدین فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

بینک کے سود جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراطِ زر کی وجہ سے روپے کی قدر (Value) دن بدن گرتی جا رہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ اب سے بائیس سال پہلے (۱۹۶۶ء میں) سونا ایک سو روپیہ تولہ تھا، اصلی دیسی گھی پانچ روپیہ کلو، ڈالڈا دو روپیہ کلو، دیسی انڈا دو آنے کا، تنوری روٹی ایک آنے کی، دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کا لفافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے) کا ملتا تھا اور اب (۱۹۸۸ء) میں سونا تین ہزار روپیہ تولہ، دیسی گھی ساٹھ ستر روپیہ کلو، ڈالڈا گھی اٹھارہ روپیہ کلو، دیسی انڈا دو روپیہ کا، تنوری روٹی ایک روپیہ کی، دودھ آٹھ روپیہ کلو اور ڈاک کا لفافہ اسی پیسے کا ہو گیا ہے۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر تیس گنا (بارہ سو فیصد سے لے کر تین ہزار فی صد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بائیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت سات آٹھ روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے، خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق کیے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

احل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ (بقرہ: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ (بقرہ: ۲۷۸ - ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مؤمن ہو تو (زمانۂ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ (آل عمران: ۱۳۰) "دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر وذروا ما بقی من الربٰو کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کان ربا یتبایعون بہ فی الجاھلیۃ۔

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن السدی قال نزلت ھذہ الآیۃ فی العباس بن عبد المطلب

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت

ورجل من بنی المغیرۃ کان شریکین فی الجاھلیۃ یسلفان فی الربا الی ناس من ثقیف من بنی ولھما اموال عظیمۃ فی الربا۔[1]

عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے قرض پر مال دیے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہوگیا کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بنا پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اور اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بائیس سال میں بینک میں رکھوایا ہوا ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ جائے گا۔ اور یہ نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے تو زکوٰۃ، قربانی اور حج کے لیے زر کثیر خرچ کرنا بھی — مال کا ضیاع اور نقصان ہے تو کیا اس مادی نقطۂ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیر باد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلانِ جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کا کم ہو جانا خسارہ نہیں ہے بلکہ اصل خسارہ یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہو جائے!

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا، کرنا یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ "امانت" رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شرکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو، اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کر دے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراطِ زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا ایک حل

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ بینک میں لوگ جو پیسے امانۃً جمع کراتے ہیں ان پیسوں میں سے

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، درمنثور ج ا ص ۳۶۶، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ

بینک کو خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے اس طرح یہ پیسے بینک پر قرض ہو جاتے ہیں اور اگر قرض میں پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ لین دین میں معیار سونا یا ڈالرز ہوں گے۔ مثلاً ایک شخص تین ہزار روپیہ قرض دے رہا ہے اور فرض کیجئے اس وقت ایک ہزار روپیہ تولہ سونا ہے تو مقروض کو تین ہزار روپوں کی بجائے تین تولہ سونا یا اس کے مساوی ڈالرز قرض دے۔ اور جب وہ اس سے واپس لے گا تو وہ تین تولہ سونا یا اس کے مساوی کرنسی نوٹ یا ڈالرز لے گا اب اگر وہ پانچ سال بعد اپنا قرض واپس لیتا ہے اور اس وقت سونا تین ہزار روپیہ تولہ ہے تو وہ تین تولہ سونا یا اس کے مساوی نو ہزار روپیہ یا اتنے ڈالرز لینے کا مجاز ہوگا۔ اس طرح افراط زر کی صورت میں بھی قرض دہندہ کا اصل زر محفوظ رہے گا۔ میں نے اس جواب میں جو تجویز پیش کی ہے یہ آخری اور حتمی نہیں ہے۔ اہل علم حضرات کو اس پیچیدہ مسئلہ پر غور کرنا چاہیے چونکہ شریعت میں ثمن اصلی سونا اور چاندی ہیں اس لیے قرض اور بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں روپیہ دیتے وقت اعتبار سونے یا چاندی کے وزن یا ڈالرز کا کیا جائے اور وصولیابی کے وقت اتنا ہی سونا یا چاندی یا اس کے مساوی کرنسی نوٹ یا اتنے ڈالرز لے لیے جائیں تو اس سے سود بھی لازم نہیں آئے گا اور لوگ افراط زر کے استحصال سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اہل علم اور اصحاب فقہ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس بنیاد پر غور کریں اگر علماء نے اس چیز پر اتفاق کر لیا تو بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ [1]

اس تجویز کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو مثلاً ایک ہزار روپیہ قرض دیتا ہے تو مقروض پر بعینہٖ وہی نوٹ دینے لازم نہیں ہیں اور اگر بالفرض وہ نوٹ گورنمنٹ منسوخ کر دے اور مقروض وہی منسوخ نوٹ واپس کرے تو یہ شرعاً اور قانوناً جائز نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار نوٹ کا نہیں قوت خرید کا ہے اور ثمن اصلی چونکہ سونا اور چاندی ہے اس لیے قوت خرید میں اسی کو معیار بنانا چاہیے، اور اگر سونے کا حصول مشکل ہو تو ڈالرز یا پونڈز میں معاملہ کریں۔

بینک نوٹ کی تحقیق

آج کل دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس بینک نوٹ پر ہے، اور تجارتی سود کی ادائیگی بھی بینک نوٹ کے ذریعہ کی جاتی ہے، اور تمام دنیا میں مالیاتی لین دین بینک نوٹ کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اور اب نوٹ کی حیثیت ثمن عرفی اور زر اعتباری کی ہے اور بہت سے شرعی احکام پر عمل کرنا نوٹ پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ نوٹ کی تحقیق کی جائے۔ نوٹ کے بارے میں مذاہب اربعہ کو کھنگالا جائے اور نوٹ کی ابتداء اور ارتقاء اور اس کی موجودہ صورتِ حال کو جانا جائے لہٰذا اس مبحث میں ہم نوٹ سے متعلق تمام ضروری امور کا ذکر کریں گے تاکہ معاشیات کے طلبہ اور شرعی احکام میں غور و فکر کرنے والوں کو نوٹ کی حقیقت پر آگہی ہو سکے اور نوٹ کے ذریعہ جو سود کھایا جاتا ہے اس سے دامن بچایا جا سکے، فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

نوٹ میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں: جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ نوٹ کا سونے اور چاندی کی جگہ رواج ہے، اور اس کو آسانی سے چاندی کی جگہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ دولت مند لوگوں کے پاس نوٹ ہوں اور وہ ان نوٹوں کو چاندی کے نصاب کے تابع کر کے زکوٰۃ ادا کر سکتے ہوں اور پھر زکوٰۃ نہ دیں، اس لیے فقہاء ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے، البتہ فقہاء حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء احناف کہتے ہیں کہ بینک نوٹ دین قوی کے حکم میں ہیں، البتہ ان کو فوراً بطور چاندی کے خرچ کیا جا سکتا ہے اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

---

[1] ڈالرز کی خصوصیت مراد نہیں ہے۔ اس سے مراد مستحکم بین الاقوامی کرنسی ہے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ بینک نوٹ قرضوں کی رسیدیں ہیں لیکن ان کو فوراً بطور چاندی کے خرچ کیا جاسکتا ہے اور رواج میں یہ سونے کے قائم مقام ہیں لہٰذا اس میں سونے کی شرائط کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ نوٹ کی زکوٰۃ صرف اسی صورت میں واجب ہوگی جب ان سے چاندی یا سونا لے لیا جائے۔

فقہاء شافعیہ کہتے ہیں کہ نوٹ سامان تجارت کے حکم میں ہیں اور ان میں اسی اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔[2]

فقہ السنۃ[3] اور فتاویٰ مصریہ[4] میں بھی مذاہب اربعہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

نوٹ میں علماء مصر کا نظریہ

فتاویٰ مصریہ میں ہے: بینک نوٹ جن کا اب رواج ہو چکا ہے یہ قرضوں کی رسیدیں ہیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرنا حوالہ کے قبیل سے ہے اور یہ بیع کے حکم میں ہیں۔[5]

ڈاکٹر احمد مصری لکھتے ہیں: بینک نوٹ ایک خاص قسم کے کاغذ کا ٹکڑا ہے جس پر اعداد و شمار لکھے ہوتے ہیں۔ ان نوٹوں کے مقابلے میں عادۃً سونے کا ایک محفوظ ذخیرہ ہوتا ہے جس کی قانون تحدید کرتا ہے۔ ان نوٹوں کو حکومت جاری کرتی ہے یا حکومت کا مجاز ادارہ جاری کرتا ہے تاکہ لوگوں کے ہاتھ میں ایک کاغذی سکہ آجائے۔ ہر چند کہ نوٹ قرضوں کی رسیدیں ہیں، البتہ ان سے فی الفور چاندی لی جاسکتی ہے اور یہ رواج میں سونے کے قائم مقام ہیں پس اس میں سونے کی شرائط سے زکوٰۃ واجب ہے، جس طرح سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے۔[6]

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: تعامل اور رواج کی وجہ سے یہ نوٹ اب اشیاء اور اموال کی ثمن ہو گئے ہیں ان کے ساتھ بیع اور شراء مکمل ہو جاتی ہے اور یہ رواج ہر ملک میں ہے ان سے اجرت اور جرمانے وغیرہ دیے جاتے ہیں اور جس شخص کے پاس جس قدر نوٹ ہوں اس کے حساب سے اس کی دولت مندی کا اعتبار کیا جاتا ہے، ضروریات کی تکمیل، معاملات کے حصول اور کسب کے تحقق میں ان کی قوت سونے اور چاندی کے برابر ہے اور اس اعتبار سے یہ بڑھنے والے اموال ہیں اور ان کا حکم سونے اور چاندی کا ہے۔[7]

نوٹ کا لغوی اور عرفی معنی

عربی نوٹ کو ورق النقد یا ورق العملۃ (سکہ کا کاغذ) کہتے ہیں۔ یوسف خیاط اور ندیم مرعشلی اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نوٹ کو حکومت یا اسٹیٹ بینک اپنے محفوظ سرمایہ کی نسبتاً کم مقدار سے اس وعدہ کے ساتھ جاری کرتا ہے کہ وہ اس کے حامل کو اس کے مطابق نقود معدنی ادا کرے گا۔ جمہور اس کو اعتماد کے ساتھ قبول کرتے ہیں اس لیے اس کو ائتمانیہ، الزامیہ یا ورق نقدی کہتے ہیں۔[8]

---

[1] محمد فرید وجدی، دائرۃ معارف القرن العشرین ج ۲ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۱ء

[2] علامہ عبد الرحمان الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۶۰۶-۶۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[3] ڈاکٹر یوسف قرضاوی، فقہ السنۃ ج ۱ ص ۲۸۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ

[4] الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ مطبوعہ القاہرہ، ۱۴۰۰ھ

[5] الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

[6] ڈاکٹر احمد شرباصی استاذ بجامعۃ الازہر، یسئلونک فی الدین والحیاۃ ج ۶ ص ۹۳ مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

[7] ڈاکٹر یوسف قرضاوی، فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

[8] یوسف خیاط، ندیم مرعشلی، الملحق بلسان العرب ج ۱۸ ص ۱۶۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

محمد فرید وجدی لکھتے ہیں: بینک جس نوٹ کو جاری کرتا ہے وہ سونے، چاندی کی مثل ہے اور حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ جس وقت نوٹ جاری کیا جاتا ہے اس کی قدر کم نہ ہونے دے[1]

نوٹوں کی فقہی حیثیت

کاغذی نوٹوں کے احکام کا بیان اس کی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ شروع کرنے سے پہلے ان نوٹوں کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے کہ کیا یہ کسی قرض کے وثیقے ہیں، یا عرفی ثمن ہیں؟

جن لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ کاغذی نوٹ مالی دستاویز اور سند ہیں۔ ان کے نزدیک یہ نوٹ اس قرض کی سند ہے جو اس کے جاری کرنے والے (بینک) کے ذمہ واجب ہے، لہٰذا اس رائے اور خیال کے مطابق یہ نوٹ نہ تو ثمن ہیں اور نہ مال، بلکہ نوٹ اس وثیقے سے عبارت ہے جو مدیون نے دائن کو لکھ کر دے دیا ہے، تاکہ جب وہ چاہے اس کے ذریعے اپنے دین پر قبضہ کرنا ممکن ہو۔ اس لیے ان حضرات کی رائے میں جو شخص بھی یہ نوٹ کسی دوسرے کو دے گا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اس نے مال دیا ہے، بلکہ یہ اپنے مال کا حوالہ اس مقروض (بینک) پر کر رہا ہے جس نے یہ نوٹ بطور سند جاری کیے ہیں، اس لیے اس پر فقہی اعتبار سے وہی احکام جاری ہوں گے جو "حوالہ" پر جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے کا حق ان نوٹوں کے ذریعے ادا کرنا وہاں جائز ہوگا جہاں حوالہ جائز ہوتا ہے اور اگر یہ نوٹ سونے یا چاندی کی دستاویز اور سند ہیں (یعنی اگر ان کی پشت پر بینک میں سونا یا چاندی ہے) تو اس صورت میں ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ سونے کا سونے سے تبادلہ کرنا یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کرنا "بیع صرف" ہے اور "بیع صرف" میں مبیع اور ثمن دونوں کا مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہے لہٰذا اگر ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدی تو صرف ایک طرف سے قبضہ پایا گیا، دوسری طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا، اس لیے کہ خریدار نے تو سونے پر قبضہ کر لیا، لیکن دوکاندار نے سونے کے قرض کی سند پر قبضہ کیا، سونے پر قبضہ نہیں کیا۔ لہٰذا جب "بیع صرف" کے جائز ہونے کے لیے مجلس عقد ہی میں دونوں طرف سے قبضہ کرنے کی شرط نہیں پائی گئی تو یہ بیع شرعاً جائز نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی مالدار شخص اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ کاغذی نوٹ کسی فقیر کو دے، تو جب تک وہ فقیر ان نوٹوں کے بدلے میں اس سونے یا چاندی کو بینک سے وصول نہ کرے جس کی یہ دستاویز ہے یا جب تک وہ ان نوٹوں کے ذریعہ کوئی سامان نہ خرید لے، اس وقت تک اس مالدار شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اگر استعمال کرنے سے پہلے یہ نوٹ فقیر کے پاس سے برباد یا ضائع ہو جائیں تو وہ مالدار شخص صرف نوٹوں کو فقیر کے دے دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ اب اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

اس کے برخلاف دوسرے حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں۔ اس لیے جو شخص یہ نوٹ ادا کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مال اور ثمن ادا کیا ہے ان نوٹوں کی ادائیگی سے دین کا حوالہ نہیں سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اس رائے کے مطابق ان نوٹوں کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا ہو جائے گی، اور ان کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا بھی جائز ہوگا۔

لہٰذا کاغذی نوٹ اور مختلف کرنسیوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے نوٹوں کے بارے میں مذکورہ بالا دو آراء میں

---

[1] محمد فرید وجدی دائرۃ معارف القرن العشرین ج ۲ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

سے کسی ایک رائے کو فقہی نقطہ نظر سے متعین کرلینا ضروری ہے۔

چنانچہ اس موضوع پر کتب فقہ اور معاشیات کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میرے خیال میں ان نوٹوں کے بارے میں دوسری رائے زیادہ صحیح ہے وہ یہ کہ یہ نوٹ اب عرفی ثمن بن گئے ہیں۔ اور اب یہ حوالہ کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

دنیا کے کرنسی نظام میں انقلابات اور تبدیلیاں

قدیم زمانے میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (BARTER) کے ذریعہ کرتے تھے یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز لیتے تھے۔ لیکن اس طرح کے تبادلے میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقہ پر عمل کرنا دشوار ہوتا تھا۔ اس لیے آہستہ آہستہ یہ طریقہ متروک ہوگیا۔ [1]

اس کے بعد ایک اور نظام جاری ہوا جسے "زر بضاعتی کا نظام" (COMMODITY MONEY SYSTEM) کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں لوگوں نے مختلف مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، کبھی نمک کو، اور کبھی چمڑے کو، کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، مگر ان اشیاء کو تبادلہ میں استعمال کرنے میں نقل وحمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں اس لیے جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ ہونے لگا تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلہ کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہوا ہے اس میں تو بہت سی مشکلات ہیں، لہٰذا تبادلہ کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس میں نقل وحمل کم سے کم ہو جائے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو۔

آخر کار تیسرے مرحلہ میں جاکر لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، اس لیے کہ یہ دونوں قیمتی دھاتیں ہیں۔ اور چاہے یہ زیور کی شکل میں ہوں، یا برتن کی شکل میں، بہرحال ان کی اپنی ذاتی قیمت بھی تھی اور اس کی نقل وحمل اور ذخیرہ اندوزی بھی آسان تھی حتیٰ کہ ان دونوں قیمتی دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لیے ایک پیمانہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو "نظام زر معدنی" (METALIC MONEY SYSTEM) کہا جاتا ہے، اس نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱): ابتداء میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے، جو سائز، ضخامت وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہوئے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا۔ لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

(۲): اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہوگیا۔ بعض شہروں میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاگئے، جو ضخامت، وزن اور خالص ہونے کے اعتبار سے برابر اور مساوی

---

[1] مثلاً ایک شخص کو گندم کی ضرورت ہے، اس کے پاس زائد چاول موجود ہیں۔ اب وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا جس کو چاول کی ضرورت بھی ہو اور اس کے پاس زائد گندم بھی ہو۔ ایسے شخص کے ملنے کے بعد وہ اس سے گندم کا چاول سے تبادلہ کرتا تب جاکر اس کو گندم میسر آتی۔ یہ طریقہ اب متروک ہو چکا ہے، البتہ اس قسم کے تبادلے اب بھی بعض جگہ نظر آتے ہیں۔ مثلاً آپ نے گلی کوچوں میں بعض افراد کو دیکھا ہوگا کہ وہ پرانے کپڑے پرانے جوتے اور اخبارات کی ردی لے کر اس کے بدلے میں پیالے برتن وغیرہ دیتے ہیں۔

ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تبادلہ کے قابل ہیں اور اس سکے کی ظاہری قیمت (FACE VALUE) جو اس پر لکھی ہوتی تھی وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت ______ (GOLD OR SILVER CONTENT) کے برابر ہوتی تھی۔ گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت سونے کی اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی۔ جو سکے کے ہم وزن ہو۔ اس نظام کو "معیاری قاعدۂ زر" (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے چینیوں نے ساتویں صدی عیسوی قبل مسیح میں رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لیے سکے استعمال کریں یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں اور ملک سے باہر برآمد و درآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے وہ ڈھال کر دے گی۔ چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے اور حکومت ان کو سکے بناکر واپس کر دیتی۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لاکر اسکو پگھلانے کے لیے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کر دیتی۔

(۳) بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلے کے لیے ایک خاص قیمت مقرر کر دی اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کی حیثیت سے استعمال کیا جانے لگا۔ اس نظام کو "دو دھاتی نظام" (Bi — Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں۔ وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے سکوں میں آپس میں تبادلہ کے لیے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی۔ جس کی بنا پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے۔ مثلاً امریکہ میں سونے کے ایک سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اسی وقت میں یورپ میں سونے کے ایک سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی۔ اس صورت حال میں تاجر امریکہ سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے۔ اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکہ لاکر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جاکر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے۔ لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکہ کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا۔ گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکہ سے باہر نکال دیا۔ پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکہ نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے ۱۶ سکوں کے مساوی قرار دے دیا تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا اور اب سونے کے سکے امریکہ میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکہ سے نکال دیا۔

(۴) سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل و حمل آسان ہے لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے۔ اس لیے مالداروں کے لیے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers)

کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے اور وہ سُنار اور صرّاف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے۔ آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سُناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہی رسیدیں، جو ان سُناروں نے قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع وشراء میں بطور ثمن کے استعمال ہونے لگیں، لہٰذا ایک خریدار دوکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکّے ادا کرنے کے اپنی رسیدوں میں سے ایک رسید دے دیتا۔ اور دکاندار ان سُناروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

یہ ہے کاغذی نوٹ کی ابتداء لیکن ابتداء میں نہ اس کی کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکے بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

(۵)۔ جب ۱۶۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہو گیا تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی جسے "بینک نوٹ" کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اُس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے، اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے، بینک جا کر اس کے بدلے سونے کی سلاخ حاصل کرے، اسی وجہ سے اس نظام کو "سونے کی سلاخوں کا معیار" (GOLD BULLION STANDARD) کہا جاتا ہے۔

(۶)۔ ۱۸۳۳ء میں جب "بینک نوٹ" کا رواج بہت زیادہ ہو گیا تو حکومت نے اس کو "زرِ قانونی" (Legal Tender) قرار دے دیا۔ اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا جس طرح اس کے لیے سونا چاندی کے سکّے قبول کرنا لازم ہیں اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

(۷)۔ پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے۔ جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان جاری شدہ نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا وہ گھٹتے گھٹتے معمولی تناسب رہ گیا۔ اس لیے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لیے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجار ایسے نوٹوں کو اس بھروسہ پر قبول

کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کے وقت اس کے پاس موجود سونے کے ذریعہ اس کا مطالبہ پورا کر دے گا۔ اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ایسے کرنسی نوٹوں کو "زر اعتباری" (FIDUCIARY MONEY) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بناء پر حکومتیں جو اب یک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہوتی ہے اس کو کم کر دیں، یا پھر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں۔ چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (FACE VALUE) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت (INTRINSIC VALUE) سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ ایسے سکوں کو "علامتی زر" (TOKEN MONEY) کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

(۸) رفتہ رفتہ "زر اعتباری" (یعنی جس نوٹ کی پشت پر سونا نہیں تھا) کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد ملک میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقۃً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ سنہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ (۱۷۰۰) سے کم کی مقدار کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہو گئے (اس لیے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے)، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لیے کوئی پرواہ نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی بن گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کیے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی، اور اس کے ذریعہ اندرون ملک تجارت کر کے اسی طرح نفع حاصل کیا جاتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعہ تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

(۹) پھر سنہ ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی حتیٰ کہ اس شخص کے لیے بھی جو سترہ سو پونڈ (۱۷۰۰) کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں۔ لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اندرون ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے

یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی جائے گی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی۔ مثلاً اگر امریکہ کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آ گئے، اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے امریکہ کو سونا فراہم کرے۔ اس نظام کو "سونے کی مبادلت کا معیار" (GOLD EXCHANGE STANDARD.) کہا جاتا ہے۔

(۱۰)۔ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل جاری رہا، حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ڈالر کی قیمت کی کمی کی باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور سنہ ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہو گئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ دوسری حکومتوں کے لیے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دے۔ چنانچہ ۱۵ راگست سنہ ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا، اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہو گئی۔

اس کے بعد سنہ ۱۹۷۴ء میں "بین الاقوامی فنڈ" (INTER NATIONAL MONETARY FUND) سونے کے بدل کے طور پر ایک "زرمبادلہ نکلوانے کے حق" (SPECIAL DRAWING RIGHET.) کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ "بین الاقوامی مالی فنڈ" کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لیے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کی تعیین کے لیے ۸۸۸، ۰، ۶۷۱ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا۔ (کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جا سکتا ہو، اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے۔ لہٰذا اب صورتحال یہ ہے کہ زرمبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لیے "ایس۔ ڈی۔ آر" کہا جاتا ہے سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اور نوٹوں اور "زر علامتی" (یعنی کم قیمت کے سکوں) نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کر رہے ہیں ...... لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماؤ پیدا نہیں ہوا، اس لیے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ "سونے کی سلاخوں کے نظام" کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں، اس لیے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آ سکے ...... لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے۔ اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی کے ساتھ کوئی قانونی تعلق نہیں ہے۔ خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔

بہر حال یہ دنیا کے کرنسی نظام کے انقلابات اور تغیرات کا خلاصہ ہے، جس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی

"ENCYCLOPAEDIA BRITONNICA" "BANKING AND CREDIT."

" MONEY CURRENCY. حکم التعامل فی الذهب والفضة۔ الدکتور محمد هاشم عوض۔

ہے کہ یہ کرنسی نوٹ ایک حالت اور ایک کیفیت پر قائم نہیں رہے، بلکہ مختلف ادوار مختلف زمانوں میں ان کی حیثیت بدلتی رہی ہے، اور ان پر بہت سے انقلاب اور تغیرات گذر چکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بالکل ابتدائی دور میں یہ نوٹ قرض کی سند اور دستاویز سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے، اس کی حیثیت مال اور ثمن کی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ سید احمد بیگ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "بہجۃ المشتاق فی بیان حکم زکاۃ الاوراق" میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہم نے لفظ "بینک نوٹ" کی ماہیت کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور "لاروس" جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے۔ اس میں بینک نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بینک نوٹ ایک کرنسی قوت ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی۔ اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقہ پر رائج ہوتا ہے۔ البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے تاکہ لوگ اس کے لین دین پر اعتماد کریں۔"

لہٰذا اس تعریف میں یہ الفاظ کہ: اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کر دی جائے گی" بغیر کسی شک کے اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے۔ البتہ اس تعریف میں دوسرے الفاظ یہ کہ: "ان نوٹوں کے ساتھ بھی اس طریقہ پر لین دین کیا جاتا ہے جس طرح دھات کی کرنسی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اس عبارت سے کوئی شخص اس کے مال یا ثمن ہونے کا وہم نہ کرے اس لیے کہ اس عبارت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ لوگ کرنسی کے بجائے ان نوٹوں کو لین دین میں قبول کر لیتے ہیں صرف اس خیال سے کہ مطالبہ کے وقت اس کی قیمت حامل نوٹ کو وصول ہو جائے گی اور حکومت اس نوٹ کی ادائیگی کی ضامن ہے، لہٰذا یہ تعریف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند اور دستاویز ہے۔[1]

اسی وجہ سے گذشتہ صدی میں ہندوستان کے بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ نوٹ قرض کی دستاویز ہے لہٰذا اس کے ذریعہ اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک فقیر اس نوٹ کو اپنی ضروریات میں خرچ نہ کرے، اور ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ہے۔[2]

لیکن اسی زمانہ میں علماء اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو ان کاغذی نوٹوں کو "ثمن عرفی" کے طور پر مال قرار دیتی تھی۔ چنانچہ اس مسئلہ پر مسند احمد کے مرتب اور شارح علامہ احمد ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فالذی اراہ حقا، وادین اللہ علیہ، ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواء بسواء، لانہ یتعامل

میرے نزدیک صحیح بات جس پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بھی بعینہ سونے

[1] یہ عبارت "بلوغ الامانی" سے نقل کی گئی ہے۔ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی، الساعاتی ۸: ۲۴۸

[2] شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵ (علماء بدایوں کا بھی یہی موقف تھا)

به كالنقدين تماما ولان مالكه يملك صرفه وقضاء مصالحه به فى اى وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالى، ومكث عنده حولا كاملا وجب عليه زكوته ...... الخ[1]

چاندی کے حکم کی طرح ہے، اس لیے کہ لوگوں میں ان نوٹوں کا لین دین بالکل اسی طرح جاری ہے، جس طرح سونے چاندی کا لین دین رائج ہے اور ان کے ذریعہ نوٹ کا مالک ہر وقت اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے لہٰذا جو شخص نصاب کے بقدر ان نوٹوں کا مالک بن جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ہندوستان کے بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے تھی چنانچہ حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی ــــــ کے خصوصی شاگرد اور "عطر ہدایہ" اور "خلاصۃ التفاسیر" کے مصنف شیخ فتح محمد صاحب لکھنوی ــــــ کی بھی نوٹ کے بارے میں یہی رائے تھی۔ اور ان کے بیٹے شیخ مفتی سعید احمد لکھنوی ــــــ (سابق مفتی و صدر مدرس مدرسہ تکمیل العلوم، کانپور) نے اپنے والد ماجد کی یہ رائے، ان کی کتاب "عطر ہدایہ" کے آخر میں نقل کی ہے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ علامہ عبد الحئی لکھنوی ــــــ بھی اس مسئلہ میں ان کے موافق تھے۔

ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ، کاغذی نوٹ کی دو حیثیتیں ہیں:۔

ایک یہ کہ خرید و فروخت، اجارات اور تمام مالی معاملات میں ان نوٹوں کا رواج اور لین دین بعینہٖ حقیقی ثمن اور سکوں کی طرح ہے۔ بلکہ حکومت نے لوگوں پر قرضوں اور حقوق کی ادائیگی میں اس کے قبول کرنے کو لازمی قرار دے دیا ہے، لہٰذا موجودہ قانون میں قرض خواہ کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں ان نوٹوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے ..... اس حیثیت سے یہ کاغذی نوٹ اب "عرفی ثمن" بن چکے ہیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نوٹ حکومت کی طرف سے جاری شدہ ایک دستاویز ہے اور حکومت نے یہ التزام کیا ہے کہ اس کے ضائع ہونے کی صورت میں، یا اس کے حامل کے مطالبے کے وقت اس کا بدل ادا کرے گی... اس حیثیت سے یہ نوٹ "ثمن عرفی" کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے کہ "ثمن عرفی" کی ہلاکت کے وقت حکومت اس کا بدل ادا نہیں کرتی ہے۔ دوسری حیثیت کے اعتبار سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند یا دوسری مالی دستاویز کی طرح ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن اگر اس دوسری حیثیت پر ذرا تعمق سے غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ نوٹ کی یہ دوسری حیثیت اس کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتی ہے، اس لیے کہ حکومت کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہ نوٹ بھی ثمن عرفی کے طور پر لوگوں میں رائج ہو جائیں اسی وجہ سے حکومت نے قرض کی ادائیگی میں اس کے قبول کرنے کو ضروری قرار دیا..... لیکن خلقی ثمن (سونے چاندی کے سکے) اور دوسری دھاتوں کے علامتی سکے جو پہلے سے رائج تھے ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کی اپنی ذاتی حیثیت اور قیمت بھی تھی۔ ان کو ثمن بنانے کے لیے حکومت کے کسی اعلان کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ یہ سکے کبھی سونے چاندی سے بنائے جاتے تھے اور کبھی تانبے، پیتل اور لوہے سے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز مال متقوم ہے۔ حتیٰ کہ اگر حکومت

---

[1] شرح الفتح الربانی للساعاتی، آخر باب زکاۃ الذہب والفضۃ ج ۸ ص ۲۵۱

ان سکوں کی ثمنیت کو ختم کرنے کا بھی اعلان کر دے۔ تب بھی مال متقوم ہونے کے اعتبار سے ان کی ذاتی قیمت باقی رہے گی۔
بخلاف ان کاغذی نوٹوں کے کہ ان کی اپنی ذاتی کوئی قابل ذکر قیمت نہیں ہے (صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے) البتہ حکومت کے اعلان کے بعد یہ قیمتی بن گئے ہیں لہٰذا اگر حکومت ان نوٹوں کی ثمنیت باطل کر دے تو ان نوٹوں کی کوئی قیمت باقی نہیں رہے گی، اس لیے کہ لوگوں کو جتنا اعتماد اور بھروسہ دھات کی کرنسی پر ہوتا ہے اتنا نوٹوں پر نہیں ہوتا، اس لیے حکومت کو یہ ضمانت لینی پڑی کہ اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں حکومت اس کا بدل ادا کرے گی۔ یہ ضمانت حکومت نے اس لیے نہیں لی کہ حکومت کی نظر میں یہ ثمن عرفی کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ضمانت دی تاکہ لوگ بلاخوف و خطر اس کا لین دین کر سکیں۔

لہٰذا اس نوٹ کے دستاویز ہونے کی حیثیت ایسی نہیں ہے جس سے اس کی ثمنیت باطل ہو جائے اس لیے اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حکومت نے اس کا بدل دینے کا وعدہ کیا ہے، مگر حکومت کے اس وعدہ کا لوگوں کے آپس میں لین دین پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر حکومت ان نوٹوں کو ثمن عرفی بنانا چاہتی تو لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر کبھی مجبور نہ کرتی۔ اور ان نوٹوں کے قابل تبدیل ہونے کی حیثیت کی وجہ سے لوگوں پر اس کا اعتماد حقیقی کرنسی سے بھی زیادہ ہو چکا ہے، اس لیے کہ حقیقی کرنسی کے خراب اور ضائع ہونے کی صورت میں اس کا بدل نہیں ملے گا۔ بخلاف ان کاغذی نوٹوں کے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں حکومت اس کا بدل مہیا کرتی ہے[1]

نوٹ کے متعلق مصنف کا موقف

کاغذی کرنسی کے بارے میں اوپر جو دو رائیں ذکر کی گئی ہیں ہمارے نزدیک اختلاف زمانہ کے لحاظ سے دونوں درست ہیں جس کی تشریح ہم پیچھے کاغذی کرنسی کی تاریخ اور اس پر گذرے ہوئے مختلف تغیرات کے بیان میں کر چکے ہیں۔

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں یہ کاغذی نوٹ قرض کی دستاویز شمار ہوتی تھی جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> دنیا میں بینک نوٹ (موجودہ کاغذی کرنسی) کا رواج بینک چیک کے رواج سے پہلے ہوا تھا اور یہ بینک نوٹ قرض خواہ کے پاس اس قرض کی سند سمجھا جاتا تھا جو قرض اس کا بینک کے ذمہ ہے۔ اور اگر یہ نوٹ دوسرے شخص کو دے دیا جاتا تو اس نوٹ کے تمام حقوق خود بخود اس دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گے لہٰذا دوسرا شخص جو اب اس نوٹ کا حامل ہے، خود بخود بینک کا قرض خواہ بن جائے گا اسی وجہ سے تمام مالی حقوق کو ان کے ذریعہ ادا کرنا حقیقی کرنسی کے ذریعہ ادا کرنے کی طرح ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور رقم کی بڑی مقدار کو ڈھلے ہوئے سکوں کے ذریعہ ادا کرنا بہت دشوار کام ہے اس لیے کہ اسے شمار کرنے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے نقل و حمل میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کاغذی کرنسی کے استعمال نے شمار کرنے کی مشقت کو کم اور دوسری مشکلات کو سرے سے ختم کر دیا۔[2]

---

[1] عمدۃ الرعایہ، للشیخ اللکنوی، ص ۲۱۸ تا ۲۲۰، طبع دیوبند، انڈیا۔
[2] انسائیکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ ۱۹۵۰، ج ۳ ص ۴۴، "بینکنگ اور کریڈٹ"۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ان کاغذی نوٹوں پر تغیرات کے بیان میں بتایا کہ بعد کے زمانے میں نوٹوں کی مندرجہ بالا حالت باقی نہیں رہی تھی۔ بالکل ابتدائی دور میں یہ نوٹ سنار اور صراف کی طرف سے کسی خاص شخص کو اس کے جمع کیے سونے کی رسید دستاویز کے طور پر جاری ہوتا تھا، اس وقت اس کی نہ کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ اس کو جاری کرنے والا ایک شخص ہوتا تھا اور نہ ہی کسی شخص کو اپنے حق کی وصولیابی میں اس نوٹ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ بعد میں جب اس کا رواج زیادہ ہوگیا تو حکومت نے اس کو "قانونی زر" (LEGAL TENDER) قرار دے دیا اور شخصی (غیر سرکاری) بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے اس اعلان کے بعد اس نوٹ کی حیثیت دوسری مالی دستاویزات سے مندرجہ ذیل حیثیتوں سے مختلف ہوگئی:۔

۱۔ اب یہ نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، اور دوسرے عرفی ثمن کی طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے مالی دستاویز مثلاً بینک چیک کو اپنے قرض کی وصولیابی میں قبول کرنے پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ باوجودیکہ بینک چیک کا رواج بھی عام ہو چکا ہے۔

۲۔ یہ نوٹ "غیر محدود زر قانونی" (UNLIMITED LEGAL TENDER) کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، جبکہ دھاتی کرنسی "محدود زر قانونی" (LIMITED LEGAL TENDER) ہے، اس لیے ان نوٹوں کے ذریعہ قرض کی بڑی سے بڑی مقدار کی ادائیگی ممکن ہے اور قرض خواہ اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، بخلاف دھاتی سکوں کے کہ قرض کی بڑی مقدار کو اگر کوئی شخص اس کے ذریعہ ادا کرنا چاہے تو قرض خواہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹ نے لین دین میں رواج کی کثرت، لوگوں کے اس پر زیادہ اعتماد اور اس کی قانونی حیثیت کی وجہ سے دھاتی کرنسی پر بھی برتری حاصل کر لی ہے۔

۳۔ قرض کی دستاویز ہر شخص جاری کر سکتا ہے، اس میں شرعاً اور قانوناً کوئی ممانعت نہیں کہ قرض خواہ یہ سند اپنے دین کی ادائیگی میں دوسرے قرض خواہ کو دے دے اور دوسرا قرض خواہ تیسرے قرض خواہ کو دے دے۔ لیکن یہ نوٹ حکومت کے علاوہ کوئی اور شخص جاری نہیں کر سکتا۔ جیسے دھاتی کرنسی حکومت کے علاوہ کوئی شخص جاری نہیں کر سکتا۔

۴۔ دنیا کے تمام ممالک میں عرفاً اور قانوناً نوٹوں کے لیے "کیش"، "ثمن" اور "کرنسی" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ دوسری مالی دستاویزات کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

۵۔ لوگ آپس میں ان نوٹوں کا لین دین اس اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں جس اعتماد کے ساتھ دھاتی کرنسی کا لین دین کرتے ہیں۔ اور ان نوٹوں کے لین دین کے وقت لوگوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ قرض کا لین دین کر رہے ہیں، آج کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو ان نوٹوں کو اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہو کہ ان کے ذریعہ سونے، چاندی یا دھات کے سکے حاصل کرے گا۔

۶۔ جیسا کہ اس کاغذی کرنسی کے ارتقاء میں پیچھے ذکر کیا گیا، اب ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی سرے سے موجود نہیں ہے اور نہ اسے سونے میں تبدیل کرنا ممکن ہے، حتیٰ کہ ملکوں کے درمیان آپس کے لین دین میں بھی اس کا امکان باقی نہیں رہا۔ چنانچہ جیوفرے کراؤتھر لکھتا ہے:

"کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ "حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔" اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور کوئی معنی باقی نہیں رہے۔ اس لیے کہ اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں

کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار ستر ہزار پونڈ یا اس سے زیادہ بھی کیوں نہ ہو۔ اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پرزہ ہے جس کی ذاتی قیمت کچھ بھی نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو برطانیہ کے مرکزی بینک میں لے جاکر اس کے بدلے میں سونے یا کرنسی کا مطالبہ کرے تو وہ بینک یا تو علامتی سکے دے دے گا یا اس کے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا۔ لیکن یہ کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں کیش ہی کی طرح قبول کیے جاتے ہیں، اس لیے اب اس کے بدلے کے مطالبہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔)

خلاصہ یہ کہ نوٹ پر لکھی ہوئی تحریر کا مطلب صرف اتنا رہ گیا ہے کہ حکومت اس نوٹ کی ظاہری قیمت کی ضامن ہے اور اس کی ظاہری قیمت اس کی قوت خرید ہی کا دوسرا نام ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بینک اس کے بدلے میں سونا، چاندی یا دوسرے دھاتی سکے دینے کا پابند نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات بینک مطالبہ کے وقت اس کے بدلے میں اس کی ظاہری قیمت ہی کے برابر دوسرے نوٹ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ نوٹ کے بدلے میں نوٹ ادا کرنے کو قرض کی ادائیگی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک کرنسی کو دوسرے کرنسی سے تبدیل کر کے دے دیا۔ اور مرکزی بینک نوٹوں کی یہ تبدیلی بھی صرف اس مقصد کے لیے کرتا ہے تاکہ ان نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد برقرار رہے۔ اس تبدیلی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ نوٹ کرنسی کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔

بہرحال! مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ "فلوس نافقہ" (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ جس طرح "فلوس نافقہ" کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، اور لوگوں میں ان نوٹوں کے ذریعہ لین دین کا رواج "فلوس نافقہ" ہی کی طرح ہو گیا ہے بلکہ موجودہ دور میں دھاتی سکوں کا وجود بھی نادر ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان نوٹوں کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا نہیں ہوتی۔ یا ایک کرنسی نوٹ کی دوسرے کرنسی نوٹ میں تبدیلی کو یہ کہہ کر ناجائز قرار دینا کہ یہ "بیع الکالی بالکالی" کی قبیل سے ہے یا ان نوٹوں کے ذریعہ سونے چاندی کی خریداری کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ یہ "بیع صرف" ہے اور "بیع صرف" میں دونوں طرف سے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، جو یہاں نہیں پایا گیا۔ ان تمام باتوں میں ناقابل تحمل حرج لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے معاملات میں شریعت مروجہ عرف عام کو معتبر مانتے ہوئے اس میں سہولت اور آسانی پیدا کر دیتی ہے۔ اور ایسے فلسفیانہ نظریہ کی دقیق بحثوں میں نہیں الجھتی، جن کا عملی زندگی پر کوئی اثر موجود نہ ہو۔ واللہ الحمد۔

بہرحال! مندرجہ بالا بحث سے یہ بات پوری ثابت ہو گئی کہ یہ کاغذی نوٹ کرنسی کے حکم میں ہیں۔ اب ہم اس نوٹ سے متعلق دوسرے فقہی احکام کو بیان کرتے ہیں۔ واللہ المستعان

کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ

جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ (۳۶ء۶۱۲ گرام) چاندی یا ساڑھے سات تولہ .... (۸۷ء۴۸ گرام) سونے کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائیگی اور چونکہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے ان نوٹوں پر قرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے۔

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ ایک ہی ملک کے مختلف مقدار کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ کیا جائے۔

ان دونوں صورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ تمام معاملات میں کرنسی نوٹ کا حکم بعینہٖ سکوں کی طرح ہے، جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کر کے جائز ہے۔ اسی طرح ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لے، لہٰذا اگر تبادلہ کرنے والے دو شخصوں میں سے کسی ایک نے بھی مجلس عقد میں نوٹوں پر قبضہ نہیں کیا حتیٰ کہ وہ دونوں جدا ہو گئے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ ان کے نزدیک فلوس متعین نہیں ہوتے۔ ان کی تعیین صرف قبضے ہی سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جن فلوس پر عقد ہوا ہے، اگر ان پر قبضہ نہیں ہوا تو وہ متعین نہیں ہو سکے بلکہ ہر فریق کے ذمے دین ہو گئے، اور یہ دین کی بیع دین سے ہو گئی، جو بیع الکالی بالکالی[1] ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

مندرجہ بالا حکم تو اس صورت میں ہے جب نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ برابر سرابر کر کے کیا جائے، اور اگر کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے، مثلاً ایک روپیہ کا دو روپے سے یا ایک ریال کا دو ریال سے، یا ایک ڈالر کا دو ڈالر سے تبادلہ کیا جائے تو اس صورت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کا وہی مشہور اختلاف پیش آئے گا، جو فلوس کے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے بارے میں معروف ہے، وہ یہ کہ:

بعض فقہاء کے نزدیک ایک فلس (پیسے) کا تبادلہ دو فلسوں سے شرعاً سود ہونے کی بناء پر حرام ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، اور حنابلہ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے، اور اگر دونوں طرف کے فلوس غیر متعین ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھی یہ تبادلہ حرام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تبادلہ اس لیے حرام ہے کہ ان کے نزدیک کسی معاملے میں ادھار اور کمی زیادتی کے حرام ہونے کی علت "ثمنیت" (کیش، نقدی، اور کرنسی ہونا) ہے، چاہے حقیقی ثمنیت ہو جیسے سونے چاندی میں ہوتی ہے یا عرفی اور اصطلاحی ثمنیت ہو، جیسے سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے اور کاغذی نوٹ میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی عقد میں دونوں طرف ایک قسم کا ثمن (کرنسی، نقدی، کیش) ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عقد میں نہ تو کمی زیادتی جائز ہے اور نہ ادھار جائز ہے۔ چنانچہ "المدونۃ الکبریٰ" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو ان الناس اجازوا بينهم الجلود   یعنی اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ

---

[1] مطلب یہ کہ اگر عقد مجھ متعین روپوں پر ہوا ہو اور کوئی فریق ان روپوں کے بجائے اتنی ہی مالیت کے دوسرے روپے دیدے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اب جب دوسرا فریق ان پر قبضہ کرے تو پہلا فریق اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا کہ تم مجھے واپس کر دو۔ میں ان کے بدلے دوسرے دیتا ہوں۔

حتی یکون لہا سکۃ وعین فلکرہتہا ان تباع بالذہب والورق نظرۃ لان مالکا قال، لایجوز فلس بفلسین. ولا تجوز الفلوس بالذہب ولا بالدنانیر نظرۃ[1]

خرید و فروخت کا استقدر رواج پا جائے کہ وہ بمنزلہ عین اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چیز کے فروخت کرنا جائز نہیں ــــــــــ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک فلس کی دو فلسوں کے ساتھ بیع اور تبادلہ جائز نہیں، اسی طرح سونا چاندی اور درہم اور دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں۔ (اس لیے کہ سونا چاندی، درہم اور دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے۔ اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت موجود ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار ناجائز ہے)

(المدونۃ الکبریٰ ج ۳، ص ۱۰۴)۔

جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت ثمنیت کے بجائے قدر (کیل اور وزن) ہے اور چونکہ فلوس عددی ہیں اس لیے ان میں یہ علت موجود نہیں، لیکن فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہم قیمت فلوس بازاری اصطلاح کے مطابق بالکل برابر اور قطعی طور پر مساوی اکائیاں ہوتی ہیں، کیونکہ لوگوں کی اصطلاح نے ان کی جودت و رداءت (عمدگی اور گھٹیا پن) کا اعتبار ختم کر دیا ہے لہٰذا اگر ایک اکائی کو دو اکائیوں سے فروخت کیا جائے گا، تو دو میں سے ایک اکائی بغیر کسی عوض کے رہ جائے گی، اور یہ عوض سے خالی رہ جانا عقد میں مشروط ہوگا، لہٰذا اس سے ربا لازم آجائے گا لیکن یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ ان فلوس کی ثمنیت باقی رہے، اور وہ متعین کرنے سے متعین نہ ہوں۔

اب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سکے ثمن اصطلاحی بن کر رائج ہو چکے ہیں تو جب تک تمام لوگ اس کی ثمنیت کو باطل قرار نہ دیں، اس وقت تک صرف متعاقدین (بائع اور مشتری) کے باطل کرنے سے ان کی ثمنیت باطل نہ ہوگی، جب ثمنیت باطل نہ ہوئی تو وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے لہٰذا ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز نہ ہوگا۔ خواہ متعاقدین (بائع اور مشتری) نے انھیں اپنی حد تک متعین ہی کیوں نہ کر لیا ہو۔

لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سکے خلقی ثمن نہیں ہیں بلکہ اصطلاحی اثمان ہیں۔ اس لیے متعاقدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے درمیان اس اصطلاح کو ختم کرتے ہوئے ان سکوں کی تعیین کے ذریعہ ان کی ثمنیت کو باطل کر دیں۔ اس صورت میں یہ سکے عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے، لہٰذا ان میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہوگا۔[2]

رہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سو ان کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: العنایہ حاشیہ فتح القدیر۔ ج ۵، ص ۲۸۷۔
[2] المغنی لابن قدامہ، مع الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۸، ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

ایک یہ کہ ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت "وزن" ہے، اور سکوں کے عددی ہونے کی وجہ سے یہ علت ان میں موجود نہیں جب علت موجود نہیں تو حرمت کا حکم بھی نہیں لگے گا۔

دوسرے یہ کہ سکوں کا اس طرح تبادلہ کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ سکے فی الحال اگرچہ عددی ہیں لیکن اصل میں دھات ہونے کی بنا پر وزنی ہیں۔ اور دھات کو سکوں میں تبدیل کرنے سے ان کی اصلیت باطل نہیں ہوگی۔ جس طرح روٹی اگرچہ عددی ہے لیکن اصلیت کے اعتبار سے آٹا ہونے کی بنا پر کیلی یا وزنی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

ان اختيار الناصحی ان ما کان یقصد وزنہ بعد عملہ کالاسطال، ففیہ الربا، و ما لا فلا۔[1]

کسی دھات سے کوئی چیز بنانے کے بعد بھی اگر اس میں وزن کا اعتبار کیا جاتا ہو تو اس میں کمی زیادتی سے بیع کرنا سود ہونے کی بنا پر حرام ہے۔ جیسے تانبے، پیتل اور اسٹیل کے برتن (اس لیے کہ یہ چیزیں بازار میں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں) اور اگر وزن کا اعتبار نہ کیا جائے تو سود نہیں ہے۔

اس اصول کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کاغذی نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہو، اس لیے کہ کاغذی نوٹ اصلاً وزنی نہیں ہیں بخلاف فلوس کے کہ وہ اصلاً وزنی ہے (واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم)

دوسرے بعض فقہاء کے نزدیک ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ مطلقاً جائز ہے۔ بلکہ سکوں کے تبادلے میں ہر قسم کی کمی زیادتی جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت اصلی اور خلقی ثمنیت ہے۔ جو صرف سونے چاندی میں پائی جاتی ہے اور سکوں میں صرف عرفی ثمنیت موجود ہے۔ خلقی ثمنیت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک فلوس کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ بالکل جائز ہے۔[2]

اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بھی اگر متعاقدین ان سکوں کو متعین کر دیں تو متعین کرنے سے ان کی ثمنیت باطل ہو کر وہ عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے۔

نوٹ کی نوٹ کے بدلے میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع

مندرجہ بالا اختلاف کا تعلق اس زمانے سے ہے جب سونے چاندی کو تمام اثمان کا معیار قرار دیا ہوا تھا۔ اور سونے چاندی سے تبادلے کا عام رواج تھا۔ اور تمام معاملات میں پوری آزادی کے ساتھ سونے چاندی کے سکوں کے ذریعے لین دین ہوا کرتا تھا اور دوسری دھات کے سکے معمولی قسم کے تبادلے میں استعمال ہوتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سونے چاندی کے سکے نایاب ہو چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں کوئی ایسا ملک یا ایسا شہر نہیں ہے جس میں سونے چاندی کے سکے رائج ہوں۔ اور تمام معاملات اور لین دین میں سونے چاندی کے سکوں کے بجائے علامتی سکے اور کرنسی نوٹ رائج ہیں جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں ہم نے بتایا ہے۔

لہٰذا میری رائے میں موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے تبادلہ کے مسئلہ میں امام مالکؒ یا امام محمدؒ کا قول اختیار کرنا

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۲۹، ص ۴۷۰ [2] نہایۃ المحتاج للرملی ج ۳ ص ۴۱۸، تحفۃ المحتاج لابن حجر ج ۴ ص ۲۷۹)

مناسب ہے، اس لیے کہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہ، اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر اسے جائز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے آسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے گا۔

غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ فقہاء حنفیوں نے ایک سکے کے دو سکوں سے تبادلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ہمارے موجودہ دور میں باحیات ہوتے۔ اور کرنسی کی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے، تو وہ ضرور اس معاملے کی حرمت کا فتویٰ دیتے۔ جس کی تائید بعض متقدمین فقہاء کے قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ماوراء النہر کے فقہاء عدالی اور غطارفہ میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو حرام قرار دیتے تھے[1] ایسے سکوں کے بارے میں حنفیہ کا اصل مذہب کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا تھا کیونکہ ان سکوں میں کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے وہاں چاندی اور کھوٹ میں سے ہر ایک کو مخالف جنس کا عوض قرار دینے کی گنجائش موجود تھی۔ (گویا کہ چاندی کا تبادلہ کھوٹ سے اور کھوٹ کا تبادلہ چاندی سے ہوتا تھا۔ اور یہ تبادلہ خلاف جنس سے ہونے کی بناء پر جائز تھا) لیکن ماوراء النہر کے مشائخ حنفیہ نے ان کھوٹے سکوں میں بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو ناجائز قرار دیا۔ اور اس کی علت یہ بیان کی کہ:

انها اعز الاموال في ديارنا فلو ابيح التفاضل فيه ينفتح باب الربا[2]

ہمارے شہر میں ان سکوں کو بھی بہت معزز مال سمجھا جاتا ہے، اس لیے ان میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینے سے سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

پھر اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا موازنہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول سے کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی بہت مضبوط اور راجح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کے بعد ہی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے جبکہ سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کا کوئی صحیح مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کے نزدیک سکوں کے حصول سے مقصد اس کی ثمنیت نہ ہو لیکن ان سب سکوں کی اصل دھات تانبا، پیتل اور لوہا مقصود ہو، سکوں کے حصول سے ہر شخص کی غرض اس کی ثمنیت ہوتی ہے (تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی ضروریات خرید سکے، نہ یہ کہ اس سکے کو پگھلا کر کوئی دوسری چیز بنا لے) لہٰذا اگر متعاقدین (بائع اور مشتری) سکے کی ثمنیت ختم کرنے پر مصالحت کر لیں تو اس مصالحت کو کمی زیادتی کے تبادلے کو جائز کرنے کے لیے ایک من گھڑت اور مصنوعی حیلہ کہا جائے گا۔ جس کو شریعت قبول نہیں کر سکتی۔ خاص کر موجودہ دور میں اس قسم کے حیلوں کی شرعاً کہاں گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ سونے چاندی کے حقیقی اور خلقی سکوں کا پوری دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے اور سود صرف ان مروجہ علامتی نوٹوں ہی میں پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے نقود نایاب ہوتے ہوتے دنیا بھر سے مفقود ہو چکے ہیں۔

ہاں! امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول پر عمل ان فلوس میں متصور ہو سکتا ہے۔ جو بذات خود بحیثیت مادہ کے مقصود ہوں، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ مختلف ممالک کے سکے اور کرنسی نوٹ اپنے پاس جمع کرتے ہیں۔ اس جمع کرنے سے ان کا مقصد تبادلہ یا بیع یا اس کے ذریعہ منافع حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

[1] عدالی اور غطارفہ خاص قسم کے دو سکے تھے جن میں چاندی بہت معمولی ہوتی تھی اور باقی سب کھوٹ ہوتا تھا۔ [2] فتح القدیر، باب الصرف، ج ۵ ص ۲۸۲۔

بلکہ انھیں صرف تاریخی یادگار کے طور پر جمع کرتے ہیں تاکہ آئندہ زمانہ میں جب یہ کرنسی بند ہو جائے تو یہ کرنسی ان کے پاس یادگار کے طور پر باقی رہے۔ بظاہر اس قسم کی کرنسی میں ان دونوں حضرات کے قول پر عمل کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو جائز کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، جہاں تک اس کرنسی کا تعلق ہے جس کے حصول کا مقصد تبادلہ اور بیع ہو اس کی ذات مقصود نہ ہو ایسی کرنسی کے معاملے میں نرمی برتنے سے سود کے حصول کا راستہ کھل جائے گا۔ لہٰذا ایسی کرنسی کے تبادلے میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینا درست نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بہرحال موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔

پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہیں دیکھی جائے گی بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی جو اس پر لکھی ہوتی ہے۔ لہٰذا پچاس روپے کے ایک نوٹ کا تبادلہ دس دس روپے کے پانچ نوٹوں کے ذریعہ کرنا جائز ہے۔ اس تبادلہ میں اگرچہ ایک طرف صرف ایک نوٹ ہے، اور دوسری طرف پانچ نوٹ ہیں۔ لیکن ظاہری قیمت کے لحاظ سے ان پانچ نوٹوں کے مجموعے کی قیمت پچاس روپے کے برابر ہے، اس لیے کہ یہ نوٹ اگرچہ عددی ہیں لیکن ان نوٹوں کے آپس میں تبادلہ اور بیع کرنے سے بذات خود وہ نوٹ یا ان کی تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی وہ ظاہری قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نوٹ نمائندگی کرتا ہے لہٰذا مساوات اس قیمت میں ہونی چاہیے۔

نوٹوں کے بارے میں یہ مسئلہ بعینہٖ فلوس کے سکوں کی طرح ہے۔ سکے اصلاً دھات کے ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں لیکن فقہاء نے انھیں عددی قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فلوس کے حصول سے ان کی ذات یا دھات یا تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بڑا سکہ جس کی قیمت دس فلس ہو اس کا تبادلہ ایسے دس چھوٹے سکوں سے کرنا جائز ہے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک فلس ہے اور اس کے وہ فقہاء بھی جواز کے قائل ہیں جو ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ کرنا جائز کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں ایک سکے کی قیمت بعینہٖ وہی ہے جو دس سکوں کی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ دس فلس کا سکہ اگرچہ بظاہر ایک ہے لیکن حکماً وہ ایک ایک فلس کے دس سکے ہیں۔ لہٰذا وہ دس واقعی سکوں کے مساوی ہے۔ بعینہٖ یہی حکم ان کرنسی نوٹوں کا ہے کہ ان میں بھی ظاہری عدد کا اعتبار نہیں۔ اس عدد گنتی کا اعتبار ہے جو ان کی قیمت (FACE VALUE) سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں مساوات ضروری ہے۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

پھر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں۔ اس لیے کہ، جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا تھا موجودہ دور کے سکے اور کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات ان کا مادہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں کرنسی قوت خرید کے ایک مخصوص معیار سے عبارت ہے اور ہر ملک نے چونکہ الگ معیار مقرر کیا ہوا ہے۔ مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکہ میں ڈالر، لہٰذا یہ معیار ملکوں کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، اس وجہ سے کہ ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کے اشاریہ اور اس کی درآمدات وبرآمدات وغیرہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کوئی ایسی مادی چیز موجود نہیں ہے جو ان مختلف معیارات کے

درمیان کوئی پائیدار تناسب قائم رکھے۔ بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر و اختلاف کی وجہ سے اس تناسب میں ہر روز بلکہ ہر گھنٹے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے لہٰذا ان مختلف ممالک کی کرنسیوں کے درمیان کوئی ایسا پائیدار تعلق نہیں پایا جاتا جو ان سب کو جنس واحد بنا دے۔

اس کے برخلاف ایک ہی ملک کی کرنسی اور سکوں میں یہ بات نہیں۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے وہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس اختلاف کا تناسب ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ مثلاً پاکستانی روپیہ اور پیسہ، اگرچہ یہ دونوں مختلف قیمت کے حامل ہیں لیکن دونوں کے درمیان جو ایک اور سو کی نسبت ہے (کہ ایک پیسہ ایک روپیہ کا سواں حصہ ہوتا ہے) روپیہ کی قیمت بڑھنے اور گھٹنے سے اس نسبت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف پاکستانی روپیہ اور سعودی ریال کے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت موجود نہیں جو ہر حال میں برقرار رہے۔ بلکہ ان کے درمیان نسبت ہر وقت بدلتی رہتی ہے [1]

لہٰذا جب ان کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت جو جنس ایک کرنے کے لیے ضروری تھی نہیں پائی گئی تو تمام ممالک کی کرنسیاں آپس میں ایک دوسرے کے لیے مختلف الاجناس ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام ان کے پیمانے اور ان سے گنائی جانے والی اکائیاں (ریزگاری وغیرہ) بھی مختلف ہوتی ہیں۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہو گئیں تو ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے لہٰذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے بھی کرنا جائز ہے، پانچ روپے سے بھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس لیے کہ جب ان کے نزدیک ایک ہی ملک کے سکے کا تبادلہ دو سکوں سے کرنا جائز ہے۔ تو مختلف ممالک کے سکوں کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموال ربویہ میں سے ہے لیکن اموال ربویہ میں جب جنس بدل جائے تو ان کے نزدیک بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلسوں سے تبادلہ اس لیے ناجائز تھا کہ وہ سکے آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے جس کی بناء پر تبادلے کے وقت ایک سکہ بغیر عوض کے خالی رہ جاتا تھا لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی بناء پر ہم مثل اور برابر نہ رہیں۔ اس لیے ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصہ کو خالی عن العوض نہیں کہا جائے گا اور جب خالی عن العوض نہیں تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بھی جائز ہے۔

لہٰذا ایک سعودی ریال کا تبادلہ ایک سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ بعض اوقات حکومت مختلف کرنسیوں کی قیمت مقرر کر دیتی

---

[1] کسی زمانہ میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ اس وقت ایک ریال تین روپے کے برابر تھا۔ پھر ریال کی قیمت بڑھ جانے سے ایک اور چار کی نسبت ہو گئی تھی۔ اور اب تقریباً ایک اور پانچ کی نسبت ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کرنسیوں کے درمیان ایسی کوئی معین نسبت موجود نہیں ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر برقرار رہے۔ بالکل یہی حال دنیا کے ہر دو ملکوں کی مختلف کرنسیوں کا ہے۔

ہے۔ مثلاً اگر حکومت پاکستان ایک ریال کی قیمت چار روپے اور ایک ڈالر کی قیمت پندرہ روپے مقرر کر دے تو کیا اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے؟ مثلاً کوئی شخص ایک ڈالر بجائے ۱۵ روپے کے بیس روپے میں بیچ دے تو اس زیادتی کو سود کہا جائے گا یا نہیں؟ میرے نزدیک حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے، اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے جس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کر دی۔ البتہ اس پر "تسعیر" (نرخ مقرر کرنے) کے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا جن فقہاء کے نزدیک اشیاء میں تسعیر جائز ہے کرنسی میں بھی جائز ہوگا۔ اور لوگوں کے لیے اس حکم کی مخالفت درست نہ ہوگی۔ ایک تو اس لیے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی ج ۱ ص ۹۶، و رد المحتار ج ۱ ص ۸۰، ایضاً ج ۱ ص ۹۲) دوسرے اس لیے کہ جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ پر مجبور نہیں کریں گے وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔ لہٰذا ان قواعد کے پیش نظر اس کے لیے حکومت کے اس حکم کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں۔

بغیر قبضے کے کرنسی کا تبادلہ

پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کمی زیادتی تو جائز نہیں، لیکن یہ بیع "صرف" بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں۔ اس لیے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے، اس کے بغیر یہ معاملہ درست نہ ہوگا اس لیے کہ ان دونوں اماموں کے نزدیک سکے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور تعیین بغیر قبضے کے نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر بغیر قبضے کے متعاقدین جدا ہو گئے تو ان کی جدائی اس حالت میں ہوگی کہ ہر فریق کے ذمے دوسرے کا دین ہوگا۔ (اور بیع الدین بالدین لازم آ جائے گی) جو جائز نہیں ہے۔[1] البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ ان کی تعیین کے لیے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک اگر کسی ایک فریق نے بھی نوٹ متعین کر دیے (کہ معاملہ خاص انہی نوٹوں پر ہوا ہے) تو پھر قبضہ عقد کی صحت کے لیے شرط نہیں ہوگا۔[2]

اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ پر دینا۔ مثلاً زید عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دے اور یہ کہے کہ تم اس کے بدلے مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار، ج ۴ ص ۱۸۳-۱۸۴۔

[2] المغنی لابن قدامہ، باب الصرف، ج ۴ ص ۱۶۹۔

کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا جب جنسیں مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

واذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع۔ فالبیع جائز لان الفلوس الرائجۃ ثمن کالنقود وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن وجوبھا ووجودھا معا ولا یشترط قیامھا فی ملک بائعھا لصحۃ العقد کما لا یشترط ذلک فی الدراھم والدنانیر۔

اگر کسی شخص نے دراہم کے بدلے فلوس خریدے اور اس نے دراہم بائع کو دے دیے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے تو یہ بیع درست ہو جائیگی اس لیے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہے کہ وہ ثمن (مشتری کے ذمے) واجب بھی ہو جائے، اور موجود بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں جس طرح دراہم اور دینار کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔

(مبسوط ج ۱۴ ص ۲۴)

لہٰذا اس صورت میں یہ بیع بثمن مؤجل ہو جائے گی جو اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے۔

اور اس معاملے کو "بیع سلم" میں بھی داخل کر سکتے ہیں۔ اور اکثر فقہاء فلوس میں "بیع سلم" کو جائز بھی قرار دیتے ہیں اس لیے کہ سکے ایسے غیر متفاوت عددی ہیں جو وزن اور صفت وغیرہ بیان کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو ایک فلس کی بیع دو فلسوں سے ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سکوں میں "بیع سلم" جائز ہے۔ (فتح القدیر، ج ۵ ص ۳۲۶)۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی عددی اشیاء جن میں تفاوت اور نمایاں فرق نہ ہو، ان میں "بیع سلم" جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۳۲۷)

البتہ اس عقد کو "بیع سلم" میں داخل کرنے کی صورت میں ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا، جو مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مسالک کے مطابق "بیع سلم" کے جواز کے لیے لگائی ہیں جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ [۱]

آج کل دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس چونکہ کرنسی پر ہے اور نوٹ کی قانونی حیثیت مختلف ادوار میں تبدیل ہوتی رہی ہے اس لیے اس کا شرعی حکم بھی تبدیل ہوتا رہے گا مثلاً جب نوٹ کی پشت پر سونے کی ضمانت تھی اس وقت نوٹ سونے کے حکم میں تھا اور کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی تھی جب وہ سونے کے نصاب کے برابر ہوتے غالباً یہی وجہ ہے کہ چند برس پہلے مصری علماء نے یہ لکھا تھا کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ بیس دینار شرعی کے برابر ہوں اور ایک دینار شرعی کی قیمت ۴۶ء۴ گرام سونے کے برابر ہے۔ [۲] نیز مصری علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ بینک نوٹ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ نوٹ ایک ہزار گنیوں (سونے کی

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی، ستمبر ۱۹۸۸ء، نومبر ۱۹۸۸ء

[۲] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۸ ص ۲۸۴۷، مطبوعہ القاہرہ ۱۹۸۲ء۔

اشرفیوں) کے برابر ہو جائیں[1] اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے لکھا ہے کہ بینک نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ ۸۵ گرام سونے (ہماری تحقیق کے مطابق ۴۸ء۸۰ گرام سونے) کے برابر ہوں[2]

نوٹ کا یہ شرعی حکم اس وقت تھا جب بینک نوٹ کی پشت پر سونا تھا اور نوٹ کو سونے میں تبدیل کرنا بینک کے لیے عملاً ممکن تھا، لیکن ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء سے جب نوٹ کی یہ حیثیت ختم ہوگئی اور بینک کے لیے نوٹ کو سونے سے تبدیل کرنا ممنوع ہوگیا اور اب نوٹ کی حیثیت صرف "زر اعتباری" رہ گئی ہے تو اب اس کا سابق حکم تبدیل ہوگیا اب نوٹ سونے کے حکم میں نہیں ہے اور سامان تجارت کی طرح ہے اور اب سونے یا چاندی کے جس نصاب کو بھی نوٹ کی قیمت پہنچ جائے اس حساب سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی "تادم تحریر نوٹ کے بارے میں ہماری یہی تحقیق ہے اور اگر نوٹ کی قانونی حیثیت مستقبل میں کوئی اور صورت اختیار کرے تو نوٹ کا شرعی حکم حالات کے اعتبار سے تبدیل ہو جائے گا۔

نوٹ کے عوض نوٹ کی کمی اور بیشی کے ساتھ جواز بیع کے اہم دلائل کا جائزہ

نوٹ کے بدلے نوٹ کی زیادتی کے ساتھ بیع کے جواز پر

ایک یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں ہے اور عددی چیز میں احناف کے نزدیک زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے۔ جیسے ایک انڈا کے بدلہ میں دو انڈوں کی بیع جائز ہے، اسی طرح دس کے ایک نوٹ کی دس کے دو نوٹوں کے عوض بیع جائز ہے۔

یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے اولاً تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں ہے۔ حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور کاغذ وزنی ہے۔ کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہے اس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی قیمت ان کے وزن کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

۳۰×۲۰	۴۵ گرام	۲۵۰ روپیہ رم
۳۴×۲۶	۵۵ گرام	۴۳۰ روپیہ رم
۳۲×۲۰	۵۶ گرام	۳۴۵ روپیہ رم
۳۰×۲۰	۵۶ گرام	۲۹۰ روپیہ رم
۳۶×۲۳	۵۶ گرام	۳۹۶ روپیہ رم
۳۴×۲۶	۵۶ گرام	۴۳۵ روپیہ رم
۴۰×۳۰	۵۶ گرام	۵۸۰ روپیہ رم
۳۰×۲۰	۶۳ گرام	۳۲۰ روپیہ رم
۳۰×۲۰	۶۸ گرام	۳۵۰ روپیہ رم

[1] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ القاہرہ، ۱۹۸۰ء۔

[2] فقہ السنۃ ج ۱ ص ۲۷۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ۔

۳۶ × ۲۳	۲۸ گرام	۴۸۰ روپیہ	رم
۳۲ × ۲۶	۲۸ گرام	۵۲۰ روپیہ	رم
۴۰ × ۳۰	۲۸ گرام	[illegible]۰۰ روپیہ	رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں کا اختلاف رم میں کمی و بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔ اور کاغذ کو اموال ربویہ سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔

درحقیقت نوٹ فلوس کی طرح ہیں جس طرح فلوس کی اصل تانبہ اور پیتل ہے اور ان کو عددیت عارض ہے اسی طرح نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور اس کو عددیت عارض ہے اور جس طرح تانبہ اور پیتل اموال ربویہ سے ہیں اسی طرح کاغذ بھی اموال ربویہ سے ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فلوس (پیسوں) میں ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک بغیر تعیین کے ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ از روئے حدیث حرام ہے۔ اور تعیین صرف قبضہ سے ہوتی ہے (مبسوط ج ۱۲ ص ۳) اور جب یہ بیع ادھار کی جائے گی تو بیع کے وقت دوسرے عوض پر قبضہ نہیں ہوگا اور سود کو حلال کرنے کے لیے اس بیع میں ادھار کا ہونا ضروری ہے۔ پس مجوزین ربوٰا کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ جب ایک نوٹ کی دو نوٹوں کے عوض ادھار بیع ہوگی تو دونوں جانب سے نوٹ متعین نہیں ہوں گے اور اس صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع ناجائز اور حرام ہے (ہدایہ اخیرین ص ۸۲ - ۸۱ مطبوعہ ملتان) و (فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۲ مطبوعہ سکھر)

نیز اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نوٹ کی نوٹ کے عوض کمی اور بیشی سے بیع جائز ہے تو ایک اعتراض یہ لازم آئے گا کہ جو شخص مثلاً سو روپیہ کے نوٹ کے عوض سو روپے کے دو نوٹ خرید رہا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ تم یہ بیع بحیثیت ثمن کر رہے ہو یا تم کو محض کاغذ کے اتنے بڑے دو ٹکڑے لینا مطلوب ہیں۔ اگر وہ یہ بیع بحیثیت ثمن کر رہا ہے تو اس کا سود ہونا واضح ہے اور اگر وہ محض کاغذ کے دو ٹکڑے لینا چاہتا ہے اور ثمن مطلوب نہیں ہے تو وہ نوٹ لینے پر کیوں اصرار کرتا ہے، اتنے سائز کے یا اس سے بڑے دو اور کاغذ کیوں نہیں لے لیتا!

بیع عینہ کے تجزیہ سے سود کو جائز کرنے کا ایک حیلہ

اگر کوئی شخص سود لیے بغیر کسی کو قرض نہ دینا چاہتا ہو تو بعض علماء نے سود سے بچنے کے لیے اس کی بیع عینہ کی طرف رہنمائی کی ہے تاکہ اس کو قرض کے بدلہ میں اضافی منفعت بھی حاصل ہو جائے اور یہ اضافی منفعت سود بھی نہ کہلائے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض فقہاء کی کتابوں میں یہ حیلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً زید، عمرو سے ایک ماہ کے لیے سو روپیہ قرض مانگے اور عمرو بغیر سود لیے اس کو قرض نہ دینا چاہتا ہو تو اس صورت میں جائز طریقے سے سود لینے کا حیلہ یہ ہے کہ عمرو سو روپیہ کی کوئی چیز اس کو ایک ماہ کے ادھار پر ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کر دے اور دوبارہ وہی چیز اس سو روپیہ میں نقد خرید لے، اس طرح زید کو فی الفور ایک سو روپیہ مل جائے گا اور عمرو کو اس سو روپیہ کے عوض

ایک ماہ بعد ڈیڑھ سو روپیہ مل جائے گا۔ اس طرح عمرو جو اپنے سو روپے پر ایک ماہ کی مدت کے عوض پچاس روپیہ سود لینا چاہتا تھا اس کو اب وہ سود بیع کے عنوان سے مل جائے گا اور اس پر سود لینے کا الزام بھی نہیں آئے گا، لیکن امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد نے بیع عینہ کو حرام قرار دیا ہے۔ امام محمد نے اس کو سود خوروں کا من گھڑت حیلہ قرار دیا ہے اور اس کی بہت مذمت کی ہے، صرف امام شافعی اور امام ابو یوسف نے اس کو جائز کہا ہے لیکن یہ ان کی اجتہادی خطاء ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

بعض معاصر علماء نے بیع عینہ کے اس حیلہ کی بناء پر بینک کے تمام مروجہ سودی کھاتوں کو جائز قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس مروجہ سود کو جائز کرنے کے لیے صرف اتنی ترمیم کر لی جائے کہ حکومت اپنی ایجنسیوں (اپنے بینکوں) کے ذریعہ مختلف مالیت کے سرٹیفکیٹ خریداروں کو مال کے طور پر ان کی "FACE VALUE" پر بیچے گی اور فروخت کے وقت ہی ان سے اضافی قیمت پر واپسی خرید کا معاہدہ کرے گی کہ اگر تم اس مال کو ایک سال کے بعد مجھے بیچنا چاہو تو میں اسے اس قدر اضافی قیمت پر خریدنے کو تیار ہوں۔ دو سال بعد اتنی اضافی قیمت پر اور اس طرح دس سال کے بعد اس اضافی قیمت پر ــــــ (ربا سود بینک کاری ص ۱۰۱)

اور یہ درحقیقت سود ہی کی صورتیں ہیں۔

بیع عینہ کی تحقیق

بعض علماء نے سود سے بچنے کے لیے بیع عینہ کی رہنمائی کی اور بیع عینہ کی روشنی میں نوٹ کی کمی و بیشی سے نقد اور ادھار بیع کو جائز کہا۔ ہمارے نزدیک نوٹ کی کمی و بیشی سے خرید و فروخت بعینہٖ سود ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس قدر سود پر اپنے غضب کا اظہار فرمایا ہے وہ کسی اور گناہ پر نہیں فرمایا اور جو لوگ سودی کاروبار سے نہیں رکتے انہیں فرمایا ہے کہ وہ اللہ اور رسول سے اعلانِ جنگ قبول کر لیں! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے کے عمل کو اپنی ماں کے ساتھ کعبہ میں ستر بار زنا کے برابر قرار دیا ہے۔ اور بیع عینہ سے سود کا دروازہ کھلتا ہے اور ہم شرح صدر سے بیع عینہ کرنا ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں اور چونکہ بعض معاصر علماء نے بیع عینہ کو جائز کہہ کر سود کا دروازہ کھول دیا اس لیے ہم پر شرعی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو قرآن اور حدیث کا علم دیا ہے اس کی روشنی میں بیع عینہ کا حکم واضح کریں اور اس مسئلہ میں مداہنت اور نفاق سے بچیں۔ پس اب ہم بیع عینہ کی تفصیل اور تحقیق بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو صحیح حکم القاء کرے اور حق و صواب پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

عینہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: ایک شخص کسی شخص کو کوئی چیز اس کی معروف قیمت کے عوض مدت معینہ کے ادھار پر فروخت کرے پھر اس شخص سے اسی چیز کو قیمت فروخت سے کم قیمت پر خرید لے، یہ عینہ ہے۔[۱]

علامہ زبیدی نے لکھا ہے عینہ بالکسر ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۹۱ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ) ۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس کو عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں عین دائن کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ سکھر)۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی بیع عینہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک شخص کسی تاجر سے مثلاً دس روپے

---

[۱] علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۳ ص ۳۳۲۔۳۳۳، مطبوعہ مؤسسۃ اسماعیلیان قم ایران، ۱۳۶۴ھ۔

قرض مانگتا ہے وہ انکار کرتا ہے پھر اس کو مثلاً پندرہ روپے میں (مدت معینہ کے ادھار پر) ایک ایسا کپڑا فروخت کرتا ہے جس کی معروف قیمت دس روپے ہے تاکہ قرض لینے والا وہی کپڑا اس کو دس روپے میں فروخت کر دے اور اس کو پانچ روپیہ زیادہ مل جائیں۔ اس کو عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قرض دینے سے عین کی طرف اعراض ہے، یہ بیع مکروہ ہے[1]

علامہ ابن ہمام نے بیع عینہ کی ایک اور صورت بھی ذکر کی ہے جس میں واسطہ کا دخل ہے۔ ایک شخص مثلاً زید مدت معینہ کے ادھار پر اپنی ایک چیز دو ہزار روپوں میں مقروض کو فروخت کر دیتا ہے۔ پھر ایک تیسرا شخص اسی چیز کو مقروض سے ایک ہزار میں خرید کر اس چیز پر قبضہ کر لیتا ہے، پھر تیسرا شخص وہ چیز بائع اول (زید) کو ایک ہزار میں فروخت کر دیتا ہے۔ اور تیسرے شخص نے جو ایک ہزار نقد مقروض کو دیئے تھے وہ ان ایک ہزار روپوں کو بائع اول (زید) کے حوالے[س] کر دیتا ہے۔ بائع اول مقروض کو ایک ہزار روپیہ نقد دیتا ہے اور مدت معینہ کے بعد اس سے دو ہزار وصول کر لیتا ہے[2] علامہ ابن ہمام نے ان دونوں قسموں کو مکروہ لکھا ہے۔

بیع عینہ کی حرمت میں احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام ابوداؤد سجستانی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلا لا ینزعہ حتی ترجعوا الی دینکم[3]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دُمیں پکڑ کر زراعت پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس کو اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف رجوع نہیں کرو گے!

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ کرنے پر ذلت کی وعید سنائی ہے اور اس کو دین سے پھرنے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور یہ بیع عینہ کی حرمت کی واضح دلیل ہے۔ اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زراعت کرنے پر بھی یہ وعید ہے پھر چاہیے کہ وہ بھی ممنوع ہو جائے حالانکہ وہ ممنوع نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زراعت پر بھی راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں اس قدر اشتغال ہو جائے کہ لوگ جہاد کو چھوڑ دیں[4] اور اس تاویل کی اس لیے ضرورت ہے کہ دوسری احادیث سے زراعت کا جواز اور استحسان ثابت ہے۔ برخلاف بیع عینہ کے اس میں اس

---

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۳۵، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[س] یہاں حوالے سے مراد فقہی حوالہ ہے یعنی تیسرا شخص مقروض سے کہتا ہے کہ اس چیز کی قیمت بائع اول یعنی زید ادا کرے گا۔ اور بائع اول اس کو قبول کر لیتا ہے۔ منہ

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] علامہ ابن ہمام نے بھی یہ توجیہ کی ہے (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴)۔ منہ الطبع الخامس ۱۴۰۵ھ

تاویل کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ اس کا استحسان دوسری احادیث سے ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس اس کی ممانعت میں بکثرت احادیث ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

عن عطاء عن ابن عمر قال نهى عن العينة [1]

عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیع عینہ سے منع فرمایا۔

عن الحكم عن مسروق قال: العينة حرام [2]

حکم کہتے ہیں کہ مسروق نے کہا کہ عینہ حرام ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

عن ابن عباس يقول اذا بعتم السرق من سرق الحرير بنسيئة فلا تشتروه [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تم ریشم کے ٹکڑوں میں سے کوئی ٹکڑا ادھار فروخت کرو تو اس کو مت خریدو۔

یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے [4]

عن طاؤس قال من اشترى سلعة بنظرة من رجل فلا يبيعها اياه، ومن اشترى بنقد فلا يبيعها اياه بنظرة۔ [5]

طاؤس کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدی وہ اس شخص کو وہ چیز نہ فروخت کرے اور جس شخص نے کوئی چیز نقد خریدی وہ اس شخص کو وہ چیز ادھار فروخت نہ کرے۔

عن معمر قال سألت حمادا عن رجل اشترى من رجل سلعة هل يبيعها منه قبل ان ينقده ؟ بو ضيعة قال: لا وكرهه حتى ينقده۔ [6]

معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے پوچھا ایک شخص نے کسی شخص سے کوئی چیز خریدی کیا وہ اس چیز کی قیمت ادا کرنے سے پہلے کچھ کم پر اس شخص کو وہ چیز فروخت کر سکتا ہے ؟ حماد نے کہا نہیں ! اور قیمت ادا کرنے سے پہلے اس کو مکروہ قرار دیا۔

عن ابى اسحاق عن امرأته قالت: سمعت امرأة ابى السفر تقول سألت عائشة

ابو اسحاق کی بیوی بیان کرتی ہیں کہ ابو السفر کی بیوی نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول ۱۴۰۷ھ

[2] ″ ″ ″ ″ ، المصنف ج ۶ ص ۴۷

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبع الاول ۱۳۹۲ھ

[4] علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۳، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت

[5] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبع الاول ۱۳۹۲ھ

[6] ″ ″ ″ ″ ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۶

فقلت بعت زید بن ارقم جاریۃ الی العطاء بثمان مائۃ درھم وابتعتھا منہ بست مائۃ (وفی روایۃ اخری لعبد الرزاق فنقدتہ الست مائۃ - سعیدی) فقالت لھا عائشۃ: بئس ما اشتریت! او بئس ما اشتری، ابلغی زید بن ارقم انہ قد ابطل جھادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یتوب قالت: افرایت ان اخذت راس مالی، قالت لا باس من جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف [1]

پوچھا کہ میں نے وظیفہ ملنے تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک باندی حضرت زید بن ارقم کو فروخت کی اور چھ سو درہم نقد دے کر وہ لونڈی ان سے خرید لی، حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے بری چیز خریدی یا فرمایا زید بن ارقم نے بری چیز خریدی، تم زید بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا اس کو باطل کر دیا، الا یہ کہ وہ اس سے توبہ کریں، میں نے کہا یہ بتلائیے کہ اگر میں اپنی اصل رقم واپس لے لوں تو؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس شخص کے پاس نصیحت پہنچ گئی اور وہ (سود سے) باز آگیا تو اس نے جو پہلے لیا ہوا ہے وہ اس کا ہو چکا۔

یہ حدیث سنن بیہقی [2] اور کنز العمال میں بھی ہے [3] اور امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام مالک نے اس سے بیع عینہ کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔ (حوالے عنقریب آرہے ہیں)۔

بیع عینہ میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: بیع عینہ ممنوع نہیں ہے، اس کے بعد بیع عینہ کی تعریف کرتے ہیں: ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز ادھار فروخت کرے اور وہ چیز اس کو دے دے، پھر اس سے قیمت وصول کرنے سے پہلے کم قیمت نقد دے کر وہ چیز اس سے خرید لے [4]

روضۃ الطالبین کے فاضل محشی شوافع کا رد کرتے ہوئے مسند احمد اور سنن ابو داؤد کے حوالے سے حضرت ابن عمر کی وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ پر ذلت کی وعید سنائی ہے پھر لکھتے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عینہ حرام ہے، نیز امام اوزاعی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ ریشم کے ٹکڑے کی بیع کے ذریعہ سود کو حلال کریں گے اس سے آپ کی مراد عینہ تھی۔ نیز حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ یعنی عینہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبع الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۳۱ - ۳۳۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[3] علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، الطبع الخامس ۱۴۰۵ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۴۱۷ - ۴۱۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

عینہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ دھوکا نہیں کھاتا، یہ وہ چیز ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے، اس حدیث کو حافظ محمد عبد اللہ کوفی نے کتاب البیوع میں روایت کیا ہے، نیز جب حضرت زید بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے زید کو آٹھ سو درہم کے ادھار پر ایک غلام فروخت کیا اور پھر نقد چھ سو درہم سے کو خرید لیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: زید کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے جہاد کو باطل کر دیا الا یہ کہ تم توبہ کر لو۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ ان احادیث میں اس بات کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عینہ کو حرام کر دیا، اسی وجہ سے حضرت عائشہ نے فرمایا زید کا جہاد باطل ہو گیا، لیکن حضرت زید بن ارقم اس لیے معذور تھے کہ انھیں اس کی حرمت کا علم نہیں تھا، اسی لیے حضرت عائشہ نے فرمایا ان تک یہ پیغام پہنچا دو

فاضل محشی لکھتے ہیں پس یہ صحابہ یعنی حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اور اسی طرح حضرت ابن عمر بیع عینہ کو حرام کہتے ہیں، اور ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی بیع عینہ کو جائز کہا ہو، بلکہ مدینہ منورہ اور کوفہ کے فقہاء تابعین بھی اس کو حرام کہتے ہیں اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لاعلمی کی وجہ سے بیع عینہ کا ارتکاب کیا تھا۔ [1]

امام ابوبکر بیہقی شافعی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی فرماتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وظیفہ ملنے تک کے ادھار کی مذمت کی تھی کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور اس کو ہم بھی ناجائز کہتے ہیں، یہ بات نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے بیع عینہ کا رد کیا تھا اور جب صحابہ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو ہم اس قول پر عمل کرتے ہیں جو قیاس کے قریب ہو، اور قیاس کے مطابق حضرت زید بن ارقم کا قول ہے، کیونکہ حضرت زید بن ارقم بیع عینہ کو حلال نہ سمجھتے تو یہ بیع نہ کرتے [2] (ہونا یہ چاہیے کہ اختلاف صحابہ کے وقت اس صحابی کے قول پر عمل کیا جائے جو حدیث رسول کے مطابق ہو۔ سعیدی)

علامہ ابن ترکمانی حنفی امام شافعی کے اس جواب کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس حدیث کے ثبوت میں تردد کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عالیہ (اس حدیث کی راویہ) معروف ہے اس کا خاوند اور بیٹا دونوں معروف ہیں، وہ دونوں امام ہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے مطابق امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک، امام ابن حنبل اور حسن بن صالح کا مذہب ہے اور استذکار میں ہے کہ شعبی، حکم اور حماد بھی بیع عینہ سے منع کرتے تھے۔

رہا امام شافعی کا دوسرا اعتراض کہ "وظیفہ کی وصولیابی تک" مدت مجہول ہے اور اس وجہ سے حضرت عائشہ نے اس بیع کی مذمت کی تھی، سو اس کے جواب میں علامہ ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وظیفہ کی وصولیابی تک بیع کو جائز قرار دیتی تھیں۔

---

[1] حاشیۃ روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۴۱۹ - ۴۱۶ ملخصا، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ۔
[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۳۱ - ۳۳۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے کہ امہات المؤمنین وظیفہ کی وصولیابی تک ادھار پر اشیاء خریدتی تھیں۔ ابوبکر رازی نے کہا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے پہلے عقد (یعنی وظیفہ کی ادائیگی تک کے ادھار پر جو بیع کی تھی) کا کیوں انکار کیا حالانکہ وہ ان کے نزدیک صحیح تھا، تو ہم یہ کہیں گے کہ حضرت عائشہ کو یہ علم تھا کہ ابوالسفر کی زوجہ نے اس پہلی بیع کے سبب سے دوسری بیع کا قصد کیا تھا جیسا کہ لوگ (بیع عینہ میں) کرتے ہیں، اور حبیب ابوالسفر کی بیوی نے کہا یہ بتلایئے کہ اگر میں صرف اپنا اصل مال لے لوں تو؟ اور حضرت عائشہ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی "فمن جاءه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف" تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ پہلا عقد باقی تھا اور حضرت عائشہ نے انکار دوسرے عقد کا کیا تھا اور اگر وہ وظیفہ کی وصولیابی تک ادھار کی وجہ سے پہلے عقد کا انکار کرتیں جیسا کہ امام شافعی کا زعم ہے کہ تو پہلا عقد باقی نہ رہتا اور پھر اس آیت کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہ تھی)۔[1]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ طیبی نے امام شافعی کے جواب میں کہا ہے کہ وظیفہ کی وصولیابی کی مدت کا مجہول ہونا ممنوع ہے، کیونکہ سپاہیوں کو وظیفہ سال میں ایک یا دو بار ملتا ہے اور اس کی مدت زیادہ تر معین ہوتی ہے اور حضرت زید بن ارقم کے فعل کا قیاس کے مطابق ہونا مشکل ہے علاوہ ازیں حضرت عائشہ کا قول حضرت زید کے فعل پر راجح ہے کیونکہ حضرت عائشہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ پر وعید سنائی ہے (اس کو ہم پہلے سنن ابوداؤد اور مسند احمد کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں)۔[2]

بیع عینہ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے ادھار قیمت پر ایک چیز فروخت کی، پھر اس چیز کو کم قیمت پر نقد خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی اور نخعی سے یہی مروی ہے ابوالزناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، اسحاق اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ یہ ایک ثمن ہے جس کے عوض بائع کے غیر کے ساتھ بیع ہو سکتی ہے اسی طرح بائع کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے نیز جب بائع اس کو قیمت فروخت کے برابر قیمت پر خرید سکتا ہے تو اس سے کم قیمت پر بھی خرید سکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ ابواسحاق کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت زید بن ارقم کی ام ولد اور ان کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، حضرت زید بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہ سے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم کو وظیفہ کی وصولیابی تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک غلام فروخت کیا، پھر ان کو چھ سو درہم نقد دے کر ان سے وہ غلام خرید لیا۔ حضرت عائشہ نے دو بار فرمایا تم نے یہ بڑا سودا کیا! زید بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کیے ہوئے جہاد کو باطل کر دیا الا یہ کہ وہ توبہ کر لیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور سعید بن منصور نے روایت کیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں

---

[1] علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ابن الترکمانی متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی ج ۵ ص ۳۳۱ - ۳۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[2] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۶ ص ۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

حدیث نہ سنی ہوتی تو وہ اتنی سخت بات نہ فرماتیں۔ اس لیے حضرت عائشہ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے قائم مقام ہے اور اس لیے کہ بیع عینہ ربوٰ کا ذریعہ ہے کیونکہ درمیان میں یہ بیع اس لیے لائی جاتی ہے کہ وہ ادھار کر کے پانچ سو کے ہزار لے سکے۔ اور ذرائع معتبر ہوتے ہیں اس چیز کو برابر یا زیادہ قیمت سے خریدنا جائز ہے یہ بیع اس وقت ہے جب بیع کے بعد اس میں کوئی تحریم نہ آئی ہو اگر اس چیز میں بیع کے بعد کسی قسم کا کوئی نقصان آگیا ہو تو اس کو کم قیمت سے خریدنا جائز ہے۔ ان تمام صورتوں کی امام ائمہ نے تصریح کی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے کسی چیز کو ایک نقد سے فروخت کیا اور دوسری نقد سے خرید لیا مثلاً دو سو درہم میں فروخت کیا اور پھر دس دینار میں خرید لیا تو ہمارے اصحاب (حنبلیہ) کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ درہم اور دینار دو مختلف جنسیں ہیں اور ان تمام میں تفاضل حرام نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں یہ بھی استحساناً جائز نہیں ہے کیونکہ درہم اور دینار باعتبار ثمنیت کے شے واحد کے حکم میں ہیں اور نیز اس لیے کہ اس کو ربوٰا کا وسیلہ بنایا جاتا ہے اس لیے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلی ثمن سے خریدا ہو۔ اور یہ قول ان شاء اللہ زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں اس مسئلہ کا نام مسئلہ عینہ ہے۔ سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑتے رہو گے اور کاشتکاری پر راضی ہو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹ گے۔ یہ وعید عینہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔[1]

بیع عینہ میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: جب کوئی شخص مدت معین کے ادھار پر کوئی چیز فروخت کرے پھر اس چیز کو خرید لے تو اس میں نو صورتیں ہیں جن میں سات میں اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے۔ جن دو میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں: مدت معین کے ادھار پر فروخت کرنے کے بعد مدت پوری ہونے سے پہلے اس کو کم قیمت پر خرید لے یا مدت گزرنے کے بعد اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے۔ امام مالک اور جمہور اہل مدینہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعی، داؤد اور ابوثور کے نزدیک یہ جائز ہے جو اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع حرام کے حصول کا ذریعہ ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو ایک ماہ کے لیے دس دینار بیس دینار کے عوض دے دو، وہ کہے یہ جائز نہیں ہے لیکن میں تم کو یہ گدھا ایک ماہ کے ادھار پر بیس دینار کے عوض فروخت کر دیتا ہوں پھر تم کو دس دینار نقد دے کر یہ گدھا خرید لوں گا۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں جو فقہاء اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت زید بن ارقم کی ام ولد کی ایسی بیع کرنے پر مذمت کی اور حضرت زید بن ارقم کو وعید سنائی۔ قاضی ابن رشد نے تفصیل سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت

بیع عینہ میں فقہاء احناف کا موقف

مذاہب اربعہ کے بیان میں ہم اس سے پہلے علامہ ابن قدامہ حنبلی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع عینہ ناجائز ہے، یعنی کوئی شخص کسی چیز کو ادھار فروخت کر کے مدت پوری ہونے سے پہلے کم قیمت پر نقد خرید لے اور یہی بیع عینہ ہے اور علامہ ابن الترکمانی ماردینی حنفی کی تصریح پیش کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بیع ممنوع ہے اور محرر مذہب حنفیہ امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ: من اشتری سلعۃ بنقد او بنسیئۃ فقبضھا ولم ینقد الثمن حتی باعھا من الذی اشتراھا منہ باقل من الثمن فلا خیر فیہ الی قولہ و کذلک بلغنا عن عائشۃ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ان امرأۃ قالت لھا انی بعت زید بن ارقم جاریۃ بثمانمائۃ درھم الی عطائہ واشتریتھا منہ بستمائۃ درھم نقدا فقالت عائشۃ بئس ما شریت بئس ما شریت ابلغی زید بن ارقم انہ قد ابطل جھادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لم یتب الحدیث۔ [1]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نقد یا ادھار قیمت پر ایک چیز خریدی اس چیز پر قبضہ کر لیا اور قیمت ادا نہیں کی حتی کہ وہ چیز اس شخص کو قیمت خرید سے کم پر فروخت کر دی جس سے خریدی تھی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ہمیں اسی طرح یہ حدیث پہنچی ہے: ایک عورت نے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم کو وظیفہ کی وصولی تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک باندی فروخت کی ہے پھر وہی باندی ان کو چھ سو درہم نقد دے کر خرید لی حضرت عائشہ نے فرمایا: تم نے بری خریداری کی اور تم نے بری خریداری کی۔ زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: جس شخص نے ایک ہزار درہم نقد یا ادھار کے عوض ایک باندی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر قیمت ادا کرنے سے پہلے وہ باندی پانچ سو درہم کے عوض اسی بائع کو فروخت کر دی تو بیع ثانی جائز نہیں ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، کیونکہ قبضہ کے بعد اس کی ملکیت مکمل ہو گئی اور بائع یا اس کے غیر کو فروخت کرنا دونوں برابر ہیں، اور یہ ایسے ہے جیسے اس نے پہلی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت پر یا کسی چیز کے عوض اس کو فروخت کیا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جس عورت نے آٹھ سو میں غلام خریدنے کے بعد چھ سو میں (اسی بائع کو) فروخت کیا تھا اس عورت سے حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے بری خریداری کی اور تم نے بری خریداری کی! اور زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا، وہ باطل ہو جائے گا نیز اس لیے کہ ابھی (پہلے) بائع کی ضمانت میں قیمت نہیں آئی تھی، پس جب مبیع اس کے پاس واپس آگئی تو پانچ سو درہم منہا کرنے کے بعد اس کو پانچ سو درہم زائد بلاعوض مل گئے۔ [2]

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۴۸-۴۷، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور۔

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا تو وہ اپنے اجتہاد سے یہ وعید نہیں سنا سکتی تھیں۔ [1]

علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں: یہ شدید وعید اس پر دلیل ہے کہ یہ عقد فاسد ہے، اور بغیر کفر کے کسی معصیت سے عبادات باطل نہیں ہوتیں الا یہ کہ یہ وحی سے ثابت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ نیز حضرت زید بن ارقم نے حضرت عائشہ سے اس معاملے میں معذرت کی حالانکہ امور اجتہادیہ میں صحابہ ایک دوسرے سے معذرت نہیں کرتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ نے یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا تھا۔ [2]

اور علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے عدم توبہ کی صورت میں اس عقد کی وجہ سے حضرت زید کے حج اور جہاد کے بطلان کی وعید سنائی اور یہ بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی، سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بات تھی، اور عقد صحیح پر یہ سزا مرتب نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عقد فاسد ہے۔ اور بے شک حضرت زید نے حضرت عائشہ سے معذرت کی اور یہ بھی حضرت عائشہ کے سماع کی دلیل ہے، کیونکہ امور اجتہادیہ میں صحابہ ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے اور معذرت نہیں کرتے تھے۔ [3]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

قال محمد رحمہ اللہ ھذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعہ آکلۃ الربٰو وقد ذمھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظھر علیکم عدوکم ای اشتغلتم بالحرث عن الجھاد وفی روایۃ سلط علیکم شرارکم فیدعو خیارکم فلا یستجاب لکم وقیل ایاک والعینۃ فانھا لعینۃ [4]

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی طرح ہے، یہ بیع مذموم ہے جس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مذمت کی ہے اور فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے، اور بیلوں کی دموں کو پکڑو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تم پر تمہارے دشمن غالب آجائیں گے یعنی جب تم کھیتی باڑی میں مشغول ہو کر جہاد کو چھوڑ دو گے، اور ایک روایت میں ہے تم پر برے لوگ مسلط کر دیے جائیں گے۔ تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے اور وہ قبول نہیں ہوں گی، اور ایک روایت میں ہے بیع عینہ سے بچو کیونکہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۷۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۷۰-۶۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۹۸ مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

[4] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

فقہاء حنفیہ نے بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

بیع العینۃ مکروہ ذمیم اخترعہ اکلۃ الربوا وقد ذمہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فقال اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظہر علیکم عدوکم وقیل ایاک والعینۃ فانہا لعینۃ۔[1]

بیع عینہ مکروہ اور مذموم ہے اس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مذمت کی ہے اور فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے اور ایک روایت میں ہے بیع عینہ سے بچو کیونکہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

علامہ خوارزمی کے علاوہ علامہ بابرتی[2] علامہ زیلعی[3] ملا علی قاری[4] علامہ شرنبلالی[5] ملا مسکین[6] اور علامہ حصکفی[7] نے بھی بیع عینہ یہی لکھا ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

بیع العینۃ مثل ان یستقرض من تاجر عشرۃ فیتابی علیہ ویبیع منہ ثوبا یساوی عشرۃ بخمسۃ عشرۃ مثلا رغبۃ فی نیل الزیادۃ یبیعہ المستقرض بعشرۃ ویتحمل علیہ خمسۃ سمی بہ لما فیہ من الاعراض عن الدین الی العین وہو مکروہ۔[8]

بیع عینہ مثلاً ایک شخص کسی تاجر سے دس روپے قرض مانگے وہ قرض دینے سے انکار کرے اور اس کو دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں فروخت کر دے تاکہ وہ شخص اس تاجر کو وہ کپڑا دس روپے میں فروخت کر دے اور وہ اس سے پانچ روپے زیادہ حاصل کرے، اس کو بیع عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دین سے عین کی طرف اعراض ہے اور یہ بیع مکروہ ہے۔

امام ابویوسف کہتے ہیں کہ بیع عینہ مکروہ نہیں ہے جائز ہے، اور امام محمد اس کو مکروہ اور مذموم قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ میرے دل میں پہاڑوں کی طرح بھاری ہے اس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت کی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن ہمام اپنی رائے لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش الفتح ج ۶ ص ۳۲۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۶۳، مکتبہ امدادیہ ملتان۔

[4] ملا علی بن سلطان محمد قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح النقایہ ج ۲ ص ۱۶۷-۱۶۶، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

[5] علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ، حاشیۃ الدرر الغرر ج ۲ ص ۳۰۵-۳۰۴، مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر، ۱۳۰۴ھ

[6] معین الدین ہروی المعروف بملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ شرح الملا مسکین علی الکنز ج ۳ ص ۱۵ مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریۃ ۱۲۸۷ھ

[7] علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ۔

[8] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۴۲ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

میرے دل میں جو چیز واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ دینے والا جب کوئی چیز دے تو جس صورت میں وہ چیز کل یا بعض اسی شخص کی طرف لوٹ آئے (اور بیع عینہ میں اسی طرح ہوتا ہے۔ قرض دینے والا ایک چیز کو ادھار بیچ کر کم قیمت پر نقد خود خرید لیتا ہے۔ سعیدی غفرلہ) تو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹ کر آتی تو وہ صرف خلاف اولیٰ ہے۔ اس دوسری صورت کی وضاحت علامہ ابن ہمام نے اس طرح کی ہے کہ ایک شخص کسی سے دس روپے قرض مانگتا ہے وہ اس کو قرض نہیں دیتا بلکہ دس روپے کی چیز اس کو پندرہ روپے میں ادھار فروخت کر دیتا ہے اور بس! اب مقروض چاہے اس چیز کو اپنے پاس رکھے یا بازار میں اس چیز کو فروخت کر دے اس صورت میں یہ بیع عینہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ چیز قرض دینے والے کے پاس نہ لوٹے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ہمام نے اس عبارت میں بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال فی الفتح ما حاصلہ ان الذی یقع فی قلبی انہ ان فعلت صورۃ یعود فیھا الی البائع جمیع ما اخرجہ او بعضہ کعود الثوب الیہ فی الصورۃ اعادۃ وکعود الخمسۃ فی صورۃ اقراض الخمسۃ عشر فیکرہ یعنی تحریما۔[۲]

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز میرے دل میں واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس صورت میں بائع کی دی ہوئی چیز کل یا بعض اس کی طرف لوٹ آتی ہے جیسے بیچا ہوا کپڑا اس کے پاس لوٹ آئے یا پندرہ روپے قرض دینے کی صورت میں پانچ روپے اس کی طرف لوٹ آئیں تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ ابو السعود نے بھی علامہ ابن ہمام کی عبارت کا بعینہ یہی خلاصہ بیان کیا ہے۔[۳]

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق فقہاء احناف کا بیع عینہ میں موقف یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بیع عینہ ممنوع ہے۔ امام ابو یوسف نے اس کو جائز کہا ہے، امام محمد نے اس کو مکروہ مذموم قرار دیا ہے اور علامہ ابن ہمام اور دیگر فقہاء احناف نے امام محمد کے قول کو اختیار کرتے ہوئے بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

دار الحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دار الحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دار الاسلام میں سود حرام ہے، (امام احمد) امام مالک، امام اوزاعی، امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں ربا جاری نہیں ہوگا اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان ربا نہیں ہوگا، اور ان کے اموال مباح ہیں، (امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دار الحرب میں احکام شرعیہ نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ)

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۴ ص ۲۸۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

۳۔ علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی سکلیبی متوفی ۹۸۲ھ، حاشیۃ ابی السعود علی ملا مسکین ج ۳ ص ۱۵، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ ۱۲۸۷ھ

ے۔ کیونکہ علامہ ابن ہمام نے یہاں مکروہ کا ذکر خلاف اولیٰ کے مقابلے میں کیا ہے اس لیے یہاں مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے۔ اسی وجہ سے علامہ شامی اور شیخ ابو سعود نے اس کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا ہے۔ منہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حرم الربٰوا (بقرہ: ۲۷۵) "اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الذین یاکلون الربٰوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس (بقرہ: ۲۷۵) "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا" نیز فرمایا: یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا (بقرہ: ۲۷۸) "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو" اور احادیث میں بالعموم تفاضل کی ممانعت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا۔ باقی احادیث میں بھی اسی طرح تفاضل کی ممانعت ہے اور اس لیے کہ جو کام مسلمانوں پر دار الاسلام میں حرام ہیں وہ دار الحرب میں بھی حرام ہیں جس طرح مسلمانوں میں سود کا لین دین حرام ہے اور امام ابوحنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں لا نفی کی بجائے نہی کے لیے ہو۔ یعنی مسلمان دار الحرب میں حربی سے سود نہ لیں اور جس چیز کو قرآن مجید نے علی العموم والاطلاق حرام کر دیا ہے اور سنت مشہورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی خبر مجہول کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے جو کسی کتاب صحیح میں ہے نہ مسند میں نہ کسی اور معتمد اور مستند کتاب میں ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ حدیث مرسل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں لا نفی کا نہ ہو بلکہ نہی کا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ: ۱۹۷) "حج میں جماع، فسق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔"[۱]

دار الحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں ربٰوا نہیں ہے۔ اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ اس قیاس پر کرتے ہیں کہ حربی جب امان سے کر دار الاسلام میں آئے تو اس سے سود لینا جائز نہیں ہے، اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: "مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں ربٰوا نہیں ہے۔" اور اس لیے بھی کہ دار الحرب میں ان کا مال مباح ہے خواہ مسلمان جس طریقہ سے ان کا مال حاصل کرے وہ مال مباح ہے بشرطیکہ دھوکا نہ دے اور عہد شکنی نہ کرے، اور مستامن پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا تو اس کے مال کا لینا ممنوع ہو گیا۔[۲]

دار الحرب میں جواز ربٰوا والی حدیث کی فنی حیثیت

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: امام بیہقی نے امام شافعی کی کتاب السیر کے حوالے سے اس حدیث کو "معرفۃ" میں ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا، امام ابویوسف کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا بعض مشائخ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل حرب کے مابین ربٰوا نہیں ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اور اہل اسلام کے مابین، امام شافعی نے فرمایا یہ ثابت ہے نہ اس میں کوئی حجت ہے۔[۳]

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ
[۲] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۵ھ، ہدایہ اخیرین ص ۸۶ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
[۳] حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند ۱۳۵۷ھ

علامہ ابن ہمام نے بھی اس حدیث کی فنی حیثیت کے بارے میں یہی کچھ نقل کیا ہے۔ [1]

دار الحرب میں ربوٰ کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ مکحول کی روایت اوّل تو ثابت نہیں ہے اور بر تقدیر ثبوت اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید نے جو ربوٰ کو مطلقاً حرام کیا ہے وہ مال محظور میں حرام کیا ہے اور حربی کا مال مباح ہے اور اس توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مکحول کی یہ مرسل روایت نہ بھی ہوتی تب بھی دار الحرب میں حربی سے سود لینا مباح ہوتا۔ [2]

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ "مال محظور" کی قید لگا کر اپنی رائے سے قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کو مقید کر رہے ہیں اور جب قرآن مجید کے عموم قطعی کو حدیث رسول سے بھی مقید کرنا صحیح نہیں ہے تو علامہ ابن ہمام کی رائے میں اتنی قوت کہاں کہ وہ قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کے مزاحم ہو سکے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ نے علی الاطلاق سود کو حرام کر دیا ہے خواہ مسلمان سے سود لیا جائے یا کافر سے اور کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اور دار الاسلام میں سود لیا جائے یا دار الحرب میں، قرآن مجید نے ہر قسم کے سود کو حرام کر دیا ہے اور اس عموم کو نہ مکحول کی مرسل اور غیر ثابت روایت سے مقید کیا جا سکتا ہے نہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے۔

مکحول کی روایت کا محمل

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مکحول کی یہ روایت صحیح ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: "لا ربوٰ بین المسلم و الحربی"۔ "مسلمان اور حربی میں سود نہیں ہے۔" تو اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

اوّل: اس حدیث میں "لا" نفی کا نہیں ہے بلکہ نہی کا ہے اور اس کا معنی ہے مسلمان اور حربی کے مابین سود کی ممانعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ، ۱۹۷) "حج میں جماع، فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔" یعنی ان افعال کی ممانعت ہے۔

ثانی: اس حدیث میں حربی سے مراد محض غیر ذمی کافر نہیں ہے۔ بلکہ برسر جنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور جس قوم کے ساتھ حالت جنگ قائم ہو اس کو ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے اس قوم کے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کا مال لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ثالث: لا ربوٰ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حربی کافر سے جو سود لیا جائے گا وہ سود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دار الحرب میں رہنے والا مسلمان اگر حربی کافر سے سود لیتا ہے تو اگرچہ یہ فعل گناہ ہے لیکن قانون حرمت اور ممانعت سے مستثنیٰ ہے یعنی مسلمان حکومت اس شخص سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ تم نے یہ عقد فاسد کیوں کیا ہے اور سود کیوں لیا ہے اور اس مسلمان کو اس کے اس غلط کام پر سزا نہیں دے سکتی کیونکہ دار الحرب میں رہنے والا مسلمان، مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اور اس پر اسلامی ریاست کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸

والذین آمنوا ولم یهاجروا ما لکم من ولایتهم من شیء حتی یهاجروا۔ (انفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) نہیں آئے ان پر تمہاری کوئی "ولایت" نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کر لیں۔

اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں سے ہوگا جو دارالاسلام کے باشندے ہوں یہ آیت دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کو (دینی اخوت کے باوجود) دارالاسلام کے مسلمانوں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی رشتے سے خارج کر دیتی ہے اس عدم ولایت کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں ہو سکتے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالحرب میں بھی سود لینا گناہ ہے اور "لاربوٰ بین المسلم والحربی" کا مفاد یہ ہے کہ اس پر سود لینے کی دنیاوی سزا جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس کی تائید علامہ سرخسی کی ذکر کردہ ان احادیث سے ہوتی ہے:

فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی نصاری نجران من اربی فلیس بیننا وبینہ عهد وکتب الی مجوس هجر اما ان تدعوا الربا او تأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا جس شخص نے سود لیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے، اور مجوس ہجر کی طرف لکھا یا تو تم سود چھوڑ دو، یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کرو!

نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حربی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت نہیں دی اور جب آپ نے حربی کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خواری کی اجازت کب دے سکتے ہیں!

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مکحول کی روایت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں مسلمان حربی کافر سے سود لے سکتا ہے[2] یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود دینے میں تو اضطرار ہو سکتا ہے مثلاً کسی شخص کو اپنی ناگزیر ضرورت میں بغیر سود کے قرض نہ ملے لیکن سود لینے میں اضطرار کا کوئی تعلق نہیں ہے سود لینے کی وجہ صرف مال کی حرص اور طلب زر کی خواہش ہوتی ہے۔

دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی وضاحت

امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوٰ نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے مسلمان حکام وہاں کسی مسلمان کے سود لینے پر اس سے مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے، اس کی وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

۲۔ ماہنامہ ضیاء حرم، ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

وابو حنيفة يقول بالاسلام قبل الاحراز تثبت العصمة في حق الامام دون الاحكام الا ترى ان احدهما لو اتلف مال صاحبه او نفسه لم يضمن وهو آثم في ذلك وانما تثبت العصمة في حق الاحكام بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدين لان الدين مانع لمن يعتقده حقا للشرع دون من لا يعتقده وبقوة الدار يمنع عن ماله من يعتقد حرمته ومن لم يعتقده فلثبوت العصمة في حق الاثم قلنا يكره لهما هذا الصنيع ولعدم العصمة في حق الحكم قلنا لا يؤمر ان يرد ما اخذه لان كل واحد منهما انما يملك مال صاحبه بالاخذ[1]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے، احکام کے حق میں نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال یا اس کی جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا، در اصل احکام میں عصمت صرف دارالاسلام میں رہنے سے ہوتی ہے، نہ کہ دین کی وجہ سے، کیونکہ دین تو حق شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا، اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے مال کی حفاظت اس شخص سے بھی کی جائیگی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد نہیں رکھتا، پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا ان کا یہ فعل مکروہ ہے، اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بناء پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مال لیتا ہے تو محض لینے کی وجہ سے ہی اس مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں کوئی عقد فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

وان كانا اسلما ولم يخرجا حتى تبايعا بالربا كرهته لهما ولم اردده وهو قول ابي حنيفة۔[2]

اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان کبھی

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ ھ

[2] ,, ,, ,, ,, المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸، ,, ,, ,,

میں سود لیں یا مسلمان حربی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہر حال گنہ گار ہو گا۔

کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں کا پیسہ بٹورنا جائز ہے؟

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دار الحرب ہوتا ہے اور اس وقت دار الحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوتے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انھیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، کنیڈا اور جرمنی وغیرہ، ایسے ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دار الکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال ان پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال مسلمانوں پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو، ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

یا یھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم. (النساء: ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا، سو مسلمانوں کے لیے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا. (النور: ۳۳)

اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا عارضی فائدہ طلب کرو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دار الکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر کاروبار کرنا شروع کر دیں؟

یا یھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللہ و الرسول و تخونوا اٰمنٰتکم و انتم تعلمون. (انفال: ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کر لیا کریں؟

ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم۔ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ۔ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشاء یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں، غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں، مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی، پارسائی امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کفار سے لڑائی تیر و تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے، اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور افکار پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کر دیا جس کو پھیلانے کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کر سکے گا؟

جو لوگ دار الکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لیے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے اُمّی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح ملے روا ہے غیر مذاہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں خدا نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائما ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ (آل عمران: ۷۵)

اور ان (یہودیوں) (میں سے) بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے کہہ دیا کہ امیین (مسلمانوں) کا مال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی، اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں!

غور کیجیے جو لوگ دار الکفر میں ہیں! حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان سے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟

حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دارالحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔ قاضی بیضاوی، بغوی، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے، پھر جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے "بضع" کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو، پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آگئے، حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء سے اونٹ لے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے آپ نے فرمایا یہ سحت (مال حرام) ہے، اس کو صدقہ کر دو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔[1]

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا تسامح ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر بات کو عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو اغرب قرار دیا ہے۔[2]

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے:

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی "الم غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سيغلبون في بضع سنين" "الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔" جن دنوں یہ آیت نازل ہوئی ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "ويومئذ يفرح المؤمنون بنصر الله ينصر من يشاء وهو العزيز الرحيم" "جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔" اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہو جائیں کیوں کہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعثت پر ایمان

---

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۱ ص ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[2] حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۴۲-۳۴۱ مطبوعہ دار الاندلس بیروت

رکھتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا الٓمّٓ اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے، "قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں! اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی، مشرکین نے کہا " بضع سنین " تین سالوں سے لے کر نو سالوں تک ہے تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کر لو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی، پھر چھ سال گذر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے شرط وصول کر لی، پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہو گئے، پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انہوں نے " بضع سنین " کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو " بضع سنین " فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں)، امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲)۔ قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کر دو۔ (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برأت کی نیت سے اس کو صدقہ کر دے)

دار الحرب، دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحاصل ان عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انما تصیر دارھم دار الحرب بثلاث شرائط احدھا ان تکون متاخمۃ ارض الترک لیس بینھا و بین ارض الحرب دار للمسلمین والثانی ان لا یبقی فیھا مسلم آمن بایمانہ ولا ذمی آمن بامانہ والثالث ان یظھروا احکام الشرک فیھا۔ [2]

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو، دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو، اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ، جامع ترمذی ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ ھ

نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا۔ ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دارالحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں، تجارت اور دیگر انواع کے معاملات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے ہیں مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی ممالک، یہ ملک دارالحرب نہیں ہیں، بلکہ دارالکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ملکوں کو دارالاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً دارالاسلام ہیں حقیقۃً دارالکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارالکفر پر مجازاً دارالحرب کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقۃً دارالاسلام ہیں نہ دارالحرب بلکہ یہ دارالکفر ہیں کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دارالحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دارالاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال من جھتھم یجوز لہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد والحد وتقلید القضاۃ لاستیلاء المسلم علیھم فلو الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلماً۔ [1]

معراج الدرایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے جو شہر کفار کے ہاتھوں میں ہیں وہ بلاد اسلام ہیں، بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام ظاہر نہیں کیے بلکہ قاضی اور حاکم مسلمان ہیں جو ضرورت کی وجہ سے یا بلا ضرورت کفار کی اطاعت کرتے ہیں، اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے حاکم مقرر ہو اس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور حد قائم کرنا اور قاضیوں کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ (شرعاً) مسلمان کافروں پر غالب ہیں اور اگر حاکم کفار ہوں پھر بھی مسلمانوں کے لیے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کسی شخص کو قاضی بنا دیا جائے گا اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کو تلاش کریں۔

مبسوط کی اس عبارت میں کافروں کے ملک کو جو بلاد اسلام یا دارالاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ حقیقی اطلاق نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہاں اسلامی شعائر اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو لیکن کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً دارالاسلام ہے، نہ حقیقۃً دارالاسلام ہے اور نہ حقیقۃً دارالحرب ہے، قبل از تقسیم ہندوستان کو جو

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

علماء نے دارالاسلام قرار دیا تھا اس کا بھی یہی مطلب تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت تھی نہ احکام اسلامیہ کا غلبہ تھا اس لیے ہندوستان حقیقۃً دارالکفر ہی تھا اور حقیقۃً دارالحرب اس لیے نہیں تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ حاصل تھا۔
شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

والتاجر من المسلمین اذا اراد ان یدخل الیھم بامان علی فرس ومعہ سلاح وھو لا یرید بیعہ منھم لم یمنع من ذلک لان التاجر یحتاج الی ان یستصحب ھذہ الاشیاء لمنفعۃ نفسہ فلا یکون ممنوعا عنہ فی دارالحرب کما لا یکون ممنوعا عنہ فی دارالاسلام[1]

مسلمان تاجر جب گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ کے ساتھ امان لے کر دارالحرب میں جائیں وہاں جا کر وہ اس گھوڑے اور اسلحہ کو کافروں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ تاجر کو اپنے مصالح کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پس جس طرح تاجر کے لیے یہ چیزیں دارالاسلام میں ممنوع نہیں ہیں، اسی طرح دارالحرب میں بھی ممنوع نہیں ہیں۔

فقہاء نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان تاجر کے لیے سواری اور اسلحہ کو دارالحرب میں تجارت کے لیے لے جا کر فروخت کرنا جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اشیاء اور جن چیزوں کا تعلق آلات حرب سے نہ ہو ان کو دارالحرب میں لے جا کر فروخت کرنا اور ان کی تجارت کرنا جائز ہے۔
ہم نے یہ عبارت اس لیے نقل کی ہے کہ فقہاء دارالکفر پر بھی مجازاً دارالحرب کا اطلاق کر دیتے ہیں کیونکہ دارالحرب کی تو یہ تعریف ہے جہاں مسلمان اور ذمی کو جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو اس لیے ایسی جگہ مسلمان تاجروں کا تجارت کے لیے جانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس لیے یہ دارالحرب نہیں ہے۔ اب تک کی بحث سے جو تعریفات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

دارالاسلام: وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور شعائر اسلامی اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو۔
دارالحرب: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو، اسی طرح ذمی کو بھی تحفظ حاصل نہ ہو۔
دارالکفر: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو، اس علاقے کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہوں، مسلمان وہاں تجارت کے لیے جاتے ہوں، مسلمانوں کو وہاں جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو، اور احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔
ان تعریفات کے اعتبار سے امریکہ، برطانیہ، کنیڈا، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور افریقی ممالک جہاں مسلمان امان اور آزادی کے ساتھ رہتے ہیں یہ سب دارالکفر ہیں یہاں جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں اس لیے یہاں مسلمانوں کے لیے سود کا لین دین کسی طرح سے جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقود فاسدہ سے لینا بھی

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۱۵۷، مطبوعہ المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ

جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر فقہاء احناف نے درجہ کراہت میں کافروں کے مال لینے کو جائز کہا ہے تو دار الحرب میں کہا ہے اور یہ ممالک دار الحرب نہیں ہیں۔ فقہاء نے ایسے ممالک پر مجازاً دار الحرب کا بھی اطلاق کیا ہے اور مجازاً دار الاسلام کا اطلاق بھی کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ممالک دار الکفر ہیں، دار الحرب ہیں نہ دار الاسلام۔

ربا الفضل کی علت حرمت میں مذاہب ائمہ

علامہ نووی لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے، سونا، چاندی، گندم، جو، چھوارے اور نمک غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے پھر ان فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے، امام شافعی نے کہا سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی، کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے، امام شافعی نے فرمایا باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے سو ہر کھانے کی چیز میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہوگی: امام مالک کا قول سونے اور چاندی میں امام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے سو انہوں نے منقیٰ میں بھی تفاضل کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جا سکتا ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے پس ہر وہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے اور سعید بن مسیب، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت طعام کا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے اس بنا پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے انڈا وغیرہ ان میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے۔ نیز فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی بیشی اور ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کی جائے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ایک سود والی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں ہے اور سود والی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے، مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں ادھار بیع جائز ہے نہ نقد تفاضل کے ساتھ۔ [۱]

امام ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں تفاضل سے بیع جائز نہیں ہے [۲] (اور یہی امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چیزوں میں طعم حرمت کی علت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ [۳]

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۔۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[۲] علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی متوفی ۳۳۴ھ، مختصر الخرقی مع المغنی ج ۴ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

[۳] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو لہٰذا جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہو گی۔[1]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے۔[2]

امام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے سکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ ان میں ثمنیت موجود ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے۔[3]

ربوا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جا سکے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے، ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ اسی لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربوا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان بزرگوں نے نہایت کاوشش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے، ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا مثلاً بمثل فروخت کرو۔ اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے قدر میں مساوات اور قدر وزن، کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور انڈے دو درجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزناً، کیلاً (ماپ کے ذریعہ) یا عدداً فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں، لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن، ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور یداً بید یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہو گی اور اگر وزن، عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہو گی تو ناجائز اور حرام ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت ربوٰ کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً بمثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن، ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن انڈے یا اخروٹ دو درجن انڈوں یا

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

اخروٹوں کے مثل نہ ہوں۔ اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں۔
اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: للذکر مثل حظ الانثیین۔
(نساء: ۱۱) "مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دوگنا) حصہ ہے۔" فرض کیجیے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی، لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مثل، ماپ والی، وزنی عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴ - سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نہ فروخت کرو۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربٰو ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربٰو ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا ثمن ہوں اگر ان کی بیع کمی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع ادھار ہو تو وہ ربٰو ہے اور اگر برابر اور نقد بیع ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ ھذا ما عندی والعلم التام عند اللہ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے، ان کے نزدیک علت ربٰو ماپ اور تول اور اشتراک جنس ہے، وہ عددی چیزوں میں حرمت ربٰو کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزناً بکتا ہے اس لیے ایک کلوگرام سیب کو دو کلوگرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے، اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو سیب نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے، بعض شہروں میں مالٹے ایک ہی دوکان پہ عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت ناک بات ہو گی کہ ایک ہی دوکاندار سے ایک چیز کو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آسکی۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے تو اولاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں جس کا چاہیں استثناء فرما دیں، اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی۔ ثانیاً ہو سکتا ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں جنس کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں

میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا، ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے!

امام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ لہٰذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں مثلاً تانبا، پیتل، چونا، کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبے یا پیتل کے بدلہ میں بیع سود نہ ہو۔ اور تانبا، پیتل، چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود ہے۔ اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قابل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، پیتل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پین، پنسل، ہتھیار، میز، کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے۔ یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلہ میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

سود کے مسئلہ میں ایک اور اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزوں میں تنوع (variety) اور (quality) کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے مثلاً باسمتی چاول اور ٹوٹا چاول، پارکر پین اور ایگل پین، عمدہ سیب اور گھٹیا سیب۔ اب اگر کوئی شخص ایک کلو باسمتی چاول تین کلو ٹوٹے چاول کے عوض فروخت کرے تو ہر چند کہ یہ بازار کے نرخ کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس پر سود کی تعریف صادق آئے گی اور بعض دفعہ ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ایک کلو باسمتی چاول کو مثلاً بارہ روپے میں فروخت کرے اور پھر بارہ روپے کی تین کلو ٹوٹے چاول خریدے۔

غالباً اسی دشواری کے پیش نظر ائمہ اور مجتہدین نے سود کے دائرہ کو کم کیا تاکہ امت کو سہولت اور آسانی حاصل ہو۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے ان چیزوں میں حرمت ربوٰ کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل اور وزن قرار دی تاکہ عددی چیزیں سود کے دائرہ سے نکل جائیں۔ امام شافعی نے طعم اور ثمنیت کو علت قرار دیا تاکہ باقی استعمال کی چیزیں سود کے دائرہ سے نکل جائیں۔ امام مالک نے بھی ثمنیت اور خوراک کے قابل ذخیرہ ہونے کو علت قرار دے کر باقی استعمال کی چیزوں کو سود کے دائرہ سے نکال دیا، امام احمد کا ایک قول امام ابوحنیفہ کی طرح اور ایک قول امام شافعی کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ائمہ کرام پر رحمت فرمائے جنھوں نے امت کے لیے یسر کی راہیں تلاش کیں۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کی دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے

کہ اس سے ربا النسیئہ کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے، یہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو مجھے خوف ہے کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

علامہ علی متقی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۸۰، ۱۱۱، مطبع بیروت)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جبکہ اتحاد جنس کے باوجود ان کی نوعیتیں مختلف ہوں۔ مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو، یا سونے کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے جو بالآخر سود خوری اور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے اس لیے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تبادلہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر برابر مبادلہ کر لیا جائے اور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دوسری چیز سے براہ راست تبادلہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار کے بھاؤ پر فروخت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاؤ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیع کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے اور ادھار کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً زید آج دس کلوگرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلوگرام گندم لیتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو اور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت گندم کی قیمت آٹھ روپیہ کلو ہو تو زید کو پچاس روپیہ کے بدلہ میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اسی روپیہ حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے ہم دکاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دکاندار کی محنت، ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ کے بدلہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جا سکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔

سونے اور چاندی کی بیع میں عقد کے وقت قبضہ کرنے میں مذاہب:

حدیث نمبر ۳۹۴۳ میں ہے: مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عمر بن الخطاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت میں نے آ کر کہا کہ کسی نے دراہم فروخت کرنے ہیں؟ حضرت طلحہ نے کہا تم اپنا سونا دکھاؤ، اور بعد میں آنا جب ہمارا نوکر آئے گا تو ہم تمہیں اس کے بدلے میں چاندی دے دیں گے، حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: ہرگز نہیں! تم اس کو چاندی ابھی دو ورنہ اس کا سونا واپس کر دو! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: چاندی سونے کے بدلے سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو، اور گندم، گندم کے بدلے سود ہے

مگر جو نقد بہ نقد ہو اور جو، جو کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور کھجور، کھجور کے بدلے میں سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے کہا کہ جب ربوی (جس چیز میں سود ہو) کی ربوی سے بیع کی جائے تو اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا ضروری ہے بشرطیکہ دونوں بدل علت ربا میں متفق ہوں خواہ ان کی جنس متفق ہو یا نہ ہو، مثلاً سونے کی سونے کے ساتھ بیع ہو یا سونے کی چاندی کے ساتھ بیع ہو، فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عقد کے بعد فریقین کا قبضہ کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر عقد کے بعد قبضہ نہیں ہوا خواہ مجلس میں فریقین نے بدلین پر قبضہ کر لیا ہو تو ان کے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں ہے، اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جب مجلس میں قبضہ ہو جائے تو بیع صحیح ہے خواہ عقد سے مؤخر ہو اور اس حدیث سے فقہاء مالکیہ کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ طلحہ بن عبید اللہ نے اس بیع میں سونا لے لیا تھا اور اس کے عوض دراہم کی ادائیگی کو مؤخر کر دیا تھا، ان کے خیال میں سونے اور چاندی کی بیع بھی عام بیع کی طرح تھی اس لیے حضرت عمر نے ان کو مسئلہ کا حکم بتلایا۔ [1]

کرنسی نوٹوں کی نوٹوں سے بیع میں ادھار کا حکم

کرنسی نوٹ چونکہ فی نفسہٖ غیر متعین ہوتے ہیں، اس لیے جب کرنسی نوٹوں کی کرنسی نوٹوں سے بیع کی جائے تو اس میں ادھار جائز نہیں ہے خواہ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کی اسی ملک کی کرنسی سے بیع ہو یا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے بیع ہو کیونکہ جس طرح دینار اور درہم غیر معین ہوتے ہیں اسی طرح کرنسی نوٹ بھی غیر معین ہیں۔

(نوٹ کی نوٹ کے عوض بیع صرف اس وقت صحیح ہے جب مجلس عقد میں دونوں عوض موجود ہوں، مساوی ہوں اور ان کو تعیین سے متعین کر لیا جائے۔) اور بیع صرف میں ادھار کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صرف، ثمن کے بدلے میں ثمن کی بیع ہے اور اثمان غیر معین ہوتی ہیں اور غیر معین کی غیر معین سے بیع جائز نہیں ہے۔ شمس الائمہ السرخسی بیع صرف کی تعریف میں لکھتے ہیں:

هو مبادلة الاثمان بعضها ببعض [2] ”بعض ثمن کی بعض دوسری ثمن کے ساتھ بیع کو بیع صرف کہتے ہیں۔

نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ مال کی ایک قسم وہ ہے جو ہر حال میں ثمن ہے وہ درہم اور دینار ہیں، دوسری قسم وہ ہے جو ہر حال میں مبیع ہیں یہ وہ چیزیں ہیں جو ذوات الامثال نہیں جیسے مصنوعات اور مویشی وغیرہ، تیسری قسم وہ ہے جو کبھی ثمن اور کبھی مبیع ہوتی ہیں جیسے ماپ اور تول والی چیزیں ان میں سے جس چیز کو عقد میں عوض قرار دیا جائے وہ ثمن ہوتی ہے اور دوسری مبیع ہوتی ہے [3] نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس عقد کے اندر مجلس میں مبیع اور ثمن دونوں پر فریقین کا قبضہ کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عقد ثمن کے بدلے میں ثمن سے عبارت ہے اور عقد کے سبب سے ثمن ذمہ میں دین (قرض) ہوتی ہے اور دین کے بدلے میں دین شریعت میں حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے بیع الثمن بالثمن بھی ممنوع ہے۔ سو قبضہ اس لیے ضروری ہے کہ اس عقد میں تعیین قبضہ سے ہی حاصل ہوتا ہے (کیونکہ درہم اور

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث، ۱۳۹۸ھ
[3] " " " " " ، المبسوط ج ۱۴ ص ۲

دینار غیر متعین ہوتے ہیں) اس لیے مجلس میں قبضہ ضروری ہے کیونکہ شریعت میں حالت مجلس حالت عقد کے قائم مقام ہے اور جب قبضہ سے تعیین ہو جاتی ہے تو اس کو عقد میں بمنزلہ موجود مانا جائے گا اور چونکہ بیع صرف میں ایک عوض کو دوسرے عوض پر ترجیح نہیں ہے اس لیے ہم نے بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری قرار دیا ہے۔ [1]

کرنسی نوٹوں کی آپس میں بیع کے اندر ادھار جائز نہیں ہے اور دونوں طرف سے قبضہ ضروری ہے اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ علامہ شامی نے پیتل کے پیسوں کی پیتل کے پیسوں کے بدلے بیع میں جامع الصغیر اور قاری الہدایہ کے حوالے سے دونوں عوضوں پر مجلس میں قبضہ کرنے کو ضروری اور ادھار کو ناجائز لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کی علت پیسوں کا ثمن ہونا ہے۔ [2]

مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

دوسری قسم غیر خلقی جس کو ثمن اصطلاحی بھی کہتے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں کہ ثمنیت کے لیے مخلوق نہیں مگر لوگ ان سے ثمن کا کام لیتے ہیں ثمن کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں، جیسے پیسہ، نوٹ، نکل کی ریزگاریاں یہ سب اصطلاحی ثمن ہیں روپے کے پیسے بھنائے جائیں یا ریزگاریاں خریدی جائیں یہ صرف میں داخل ہے [3] اس لیے نوٹ کی نوٹ کے عوض بیع، بیع الکالی بالکالی ہے اور ناجائز ہے۔

سونے اور چاندی کی مصنوعات کی بیع میں ادھار کا حکم

سونے اور چاندی کے زیورات اور دیگر مصنوعات کی بیع دینار اور درہم کے عوض بیع صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بیع صرف ہے، اور نوٹ چونکہ بحیثیت ثمن سونے کے حکم میں ہیں اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی نوٹوں کے عوض بیع، بیع صرف ہے نیز ابھی ہم نے بہار شریعت کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے کہ نوٹ صرف میں داخل ہیں، اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات اور دیگر مصنوعات کی نوٹوں کے عوض بیع میں یہ ضروری ہے کہ جس مجلس میں یہ بیع ہو اسی مجلس میں خریدار زیورات پر اور بائع نوٹوں پر قبضہ کرے، اس لیے اس بیع میں ادھار جائز نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے:

واما شرائطہ فمنها قبض البدلین قبل الافتراق کذا فی البدائع سواء کانا یتعینان کالمصوغ اولا یتعینان کالمضروب او یتعین احدهما ولا یتعین الآخر۔ [4]

بیع صرف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کر لیا جائے عام ازیں کہ دونوں عوض متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کی) مصنوعات یا غیر متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کے) سکے (درہم اور دینار، اور نوٹ بھی انہی کے حکم میں ہیں) یا ان میں سے ایک متعین ہو اور دوسرا غیر متعین ہو۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ، بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

[4] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۳ ص ۲۱۷ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

بالخصوص سونے اور چاندی کی بیع میں مجلس کے اندر قبضہ کی شرط کیوں ہے؟

فقہاء احناف کے نزدیک بیع صرف کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع ثمن پر اور خریدار مبیع پر مجلس میں قبضہ کر لیں، جبکہ دوسری بیوع میں مبیع اور ثمن کی صرف تعیین کافی ہوتی ہے اور مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی چونکہ خلقۃً ثمن ہیں اس لیے وہ غیر متعین ہیں اور جب تک مجلس میں ان پر قبضہ نہ کر لیا جائے وہ متعین نہیں ہوتے، اس کے برخلاف باقی اشیاء چونکہ ثمن نہیں ہیں اس لیے وہ صرف اشارے کی تعیین سے ہی متعین ہو جاتی ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درہم اور دینار تو بے شک ثمنیت کی وجہ سے متعین نہیں ہوتے (مثلاً اگر کسی شخص نے پانچ دینار دینے ہیں تو اس پر کوئی معین دینار دینے ضروری نہیں وہ کوئی سے دینار بھی دے دے اپنے ذمہ سے بری ہو جائے گا یا کسی معین دینار کے ضائع ہو جانے سے عقد باطل نہیں ہوگا) لیکن سونے اور چاندی کے زیورات یا دیگر مصنوعات اپنی ہئیت کذائی سے متعین ہوتی ہیں ان میں مجلس کے اندر قبضہ کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سونا اور چاندی چونکہ خلقۃً ثمن ہیں اس لیے ان میں عدم تعیین کا شائبہ موجود ہے اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات کو بھی دینار اور درہم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا اور سونے اور چاندی کی بیع میں مطلقاً قبضہ ضروری کر دیا گیا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: (بیع صرف میں) مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الذهب بالورق ربًّ الا هاء وهاء الحديث [1] "سونے کے بدلے میں چاندی کی بیع سود ہے مگر جو دست بدست ہو۔" نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تبيعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا منها غائبا بناجز۔ [2] "سونے کو سونے کے بدلے میں صرف برابر، برابر فروخت کرو، اور بعض کو بعض سے کم نہ کرو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں صرف برابر، برابر فروخت کرو اور بعض کو بعض سے کم نہ کرو اور نقد سونے یا چاندی کو ادھار کے بدلے میں نہ فروخت کرو۔" حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الذهب بالورق دينا [3] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو چاندی کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے" (ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی اموال ربویہ کو بھی دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم ثمنیت کے سبب تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں عقد کے وقت تعیین کافی ہے اور مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہے) نیز سونے اور چاندی میں بیع کے وقت قبضہ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ احادیث اور آثار وارد ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱، ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم سے خریدار گھر جانے کی مہلت طلب کرے تو اس کو مہلت نہ دو، نیز ایک عوض پر قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ یہ عقد بیع الدین بالدین (یعنی بیع الثمن بالثمن) سے نکل جائے اور دوسرا عوض بھی (ثمنیت میں) پہلے عوض کے مساوی ہے اس لیے اس پر بھی قبضہ ضروری ہے تاکہ ترجیح بلا مرجح لازم نہ آئے اس لیے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے خواہ وہ مصنوعات کی طرح متعین ہوں یا سکوں کی طرح غیر متعین ہوں یا ایک متعین ہو اور دوسرا غیر متعین ہو کیونکہ حدیث میں مطلقاً سونے اور چاندی کو دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا ہے، نیز سونے اور چاندی کی مصنوعات ہر چند کہ متعین ہیں لیکن ان میں ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے عدم تعیین کا شبہ موجود ہے، اس لیے سود کے شبہ کا اعتبار کرتے ہوئے ان میں بھی قبضہ ضروری ہے۔ اور مجلس چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ دونوں فریق مجلس چھوڑ کر چلے جائیں اگر دونوں فریق اسی مجلس میں سو گئے یا بے ہوش ہو گئے تو بیع صرف باطل نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا اگر ایک فریق چھت سے کود سے تو تم بھی کود جاؤ۔[1]

بیع صرف میں حضرت امیر معاویہ کا نظریہ

حدیث نمبر ۳۹۴۹ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاندی کے برتن کی بیع میں سود ہونے سے انکار کیا غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ چاندی کے بنے ہوئے برتن کی بیع زیادہ چاندی کے عوض جائز ہے اور وہ زیادتی اس برتن کی بناوٹ کے عوض ہوگی۔

علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ خالص سونا، سونے کے سکے ہوں یا سونے کی مصنوعات ہوں، ان میں بعض کی بعض کے ساتھ زیادتی سے بیع جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سونے کی مصنوعات کی سونے کے ساتھ بیع میں زیادتی جائز قرار دیتے ہیں اور زیادتی کو بناوٹ کے عوض کی طرف راجع کرتے ہیں۔[2]

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو مفرد سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے میں مذاہب

حدیث نمبر ۳۹۶۴ میں ہے، حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ خیبر میں بارہ دینار کا ایک ہار خریدا، جس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے، جب میں نے ہار سے سونا علیحدہ کیا تو وہ سونا بارہ دینار سے زیادہ تھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ہار سے سونے کو علیحدہ کیے بغیر نہ فروخت کیا جائے۔ اس سے پہلی حدیث میں حضرت فضالہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ہار مال غنیمت سے ملا تھا۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو چیز سونے سے مرکب ہو اس کو مفرد سونے کے عوض بیچنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس سے سونا علیحدہ نہ کر لیا جائے پھر سونے کو سونے کے عوض بیچا جائے اور باقی ماندہ چیز کو جس طرح چاہے فروخت کرے، اسی طرح جو چیز چاندی سے مرکب ہو اس کو مجرد

---

[1] امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۰۵، ۱۰۴، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[2] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت

چاندی کے عوض فروخت کرنے کا حکم ہے بلکہ تمام ربوی مرکبات کا مجرد ربویات کے عوض بیع کا یہی حکم ہے، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور دیگر اسلاف کا یہی نظریہ ہے، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق اور محمد بن عبد الحکم مالکی کا بھی یہی موقف ہے، اور امام ابوحنیفہ، ثوری، اور حسن بن صالح یہ کہتے ہیں کہ مثلاً سونے سے مرکب چیز کو مرکب چیز میں موجود سونے سے زیادہ سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ سونے کی جو مقدار مرکب چیز کے سونے کے برابر ہے وہ اس کے مقابلہ میں ہوگی اور زائد سونا مرکب کے باقی اجزاء کے مقابلہ میں ہوگا۔ سعیدی غفر لہٗ) اور اگر مجرد سونا مرکب میں موجود سونے کے برابر یا کم ہو تو پھر یہ بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک اور دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مثلاً جس تلوار میں سونا لگا ہوا ہو اس کو مجرد سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ سونا اس چیز کے تابع ہو، اور ان کے نزدیک اس کا اندازہ یہ ہے کہ سونا اصل کا تہائی یا اس سے کم ہو اور حماد بن سلیمان نے کہا کہ جو چیز سونے سے مرکب ہو اس کی سونے کے عوض بیع مطلقاً جائز ہے خواہ مجرد سونا مرکب سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو یا برابر ہو لیکن یہ نظریہ احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل اور غلط ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ ہمارے فقہاء کے موقف پر ہار والی مذکور الصدر حدیث دلیل ہے۔ فقہاء احناف اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ حضرت فضالہ بن عبید نے بارہ دینار کا ہار خریدا تھا اور اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا موجود تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اس بیع سے منع فرمایا اور اس صورت میں ہم بھی بیع کو ناجائز کہتے ہیں، ہم صرف اس صورت میں بیع کو جائز کہتے ہیں جب مرکب کے سونے سے مجرد سونا زیادہ ہو، اس طرح سونے کی زائد مقدار مرکب کے باقی اجزاء کے عوض ہو جائے گی بس گویا کہ یہ دو عقد ہیں۔ امام طحاوی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ یہ ہار مال غنیمت سے ملا تھا آپ کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں کو مال غنیمت میں غبن کرنے کی عادت نہ پڑ جائے۔ (علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں) ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں جواب ضعیف ہیں، خصوصاً امام طحاوی کا جواب کیونکہ یہ بلادلیل دعویٰ ہے، اور فقہاء احناف کے موقف کے بطلان اور ہمارے موقف کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ہار سے سونا الگ نہ کر لیا جائے اس کو فروخت نہ کیا جائے اور آپ کے اس ارشاد میں اس کی تصریح ہے کہ جو چیز سونے اور چاندی سے مرکب ہو اس کو مجرد سونے یا چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح نہیں ہے خواہ مجرد سونا یا چاندی مرکب کے سونے یا چاندی سے کم ہو یا زیادہ۔ [1]

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو مفرد سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفضة بالفضة وزنا بوزن.

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶ - ۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

"چاندی کو چاندی کے عوض برابر وزن سے فروخت کرو"، پس جب ایک شخص نے سو درہم کے عوض ایک ایسی تلوار خریدی جس میں سو درہم کی چاندی جڑی ہوئی تھی، اور تلوار کی قیمت بھی سو درہم تھی۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ اس نے اپنی چاندی کے وزن کے برابر چاندی خرید لی اور تلوار بغیر عوض کے رہ گئی جبکہ اس کی قیمت بھی ضروری ہے اگر قیمت سے کچھ چاندی کو تلوار کا عوض قرار دیا جائے تو پھر یہ چاندی تلوار میں جڑی ہوئی چاندی کے مقابلہ میں کم رہ جائے گی پس یہ بیع اس وقت تک باطل رہے گی جب تک ثمن میں دی جانے والی چاندی تلوار میں جڑی ہوئی چاندی سے زیادہ نہ ہو۔ [۱]

فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف کے نزدیک حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ سونے سے مرکب چیز کو اس میں موجود سونے سے کم سونے کے عوض خریدا جائے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۹۶۴ سے ظاہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لا تباع حتی تفصل۔ "ہار اس وقت تک نہ فروخت کیا جائے جب تک کہ اس سے سونا علیحدہ نہ کر لیا جائے" فقہاء احناف کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ نہی ارشاد ہے، آپ نے سونا الگ کیے بغیر بیع سے اس لیے منع فرمایا کہ شاید لوگ اس باریکی کو نہ سمجھ سکیں کہ ہار کے سونے کے عوض زیادہ سونے کی بیع جائز ہے اور برابر سونے یا کم سونے کے عوض بیع جائز نہیں ہے اور غلط فہمی سے لوگ بیع فضل میں مبتلا ہو جائیں اس لیے آپ نے مطلقاً منع فرما دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ اور تابعین نے سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی مجرد سونے اور چاندی کے عوض بیع کو جائز کہا ہے بشرطیکہ عوض میں مجرد سونا مرکب کے سونے سے زیادہ ہو، اگر اس حدیث کو علی الاطلاق تحریم پر محمول کیا جائے، جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کی رائے ہے تو اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کو غلط اور فعل حرام کا مجوز قرار دینا پڑے گا۔ امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ حتی الامکان صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے اقوال اور افعال کو حجت مانتے ہیں اس لیے وہ اس حدیث میں تاویل کر کے سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی مفرد اور مجرد سونے کے عوض بیع کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو زیادہ سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے کے بارے میں آثار صحابہ واقوال تابعین

امام شافعی اور امام احمد سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی سونے اور چاندی کے عوض بیع کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اس بیع کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ عوض میں دیا جانے والا سونا مرکب میں موجود سونے سے مقدار میں زیادہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کے موقف پر صحابہ کرام اور تابعین کے حسب ذیل آثار اور اقوال ہیں:

---

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۵-۵۰۶، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قال الثوری: وقولنا اذا باعہ باکثر مما فیہ ولا باس بہ۔ [1]

ثوری کہتے ہیں: ہمارا قول یہ ہے کہ جب سونے سے مرکب چیز کو زیادہ سونے کے عوض فروخت کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابراھیم۔ اذا کانت الحلیۃ اقل من الثمن فلا باس بہ۔ [2]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جب (مرکب میں) زیور، ثمن سے کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن شعبۃ قال سالت حمادا عن السیف المحلی یباع بالدرھم فقال لا باس بہ، وقال الحکم اذا کانت الدراھم اکثر من الحلیۃ فلا باس بہ۔ [3]

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے سونے یا چاندی سے جڑی ہوئی تلوار کی درہموں کے عوض بیع کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں اور حکم نے کہا جب دراہم زیور سے زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابی معشر عن ابراھیم انہ کان لا یری باسا اذا کان الثمن اکثر من الحلیۃ ویکرھہ اذا کان الثمن اقل من الحلیۃ۔ [4]

ابو معشر کہتے ہیں کہ اگر ثمن (جڑے ہوئے زیور) سے زیادہ ہوتی تو ابراہیم اس بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اگر ثمن زیور سے کم ہوتی تو اس کو مکروہ کہتے تھے۔

عن ابراھیم قال کان خباب قینا وکان ربما اشتری السیف المحلی بالورق۔ [5]

ابراہیم کہتے تھے کہ خباب لوہار تھے اور بسا اوقات جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے میں خریدتے تھے۔

عن الشعبی قال، لا باس ان یشتری السیف المحلی بالورق۔ [6]

شعبی کہتے ہیں کہ جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[2] 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۶۹

[3] امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۵۵-۵۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[4] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۵۶،

[5] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۵۳،

[6] 〃 〃 〃 المصنف ج ۶ ص ۵۶،

عن سعید بن عبد الرحمان قال: سالت سلیمان بن موسٰی عن السیف المحلی بالفضۃ فقال: لا باس بہ وقال مکحول: الجاریۃ تباع وعلیہا حلی۔ [1]

سعید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن موسٰی سے چاندی کی جڑاؤ تلوار کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ مکحول نے کہا باندی کو فروخت کیا جاتا ہے، حالانکہ اس پر زیور بھی ہوتے ہیں۔

عن مغیرۃ بن حنین قال: سالت علیاً عن جامات من ذھب مخلوطا بفضۃ اتباع بالفضۃ؟ قال، فقال ھکذا برأسہ ای لا باس بہ۔ [2]

مغیرہ بن حنین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا سونے اور چاندی سے مخلوط پیالے کو کیا چاندی کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے؟ حضرت علی نے سر کے اشارے سے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن سعید بن عروۃ وغیرہ ان الحسن کان لا یری باساً باشتراء السیف المحلی والخاتم بالدراھم۔ [3]

سعید بن عروہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حسن جڑاؤ تلوار اور جڑاؤ انگوٹھی کو دراہم کے بدلے خریدنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عن طارق بن شھاب قال کنا نبیع السیف المحلی بالفضۃ و نشتریہ۔ [4]

طارق بن شہاب کہتے ہیں ہم جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے میں بیچتے تھے۔ اور خریدتے تھے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال، لا باس ببیع السیف المحلی بالدراھم۔ [5]

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جڑاؤ تلوار کو دراہم کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الحسن انہ کان لا یری باساً ان یباع السیف المفضض بالدراھم باکثر مما فیہ تکون الفضۃ بالفضۃ والسیف بالفضل۔ [6]

حسن اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ جڑاؤ تلوار کو زیادہ دراہم کے عوض فروخت کیا جائے، چاندی، چاندی کے عوض ہوگی اور باقی دراہم کے عوض تلوار ہوگی۔

عن ابراھیم انہ قال فی بیع السیف المحلی اذا کانت الفضۃ التی فیہ اقل من الثمن فلا باس بذالک۔ [7]

ابراہیم نے کہا جب جڑاؤ تلوار کی چاندی ثمن کی چاندی سے کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۶ ص ۵۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

[2] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[3] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[4] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[5] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۸، " " "

[6] امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۳۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ ھ

[7] " " " ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۳۹، " " "

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن طارق بن شہاب قال کنا نبیع السیف المحلی ونشتریہ بالورق رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات[1]

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ہم جڑاؤ تلوار کو چاندی کے عوض فروخت کرتے تھے اور خریدتے تھے، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس کا ربا الفضل کے جواز سے رجوع

حدیث نمبر ۳۹۷۵ میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عباس پہلے ربا الفضل کو جائز سمجھتے تھے لیکن جب ان کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل سے منع کیا ہے تو انھوں نے اس کو مکروہ قرار دیا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ربا الفضل کی حرمت کی حدیث سننے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی سابق رائے سے رجوع کر لیا۔ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔

امام حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ ابو مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری نے حضرت ابن عباس سے کہا اے ابن عباس! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کب تک لوگوں کو سود کھلاتے رہو گے؟ کیا تم کو یہ حدیث نہیں پہنچی پھر کھجوروں کی زیادتی سے بیع کے متعلق وہی حدیث بیان کی جو امام مسلم نے ۳۹۷۵ نمبر پر ذکر کی ہے۔ اس حدیث کو سننے کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا:

فقال ابن عباس جزاك الله يا ابا سعيد الجنة فانك ذكرتني امرا كنت نسيته. استغفر الله واتوب اليه فكان ينهى عنه بعد ذلك اشد النهي هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة[2]

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اے ابوسعید! اللہ تعالیٰ تم کو جزا میں جنت عطا فرمائے، تم نے مجھ کو ایک ایسی چیز یاد دلائی ہے جس کو میں بھول چکا تھا، پھر اس کے بعد حضرت ابن عباس زیادہ شدت کے ساتھ ربا الفضل سے منع کرتے تھے، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو اس طریقہ سے روایت نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے پہلے یہ حدیث سنی تھی کہ "انما الربوا فی النسیئۃ" صرف ادھار میں (زیادتی) سود ہے۔" اس حدیث کی تحقیق عنقریب آرہی ہے، اس سے حضرت ابن عباس نے یہ نتیجہ نکالا کہ نقد بیع میں زیادتی سود نہیں ہے اس لیے وہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک درہم کی دو درہم کے عوض بیع اگر نقد ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جب انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ربا الفضل کے بارے میں صریح ممانعت کی روایت سن لی تو انھوں نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ یہ بے نفس لوگ تھے سوائے للہیت کے

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
[2] امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں تھا!

زیاد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے ساتھ طائف میں تھا۔ انھوں نے اپنی موت سے ستر دن پہلے صرف میں زیادتی کے جواز سے رجوع کر لیا تھا۔[1]

حضرت اسامہ کی روایت "سود صرف ادھار میں ہے" کی وضاحت

حدیث نمبر ۳۹۷۶ سے لے کر ۳۹۷۹ تک حضرت اسامہ بن زید کی اس روایت کا ذکر ہے انما الربٰو فی النسیئۃ۔ "صرف ادھار میں (زیادتی) سود ہے" اس حدیث کے مفہوم مخالف کے اعتبار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقد بیع میں زیادتی سود نہیں ہے، حالانکہ جب قدر اور جنس متحد ہوں تو نقد بیع میں زیادتی بھی سود ہے جیسا کہ بکثرت احادیث میں اس کا بیان ہو چکا ہے اس لیے جمہور فقہاء اور شارحین حدیث نے اس حدیث کے متعدد جواب دیے ہیں، علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ عسقلانی، علامہ بدر الدین عینی اور علامہ وشتانی نے اس حدیث کے جو جوابات ذکر کیے ہیں ہم ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

(۱)۔ انما الربٰو فی النسیئۃ۔ سے جو ربا الفضل کا جواز ثابت ہوتا ہے وہ حضرت ابو سعید اور دیگر صحابہ کی روایات سے منسوخ ہے۔

(۲)۔ انما الربٰوا فی النسیئۃ۔ سے ربا الفضل کا جواز حدیث کے مفہوم (مخالف) سے ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابو سعید کی حدیث سے ربا الفضل کی حرمت حدیث کے منطوق سے ثابت ہوتی ہے اور منطوق، مفہوم پر راجح ہے۔

(۳)۔ حضرت اسامہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ ربٰو جو حرام شدید ہے، جس پر وعید شدید آئی ہے وہ صرف ادھار میں ہے جیسے کسی بڑے عالم کے بارے میں کہا جائے شہر میں اس کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے، حالانکہ اس کے سوا اور بھی علماء ہوتے ہیں۔ لیکن اتنے بڑے اور مشہور عالم نہیں ہوتے اسی طرح ادھار کے علاوہ بھی سود حرام ہے لیکن اتنا شدید نہیں۔

(۴)۔ حضرت اسامہ کی روایت میں ربٰو سے مراد ربٰو القرآن ہے۔

(۵)۔ حدیث میں مذکور چھ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں میں صرف ادھار حرام ہے۔ یہ جواب علامہ وشتانی مالکی نے دیا ہے۔ لیکن اس میں یہ تاویل ضروری ہے کہ وہ چھ چیزیں حقیقۃً ہوں یا حکماً ہوں۔

(۶)۔ حضرت اسامہ کی روایت مجمل ہے اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت مفصل ہے اور مفصل حدیث مجمل پر راجح ہوتی ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے۔

(۷)۔ حضرت اسامہ کی حدیث اموال غیر ربویہ پر محمول ہے۔

(۸)۔ علامہ عینی حنفی، علامہ کرمانی شافعی (اسی طرح علامہ عسقلانی اور علامہ نووی) اور علامہ وشتانی مالکی سب نے ہی یہ لکھا ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں (جیسے گندم اور جو، یا گندم اور سونا چاندی) تو ادھار حرام ہے اور تفاضل جائز ہے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث اسی پر محمول ہے۔

---

[1] علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۲۰۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الخامس، ۱۴۰۵ھ

اجناس مختلفہ میں اتحاد قدر کے باوجود ادھار بیع کیوں جائز ہے؟

حضرت اسامہ کی حدیث کا جو آخری جواب دیا گیا ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں تو پھر بیع میں ادھار حرام ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلے وزنی چیزوں (مثلاً دال، چاول، لوہا اور چونا وغیرہ) کی دینار اور درہم سے بیع ہوتی تھی اور مدت معینہ کے ادھار پر بھی ہوتی تھی اور اب وزنی چیزوں کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے جو بحیثیت ثمن دینار اور درہم کے حکم میں ہیں اور یہ بیع مدت معینہ کے ادھار پر بھی ہوتی ہے اور اس ادھار کو کبھی کسی نے ناجائز نہیں کہا حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں اور قدر (مثلاً وزنی ہونے) میں وہ اجناس مختلفہ متحد ہوں تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔ میں نے کئی معاصر مشہور علماء پر یہ اشکال پیش کیا[1] لیکن کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ پھر میں نے دیکھا علامہ جلال الدین خوارزمی نے کفایہ میں لکھا ہے کہ اجناس مختلفہ میں ادھار اس وقت حرام ہوگا جب مثلاً دونوں چیزیں وزنی ہوں اور دونوں مثمن یا ثمن ہونے میں متحد ہوں۔ مثلاً سونے کی چاندی کے عوض ادھار بیع حرام ہے کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں ثمن ہونے میں متحد ہیں یا مثلاً گندم کی جو کے عوض ادھار بیع حرام ہے کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں مثمن ہونے میں متحد ہیں لیکن مثلاً چینی یا چاول کی درہم، دینار یا نوٹوں اور پیسوں کے عوض ادھار بیع جائز ہے کیونکہ یہاں ہر چند کہ جنس مختلف ہیں لیکن چینی اور چاول مثمن ہیں اور درہم، دینار، نوٹ اور پیسے وغیرہ ثمن ہیں اس لیے ان میں ادھار جائز ہے۔ فانحل الاشکال والحمد للہ رب العلمین۔

سود کے موضوع پر میں جن عنوانات پر مسلسل مطالعہ اور غور و فکر کرتا رہا اس کا حاصل میں نے اس بحث میں پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور مجھے اور قارئین کو دنیا و آخرت کی ہر بلا اور وباء سے محفوظ اور مامون رکھے۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بَابُ[113] اَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ
حلال لینا اور مشتبہ چیزوں کو ترک کر دینا۔

۳۹۸۲- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاَهْوَى النُّعْمَانُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِاِصْبَعَيْهِ اِلٰى اُذُنَيْهِ اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے، سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کر لیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کی حدود کے گرد جانور چرائے تو

[1] مثلاً علامہ مفتی محمد حسین نعیمی لاہور۔

مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر لیں، سنو! ہر بادشاہ کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے، اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، اور سنو! جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پھر پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو! وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

۳۹۸۳- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زَكَرِيَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۹۸۴- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ وَأَبِي فَرْوَةَ الْهَمْدَانِيِّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعِيدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ زَكَرِيَّا أَتَمُّ مِنْ حَدِيثِهِمْ وَأَكْثَرُ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ البتہ راوی زکریا کی روایت ان کی روایت سے زیادہ مکمل اور پوری ہے۔

۳۹۸۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے حمص میں دوران خطبہ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے پھر اس کے بعد "قریب ہے" تک

هِلَالٍ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرِ بْنِ سَعْدٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِحِمْصَ وَهُوَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ اِلٰى قَوْلِهٖ يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ۔

زکریا کی روایت کی طرح ذکر کیا۔

باب مذکور کی حدیث کی اہمیت

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بہت اہم اور عظیم ہے، اس کے فوائد کثیر ہیں اور یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر احکام اسلام کا مدار ہے، ایک جماعت نے کہا یہ تہائی اسلام ہے، باقی دو حدیثیں یہ ہیں: انما الاعمال بالنیات۔ "اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے" من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ "کسی مسلمان کا اچھا عمل یہ ہے کہ وہ غیر متعلق چیزوں میں نہ پڑے"، اور امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث چوتھائی اسلام ہے، تین یہ احادیث ہیں اور چوتھی یہ ہے: "لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی کی ہے کہ انسان کا کھانا پینا اور لباس حلال ہونا چاہیے اور حلال چیزوں کے حصول کی رہنمائی کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ امور مشتبہ کو ترک کر دینا چاہیے۔ [1]

امور مشتبہ کی تشریح میں علماء کے اقوال

علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ امور مشتبہ فی نفسہا مشتبہ نہیں ہیں بلکہ ان کا مشتبہ ہونا اضافی ہے، یعنی جو شخص ان امور کا حکم نہیں جانتا اس پر یہ مشتبہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بیان کیے بغیر نہیں چھوڑا، ہر چیز کا حکم بیان کر دیا ہے اور اس کی دلیل قائم کر دی ہے، لیکن ایک بیان جلی ہے جس کو ہر شخص جان لیتا ہے اور ایک بیان خفی ہے جس کو صرف علماء ہی اجتہاد اور استنباط کے طریقوں سے جانتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور اجتہادیہ ہیں۔ یعنی جس چیز کا حلال یا حرام ہونا قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح عبارت سے معلوم نہ ہو اور نہ اس پر اجماع ہو، (جیسے اس زمانے کے مسائل مثلاً انتقال

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

خون، انسانی اعضاء کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، بیمہ زندگی، ٹیلی فون پر نکاح وغیرہ) یہ وہ امور اجتہادیہ ہیں جن کا حکم مجتہد اپنے اجتہاد سے معلوم کرتا ہے، اور اس کو حلال یا حرام کے ساتھ لاحق کر دیتا ہے، تاہم اگر مجتہد کسی چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے تب بھی تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ارتکاب نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا اجتہاد خطاء ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور مکروہہ ہیں اور اس حدیث سے مقصود امور مکروہہ سے اجتناب پر برانگیختہ کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ امور مکروہہ سے اجتناب نہ کرنے میں کوئی جھجک اور حجاب محسوس نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بہر حال حرام تو نہیں ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور مباحہ ہیں اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے بھی بچا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ مباحات سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ ان نفوس قدسیہ نے اچھے کھانے، اچھے مشروبات، اچھے ملبوسات اور اچھے مکانوں کو قصداً حاصل نہیں کیا اور انہوں نے اپنے اختیار اور ارادے سے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی کو اختیار کیا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے وہ امور مراد ہیں جن کی حلت اور حرمت میں دلائل متعارض ہوں اور ان امور میں احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔ "جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو"، جب حضرت عقبہ بن حارث سے ایک حبشی عورت نے کہا میں نے تم کو اور تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے تو ہر چند کہ صرف ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور آپ نے حضرت سودا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم زمعہ کی لونڈی کے بیٹے سے پردہ کرو حالانکہ وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت سودا کا بھائی تھا، لیکن چونکہ عتبہ بن ابی وقاص نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا تھا جس سے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا اس لیے آپ نے احتیاطاً یہ حکم دیا، اسی طرح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ اگر میں اپنے شکاری کتے کو بھیجوں اور جب وہ شکار کر کے لائے اور اس کے ساتھ ایک اور کتا بھی ہو اور مجھے پتا نہ ہو کہ ان میں سے کس نے شکار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو مت کھاؤ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں گری ہوئی ایک کھجور کو دیکھ کر فرمایا: اگر مجھے اس کے صدقہ ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اس کھجور کو کھا لیتا۔ ہر چند کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور جس چیز کے بارے میں پہلے حلال ہونے کا یقین ہو اور بعد میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل یا قرینہ مل جائے تو شک کی وجہ سے اس کی حلت زائل نہیں ہوتی اور اس چیز کو استعمال کرنا شرعاً درست اور جائز ہے، لیکن احتیاط، ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔

امور مشتبہ کے بارے میں یہ پانچ اقوال علامہ عینی نے بیان کیے ہیں جن کو میں نے زیادہ وضاحت اور حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ [1]

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ۔

عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟

حدیث نمبر ۳۹۸۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: سنو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، اور یاد رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہے سر میں نہیں ہے، اور اس میں اختلاف مشہور ہے، ہمارے اصحاب شافعیہ اور جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ عقل قلب میں ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ عقل دماغ میں ہے۔ علامہ مازری لکھتے ہیں عقل کے قلب میں ہونے کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: فتکون لھم قلوب یعقلون بھا "کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے" اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے: ان فی ذٰلک لذکری لمن کان لہ قلب "بے شک اس میں دل والے کے لیے نصیحت ہے"۔ ان آیات کے علاوہ اس باب کی حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عقل دل میں ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہے، اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔[1]

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہو جانے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے، اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے، زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی، زیادہ پڑھنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا، اگرچہ بی پی بڑھ جانے اور مثلاً پہلے عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی، اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز، ذہنی انتشار، انجانا خوف، نسیان، مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے، بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا

---

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

بداہت کا انکار کرنا ہے، اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات، احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو، عرف، محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک، سوچ و بچار، احساسات، جذبات، خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا، میرا دل اس کو نہیں مانتا حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں الفت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وانزل من السماء ماء "اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا" (بقرہ: ۲۲) حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی، اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا، نیز ارشاد ہے: حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ (کہف: ۸۶) "یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انھوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا" حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا" اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے، اور عقلاء اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

باب مذکور کی اس حدیث میں صراحۃً عقل اور ادراک کی دل کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہوگا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے، علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس

سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں: عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل مخ (مغز) ہے، جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔[1]

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل سر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔[2]

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔[3]

علامہ زبیدی نے ابشیطی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملکہ ہے، جس کی وجہ سے نفس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جوہر ہے تو وہ ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔[4]

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کو ذکر کیا ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔[5]

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم خطاب کی صلاحیت ہوتی ہے۔[6]

محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے:

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت لازم ہوگی اور اس میں موضحہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے، درمختار۔) کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی، اور حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس میں موضحہ کی ارش داخل نہیں ہوگی کیونکہ جنایت (ضرب لگانے) کا محل

---

[1] علامہ محمد فرید وجدی، دائرۃ المعارف القرن العشرین ج ۶ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۱ء

[2] علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۶۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران۔

[3] علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، شرح العقائد ص ۱۲ مطبوعہ مطبع مصطفائی دہلی، ۱۳۲۷ھ

[4] سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۸ ص ۲۶ مطبوعہ مطبعہ تعیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[5] " " " ، تاج العروس ج ۸ ص ۲۵ " " "

[6] علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی، اقرب الموارد ج ۲ ص ۸۱۲ مطبوعہ منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ۔ قم ایران، ۱۴۰۳ھ۔

مختلف ہے کیونکہ موضحہ کا محل اور ہے اور عقل کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب موضحہ بالوں کے ساتھ ہو، ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جانا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بہائم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔[1]

شمس الائمہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے مکمل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے: علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمان بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمداً ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو موضحہ کا قصاص لیا جائے گا اور مامومہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقلہ دیت ادا کریں گے، اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو موضحہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے اگر علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہو تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول کی جائے گی۔[2]

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل دماغ میں ہے، امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے[3]، اور امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں:

القلب قطعة من دم جامدة سوداء وهو مستكن فى الفؤاد وهو بيت النفس ومسكن العقل ۔[4]	قلب سیاہ جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا ہے یہ دل کی کوٹھری ہے نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۹۹، مطبوعہ دار المعرفة بیروت، الطبعة الثالثة بیروت ۱۳۹۸ھ

[2] امام سحنون بن سعید تنوخی متوفی ۲۵۶ھ، المدونة الکبری ج ۴ ص ۴۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[3] امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۴ھ

بَابُ بَیْعِ الْبَعِیْرِ وَاسْتِثْنَاءِ رُکُوْبِہٖ

اونٹ کو فروخت کرنا اور سواری کا استثناء کر لینا

۳۹۸۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ نَا زَکَرِیَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّہٗ کَانَ یَسِیْرُ عَلٰی جَمَلٍ لَّہٗ قَدْ اَعْیَا فَاَرَادَ اَنْ یُّسَیِّبَہٗ قَالَ فَلَحِقَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَا لِیْ وَضَرَبَہٗ فَسَارَ سَیْرًا لَّمْ یَسِرْ مِثْلَہٗ قَالَ بِعْنِیْہِ بِوُقِیَّۃٍ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ بِعْنِیْہِ فَبِعْتُہٗ بِاُوْقِیَّۃٍ وَّاسْتَثْنَیْتُ عَلَیْہِ حُمْلَانَہٗ اِلٰٓی اَھْلِیْ فَلَمَّا بَلَغْتُ اَتَیْتُہٗ بِالْجَمَلِ فَنَقَدَنِیْ ثَمَنَہٗ ثُمَّ رَجَعْتُ فَاَرْسَلَ فِیْٓ اَثَرِیْ فَقَالَ اَتُرَانِیْ مَاکَسْتُکَ لِاٰخُذَ جَمَلَکَ خُذْ جَمَلَکَ وَدَرَاھِمَکَ فَھُوَ لَکَ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو (چلتے چلتے) تھک گیا تھا، پس حضرت جابر نے اس اونٹ کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آملے، آپ نے میرے لیے دعا فرمائی اور اونٹ کو ایک ضرب لگائی پھر وہ اونٹ اس قدر تیز چلا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا تیز نہیں چلا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ اونٹ ایک اوقیہ (۴۰ درہم) کے عوض فروخت کر دو، میں نے کہا نہیں (یعنی خریدنے کی کیا ضرورت ہے، یہ اونٹ آپ ہی کا ہے) آپ نے پھر فرمایا، یہ مجھے فروخت کر دو، پھر میں نے ایک اوقیہ کے عوض وہ اونٹ فروخت کر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ میں اس پر سوار ہو کر اپنے گھر تک جاؤں گا، جب میں اپنے گھر پہنچ گیا تو میں اونٹ لے کر آپ کے پاس گیا، آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا کر دی، جب میں لوٹ گیا تو آپ نے میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور فرمایا کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ میں نے تم سے قیمت کم لگائی ہے، اپنا اونٹ بھی لے جاؤ اور یہ درہم بھی تمہارے ہیں!

۳۹۸۷ - وَحَدَّثَنَاہُ عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ اَنَا عِیْسٰی یَعْنِی ابْنَ یُوْنُسَ عَنْ زَکَرِیَّا عَنْ عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بِمِثْلِ حَدِیْثِ ابْنِ نُمَیْرٍ۔

ایک اور سند سے بھی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔

۳۹۸۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ قَالَ اِسْحٰقُ اَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ نَا جَرِیْرٌ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں گیا، آپ مجھ سے آملے درآں حالیکہ میں پانی

عَنْ مُغِيْرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاحَقَ بِيْ وَتَحْتِيْ نَاضِحٌ لِيْ قَدْ اَعْيَا وَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ قَالَ فَقَالَ لِيْ مَا لِبَعِيْرِكَ قَالَ قُلْتُ عَلِيْلٌ قَالَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهُ فَدَعَا لَهُ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْاِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ قَالَ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قَالَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ اَفَتَبِيْعُنِيْهِ فَاسْتَحْيَيْتُ وَلَمْ يَكُنْ لَنَا نَاضِحٌ غَيْرُهُ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَبِعْتُهُ اِيَّاهُ عَلٰى اَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتّٰى اَبْلُغَ الْمَدِيْنَةَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ عَرُوْسٌ فَاسْتَاْذَنْتُهُ فَاَذِنَ لِيْ فَتَقَدَّمْتُ النَّاسَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتَّى انْتَهَيْتُ فَلَقِيَنِيْ خَالِيْ فَسَاَلَنِيْ عَنِ الْبَعِيْرِ فَاَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعْتُ فِيْهِ فَلَامَنِيْ فِيْهِ قَالَ وَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ حِيْنَ اسْتَاْذَنْتُهُ مَا تَزَوَّجْتَ اَبِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا فَقُلْتُ لَهُ تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا قَالَ اَفَلَا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُوُفِّيَ وَالِدِيْ اَوِ اسْتُشْهِدَ وَلِيْ اَخَوَاتٌ صِغَارٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ اِلَيْهِنَّ مِثْلَهُنَّ فَلَا تُؤَدِّبُهُنَّ وَلَا تَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا لِتَقُوْمَ

لانے والے اونٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور تقریباً چلنے سے رہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: بیمار ہے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہو لیے، اونٹ کو ڈانٹا اور اس کے لیے دعا کی، پھر وہ اونٹ چلنے میں تمام اونٹوں سے آگے نکل گیا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تمہارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے کہا اچھا ہے اس کو آپ کی برکت سے فائدہ پہنچا ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اس اونٹ کو فروخت کرو گے؟ بس مجھے حیا آئی اور اس اونٹ کے علاوہ پانی لانے کے لیے ہمارے پاس کوئی اور اونٹ تھا نہیں، میں نے کہا جی! پھر میں نے وہ اونٹ آپ کو فروخت کر دیا اور یہ شرط رکھی کہ میں اس کی پشت پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ جاؤں پھر حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، سو میں نے آپ سے اجازت طلب کی، آپ نے مجھے اجازت دے دی، میں لوگوں سے پہلے مدینہ پہنچ گیا، میرے ماموں کی مجھ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے مجھ سے اونٹ کے متعلق پوچھا میں نے انھیں بتا دیا کہ میں اونٹ کے مسئلہ میں کیا کر چکا ہوں، انھوں نے مجھے اس پر ملامت کی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت طلب کی تھی تو آپ نے فرمایا: تم نے کنواری لڑکی سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے، آپ نے فرمایا تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد فوت ہو چکے ہیں یا کہا شہید ہو چکے ہیں اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اور مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ میں ان کی ہم عمر لڑکی کو بیاہ کر لے آؤں جو ان کو نہ ادب سکھائے اور نہ ان کی نگرانی کرے۔ اس لیے میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی جو ان کی خبر گیری رکھے اور ان کو ادب سکھائے، حضرت جابر نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْهِنَّ وَتَابَ بَعْضُ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ فَأَعْطَانِيْ ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ۔

علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے تو میں صبح کے وقت آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوگیا، آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی واپس دے دیا۔

۳۹۸۹- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَلَّ جَمَلِيْ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهٖ وَفِيْهِ قَالَ لِيْ بِعْنِيْ جَمَلَكَ هٰذَا قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ هُوَ لَكَ قَالَ لَا بَلْ بِعْنِيْهِ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ هُوَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا بَلْ بِعْنِيْهِ قَالَ قُلْتُ فَإِنَّ لِرَجُلٍ عَلَيَّ أُوْقِيَّةَ ذَهَبٍ فَهُوَ لَكَ بِهَا قَالَ قَدْ أَخَذْتُهُ فَتَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ أَعْطِهٖ أُوْقِيَّةً مِّنْ ذَهَبٍ وَزِدْهُ قَالَ فَأَعْطَانِيْ أُوْقِيَّةً مِّنْ ذَهَبٍ وَزَادَنِيْ قِيْرَاطًا قَالَ فَقُلْتُ لَا تُفَارِقُنِيْ زِيَادَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَ فِيْ كِيْسٍ لِّيْ فَأَخَذَهُ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، میرا اونٹ بیمار ہوگیا اور حسب سابق قصہ بیان کیا، اور اس حدیث میں یہ ہے آپ نے مجھ سے فرمایا اپنا یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو، میں نے کہا نہیں، وہ آپ ہی کا اونٹ ہے، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے وہ اونٹ فروخت کر دو، میں نے کہا میں نے ایک شخص کا ایک اوقیہ سونا دینا ہے، آپ اس کے عوض یہ اونٹ لے لیجئے آپ نے فرمایا میں نے لے لیا، اور تم اسی اونٹ پر مدینہ چلے جانا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے کہا اس کو ایک اوقیہ سونا دو اور کچھ زائد دینا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایک اوقیہ سونا دیا اور ایک قیراط زیادہ دیا، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھے زیادہ عطا فرمایا ہے وہ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوگا، وہ سونا ہمیشہ میرے پاس ایک تھیلی میں رہا حتی کہ یوم حرہ کو شامی فوجوں (یزیدی لشکر) نے مجھ سے وہ لے لیا۔

ف: واقعہ حرہ کی پوری بحث شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹۹۰- حَدَّثَنَا أَبُوْ كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

نَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَخَلَّفَ نَاضِحِي وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَقَالَ فَنَخَسَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِي ارْكَبْ بِسْمِ اللّٰهِ وَزَادَ أَيْضًا قَالَ فَمَا زَالَ يَزِيدُنِي وَيَقُولُ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَكَ -

تھا میرا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ اس کے بعد وہی قصہ بیان کیا، اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو ایک ٹھوکا لگایا پھر مجھ سے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اس پر سوار ہو جاؤ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسلسل دعا دیتے رہے اور فرماتے رہے اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

٣٩٩١- **وَحَدَّثَنِي** أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا أَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَعْيَا بَعِيرِي قَالَ فَنَخَسَهُ فَوَثَبَ فَكُنْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَحْبِسُ خِطَامَهُ لِأَسْمَعَ حَدِيثَهُ فَمَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِعْنِيهِ فَبِعْتُهُ مِنْهُ بِخَمْسِ أَوَاقٍ قَالَ قُلْتُ عَلَى أَنَّ لِي ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِهِ فَزَادَنِي أُوقِيَّةً ثُمَّ وَهَبَ لِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ میرا اونٹ تھک چکا تھا، آپ نے اس کے ایک ٹھوکا لگایا، پھر تو وہ اونٹ کودنے لگا، پھر میں آپ کی بات سننے کے لیے اس کی نکیل کھینچتا تھا، مگر اس کو تھام نہیں سکتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو، میں نے پانچ اواق میں یہ اونٹ آپ کو فروخت کر دیا، حضرت جابر کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میں مدینہ تک اس پر سواری کر کے جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تم مدینہ تک اس پر سوار ہو سکتے ہو، حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو اونٹ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے ایک اوقیہ زیادہ دیا۔ پھر آپ نے وہ اونٹ بھی مجھے دے دیا۔

٣٩٩٢- **حَدَّثَنَا** عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ قَالَ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ نَا بَشِيرُ بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گیا راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے حضرت جابر نے کہا تھا کہ یہ سفر جہاد تھا اس میں اسی قصہ کو بیان کیا، اور اس میں یہ زیادہ ہے: اے جابر! کیا تم نے پوری قیمت لے

سَافَرْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ اَسْفَارِهٖ اَظُنُّهٗ قَالَ غَازِيًا وَّاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا جَابِرُ اَتَوَفَّيْتَ الثَّمَنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَكَ الثَّمَنُ وَلَكَ الْجَمَلُ۔

لی ہے؟ میں نے کہا جی! آپ نے فرمایا یہ قیمت بھی تمہاری ہے اور اونٹ بھی تمہارا ہے۔

۳۹۹۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ اشْتَرٰى مِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيْرًا بِاُوْقِيَّتَيْنِ وَدِرْهَمٍ اَوْ دِرْهَمَيْنِ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا اَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَذُبِحَتْ فَاَكَلُوْا مِنْهَا فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اَمَرَنِيْ اَنْ اٰتِيَ الْمَسْجِدَ فَاُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَوَزَنَ لِيْ ثَمَنَ الْبَعِيْرِ فَاَرْجَحَ لِيْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک اونٹ دو اوقیہ ـــــــ اور ایک درہم یا دو درہم میں خریدا، انھوں نے کہا کہ جب ہم مقام صرار پہنچے تو آپ نے ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا، وہ گائے ذبح کی گئی اور سب لوگوں نے اس سے کھایا پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مسجد میں آؤں اور دو رکعت نماز پڑھوں، اور مجھے اونٹ کی قیمت وزن کر کے دی، اور زیادہ تول کر دی۔

۳۹۹۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مُحَارِبٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ فَاشْتَرَاهُ مِنِّيْ بِثَمَنٍ قَدْ سَمَّاهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الْاُوْقِيَّتَيْنِ وَالدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ وَقَالَ اَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَنُحِرَتْ ثُمَّ قَسَمَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیمت کے عوض مجھ سے اونٹ خرید لیا وہ قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمائی تھی، اس میں دو اوقیہ اور ایک درہم اور دو درہم کا ذکر نہیں ہے اور کہا کہ حضور نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ گائے ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تقسیم کیا گیا۔

نَحُرُهَا۔

۳۹۹۵- حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ نَا ابْنُ اَبِیْ زَائِدَۃَ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ قَدْ اَخَذْتُ جَمَلَکَ بِاَرْبَعَۃِ دَنَانِیْرَ وَلَکَ ظَہْرُہٗ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارا اونٹ چار دینار میں لے لیا اور تم اس کی پشت پر سوار ہو کر مدینہ جا سکتے ہو۔

حضرت جابر کے اونٹ کی قیمت کی روایت میں "اضطراب" کے جوابات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جس قیمت پر اونٹ فروخت کیا تھا اس کی مقدار میں روایات مضطرب ہیں اکثر روایات میں ہے اس کی مقدار ایک وقیہ چاندی تھی، بعض روایات میں ہے ایک وقیہ سونا تھا۔ بعض روایات میں چار وقیہ کا ذکر ہے، بعض روایات میں پانچ وقیہ کا ذکر ہے، اور بعض میں بیس دینار کا ذکر ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان روایات میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے روایت بالمعنی کی ہے اور یہ جائز ہے، پس یہاں سونے کا ایک وقیہ مراد ہے، جس روایت میں مطلق وقیہ کا ذکر ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور جن روایات میں پانچ وقیہ کا ذکر ہے اس سے مراد چاندی کے اوقیہ ہیں جو چالیس درہم کے برابر ہوتے ہیں اور یہ ایک اوقیہ سونے کے برابر ہے، جن روایات میں چار دینار کا ذکر ہے وہ بھی ایک وقیہ سونے کے برابر ہے جن روایات میں دو وقیہ کا ذکر ہے ان میں ایک وقیہ سے مراد قیمت ہے اور دوسرے وقیہ سے وہ مقدار مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ عطا فرمائی تھی اور جن روایات میں بیس دینار کا ذکر ہے اس سے مراد بیس دینار صغیر ہیں۔ [1]

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ناقلین حدیث نے صحیح قیمت کو ضبط نہیں کیا اور قیمت کے بیان میں ان سے غلطی ہوئی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قیمت کی صحیح مقدار کے ساتھ کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہے۔ اور ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جابر نے ایک معین قیمت پر بیع کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے شدہ قیمت سے زیادہ مقدار عطا فرمائی تھی، رہا یہ کہ اس قیمت اور زیادتی کی مقدار کتنی تھی تو اس کے علم کے ساتھ کوئی غرض شرعی وابستہ نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اور آپ کی دعا کی برکت کو بیان کرنا ہے۔

بیع میں شرط لگانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس باب کی احادیث میں اس چیز کا بیان ہے کہ حضرت جابر نے بیع کے وقت اس اونٹ پر مدینہ تک

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الثانی، ۱۳۷۵ھ

سوار ہونے کی شرط لگائی تھی، اس وجہ سے ائمہ مجتہدین میں یہ اختلاف ہے کہ آیا بیع میں بائع یا خریدار کا کوئی شرط لگانا جائز ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے، اور امام مالک کے نزدیک تفصیل ہے۔

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہر وہ شرط جو عقد کا مقتضی ہو وہ عقد بیع کو فاسد نہیں کرتی، جیسے خریدار مبیع میں ملکیت کی شرط لگائے کیونکہ بغیر شرط کے بھی اس کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا نہ ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو یا مبیع کی منفعت ہو اور وہ اہل استحقاق میں سے ہو تو اس شرط سے بیع فاسد ہو جائے گی جیسے بائع غلام فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ خریدار اس کو فروخت نہیں کرے گا (اس میں مبیع کی منفعت ہے) کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہے لہٰذا یہ ربوٰ کا سبب ہے یا اس کی وجہ سے تنازع ہو گا اور عقد کا مقصد فوت ہو جائے گا، الا یہ کہ کوئی شرط لگانا متعارف ہو کیونکہ عرف کو قیاس پر ترجیح ہے۔ [1]

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام احمد اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی شخص سواری کو فروخت کرے اور اس میں سواری کرنے کا استثناء کرے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر سواری کی مسافت قریب ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اور اس حدیث کو مسافت قریبہ پر محمول کرتے ہیں، اور امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے خواہ مسافت کم ہو یا زیادہ اور شرط لگانے سے بیع منعقد نہیں ہو گی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں استثناء کرنے اور بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتہً بیع کا ارادہ نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بطور ثمن کے اپنے کرم سے نوازنے کا ارادہ فرمایا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ شرط نفس عقد میں نہیں تھی (یوں نہیں تھا کہ اگر مدینہ تک سواری کرنے دی تو بیع ہو گی ورنہ نہیں) بلکہ پہلے حضرت جابر نے سواری کی اجازت لی تھی پھر بیع کی تھی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً اجازت دے دی تھی۔ [2]

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: سواری کو بیع کر اس پر سوار ہونے کے استثناء کو ابن شبرمہ وغیرہ نے جائز کہا ہے اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے ناجائز کہا ہے اور امام مالک کہتے ہیں کہ جب مسافت قریب ہو اور معلوم ہو تو جائز ہے۔ [3]

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۹ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹ - ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الاول ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں اگر بائع ایک مدت معینہ کے لیے مبیع کے منافع کے حصول کی شرط لگالے تو یہ جائز ہے مثلاً وہ ایک مکان فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ ایک ماہ تک اس مکان میں رہے گا، یا ایک اونٹ فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ فلاں جگہ تک وہ اس پر سواری کرے گا، یا ایک غلام فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ ایک سال تک اس سے خدمت لے گا۔ امام احمد نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے، اور اوزاعی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی اور اصحاب رائے (فقہاء حنفیہ۔ سعیدی) نے کہا ہے کہ یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ بیع کے تقاضے کے منافی ہے اور یہ ایسے ہوگیا جیسے کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ مبیع پر قبضہ نہیں دے گا اور اس لیے کہ بیع کا تقاضا یہ ہے کہ خریدار مبیع اور اس کے منافع کا مالک ہو جائے اور یہ شرط اس کے منافی ہے۔[1]

فقہاء حنبلیہ کی دلیل

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ بیع اور شرط سے ممانعت کی حدیث صحیح نہیں ہے، البتہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں دو شرطیں لگانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ بیع میں دو شرطیں لگانا منع ہے اور ایک شرط میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی دلیل

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع وشرط البیع باطل والشرط باطل۔[3]

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا، بیع باطل ہے اور شرط باطل ہے۔

حضرت جابر کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا ذکر ہے کیونکہ حضرت جابر کا تھکا ہوا اونٹ آپ کی ایک ضرب سے سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگیا۔

(۲) جو شخص اپنی کسی چیز کو بیچنے کے لیے پیش نہ کرے اس پر اس چیز کی بیع کو پیش کرنا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان تھا کہ میں نے تم سے کم قیمت کرائی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ بائع سے قیمت کم کرانا جائز ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] ” ” ” ” ، المغنی ج ۴ ص ۸۰، ” ”

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

(۴) اکابر کا اصاغر سے ان کے احوال کو دریافت کرنا اور ان کی خیر خواہی کے مشورے دینا۔
(۵) کنوارے شخص کے لیے کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کا استحباب۔
(۶) زوجین کا ایک دوسرے سے دل لگی کرنے کا استحباب۔
(۷) حضرت جابر کی فضیلت کیونکہ انھوں نے اپنے شوق پر اپنی بہنوں کی مصلحت کو ترجیح دی اور کنواری کے بجائے بیوہ سے شادی کی۔
(۸) سفر سے لوٹنے کے بعد گھر جانے سے پہلے مسجد میں جانا اور مسجد میں دو رکعت نفل نماز پڑھنا۔
(۹) ادائیگی ثمن کے وقت ثمن سے زیادہ دینے کا استحباب۔
(۱۰) حقوق کی ادائیگی میں وکیل بنانے کا جواز کیونکہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ جابر کو قیمت ادا کر دو۔
(۱۱) صالحین کی متبرک چیزوں کو بطور یادگار رکھنے کا ثبوت، کیونکہ حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے زیادہ قیراط کو اپنے پاس ہمیشہ محفوظ رکھا۔ مگر افسوس یزیدی فوجوں نے ایام حرہ میں اس کو بھی لوٹ لیا۔

بَابُ ۵۱۵ جَوَازِ اقْتِرَاضِ الْحَيَوَانِ وَاسْتِحْبَابِ تَوْفِيَتِهِ خَيْرًا مِّمَّا عَلَيْهِ

جانوروں کو قرض لینے کا جواز اور بدلے میں بہتر جانور دینے کا استحباب

۳۹۹۶- حَدَّثَنَا اَبُو الطَّاهِرِ اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي رَافِعٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ اِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَاَمَرَ اَبَا رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنْ يَّقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهٗ فَرَجَعَ اِلَيْهِ اَبُو رَافِعٍ فَقَالَ لَمْ اَجِدْ فِيْهَا اِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ اَعْطِهٖ اِيَّاهُ اِنَّ خِيَارَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ایک جوان اونٹ قرض لیا، پھر جب آپ کے پاس صدقے کے اونٹ آئے تو آپ نے حضرت ابو رافع کو حکم دیا کہ اس شخص کا قرض ادا کر دیں۔ حضرت ابو رافع نے حضور کی طرف رجوع کر کے کہا ان اونٹوں میں اس جیسا کوئی نہیں بلکہ اس سے بہتر ساتویں سال کے اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا وہی دے دو، بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۳۹۹۷- حَدَّثَنَا اَبُو كُرَيْبٍ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ اَسْلَمَ قَالَ اَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا بِمِثْلِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ فَاِنَّ خَيْرَ عِبَادِ اللّٰهِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔

وسلم نے ایک شخص سے ایک جوان اونٹ قرض لیا، اس کے بعد مثل سابق ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۳۹۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا فَقَالَ لَهُمْ اشْتَرُوْا لَهٗ سِنًّا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَقَالُوْا اِنَّا لَا نَجِدُ اِلَّا سِنًّا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ سِنِّهٖ قَالَ فَاشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ اَوْ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھا۔ اس نے سختی کے ساتھ آپ سے تقاضا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس کو مارنے کا قصد کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا حق ہو اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، پھر آپ نے صحابہ سے کہا اس کے لیے ایک اونٹ خریدو اور اس کو دے دو، صحابہ نے کہا ہم کو صرف وہی اونٹ مل سکا ہے جو اس سے بہتر ہے، آپ نے فرمایا وہ اونٹ خرید لو اور اس کو دے دو، تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔ (یہ قرض خواہ یہودی تھا)۔

۳۹۹۹۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ نَا وَكِيْعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اسْتَقْرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنًّا فَاَعْطَاهُ سِنًّا فَوْقَهٗ وَقَالَ خِيَارُكُمْ مَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قرض لیا تھا پھر اس سے بڑی عمر کا اونٹ واپس کیا اور فرمایا تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۴۰۰۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يَتَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيْرًا فَقَالَ اَعْطُوْهُ سِنًّا فَوْقَ سِنِّهٖ وَقَالَ خَيْرُكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا اس کے اونٹ سے بڑی عمر کا اونٹ دو اور فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔

حیوان کو قرض دینے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: اس حدیث میں قرض لینے کا جواز ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے لیکن ضرورت کی وجہ سے آپ نے قرض لیا ہے، اس حدیث میں حیوان کے قرض لینے کا بھی ثبوت ہے اور اس میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی، امام مالک اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے حیوان کو قرض لینا جائز ہے، سوا ان باندیوں کے جن سے وطی کی جا سکتی ہے، البتہ جن باندیوں سے وطی نہیں کی جا سکتی جیسے محارم ان کو بھی قرض لینا جائز ہے۔

(۲) مزنی، ابن جریر اور داؤد کا مسلک یہ ہے کہ باندیوں کو اور تمام حیوانوں کو ہر شخص قرض لے سکتا ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ کسی حیوان کو قرض لینا جائز نہیں ہے، اور یہ احادیث ان کا رد کرتی ہیں اور انھوں نے جو ان احادیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ بغیر دلیل کے مردود ہے۔[۱]

حیوان کو قرض لینے میں فقہاء احناف کا موقف

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک کسی قسم کے حیوان کو قرض لینا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ باندیوں کے سوا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور ساتویں سال کا اونٹ واپس کیا اور فرمایا "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں" اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور کو ہلاک کر دے تو اس کو اس جانور کی قیمت کا ضامن نہیں کیا جاتا (بلکہ اس پر جانور کی مساوی مثل دینا لازم ہے) اس لیے باندیوں کی طرح جانوروں کو بھی قرض لینا ناجائز ہو گا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ حیوانات کو مال کے مقابلہ میں کسی کے ذمہ بطور قرض ثابت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہلاک شدہ حیوانات کے عوض قیمت صرف اسی وقت تسلیم کی جاتی ہے جب ان کی مثل نہ مل سکے۔ اور قرض کا تقاضا یہ ہے کہ مقروض کے ذمہ وہ مثل لازم ہو جو مساوی ہو اور جب حیوانات میں مساوی مثل کا ہونا مشکل ہے تو ان کا قرض لینا بھی جائز نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[۲] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ۔

حیوان کے قرض میں جمہور کی روایت کے جوابات

امام شافعی کی پیش کردہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے علامہ سرخسی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اونٹ بیت المال کے لیے قرض لیا تھا کیونکہ حدیث میں ہے آپ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے قرض ادا کیا تھا، اور آپ جو قرض اپنے لیے لیتے تھے اس کو صدقہ سے نہیں ادا کرتے تھے، اور بیت المال کے لیے ادا بیت المال کے اور حقوق مجہولہ بھی ثابت ہو جاتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے جانور کے بدلے میں اس کی مثل جانور دینا لازم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ [1]

حیوان کو قرض دینے کی منسوخیت پر احادیث اور آثار

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن سمرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة۔ [2]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کو امام نسائی [3] اور امام ابن ماجہ [4] نے بھی روایت کیا ہے۔

جب حیوان کو حیوان کے عوض ادھار فروخت کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تو حیوان کو قرض میں دینا بھی ممنوع ہو گیا۔ اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حیوان کا وصف منضبط نہیں ہو سکتا اور ادھار اس لیے ممنوع ہے کہ عوض میں جو حیوان دیا جائے گا اس میں یقیناً کمی یا زیادتی ہو گی اور اسی وجہ سے حیوان کو قرض میں دینا ناجائز ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم قال: اتی عبد اللہ بن مسعود برجل سلف فی قلاص لاجل فنهاه۔ [5]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے مدت معینہ کے ادھار پر (بیع سلم) اونٹنیاں فروخت کی تھیں، حضرت ابن مسعود نے اس کو منع فرمایا۔

عن ابراهیم ان عبد اللہ کره السلف فی الحیوان۔ [6]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حیوان میں قرض کو مکروہ کہتے تھے۔

---

1. شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ
2. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
3. امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔
4. امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴ ، " " " "
5. امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ
6. " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۲۲-۲۳،

عن عبد الرحمن بن القاسم ان عمر کرهه، قال وکان شریح یکرهه[1]

عبدالرحمن بن قاسم کہتے ہیں کہ حضرت عمر حیوان میں قرض کو مکروہ کہتے تھے اور شریح بھی مکروہ کہتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم قال کان عبد الله یکره السلم فی حیوان۔[2]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو مکروہ کہتے تھے۔

عن ابن سیرین ان عمر وحذیفة و ابن مسعود کانوا یکرهون السلم فی الحیوان[3]

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت حذیفہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو مکروہ کہتے تھے۔

عن القاسم بن عبد الرحمن۔ قال: قال عمر من الربوٰ ان یسلم فی سن۔[4]

قاسم بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کرنا بھی سود ہے۔

عن عبد الاعلی قال: شهدت شریحا رد السلم فی الحیوان۔[5]

عبدالاعلی بیان کرتے ہیں کہ میں شریح کے پاس تھا انھوں نے حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو رد کر دیا۔

عن ابراهیم بن عبد الاعلی قال: شهدت سوید بن غفلة یکره السلم فی الحیوان۔[6]

ابراہیم بن عبدالاعلی کہتے ہیں کہ میں سوید بن غفلہ کے پاس تھا، وہ حیوان میں بیع سلم کو مکروہ کہتے تھے۔

عن الضحاک انه دخص فی السلم فی الحیوان ثم رجع عنه۔[7]

ضحاک سے روایت ہے کہ وہ پہلے حیوان میں بیع سلم کو جائز کہتے تھے پھر انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔

عن عمار صاحب السابری قال سمعت سعید بن جبیر یسئل عن السلم فی الحیوان فنهیٰ عنه۔[8]

عمار کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے حیوان میں بیع سلم کے متعلق سوال کیا گیا انھوں نے اس سے منع فرمایا۔

حسن قضاء کا ثبوت

اس باب کی احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرض ادا کرتے وقت اصل سے زیادہ دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس زیادتی کو عقد میں طے نہ کیا جائے اور نہ قرض دینے والے کی طرف سے مطالبہ ہو، اس کو حسن قضاء کہتے ہیں۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۷۰ ۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "

[3] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "

[4] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "

[5] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "

[6] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "

[7] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "

[8] " " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "

باب ۵۱۶ جَوَازِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ مِنْ جِنْسِهِ مُتَفَاضِلًا

حیوان کو حیوان کے عوض کمی اور بیشی کے ساتھ بیچنے کا جواز

۴۰۰۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَابْنُ رُمْحٍ قَالَا أَنَا اللَّيْثُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَمْ يَشْعُرْ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی، آپ نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ یہ غلام ہے، پھر اس کا مالک اس کو لینے کے لیے آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، پھر آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا، اس کے بعد آپ اس وقت تک کسی کی بیعت نہیں لیتے تھے جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیتے کہ آیا وہ غلام ہے (یا آزاد)۔

حیوان کی حیوان کے عوض بیع میں جمہور فقہاء کا نظریہ

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کا پتا چلتا ہے کیونکہ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ آپ وہ غلام اس کے مالک کو لوٹا دیں، اور غلام نے آپ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت کر کے جو مدینہ میں رہنے کا قصد کیا تھا وہ پورا نہ ہو، اور اس میں ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں فروخت کرنے کا ثبوت ہے عام از یں کہ ان کی قیمت برابر ہو یا کم و بیش، اگر یہ بیع نقد ہو تو اس کے جواز پر اجماع ہے۔ باقی حیوانوں کا بھی یہی حکم ہے اگر ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں یا ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے بدلے میں ادھار فروخت کیا تو امام شافعی اور جمہور کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ [1]

حیوان کی حیوان کے عوض بیع میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ حیوان کی حیوان کے عوض ادھار بیع کو اس لیے ناجائز کہتے ہیں کہ جامع ترمذی اور دوسری کتب سنن میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کی حیوان کے عوض ادھار بیع سے منع فرمایا ہے اور اس باب کی حدیث سے استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں نقد بیع کا ذکر ہے۔ اس کی مفصل

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ ھ

تحقیق باب سابق میں گذر چکی ہے۔

علم رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم علم غیب عطا فرمایا تھا، لیکن ہر وقت ہر چیز کی طرف متوجہ رہنا اور ہر وقت ہر چیز کا علم ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، بسا اوقات بعض چیزوں کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی تھی یا علم نہیں ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے خصوصاً اس بات سے کہ آپ بیعت کے وقت دریافت فرماتے تھے کہ وہ غلام ہے یا آزاد، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ بتائے بغیر توجہ کے باوجود آپ پر آزاد یا غلام ہونا منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ کو ہر وقت ہر چیز کا علم نہیں ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس علم کلی کے قائل ہیں وہ علم تدریجی ہے اور نزول قرآن کے ضمن میں مکمل ہوا ہے بے خطر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، علم الٰہی کے مقابلے میں محدود اور متناہی ہے اور تمام مخلوق کے علوم سے بہت زیادہ ہے، اور ہمیں اس کی کمیت اور کیفیت کے درپے نہیں ہونا چاہیے، یہ ہمارا منصب ہے نہ ہمیں زیبا ہے۔

بَابُ الرَّهْنِ وَجَوَازِهٖ فِي الْحَضَرِ كَالسَّفَرِ

سفر اور حضر میں گروی رکھنے کا جواز

۴۰۰۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِيَحْيٰى قَالَ يَحْيٰى أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ فَأَعْطَاهُ دِرْعًا لَهٗ رَهْنًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ دی۔

۴۰۰۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهٗ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے طعام (اناج) خریدا اور لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

۴۰۰۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

الحنظلي قال انا المخزومي قال نا عبد الواحد بن زياد عن الاعمش قال ذكرنا الرهن في السلم عند ابراهيم النخعي قال نا الاسود بن يزيد عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشترى من يهودي طعاما الى اجل ورهنه درعا له من حديد۔

نے مدت معینہ کے ادھار پر ایک یہودی سے طعام خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

٤٠٠٥۔ **حدثنا** ابو بكر بن ابي شيبة قال نا حفص بن غياث عن الاعمش عن ابراهيم قال حدثني الاسود عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله ولم يذكر من حديد۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ایک روایت بیان کی ہے اور اس میں لوہے کا ذکر نہیں ہے۔

کافروں سے کاروباری معاملہ کرنے کا جواز

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: اس حدیث میں اہل ذمہ کے ساتھ معاملہ کرنے کا جواز ہے، اور یہ کہ ان کے قبضے میں جو املاک ہیں اس کی ملکیت شرعاً ان کے لیے ثابت ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی بہت کم چیزیں لیتے تھے اور آپ نے اپنے اوپر فقر کو لازم کر لیا تھا اور اس حدیث میں اہل ذمہ کے پاس رہن رکھنے کا جواز ہے حتیٰ کہ آلات حرب کو رہن رکھنے کا بھی جواز ہے اور سفر اور حضر میں رہن رکھنا جائز ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے، البتہ مجاہد اور داؤد ظاہری یہ کہتے ہیں کہ صرف سفر میں رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ "اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کاتب میسر نہ ہو تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا" اور جمہور فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور یہ آیت کے اقتضاء پر مقدم ہے۔

رہا یہ سوال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے طعام خریدا اور اس کے پاس زرہ گروی رکھی، کسی صحابی سے طعام کیوں نہ خریدا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا تاکہ پتا چل جائے کہ یہودیوں سے معاملہ کرنا جائز ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس وقت کسی صحابی کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ طعام نہ ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طعام کی قیمت لیتا نہ زرہ رہن رکھتا اس لیے آپ نے صحابہ کے بجائے یہودی سے معاملہ کیا تاکہ صحابہ میں سے کوئی تنگی میں مبتلاء نہ ہو۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ذمہ اور دیگر کافروں سے معاملہ کرنا جائز ہے الا یہ کہ وہ معاملہ کسی حرام پر مشتمل ہو، البتہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حربی کافروں کو آلات حرب فروخت کریں اور نہ ایسی چیزوں

کو فروخت کریں جن کی انھیں اقامت دین میں ضرورت ہو اور نہ مصحف کو فروخت کریں۔ [1]

بَابُ السَّلَمِ [۵۱۸]

بیع سلم کا جواز

۴۰۰۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ عَمْرٌو نَا وَقَالَ يَحْيَى أَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ایک سال اور دو سال کے ادھار پر پھلوں کی بیع کرتے تھے (یعنی بیع سلم کرتے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی کھجوروں میں بیع سلم کرے تو وہ معین ماپ، معین وزن اور مدت معینہ میں بیع کرے۔

۴۰۰۷ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْلَفَ فَلَا يُسْلِفْ إِلَّا فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور لوگ بیع سلم کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جو شخص بیع سلم کرے وہ صرف معین وزن اور معین ماپ میں بیع کرے۔

۴۰۰۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ

ایک اور سند سے بھی یہ روایت حسب سابق منقول ہے اور اس میں مدت معین کا ذکر نہیں ہے۔

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

عَبْدِ الْوَارِثِ وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

۴۰۰۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِإِسْنَادِهِمْ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ فَذَكَرَ فِيهِ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ابن عیینہ کی روایت کی طرح منقول ہے اور اس میں مدت معینہ کا ذکر ہے۔

بیع سَلَم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

سَلَم اور سَلَف کا وزن اور معنی واحد ہے، اس کا لغوی معنی ادھار ہے، علامہ ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ سَلَف اہل عراق کی لغت ہے اور سَلَم اہل حجاز کی لغت ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے بیع آجل بعاجل "ادھار چیز کو نقد رقم کے عوض فروخت کرنا"۔[۱] مثلاً کھجوروں کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ کلوگرام کھجوروں کو پچاس روپے کے عوض فروخت کرنا اور دو ماہ بعد کھجوریں دینے کا کہنا۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں اس عقد کو سلم اور سلف اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بیع اپنے وقت سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ بیع کا وقت وہ ہے جب معقود علیہ عاقد کی ملک میں ہو، اور عادۃً بیع سلم یا سلف اس وقت کی جاتی ہے جب چیز فروخت کرنے والے کی ملک میں نہیں ہوتی۔ پس چونکہ یہ عقد اپنے وقت سے پہلے منعقد ہو جاتا ہے اس لیے اس کو بیع سَلَم کہتے ہیں، قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ بیع المعدوم جائز نہیں ہے لیکن ہم نے کتاب اور سنت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا، قرآن مجید میں ہے: یا یھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ "اے ایمان والو! جب تم ایک مدت معینہ کے لیے ادھار بیع کرو تو اس کو لکھ لیا کرو" حضرت ابن عباس نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ میں سَلَم کا ذکر ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔[۲]

مذروعات اور عددیات میں بیع سلم کا جواز

حدیث میں ہے بیع سلم میں وزن معین ہو اور ناپ معین ہو، اس بناء پر شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ مذروعات (جو چیز میٹر سے ناپ کر بیچی جائے) اور عددیات میں بیع سلم جائز نہیں ہے، صرف وزن اور ناپ والی چیزوں میں جائز ہے۔[۳]

جمہور فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ بیع سلم مذروعات اور عددیات میں بھی جائز ہے کیونکہ ناپ اور وزن کی خصوصیت کا بیع سلم میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ قیاس سے نہیں بلکہ دلالت النص سے ثابت ہے کیونکہ اس کی مشروعیت کا سبب

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۸ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[۲] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[۳] شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۹ ص ۱۰۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۵۱ھ

ضرورت ہے، بائع کو جلدی پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ نقد پیسے لے کر جنس کو ادھار فروخت کر دیتا ہے اور یہ ضرورت کپڑا فروخت کرنے والے بزازوں اور عدویات والوں کو بھی ہوتی ہے اور حسب ذیل آثار میں اس کی تائید ہے۔

عن القاسم بن محمد عن ابن عباس فی السلف فی الکرابیس قال اذا کان ذرع معلوم الی اجل معلوم فلا باس۔[1]

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس سے سوتی کپڑوں میں بیع سلم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا جب گز معلوم ہوں اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن رزین عن ابن المسیب عن سلف الحنطۃ والکرابیس والثیاب فقال ذرع معلوم الی اجل معلوم والحنطۃ بکیل معلوم الی اجل معلوم۔[2]

رزین کہتے ہیں کہ ابن مسیب سے گندم اور کپڑوں میں بیع سلم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا انھوں نے کہا گز معلوم ہوں اور مدت معلوم ہو اور گندم میں ماپ معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا شریک عن جابر وعطاء قالا لا باس فی السلم فی الصوف والاکسیۃ۔[3]

شریک بیان کرتے ہیں کہ جابر اور عطاء نے کہا: اونی کپڑوں اور سوتی چادروں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابراھیم قال کان ابن مسعود لا یری بالسلم فی کل شئ باسا الی اجل معلوم ما خلا الحیوان۔[4]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حیوان کے سوا ہر چیز میں بیع سلم کو جائز قرار دیتے تھے جب کہ مدت معلوم ہو۔

حاضر چیز میں بیع سلم کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: بیع سلم کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مبیع ادھار ہو اور حاضر چیز میں بیع سلم صحیح نہیں ہے اگرچہ مبیع مطلق صحیح ہے۔ میمونی امام احمد نے فرمایا بیع سلم اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک مدت معینہ کی شرط نہ لگائی جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر نے کہا کہ حاضر چیز میں بھی بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب یہ عقد ادھار میں صحیح ہے تو نقد میں بطریق اولیٰ صحیح ہوگا،

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۶، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[3] حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۶ ص ۳۸۹ - ۳۸۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[4] " " " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۳۸۹،

جیسا کہ بیع مطلق ہوتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بیع سلم کرے وہ معین ماپ، معین وزن میں مدت معینہ تک کرے" آپ نے مدت معین کرنے کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، نیز بیع سلم کی شرائط میں سے ہے کہ جنس مبیع کو مدت معینہ کے بعد سپرد کیا جائے اور جس طرح ماپ اور وزن کے انتفاء سے بیع سلم منتفی ہو جاتی ہے اسی طرح مدت معینہ کے انتفاء سے بھی بیع سلم منتفی ہو جائے گی، نیز بیع سلم کو رفق اور سہولت کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے اور جب حاضر چیز میں بیع ہوگی تو رفق نہیں رہے گا، نیز حاضر چیز میں بیع کرنے سے اس پر سلم اور سلف کے اسم کا اطلاق صحیح نہیں رہے گا کیونکہ سلم اور سلف تو ادھار کو کہتے ہیں اور شارع نے اس کو ضرورت کی بناء پر مشروع کیا ہے اور حاضر چیز کو پیسوں کے عوض فروخت کرنے میں کیا حرج ہے۔[1]

اس اختلاف کا کوئی خاص ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ حاضر اور موجود چیز میں بیع بہرحال جائز ہے، اختلاف اس کو بیع سلم کہنے میں ہے، امام شافعی اس کو بیع سلم کہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ اس کو بیع سلم کی بجائے بیع الاعیان یا بیع مطلق کہتے ہیں۔ پس یہ اختلاف نزاع لفظی ہے تاہم ائمہ ثلاثہ کا موقف صحیح ہے اور یہ بیع سلم نہیں، بیع الاعیان ہے۔

بیع سلم کی مزید شرائط بیع سلم کے جواز کے لیے فقہاء نے کچھ مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے، علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع سلم کی صحت کے لیے سات شرائط ضروری ہیں۔ (۱) جنس معلوم ہو مثلاً گندم ہے یا جو۔ (۲) نوع معلوم ہو مثلاً بارانی زمین کی گندم ہے یا نہری زمین کی۔ (۳) صفت معلوم ہو مثلاً عمدہ ہے یا ردی۔ (۴) مقدار معلوم ہو مثلاً اتنے کیل یا اتنے کلو گرام ہے۔ (۵) مدت معلوم ہو۔ (۶) راس المال (ثمن) معلوم ہو۔ (۷) جس جگہ مسلم فیہ کو سپرد کیا جائے گا اس جگہ کا تعین ہو۔

ان شرائط کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی جہالت کی وجہ سے منازعت (جھگڑا) پیدا ہوگی۔ ہر چند کہ حدیث میں وزن معلوم اور اجل معلوم کا ذکر ہے لیکن جس طرح ان کی جہالت نزاع کا سبب ہے اسی طرح باقی شرائط سے جہالت بھی نزاع کا سبب ہے۔[2]

بَابُ ۵۱۹ تَحْرِيْمِ الْاِحْتِكَارِ فِي الْاَقْوَاتِ
کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت

۴۰۱۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ اَنَّ

حضرت معمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گنہ گار ہے سعید بن مسیب سے کہا گیا آپ تو خود ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا حضرت معمر جو اس حدیث کے

---

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۹۳-۱۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۹۶، ۹۵، ملخصاً مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

مَعْمَرًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ فَقِيلَ لِسَعِيدٍ فَإِنَّكَ تَحْتَكِرُ قَالَ سَعِيدٌ إِنَّ مَعْمَرًا الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيثَ كَانَ يَحْتَكِرُ۔

راوی ہیں وہ بھی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

۴۰۱۱- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ قَالَ نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ۔

حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذخیرہ اندوزی صرف گنہ گار شخص کرتا ہے۔

۴۰۱۲- حَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِنَا عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْنٍ قَالَ أَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ أَبِي مَعْمَرٍ أَحَدِ بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى۔

عدی بن کعب کے ایک فرد معمر بن ابی معمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

احتکار کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: الحکر ادخار الطعام للتربص۔ "حکر کا معنی ہے کھانے پینے کی چیزوں کو (مہنگائی کے) انتظار میں ذخیرہ کرنا اور ابن سیدہ نے کہا: الاحتکار جمع الطعام ونحوه مما یوکل واحتباسه انتظار وقت الغلاء به۔" "کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے وقت کے لیے جمع کرنا ہے"۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے انتظار میں چالیس دن تک ذخیرہ کرنا شرعاً احتکار ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احتکر علی المسلمین اربعین یوما ضربه الله

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور مصری متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۴ ص ۲۰۸ مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

بالجزام والافلاس و فی روایۃ فقد برئ من اللہ و بری اللہ منہ ۔ "جس شخص نے مسلمانوں پر چالیس دن ذخیرہ اندوزی کی اللہ تعالیٰ اس پر جذام (کوڑھ) اور افلاس کو مسلط کر دے گا، اور ایک روایت میں ہے وہ اللہ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہو گیا، اور ایک روایت میں ہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل، چالیس دن کی مدت اس پر دنیاوی سزا مثلاً تعزیر جاری کرنے کے لیے ہے۔ گناہ کے لیے یہ قید نہیں ہے، اگر چند دن بھی مہنگائی کے انتظار میں ذخیرہ اندوزی کی تو گنہ گار ہو گا، احتکار کی تعریف میں کھانے پینے کی چیزوں کی قید امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے لگائی ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی ذخیرہ اندوزی سے مسلمانوں کو ضرر ہو وہ احتکار ہے۔ ؎۱

احتکار میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کھانے پینے کے علاوہ دوسری چیزوں میں ہمارے نزدیک احتکار بالکل نہیں ہے، علماء نے کہا ہے کہ احتکار کی حکمت یہ ہے کہ عام لوگوں سے ضرر کو دور کیا جائے اور علماء کا اس پر اجماع ہے اگر کسی شخص کے پاس طعام ہو اور لوگوں کو اس طعام کی سخت ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کہیں اور سے طعام نہ ملے تو لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے اس کو طعام فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کی احادیث میں جو سعید بن مسیب اور حضرت معمر کے احتکار کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر اور دوسرے محققین نے یہ کہا ہے کہ وہ زیتون کے تیل کا احتکار کرتے تھے اور ان کے نزدیک احتکار ان چیزوں میں تھا جو رمق حیات کے لیے ضروری ہیں، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے بھی احتکار کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ ؎۲

احتکار کی شرائط

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: احتکار حرام کی تین شرائط ہیں:

(۱) کسی چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کرے۔ اگر کوئی چیز اس کو آمدنی یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئی تو وہ احتکار نہیں ہے۔

(۲) ایسی چیز میں ذخیرہ اندوزی کی جائے جو قوت ہو، سالن، حلواء، شہد، زیتون کا تیل اور جانوروں کے چارے میں ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور سعید بن مسیب کا یہی قول ہے۔

(۳) اس چیز کے خریدنے سے لوگوں پر تنگی ہو اور اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) شہر میں اس کی آبادی بمشکل سماتی ہو، جیسے حرمین اور بغداد ایسے وسیع شہر میں احتکار مؤثر نہیں ہے۔ (ب) جس وقت کسی چیز کی قلت ہو اس وقت اس چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جب وہ چیز عام ہو پھر خرید کر جمع کر لی جائے تو یہ احتکار نہیں ہے۔ ؎۳

باب ۵۲ النَّهْيِ عَنِ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ — بیع میں قسم کھانے کی ممانعت

؎۱ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۱ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

؎۲ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الاول، ۱۳۷۵ھ

؎۳ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۰۱۳ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا أَبُو صَفْوَانَ الْأُمَوِيُّ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ كِلَيْهِمَا عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلِفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلرِّبْحِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم سودے (کی خریداری) کو بڑھانے والی ہے اور نفع کو مٹانے والی ہے۔

۴۰۱۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ إِسْحَاقُ أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع میں بکثرت قسم کھانے سے بچو کیونکہ یہ پہلے سودا بکواتی ہے پھر اس کو مٹا دیتی ہے۔

(ف): اس حدیث میں بیع کے اندر کثرت حلف کی ممانعت ہے، کیونکہ بلاضرورت قسم کھانا مکروہ ہے اور بسا اوقات قسم کھانے سے خریدار دھوکا کھا جاتا ہے۔

بَابُ ۱۲۵ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

۴۰۱۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی زمین یا باغ میں کوئی شریک ہو پس اس کے لیے اپنے شریک سے اجازت کے بغیر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے پھر اگر وہ راضی ہو تو لے لے اور ناپسند کرے تو چھوڑ دے۔

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَرِيْكٌ فِيْ رَبْعَةٍ اَوْ نَخْلٍ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهٗ فَاِنْ رَضِيَ اَخَذَ وَاِنْ كَرِهَ تَرَكَ۔

۴۰۱۶- **حَدَّثَنَا** اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَّاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ نُمَيْرٍ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شِرْكَةٍ لَّمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ اَوْ حَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهٗ فَاِنْ شَاءَ اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شرکت والے غیر منقسم مکان یا باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ کیا، اس کو شریک سے اجازت لیے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ (شریک) چاہے تو لیلے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، پھر اگر وہ شریک کو خبر دیے بغیر فروخت کر دے تو شریک اس کا زیادہ مقدار ہے۔

۴۰۱۷- **وَحَدَّثَنَا** اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَنَّ اَبَا الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شِرْكٍ فِيْ اَرْضٍ اَوْ رَبْعٍ اَوْ حَائِطٍ لَا يَصْلُحُ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يَعْرِضَ عَلٰى شَرِيْكِهٖ فَيَاْخُذُ اَوْ يَدَعُ فَاِنْ اَبٰى فَشَرِيْكُهٗ اَحَقُّ بِهٖ حَتّٰى يُؤْذِنَهٗ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مشترک مال میں شفعہ ہے، خواہ زمین ہو یا گھر ہو یا باغ، اس کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اپنے شریک پر اس کو پیش نہ کرے، پھر وہ اس کو لے یا چھوڑ دے، اور اگر وہ شریک کو اطلاع نہ دے تو جب تک شریک کو اس کی خبر نہ دی جائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

شفعہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

شفعہ کا لفظ شفع سے ماخوذ ہے، علامہ زبیدی نے لکھا ہے: شفعہ کا معنی ہے زوج خلاف الوتر[1] اور شفعۃ کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ زبیدی

[1] سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس ج ۵ ص ۳۹۹، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

لکھتے ہیں: ابو العباس زبیدی سے لغت میں شفعہ کے اشتقاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا یہ زیادتی سے مشتق ہے اور تم جس چیز میں شفعہ کرتے ہو اس کو اپنی چیز کے ساتھ ضم کر کے زیادہ کرتے ہو، یعنی تمہاری چیز وتر (واحد) تھی تم نے اس کے ساتھ ایک اور چیز زیادہ کر کے اس کو زوج کر دیا۔ [1]

علامہ علاؤ الدین حصکفی شفعہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ھی تملیك البقعة جبرا على المشتری بما قام علیه بمثله لو مثلیا و الا فبقیمته وسببها اتصال ملك الشفیع بالمشتری بشرکة او جوار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "خریدار کو ایک حصہ جس مثل یا قیمت میں پڑا ہو اس حصہ کا جبراً کسی کو مالک بنانا شفعہ ہے اور اس کا سبب شفیع کی ملک کا خریدار کے ساتھ اتصال ہے خواہ شرکت کی وجہ سے اتصال ہو یا جوار (پڑوس) کی وجہ سے۔ [2]

علامہ شامی لکھتے ہیں فتاوی صغری میں ہے شفعہ بائع سے ملکیت کے زوال پر اعتماد کرتا ہے۔ [3]

شفعہ میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: جو شخص زمین میں شریک ہو اس کے لیے شفعہ کے ثبوت میں مسلمانوں کا اجماع ہے، جب تک کہ زمین کو تقسیم نہ کیا گیا ہو، علماء نے کہا ہے کہ شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ شریک سے ضرر کو زائل کیا جائے اور زمین کے ساتھ شفعہ اس لیے خاص ہے کہ اس میں ضرر زیادہ متوقع ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حیوان، کپڑے، مال واسباب اور دیگر منقولات میں شفعہ نہیں ہے۔ علماء کا ایک شاذ قول یہ ہے کہ ہر چیز میں شفعہ ہے حتیٰ کہ کپڑوں میں بھی ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ حیوان اور منفرد مکان میں بھی شفعہ ہے۔ جو زمین منفرد ہو آیا اس میں جوار کی وجہ سے شفعہ ہوتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوتا، ابن منذر نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عمر بن عبد العزیز، زہری، ربیعہ، اوزاعی مغیرہ بن عبد الرحمان، ابو ثور، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہ اور ثوری کا مسلک یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ ہوتا ہے۔ [4]

فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں جو شخص نفس مبیع میں شریک ہے اس کے لیے شفعہ واجب ہے پھر جو شخص مبیع کے حقوق میں شریک ہو، مثلاً پانی اور راستے میں اس کے لیے شفعہ واجب ہے پھر پڑوسی کے لیے شفعہ واجب ہے، اور شفعہ کے ثبوت کی ترتیب یہی ہے۔ رہا شفعہ کا ثبوت تو وہ ان احادیث سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "شفعہ اس شریک کے لیے ہے جس نے تقسیم نہیں کی"۔ اور آپ کا ارشاد ہے "مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔

---

[1] سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۵ ص ۴۰۰، مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

جبکہ ان کا راستہ ایک ہو"۔ (ترمذی) اور آپ کا ارشاد ہے: "پڑوسی مکان کی نزدیکی کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے" عرض کیا گیا یا رسول اللہ مکان کی نزدیکی کی وجہ سے کیا حق ہے؟ فرمایا اس کا شفعہ اور ایک روایت میں ہے کہ پڑوسی شفعہ کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ پڑوس کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "شفعہ غیر منقسم چیزوں میں ہے اور جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے منقسم ہو جائیں تو پھر کوئی شفعہ نہیں ہے" (بخاری) نیز چونکہ شفعہ میں غیر کی ملکیت پر اس کی رضا مندی کے بغیر تملیک ہوتی ہے اس لیے یہ خلاف قیاس ہے اور غیر منقسم چیز میں شفعہ کا حکم شریعت میں آ گیا ہے اس لیے صرف اسی میں شفعہ کیا جائے گا اور اس پر قیاس کر کے دوسری چیزوں میں شفعہ نہیں ہو گا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پڑوسی کے لیے شفعہ کا ثبوت حدیث سے ثابت ہے نیز جس طرح شریک کی ملکیت کا نفس مبیع کے ساتھ اتصال ہے۔ اسی طرح پڑوسی کی ملکیت بھی مبیع کے ساتھ متصل ہے اور پڑوس کے ضرر کو دور کرنے کے لیے اس کے واسطے بھی شفعہ ہو گا، بلکہ اس سے ضرر کو دور کرنا زیادہ لائق ہے۔ اور ترتیب کا ثبوت اس حدیث سے ہے: الشريك احق من الخليط والخليط احق من الشفيع (مصنف ابن ابی شیبہ) شریک سے مراد ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو، خلیط سے مراد ہے جو حقوق میں شریک ہو اور شفیع سے مراد ہے پڑوسی یعنی نفس مبیع میں شریک حقوق میں شریک سے زیادہ حقدار ہے اور حقوق میں شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور اس لیے بھی کہ نفس مبیع میں شریک زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ وہ مبیع کے ہر جز میں شریک ہے اس کے بعد حقوق میں اتصال ہے کیونکہ وہ ملکیت کے منافع میں شرکت ہے اور ترجیح قوت سبب سے متحقق ہوتی ہے۔ [۵۰]

پڑوسی کے شفعہ کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام ابن حبان روایت کرتے ہیں:

عن ابی رافع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجار احق بسقبه۔

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی گھر کی نزدیکی کی وجہ سے شفعہ کا زیادہ مستحق ہے۔ [۵۱]

امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے [۵۲] نیز امام عبد الرزاق نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ [۵۳]

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن سمرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جار الدار احق بدار الجار او الارض۔ [۵۴]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھر کا پڑوسی، پڑوسی کے گھر یا زمین کا زیادہ حقدار ہے۔

---

۵۰ - علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۹۰ - ۳۸۹ مطبوعہ مطبعہ شرکت علمیہ ملتان

۵۱ - امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ ھ، (مرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۰۷ھ

۵۲ - امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۵۳ - امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۸ ص ۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبع الاول، ۱۳۹۲ھ

۵۴ - امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے [۱]، امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ [۲]

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعۃ جارہ ینتظر بھا وان کان غائبا اذا کان طریقھما واحدا۔ [۳]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی کے شفعہ کا پڑوسی زیادہ مستحق ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا جب کہ ان کا راستہ ایک ہو۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [۴]

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الحسن عمن سمع علیا وابن مسعود یقول قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجوار۔ [۵]

حسن اس سے روایت کرتے ہیں جس نے حضرت علی اور ابن مسعود سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شفعہ میں) پڑوسی کے حق میں فیصلہ کیا۔

عن ابراھیم قال: الخلیط احق من الجار والجار احق من غیرہ۔ [۶]

ابراہیم سے روایت ہے کہ (شفعہ میں) شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کی ہے۔ [۷]

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الحکم عن علی وعبد اللہ قالا: قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ للجوار۔ [۸]

حکم کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کیا۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عن ابی رافع یبلغ بہ الی النبی صلی اللہ

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ

---

[۱] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[۲] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۰۷ھ

[۳] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبع الثانی، ۱۴۰۵ھ

[۴] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[۵] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبع الاول، ۱۳۹۲ھ

[۶] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۷۹،

[۷] امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۶ھ

[۸] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۷، ص ۱۶۴،

علیہ وسلم قال: الجار احق بشفعتہ [1]

وسلم نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔

عن سمرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: جار الدار احق الدار [2]

حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے

عن جابر قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الجار احق بشفعۃ جارہ [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی کے شفعہ کا پڑوسی زیادہ حقدار ہے۔

عن شریح قال: الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار احق ممن سواہ [4]

شریح سے روایت ہے کہ نفس مبیع میں شریک، حقوق کے شریک سے زیادہ حقدار ہے، اور حقوق میں شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی اپنے ماسوا سے زیادہ حقدار ہے۔

ترتیب شفعہ کے ثبوت میں علامہ ابوالحسن صاحب ہدایہ نے اسی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔

بَابُ ۲۲۲ غَرْزِ الْخَشَبِ فِیْ جِدَارِ الْجَارِ

پڑوسی کی دیوار میں لکڑی گاڑنا

۴۰۱۸ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْنَعُ اَحَدُکُمْ جَارَہٗ اَنْ یَّغْرِزَ خَشَبَۃً فِیْ جِدَارِہٖ قَالَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَالِیْ اَرَاکُمْ عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ وَاللّٰہِ لَاَرْمِیَنَّ بِھَا بَیْنَ اَکْتَافِکُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی دیوار پر پڑوسی کو شہتیر رکھنے سے نہ منع کرے، راوی کہتے ہیں پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا سبب ہے؟ کہ میں تم کو اس حکم سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ بخدا! میں یہ شہتیر تمہارے کندھوں پر رکھ دوں گا۔

۴۰۱۹ - حَدَّثَنَا زُھَیْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ

تین دیگر اسانید سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاولی، ۱۴۰۶ھ

[2] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، 〃 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۷، 〃 〃 〃 〃 〃

نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

پڑوسی کے شہتیر رکھنے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اپنی دیوار پر پڑوسی کے شہتیر رکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، آیا یہ حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے، امام شافعی اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حکم مستحب ہے امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم واجب ہے، امام احمد، ابو ثور اور اصحاب حدیث کا بھی یہی مذہب ہے، استحباب پر دلیل یہ ہے خیر القرون کے لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تب ہی حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تھا: تم اس حکم سے اعراض کرتے ہو۔ [1]

بَابُ تَحْرِيْمِ الظُّلْمِ وَغَصْبِ الْأَرْضِ وَغَيْرِهَا [۵۲۳]

ظلم اور زمین وغیرہ غصب کرنے کی حرمت

۴۰۳۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا إِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنْ أَرْضٍ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات طبقوں تک کی اس زمین کو (اس کے گلے میں) طوق بنا کر ڈال دے گا۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

۴۱۲۱ - حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ أَرْوَى خَاصَمَتْهُ فِي بَعْضِ دَارِهِ فَقَالَ دَعُوهَا وَإِيَّاهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ طُوِّقَهُ فِي سَبْعِ أَرَضِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِي دَارِهَا قَالَ فَرَأَيْتُهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُولُ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ فَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِي فِي الدَّارِ مَرَّتْ عَلَى بِئْرٍ فِي الدَّارِ فَوَقَعَتْ فِيهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اروٰی نے ان سے گھر کے بعض حصہ کے متعلق جھگڑا کیا۔ انھوں نے کہا اس کو چھوڑ دو اور یہ زمین اس کو دے دو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ناحق لی قیامت کے دن سات طبقوں تک کی وہ زمین اسے طوق بنا کر ڈال دی جائے گی۔ اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کی قبر اسی گھر میں بنا دے، راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا وہ اندھی ہو چکی تھی دیواروں کو ٹٹولتی پھرتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھے سعید بن زید کی بددعا لگ گئی ہے، اور جس اثنا میں وہ گھر میں چل رہی تھی گھر کے کنوئیں کے پاس سے گذری اور اس کنوئیں میں گر گئی اور وہ گھر اس کی قبر بن گیا۔

۴۱۲۲ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ أَرْوَى بِنْتَ أُوَيْسٍ ادَّعَتْ عَلَى سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ أَخَذَ شَيْئًا مِّنْ أَرْضِهَا فَخَاصَمَتْهُ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا كُنْتُ آخُذُ مِنْ أَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِي سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ

ہشام اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اروٰی بنت اویس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر یہ دعوٰی کیا کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین لے لی ہے پھر اس نے مروان بن الحکم کے ہاں مقدمہ پیش کیا، تو سعید نے کہا کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں حدیث سننے کے بعد اس کی زمین لے سکتا ہوں؟ مروان نے کہا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ حضرت سعید بن زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی سات زمینوں تک وہ زمین اس کو طوق بنا کر ڈال دی جائے گی، مروان نے کہا اس کے بعد میں آپ سے اور کسی دلیل کا سوال نہیں کروں گا حضرت

أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا أَسْأَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هَذَا فَقَالَ سَعِيدٌ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَعَمِّ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي أَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتَّى ذَهَبَ بَصَرُهَا ثُمَّ بَيْنَا هِيَ تَمْشِي فِي أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِي حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ۔

سید نے کہا: اے اللہ اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کو اس کی زمین میں مار دے، راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت مرنے سے پہلے اندھی ہو گئی اور ایک دن اس زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گری اور مر گئی۔

۴۰۲۳- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی وہ قیامت کے دن سات زمینوں تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی۔

۴۰۲۴- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا طَوَّقَهُ اللَّهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلماً نہیں لے گا مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں تک اس کو طوق بنا کر (اس کے گلے میں) ڈال دے گا۔

۴۰۲۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ يَعْنِي عَبْدَ الْوَارِثِ قَالَ نَا حَرْبٌ وَهُوَ ابْنُ شَدَّادٍ قَالَ نَا يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمِهِ خُصُومَةٌ فِي أَرْضٍ وَأَنَّهُ دَخَلَ عَلَى

ابو سلمہ کہتے ہیں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان زمین میں جھگڑا تھا وہ حضرت عائشہ کے پاس گئے اور ان سے یہ ماجرا بیان کیا، حضرت عائشہ نے فرمایا: اے ابو سلمہ! زمین سے اجتناب کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی اس کو سات زمینوں سے طوق پہنایا جائے گا۔

عَائِشَةَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا سَلَمَةَ اجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ ۔

۴۰۲۶ ۔ وَحَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ نَا اَبَانُ قَالَ نَا يَحْيٰى اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَهٗ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ ۔

ابوسلمہ کہتے کہ وہ حضرت عائشہ کے پاس گئے اس کے بعد مثل سابق ہے۔

گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالنے کی وضاحت

اس باب کی احادیث میں ہے جو شخص کسی کی زمین ظلماً غصب کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا، اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) زمین غصب کرنے والے کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ جتنی زمین غصب کی ہے سات زمینوں تک اس کی مٹی کو اٹھا کر لائے، یہ مٹی طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی نہ کہ حقیقتہً زمین کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کی زمین ناحق لی اس کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس کی مٹی اٹھا کر محشر تک لائے۔ [۱]

(۲) اس شخص کو غصب شدہ زمین کی مٹی اٹھا کر لانے کا مکلف کیا جائے گا پھر وہ مٹی طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی اور اس کی گردن بڑی اور وسیع کر دی جائے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جہنمی کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اس کی تائید اس حدیث سے ہے حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی شخص کی ایک بالشت زمین بھی لی اس کو سات زمینوں تک اس کی مٹی لانے کا مکلف کیا جائے گا پھر قیامت کے دن وہ طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی تاوقتیکہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے۔ [۲]

(۳) اس شخص کو سات زمینوں تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور وہ زمینیں اس کے لیے بمنزلہ طوق ہو جائیں گی۔

(۴) اس کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ اس زمین کو طوق بنا کر گلے میں ڈالے اور وہ ایسا نہیں کر سکے گا اس لیے اس کو عذاب ہوتا رہے گا۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ طوق کی طرح اس کو یہ عذاب لازم رہے گا۔

---

[۱] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[۲] ،، ،، ،، ،، ،، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۷۳ ،، ،، ،، ،،

یہ توجیہات حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کی ہیں۔[1]

سات زمینوں کا ثبوت

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ زمینیں سات ہیں اور ان کے سات طبقات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن "سات آسمان ہیں اور ان کی مثل سات زمینیں ہیں" اور مثل کی تاویل ہیئت اور شکل سے کرنا خلاف ظاہر ہے، بعض علماء نے کہا: سات زمینوں سے مراد سات اقالیم ہیں نہ کہ سات طبقات' یہ قول بھی باطل ہے اور اس کا بطلان اس باب کی احادیث سے واضح ہے۔ ان احادیث سے ظلم اور غصب کا حرام ہونا بھی واضح ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ زمین کا غصب کرنا ممکن ہے، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ زمین کا غصب کرنا متصور نہیں ہے۔[2]

زمین کو غصب کرنے میں فقہاء احناف کے قول کی وضاحت

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے بغیر تحقیق کے احناف کا مذہب اٹکل پچو سے لکھ دیا ہے اس مسئلہ میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غصب صرف منقولات میں متحقق ہوتا ہے، کیونکہ غصب ایک چیز کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے ہوتا ہے اور زمین میں منتقل کرنا متصور نہیں ہے، پس اگر کسی شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضہ میں ضائع ہوگئی تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ ضامن ہوگا، اور یہی امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے اور امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ ان کے نزدیک زمین میں بھی غصب متحقق ہو جاتا ہے اور اختلاف غصب کرنے میں ہے تلف کرنے میں نہیں ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی زمین میں غصب متحقق ہوتا ہے لیکن اس پر ضمان لازم نہیں آتی، اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ زمین میں اصلاً غصب متحقق نہیں ہوتا، اور اس حدیث سے زمین میں غصب کے تحقق پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے غصب کی سزا آخرت میں طوق ڈالنا بیان کی ہے اور اگر اس پر ضمان واجب ہوتا تو آپ اس کو بیان فرما دیتے، کیونکہ ضمان احکام دنیا میں سے ہے اور اس کے بیان کی زیادہ ضرورت ہے اور آپ نے اس فعل کی مکمل سزا یہی یعنی آخرت کا طوق بیان کی ہے اگر اس پر ضمان کو زائد کیا جائے گا تو یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی اور قیاس سے نسخ جائز نہیں ہے، اور بعض روایات میں ظلماً زمین کو لینے پر غصب کا جو اطلاق کیا ہے اس سے اس غصب پر استدلال کرنا درست نہیں ہے جو ضمان کا موجب ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: من باع حرًّا "جس نے آزاد کی بیع کی" اس حدیث سے بیع شرعی کو ثابت کرنا غلط ہے جو ملکیت کی موجب ہے، نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث میں غصب کی جگہ من اخذ شبرا من الارض ظلما "جس نے ایک بالشت زمین ظلماً لی" بھی ہے سو معلوم ہوا کہ غصب سے ظلماً لینا مراد ہے وہ غصب مراد نہیں ہے جو ضمان کا موجب ہوتا ہے۔[3]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۰۵، ۱۰۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔
[3] علامہ ابو الحسن مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۲۹۹ - ۲۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ نووی نے یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ زمین کا غصب کرنا متصور نہیں ہے اور ان احادیث سے زمین کے غصب کا امکان ثابت ہوتا ہے لیکن علامہ نووی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ زمین کے غصب کا مطلقاً انکار نہیں کرتے بلکہ اس غصب کا انکار کرتے ہیں جس پر حکم شرعی یعنی ضمان لازم آتا ہے اور وہ غصب ان احادیث سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے۔

مالک زمین کا زمین کے اوپر اور نیچے تصرف کا حکم

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی زمین کا مالک ہو وہ زمین کے نیچے سے لے کر اس کے منتہا تک اس کا مالک ہوتا ہے اور مالک زمین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زمین کے نیچے کسی کو سرنگ یا کنواں نہ کھودنے دے خواہ اس سے اس کی زمین کو ضرر ہو یا نہ ہو، علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ زمین کے نیچے کا حصہ اس کے اوپر کے حصہ کے تابع ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی زمین میں معدن یا اس کے مشابہ چیز نکل آئے تو اس میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے کہا ہے وہ اس کی ملکیت ہے اور بعض نے کہا بلکہ مسلمانوں کی ملکیت ہے، اسی طرح زمین کا مالک اپنی زمین میں جہاں تک چاہے کھود سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو ضرر نہ ہو، اسی طرح زمین کے اوپر جہاں تک چاہے تعمیر کر سکتا ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ ہو۔ [1]

زمین کے تیل یا گیس کا حکم

ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی شخص کی زمین میں کوئی معدن نکل آئے تو امام ابوحنیفہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا ہوگا اور ایک روایت میں ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے، پانچواں حصہ کی بنیاد یہ حدیث ہے فی الرکاز الخمس "دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔" [2]

اگر کسی شخص کی زمین میں تیل یا گیس نکل آئے تو آج کل حکومت اس کو ایک معین رقم دے کر اس پر قبضہ کر لیتی ہے یہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے چاہیے یہ کہ حکومت اپنے اخراجات منہا کرنے کے بعد مالک زمین کو ۲۰% رائلٹی اس وقت تک دیتی رہے جب تک اس میں تیل یا گیس کا ذخیرہ باقی رہے۔

سات زمینوں کے بارے میں اثر ابن عباس

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج ابن جرير وابن ابي حاتم والحاكم وصححه والبيهقي في الشعب وفي الاسماء والصفات عن ابي الضحى عن ابن عباس في قوله ومن الارض مثلهن قال سبع ارضين في كل ارض نبي كنبيكم وآدم كآدم ونوح كنوح وابراهيم كابراهيم

محدث ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اپنی اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے اور حاکم نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے شعب اور کتاب الاسماء والصفات میں ومن الارض مثلهن کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "سات زمینیں ہیں ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل

---

[1] علامہ ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۹۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۱۸۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

وعیسی کعیسی قال البیھقی اسنادہ صحیح ولکنہ شاذ ولا اعلم لابی الضحی علیہ متابعا۔[۱]

نبی ہے اور آدم کی مثل آدم ہے اور نوح کی مثل نوح ہے اور ابراہیم کی مثل ابراہیم ہے اور عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ لیکن یہ شاذ ہے اور ابوالضحیٰ کا اس پر کوئی متابع نہیں ہے۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔[۲] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

علامہ ذہبی نے عن عطاء بن السائب عن ابی الضحی عن ابن عباس — اس سند کے ساتھ حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے۔[۳]

حضرت ابن عباس کا یہ قول ہر چند کہ سنداً صحیح ہے لیکن یہ درایۃً صحیح نہیں ہے۔

اثر ابن عباس پر اشکال

حضرت ابن عباس کے اس اثر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہر زمین میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور خاتم النبیین ہوں اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں تو آپ خاتم النبیین نہ رہے کیوں کہ آپ کے بعد ان زمینوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اگر ان زمینوں میں آپ سے پہلے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو پھر وہ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ ان کے بعد آپ کی نبوت ہے اور جب وہ خاتم النبیین نہیں ہیں تو پھر آپ کی مثل نہ ہوئے۔ حالانکہ اس اثر میں یہ ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے۔

اشکال مذکور کا جواب مولانا قصوری سے

مولانا غلام دستگیر قصوری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ ہر ایک کی خاتمیت اضافی ہے یعنی ان زمینوں میں جو نبی ہیں ان کی خاتمیت ان زمینوں کے اعتبار سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اس زمین میں مبعوث ہونے والے انبیاء کے اعتبار سے ہے۔

مولانا قصوری کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اضافی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اور آپ کی خاتمیت قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی اور یقینی ہے جبکہ اس اثر کی صحت ظنی ہے۔ اس ظنی اثر کی وجہ سے قرآن مجید میں النبیین کے عموم اور استغراق کو کم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اشکال مذکور کا جواب شیخ نانوتوی سے

شیخ قاسم نانوتوی نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے:
سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں

---

[۱] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، درمنثور ج ۶ ص ۲۳۸ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ
[۲] امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳ مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ
[۳] حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳، 〃 〃

بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ [1]

نیز لکھتے ہیں: غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ [2]

نیز لکھتے ہیں: اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے، معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ یعنی مخالف روایت ثقات ہے۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایں معنی خاتم النبیین ہونا کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں، قطعی اور متواتر ہیں، لیکن شیخ نانوتوی نے اس عبارت میں اس معنی کو عوام کا خیال کہا ہے، نیز آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کو اپنے اختراعی معنی کے اعتبار سے جائز کہا ہے اور اس کو خاتم النبیین کے منافی نہیں قرار دیا ان وجوہات کی بناء پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے شیخ نانوتوی کی تکفیر کر دی، اس کی تفصیل حسام الحرمین اور التبشیر برد التحذیر میں ملاحظہ کریں۔

تحذیر الناس کی اشاعت کے بعد یہ اعتراض کیا گیا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار کر دیا ہے چنانچہ شیخ نانوتوی نے اپنے دفاع میں متعدد بار یہ لکھا کہ:

۱۔ خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)

۲۔ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳)

۳۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۶۹)

۴۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ۵۰)

۵۔ مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی۔ ہاں آپ گوشہ عنایت سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں (الی قولہ) اور وں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر کی اور شروع تحذیر ہی میں اقتضاء خاتمیت مرتبی کی بہ نسبت خاتمیت زمانی کو ذکر کر دیا یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے جس طرح آیت انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔ میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۷)

اب بجا طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب شیخ نانوتوی نے اتنی صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی

---

[1] شیخ قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ، تحذیر الناس ص ۳ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ۱۳۹۵ھ

[2] ” ” ” ، تحذیر الناس ص ۱۴ ” ” ” ”

[3] ” ” ” ، تحذیر الناس ص ۲۴ ” ” ” ”

کو تسلیم کیا ہے پھر فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تحذیر الناس کی جن عبارات سے خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے (مثلاً یہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ص ۳) چونکہ شیخ نانوتوی نے ان عبارات سے رجوع نہیں کیا اور ان کو بحالہا قائم رکھا اس وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کر دی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

بَابُ ۵۲۴ قَدْرِ الطَّرِيقِ إِذَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

اختلاف کی صورت میں راستے کی مقدار

۴۰۲۷ - حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ قَالَ نَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَ أَذْرُعٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب راستے میں تمہارا اختلاف ہو تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ رکھو۔

ف: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ باہمی رضامندی سے جتنا چاہیں راستہ رکھ لیں، لیکن اگر اختلاف ہو تو پھر سات ہاتھ راستہ کی چوڑائی رکھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الفرائض

باب ۵۲۵ وراثت کے احکام کا بیان

۴۰۲۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔

۴۰۲۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ وَهُوَ النَّرْسِيُّ قَالَ نَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوی الفروض کو ان کے (مقرر کردہ) حصص دے دو اس کے بعد جو باقی بچے وہ اس مرد کا حصہ ہے جو میت کا سب سے زیادہ قریب (عصبہ) ہو۔

۴۰۳۰ - حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ قَالَ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ نَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوی الفروض کو ان کے (مقرر کردہ) حصص دے دو اور ذوی الفروض جو ترکہ چھوڑیں وہ اس مرد کا حصہ ہے جو میت کا سب سے زیادہ قریب (عصبہ) ہو۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْحِقُوا الْفَرَآئِضَ، رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

۴۰۳۱ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ اِسْحَاقُ نَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاؤسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ اَهْلِ الْفَرَآئِضِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَآئِضُ فَلِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوی الفروض کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق مال تقسیم کرو اور ذوالفروض جو مال چھوڑیں وہ اس مرد کا حصہ ہے جو میت کا سب سے قریب (عصبہ) ہو۔

۴۰۳۲ - وَحَدَّثَنِيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَبُوْ كُرَيْبٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ نَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ طَاؤسٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ وُهَيْبٍ وَرَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے۔

ذوی الفروض میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصص قرآن مجید میں مقرر ہیں، یہ چار مرد ہیں (۱) باپ (۲) دادا (۳) شوہر (۴) اخیافی بھائی یعنی ماں شریک بھائی، اور آٹھ عورتیں ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) حقیقی بہن (۴) علاتی بہن یعنی باپ شریک بہن (۵) اخیافی یعنی ماں شریک بہن (۶) بیوی (۷) ماں (۸) دادی یا نانی۔ اور جو میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں وہ عصبہ ہیں جیسے میت کا بیٹا، پوتا، بھائی اور چچا وغیرہ (ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو ترکہ بچے وہ عصبہ کو مل جاتا ہے)

۴۰۳۳ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ مَرِضْتُ فَاَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ يَعُوْدَانِيْ مَاشِيَانِ فَاُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر میری عیادت کے لیے پیدل چل کر تشریف لائے اس وقت مجھ پر بے ہوشی طاری تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا پس مجھے ہوش آگیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آیت میراث

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْءِهٖ فَاَفَقْتُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَقْضِيْ فِيْ مَالِيْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا حَتّٰى نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔

نازل ہو گئی یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ۔ آپ سے حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللّٰہ تم کو کلالہ (کی میراث) میں حکم دیتا ہے۔

۴۰۳۴ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ نَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِيْ بَنِيْ سَلِمَةَ يَمْشِيَانِ فَوَجَدَانِيْ لَا اَعْقِلُ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ رَشَّ عَلَيَّ مِنْهُ فَاَفَقْتُ فَقُلْتُ كَيْفَ اَصْنَعُ فِيْ مَالِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَنَزَلَتْ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔

حضرت جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر پیدل چل کر بنو سلمہ میں میری عیادت کے لیے تشریف لائے، انھوں نے مجھے بے ہوش پایا، پس آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا! پھر مجھ پر اس پانی سے چھینٹے ڈالے جس سے مجھے ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللّٰہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ:) اللّٰہ تمہاری اولاد میں تمہیں (یہ) حکم دیتا ہے مرد کے لیے عورت کا دوگنا حصہ ہے۔

۴۰۳۵ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ قَالَ نَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ عَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرِيْضٌ وَمَعَهُ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَاشِيَيْنِ فَوَجَدَنِيْ قَدْ اُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْءِهٖ فَاَفَقْتُ

حضرت جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما بیان کرتے ہیں میں بیمار تھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر پیدل چل کر میری عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ نے مجھے بیہوشی کے حال میں پایا، پھر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور مجھ پر وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، جب مجھے ہوش آیا تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللّٰہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آیت میراث نازل ہو گئی۔

فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي قَالَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا حَتّٰى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ.

۴۰۳۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا بَهْزٌ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُولُ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ فَتَوَضَّأَ فَصَبُّوا عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَقُلْتُ لِمُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ قَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ میں بیمار اور بے ہوش تھا، آپ نے وضو کیا اور لوگوں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا، پس مجھے ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا وارث کلالہ ہوگا، پس آیت میراث نازل ہو گئی، شعبہ کہتے ہیں میں نے محمد بن منکدر سے کہا یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ۔ انھوں نے کہا ہاں یہی آیت نازل ہوئی تھی۔

۴۰۳۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ وَأَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ فِي حَدِيثِ وَهْبِ ابْنِ جَرِيرٍ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ وَفِي حَدِيثِ النَّضْرِ وَالْعَقَدِيِّ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرْضِ وَلَيْسَ فِي رِوَايَةِ أَحَدٍ مِنْهُمْ قَوْلُ شُعْبَةَ لِابْنِ الْمُنْكَدِرِ.

وہب بن جریر کی سند سے مروی ہے آیت فرائض نازل ہوئی، نضر اور عقدی کی روایت ہے آیت فرض نازل ہوئی اور ان میں سے کسی کی روایت میں محمد بن منکدر سے شعبہ کا استفسار نہیں ہے۔

۴۰۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَاللَّفْظُ

معدان بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

لِابْنِ مُثَنّٰى قَالَا نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا هِشَامٌ قَالَ نَا قَتَادَةُ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ اَبِي طَلْحَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَطَبَ يَوْمَ جُمُعَةٍ فَذَكَرَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ثُمَّ قَالَ اِنِّي لَا اَدَعُ بَعْدِي شَيْئًا اَهَمَّ عِنْدِي مِنَ الْكَلَالَةِ مَا رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ مَا رَاجَعْتُهُ فِي الْكَلَالَةِ وَمَا اَغْلَظَ لِي فِي شَيْءٍ مَا اَغْلَظَ لِي فِيْهِ حَتّٰى طَعَنَ بِاِصْبَعِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ يَا عُمَرُ اَلَا تَكْفِيْكَ اٰيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي اٰخِرِ سُوْرَةِ النِّسَآءِ وَاِنِّي اِنْ اَعِشْ اَقْضِ فِيْهَا بِقَضِيَّةٍ يَقْضِي بِهَا مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ۔

ابوبکر کا ذکر کیا پھر کہا میں اپنے بعد کسی ایسی چیز کو نہیں چھوڑ کر جا رہا جو میرے نزدیک کلالہ سے زیادہ اہم ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق اتنا رجوع نہیں کیا جتنا کلالہ کے مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے جواب میں مجھ پر اتنی سختی نہیں کی جتنی کلالہ کے بارے میں کی حتی کہ آپ نے اپنی انگشت مبارک میرے سینے میں چبھو کر فرمایا: اے عمر! کیا تمہارے لیے سورۂ نساء کے آخر میں آیت صیف کافی نہیں ہے؟ پھر حضرت عمر نے فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو میں کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کر جاؤں گا جس کے مطابق ہر شخص فیصلہ کر سکے گا خواہ وہ قرآن مجید پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو۔

۴۰۳۹- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي عَرُوْبَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ رَافِعٍ عَنْ شَبَابَةَ بْنِ سَوَّارٍ عَنْ شُعْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

دو اور سندوں سے بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے۔

۴۰۴۰- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قرآن مجید

نا وکیع عن ابن ابی خالد عن ابی اسحاق عن البراء رضی اللہ تعالی عنہ قال اخر ایۃ انزلت من القرآن یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ۔

کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ۔

۴۰۴۱۔ حدثنا محمد بن مثنی و ابن بشار قالا نا محمد بن جعفر قال نا شعبۃ عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ یقول اخر ایۃ انزلت ایۃ الکلالۃ و اخر سورۃ انزلت براءۃ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آخری آیت، آیت کلالہ ہے، اور آخری سورت، سورۂ براءۃ ہے۔

۴۰۴۲۔ حدثنا اسحق بن ابراہیم الحنظلی قال انا عیسی و ھو ابن یونس قال نا زکریا عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ ان اخر سورۃ انزلت تامۃ سورۃ التوبۃ و ان اخر ایۃ انزلت ایۃ الکلالۃ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو پوری سورت آخر میں نازل ہوئی وہ سورۂ توبہ ہے اور آخری نازل ہونے والی آیت، آیت کلالہ ہے۔

(کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جو فوت ہو جائے اور اس کے والدین ہوں نہ اولاد)

۴۰۴۳۔ حدثنا ابو کریب قال نا یحیی یعنی ابن آدم قال نا عمار و ھو ابن رزیق عن ابی اسحاق عن البراء رضی اللہ تعالی عنہ بمثلہ غیر انہ قال اخر سورۃ انزلت کاملۃ۔

حضرت براء بن عازب سے اس کی مثل ایک اور روایت ہے اور اس میں تامۃ کی بجائے کاملۃ کا لفظ ہے۔

۴۰۴۴۔ حدثنا عمرو الناقد قال نا ابو احمد الزبیری قال نا مالک بن مغول عن ابی السفر عن البراء رضی اللہ تعالی عنہ قال اخر ایۃ انزلت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا آخری نازل ہونے والی آیت یستفتونک ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ.

۴۰۴۵ - وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا اَبُوْ صَفْوَانَ الْاُمَوِيُّ عَنْ يُوْنُسَ الْاَيْلِيِّ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ الْمَيِّتِ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَيَسْئَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهٖ مِنْ قَضَاءٍ فَاِنْ حُدِّثَ اَنَّهٗ تَرَكَ وَفَاءً صَلّٰى عَلَيْهِ وَاِلَّا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے کیا اس نے اتنا مال چھوڑا ہے جس سے قرض ادا ہو سکے، اگر بتایا جاتا کہ اس نے اتنا مال چھوڑا ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ورنہ فرما دیتے تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے ذریعہ آپ پر کشادگی فرمائی تو آپ نے فرمایا مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف کرنے کا مجھے حق ہے پس جو شخص قرض چھوڑ کر فوت ہوا، اس کا قرض میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

۴۰۴۶ - وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ ثَنَا ابْنُ اَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ.

تین دیگر اسانید سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

۴۰۴۷ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا شَبَابَةُ قَالَ حَدَّثَنِيْ وَرْقَاءُ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے روئے زمین پر جو مسلمان بھی ہے دوسرے

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنْ عَلَى الْاَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِهٖ فَاَيُّكُمْ مَا تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَاَنَا مَوْلَاهُ وَاَيُّكُمْ تَرَكَ مَالًا فَاِلَى الْعَصَبَةِ مَنْ كَانَ۔

لوگوں کی بہ نسبت اس کا زیادہ ولی میں ہوں تم میں سے جو شخص قرض یا بال بچے چھوڑ کر فوت ہوا اس کا میں کفیل ہوں اور جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے خواہ وہ جو بھی ہوں۔

۴۰۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاَيُّكُمْ مَا تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَادْعُوْنِيْ فَاَنَا وَلِيُّهٗ وَاَيُّكُمْ مَا تَرَكَ مَالًا فَلْيُؤْثَرْ بِمَالِهٖ عَصَبَتُهٗ مَنْ كَانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ کے مطابق دوسرے لوگوں کی بہ نسبت مسلمانوں کا زیادہ ولی میں ہوں، لیں تم میں سے جو شخص قرض یا بال بچے چھوڑ کر فوت ہوا تو مجھے بلاؤ ان کا کفیل میں ہوں۔ اور جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کے جو بھی رشتہ دار ہیں وہ اس کا مال لے لیں۔

۴۰۴۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَيْنَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس نے بال بچے چھوڑے وہ ہمارے ذمہ ہیں۔

۴۰۵۰۔ حَدَّثَنِيْهِ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ قَالَ نَا غُنْدَرٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا

شعبہ نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے اور اس میں ہے اس نے جو بال بچے چھوڑے ان کا ولی میں ہوں۔

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ قَالَا نَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّ فِيْ حَدِيْثِ غُنْدَرٍ فَمَنْ تَرَكَ كَلًّا وَلِيْتُهُ۔

فرائض کا لغوی معنی

علامہ نووی لکھتے ہیں: فرائض فریضہ کی جمع ہے اور یہ فرض سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے تقدیر، چونکہ وراثت میں حصص مقدر اور مقرر ہوتے ہیں اس لیے ان کو فرض کہتے ہیں، اور میراث، ارث سے ماخوذ ہے، ارث کا لغوی معنی عاقبت ہے اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے املاک کا ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا۔

مسلمان اور کافر کی ایک دوسرے کی وراثت میں مذاہب

حدیث نمبر ۴۰۲۸ میں ہے "مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا۔"

علامہ نووی لکھتے ہیں مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین اور بعد کے علماء کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا، البتہ حضرت معاذ بن جبل، سعید بن مسیب، مسروق اور بعض فقہاء کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہو جاتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" "اسلام غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا، اور جمہور کی دلیل یہ صحیح اور صریح حدیث ہے اور "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" میں ان کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں مسئلہ میراث سے تعرض نہیں کیا گیا پس اس کی وجہ سے اس صحیح اور صریح حدیث کو کس طرح ترک کیا جا سکتا ہے؟ اور ممکن ہے ان فقہاء کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔

مرتد کے متعلق اجماع ہے کہ وہ مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، امام شافعی، امام مالک، ربیعہ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کے نزدیک مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مال مسلمانوں کے لیے فئی ہے، امام ابوحنیفہ، اوزاعی، اسحٰق اور کوفہ کے دیگر فقہاء کا قول یہ ہے کہ مرتد کے مسلمان ورثاء اس کے وارث ہو جاتے ہیں، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور اسلاف کا یہی مسلک ہے البتہ ثوری اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ جو مال اس نے زمانہ ارتداد میں کمایا وہ مسلمانوں کا ہے اور دوسروں نے یہ کہا کہ اس کا تمام ترکہ اس کے مسلمان وارثوں کا ہے۔

کفار مثلاً یہودی اور عیسائی وغیرہ کے ایک دوسرے کے وارث ہونے کے متعلق امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں، اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے، نیز امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ حربی اور ذمی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ [۱]

اصحاب الفروض اور عصبات کے حصص اور ان کی ترتیب کے بیان کو ہم نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کو فرائض کی کتابوں سے ہی کما حقہٗ سمجھا جا سکتا ہے۔

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲-۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنا

حدیث نمبر ۴۰۳۳ میں ہے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کی عیادت کے لیے گئے وہ بے ہوش تھے، آپ نے وضو کیا اور وضو کا پانی حضرت جابر پر ڈالا وہ ہوش میں آگئے"۔ علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے آثار کا ظہور ہے اور ہمارے فقہاء نے اس حدیث سے وضوء کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے پر استدلال کیا ہے، اور اس میں امام ابو یوسف کے قول کا رد ہے جو اس کو نجس کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول نجاست کا ہے۔ لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو پانی ڈالا گیا وہ مستعمل پانی نہیں تھا کیونکہ مستعمل پانی وہ ہے جو جسم سے لگ کر گرا ہو، لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ برکت اسی پانی میں تھی جو آپ کے جسم اطہر سے لگ کر گرا تھا۔ [1]

امام ابو حنیفہ نے جو یہ کہا ہے کہ وضوء کا استعمال شدہ پانی نجس ہوتا ہے یہ ان کا ایک قول ہے اور اس پر فتویٰ نہیں ہے اور ان کا یہ قول العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کے بارے میں نہیں ہے کہ یہ حدیث ان کے خلاف ہو کیونکہ امام ابو حنیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات کو طاہر قرار دیتے ہیں، علامہ عینی[2] اور علامہ ابن عابدین شامی[3] نے اس کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا علماء شافعیہ کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ شرح صحیح مسلم جلد اول اور جلد ثانی میں ہم اس پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔

کلالہ کی تعریف

حدیث نمبر ۴۰۳۸ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلالہ کی تفسیر دریافت کرنے پر سختی کی، سختی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر یا دوسرے لوگ ان تصریحات پر اکتفاء کر کے استنباط اور اجتہاد کو ترک نہ کر دیں۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ کلالہ کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ (۱) اس میت کے وارثوں کو کلالہ کہتے ہیں جس کی اولاد ہو نہ والد۔ (۲) کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کا والد ہو نہ اولاد۔ یہ تفسیر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے۔ (۳) جن ورثہ میں اولاد اور والد نہ ہو ان کو کلالہ کہتے ہیں۔ (۴) مالِ موروث کو کلالہ کہتے ہیں۔ [4]

حدیث نمبر ۴۰۴۵ میں ہے "جس شخص نے قرض اور اولاد چھوڑی اس کا کفیل میں ہوں اور جس شخص نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے"۔ علامہ نووی کہتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال سے یہ قرض ادا کرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص اپنے مال سے یہ قرض ادا کرتے تھے، جو شخص قرض چھوڑ کر فوت ہو اس کے بارے میں فقہاء شافعیہ کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کے قرض کو ادا کرنا بیت المال پر واجب ہے،

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ،

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اور ایک قول یہ ہے کہ بیت المال پر واجب نہیں ہے۔ [1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الھبات

باب ۵۲۶ کراهة شراء الانسان ما تصدق به ممن تصدق عليه

صدقہ کی ہوئی چیز کو خریدنے کی کراہت

۴۰۵۱ - حدثنا عبد الله بن مسلمة بن قعنب قال نا مالك بن انس عن زيد بن اسلم عن ابيه ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال حملت على فرس عتيق في سبيل الله فاضاعه صاحبه فظننت انه بائعه برخص فسئلت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال لا تبتعه ولا تعد في صدقتك فان العائد في صدقته كالكلب يعود في قيئه

اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ایک عمدہ گھوڑا اللہ کے راستے میں دے دیا، اور جس کو دیا تھا اس نے اس کو ضائع کر دیا، میں نے سوچا کہ یہ کم قیمت میں گھوڑا فروخت کر دے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں پوچھا، آپ نے فرمایا اس کو مت خریدو، اور اپنے صدقے میں رجوع نہ کرو، کیونکہ صدقہ میں رجوع کرنا اس طرح ہے جیسے کتا قے کر کے کھا لیتا ہے۔

۴۰۵۲ - وحدثنيه زهير بن حرب قال نا عبد الرحمن يعني ابن مهدي عن مالك بن انس بهذا الاسناد و

مالک بن انس نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: اگر وہ تم کو ایک درہم میں دے پھر بھی اس کو مت خریدو۔

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

زَادَ لَا تَبْتَعْهُ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ۔

۴۰۵۳ - حَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ قَالَ نَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ قَالَ نَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهُ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَقَدْ أَضَاعَهُ وَكَانَ قَلِيلَ الْمَالِ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهُ فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهِ وَإِنْ أُعْطِيتَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ مَثَلَ الْعَائِدِ فِي صَدَقَتِهِ كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ۔

اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستے میں ایک گھوڑا دیا پھر انھوں نے دیکھا اس کے مالک نے اس کو ضائع کر دیا تھا، وہ شخص تنگ دست تھا حضرت عمر نے ارادہ کیا اس سے گھوڑا خرید لیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا اس کو مت خریدو خواہ وہ تمہیں ایک درہم کا دیا جائے، کیونکہ صدقہ میں رجوع کرنے والا شخص اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے کھا لے۔

۴۰۵۴ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ مَالِكٍ وَرَوْحٍ أَتَمُّ وَأَكْثَرُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے۔

۴۰۵۵ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ فَسَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستہ میں ایک گھوڑا دے دیا، پھر انھوں نے وہ گھوڑا فروخت ہوتے ہوئے دیکھا، انھوں نے اس کو خریدنا چاہا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا اس کو مت خریدو اور اپنے صدقہ میں رجوع مت کرو۔

۴۰۵۶ - وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ وَابْنُ رُمْحٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عمر سے یہ حدیث مروی ہے۔

قَالَ وَحَدَّثَنَا الْمُقَدَّمِيُّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَا نَا يَحْيَى وَ هُوَ الْقَطَّانُ ح قَالَ وَثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ ثَنَا أَبِي ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا أَبُو أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ۔

۳۰۵۷ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ رَآهَا تُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ يَا عُمَرُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اللہ کے راستہ میں ایک گھوڑا دیا پھر دیکھا کہ وہ گھوڑا فروخت ہو رہا ہے۔ انھوں نے اس کو خریدنا چاہا اور اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اپنے صدقہ میں رجوع مت کرو۔

ف: علامہ نووی لکھتے ہیں صدقہ کی ہوئی چیز کو خریدنا مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں ہے، اسی طرح اپنے اختیار سے اس چیز کو ملک میں لینا مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر وہ چیز اس کو وراثت میں مل جائے یا کسی تیسرے شخص سے اس چیز کو خریدے پھر کوئی کراہت نہیں ہے، یہ ہمارا مذہب ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

بَابُ ۵۲ تَحْرِيمِ الرُّجُوعِ فِي الصَّدَقَةِ

صدقہ میں رجوع کی حرمت

۳۰۵۸ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا أَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدقہ کر کے رجوع کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کتا قے کرے پھر اپنی قے میں رجوع کر کے اس کو کھا لے۔

تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الَّذِیْ یَرْجِعُ فِیْ صَدَقَتِهٖ کَمَثَلِ الْکَلْبِ یَقِیْءُ ثُمَّ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِهٖ فَیَاْکُلُهٗ۔

۴۰۵۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ اَنَا ابْنُ الْمُبَارَکِ عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ یَذْکُرُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے

۴۰۶۰۔ وَحَدَّثَنِیْ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا حَرْبٌ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی وَهُوَ ابْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ فَاطِمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهٗ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِیْثِهِمْ۔

ایک دیگر سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۴۰۶۱۔ وَحَدَّثَنِیْ هَارُوْنُ بْنُ سَعِیْدٍ الْاَیْلِیُّ وَاَحْمَدُ بْنُ عِیْسٰی قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُکَیْرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ ابْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا مَثَلُ الَّذِیْ یَتَصَدَّقُ بِصَدَقَتِهٖ ثُمَّ یَعُوْدُ فِیْ صَدَقَتِهٖ کَمَثَلِ الْکَلْبِ یَقِیْءُ ثُمَّ یَاْکُلُ قَیْئَهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدقہ کرے پھر اپنے صدقے میں رجوع کرے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اپنی قے کو کھائے۔

۴۰۶۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہبہ میں رجوع کرنے

جَعْفَرٌ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ ... تعالى عنهما عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ.

والا اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قے میں رجوع کرے۔

۴۰۶۳- وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۴۰۶۴- وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا الْمَخْزُومِيُّ قَالَ نَا وُهَيْبٌ قَالَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ طَاؤُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرے پھر اپنی قے میں رجوع کرے۔

ہبہ کی تعریف اور اس کے احکام

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: ہبہ کا لغوی معنی ہے غیر پر تفضل کرنا اور اصطلاح شرع میں کسی چیز کو بلا عوض دینا ہبہ ہے۔ ہبہ کی صحت کی شرائط یہ ہیں کہ جو چیز ہبہ کی جائے وہ مقبوض ہو، غیر منقسم اور غیر مشغول ہو، ہبہ کے دو رکن ہیں ایجاب اور قبول۔ [۱]

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی لکھتے ہیں: ہبہ میں قبول بالقول بھی ہوتا ہے اور بالفعل بھی ہوتا ہے۔ [۲]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: تاتارخانیہ میں ہے ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور قبضہ کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی، حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی تخلیہ سے ہوتا ہے۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ طریق تخلیہ سے قبضہ کرنا بالخصوص امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تخلیہ قبضہ نہیں ہے۔ [۳]

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں کہ قبضہ پر قدرت بھی قبضہ کی مثل ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے مقفل صندوق میں کپڑے ہبہ کیے

---

[۱] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۰۷۔ ۹۹۹ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[۲] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۵ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

[۳] علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق علی البحر ج ۷ ص ۲۸۵، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

اور صندوق اس کو دے دیا تو یہ قبضہ نہیں ہے کیونکہ وہ قبضہ پر قادر نہیں ہے اور اگر صندوق کھلا ہوا ہو تو یہ قبضہ ہے کیونکہ وہ قبضہ کرنے پر قادر ہے۔ (قبض حکمی اور تخلیہ سے اس قسم کی صورت مراد ہے۔ سعیدی)۔ [1]

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جسے ہبہ کیا گیا ہے اگر وہ ہبہ کے عوض کوئی چیز دے دے یا ہبہ میں کوئی متصل زیادتی کر دے (مثلاً زمین ہبہ کی جائے اور اس میں مکان بنا دے یا درخت لگا دے) یا فریقین میں سے کوئی فوت ہو جائے یا وہ چیز موہوب کی ملک سے نکل جائے تو ان صورتوں میں ہبہ لازم ہو جاتا ہے اور اب اس سے واہب کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔ [2]

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ زوجیت بھی رجوع کرنے سے مانع ہے، شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو جو چیز ہبہ کرے اس میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے، البتہ نکاح سے پہلے بری اور جہیز کی چیزوں میں رجوع کرنا جائز ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۵۱۸ طبع بیروت)

ہبہ سے رجوع کرنے میں فقہاء کے نظریات

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: قبضہ کے بعد ہبہ سے رجوع کرنا حرام ہے البتہ اولاد یا اولاد در اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث سے ثابت ہے۔ بھائیوں، چچاؤں اور دیگر ذوی الارحام کو ہبہ کر کے رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام مالک اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ والد اور محرم کے سوا ہر واہب رجوع کر سکتا ہے۔ [3]

ہبہ سے رجوع کرنے میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اجنبی [5] کو کوئی چیز دے کر ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے جب تک وہ چیز قائم (سلامت) ہو اور اس نے اس کے عوض کوئی چیز نہ لی ہو، سعید بن مسیب، عمر بن عبد العزیز، قاضی شریح، اسود بن یزید، حسن بصری، نخعی اور شعبی کا بھی یہی قول ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، اور حضرت فضالہ بن عبید سے بھی یہی مروی ہے۔ اور جس حدیث میں ہے ”ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں رجوع کرے“ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس تشبیہ سے ظاہری قباحت مراد ہے، کیونکہ یہ حسن اخلاق اور مروت کے خلاف ہے اس سے شرعی قباحت مراد نہیں ہے، کیونکہ کتا حلال اور حرام کا مکلف نہیں ہے۔ پس ہبہ میں رجوع کرنے کا عمل اس طرح گھناؤنا ہے، جس طرح کتے کا قے میں رجوع کرنا گھناؤنا ہے۔ اس وجہ سے یہ فعل مکروہ (تنزیہی) ہے۔ [4]

ہبہ میں رجوع کرنے کے جواز پر احادیث

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

---

[1] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی هامش رد المحتار، ج ۴ ص ۵۰۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۸۹ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

[4] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۳۹ - ۱۳۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[5] اجنبی کی قید احترازی ہے کیونکہ ذو رحم محرم اور شوہر یا بیوی کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے اور اس پر وہ قبضہ کر لے تو پھر اس ہبہ سے رجوع کرنا فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل احق بھبتہ مالم یثب منھا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب تک ہبہ کا عوض نہ لے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

امام حاکم روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم قال من وھب ھبتہ فھو احق بھا مالم یثب منھا ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کوئی چیز ہبہ کی وہ اس کا اس وقت تک زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا عوض نہ لے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

امام ابن ماجہ اور امام حاکم کی بیان کردہ روایات کو امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

نیز امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عن علی رضی اللہ عنہ قال الرجل احق بھبتہ مالم یثب منھا۔[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آدمی جب تک عوض نہ لے وہ اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے۔

عن سمرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کانت الھبۃ لذی محرم لم یرجع فیھا۔[6]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو اس سے رجوع نہ کرے۔

یہ حدیث احناف کے اس موقف پر دلیل ہے کہ اولاد اور دیگر محارم کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من وھب ھبۃ فارتجع بھا فھو احق بھا مالم یثب منھا ولکنہ کالکلب یعود فی قیئہ۔[7]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہبہ کر کے رجوع کیا تو وہ جب تک عوض نہ لے اس کا زیادہ حقدار ہے لیکن وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں رجوع کرے۔

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔
[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۲ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ
[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، لسان المیزان ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت
[4] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[5] 〃 〃 〃 سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۴ 〃 〃
[6] 〃 〃 〃 سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۴ 〃 〃
[7] 〃 〃 〃 سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۴ 〃 〃

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم عن عمر قال: ھو احق بھا مالم یثب منھا او یستھلکھا او یموت احدھما۔[1]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہبہ کرنے والا، ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک وہ اس چیز کا عوض نہ دے یا وہ چیز ہلاک (ضائع) نہ ہو یا فریقین میں سے کسی کی موت نہ ہو۔

عن ابن جریر قال: کتب عمر بن عبدالعزیز اذا استھلکت الھبۃ او یثب منھا او وھبت لذی محرم فلیس لہ ان یرجع۔[2]

ابن جریر کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ جب ہبہ ضائع ہو جائے یا محرم کو ہبہ کیا جائے تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

ان عمر بن عبد العزیز کتب فی رجل وھب ھبۃ لرجل، فاسترجعھا صاحبھا فکتب ان یرد الیہ علانیۃ کما وھبھا علانیۃ۔[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا جو شخص کسی کو ہبہ کر کے اس سے واپس لے لے اس کو چاہیے کہ وہ اس سے علی الاعلان واپس لے جس طرح علی الاعلان ہبہ کیا تھا۔

عن طاؤس وعن الشعبی قالا فی الھبۃ: اذا استھلکت فلا رجوع فیھا۔[4]

طاؤس اور شعبی ہبہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب

جمہور کا استدلال امام ابو داؤد کی اس روایت سے ہے:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لرجل ان یعطی ھبۃ فیرجع فیھا الا الوالد فیما یعطی ولدہ ومثل الذی یعطی العطیۃ ثم یرجع فیھا کمثل الکلب یاکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ۔[5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہبہ کر کے اس میں رجوع کرے اور نہ والد اولاد سے رجوع کرے اور جو شخص کوئی عطیہ دے پھر اس میں رجوع کرے وہ اس کتے کی طرح ہے جو کھائے اور جب سیر ہو جائے تو قے کرے پھر اپنی قے میں رجوع کرے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: امام طحاوی نے کہا ہے کہ لا یحل تحریم کو مستلزم نہیں اور یہ اس طرح ہے جیسے حدیث میں ہے لا تحل الصدقۃ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غنی کے لیے صدقہ اس

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷ ص ۴۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] " " " " المصنف ج ۷ ص ۴۹-۴۸، " " " "

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۱۱۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[4] " " " المصنف ج ۹ ص ۱۱۲، " " " "

[5] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۳، مطبوعہ مکتبہ مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

طرح حلال نہیں ہے جس طرح غیر غنی کے لیے بغیر حاجت کے صدقہ حلال ہوتا ہے اور حدیث میں اس سے کراہت کی تغلیظ مراد ہے اور کتے سے تشبیہ دینا بھی کراہت کو مستلزم ہے کیونکہ کتا حلال اور حرام کا مکلف نہیں ہے۔ [1]

بَابُ ۵۲۸ كَرَاهِيَةِ تَفْضِيلِ بَعْضِ الْاَوْلَادِ فِي الْهِبَةِ

بعض اولاد کو بعض سے زیادہ دینے کی کراہت

۴۰۶۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ يُحَدِّثَانِهٖ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اَبَاهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَتٰى بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهٗ مِثْلَ هٰذَا فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْجِعْهُ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: "میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام ہبہ کیا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تم نے اپنے ہر لڑکے کو ایسا غلام ہبہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: پھر اس سے بھی واپس لے لو۔

۴۰۶۶۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَتٰى بِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر گئے اور عرض کیا، میں نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے، آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو غلام ہبہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: پھر اس کو بھی واپس لے لو۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۶۵ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
سے (حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان الآؤلا کے معنی میں ہے جیسا کہ علامہ سرخسی نے بیان کیا ہے اس کی تفصیل باب: ۵۱۸ کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی۔

بَنِيكَ نَحَلْتَ قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ .

۴۰۶۷ - حَدَّثَنَاهُ أَبُو شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَ ابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَمَّا يُونُسُ وَ مَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِمَا أَكُلَّ بَنِيكَ وَ فِي حَدِيثِ اللَّيْثِ وَابْنِ عُيَيْنَةَ أَكُلَّ وَلَدِكَ وَ فِي رِوَايَةِ اللَّيْثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ وَ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ بَشِيرًا جَاءَ بِالنُّعْمَانِ .

چار مختلف سندوں سے یہ روایت منقول ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نعمان (رضی اللہ عنہ) کو لے کر گئے۔

۴۰۶۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَا النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ قَالَ وَ قَدْ أَعْطَاهُ أَبُوهُ غُلَامًا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا الْغُلَامُ قَالَ أَعْطَانِيهِ أَبِي قَالَ فَكُلَّ إِخْوَتِهِ أَعْطَيْتَهُ كَمَا أَعْطَيْتَ هَذَا قَالَ لَا قَالَ فَرُدَّهُ .

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے انھیں ایک غلام ہبہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ غلام کیسا ہے؟ انھوں نے کہا میرے والد نے مجھے عطا کیا ہے، آپ نے (ان کے والد سے) فرمایا: کیا تم نے اس کے تمام بھائیوں کو ایسا غلام عطا کیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر اس کو واپس لے لو۔

۴۰۶۹ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے اپنا کچھ مال دیا، میری ماں حضرت عمرة بنت رواحہ نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ

بَشِيرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ تَصَدَّقَ عَلَيَّ أَبِي بِبَعْضِ مَالِهِ فَقَالَتْ أُمِّي عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ عَلَى صَدَقَتِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَلْتَ هَذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ قَالَ لَا قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ فَرَجَعَ أَبِي فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کر لو میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تاکہ وہ آپ کو مجھے دیے ہوئے صدقہ پر گواہ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو! اور اپنی اولاد میں انصاف کرو، میرے باپ واپس لوٹ گئے اور وہ صدقہ واپس لے لیا۔

۴۰۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ أَنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْ أَبَاهُ بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ مِنْ مَالِهِ لِابْنِهَا فَالْتَوَى بِهَا سَنَةً ثُمَّ بَدَا لَهُ فَقَالَتْ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا وَهَبْتَ لِابْنِي فَأَخَذَ أَبِي بِيَدِي وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّ هَذَا بِنْتَ رَوَاحَةَ أَعْجَبَهَا أَنْ أُشْهِدَكَ عَلَى الَّذِي وَهَبْتُ لِابْنِهَا فَقَالَ رَسُولُ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ حضرت بنت رواحہ نے ان کے والد سے درخواست کی کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ ان کے بیٹے (حضرت نعمان) کو ہبہ کر دیں، میرے والد نے ایک سال تک یہ معاملہ ملتوی رکھا، پھر انھیں اس کا خیال آیا، میری والدہ نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم میرے بیٹے کے ہبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کر لو، میرے والد میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اس وقت میں نو عمر لڑکا تھا، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کی ماں بنت رواحہ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو اس چیز پر گواہ کر لوں جو میں نے اپنے اس لڑکے کو ہبہ کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے بشیر! کیا اس کے علاوہ تمہاری اور بھی اولاد ہے؟ انھوں نے کہا جی! آپ نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اس کی مثل دی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر میں ظلم کے حق میں گواہی نہیں دوں گا۔

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بَشِیْرُ اَلَکَ وَلَدٌ سِوٰی هٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَکُلَّھُمْ وَهَبْتَ لَہٗ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَلَا تُشْهِدْنِیْ اِذًا فَاِنِّیْ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ۔

۴۰۷۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ نَا اِسْمَاعِیْلُ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَکَ بَنُوْنَ سِوَاہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَکُلُّھُمْ اَعْطَیْتَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَلَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: کیا اس کے علاوہ بھی تمہارے بیٹے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا کیا تم نے سب کو اس کی طرح ہبہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر میں ظلم کے حق میں گواہی نہیں دوں گا۔

۴۰۷۲۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اَنَا جَرِیْرٌ عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِیْہِ لَا تُشْهِدْنِیْ عَلٰی جَوْرٍ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: مجھے ظلم کے حق میں گواہ مت بناؤ۔

۴۰۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ وَعَبْدُ الْاَعْلٰی ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَیَعْقُوْبُ الدَّوْرَقِیُّ جَمِیْعًا عَنِ ابْنِ عُلَیَّۃَ وَاللَّفْظُ لِیَعْقُوْبَ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ انْطَلَقَ بِیْ اَبِیْ یَحْمِلُنِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اشْهَدْ اَنِّیْ قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر لے گئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ اس پر گواہ ہو جائیں کہ میں نے اپنے بیٹے نعمان کو اپنے مال سے یہ یہ چیز دی ہے، آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اتنا دیا ہے جتنا نعمان کو دیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ! آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ تمہارے ساتھ نیکی کرنے میں تمہاری سب اولاد برابر ہو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر ایسا مت کرو۔

كَذَا أَوْ كَذَا مِنْ مَالِي فَقَالَ أَكُلَّ بَنِيكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ قَالَ لَا قَالَ فَأَشْهِدْ عَلَى هٰذَا غَيْرِي ثُمَّ قَالَ أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلَى قَالَ فَلَا إِذًا۔

۴۰۷۴ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا أَزْهَرُ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ نَحَلَنِي أَبِي نَحْلًا ثُمَّ أَتَى بِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ فَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ أَعْطَيْتَهُ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ أَلَيْسَ تُرِيدُ مِنْهُمُ الْبِرَّ مِثْلَ مَا تُرِيدُ مِنْ ذَا قَالَ بَلَى قَالَ فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ قَالَ ابْنُ عَوْنٍ فَحَدَّثْتُ بِهِ مُحَمَّدًا فَقَالَ إِنَّمَا حُدِّثْتُ أَنَّهُ قَالَ قَارِبُوا بَيْنَ أَبْنَاءِكُمْ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ ہبہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ کرنے کے لیے مجھے آپ کے پاس لے گئے، آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اتنا ہبہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم ان سے بھی ایسی نیکی (کا سلوک) نہیں چاہتے جس طرح اس سے نیکی (کا سلوک) چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر میں اس پر گواہی نہیں دوں گا، (راوی) ابن عون کہتے ہیں میں نے محمد کو یہ حدیث بیان کی انھوں نے کہا مجھے یہ حدیث اس طرح پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا: اپنے تمام بیٹوں کو یکساں دو۔

۴۰۷۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَتْ اِمْرَأَةُ بَشِيرٍ أَنْحِلِ ابْنِي غُلَامَكَ وَأَشْهِدْ لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَأَلَتْنِي أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِي وَقَالَتْ أَشْهِدْ لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهُ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بشیر کی زوجہ نے کہا اپنے اس بیٹے کو اپنا غلام دے دو اور (اس پر) میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا بنت فلاں نے مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام دے دوں، اور کہا کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر لو! آپ نے پوچھا: کیا اس کے بھائی ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان سب کو اتنا دیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ٹھیک نہیں ہے، اور میں حق کے سوا اور کسی چیز پر گواہی نہیں دیتا۔

أَفَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ
قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا وَإِنِّي

حضرت نعمان بن بشیر کو غلام ہبہ کرنے کی مختلف روایتوں میں تطبیق

اس باب کی احادیث میں حضرت نعمان بن بشیر کو غلام ہبہ کرنے کا ذکر ہے۔ اور بعض روایات میں باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت نعمان نے کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عمرہ بنت رواحہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام نعمان رکھا ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے کہا ہے کہ میں اس وقت تک اس کی پرورش نہیں کروں گی جب تک کہ تم اپنے اموال میں سے ایک باغ اس کو ہبہ نہیں کرو گے اور اس نے کہا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ کر لو اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ امام ابن حبان نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ باغ ہبہ کرنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت نعمان کی ولادت ہوئی تھی اور غلام ہبہ کرنے کا واقعہ اس کے بعد کا ہے جب وہ بڑے ہو گئے تھے، حافظ ابن حجر نے اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت بشیر بن سعد اس حکم کو کس طرح بھول سکتے تھے جبکہ یہ ایک اہم حکم تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا تو وہ دوبارہ کیسے حضور کو ایسے ہی ہبہ پر گواہ بنانے کے لیے گئے تھے۔ علامہ عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ حضرت بشیر بن سعد کا بھول جانا اس قدر مستبعد نہیں ہے کیونکہ انسان پر دنیا اور آخرت کے افکار غالب رہتے ہیں اور وہ بہرحال نسیان سے مرکب ہے اور بھول جاتا ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت عمرہ بنت رواحہ کے مطالبہ پر حضرت بشیر بن سعد نے باغ ہبہ کیا ہو پھر اس سے رجوع کر لیا ہو، حضرت عمرہ دوبارہ ہبہ کرنے کا مطالبہ کرتی رہیں اور حضرت بشیر سال دو سال ٹالتے رہے بالآخر جب حضرت نعمان کچھ بڑے ہو گئے تو انھوں نے باغ کے بدلے غلام ہبہ کر دیا حضرت عمرہ کو خدشہ تھا کہ کہیں پھر یہ ہبہ سے رجوع نہ کر لیں اس لیے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ کر لو، لیکن راویوں نے اس قصہ کو گڈمڈ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ کے ارشاد "میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا" کو دونوں مواقع پر ذکر کر دیا۔ [2]

اولاد کو مساوات سے ہبہ کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے میں اولاد کے درمیان مساوات کرنی چاہیے، اور کسی کو دوسرے سے زیادہ نہیں دینا چاہیے اور ہمارے

---

[1] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳، ص ۱۴۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۳ - ۲۱۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

بعض اصحاب (شافعیہ) نے یہ کہا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ دینا چاہیے، اور صحیح اور مشہور یہ ہے کہ برابر برابر دینا چاہیے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے، اور اگر کسی نے بعض اولاد کو بعض سے زیادہ دے دیا تو امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا یہ نظریہ ہے کہ یہ مکروہ (تنزیہی) ہے حرام نہیں ہے، لیکن ہبہ صحیح ہے، اور طاؤس، عروہ، مجاہد، ثوری، امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حرام ہے اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے لا اشهد على جور "میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا" اور امام شافعی اور جمہور کا استدلال اس روایت سے ہے فاشهد على هذا غيرى "اس معاملے پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو" اگر یہ ہبہ حرام یا باطل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ فرماتے، امام احمد وغیرہ اس روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر اور تہدید کے اس طرح فرمایا تھا اور ہم یہ کہتے ہیں کہ زجر اور تہدید شارع علیہ السلام کے کلام میں اصل کے خلاف ہے، شارع علیہ السلام کے کلام میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے ورنہ استحباب کے لیے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ اباحت ہے [۱]

اولاد کو مساوات سے ہبہ کرنے کے بارے میں مذہب احناف

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے کئی روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر بعض کو بعض سے زیادہ دیا تو ہبہ باطل ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے اور ہبہ کرنے والے پر اس ہبہ سے رجوع کرنا واجب ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ اگر اولاد میں کسی کو زیادہ احتیاج ہو مثلاً وہ معذور ہو تو اس کو زیادہ دینا جائز ہے۔

امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بعض کو زیادہ دے کر دوسروں کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے تو پھر مساوات واجب ہے، اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ مساوات مستحب ہے اور بعض کو زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے اور حدیث میں مساوات کا امر استحباب پر اور زیادتی سے ممانعت تنزیہ پر محمول ہے۔

مساوات کی تفصیل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی، امام احمد، اسحاق اور بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ عدل یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا دیا جائے، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مذکر اور مؤنث کا فرق نہ کیا جائے اور حدیث میں جو مساوات کا حکم ہے اس سے ان کی تائید ہوتی ہے، نیز امام سعید بن منصور اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے "سووا بين اولادكم في العطية فلو كنت مفضلا احدا لفضلت النساء" "اپنی اولاد کو مساوات سے ہبہ کرو اگر میں کسی کو زیادہ دیتا تو عورتوں کو زیادہ دیتا"۔

علامہ بدرالدین عینی نے جمہور کے موقف پر امام طحاوی اور دیگر محدثین کی طرف سے دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے اکثر پر اعتراضات ہوتے ہیں، قوی دلیل وہ ہے جس کو علامہ نووی نے پیش کیا کہ حضور نے فرمایا "اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو"۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ انسان اپنی تمام جائیداد اولاد کے علاوہ جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے، اس لیے اولاد میں بھی بعض کو زیادہ دے سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کو غابہ کی زمین سے بیس وسق دیے اور دوسروں کو نہیں دیے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اپنی صاحبزادی کو چار ہزار درہم دیے،

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

حالانکہ ان کی اور اولاد بھی تھی اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اولاد میں مساوات سے تقسیم کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ [۱]

اولاد اور دیگر محارم کو ہبہ کے بعد رجوع کرنے کے عدم جواز کی تحقیق

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: جب والد اپنی اولاد کو ہبہ کرے تو ہمارے نزدیک وہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا، امام شافعی کہتے ہیں والد اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یرجع الواھب فی ھبتہ الا الوالد فیما یھب لولدہ "کوئی شخص ہبہ کر کے رجوع نہ کرے سوا والد کے جو اپنی اولاد کو ہبہ کرتا ہے" علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ الا کا لفظ ولا کے معنی میں ہے یعنی اور نہ والد اپنی اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کرے۔ قرآن مجید میں الا الذین ظلموا منھم بمعنی ولا الذین ظلموا منھم، امام شافعی کی دوسری دلیل یہ باب مذکور کی حدیث ہے اور اس میں والد کے ہبہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع کا حکم دیا ہے، علامہ سرخسی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر اس وقت بالغ تھے اور انہوں نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا اور جب تک قبضہ نہ ہو رجوع کیا جا سکتا ہے، اور اگر وہ نابالغ تھے تو یہ ہبہ نہیں تھا وصیت تھی اس لیے اس میں مساوات کا حکم دیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے کہا فرجع ابی فی وصیتہ "سو میرے والد نے اپنی وصیت میں رجوع کر لیا"۔

شمس الائمہ نے احناف کے موقف پر اس حدیث کو بیان کیا ہے:

عن عطاء ومجاھد عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال من وھب ھبۃ لذی محرم فقبضھا فلیس لہ ان یرجع فیھا ومن وھب ھبۃ لغیر ذی رحم فلہ ان یرجع فیھا ما لم یثب منھا۔

(مبسوط ج ۱۲ ص ۴۹)

عطاء اور مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے محرم کو ہبہ کیا اور اس نے ہبہ پر قبضہ کر لیا تو اس سے اس کا رجوع کرنا جائز نہیں ہے اور جس نے غیر محرم کو ہبہ کیا وہ اس سے اس وقت تک رجوع کر سکتا ہے جب تک اس کا عوض نہ لیا ہو۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں ہماری دلیل حضرت عمر کی یہ حدیث ہے اور وہ ان دونوں مسئلوں میں ہمارے امام ہیں اور جب ذو رحم محرم کے لیے ہبہ عقد اور ملکیت کے لحاظ سے مکمل ہو جائے تو وہ اس سے رجوع کرنے کا مالک نہیں ہے، جیسا کہ جب بیٹا، باپ کو ہبہ کر دے یا بھائی، بھائی کو ہبہ کر دے، کیونکہ مقصود صلہ رحم ہے نہ کہ قطع رحم اور جب باپ بیٹے کو ہبہ کر کے رجوع کرے گا تو اس میں بھی رحم کو منقطع کرنا ہے، کیونکہ جب باپ بیٹے کو ہبہ کر کے رجوع کرے گا تو یہ رجوع بیٹے کو باپ کی نافرمانی پر برانگیختہ کرے گا حالانکہ بیٹے کو باپ کے ساتھ نیکی اور اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ [۲]

باب نمبر ۵۲ میں ہم سنن دار قطنی (ج ۳ ص ۴۴) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے

---

[۱] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۴۷-۱۴۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[۲] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۵۶، ۵۴ ملخصاً و موضحاً مطبوعہ دار المعرفہ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب ذو رحم محرم کو ہبہ کیا جائے تو اس سے رجوع نہ کیا جائے" اور مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۷، ص ۴۹) میں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھوایا جب ذو رحم کو ہبہ کیا جائے تو اس سے رجوع جائز نہیں ہے نیز امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن المسیب قال: من وھب ھبۃ لغیر ذی رحم فلہ ان یرجع مالم یثب منہا[1]

سعید بن مسیب نے کہا جو شخص غیر محرم کو ہبہ کرے وہ جب تک ہبہ کا عوض نہ لے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر محرم کو ہبہ کیا جائے تو اس سے رجوع جائز نہیں ہے اور تائید کے درجہ میں مفہوم مخالف سے استدلال جائز ہے، خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصریح اور فقہاء تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز اور سعید بن مسیب کے اقوال سے یہ ثابت ہے کہ محرم کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں ہے اور یہی احناف کثرہم اللہ کا مسلک ہے۔

بَابُ الْعُمْرٰی ۵۲۹

عمریٰ (تاحیات ہبہ) کا بیان

۴۰۷۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِيْ اُعْطِيَهَا لَا تَرْجِعُ اِلَى الَّذِيْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی سو یہ چیز اسی کے لیے ہے جس کو دی گئی ہے وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو گی۔

۴۰۷۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا اَنَا اللَّيْثُ ح وَقَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی تو اس کے قول نے اس چیز میں اس کے حق کو ختم کر دیا اب وہ چیز اس کی ہے جس کو تاحیات دی گئی ہے اور اس کے وارثوں کی ہے۔

---

[1] حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۷ ص ۲۷۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَقَدْ قَطَعَ قَوْلُهٗ حَقَّهٗ فِيْهَا وَهِيَ لِمَنْ اُعْمِرَ وَلِعَقِبِهٖ غَيْرَ اَنَّ يَحْيٰى قَالَ فِيْ اَوَّلِ حَدِيْثِهٖ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى فَهِيَ لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ۔

اور یحییٰ کی روایت میں اس طرح ہے جس شخص نے کسی شخص کو تاحیات کوئی چیز دی وہ چیز اس کی اور اس کے وارثوں کی ہے۔

۴۰۷۸- حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الْعُمْرٰى وَسُنَّتِهَا عَنْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ اَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَقَالَ لَهٗ قَدْ اَعْطَيْتُكَهَا وَعَقِبَكَ مَا بَقِيَ مِنْكُمْ اَحَدٌ فَاِنَّهَا لِمَنْ اُعْطِيَهَا فَاِنَّهَا لَا تَرْجِعُ اِلٰى صَاحِبِهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی، اور اس سے کہا کہ "میں نے تم کو اور تمہارے وارثوں کو اس وقت تک کے لیے یہ چیز دی ہے جب تک تم میں سے کوئی باقی رہے" سو یہ چیز اس کی ہو جائے گی، جس کو دی گئی ہے اور چیز کے مالک کی طرف نہیں لوٹے گی، کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو جاتی ہے۔

۴۰۷۹- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالَا اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِيْ اَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ فَاَمَّا اِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ فَاِنَّهَا تَرْجِعُ اِلٰى صَاحِبِهَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ عمریٰ (تاحیات ہبہ) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کہا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کہے "یہ چیز تمہارے لیے ہے اور تمہارے وارثوں کے لیے ہے" لیکن جب وہ یہ کہے "جب تک تم زندہ رہو یہ چیز تمہاری ہے" تو یہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی، معمر نے کہا زہری اسی قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

قَالَ مَعْمَرٌ وَكَانَ الزُّهْرِيُّ يُفْتِي بِهِ.

۴۰۸۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيمَنْ أُعْمِرَ عُمْرٰى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَهِيَ لَهُ بَتْلَةً لَا يَجُوزُ لِلْمُعْطِي فِيهَا شَرْطٌ وَلَا ثُنْيَا قَالَ أَبُو سَلَمَةَ لِأَنَّهُ أَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ فَقَطَعَتِ الْمَوَارِيثُ شَرْطَهُ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی وہ قطعی طور پر اس کی ہے، دینے والے کے لیے اس میں کوئی شرط لگانا جائز ہے نہ استثناء کرنا، ابوسلمہ نے کہا کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وراثت نے شرط منقطع کر دی۔

۴۰۸۱ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرٰى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ (تاحیات ہبہ) اس کے لیے ہے جس کے لیے ہبہ کیا گیا۔

۴۰۸۲ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ نَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمِثْلِهِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— مثل سابق روایت ہے۔

۴۰۸۳ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ عَنْ جَابِرٍ يَرْفَعُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ اَنَا اَبُوْ خَيْثَمَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكُوْا عَلَيْكُمْ اَمْوَالَكُمْ وَلَا تُفْسِدُوْهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَعْمَرَ عُمْرٰى فَهِيَ لِلَّذِيْ اُعْمِرَهَا حَيًّا وَّمَيِّتًا وَّلِعَقِبِهٖ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، روک کر رکھو اور ان کو فاسد نہ کرو، کیونکہ جس نے تاحیات ہبہ کیا ہر یہ اس کا اور اس کے وارثوں کا ہے جس کو ہبہ کیا گیا خواہ وہ زندہ رہے یا مر جائے۔

۴۰۸۴ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا حَجَّاجُ بْنُ اَبِيْ عُثْمَانَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ وَكِيْعٍ عَنْ سُفْيَانَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ عَنْ اَيُّوْبَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ اَبِيْ خَيْثَمَةَ وَفِيْ حَدِيْثِ اَيُّوْبَ مِنَ الزِّيَادَةِ قَالَ جَعَلَ الْاَنْصَارُ يُعْمِرُوْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكُوْا عَلَيْكُمْ اَمْوَالَكُمْ

حضرت جابر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت کی ہے، اور ایک سند سے یہ الفاظ زیادہ مروی ہیں کہ انصار مہاجرین کو تاحیات ہبہ کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموال اپنے پاس رکھو۔

۴۰۸۵ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک عورت نے مدینہ میں اپنے بیٹے کو ایک باغ تاحیات دیا، پھر وہ بیٹا بھی فوت ہو گیا اور وہ عورت بھی فوت ہو

قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ أَعْمَرَتِ امْرَأَةٌ بِالْمَدِينَةِ حَائِطًا لَهَا ابْنًا لَهَا ثُمَّ تُوُفِّيَ وَتُوُفِّيَتْ بَعْدَهُ وَتَرَكَ وَلَدًا وَلَهُ إِخْوَةٌ بَنُونَ لِلْمُعْمِرَةِ فَقَالَ وَلَدُ الْمُعْمِرَةِ رَجَعَ الْحَائِطُ إِلَيْنَا وَقَالَ بَنُو الْمُعْمَرِ بَلْ كَانَ لِأَبِينَا حَيَاتَهُ وَمَوْتَهُ فَاخْتَصَمُوا إِلٰى طَارِقٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ فَدَعَا جَابِرًا فَشَهِدَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرٰى لِصَاحِبِهَا فَقَضٰى بِذٰلِكَ طَارِقٌ ثُمَّ كَتَبَ إِلٰى عَبْدِ الْمَلِكِ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ وَأَخْبَرَهُ بِشَهَادَةِ جَابِرٍ فَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ صَدَقَ جَابِرٌ فَأَمْضٰى ذٰلِكَ طَارِقٌ فَإِنَّ ذٰلِكَ الْحَائِطَ لِبَنِي الْمُعْمَرِ حَتّٰى الْيَوْمِ۔

گئی، اس بیٹے کی اولاد تھی اور اس کے بھائی بھی تھے جو عمری (تاحیات ہبہ) کرنے والی کے بیٹے تھے، اس عورت کی اولاد نے کہا یہ باغ ہمارے پاس پھر لوٹ آیا، اور اس لڑکے (جس کو ہبہ کیا گیا تھا) کے بیٹوں نے کہا، نہیں یہ باغ ہمارے باپ کا تھا اس کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی، پھر انھوں نے حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام طارق کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا، انھوں نے حضرت جابر کو بلایا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ یہ باغ اس کا ہے جس کو تاحیات ہبہ کیا گیا۔ طارق نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا، پھر عبد الملک کو لکھ کر اس کی خبر دی، اور حضرت جابر کی گواہی کی خبر دی۔ عبد الملک نے کہا، حضرت جابر نے سچ فرمایا، اور یہ باغ آج تک اس لڑکے کی اولاد کے پاس ہے۔

۴۰۸۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَ إِسْحَاقُ أَنَا وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ طَارِقًا قَضٰى بِالْعُمْرٰى لِلْوَارِثِ لِقَوْلِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ طارق نے عمری (تاحیات ہبہ) کا وارث کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے تھے۔

۴۰۸۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمری جائز ہے۔

عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰی جَائِزَۃٌ۔

۴۰۸۸- حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَبِیْبٍ الْحَارِثِیُّ قَالَ نَا خَالِدٌ یَعْنِیْ ابْنَ الْحَارِثِ قَالَ نَا سَعِیْدٌ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ عَطَآءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ الْعُمْرٰی مِیْرَاثٌ لِّاَہْلِہَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ اس کی میراث ہے جس کو دیا گیا۔

۴۰۸۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی وَ ابْنُ بَشَّارٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَۃُ عَنْ قَتَادَۃَ عَنِ النَّضْرِ ابْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِیْرِ بْنِ نَہِیْکٍ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰی جَائِزَۃٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمریٰ جائز ہے۔

۴۰۹۰- وَحَدَّثَنِیْہِ یَحْیَی بْنُ حَبِیْبٍ قَالَ نَا خَالِدٌ یَعْنِیْ ابْنَ الْحَارِثِ قَالَ نَا سَعِیْدٌ عَنْ قَتَادَۃَ بِہٰذَا الْاِسْنَادِ غَیْرَ اَنَّہٗ قَالَ مِیْرَاثٌ لِّاَہْلِہَا اَوْ قَالَ جَائِزَۃٌ۔

اسی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت ہے کہ عمریٰ اس کی میراث ہے جس کو دیا گیا، یا کہا جائز ہے۔

عمریٰ کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں جو چیز تم کو تاحیات دی جائے وہ عمریٰ ہے، ثعلب نے عمریٰ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کوئی شخص اپنے بھائی کو مکان دے اور یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے لیے تاحیات ہے اور جب وہ مر گیا تو وہ مکان دینے والے کی طرف لوٹ جائے گا اور عمریٰ رُجعیٰ کی طرح مصدر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باطل کر دیا، اور یہ فرمایا کہ جس شخص نے عمریٰ یا رُقبیٰ کیا وہ اسی کے پاس تاحیات رہے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گا، ابن اثیر نے کہا کہ اس میں روایات متفق ہیں، اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، بعض فقہاء ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور عمریٰ کو تملیک قرار دیتے ہیں، اور بعض احادیث کی تاویل کر کے عمریٰ کو عاریت قرار دیتے ہیں، عمریٰ اصل میں عمر سے ماخوذ ہے اور رقبیٰ مراقبہ سے (یعنی انتظار) رقبیٰ یہ ہے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو اس کے تم مالک ہو اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں مالک ہوں گا۔ اور ہر ایک دوسرے

کی موت کا انتظار کرتا ہے۔ سعیدی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرطوں کو باطل کر کے ہبہ کو نافذ کر دیا، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جس شخص نے ہبہ کیا اور اس میں کوئی شرط لگائی تو شرط باطل ہوگی اور ہبہ صحیح ہوگا۔ صحاح میں ہے کہ عمریٰ تاحیات ہبہ ہے۔ [1]

عمریٰ کے حکم میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: عمریٰ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: ایک شخص یہ کہے کہ میں نے تمام عمر کے لیے تم کو یہ مکان دیا جب تم فوت ہو جاؤ گے تو یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہوگا۔ یہ عمریٰ بالاتفاق صحیح ہے اور عمریٰ کے بعد معمر لہ (موہوب لہ) اس مکان کا مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث مالک ہوں گے، اور اگر اس کے وارث نہ ہوں تو اس کی ملکیت بیت المال کی طرف منتقل ہو جائے گی، امام مالک کا اس میں اختلاف ہے۔

دوسری صورت: عمریٰ کرنے والا صرف یہ کہے میں نے تمام عمر کے لیے تم کو یہ مکان دے دیا اور یہ نہ کہے کہ تمہاری موت کے بعد یہ تمہارے وارثوں کا ہے، امام شافعی کے اس عقد کی صحت کے بارے میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح قول جدید ہے، اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے اور دوسرا قول قدیم ہے کہ یہ عقد باطل ہے اور ہمارے بعض فقہاء نے یہ کہا کہ قول قدیم یہ ہے کہ معمر لہ کے مرنے کے بعد وہ مکان واہب یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا اور عمریٰ کو عاریت قرار دیا ہے۔

تیسری صورت: عمریٰ کرنے والا کہے: میں نے تم کو تمام عمر کے لیے یہ مکان دیا ہے اور تمہاری موت کے بعد یہ میرے پاس آجائے گا اور اگر میں مر گیا تو میرے وارثوں کے پاس لوٹ آئے گا، اس عقد کی صحت میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے، اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ عقد صحیح ہے اور اس کا حکم بھی پہلی صورت کا حکم ہے، یعنی ہبہ صحیح ہے اور موت کے بعد واپسی کی شرط باطل ہے اور اس کی دلیل وہ احادیث صحیحہ ہیں جن میں ہے کہ عمریٰ صحیح ہے خلاصہ یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں یہ عقد صحیح ہے اور موہوب لہ اس چیز کا مالک ہو جاتا ہے اور اس میں اس کے تمام تصرفات مثلاً بیع وغیرہ صحیح ہیں۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ عمریٰ مطلقاً صحیح ہے اور جس میں شرط ہو وہ باطل ہے اور امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ عمریٰ عاریت ہے، معمر لہ اس چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے، اور کسی صورت میں اس چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ عمریٰ تمام صورتوں میں صحیح ہے ان کا قول ہماری طرح ہے، ثوری، حسن بن صالح اور ابو عبیدہ کا بھی یہی موقف ہے اور یہ احادیث صحیحہ ان کی دلیل ہیں۔ [2]

عمریٰ کے حکم میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی نے فرمایا کہ امام مالک سے مشہور قول یہ ہے کہ عمریٰ کرنے والا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لیے دیا پھر تمہارے وارثوں کا ہے یا کہے میں نے مدت عمر کے لیے تم کو یہ مکان دیا اور قید نہ لگائے ان تمام صورتوں میں امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ لینے والے یا اس کے ورثاء کی موت کے بعد وہ مکان دینے والے یا اس

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۴۲۱ مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ مسلمانوں کی لگائی ہوئی شرائط کا اعتبار ہوتا ہے اور اس لفظ کا لغوی مدلول بھی یہی ہے۔ [1]

عمریٰ کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جب عمریٰ کرنے والا اس کو مطلق رکھے تو یہ معمر لہٗ اور اس کے ورثاء کی ملکیت ہے، کیونکہ یہ کسی چیز کی تملیک ہے اور ہبہ کے مشابہ ہے، اور اگر اس نے یہ شرط لگائی جب تم مر گئے تو یہ چیز میری ہو جائے گی اس کے متعلق امام احمد سے دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: عقد اور شرط دونوں صحیح ہیں اور جب معمر لہٗ مر جائے گا تو وہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی، قاسم بن محمد، زید بن قسیط، زہری، امام مالک، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ابو ثور، داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عمریٰ کو جائز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہے یہ چیز تمہاری اور تمہارے ورثاء کی ہے، لیکن جب اس نے کہا یہ اس وقت تک تمہاری ہے جب تک تم زندہ رہے تو وہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی۔ اور قاسم بن محمد نے کہا لوگوں سے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہوتے ہیں۔

دوسری روایت: عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے اور وہ چیز معمر لہٗ کے بعد اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی، یہ امام شافعی کا قول جدید ہے، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے، اور یہی ظاہر مذہب ہے جس کی امام احمد نے تصریح کی ہے، کیونکہ روایات صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا رقبی فمن ارقب شیئا فهو له فی حیاته و موته۔ "رقبیٰ نہیں ہے، جس نے کسی چیز کو رقبیٰ کیا تو وہ زندگی میں اور موت کے بعد لینے والے کی ہے۔" اس حدیث کو امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2]

عمریٰ کے حکم میں فقہاء احناف کا موقف

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا میں نے تم کو عمر بھر کے لیے یہ مکان دیا اور مکان اس کے سپرد کر دیا تو یہ ہبہ صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اموال اپنے پاس روکے رکھو اور ان کا عمریٰ نہ کرو، سو جس شخص نے کوئی چیز عمریٰ کی وہ معمر لہٗ کی ہے اور اس کے بعد اس کے ورثاء کی، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معمر لہٗ کے حق میں عمریٰ کا فیصلہ کیا اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے حق میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عمریٰ کیا اس کے قول نے اس کا حق منقطع کر دیا۔ یعنی "میں نے تم کو عمر بھر کے لیے یہ چیز دی" اس قول نے معمر لہٗ کی موت کے بعد اس چیز کو واپس لینے کا حق منقطع کر دیا، خلاصہ یہ ہے کہ عمریٰ سے معمر لہٗ اس چیز کا فوری مالک ہو جاتا ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء اس چیز کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے موت کے بعد اس کی واپسی کی شرط باطل ہے، اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ [3]

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۱۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ۔

رقبیٰ کا حکم

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میرا یہ مکان تمہارے لیے رقبیٰ ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ باطل ہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں جب وہ اس مکان پر قبضہ کر لے تو ہبہ صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز العمری والرقبی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ اور رقبیٰ کو جائز کہا ہے" اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میرا مکان تمہارے لیے ہے تو یہ تملیک صحیح ہے اور جب کہتا ہے کہ بطور رقبیٰ تو یہ شرط باطل ہے پس گویا کہ اس نے اس شرط کا ذکر ہی نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ شعبی نے شریح سے روایت کیا ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز العمری ورد الرقبی۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کو جائز قرار دیا اور رقبیٰ کو رد کر دیا" اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اس لیے ان میں موافقت ضروری ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ رقبیٰ ارقاب سے بھی ماخوذ ہے اور ترقب سے بھی (ارقاب کا معنی ہے کسی چیز کا تا زیست دینا، اور ترقب کا معنی ہے اگر میں مر گیا تو یہ چیز تمہاری اور تم مر گئے تو میری اس میں دونوں ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتے ہیں) پس جس حدیث میں رقبیٰ کو جائز کہا ہے وہ ارقاب سے ماخوذ ہے اور عمریٰ کے معنی میں ہے اور جس میں رد کیا ہے وہ ترقب سے ماخوذ ہے گویا تم میری موت کا انتظار کرو اور میں تمہاری موت کا انتظار کرتا ہوں، اگر میں مر گیا تو یہ چیز تمہاری اور تم مر گئے تو میری۔ اس میں تملیک کو شرط پر معلق کیا ہے اس لیے یہ باطل ہے۔ [1]

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوصیۃ

باب ۵۳۰

۴۰۹۱ - حَدَّثَنَا اَبُوْ خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى الْعَنَزِيُّ وَ اللَّفْظُ لِابْنِ مُثَنَّى قَالَا نَا يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ لَهٗ شَيْءٌ يُّرِيْدُ اَنْ يُّوْصِيَ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی وصیت کے لائق چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گذارنا جائز نہیں ہے۔

۴۰۹۲ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ كِلَاهُمَا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُمَا قَالَا وَلَهٗ شَيْءٌ يُّوْصِيْ فِيْهِ وَلَمْ يَقُوْلَا يُرِيْدُ اَنْ يُّوْصِيَ فِيْهِ۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں یہ ہے اس کے پاس لائق وصیت چیز ہو اور اس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو۔

۴۰۹۳ - وَحَدَّثَنِيْ اَبُوْ كَامِلِ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِيْ ابْنَ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ يَعْنِيْ ابْنَ عُلَيَّةَ

پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور ان سب کی روایت میں ہے اس کے پاس لائق وصیت چیز ہو البتہ ایوب کی روایت میں ہے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو۔

كِلَاهُمَا عَنْ اَيُّوْبَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدِ الْاَيْلِيُّ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ اللَّيْثِيُّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ قَالَ اَنَا هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَقَالُوْا جَمِيْعًا لَهٗ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ اِلَّا فِيْ حَدِيْثِ اَيُّوْبَ فَاِنَّهٗ قَالَ يُرِيْدُ اَنْ يُّوْصِيَ فِيْهِ كَرِوَايَةِ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔

۴۰۹۴۔ حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّهٗ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ ثَلَاثَ لَيَالٍ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ عِنْدَهٗ مَكْتُوْبَةٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ اِلَّا وَعِنْدِيْ وَصِيَّتِيْ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس وصیت کے لائق کوئی چیز ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر تین راتیں گذارنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے وصیت لکھے بغیر مجھ پر ایک رات بھی نہیں گذری۔

۴۰۹۵۔ حَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ وَ

تین دیگر اسانید کے ساتھ یہ روایت منقول ہے

حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ۔

۴۰۹۶۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى التَّمِيْمِيُّ قَالَ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ عَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَّجَعٍ اَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَلَغَنِيْ مَا تَرٰى مِنَ الْوَجَعِ وَاَنَا ذُوْ مَالٍ وَّلَا يَرِثُنِيْ اِلَّا ابْنَةٌ لِّيْ وَاحِدَةٌ اَفَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِيْ قَالَ لَا قُلْتُ اَفَاَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهٖ قَالَ لَا الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِيْ امْرَاَتِكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخَلَّفُ بَعْدَ اَصْحَابِيْ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں مجھے ایسا درد ہوا کہ میں قریب المرگ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ درد سے میری کیا حالت ہے! میں ایک مالدار شخص ہوں اور ایک لڑکی کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں ہے کیا میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! تہائی مال صدقہ کرو۔ تہائی مال بہت ہے! اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ دو تو یہ ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے جس کے سبب وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں، اور تم جو کچھ اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرو گے تم کو اس کا اجر ملے گا، حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی اجر ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو، میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے اصحاب سے پیچھے رہ جاؤں گا (یعنی میرے اصحاب واپس مدینہ چلے جائیں گے اور میں مکہ میں رہ جاؤں گا؟) آپ نے فرمایا اگر تم پیچھے رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایسے عمل کرو گے جس سے تمہارے درجات زیادہ اور بلند ہوں گے، اور شاید کہ تم پیچھے رہ جاؤ گے (یعنی بعد میں زندہ رہو گے) حتیٰ کہ کچھ لوگ

اللّٰهِ اِلَّا ازْدَدْتَ بِهٖ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً وَّلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتّٰى يُنْفَعَ بِكَ اَقْوَامٌ وَّيُضَرَّ بِكَ اٰخَرُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِىْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ قَالَ وَرَثٰى لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَنْ تُوُفِّىَ بِمَكَّةَ۔

تم سے نفع حاصل کریں گے (یعنی مسلمان) اور دوسروں کو (یعنی کفار کو) نقصان ہوگا اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو پورا کر، اور انھیں ان کی ایڑیوں کے بل نہ لوٹا، لیکن بے چارہ سعد بن خولہ! راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ کے متعلق افسوس کا اظہار کیا کیونکہ وہ مکہ ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

ف: حضرت سعد بن خولہ کے متعلق آپ نے اس لیے افسوس کیا کہ انھوں نے جس جگہ سے ہجرت کی تھی وہیں فوت ہو گئے اور ان کو دار الہجرت کی زمین نصیب نہیں ہوئی۔

۴۰۹۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَّاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِىْ حَرْمَلَةُ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِىْ اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِىِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

تین مختلف اسانید کے ساتھ یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۴۰۹۸- وَحَدَّثَنِىْ اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ نَا اَبُوْ دَاوٗدَ الْحَفَرِىُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدٍ رَّضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَىَّ يَعُوْدُنِىْ فَذَكَرَ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ الزُّهْرِىِّ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَّمُوْتَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے میرے پاس تشریف لائے، باقی حدیث زہری کی روایت کی طرح ہے البتہ اس میں حضرت سعد بن خولہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ذکر نہیں ہے، البتہ یہ اضافہ ہے کہ حضرت سعد اس جگہ مرنے کو ناپسند کرتے تھے جس جگہ سے انھوں نے ہجرت کی تھی۔

بِالْاَرْضِ الَّتِیْ هَاجَرَ مِنْهَا۔

۴۰۹۹ - وَحَدَّثَنِیْ زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسٰی قَالَ نَا زُهَیْرٌ قَالَ نَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُصْعَبُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَرِضْتُ فَاَرْسَلْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ دَعْنِیْ اَقْسِمْ مَالِیْ حَیْثُ شِئْتُ فَاَبٰی قُلْتُ فَالنِّصْفَ قَالَ فَاَبٰی قُلْتُ فَالثُّلُثَ قَالَ فَسَکَتَ بَعْدَ الثُّلُثِ قَالَ فَکَانَ بَعْدُ الثُّلُثُ جَائِزًا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہوگیا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا میں نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنا مال اپنے حسب منشاء تقسیم کردوں! آپ نے انکار فرمایا، میں نے کہا اچھا آدھے مال کی اجازت دیجئے، آپ نے انکار فرمایا۔ میں نے کہا تہائی؟ حضرت جابر کہتے ہیں آپ تہائی سن کر خاموش ہوگئے، اور انھوں نے کہا بعد میں تہائی مال میں وصیت جائز ہوگئی

۴۱۰۰ - وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ وَلَمْ یَذْکُرْ فَکَانَ بَعْدُ الثُّلُثُ جَائِزًا۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ بعد میں تہائی مال میں وصیت جائز ہوگئی۔

۴۱۰۱ - وَحَدَّثَنِی الْقَاسِمُ بْنُ زَکَرِیَّا قَالَ نَا حُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ عَادَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّهٖ فَقَالَ لَا قُلْتُ فَالنِّصْفَ فَقَالَ لَا فَقُلْتُ اَبِالثُّلُثِ فَقَالَ نَعَمْ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا آدھے مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تہائی کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تہائی بہت ہے۔

۴۱۰۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عُمَرَ الْمَکِّیُّ قَالَ نَا الثَّقَفِیُّ عَنْ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حضرت سعد کی عیادت کے لیے تشریف لائے، حضرت سعد رو رہے تھے، آپ نے فرمایا:

حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ وُلْدِ سَعْدٍ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُهٗ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى سَعْدٍ يَّعُوْدُهٗ بِمَكَّةَ فَبَكٰى فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ قَدْ خَشِيْتُ اَنْ اَمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِيْ هَاجَرْتُ مِنْهَا كَمَا مَاتَ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَالًا كَثِيْرًا وَّاِنَّمَا يَرِثُنِي ابْنَتِيْ اَفَاُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قَالَ فَبِالثُّلُثَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَبِالنِّصْفِ قَالَ لَا قَالَ فَبِالثُّلُثِ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّ صَدَقَتَكَ مِنْ مَّالِكَ صَدَقَةٌ وَّاِنَّ نَفَقَتَكَ عَلٰى عِيَالِكَ صَدَقَةٌ وَّاِنَّ مَا تَاْكُلُ امْرَاَتُكَ مِنْ مَّالِكَ صَدَقَةٌ وَّاِنَّكَ اَنْ تَدَعَ اَهْلَكَ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ بِعَيْشٍ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَقَالَ بِيَدِهٖ

"تم کیوں رو رہے ہو؟" حضرت سعد نے کہا مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اسی زمین میں مر جاؤں گا جس سے میں نے ہجرت کی تھی جس طرح حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ (مکہ میں) فوت ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دعا کی اے اللہ! سعد کو شفا دے، حضرت سعد نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس بہت مال ہے اور میری وارث صرف میری بیٹی ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، انھوں نے کہا، دو تہائی مال کی؟ فرمایا نہیں کہا آدھے مال کی؟ فرمایا نہیں، کہا تہائی مال کی؟ فرمایا تہائی مال کی، (وصیت کر دو) اور تہائی مال بہت ہے، تمہارا اپنے مال سے صدقہ کرنا بھی صدقہ ہے اور تمہارا اپنی اولاد پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، اور تمہارے مال سے جو تمہاری بیوی کھاتی ہے وہ بھی صدقہ ہے اور اگر تم اپنے اہل وعیال کو خوشحالی یا بہتر معاش میں چھوڑ دو تو وہ اس حال میں چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

۴۱۰۳ - وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا اَيُّوْبُ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ وُلْدِ سَعْدٍ قَالُوْا مَرِضَ سَعْدٌ بِمَكَّةَ فَاَتَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ بِنَحْوِ حَدِيْثِ الثَّقَفِيِّ

حضرت سعد کے تین بیٹوں نے بیان کیا کہ حضرت سعد مکہ میں بیمار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد حسب سابق ہے۔

۴۱۰۴ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى قَالَ نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي ثَلَاثَةٌ مِّنْ وُّلْدِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُنِيْهِ مِثْلَ حَدِيْثِ صَاحِبِهٖ قَالَ مَرِضَ سَعْدٌ بِمَكَّةَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ بِنَحْوِ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ.

حضرت سعد کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد مکہ میں بیمار ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے بعد مثل سابق ہے۔

۴۱۰۵ - حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى الرَّازِيُّ قَالَ اَنَا عِيْسٰى يَعْنِي ابْنَ يُوْنُسَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا نَا وَكِيْعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَوْ اَنَّ النَّاسَ غَضُّوْا مِنَ الثُّلُثِ اِلَى الرُّبُعِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ وَفِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ كَبِيْرٌ اَوْ كَثِيْرٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کاش لوگ تہائی کے بجائے چوتھائی مال میں وصیت کیا کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہائی بہت ہے۔

وصیت کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں: اصمعی نے تصریح کی ہے کہ وصیت کا معنی اتصال ہے اور وصیت کو وصیت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ میت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ [۱]

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ وصیت کو اس لیے وصیت کہتے ہیں کہ وصیت کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کے معاملات کو زندگی کے بعد کے ساتھ متصل کر دیتا ہے۔ [۲]

---

[۱] سید محمد مرتضی الحسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۳۹۲ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[۲] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: ازہری نے کہا ہے کہ جب کسی شے کو متصل کردیں تو کہتے ہیں میں نے اس چیز کی وصیت کی، اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ وصیت کے سبب سے میت اپنی زندگی کے معاملات کو مابعد الموت کے ساتھ متصل کر دیتا ہے۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ وصیت کا شرعی معنی ہے "تملیک مضاف الی مابعد الموت" "موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا"۔ [1]

وصیت کی اقسام

علامہ شامی نے وصیت کی چار اقسام بیان کی ہیں:

(۱) **واجب:** انسان اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔ مثلاً جن سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، یا حج نہیں کیا تو ان کے متعلق وصیت کرے یا اس سے نمازیں اور روزے چھوٹ گئے جن کی قضا نہیں کی ان کے فدیہ کے بارے میں وصیت کرے یا مالی کفارے ادا نہیں کیے، ان کے لیے وصیت کرے، اسی طرح انسان بندوں کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کے متعلق وصیت کرے، مثلاً کسی کا قرض دینا ہے، جس کا کسی کو پتہ نہیں، کسی کی امانت لوٹانی ہے، کسی کی کوئی چیز غصب کر لی تھی اس کو واپس کرنا ہے، اس قسم کی وصیت کرنا واجب ہے۔

(۲) **مستحب:** دینی مدارس، مساجد، علماء، دینی طلبہ، غریب قرابت داروں اور دیگر امور خیر کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔

(۳) **مباح:** امیر رشتہ داروں اور دنیا داروں کے لیے وصیت کرنا مباح ہے۔

(۴) **مکروہ:** فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ [2]

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جن حقوق کا ادا کرنا فرض ہے ان کے لیے وصیت فرض ہوگی جیسے زکوٰۃ اور جن حقوق کا ادا کرنا واجب ہے ان کے بارے میں وصیت واجب ہوگی جیسے روزے کا کفارہ (کیونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور ظنی ہے) اسی طرح غریب فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور امیر فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اگر وہ غریب ہیں تو ہو سکتا ہے اس مال کو وہ اپنی کفالت پر خرچ کریں اور اگر امیر ہیں تو ظن غالب ہے کہ وہ معصیت اور فسق و فجور پر خرچ کریں گے۔ اور معصیت کے اداروں کے لیے وصیت کرنا حرام ہے، مثلاً فلم سٹوڈیو، آرٹ کونسل، ریس کورس وغیرہ، اسی طرح کفار کے لیے وصیت کرنا بھی حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کی تحقیق کے مطابق وصیت کی سات قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) مستحب (۴) مباح۔ (۵) مکروہ تنزیہی (۶) مکروہ تحریمی (۷) حرام۔ (مستحب اور مباح کی وہی مثالیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں)

کیا مطلقاً وصیت کرنا فرض ہے؟

حدیث نمبر ۴۰۹۱ میں ہے جس شخص کے پاس وصیت کے لائق کوئی چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گذارنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴، ص ۲۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

علامہ نووی لکھتے ہیں: وصیت کی مشروعیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے لیکن ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ (مطلقاً) وصیت کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، اور داؤد ظاہری اور دیگر علماء اہل ظاہر نے یہ کہا ہے کہ (مطلقاً) وصیت کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے، اس حدیث سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں وصیت کو واجب کرنے کی تصریح نہیں ہے (بلکہ اس میں وصیت کے وجوب کے خلاف دلیل ہے کیونکہ اس میں ہے: یرید ان یوصی فیہ "جو وصیت کرنے کا ارادہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ وصیت کا حکم ہر شخص کے لیے نہیں ہے) لیکن اگر انسان پر کسی کا (غیر معروف) قرض ہو، یا کسی کا حق ہو یا امانت ہو تو اس کی وصیت کرنا لازم ہے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے، یہ حدیث حزم اور احتیاط پر محمول ہے کیونکہ اگر انسان کے پاس کوئی وصیت کے لائق چیز ہو تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی ہو۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (بقرہ: ۱۸۰) "جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو اس پر ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے، یہ حق ہے پرہیزگاروں پر۔" قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً وصیت کرنا فرض ہے۔ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عمر، حضرت ابوموسیٰ، سعید بن مسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور آیت میراث نے اس کو منسوخ کر دیا۔ سنن اور دیگر کتب احادیث میں ہے: ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ "اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کو اس کا حق دے دیا ہے اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔" [2]

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ابن منذر نے ابوثور سے نقل کیا ہے کہ اس آیت اور اس حدیث میں جو وصیت کا وجوب ہے وہ مطلقاً وصیت کے متعلق نہیں ہے بلکہ جس شخص پر اللہ کا کوئی قرض ہو یا کسی بندے کا کوئی حق مثلاً امانت ہو اور اسے اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو اس پر اس کے متعلق وصیت کرنا واجب ہے اور مطلقاً وصیت کرنا واجب نہیں ہے، اور اس بیان سے یہ تعارض دور ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ "مجھ پر ایک رات بھی نہیں گزرتی مگر میرے پاس وصیت لکھی ہوئی ہوتی ہے۔" اور یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے وصیت نہیں کی تھی۔ یعنی انھوں نے اپنے مال میں وصیت نہیں کی تھی اور لوگوں کی امانتوں اور حقوق کے بارے میں وصیت کی تھی۔ [3]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] " " " " " عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۹، " " " "

ثلث مال تک وصیت کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی حنفی، حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے قصہ والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ابوعمرو نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے اور جمہور فقہاء نے اس حدیث کو مقدار وصیت کے بارے میں اصل قرار دیا ہے اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت ثلث (۱/۳) سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے۔ اہل علم کے نزدیک ثلث (۱/۳) سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ ثلث سے کم وصیت کرنی چاہیے۔ [1]

امور مباحہ پر اجر ملنے کی تحقیق

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خرچ کرنے سے اجر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خرچ سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا جائے۔ جب انسان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب اور رضا کے حصول کا قصد نہ کرے تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اور وہ عنداللہ بری الذمہ ہوگا لیکن اس پر اجر نہیں ملے گا اجر اس وقت ملے گا جب وہ اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا قصد کرے گا اس طرح دیگر حقوق کی ادائیگی کا معاملہ ہے مثلاً کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت ہو اگر تقرب کی نیت کے بغیر ادا کرے گا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا لیکن اجر نہیں ملے گا، دیگر تمام معاملات کا بھی یہی حال ہے۔ [2]

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ مباح کام سے بھی جب اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد کیا جائے تو وہ عبادت ہو جاتا ہے اور اس پر اجر وثواب ملتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حتیٰ کہ تم جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو اس میں بھی اجر ہے"، کیونکہ انسان کی بیوی خاص حظ دنیاوی ہے اور شہوات مباحہ کا محل ہے اور عموماً بیوی سے دل لگی اور خوش طبعی کے وقت اس کے منہ میں لقمہ رکھتے ہیں اور یہ حالت عبادات اور امور آخرت سے بہت دور ہے، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جب اس فعل میں بھی اللہ تعالیٰ کا تقرب کے ارادہ کیا جائے تو اجر ملے گا تو اس حالت کے علاوہ جو دنیاوی امور اور مباحات ہیں جب ان میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت کرے گا تو ان میں اجر وثواب کا حصول زیادہ متوقع ہے مثلاً انسان عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لیے کھائے پیئے اور علاج کرے، اور عبادت میں تازگی حاصل کرنے کے لیے نیند اور آرام کرے اور بیوی سے اپنی خواہشات کی تکمیل کرے تاکہ گناہوں سے بچا رہے تو کھانے پینے، علاج کرنے، نیند اور آرام کرنے اور بیوی سے خواہش پوری کرنے ان سب کاموں میں اجر ہے۔ [3]

لمبی عمر کی فضیلت

اس حدیث میں اعمال صالحہ کے حصول کے لیے لمبی عمر کی فضیلت ہے، نیز اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ تمہاری عمر لمبی ہوگی ایک قوم کو تم سے فائدہ ہوگا اور ایک قوم کو نقصان ہوگا اور ایسا ہی ہوا، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایران اور عراق کو فتح کیا مسلمانوں کو ان سے قوت وشوکت، فتح ونصرت اور غنیمت کی دولت حاصل ہوئی اور کفار کے علاقے چھینے گئے ان کے مرد غلام اور عورتیں باندیاں بنیں اور جنگ میں کفار قتل ہو کر جہنم میں پہنچے۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۹۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ

[2] ″ ″ ″ ″ ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۹۲، ″ ″ ″

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ ھ

اہل مکہ کی ہجرت کا حکم اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، فتح مکہ کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن جو اہل مکہ ہجرت کر چکے تھے ان پر مکہ سے ہجرت کا فرض قائم اور باقی تھا اسی لیے حضرت سعد مکہ میں وفات کے خیال سے پریشان تھے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں وفات پر افسوس کیا لیکن جو کسی عذر کی وجہ سے مکہ میں رہے یا فوت ہو گئے وہ معذور ہیں۔

بَابُ ۵۳۱ وُصُوْلِ ثَوَابِ الصَّدَقَاتِ إِلَى الْمَيِّتِ

میت کو صدقات کا ایصالِ ثواب

۴۱۰۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ فَهَلْ يُكَفِّرُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد فوت ہو گئے انھوں نے مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا ان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

۴۱۰۷۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَإِنِّي أَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَلِي أَجْرٌ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں، اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!۔

۴۱۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوصِ وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا: یا رسول اللہ! میری والدہ اچانک فوت ہو گئیں اور انھوں نے کوئی وصیت نہیں کی، میرا گمان ہے اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

تَصَدَّقَتْ اَفَلَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔

۴۱۰۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ ح قَالَ وَثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا شُعَيْبُ بْنُ اِسْحَاقَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ قَالَ نَا يَزِيْدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ قَالَ نَا رَوْحٌ وَّهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ اَمَّا اَبُوْ اُسَامَةَ وَرَوْحٌ فَفِيْ حَدِيْثِهِمَا فَهَلْ لِّيْ اَجْرٌ كَمَا قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَاَمَّا شُعَيْبٌ وَجَعْفَرٌ فَفِيْ حَدِيْثِهِمَا اَفَلَهَا اَجْرٌ كَرِوَايَةِ ابْنِ بِشْرٍ۔

چار سندوں سے یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

قرآن مجید سے ایصال ثواب کا ثبوت

اللہ تعالیٰ والدین کے لیے دعا کرنے کا حکم دیتا ہے:

وقل رب ارحمهما كما ربيني صغيرا۔ (اسراء: ۲۴)

اور کہو کہ اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

جس طرح اولاد کی دعا سے والدین کو نفع پہنچتا ہے اسی طرح اولاد کے ایصال ثواب سے بھی والدین کو نفع پہنچتا ہے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان۔ (حشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کے فوت شدہ بھائیوں کے لیے دعا کا ذکر ہے، اور جس طرح مسلمانوں کی دعا سے مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال سے بھی مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن میں دوسروں کے لیے شفاعت کا ذکر ہے، ایصال ثواب کی واضح دلیل ہیں۔

احادیث اور آثار سے ایصال ثواب کا ثبوت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان رجلا قال للنبي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک

صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسها واظنها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم۔ [1]

شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئیں اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بات کرسکتیں تو صدقہ کرتیں اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان سعد بن عبادة توفیت امه وهو غائب عنها فقال یا رسول اللہ ان امی توفیت وانا غائب عنها اینفعها شیء ان تصدقت به عنها قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المخراف صدقة علیها۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں اور وہ موجود نہ تھے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہوگئیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انھوں نے کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کردیا۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سعد بن عبادة انه قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد۔ [3]

حضرت سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! ــــ سعد کی والدہ فوت ہوگئیں، پس کس چیز کا صدقہ کرنا سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا پانی کا، انھوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کی طرف سے باغ بھی صدقہ کیا اور کنواں بھی صدقہ کردیا۔

عن جابر بن عبد اللہ قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک له وبذلک امرت وانا من المسلمین اللهم منک ولک عن محمد وامته بسم اللہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کو قبلہ کے رخ گرایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی: انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک له وبذلک امرت وانا من المسلمین اللهم منک ولک عن محمد وامته بسم اللہ واللہ اکبر

۱۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۲۔ 〃 〃 〃 صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۶، 〃 〃
۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

واللہ اکبر ثم ذبح۔[1]

اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔

امام ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد۔[2]

اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

اس روایت میں طعام پر قرآن مجید کی تلاوت اور ان کے ایصالِ ثواب کا واضح ثبوت ہے۔

عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔[3]

حنش کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا میں نے کہا یہ کیا ہیں؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، پس میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ ھذا اسناد صحیح۔[4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے، یہ اسناد صحیح ہے۔ (یعنی روزوں کا فدیہ دے)

عن ابن عباس قال جاء امراۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان اختی ماتت وعلیھا صوم، قال لو کان علیھا دین اکنت تقضینہ؟ قالت نعم قال فحق اللہ احق۔[5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے آکر کہا میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر روزے ہیں آپ نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان امراۃ جاءت الی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] " " سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، " " " "

[3] " " سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰-۲۹، " " " "

[4] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[5] " " سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۹۵، " "

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فماتت قبل ان تحج افاحج عنھا قال نعم حجی عنھا ارایت لو کان علی امک دین اکنت قاضیۃ قالت نعم قال اقضوا الذی لہ فان اللہ احق بالوفاء۔[1]

اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو، یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا قرض بھی ادا کرو کیونکہ وہ ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔

وعن انس ان سعدا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان امی توفیت ولم توص افینفعھا ان اتصدق عنھا قال نعم وعلیک بالماء رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال صحیح۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئیں اور انھوں نے کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تم پانی کا صدقہ کرو اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصدق بصدقۃ تطوعا فیجعلھا عن ابویہ فیکون لھما اجرھا ولا ینقص من اجرہ شیئا رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ خارجۃ بن مصعب الضبی وھو ضعیف۔[3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص نفلی صدقہ کرے اور اس کو اپنے والدین کی طرف سے کر دے تو اس کے والدین کو اس کا اجر ملتا ہے اور اس کے اجر سے کچھ کمی نہیں ہوتی، اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں خارجہ بن مصعب ضعیف راوی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال: ترفع للمیت بعد موتہ درجتہ فیقول ای رب! ای شیء ھذا؟ فیقال ولدک استغفر لک۔[4]

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد میت کے لیے ایک درجہ بلند کیا جائے گا، وہ کہے گی: اے رب! یہ کیا ہے؟ پس کہا جائے گا تیرے بیٹے نے تیرے لیے بخشش کی دعا کی ہے!

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثہ، ۱۴۰۲ھ

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹ - ۱۳۸

[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۱ - ۲۰، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل

ایصال ثواب کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے، امام ابراہیم بن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ہم اپنے فوت شدہ لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا یہ ان تک پہنچتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ان تک پہنچتا ہے اور وہ اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص ہدیہ سے خوش ہوتا ہے۔ [۱]

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک انسان کے لیے اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچانا جائز ہے، خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ، یا تلاوت قرآن، یا ذکر، یا طواف، یا حج یا عمرہ یا ان کے علاوہ کوئی اور عمل ہو۔ یہ چیز کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ رہا یہ کہ حدیث میں ہے لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد۔ "کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے" اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی طرف سے نماز پڑھنے سے اس کا فرض ساقط نہیں ہوگا، اس میں ایصال ثواب کی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ جس شخص نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب زندہ یا مردوں کو پہنچا دیا تو یہ جائز ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اسی طرح بدائع میں ہے، اور اس سے معلوم ہوگیا کہ زندہ اور مردہ دونوں کو ثواب پہنچ سکتا ہے، اور انسان فعل کے وقت اپنی نیت کرے یا اپنے غیر کی نیت کرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ ہر حال میں دوسرے کو ثواب پہنچا سکتا ہے، اور میں نے یہ مسئلہ نہیں دیکھا کہ اگر کوئی شخص اجرت لے کر ثواب پہنچائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور بظاہر یہ صحیح نہیں ہے۔ (اس بحث کے اخیر میں اعلیٰ حضرت کی رائے کے ضمن میں ہم اس کی وجوہ صحیحہ پیش کر رہے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) فقہاء نے جو علی الاطلاق ایصال ثواب کو جائز کہا ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ فرض اور نفل میں کوئی فرق نہ ہو، پس جب کسی شخص نے فرض پڑھا اور اس کا ثواب غیر کو پہنچا دیا تو یہ جائز ہے لیکن فرض کا ثواب پہنچانے والے پر دوبارہ فرض پڑھنا لازم نہیں ہوگا، کیونکہ ثواب پہنچانے والے کے لیے ثواب کا نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ثواب پہنچانے والے سے فرضیت ساقط نہ ہو، لیکن میں نے اس کی نقل نہیں دیکھی۔ [۲]

علامہ ابن نجیم کے حوالے سے علامہ نابلسی نے بھی یہی لکھا ہے۔ [۳]

علامہ ابن نجیم یہ سمجھ رہے ہیں کہ جب کسی شخص نے کوئی عبادت کر کے اس کا ثواب پہنچا دیا تو ثواب پہنچانے والے کو اس کا ثواب نہیں ملتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کسی عبادت کا ثواب پہنچانے سے پہنچانے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: امام دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ

[۲] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ ھ، البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲-۶۳ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ ھ

[۳] علامہ عبدالغنی نابلسی متوفی ۱۱۴۳ ھ، الحدیقۃ الندیۃ ج ۲ ص ۴۲۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۷۷ ء

نے فرمایا جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ (سورہ اخلاص) پڑھی اور اس کا ثواب مُردوں کو پہنچا دیا تو اس شخص کو مُردوں کے عدد کے برابر اجر دیا جائے گا۔[۱] اور علامہ طحطاوی لکھتے ہیں: اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے زندہ یا مُردہ کو پہنچا دے اور ثواب پہنچانے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی کیونکہ امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نفل صدقہ کرے تو وہ اپنے والدین کی طرف سے کرے اس کے والدین کو اجر ملے گا اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔[۲] (اس حدیث کو ہم مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹ ۔ ۱۳۸ کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں)

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز اور مستحب ہے، اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کو نفع دیتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس سے نفع ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے وان لیس للانسان الا ما سعٰی (نجم ۳۹) "انسان کو صرف اپنی کوشش کا اجر ملتا ہے" اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس کے لیے ایصالِ ثواب کرے تو اس کو اس کا اجر نہیں ملے گا، لیکن اس باب کی احادیث اس آیت کے عموم کے لیے مخصص ہیں ـــــ مسلمانوں کا اس پر بھی اجماع ہے کہ وارث پر میت کی طرف سے صدقہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، البتہ اگر میت پر حقوق مالیہ ثابت ہوں اور اس نے مال چھوڑا ہو تو ان حقوق کو ادا کرنا واجب ہے، خواہ میت نے ان کو ادا کرنے کی وصیت کی ہو یا نہ، میت کے مال سے اللہ تعالیٰ کے قرض اور حقوق ادا کیے جائیں مثلاً زکوٰۃ حج، نذر، کفارہ اور روزوں کا فدیہ، اسی طرح لوگوں کے قرض ادا کیے جائیں اور اگر میت کا ترکہ نہ ہو تو ورثاء پر واجب نہیں ہے لیکن ورثاء اور دوسرے مسلمانوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنی طرف سے تبرعاً میت کے حقوق مالیہ ادا کر دیں۔[۳]

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ غیر کی طرف سے صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور یہ احادیث وان لیس للانسان الا ما سعٰی کی مخصص ہیں۔[۴]

نیز لکھتے ہیں اجو شخص میت کے لیے ایصالِ ثواب کرتا ہے اس کو بھی اپنی سعی کا اجر ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص اُجرت سے کر قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچاتا ہے تو کیا تلاوت کرنے والے کو بھی اجر ملتا ہے؟ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ کہتے ہیں ان دونوں کو اجر ملے گا اور اجرت لینے کی وجہ سے پڑھنے والے کا ثواب باطل نہیں ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص اجرت لے کر نماز پڑھاتا ہے تو جماعت کا ثواب امام اور نمازیوں دونوں کو ملتا ہے اور اجرت لینے کی وجہ سے امامت کا اجر باطل نہیں ہوتا اسی طرح تلاوت کی اجرت لینے سے قرآن مجید پڑھنے والوں کا اجر باطل نہیں ہوگا۔[۵]

۱۔ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ ھ، مراقی الفلاح ص ۷۷، مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ ھ

۲۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ ھ، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۶ مطبوعہ مصطفےٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ ھ

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ ھ

۴۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۵۔ " " " " اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۴۵

علامہ ابو عبد اللہ السنوسی مالکی نے بھی بعینہ یہی لکھا ہے۔[1]

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

شیخ ابو العباس ابن تیمیہ حنبلی حرانی لکھتے ہیں: سنت صحیحہ کی تصریح کے مطابق میت کے لیے جو نیک اعمال کیے جاتے ہیں ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے، اور ائمہ کا اتفاق ہے کہ میت کو غلام آزاد کرنے اور حج کا ثواب پہنچتا ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے "جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے روزے چھوٹے ہوئے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے" (یعنی روزوں کا فدیہ دے۔ سعیدی) اسی طرح حدیث صحیح میں نذر کے روزوں کے بارے میں ہے۔ اور یہ مسئلہ وان لیس للانسان الا ما سعٰی کے معارض نہیں ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں:

وجہ اول: نصوص صریحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ مومن کو ان اعمال کا اجر بھی ملتا ہے جو اس کی سعی سے حاصل نہیں ہوتے جیسے مسلمانوں کے لیے فرشتوں کی دعا اور استغفار، قرآن مجید میں ہے الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین اٰمنوا۔ "حاملین عرش اور اس کے گرد و نواح کے فرشتے اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں، اور مسلمانوں کے لیے انبیاء کرام کی دعاؤں اور استغفار کا قرآن مجید میں ذکر ہے: وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم۔ "آپ ان کے لیے استغفار کیجئے آپ کی دعا اور استغفار ان کے لیے طمانیت کا موجب ہے" اسی طرح مسلمانوں کا میت کے لیے نماز جنازہ میں دعا کرنا، اور زائرین قبر کا قبر والوں کے لیے دعا کرنا۔

وجہ ثانی: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان صرف اپنی کوشش سے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور یہ برحق ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے ذرائع اور اسباب سے اس تک نفع پہنچا دے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جب بھی وہ دعا کرتا ہے فرشتہ آمین کہتا ہے۔ اسی طرح حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص نماز جنازہ پڑھتا ہے اس کو ایک قیراط اجر ملتا ہے اور جو دفن ہونے تک جنازہ کے ساتھ رہتا ہے اس کو دو قیراط اجر ملتا ہے اور ایک قیراط احد پہاڑ جتنا ہے۔" کبھی اللہ تعالیٰ میت کی دعا سے نماز جنازہ پڑھنے والے پر رحمت فرماتا ہے اور کبھی اس زندہ کی دعا سے میت پر رحم فرماتا ہے۔[2]

ایک اور مقام پر شیخ ابن تیمیہ اس آیت کے جواب میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: لیس للانسان الا ما سعٰی "انسان کے لیے صرف اس کی کوشش کا اجر ہے" یہ نہیں فرمایا کہ انسان کو صرف اسی کی کوشش سے نفع ہوتا ہے اور انسان کا صرف اسی اجر پر حق ہے اور اسی کا استحقاق ہے جو اس کی کوشش سے ہو، اگر دوسرا شخص اس پر تبرع اور احسان کر کے اپنی طرف سے اس کو عبادات کا اجر پہنچا دے تو جائز ہے اور مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے صدقات اور دعاؤں سے فائدہ پہنچتا ہے جس طرح دنیا میں انسان کا حق صرف اپنے مال پر ہوتا ہے

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن یوسف سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال الاکمال ج ۴ ص ۳۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[2] شیخ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی حنبلی متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاوی ج ۷، ص ۵۰۰، ۴۹۸ مطبوعہ بامر الفھد بن عبد العزیز آل السعود الطبعۃ الاولیٰ۔

لیکن دوسرا شخص تبرع اور احسان کر کے اس کو اپنے مال سے فائدہ پہنچا دے تو جائز ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسان کا استحقاق صرف اپنی عبادات پر ہے لیکن دوسرے مسلمان جو اس کو تبرع اور احسان سے نیک اعمال کا ایصال ثواب کریں وہ شیخ ابن تیمیہ نے اپنے بعض رسائل میں ایصال ثواب کے ثبوت پر بہت دلائل قائم کیے ہیں۔ اور ہم بھی شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

ایصال ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین کا نظریہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں، زندہ انسان، نماز، روزہ، تلاوت قرآن، حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی، احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے، اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ میت ہے جو تحت الثریٰ میں رہین ہے اور اب نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے، پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۃً پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کو اپنے لیے ذخیرہ کرے، یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے لیے کافی ہے! یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں، پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصال ثواب نہیں کیا! کیونکہ اس قسم کے ایصال ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصال ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصال ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصال ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصال ثواب کیا ہو یا نہ!۔

شیخ ابن قیم نے ایصال ثواب کے دلائل میں سے دعاء استغفار اور نماز جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلۃ اور وسیلۃ (بلند درجہ) کی دعا کی جائے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور یہ قیامت تک مشروع ہے، اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعا، تلاوت قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انھوں نے اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچا ہے، عبدالحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے، امام احمد پہلے ایصال ثواب کا انکار کرتے تھے جب انھیں حضرت ابن عمر کے اس قول کا علم ہوا تو انھوں نے اس انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے

لہ۔ شیخ ابوالعباس احمد بن تیمیہ حرانی حنبلی متوفی ۷۲۸ ھ، مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۳۶۷ مطبوعہ بامر الفہد بن عبدالعزیز السعودی الطبعۃ الاولیٰ

ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھو" اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو، علامہ سیوطی نے کہا جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، عبدالواحد مقدسی نے کہا یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصال ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں، شیخ نے کہا ہر چند کہ صرف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن سکتیں، لیکن بکثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔ [1]

ایصال ثواب کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا، صدقات کرنا اور دیگر تمام عبادات معتبر ہیں [2]

شیخ شبیر احمد عثمانی نے متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کیں اور اس کے بعد لکھا ان احادیث اور آثار کے علاوہ بکثرت احادیث اور آثار ہیں جو حد تواتر تک پہنچتے ہیں اور ان سے ایصال ثواب ثابت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچاتا ہے اس سے دوسروں کو نفع ہوتا ہے اور یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔ [3]

ایصالِ ثواب کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

فاتحہ دلاتے وقت کھانا سامنے رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اور وقت فاتحہ کھانے کے قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصول ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں جو اسے ناجائز و ناروا کہے ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے، ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا و رسول کسی چیز کو ناجائز و ناروا کہہ دینا خدا اور رسول پر افترا کرنا ہے، ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے لیکن نفس فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرج نہیں آتا۔ [4]

ایصال ثواب کی تفصیل اور غنی کے کھانے کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

طعام تین قسم کا ہے ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے، لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں، دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے فقراء اس

---

[1] نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، السراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال، الطبعۃ الاولی، ۱۳۰۲ھ

[2] شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۳ ص ۲۱۳، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۷ھ

[3] شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی۔

[4] اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۵ مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۴ھ

کے لیے لحق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہیے تیسرے وہ طعام کو نذر ارواح طیبہ (اس نذر سے مراد ایصالِ ثواب کی نذر ہے، یہ نذر عرفی ہے، شرعی اور فقہی نذر مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے اس نذر عرفی کی مزید وضاحت عنقریب اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات سے پیش کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہٗ) حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعث برکت ہے۔[1]

گیارہویں شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

گیارہویں شریف جائز ہے اور باعث برکات اور وسیلہ مجربہ قضاء حاجات ہے اور خاص گیارہویں کی تخصیص عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اسے شرعاً واجب نہ جانے۔[2]

بزرگانِ دین کی نذر و نیاز اور تیجہ و چالیسواں اور عرس کے متعلق لکھتے ہیں:

ایصالِ ثواب میں نذر اللہ نہ کہنا چاہیے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اسے نذر کیا جائے، ہاں نذر رسول کہنا صحیح ہے، معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ نذر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے۔ اولیاء کی نذر کے بہت ثبوت ہمارے فتاویٰ افریقہ میں ہیں، شاہ ولی اللہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں سید عبدالرحمٰن ادریسی قدس سرہٗ میں فرماتے ہیں: از اطراف دیار اسلام نذور برائے وے می آوردند (اسلامی ممالک کے اطراف سے سید عبدالرحمٰن کو نذریں پیش کرنے کے لیے لائی جاتی ہیں)۔

تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ جائز ہیں جبکہ اللہ کے لیے کریں اور مساکین کو دیں اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اور ان کا آنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں، فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھائے اپنے بال بچوں کو کھلائے سب اجر ہے ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے لیے حکم بھی دیا اور صحابہ نے ایصالِ ثواب کیا اور آج تک کے مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا، تخصیصات عرفیہ جب کہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں علماء نے مباح کی ہیں۔

اور عرس کہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو اور شیرینی پر ایصالِ ثواب یہ سب جائز ہیں اور نہ ورقبر رکھنے کی ضرورت نہیں نہ اسے بجرم جبکہ لازم نہ جانے۔ ———[3]

تیجہ اور چالیسویں کو معین کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اموات مسلمین کو ایصالِ ثواب قطعاً مستحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ — ("تم میں سے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو نفع پہنچائے") اور یہ تعینات عرفیہ ہیں، ان میں اصلاً حرج نہیں، جبکہ انھیں شرعاً لازم نہ جانے، یہ نہ سمجھے کہ انہیں دنوں ثواب پہنچے گا، آگے پیچھے نہیں۔[4]

---

[1] اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۴ھ

[2] ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴ ، " " " " "

[3] ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۸ ملخصاً ، " " " " "

[4] ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۹ " " " " "

نیز لکھتے ہیں: تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا، ہاں قرآن خوانی پر اجرت لینی دینی منع ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں گے کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے اب یہ اجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس کے مقابل ہے نہ کہ تلاوت قرآن کے [1]

قرآن خوانی کی اجرت لینے کی توجیہات

مصنف کہتا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ نفس قرآن مجید پڑھنے کا معاوضہ نہ طے کیا جائے بلکہ خاص قیود کے بدلے معاوضہ لیا جائے مثلاً فلاں جگہ، فلاں وقت، فلاں شخص کے لیے ایصال ثواب کیا جائے، ان قیودات کا معاوضہ لے، دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا، نفس قرأت کی اجرت نہ لے بلکہ اس کو پڑھنے سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے اس کے ازالہ کے لیے معاوضہ لے، تیسری صورت یہ ہے کہ وہ قرأت کا معاوضہ تو نہیں لیتا لیکن اس وقت وہ اگر کوئی کار معاش کرتا تو اس کو جو اجرت ملتی وہ لیتا ہے، اسی تاویل سے صحابہ نے حضرت ابوبکر اور دیگر خلفائے راشدین کو کار خلافت اور امامت کی اجرت دی اور اسی تاویل سے نماز کی امامت کی اجرت دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قاری لتدفی اللہ قرآن مجید پڑھے اور پڑھوانے والا لتدفی اللہ بلا تعیین کچھ خدمت کر دے اور آج کل اسی کا رواج ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے اس حدیث کے پیش نظر قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے "ان احق ما اخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ" [2] "جن چیزوں پر اجرت لی جاتی ہے ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔"

اعلیٰ حضرت تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

سوم، دہم و چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے، برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کرکے کھلانا بے معنی بات ہے [3]

نیز سوم کے کھانے اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے، مشرک یا چمار (مردار خور) کو اس کا دینا گناہ، فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے، یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیاء کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ [4]

حضرت خاتون جنت کی نیاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں انھیں اس سے باز رکھا جائے۔ [5]

---

[1] اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۲، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۲ھ

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۳، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۲ھ،

[4] 〃 〃 〃 فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، 〃 〃 〃 〃

[5] 〃 〃 〃 فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، 〃 〃 〃 〃

کسی نے کہا کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی (اسی طرح سوئم، چہلم اور عرس کے بارے میں بھی سوال کیا جاتا ہے) اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:
فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول نے منع نہ فرمایا دوسرا اگر منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گڑھے گا۔ ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ○ متاع قلیل ولہم عذاب الیم۔[1]

باب ۵۳۲ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ

موت کے بعد انسان کو عطا ہونے والا ثواب

۴۱۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل منقطع نہیں ہوتے، صدقہ جاریہ، علم نافع اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہے۔

صدقات جاریہ کی وضاحت

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد انسان کے نیک اعمال پر ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین اعمال ایسے ہیں کہ موت کے بعد بھی ان پر ثواب ملتا رہتا ہے، کیونکہ ان کا سبب اسی انسان کا عمل ہے، صدقہ جاریہ مثلاً کوئی انسان مسجد بنا کر فوت ہوا، جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ علم نافع مثلاً کوئی عالم کوئی علمی اور دینی کتاب لکھ کر فوت ہو گیا جب تک دنیا میں وہ کتاب پڑھی جاتی رہے گی اور لوگ اس کے علوم سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ (اے اللہ! اس شرح صحیح مسلم کو بھی صدقہ جاریہ کر دے۔ سعیدی) نیک اولاد بھی چونکہ انسان کی کوشش سے ہوتی ہے اس لیے جب تک اس کی اولاد اس کی اچھی تربیت سے نیکیاں کرے گی اور اس کے

[1] اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۶، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۲ھ

حق میں دعا کرے گی اس کا اجر ملتا رہے گا۔

ایصال ثواب کی وضاحت اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دعا اور صدقات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اسی طرح قرض کی ادائیگی کا ثواب بھی پہنچتا ہے، اگر میت سے حج رہ گیا ہو تو امام شافعی کے نزدیک وہ بھی قرض میں داخل ہے اور اگر نفلی حج کی وصیت کی ہو تو وہ بھی اسی حکم میں ہے، اور اگر اس کے روزے قضا ہوں تو امام شافعی کے نزدیک اس کا ولی اس کی طرف سے روزے بھی رکھ سکتا ہے اور فدیہ بھی دے سکتا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف فدیہ دیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید کی قرأت اور نمازوں کا ثواب پہنچانا امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک میت کی طرف سے ولی کا فرض نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے البتہ ان نمازوں کا روزوں کے برابر فدیہ دیا جاسکتا ہے اور نفلی نمازوں اور قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب میت کو پہنچانا جائز ہے۔

بَابُ ۵۳۳ الْوَقْفِ

وقف کا بیان

۱۱۱۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا قَالَ فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُبْتَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ قَالَ فَتَصَدَّقَ عُمَرُ فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ مُحَمَّدًا فَلَمَّا بَلَغْتُ هٰذَا الْمَكَانَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ قَالَ مُحَمَّدٌ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لیے حاضر ہوئے، اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی ہے کہ اس جیسا مال مجھے کبھی نہیں ملا، میرے خیال میں وہ بہت عمدہ ہے آپ مجھے اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین کو اپنے پاس رکھو اور اس (کی پیداوار) کو وقف کر دو، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ وقف کر دیا کہ اصل زمین کو نہ بیچا جائے نہ خریدا جائے، نہ اس میں وراثت ہو اور نہ اس کو ہبہ کیا جائے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس کو فقراء، قرابت داروں، اللہ کے راستوں، مسافروں اور مہمانوں میں صدقہ کر دیا، اور یہ کہ جو شخص اس زمین کا انتظام کرے اگر وہ بھی دستور کے مطابق اس سے خود کھائے یا اپنے دوستوں کو کھلائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس سے مال جمع نہ کرے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث محمد بن سیرین کے سامنے بیان کی جب میں غیر متمول پر پہنچا تو انھوں نے

غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ ابْنُ عَوْنٍ وَأَنْبَأَنِي مَنْ قَرَأَ هٰذَا الْكِتَابَ أَنَّ فِيهِ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا۔

اس کی جگہ غیر متاثل کہا، ابن عون نے کہا جس نے اس دستاویز کو پڑھا تھا اس نے بتایا کہ اس میں مال کے اعتبار سے غیر متاثل ہی ہے۔

۴۱۱۲۔ حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا أَزْهَرُ السَّمَّانُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ وَأَزْهَرَ انْتَهٰى عِنْدَ قَوْلِهِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ وَأَزْهَرَ انْتَهٰى عِنْدَ قَوْلِهِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ وَلَمْ يُذْكَرْ مَا بَعْدَهُ وَحَدِيثُ ابْنِ أَبِي عَدِيٍّ فِيهِ مَا ذَكَرَ سُلَيْمٌ قَوْلَهُ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ مُحَمَّدًا إِلٰى آخِرِهِ۔

دو مزید سندوں کے ساتھ یہ روایت ہے البتہ ابن ابی زائدہ اور ازہر کی روایت او یطعم صدیقاً غیر متمول فیہ پر ختم ہو گئی اور اس میں اس کے بعد کا ذکر نہیں ہے اور ابن ابی عدی کی روایت میں سلیم کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ میں نے یہ حدیث محمد بن سیرین کو بیان کی۔

۴۱۱۳۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ أَصَبْتُ أَرْضًا مِنْ أَرْضِ خَيْبَرَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا أَحَبَّ إِلَيَّ وَلَا أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرْ فَحَدَّثْتُ مُحَمَّدًا وَمَا بَعْدَهُ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اراضی خیبر میں سے ایک زمین ملی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: مجھے ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے زیادہ اچھا اور پسندیدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا، اس کے بعد حسب سابق روایت ہے اور اس میں محمد بن سیرین کے مقولہ کا ذکر نہیں ہے۔

وقف کا لغوی معنی

علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ: لیث نے کہا ہے کہ "وقف بالمكان وقفا" "کسی شخص نے مکان کو فروخت کر دیا" اس کا معنی ہے دام تا ثما " اس کو ہمیشہ قائم رکھا"۔[1]

وقف کی فقہی تعریف

ملا نظام الدین نے ذکر کیا ہے: امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف کی شرعی تعریف یہ ہے:

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۶ ص ۲۶۸، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۱۳۰۶ھ

حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ علی الفقراء او علی وجہ من وجوہ الخیر بمنزلۃ العواری کذا فی الکافی

کسی چیز کو اصل کو واقف کی ملک پر برقرار رکھنا اور اس کی منفعت کو فقراء پر صدقہ کر دینا، یا اس کی منفعت کو کسی کارِ خیر میں عارضی طور پر خرچ کرنا۔

اس تعریف کے اعتبار سے وقف لازم نہیں ہے اور وقف کرنے والا وقف کر کے رجوع کر سکتا ہے اور اس کو فروخت کر سکتا ہے، ہاں اگر قاضی اس کے لزوم کا فیصلہ کر دے یا وہ وقف کی وصیت کر دے تو پھر وقف لازم ہو جائیگا (نہایہ) اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وقف کی فقہی تعریف یہ ہے۔

حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علی وجہ تعود منفعتہ الی العباد۔

کسی چیز کو حکماً اللہ تعالیٰ کی ملک پر برقرار رکھنا اور اس کے منافع کو بندوں پر صرف کرنا۔

اس تعریف کے اعتبار سے وقف لازم ہے، اس کو فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ اس میں وراثت ہو سکتی ہے۔ (ہدایہ) عیون، یتیمہ اور شیخ ابو المکارم کی شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ فتویٰ صاحبین کی تعریف پر ہے۔ [1]

وقف کا حکم ملا نظام الدین نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک وقف کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز بندے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ عزوجل کی ملک پر برقرار پاتی ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ چیز واقف کی ملک پر برقرار رکھ دی جاتی ہے اور اب کسی دوسرے کی ملک کی طرف منتقل نہیں ہو گی اور اس کے منافع کو صدقہ کر دیا جائے گا۔ اس کے ارکان وہ خاص الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں۔ [2]

وقف کی شرائط ملا نظام الدین نے وقف کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) عقل اور بلوغ: اس لیے بچہ اور مجنون کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲)۔ حریت: غلام کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے

(۳)۔ اس چیز کو وقف کرنا جو فی نفسہ اور خرچ کے وقت عبادت ہو، لہٰذا اگر مسلمان کسی جگہ کو مندر یا گرجا کے لیے وقف کرے تو یہ صحیح نہیں ہے، ہاں ذمی کسی جگہ کو مسجد کے لیے وقف کرے یا مسجد بنا کر دے تو یہ وقف صحیح نہیں ہے اور یہ مسجد نہیں ہو گی یہ سب کا قول ہے (جواہر الاخلاطی) (فتاویٰ رشیدیہ اور معارف القرآن میں اس کے برخلاف لکھا ہے جو غلط ہے۔ اس کی تفصیل شرح صحیح مسلم جلد ثانی کتاب المساجد کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی)

(۴)۔ جس چیز کو وقف کیا جائے وہ واقف کی ملکیت میں ہو۔ جس چیز پر ملکیت فاسد ہو یا غصب شدہ چیز ہو یا کرائے کی جگہ ہو اس کا وقف صحیح نہیں ہے۔

(۵)۔ وقف کرنے والے کے تصرفات پر پابندی نہ ہو، مثلاً وہ کم عقل ہو یا دیوالیہ ہو۔

(۶)۔ جس چیز کو وقف کیا جائے وہ معین ہو، اگر مبہم یا مجہول حصہ کو وقف کیا تو صحیح نہیں ہے۔

(۷)۔ وقف کسی شرط پر معلق نہ ہو، مثلاً اگر کہا کہ میرا بیٹا آگیا تو میرا مکان مساکین پر وقف ہے تو بیٹے کے آنے

---

[1] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۵ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۰ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[2] فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۲

کے بعد بھی مکان وقف نہیں ہوگا۔

(۸)۔ وقف کے ساتھ اس کو فروخت کرنے کی شرط نہ لگائے۔

(۹)۔ وقف کرنے میں خیار شرط نہ لگائے، یہ شرط امام محمد کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک تین دن تک خیار شرط رکھ سکتا ہے۔

(۱۰)۔ وقف ہمیشہ کے لیے کرے۔

(۱۱)۔ وقف کی آمدنی کو غیر متناہی مدت تک کے لیے رکھا جائے۔

(۱۲)۔ جس چیز کو وقف کیا جائے وہ غیر منقول ہو مثلاً زمین یا مکان ہو، منقولات کا وقف صحیح نہیں ہے، البتہ ہتھیار اور اونٹوں کا استثناء ہے۔ [۱]

وقف کے مسائل

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: یہ حدیث اصل وقف کی صحت پر دلیل ہے، ہمارے اور جمہور فقہاء کے نزدیک وقف صحیح ہے، اس حدیث سے وقف کے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱)۔ وقف کی بیع جائز ہے نہ ہبہ، نہ اس میں وراثت ہو سکتی ہے۔

(۲)۔ وقف کی آمدنی یا وقف کو استعمال کرنے کے بارے میں واقف کا شرائط عائد کرنا صحیح ہے۔

(۳)۔ وقف کو واقف کی شرائط کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے۔

(۴)۔ وقف کی فضیلت اور یہ صدقہ جاریہ ہے۔

(۵)۔ وقف کا منتظم وقف کی آمدنی سے اپنے گزارے کے لیے دستور کے مطابق کچھ خرچ لے سکتا ہے۔ [۲]

بَابُ ۵۴۴ تَرْكِ الْوَصِيَّةِ لِمَنْ لَيْسَ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ

جس کے پاس وصیت کے لیے کوئی چیز نہ ہو اس کا وصیت کو ترک کرنا

۴۱۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى هَلْ أَوْصَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا قُلْتُ فَلِمَ كُتِبَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی؟ انھوں نے کہا نہیں! میں نے کہا پھر مسلمانوں پر وصیت کیوں فرض ہے؟ یا انھیں وصیت کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ انھوں نے کہا آپ نے کتاب اللہ عزوجل کے مطابق وصیت کا حکم

---

[۱] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۷ - ۳۵۲، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[۲] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

الْوَصِيَّةُ أَوْ فَلِمَ أُمِرُوا بِالْوَصِيَّةِ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ -

دیا ہے۔

٤١١٥ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ قُلْتُ فَكَيْفَ أُمِرَ النَّاسُ بِالْوَصِيَّةِ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ قُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْوَصِيَّةُ -

دو اور سندوں سے یہ روایت ہے، وکیع کی روایت میں ہے میں نے کہا اگر لوگوں پر وصیت کیوں فرض کی گئی ہے؟ اور ابن نمیر کی روایت میں ہے میں نے کہا مسلمانوں پر وصیت کیوں فرض کی گئی ہے؟

٤١١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَأَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيرًا وَلَا أَوْصَى بِشَيْءٍ -

دو سندوں سے روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، بکری نہ اونٹ، اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

٤١١٧ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كُلُّهُمْ عَنْ جَرِيرٍ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ -

دو اور سندوں سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

٤١١٨ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ ذَكَرُوا عِنْدَ عَائِشَةَ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ وَصِيًّا فَقَالَتْ

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا حضرت علی کے بارے میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) وصیت کی تھی؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ان کے لیے کب وصیت کرتے؟ آپ نے میرے سینے یا میری گود میں ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ آپ نے ایک طشت

مَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ فَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهُ إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ حَجْرِي فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِي حَجْرِي وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ مَاتَ فَمَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ.

۴۱۱۹ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاللَّفْظُ لِسَعِيدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصَى فَقُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُونِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدِي فَتَنَازَعُوا وَمَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ وَقَالُوا مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوهُ قَالَ دَعُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ أُوصِيكُمْ بِثَلَاثٍ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ قَالَ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَهَا فَأُنْسِيتُهَا قَالَ أَبُو إِسْحٰقَ إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ.

۴۱۲۰ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ يَوْمُ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ ثُمَّ جَعَلَ تَسِيلُ دُمُوعُهُ حَتَّى رَأَيْتُ عَلَى خَدَّيْهِ كَأَنَّهَا نِظَامُ

منگا یا پھر آپ میری گود میں گر پڑے اور مجھے پتا نہ چلا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں، آپ نے کس وقت ان کے لیے وصیت کی؟

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا! جمعرات کا دن بھی کس قدر ہولناک دن تھا جمعرات کا دن! پھر حضرت ابن عباس اس قدر روئے کہ ان کے آنسوؤں سے کنکریاں تر ہو گئیں، میں نے کہا اے ابن عباس! جمعرات کے دن کیا واقعہ ہوا تھا؟ حضرت ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد زیادہ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا! قلم اور کاغذ لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے (قلم اور کاغذ کے متعلق) صحابہ آپس میں اختلاف کرنے لگے اور نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں تھا، صحابہ نے کہا کیا سبب ہے؟ کیا آپ الوداع ہو رہے ہیں؟ آپ سے پوچھو! آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں وہ بہتر ہے۔ میں تم کو تین چیزوں کی وصیت کر رہا ہوں، مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو، وفود کی اس طرح عزت کیا کرو، جس طرح میں عزت کرتا ہوں، تیسری بات سے حضرت ابن عباس خاموش ہو گئے یا انھوں نے بیان کی تھی اور میں بھول گیا۔

حسن بن بشر کہتے ہیں کہ سفیان نے بھی ہمیں یہ حدیث بیان کی ہے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جمعرات کا دن! جمعرات کا دن بھی کس قدر ہولناک دن تھا! پھر حضرت ابن عباس اس قدر روئے کہ ان کے رخساروں پر آنسو اس طرح بہنے لگے جیسے موتیوں کی لڑیاں ہوں، حضرت ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس ہڈی اور دوات

اللؤلؤ فقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ائتوني بالكتف والدواة او اللوح والدواة اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فقالوا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يهجر۔

لاؤ یا فرمایا تختی اور دوات لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو سکو گے، صحابہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوداع ہو رہے ہیں۔

۴۱۲۱- وحدثني محمد بن رافع و عبد بن حميد قال عبد اخبرنا و قال ابن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم و في البيت رجال فيهم عمر بن الخطاب فقال النبي صلى الله عليه وسلم هلم اكتب لكم كتابا لا تضلون بعده فقال عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد غلب عليه الوجع و عندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختصموا فمنهم من يقول قربوا يكتب لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده و منهم من يقول ما قال عمر فلما اكثروا اللغو والاختلاف عند رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا قال عبيد الله فكان ابن عباس يقول ان الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم و بين ان يكتب لهم ذلك الكتاب من اختلافهم و لغطهم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت آیا، اس وقت حجرے میں کئی شخص تھے جن میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے، حضرت عمر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے، پھر (اس مسئلہ میں) گھر والوں کا اختلاف ہوا اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے، بعض یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قلم اور کاغذ دو تاکہ وہ تمہیں ایسی چیز لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو، اور بعض صحابہ حضرت عمر کی طرح کہتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی بحث اور تمحیص بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اٹھ جاؤ" اور حضرت ابن عباس یہ کہتے تھے کہ سب سے بڑی پریشانی کی بات وہ بحث اور تمحیص تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوانے کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصیت نہ کرنے پر سوالات کے جوابات

طلحہ بن مصرف نے یہ سوال کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وصیت نہیں کی تو ہم کو وصیت کا کیوں حکم دیا؟ غالباً انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ وصیت کا حکم اب بھی باقی ہے، حالانکہ یہ حکم اب منسوخ ہو چکا تھا۔ ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ حدیث نمبر ۴۱۱۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکالنے کی وصیت کی اور وفود کی عزت کرنے کی وصیت کی پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے وصیت نہیں کی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے مال کی وصیت نہیں کی تھی۔

احادیث اہل سنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اور وصیت کی نفی

حدیث نمبر ۴۱۱۶ میں ہے حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ اس حدیث سے شیعہ حضرات کے اس قول کا رد کرنا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں فدک کی زمین تھی جس کی وارث سیدتنا حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تھیں اور وہ ان کو وراثت میں نہیں دیا گیا، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے لیے خاص وصیت کی تھی جو اور لوگوں کے لیے نہیں کی اور وہ خلافت کی وصیت تھی۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں ان دونوں چیزوں کا رد ہے کیونکہ آپ نے کوئی مال چھوڑا تھا نہ آپ نے کوئی وصیت کی تھی، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تصریح کی ہے: امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال یوم الجمل: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعهد الینا عهداً ناخذ به فی امارة ولکنه شئ رأیناه من قبل انفسنا، ثم استخلف ابو بکر رحمة اللہ علی ابی بکر فقام واستقام ثم استخلف عمر، رحمة اللہ علی عمر فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانه۔ [1]

حضرت علی نے جنگ جمل کے دن فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کے بارے میں ہمیں کوئی وصیت نہیں کی جس پر ہم عمل کرتے لیکن یہ ایسی چیز ہے جس پر ہم نے اپنی طرف سے غور کیا، پھر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا، حضرت ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو، انھوں نے بڑی درستی کے ساتھ کار خلافت سر انجام دیے، پھر حضرت عمر کو خلیفہ بنایا گیا، اللہ حضرت عمر پر رحمت فرمائے، انھوں نے کار خلافت بڑی درستی کے ساتھ سر انجام دیے، حتیٰ کہ دین نے اپنے قدم جما لیے۔

اور امام حاکم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن قیس بن عباد قال دخلت انا والاشتر علی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یوم الجمل فقلت هل عهد الیک رسول اللہ

قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں اور اشتر جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے میں نے کہا کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص وصیت کی ہے

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۱۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ ھ

صلی اللہ علیہ وسلم عہدا دون العامۃ فقال لا الا ھذا واخرج من قراب سیفہ فاذا فیھا المؤمنون تتکافأ دماءھم ویسعیٰ بذمتھم ادناھم وھم ید علی من سواھم لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ [1]

جو دوسرے صحابہ کے بارے میں نہیں کی، حضرت علی نے فرمایا نہیں پھر انھوں نے تلوار کے غلاف سے کچھ نکال کر فرمایا: البتہ یہ احکام ہیں کہ تمام مسلمانوں کے خون (ان کی جانیں) مساوی ہیں اور ایک عام مسلمان بھی کسی کو اپنی پناہ دے سکتا ہے اور وہ اپنے ماسوا پر قوی ہیں اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ذمی کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی،

عن عبد اللہ بن سبیع قال لعلی الا تستخلف قال لا ولکن اترککم الی ما ترککم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابویعلیٰ ورجالہ ثقات۔

عبداللہ بن سبیع کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ اپنا جانشین (خلیفہ) نہیں بنائے حضرت علی نے فرمایا نہیں لیکن میں تم کو اس طرح چھوڑ کر جاؤں گا جس طرح تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے۔

ان احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مال چھوڑا تھا اور نہ کسی کو جانشین بنانے کی وصیت کی تھی اور اس کا ثبوت کتب شیعہ میں بھی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے۔

احادیث اہل تشیع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اور وصیت کی نفی

شیخ ابوجعفر کلینی روایت کرتے ہیں:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظا وافرا الحدیث۔ [2]

ابوعبداللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء درہم اور دینار کا وارث نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنی احادیث میں سے احادیث کا وارث کرتے ہیں سو جس نے ان احادیث میں سے کچھ حاصل کیا، اس نے ایک عظیم حصہ حاصل کیا۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقا یطلب فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا

ابوعبداللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ، المستدرک ج ٥ ص ١٢١ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ
[2] شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ٣٢٩ھ، الفروع من الکافی ج ١ ص ٣٢، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران

الی الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بہ وانہ یستغفر لطالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النجوم لیلۃ البدر وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔ [1]

پر چلائے گا اور بے شک طالب علم کو راضی کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور طالب علم کی مغفرت کے لیے تمام آسمان اور زمین والے دعا کرتے ہیں حتی کہ سمندر کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں اور عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر فضیلت ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے البتہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے ایک عظیم حصہ کو حاصل کیا۔

ان دونوں حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام مال کو وراثت میں نہیں چھوڑتے سو یہ کہنا غلط ہے کہ نبی علیہ السلام نے فدک کو وراثت میں چھوڑا تھا۔

اَھَجَرَ کی تحقیق

حدیث نمبر ۴۱۱۹ میں ہے اَھَجَرَ اس لفظ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ ھُجر (بضم الھاء) سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہذیان یعنی شدت مرض کی بناء پر مریض کا اول فول اور بے ربط باتیں کرنا یعنی کیا آپ ہذیان کہہ رہے ہیں؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی آپ العیاذ باللہ کوئی ہذیان تو نہیں کہہ رہے سنجیدگی سے کاغذ اور دوات منگوا رہے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ھَجر (بفتح الھاء) سے ماخوذ ہو اس کا معنی فراق اور وداع ہے اور یہی معنی صحابہ کرام کے مقام کے لائق ہے یعنی آپ جو وصیت لکھوانے کے لیے کاغذ اور دوات منگوا رہے ہیں تو کیا آپ ہم سے الوداع ہو رہے ہیں؟

حدیث قرطاس میں حضرت عمر پر حضور کا کہنا نہ ماننے کا اعتراض اور اس کے جوابات۔!

حدیث قرطاس کی بناء پر اہل تشیع کا مشہور اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ اور دوات لانے کا حکم دیا تھا اور حضرت عمر اور ان کے موافقین نے کاغذ اور دوات نہ لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی، اس کا الزامی جواب یہ ہے کہ اگر یہ بالفرض معصیت ہے تو اس میں حضرت عمر اور ان کے موافقین منفرد نہیں ہیں بلکہ اس معصیت میں تمام اہل بیت شریک ہیں، کیونکہ کاغذ اور دوات کسی نے لا کر نہیں دی، خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے، امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ ما لا تضل امتہ من

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک طبق لے کر آؤں جس پر آپ ایسی چیز لکھ دیں گے جس

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی ج ۱ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران۔

بعدہ، قال فخشیت ان تفوتنی نفسہ، قال: قلت انی احفظ واعی قال اوصی بالصلوٰۃ والزکاۃ وما ملکت ایمانکم۔ [1]

کی وجہ سے آپ کی امت آپ کے بعد گمراہ نہیں ہوگی حضرت علی نے کہا مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں آپ فوت نہ ہوجائیں میں نے کہا میں اس کو حفظ کرلوں گا اور یاد کرلوں گا! آپ نے فرمایا میں نماز، زکوٰۃ اور غلاموں اور باندیوں (کے ساتھ حسن سلوک) کی وصیت کرتا ہوں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر اور ان کے موافقین کا دوات اور کاغذ نہ لاکر دینا کسی عناد اور معصیت کی بناء پر نہیں تھا مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو درد سے شدید تکلیف ہو رہی ہے اور اس حالت میں لکھوانے سے کہیں آپ کو زیادہ تکلیف نہ ہوجائے اس لیے ان کا یہ کہنا حسبنا کتاب اللہ "ہمیں کتاب اللہ کافی ہے" آپ سے شدید محبت اور آپ کو تکلیف کی شدت سے بچانے کے لیے تھا، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار قریش نے صلح نامہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا محمد رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو تو حضرت علی نے فرمایا لا واللہ لا امحوک ابدا۔ "نہیں خدا کی قسم! میں آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا!" [2] تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی نے عناد اور معصیت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانا بلکہ ہر خردمند اور صاحب عقل شخص یہی کہے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس حکم کو نہ ماننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت کی بناء پر تھا۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک تمام منافقین کو تہ تیغ نہ کرلیں اور فارس اور روم پر اسلام کے جھنڈے نہ گاڑ دیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لکھا تو کوئی بات نہیں تندرست ہونے کے بعد لکھ دیں گے اس توجیہ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، امام ابن سعد واقدی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ ائتونی بدواۃ وصحیفۃ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فقال عمر بن الخطاب من لفلانۃ وفلانۃ من مدائن الروم؟ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بمیت حتی نفتتحہا۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا مجھے دوات اور کاغذ لاکر دو میں تم کو ایسی چیز لکھ کر دوں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے! حضرت عمر بن الخطاب نے کہا فلاں فلاں اور روم کے شہروں کا کیا ہوگا، جب تک ہم ان شہروں کو فتح نہ کرلیں، رسول اللہ فوت نہیں ہوں گے۔

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۹۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[3] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی فوت نہیں ہوں گے، اس لیے جلدی کی کیا ضرورت ہے، بلکہ اس شدید علالت میں آپ کو لکھوانے کی زحمت دی جائے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد غالب ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمیں کتاب اللہ کافی ہے!

اس اعتراض کا چوتھا جواب یہ ہے کہ کئی مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر اپنی رائے پیش کرتے، اگر وہ رائے صحیح ہوتی تو حضور حضرت عمر کے مشورے کو قبول فرما لیتے اور اگر غلط ہوتی تو رد فرما دیتے مثلاً صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو اپنی نعلین دے کر یہ اعلان کرنے کے لیے کہا جو شخص صمیم قلب سے لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اس کو جنت کی بشارت دے دو، حضرت عمر نے مشورہ دیا فخلھم یعملون۔ لوگوں کو عمل کرنے دیں یعنی اس بشارت سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر لوگ عمل کرنا نہ چھوڑ دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو قبول فرما لیا، عبداللہ بن ابی ابن سلول کی نماز جنازہ پڑھنے سے حضرت عمر نے بہت اختلاف کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے قبول نہیں فرمائی اور عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی، صلح حدیبیہ کی شرائط سے حضرت عمر نے بہت شدید اختلاف کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے اختلاف کی طرف توجہ نہیں کی اور انھیں شرائط پر صلح کی۔ اگر اس موقع پر بھی حضرت عمر کی رائے غلط اور خطاء تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تردید کرتے اور اتنے اہم امر کا لکھوانا نہ چھوڑتے جس پر مسلمانوں کے گمراہی سے بچنے کا مدار تھا، نبی کی بعثت ہی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں کو بیان کرے جن پر گمراہی سے بچنا موقوف ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے امر کو حضرت عمر کے کہنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تو یہ العیاذ باللہ منصب نبوت اور رسالت کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کا پانچواں جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے دوات اور کاغذ کو لا کر نہیں دیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عتاب کیا نہ انھیں کوئی سزا دی نہ ان کی تردید اور تغلیط کی البتہ اس میں بحث کرنے والوں سے یہ فرمایا "کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ نبی کے پاس بیٹھ کر بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔" جتنی بات غلط تھی (یعنی نبی کے سامنے آپس میں بحث کرنا) اس غلطی پر ٹوک دیا اگر دوات اور کاغذ لاکر نہ دینا بھی غلط ہوتا تو اس پر بھی ٹوک دیتے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو لکھوا رہے تھے اگر وہ مسلمانوں کے دین اور شریعت کی کوئی ضروری اور ناگزیر چیز تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھوانے کو کبھی ترک نہ کرتے، حضرت عمر تو الگ رہے اگر ساری کائنات بھی مخالفت کرتی تب بھی آپ اس کو ترک نہ کرتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (مائدہ ۶۷) "جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے کار رسالت انجام نہ دیا" جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی سخت مخالفت دھمکیوں اور ضرر رسانیوں کے باوجود تبلیغ ترک نہیں کی تھی۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن زندہ رہے (کیونکہ یہ جمعرات کا واقعہ ہے اور پیر کو آپ کا وصال ہوا ہے) پس جس چیز کو آپ لکھوانے کے لیے کہہ رہے تھے اگر اس کا لکھوانا ضروری ہوتا تو ان دنوں میں آپ لکھوا دیتے، جبکہ ان ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور متعدد احکام ثابت ہیں اور بہت سی روایات میں ہے کہ ان ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں تخفیف ہو گئی تھی اگر یہ کوئی ناگزیر چیز تھی تو آپ ان

ایام میں لکھوا دیتے۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ اگر یہ کوئی اہم چیز نہیں تھی اور واقعۃً ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم بادلائل بیان کر چکے ہیں تو حضرت عمر پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر نے ایک غیر اہم چیز کے لیے شدت مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔

نواں جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے امت پر شفقت کی خاطر یا کسی اور سبب سے کچھ لکھوانا چاہا بعد میں وحی کے ذریعہ یا اجتہاد سے آپ پر منکشف ہوا کہ اس چیز کا نہ لکھوانا ہی بہتر ہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ شریعت میں جو احکام آ چکے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی تاکید کے طور پر کچھ لکھوانا چاہتے تھے اور جب حضرت عمر نے کہا حسبنا کتاب اللّٰہ "ہمیں کتاب اللہ کافی ہے"! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاکید کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی خلافت کے بارے میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے؟

اہل تشیع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی خلافت کے بارے میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے اس کی مخالفت کی۔ یہ صرف بے بنیاد مفروضہ ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اول تو یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے کہ آپ امر خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے۔ اور اگر آپ بالفرض امر خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے تو یہ کیسے لازم آیا کہ آپ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے ہوں۔ اور قرائن سے یہی ثابت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو حج میں اپنا خلیفہ بنایا اور حضور کی زندگی میں حضرت ابو بکر کی قیادت اور امامت میں مسلمانوں نے فریضہ حج ادا کیا، دو بار آپ نے حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز کا کچھ حصہ پڑھا ایک بار جب بنو عمرو بن عوف کی صلح کے لیے تشریف لے گئے تھے تو عصر کی نماز کا کچھ حصہ حضرت ابو بکر کی اقتداء میں پڑھا اور جب حضرت ابو بکر کو علم ہوا تو وہ پیچھے آ گئے اور باقی نماز آپ نے پڑھائی[1] اور دوسری بار پیر کا دن تھا جب آپ کا وصال ہوا اس دن صبح کی نماز آپ نے حضرت ابو بکر کی اقتداء میں پڑھی، یہ آپ کی دنیا میں آخری نماز تھی[2] آپ نے اپنی آخری علالت میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پیہم منع کرنے کے باوجود باصرار فرمایا: مروا ابابکر ان یصلی بالناس[3] "ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" اور ایام علالت میں حضرت ابو بکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں[4]

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۸۳ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[4] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۳ ص ۹۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر ثبوت حدیث کے تینوں طریقوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر ہی مسلمانوں کے امام تھے اور آپ رفیق اعلیٰ سے اس حال میں واصل ہوئے کہ مسلمانوں کو حضرت ابوبکر کی امامت کے سپرد کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت فرمایا: ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے اس شخص پر راضی ہو گئے جس کی ہمارے دین میں امامت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو چکے تھے۔ [1]

حضرت ابوبکر کے استخلاف پر سب سے واضح اور روشن قرینہ یہ حدیث ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابا بکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول انا اولی ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت میں فرمایا: اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں انہیں (امر خلافت) لکھ کر دے دوں، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا (خلافت کی) تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو نہیں مانیں گے۔!

اس حدیث کو امام بخاری نے دو جگہ روایت کیا ہے، کتاب المرض میں [3] اور کتاب الاحکام میں [4]۔

جو لوگ صحیحین کی اس روایت (حدیث قرطاس) کی وجہ سے حضرت عمر پر اعتراض کرتے ہیں انہیں صحیحین کی اس روایت پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرقہ وفاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقال الا تصلیان فقلت یا رسول اللہ انفسنا بید اللہ فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا فانصرف حین قلت ذلک ولم یرجع

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور حضرت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کیا تم نماز نہیں پڑھتے! میں نے کہا یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے! جب میں نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ

[1] حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۲۵۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۵ھ
[3] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[4] ؍؍ ؍؍ ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲، ۱۰۷۱، ؍؍ ؍؍ ؍؍

الی شیئا ثم سمعته وهو مول یضرب فخذه وهو یقول وکان الانسان اکثر شیٔ جدلا۔ ؎

وسلم واپس لوٹ گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے سنا جب آپ پیٹھ پھیر کر جا رہے تھے تو اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے: "انسان سب سے زیادہ بحث کرنے والا ہے۔"

؎ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب النذر

باب ۵۳۵

۴۱۲۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ ابْنِ الْمُهَاجِرِ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ابْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِهِ عَنْهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی والدہ نے ایک نذر مانی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی طرف سے نذر پوری کر دو۔

۴۱۲۳ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَإِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ وَمَعْنَى حَدِيثِهِ.

پانچ دیگر اسانید کے ساتھ بھی یہ روایت منقول ہے۔

٤١٢٤ - حدثني زهير بن حرب و إسحاق بن إبراهيم قال إسحاق أخبرنا وقال زهير حدثنا جرير عن منصور عن عبد الله بن مرة عن عبد الله بن عمر قال أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ينهانا عن النذر ويقول إنه لا يرد شيئا وإنما يستخرج به من الشحيح.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نذر سے منع فرمانے لگے اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی، نذر کی وجہ سے (غریبوں کے لیے) بخیل سے مال نکلوایا جاتا ہے۔

٤١٢٥ - حدثنا محمد بن يحيى حدثنا يزيد بن أبي حكيم عن سفيان عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال النذر لا يقدم شيئا ولا يؤخره وإنما يستخرج به من البخيل.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر کسی چیز کو مقدم یا مؤخر نہیں کرتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

٤١٢٦ - حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا غندر عن شعبة ح وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشار واللفظ لابن المثنى حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن منصور عن عبد الله بن مرة عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن النذر وقال إنه لا يأتي بخير وإنما يستخرج به من البخيل.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی خیر کو نہیں لاتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

٤١٢٧ - حدثني محمد بن رافع حدثنا يحيى بن آدم حدثنا مفضل ح وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا حدثنا عبد الرحمن عن سفيان كلاهما عن منصور بهذا الإسناد نحو حديث جرير.

دو دیگر اسانید سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

٤١٢٨ - وحدثنا قتيبة بن سعيد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنْذِرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر مت مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر کو ٹال نہیں سکتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

۴۱۲۹- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ الْعَلَاءَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ مِنَ الْقَدَرِ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر تقدیر کو نہیں ٹالتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

۴۱۳۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَرِّبُ مِنِ ابْنِ آدَمَ شَيْئًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ قَدَّرَهُ لَهُ وَلَكِنِ النَّذْرُ يُوَافِقُ الْقَدَرَ فَيُخْرَجُ بِذَلِكَ مِنَ الْبَخِيلِ مَا لَمْ يَكُنِ الْبَخِيلُ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر ابن آدم کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں لا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر نہ کی ہو، لیکن نذر تقدیر کے موافق ہو جاتی ہے اور بخیل جو مال نکالنا نہیں چاہتا اس سے وہ مال نکلوا لیتی ہے۔

۴۱۳۱- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے۔

۴۱۳۲- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ

حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا، ثقیف نے رسول اللہ

قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ بَنِي عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ وَأَصَابُوا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ فَأَتَى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْوَثَاقِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ بِمَ أَخَذْتَنِي وَبِمَ أَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ فَقَالَ إِعْظَامًا لِذَلِكَ أَخَذْتُكَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيفَ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ قَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِي وَظَمْآنُ فَأَسْقِنِي قَالَ هَذِهِ حَاجَتُكَ فَفُدِيَ بِالرَّجُلَيْنِ قَالَ وَأُسِرَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَأُصِيبَتِ الْعَضْبَاءُ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ فِي الْوَثَاقِ وَكَانَ الْقَوْمُ يُرِيحُونَ نَعَمَهُمْ بَيْنَ يَدَيْ بُيُوتِهِمْ فَانْفَلَتَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْوَثَاقِ فَأَتَتِ الْإِبِلَ فَجَعَلَتْ إِذَا دَنَتْ مِنَ الْبَعِيرِ رَغَا فَتَتْرُكُهُ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْعَضْبَاءِ فَلَمْ

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا، اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے پاس گئے دراں حالیکہ وہ شخص بندھا ہوا تھا، وہ کہنے لگا اے محمد! (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس سے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حاجیوں کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ (یعنی عضباء) اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے اس بات کو عظیم گردانتے ہوئے فرمایا: میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف کے بدلے میں پکڑا ہے، پھر آپ چلے گئے، اس نے کہا: یا محمد، یا محمد! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہربان اور رقیق القلب تھے آپ اس کی طرف لوٹ آئے اور فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں! آپ نے فرمایا اگر تو یہ اس وقت کہتا جب تجھے اپنے معاملہ کا اختیار تھا (یعنی گرفتار ہونے سے پہلے) تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا، پھر آپ چل دیے، اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد! یا محمد! آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھلایئے! اور میں پیاسا ہوں مجھے کچھ پلایئے! آپ نے اس کو کوئی چیز دے کر فرمایا، یہ لو اپنی حاجت پوری کرو، پھر اس کو ان دو شخصوں کے عوض چھوڑ دیا گیا (جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا) راوی کہتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت گرفتار کر لی گئی تھی اور عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا گیا تھا وہ عورت بندھی ہوئی تھی اور ثقیف کے لوگ اپنے گھروں کے سامنے اپنے جانوروں کو آرام پہنچا رہے تھے، ایک رات وہ عورت قید سے بھاگ نکلی، اور اونٹوں کے پاس گئی وہ جس اونٹ کے پاس جاتی وہ آواز نکالنے لگتا، اور وہ اس کو چھوڑ دیتی، پھر وہ عورت عضباء اونٹنی کے پاس گئی اس نے کوئی آواز نہیں نکالی

نُوِّقٍ فَقَالَ وَنَاقَةٌ مُنَوَّقَةٌ فَقَعَدَتْ فِي
بِهَا فَطَلَبُوهَا فَأَعْجَزَتْهُمْ قَالَ وَنَذَرَتْ
لِلّٰهِ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ عَلَيْهَا لَتَنْحَرَنَّهَا
فَلَمَّا قَدِمَتِ الْمَدِينَةَ رَآهَا النَّاسُ فَقَالُوا
الْعَضْبَاءُ نَاقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّهَا نَذَرَتْ إِنْ نَجَّاهَا
اللّٰهُ عَلَيْهَا لَتَنْحَرَنَّهَا فَأَتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ
لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بِئْسَمَا جَزَتْهَا
نَذَرَتْ لِلّٰهِ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ عَلَيْهَا
لَتَنْحَرَنَّهَا لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ
وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ وَفِي
رِوَايَةِ ابْنِ حُجْرٍ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ
اللّٰهِ۔

راوی نے کہا وہ بہت مسکین اونٹنی تھی، وہ عورت اس اونٹنی
[illegible] پیچھا کیا لیکن
اس عورت نے ان کو عاجز کر دیا، راوی کہتے ہیں کہ اس
عورت نے اللہ کی نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو
اس اونٹنی کے ساتھ نجات دے دی تو وہ اس کی قربانی
دے گی، جب وہ عورت مدینہ منورہ پہنچ گئی اور صحابہ
نے اس کو دیکھا تو کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی
عضباء ہے، اس عورت نے کہا اس نے نذر مانی تھی کہ
اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اونٹنی کے ساتھ نجات دے
دی تو وہ اس کی قربانی دے گی، صحابہ کرام
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس
واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس عورت نے
عضباء کو کتنا برا صلہ دیا ہے؟ اس نے اللہ کی نذر مانی
کہ اگر اللہ نے اس کو عضباء پر نجات دے دی تو وہ
اس کو ذبح کر دے گی! گناہ کی نذر کو پورا نہیں کیا جائے
گا اور نہ اس چیز کی نذر کو پورا کیا جائے گا جس کا انسان
مالک نہیں ہے۔ اور ابن حجر کی روایت میں ہے: اللہ
کی معصیت میں نذر پوری نہیں کی جائے گی۔!

۴۱۳۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ
حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا
إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ
الثَّقَفِيِّ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ
نَحْوَهُ وَفِي حَدِيثِ حَمَّادٍ قَالَ كَانَتِ
الْعَضْبَاءُ لِرَجُلٍ مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ وَكَانَتْ
مِنْ سَوَابِقِ الْحَاجِّ وَفِي حَدِيثِهِ أَيْضًا
فَأَتَتْ عَلَى نَاقَةٍ ذَلُولٍ مُجَرَّسَةٍ وَفِي
حَدِيثِ الثَّقَفِيِّ وَهِيَ نَاقَةٌ مُدَرَّبَةٌ۔

دیگر دو سندوں سے یہ حدیث مروی ہے،
اور حماد کی روایت میں ہے کہ عضباء بنو عقیل کے ایک
شخص کی تھی اور وہ حجاج کو پہلے پہنچانے والی اونٹنیوں
میں سے تھی، اور اس روایت میں ہے کہ وہ عورت ایک
مسکین اونٹنی کے پاس آئی جس کے گلے میں گھنٹی پڑی
ہوئی تھی اور ثقفی کی روایت میں ہے کہ وہ سدھائی
ہوئی اونٹنی تھی۔

۴۱۳۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هَذَا قَالُوا نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ۔

اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو دو آدمیوں کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے جا رہا تھا، آپ نے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، آپ نے فرمایا: یہ شخص اپنے آپ کو جو عذاب دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

۴۱۳۵ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ شَيْخًا يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ يَتَوَكَّأُ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَأْنُ هَذَا قَالَ ابْنَاهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَ عَلَيْهِ نَذْرٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْكَبْ أَيُّهَا الشَّيْخُ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ وَابْنِ حُجْرٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان پر ٹیک لگا کر چل رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کیا ہوا؟ اس کے بیٹوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے (پیدل چلنے کی) نذر مانی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے شیخ سوار ہو! اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے! یہ الفاظ قتیبہ اور ابن حجر کے ہیں۔

۴۱۳۶ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اس روایت کی مثل منقول ہے۔

۴۱۳۷ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى بْنِ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی کہ میں بیت اللہ تک ننگے پاؤں جاؤں گی انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کر کے آؤں۔ میں نے آپ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ حَافِيَةً فَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فَقَالَ لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ۔

سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔

٤١٣٨- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا الْخَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ نَذَرَتْ أُخْتِي فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مُفَضَّلٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ حَافِيَةً وَزَادَ وَكَانَ أَبُو الْخَيْرِ لَا يُفَارِقُ عُقْبَةَ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ مفضل کی حدیث میں ننگے پیروں کا ذکر نہیں ہے۔

٤١٣٩- وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ قَالَا حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ أَخْبَرَهُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل منقول ہے۔

٤١٤٠- وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ يُونُسُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ شُمَاسَةَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر کا وہی کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

نذر کا لغوی معنی

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں: نذر منّت ہے، انسان جس کام کی منت مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے اس کو نذر کہتے ہیں، یہ نذر ینذرُ اور نذر ینذُرُ دونوں طرح مستعمل ہے۔ "اللہ سبحانہ کے لیے نذر کی" اس کا معنی ہے کسی صدقہ یا عبادت کو تبرعاً اپنے اوپر لازم کر لیا، قرآن مجید میں ہے کہ عمران کی بیوی نے کہا: رب انی نذرت لك ما فی بطنی محررا۔ "اے میرے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کی تیرے لیے منت مانتی ہوں کہ میں اس کو دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی" ابن اثیر کہتے ہیں کہ نذر کی احادیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے، یہ درحقیقت نذر کے حکم کی تاکید ہے اور نذر واجب کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی کرنے سے ممانعت ہے، اگر ان احادیث سے نذر ماننے کی ممانعت مراد ہوتی تو نذر ماننا معصیت ہوتا اور اس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا، ان احادیث کی یہ توجیہ اس لیے کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ نذر ماننے کی وجہ سے کوئی نفع جلد حاصل ہوتا ہے نہ کوئی ضرر دور ہوتا ہے اور نہ اس سے تقدیر کو ٹالا جا سکتا ہے، اس لیے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نذر ماننے کی وجہ سے تم اس چیز کو حاصل کر لو گے جو تمہاری تقدیر میں نہیں ہے یا تم قضاء کو ٹال دو گے تو نذر مت مانو، اور جب تم اس عقیدہ کے بغیر نذر مانو تو اس نذر کو پورا کرو، کیونکہ وہ تم پر لازم ہے۔[1]

نذر کا شرعی معنی

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: نذر ایک عبادت مقصودہ ہے اور عبادات واجبہ کی جنس سے ہے۔ (جو عبادت فی نفسہا واجب نہ ہو جیسے دخول مسجد، عیادت مریض، جنازہ میں شریک ہونا، اور اوراد اور وظائف کا پڑھنا یا واجب تو ہو لیکن فی ذاتہا مقصود نہ ہو جیسے قرأت قرآن اور وضو کرنا، اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے) جیسے کوئی شخص روزہ، نماز، صدقہ، حج، اعتکاف، وقف یا کسی اور عبادت مقصودہ واجبہ کی نذر مانے۔[2]

نذر کا حکم

نذر کا پورا کرنا واجب ہے، قرآن مجید میں ہے: ولیوفوا نذورہم (حج: ۲۹) "وہ اپنی نذروں کو پورا کریں" ہر چند کہ قرآن مجید سے نذر پورا کرنے کا لزوم فرضیت کا تقاضا کرتا ہے لیکن چونکہ اس آیت کی لزوم پر قطعی دلالت نہیں ہے اس لیے نذر کا پورا کرنا فرض نہیں ہے واجب ہے اور لزوم قطعی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مطلقاً نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے چنانچہ معصیت کی نذر کو عبادات نافلہ کی نذر کو اور عبادات واجبہ غیر مقصودہ کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

اس باب کی احادیث سے بھی نذر پورا کرنے کا لزوم ثابت ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نذر کا پورا کرنا کتاب، سنت اور اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔[3]

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۳ ص ۵۶۱، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۹۱ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول۔

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۹۱، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول

نذر کی شرائط ملا نظام الدین نے نذر کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) جس چیز کی نذر مانی ہے اس کی جنس سے کوئی عبادت شرعاً واجب ہو، اسی لیے عیادت مریض کی نذر صحیح نہیں ہے۔

(۲) جس چیز کی نذر مانی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو، کسی دوسری عبادت کا وسیلہ نہ ہو، اسی لیے وضو اور سجدہ تلاوت کی نذر صحیح نہیں ہے۔

(۳) جس چیز کے لیے نذر مانی ہے وہ فی نفسہٖ معصیت نہ ہو۔ (البحر الرائق)

(۴) جن عبادات کی نذر مانی ہے وہ فی نفسہا فرض یا واجب نہ ہو، مثلاً کوئی شخص ظہر کی نماز کی نذر مان لے تو صحیح نہیں ہے۔

(۵) جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کا کرنا محال نہ ہو، مثلاً کوئی شخص کہے اگر اللہ تعالیٰ نے میرا کام کر دیا تو میں گذشتہ کل میں روزہ رکھوں گا۔ (البحر الرائق)[1]

نذر کی اقسام علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: نذر کی چار قسمیں ہیں: (۱) عبادت جیسے نماز (۲) معصیت جیسے زنا۔ (۳) مکروہ جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر (۴) مباح جیسے مباح کھانے پینے یا مباح لباس پہننے کی نذر۔ عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور باقی اقسام کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔[2]

صحیح یہ ہے کہ عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے، معصیت کی نذر کو پورا کرنا معصیت کی نوعیت کے اعتبار سے ممنوع ہے، حرام کی نذر حرام ہے، مکروہ تحریمی کی نذر مکروہ تحریمی ہے، مکروہ تنزیہی کی نذر مکروہ تنزیہی ہے اور مباح کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من نذر ان یطیع الله فلیطعه ومن نذر ان یعصیه فلا یعصه۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نذر مانی وہ شخص اس عبادت کو کرے اور جس شخص نے گناہ کرنے کی نذر مانی وہ اس گناہ کو نہ کرے۔

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے یا کسی اور عبادت کی نذر کی اور نذر پورا کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس کی نذر پوری کر دے۔ نماز کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ میت کی طرف سے

---

[1] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۸ مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

نماز نہ پڑھے، کیونکہ نماز کا کسی حال میں کوئی بدل نہیں ہے، اور باقی عبادات میت کی طرف سے کرنی جائز ہیں، لیکن میت کے ولی پر واجب نہیں ہیں بلکہ بطور صلہ رحمی اور احسان کے مستحب ہیں۔ سعید نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ عبدالکریم بن ابی امیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنی والدہ کی نذرِ اعتکاف کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا تم ان کی طرف سے روزہ رکھو اور اعتکاف کرو! اور عامر بن شعیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمان کی موت کے بعد ان کی طرف سے اعتکاف کیا، اور امام مالک نے فرمایا کوئی شخص کسی کی طرف سے نہیں جائے، نہ نماز پڑھے اور نہ اس کی طرف سے روزہ رکھے اور نماز کے قیاس پر باقی بدنی اعمال ہیں، اور امام شافعی نے کہا میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یہ قول واحد ہے، اور روزے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہ رکھے البتہ ہر روزے کے بدلے میں میت کا ولی ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول نے فرمایا: من مات وعلیہ صیام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين۔ "جو شخص فوت ہو گیا درآں حالیکہ اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے" (سنن ابن ماجہ) غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ ظاہر احادیث کی وجہ سے ولی پر میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ دینا واجب ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے، ہاں اگر میت پر کوئی مالی حق ہو اور میت کا ترکہ ہو تو پھر میت کے ولی پر اس حق کو ادا کرنا واجب ہے۔ اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میت کے قرض کے مشابہ قرار دیا ہے اور جب تک میت کا ترکہ نہ ہو میت کا قرض ادا کرنا ورثاء پر واجب نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: میت کی طرف سے روزہ رکھنے کے جواز پر ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من مات وعليه صيام صام عنه وليه "جو شخص فوت ہو گیا درآں حالیکہ اس پر روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے"، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی درآں حالیکہ اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے" (صحیح بخاری ومسلم) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہو گئی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔ (صحیح بخاری) یہ احادیث میت کی طرف سے حج کرنے، روزہ رکھنے اور نذر پوری کرنے میں قطعاً صریح ہیں اور باقی امور کو ان احادیث پر قیاس کیا جائے گا، اور حضرت ابن عمر سے جو روزے کے بدلے میں فدیہ کی روایت ہے وہ رمضان کے فرض روزوں پر محمول ہے (جو شارع نے واجب کیے ہیں) تاکہ ان احادیث میں تعارض نہ ہو، اور اگر تعارض فرض کیا جائے تو میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی احادیث کی تعداد زیادہ ہے اور یہ احادیث زیادہ صحیح ہیں اس لیے ان احادیث کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو اولیٰ یہ ہے کہ میت کی طرف سے میت کا وارث

میت کی نذر کو پورا کرے، اور اگر وارث کا غیر نذر پوری کر دے تو یہ بھی جائز ہے، جس طرح غیر وارث کا میت کی طرف سے قرض ادا کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی نذر کو قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس پر قیاس کیا ہے، کیونکہ میت کا وارث میت کی طرف سے احسان اور تبرع کرتا ہے اور وارث کا غیر بھی اس کی طرح تبرع کر سکتا ہے اور اگر میت نے مال کی نذر کی ہو تو اس کے ترکہ سے متعلق ہو گی۔ ا؎

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی والدہ کی طرف سے ان کی نذر پوری کرو" اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت کی طرف سے اس کے حقوق واجبہ ادا کرنا جائز ہے، حقوق مالیہ کے ادا کرنے کے جواز پر اجماع ہے، اور حقوق بدنیہ کے ادا کرنے میں اختلاف ہے، امام شافعی اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ، نذر اور کفارہ میت پر جو حقوق مالیہ واجب ہیں ان کو میت کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے، خواہ میت نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ جیسا کہ قرض کا حکم ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ مسلک ہے کہ میت نے جب تک وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے کسی چیز کو ادا کرنا واجب نہیں ہے، اور میت کی طرف سے روزہ ادا کرنے کی جو احادیث ہیں ان کو ماہرین نے معلل اور مضطرب قرار دیا ہے۔ ۲؎

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی لکھتے ہیں:

میت کی نذر یا صرف مال کے ساتھ خاص ہو گی، جیسے صدقہ اور غلام آزاد کرنا یا صرف بدن کے ساتھ خاص ہو گی جیسے نماز اور روزہ، یا مال اور بدن دونوں کے ساتھ متعلق ہو گی۔ پس اگر نذر صرف مال کے ساتھ خاص ہو جیسے صدقہ اور وقف وغیرہ تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت کے ورثاء اور ان کا غیر کوئی شخص بھی میت کی طرف سے نذر ادا کر سکتا ہے، اور اگر وہ نذر نماز اور روزے کی طرح بدن کے ساتھ خاص ہو تو کسی شخص کا بھی اس نذر کو میت کی طرف سے ادا کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر یہ نذر مال اور بدن دونوں سے متعلق ہو جیسے حج تو اس میں امام مالک کہتے ہیں کہ اس کے لیے میت کی وصیت صحیح ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ میت کے وارثوں میں سے جو چاہے میت کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔

علامہ ابوالولید باجی مزید لکھتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ نے کس چیز کی نذر مانی تھی، حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اگر یہ نذر صرف مال کی تھی یا مال اور بدن دونوں سے متعلق عبادت کی تھی، تب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نذر کو ادا کرنے کا حکم ظاہر ہے اور اگر یہ نذر اس عبادت کی تھی جو بدن کے ساتھ خاص ہے تو آپ نے اس کا حکم

ا؎ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲؎ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

نہیں دیا کیونکہ جس طرح فرائض بدنیہ میں نیابت صحیح نہیں ہے اسی طرح بدنی عبادت کی نذر میں بھی نیابت صحیح نہیں ہے۔[1] وسلم نے اس کو ادا کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ آپ نے حضرت سعد سے ان کی والدہ کی نذر کے بارے میں فرمایا: اقضہ عنہا "اس کی طرف سے نذر ادا کرو" البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیونکہ امام مالک نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد[2] "کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے" اس لیے حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کی نذر مالی عبادت یا مال اور بدن سے متعلق عبادت پر محمول ہوگی۔

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ میت کی نذر کو اس کی طرف سے پورا کرنا واجب ہے خواہ روزہ کی نذر ہو یا نماز کی اور فقہاء شافعیہ نے کہا کہ میت کی طرف سے نماز پڑھنا اور حج کرنا جائز ہے، اور توضیح میں ہے کہ فقہاء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ رکھا جائے نہ نماز پڑھی جائے، اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ رکھا جا سکتا ہے، امام احمد، اسحاق، ابوثور اور غیر مقلدین کا بھی نظریہ ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے، فرض نہ سنت، نہ زندہ کی طرف سے نہ مردہ کی طرف سے، کیونکہ امام مالک نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے۔ نیز علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام نسائی نے بھی روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی کی طرف سے روزہ رکھے، فقہاء احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے یا کسی کی طرف سے روزہ رکھے۔[3]

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا درآں حالیکہ اس پر حج فرض تھا تو اس کے ورثاء پر اس کی طرف سے حج کرنا لازم نہیں ہے خواہ اس نے حج کی وصیت کی ہو یا نہ، اور اگر اس نے حج کی وصیت کی اور اس کے تہائی مال سے حج کیا جا سکتا ہے تو میت کی وصیت کے مطابق اس کی طرف سے حج کیا جائے گا اور اگر میت کے تہائی ترکہ سے حج نہیں کیا جا سکتا تو میت کی وصیت باطل ہو جائے گی۔[4]

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک میت کی نذر پوری کرنا ورثاء پر اس وقت لازم ہے جب میت نے

---

[1] قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف باجی اندلسی مالکی متوفی ۴۹۴ ھ، المنتقی ج ۳ ص ۲۴۰ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

[2] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ ھ، موطا امام مالک ص ۲۴۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

[3] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۰ - ۲۰۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[4] " " " " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱۴

مالی عبادت یا مال اور بدن سے متعلق عبادت کی نذر مانی ہو اور میت کے تہائی (۱/۳) ترکہ سے وہ نذر پوری کی جا سکتی ہو اور میت نے اس نذر کو پورا کرنے کی وصیت بھی کی ہو۔ اگر میت نے وصیت نہیں کی تو اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے البتہ تبرعاً اور احساناً ورثاء یا ان کا غیر اس نذر کو پورا کر دے تو جائز ہے، جس طرح میت کو ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے۔

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں غیر مقلدین کا نظریہ

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں میت کی نذر مالی عبادت کی ہو یا بدنی عبادت کی اس کے ورثاء پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ظاہر حدیث اہل ظاہر کے ساتھ ہے۔ [۱]

اولیاء اللہ کی نذر ماننے کا معروف اور مروّج غلط طریقہ اور اس کی اصلاح کی صورتیں

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

اکثر عوام فوت شدہ لوگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر روپے پیسے، موم بتیاں اور تیل لے جاتے ہیں یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔ [۲]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانتا ہے: "اے سیدی! اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آیا یا میرا بیمار تندرست ہو گیا یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں آپ کو اتنا سونا، چاندی یا کھانا یا موم بتیاں یا تیل دوں گا" یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں: پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ نہیں میت کا تصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ اس کی اصلاح کی یہ صورت ہے کہ نذر ماننے والا اللہ کی نذر مانے اور کہے اے اللہ اگر میرا مریض شفایاب ہو گیا، یا میرا گم شدہ شخص واپس آ گیا یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں تیری نذر مانتا ہوں کہ میں (مثلاً) سیدہ نفیسہ، یا امام شافعی یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مساجد کے لیے چٹائیاں لے جاؤں گا یا ان مساجد کے لیے تیل یا روپے پیسے لے جاؤں گا۔ نذر اللہ عزوجل کی ہو اور اولیاء کرام کا ذکر صرف نذر کا مصرف متعین کرنے کے لیے ہو، اور جو فقراء اولیاء اللہ کے مزارات یا مساجد پر اس امید سے بیٹھے ہوتے ہیں ان پر اس نذر کو خرچ کیا جائے۔ اس نذر کو غنی، عہدہ دار اور سادات پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور شریعت میں نذر کو اغنیاء پر صرف کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس پر

---

[۱] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، المسلک الوہاج ج ۱ ص ۷۰۵ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۲ھ

[۲] علامہ علاؤالدین الحصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور منعقد نہیں ہوتی اور نہ ہی مزارات کے خادموں کے لیے اس نذر کا لینا جائز ہے الا یہ کہ وہ فقراء ہوں اور ان کے اہل وعیال کسب سے عاجز ہوں۔ [1]

ملا نظام الدین حنفی (مرتب فتاویٰ عالمگیری) نے ذکر کیا ہے:

اکثر عوام اس طرح نذر مانتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان کے مزار کی چادر اٹھا کر کہتے ہیں: اے سیدی فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو مثلاً آپ کو اتنا سونا دوں گا" یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔ ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر مثلاً میرا بیٹا شفاء یاب ہو گیا تو میں مثلاً سیدہ نفیسہ کے دربار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مسجد کے لیے چٹائیاں اور روشنی کے لیے موم بتیاں دوں گا یا مسجد کے منتظم کو خرچ کے لیے پیسے دوں گا۔ یہ نذر اللہ تعالیٰ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کے مستحقین کے محل کو متعین کرنے کے لیے ہو تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس نذر کو غیر فقراء پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، کسی ذی علم عالم پر اور نہ شیخ کے خدام اور حاضرین پر الا یہ کہ وہ فقراء ہوں۔ پس اولیاء اللہ کے مزارات پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو پیسے چڑھائے جاتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک ان پیسوں کو زندہ فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اکثر لوگ اس غلط کام میں مبتلا ہیں۔ النہر الفائق اور البحر الرائق میں اسی طرح لکھا ہے۔ [2]

اولیاء اللہ کی مروّج نذر کے متعلق شاہ مسعود دہلوی کا نظریہ

شاہ محمد مسعود دہلوی لکھتے ہیں: اگر کوئی نذر ماننے والا نذر کو واسطے اللہ کے خالصاً ماننے اور کہے کہ اے بار خدایا! یہ نذر واسطے تیرے ہے اگر فلاں حاجت پوری ہو جائے گی تو فلاں درگاہ کے فقراء کو دوں گا تو جائز ہے کما فی الشامی اور یہی عالمگیری میں ہے، پس تا وقتیکہ نذر خالصاً للہ نہ ہو اور صرف اس کا واسطے فقراء زندوں کے نہ ہو جائز نہیں اور حرام ہے بالاجماع۔ [3]

اولیاء اللہ کی مروّج نذر کے متعلق مولانا ریاست علی خان کا نظریہ

مولانا ریاست علی خان سے سوال کیا گیا: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بکرا جو عوام الناس میں شیخ سدو کے نام کا مقرر کرتے ہیں اور نذر مانتے ہیں کہ اگر ہماری مراد پوری ہو جائے گی تو تمہارے نام کا بکرا ذبح کریں گے تو کھانا اس گوشت کا حرام ہے یا حلال اور ایسی نذر درست ہے یا نہیں؟

مولانا ریاست علی خان جواب میں لکھتے ہیں:

کھانا اس گوشت کا بلاشبہ حرام ہے اس لیے کہ اس میں تعظیم اور تقرب اور اہلال الی غیر اللہ پایا گیا کہ شرح شریف میں

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۵۷ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[3] شاہ محمد مسعود دہلوی ۱۳۹۶ھ، فتاویٰ مسعودی ص ۴۴۰ مطبوعہ سرہند پبلی کیشنز کراچی، ۱۴۰۷ھ

ایسی تنظیم اور تقرب کی ممانعت صریح ثابت ہے اور ایسی نذر نادرست اور حرام ہے۔ لہ

اولیاء اللہ کی مروج نذر کے متعلق شاہ عبدالعزیز کا نظریہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے پہلے فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۹۵ پر عالمگیری کی مذکور الصدر عبارت کا ترجمہ کیا ہے اس کے بعد اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

قضاء حاجات کے لیے اولیاء اللہ کی جو نذر معروف اور مروج ہے، اکثر فقہاء اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے، انھوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر پر قیاس کر کے یہ کہا ہے کہ اگر ولی کے لیے بالاستقلال نذر ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور ولی کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو تو جائز ہے، لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ میت کی روح کو طعام کا ہدیہ پہنچانا امر ممکن ہے اور یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت سعد کی والدہ کا ذکر صحیحین میں ہے، اس نذر کا خلاصہ یہ ہے کہ فلاں ولی کی طرف اتنی چیز کے ثواب کی نسبت ہے اور ولی کا ذکر نذر شدہ عمل کی تعیین کے لیے ہے، صرف کے ذکر کے لیے نہیں ہے، نذر کرنے والے کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس ولی کے متعلقین، قرابت دار، خدام اور اہل طریقت ہوتے ہیں اور نذر کرنے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے، اس نذر کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ عبادت مقصودہ ہے۔ ہاں اگر اس ولی کو بالاستقلال حلال مشکلات سمجھتا ہو یا اس کے شفیع غالب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو یہ شرک ہے اور ایسی نذر ناجائز ہے۔ ؎

شاہ عبدالعزیز کا مطلب یہ ہے کہ عوام جو چیزیں اولیاء اللہ کو نذر کرتے ہیں وہ درحقیقت ایصال ثواب کا نذرانہ ہے اور لغوی نذر ہے اور یہ ایصال ثواب ولی کے خدام، اقرباء اور متعلقین کے لیے ہے اور یہ شرعی نذر نہیں ہے، جس میں یہ کہا جائے کہ "اگر فلاں بزرگ نے میرا یہ کام کر دیا تو میں اس کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا، یا اس کی درگاہ میں اتنی چیزیں دوں گا" اور اگر کسی نے ایسا کہا تو یہ ناجائز ہے اس کی تصریح شاہ عبدالعزیز نے اسی فتاویٰ میں اس سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے کر دی ہے۔ ؎

کیا میت کے لیے لغوی نذر ماننا جائز ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی حاجت کے وقت اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانے:

اے داتا! اگر تو نے میری یہ حاجت پوری کر دی تو میں تیرے لیے ایک بکرا پیش کروں گا" تو یہ نذر جائز ہے کیونکہ یہ نذر لغوی ہے اور جو نذر غیر اللہ کی حرام ہے وہ نذر فقہی یا نذر شرعی ہے۔ اور نذر لغوی اور شرعی میں ان لوگوں کے نزدیک صرف یہ فرق ہے کہ نذر شرعی میں اللہ کی نذر مانی جاتی ہے اور نذر لغوی میں اولیاء اللہ کی نذر مانی جاتی ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اسی طرح غیر اللہ کے لیے سجدہ، طواف، روزہ اور دیگر عبادات بھی

لہ۔ مولانا ریاست علی خان، جامع الفتاوی ج ا ص ۴۳، مطبع اسلامی پریس شاہ جہاں پور، ۱۳۲۲ھ

؎۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ، فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۲۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ۔

؎۔ " " " ، فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۹۵، " " "

جائز ہو جائیں گی مثلاً کوئی شخص کسی ولی کو سجدہ کرے گا اور کہے گا یہ لغوی سجدہ ہے کوئی شخص کسی ولی کی قبر کا طواف کرے گا اور کہے گا کہ یہ لغوی طواف ہے اور کوئی شخص کسی ولی کے لیے روزہ رکھے گا اور کہے گا یہ لغوی روزہ ہے، اس طرح لغت کے سہارے غیر اللہ کے لیے تمام عبادات کا دروازہ کھل جائے گا، کیونکہ جس طرح نذر بالاتفاق عبادت ہے لیکن لغوی نذر غیر اللہ کے لیے شرعاً مانی جا سکتی ہے تو اسی طرح غیر اللہ کے لیے لغوی نماز پڑھی جا سکتی ہے، غیر اللہ کے لیے لغوی روزے رکھے جا سکتے ہیں اور لغوی حج کیے جا سکتے ہیں وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

لغوی قسم اور لغوی نذر کی تحقیق

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز ہے حالانکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں اور اس کا یہی جواب ہے کہ غیر اللہ کی شرعی اور فقہی قسم ناجائز ہے اور غیر اللہ کی لغوی قسم کھانا جائز ہے۔ سو اسی قیاس پر غیر اللہ کی شرعی اور فقہی نذر ناجائز ہے اور غیر اللہ کی لغوی نذر جائز ہے۔

یہ دلیل متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ غیر اللہ کے لیے قسم کا ذکر قرآن اور حدیث میں آگیا ہے اس لیے اس میں تاویل کی ضرورت ہے اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننے کا ذکر چونکہ قرآن اور حدیث میں نہیں ہے اس لیے اس کو تاویل سے غیر اللہ کے لیے جائز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم اور غیر اللہ کی قسم میں صرف لغت اور اصطلاح کا فرق نہیں ہے بلکہ اصل فرق یہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ضرور بالضرور اس کام کو کرے گا اور اگر نہیں کیا تو کفارہ قسم ادا کرے گا، اور جب غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم سے اس کا مقصود فقط اس نام کی تعظیم ہوتا ہے اور قسم کھانے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ یہ کام کرے گا بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام پر غیر اللہ کی قسم کھائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس قسم کو پورا نہ کرے اور اگر اس نے کسی کام پر غیر اللہ کی قسم کی کہ اس کام کو پورا کیا تو ایسے شخص کو فقہاء نے کافر قرار دیا ہے، اس فرق کو ذکر کرنے کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں، ہمارے مشائخ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس عقیدہ سے غیر اللہ کی قسم کھائی کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے تو یہ کفر ہے اور اس عقیدے کے بغیر حرام ہے۔ جواز صرف اس صورت میں ہے کہ جب غیر اللہ کی قسم کھانے سے صرف غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہو یا کسی کلام کی تاکید مقصود ہو، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر اللہ کی قسم میں اس کی تعظیم سے اللہ کی تعظیم کی تشبیہ کا قصد کیا تو یہ بھی کفر ہے۔[1]

تیسری وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کا جواز صرف اس لیے ہے کہ اس میں قسم کے الفاظ کا ذکر ہوتا ہے لیکن قسم سے جو مقصود ہوتا ہے "کسی کام کو ضرور بالضرور کرنا اور نہ کرنے کی صورت میں کفارہ دینا" وہ اس قسم میں مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف تاکید اور تعظیم مقصود ہوتی ہے اور یہ شرط ملحوظ ہے کہ جس کام کے لیے غیر اللہ کی قسم کھائی جائے اس کو پورا نہ کیا جائے جیسا کہ ہم علامہ شامی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں سو اس قسم کے فرق کے ساتھ اگر غیر اللہ کی نذر کی جاتی تو جائز ہے، اللہ کی نذر اس لیے مانی جاتی ہے کہ اللہ نذر ماننے والے کی حاجت پوری کر دے اور نذر

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۱۶ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

ماننے والا حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے لیے وہ نذر پیش کرتا ہے سو اگر اولیاء اللہ سے حاجت بر آری مقصود نہ ہو اور نہ یہ التزام ہو کہ حاجت پوری ہونے کے بعد وہ اولیاء اللہ کے حضور کوئی چیز پیش کرے تو ایسی نذر اولیاء اللہ کے لیے قطعاً جائز ہے اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے مثلاً مالی اور بدنی نفلی عبادات کا ثواب اولیاء اللہ کی نذر کیا جائے تو یہ صحیح ہے، قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اسلاف کے معمولات میں اس کی بکثرت نظائر ہیں اور آج کل جس طرح ان پڑھ عوام اپنی حاجات میں اولیاء اللہ کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور حاجات پوری ہونے کے بعد مزارات پر نذریں پیش کرتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو لغوی نذر کہہ کر سند جواز پیش کرتے ہیں، اس کا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے کتب فتاویٰ میں اس نذر کو حرام کہا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے اس میں کتب فقہیہ کو چھوڑ کر بعض غیر معصوم اور غیر معروف صوفیوں کے اقوال اور احوال سے استدلال کرنا کوئی فقاہت نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف سے بعید ہے۔

مصیبت کے وقت کفار مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی نذر ماننا

جو لوگ اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں انھیں ان آیات پر غور کرنا چاہیے:

هو الذي يسيركم في البر والبحر حتى اذا كنتم في الفلك ج وجرين بهم بريح طيبة وفرحوا بها جاءتها ريح عاصف وجاءهم الموج من كل مكان وظنوا انهم احيط بهم دعوا الله مخلصين له الدين ج لئن انجيتنا من هذه لنكونن من الشاكرين ○ فلما انجاهم اذا هم يبغون في الارض بغير الحق ط يايها الناس انما بغيكم على انفسكم متاع الحيوة الدنيا ثم الينا مرجعكم فننبئكم بما كنتم تعملون۔

(یونس: ۲۲ - ۲۳)

وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے اور موافق ہوا کے ساتھ وہ کشتیاں چلیں اور وہ (اس سفر سے) شادمان تھے، کہ اچانک ان کشتیوں کو ایک تیز آندھی نے آلیا اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ سمجھے کہ ہم طوفان میں گھر گئے ہیں، اس وقت انہوں نے اللہ کو پکارا درانحالیکہ وہ خالص اسی کے عبادت گزار تھے (اور کہا) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دیدی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس (طوفان) سے بچا لیا تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگے، اے لوگو! تمہاری بغاوت تمہاری ہی جانوں پر ضرر ہے، دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ اٹھا لو پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، اس وقت ہم تم کو تمہارے کرتوت بتائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا ہے کہ کٹر سے کٹر مشرک اور پکا بت پرست بھی سخت مصیبت میں اللہ کو پکارتا تھا، اللہ سے دعا کرتا تھا اور اسی کی نذر مانتا تھا اگر ہم مسلمان کہلا کر اپنی حاجات میں اللہ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کی نذر مانیں تو کس قدر افسوسناک اور لائق مذمت ہے۔

ہر چند کہ اولیاء اللہ کو غیر مستقل اور اللہ کے اذن سے متصرف سمجھ کر ان سے مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے، لیکن

مستحسن بھی نہیں ہے مستحسن یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ سے دعا کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذا سئلت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ "جب سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو" اس لیے یہ چاہیے کہ اولیاء اللہ اور دیگر محبوبان خدا کا صرف وسیلہ پیش کیا جائے اور دعا ہر حال میں اللہ سے مانگی جائے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۶) اور اپنی حاجات اور مصیبتوں میں غیر اللہ کی نذر ماننا بہر حال ناجائز ہے البتہ عبادات کے ایصال ثواب کو نذر کرنا ایک الگ چیز ہے۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے بارے میں راہ اعتدال اپنایئے!

ان پڑھ لوگوں کو اولیاء اللہ کی نذریں مانتا دیکھ کر، ان کے مزارات مقدسہ کا طواف اور سجدے کرتے دیکھ کر اور مزارات کی تعظیم میں رکوع کی حد تک ان پڑھ لوگوں کو جھکتے ہوئے دیکھ کر مجھے ایک بڑے حد سے رنج اور قلق رہتا ہے، ہر چند کہ ان میں سے کوئی چیز کفر اور شرک نہیں ہے لیکن ان کے حرام ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب افراط اور تفریط کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف بعض وہ انتہا پسند علماء ہیں، جو ان چیزوں کو منع کرنے میں حد شرعی سے نکل گئے اور جو چیزیں حرام تھیں ان کو انھوں نے کفر اور شرک کہہ دیا، اور بہت سی چیزیں ہیں جو مباح اور مستحب ہیں جیسے میلاد نبوی، غوث اعظم کی گیارہویں، فاتحہ، سوم، چہلم اور عرس وغیرہ ان کو بدعت سیئہ اور حرام کہہ دیا اور دوسری طرف وہ ان پڑھ غالی عوام ہیں جو خدا کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کی نذریں مانتے ہیں، نماز، روزہ اور دیگر فرائض پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے بجائے میلاد شریف اور گیارہویں شریف کو کافی سمجھتے ہیں، نماز روزے کے قریب نہیں جاتے اور گیارہویں شریف کو چھوڑتے نہیں دیتے، ایک وہ انتہا پسند علماء ہیں جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی قبروں پر غیر شرعی کاموں کو روکنے میں اس قدر جری اور بے باک ہوئے کہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تنقیص اور توہین شروع کر دی کہ یہ کسی چیز کے مالک اور مختار نہیں، ہماری لاٹھی فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نبی اتنا فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ (العیاذ باللہ!) اور بتوں کی آیات کو انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر چسپاں کرنا شروع کر دیا، دوسری طرف وہ ناپختہ واعظین ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں حد شرعی سے نکل جاتے ہیں۔ یہ لوگ جب نبی کی فضیلت بیان کرنے پر آتے ہیں تو نبی کو خدا سے بڑھائے بغیر ان کو مزہ نہیں آتا اور جب ولی کی تعریف بیان کرتے ہیں تو اس کو نبی سے بڑھا دیتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ دونوں جانبوں سے افراط اور تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کو اپنایا جائے کہ وہی حق ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔

نذر سے ممانعت کی وجوہات:

حدیث نمبر ۴۱۲۴ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی۔ نذر کے لغوی معنی کی بحث میں ہم علامہ ابن اثیر جزری کے حوالے سے نذر کی ممانعت کی توجیہات بیان کر چکے ہیں۔ ان توجیہات کے علاوہ کچھ اور توجیہات حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ نذر ماننے والا عبادت کو بوجھ سمجھتا ہے اور جب تک ان کا مطلوبہ کام نہ ہو جائے اور اس پر عبادت لازم نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ عبادت نہیں کرتا، اس وجہ سے کسی کام کی خاطر عبادت کی نذر ماننا مکروہ ہے۔

(۲) علامہ مازری کہتے ہیں کہ جب نذر ماننے والا اپنے کسی کام پر عبادت کو موقوف کر دیتا ہے اور اس کام کے بعد عبادت کرتا ہے تو یہ عبادت بمنزلہ معاوضہ ہو جاتی ہے، اس لیے نذر ماننا مکروہ ہے۔

(۳)۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر مکروہ

ہے ورنہ نہیں۔ علامہ ابن اثیر کی بیان کردہ توجیہات کا حاصل بھی قاضی عیاض کی طرح ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر ماننا مکروہ ہے ورنہ نہیں، اور علامہ مازری کی توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ نذر ماننا مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے خواہ یہ عقیدہ ہو یا نہ ہو، تحقیق یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر ماننا حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اظہار اسلام کے بعد قیدی کو کفار کے حوالے کرنے کے جوابات

حدیث نمبر ۴۱۳۲ میں ہے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا، اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلمہ اسلام پڑھ لیا، پھر ثقیف نے جن دو مسلمانوں کو گرفتار کیا تھا ان کے عوض اس شخص کو چھوڑ دیا گیا۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کفار کے حوالے کیوں کر دیا؟ علامہ نووی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کو دار کفر میں بھیج دیا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں ہی رہا ہو اور اس کو گرفتار شدہ مسلمانوں کا فدیہ قرار دینا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو دار کفر میں لوٹا دیا جائے، فدیہ کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ اس کو ان کے بدلے میں آزاد کر دیا جائے۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ اس کو دار کفر میں لوٹا دیا تھا تو یہ اس لیے تھا کہ وہ شخص اپنے قبیلہ کی قوت کے سبب اپنے دین کے اظہار پر قادر تھا۔

بعض علماء نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ اس شخص نے مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے اظہار اسلام کیا تھا اور وہ دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو نور نبوت سے جان لیا تھا اس لیے آپ نے اس کو کفار کے حوالے کر دیا، یہ وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ کے علاوہ اور کوئی شخص کسی کے دل کے حال کو نہیں جان سکتا۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کفار کے ساتھ قیدیوں کے تبادلہ کا معاہدہ ہو اور آپ نے اس معاہدہ کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے آپ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کفار قریش کے حوالے کر دیا تھا، حالانکہ مسلمان ان کو واپس کرنے پر بہت مضطرب تھے۔

نذر معصیت پر کفارہ کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی معصیت کی نذر مانی اس نذر کو پورا کرنا اجماعاً ناجائز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ۔ "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے"، نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور نذر ماننے والے شخص پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت عمران بن حصین اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ایک ایسا قول بھی منقول ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اس نذر میں کفارہ نہیں ہے، کیونکہ

انھوں نے کہا جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ کسی شخص کا گھر منہدم کر کے ایک ایک اینٹ کر دے گا اس پر کفارہ نہیں ہے۔ مسروق اور شعبی سے بھی یہی روایت ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا نذر فی معصیۃ اللہ ولا فیما لا یملک العبد "اللہ کی معصیت میں نذر جائز ہے اور نہ اس چیز میں جو بندہ کی ملکیت میں نہیں ہے" (مسلم) اور فرمایا: "جو چیز بندے کی ملکیت میں نہ ہو اس میں نذر جائز نہیں ہے" (بخاری و مسلم) "اسی چیز میں نذر (جائز) ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا جائے" (ابوداؤد) اور آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر کی وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔ ان احادیث میں آپ نے کفارہ کا حکم نہیں دیا، اسی طرح جو عورت کفار کے ہاں قیدی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر اس نے نجات پائی اور اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی تو وہ اس اونٹنی کو ذبح کر دے گی (حدیث نمبر ۴۱۳۲ مسلم) اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بئس ما جزیتھا لا نذر فی معصیۃ اللہ ولا فیما لا یملک العبد "تم نے عضباء کو برا صلہ دیا ہے، اللہ کی معصیت میں نذر ہے اور نہ اس چیز میں جس کا بندہ مالک نہیں ہے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، اور جب ابو اسرائیل نے یہ نذر مانی کہ وہ دھوپ میں کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا اور نہ سائے میں آئے گا اور نہ بات کرے گا تو آپ نے اس سے فرمایا: "اس سے کہو باتیں کرے اور بیٹھے، اور سائے میں آئے اور اپنا روزہ پورا کرے" (بخاری) آپ نے اس کو کفارے کا حکم نہیں دیا کیونکہ نذر عبادت کو لازم کرنا ہے اور یہ معصیت کو لازم کرنا تھا، نیز اس لیے کہ یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس لیے اس سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا جیسا کہ یمین غیر منعقدہ سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔

امام احمد کے پہلے قول پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا نذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین "معصیت میں نذر (جائز) نہیں ہے اور اس کا وہ کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے" (مسند احمد، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران بن حصین سے بھی اس کی مثل روایت ہے، نیز حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نذر کی دو قسمیں ہیں جو نذر اللہ کی اطاعت میں ہو وہ نذر اللہ کے لیے ہے اور اس کا پورا کرنا (لازم) ہے اور جو نذر اللہ کی معصیت میں ہو اس کا پورا کرنا (جائز) نہیں ہے۔ اور اس کا وہ کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے"، اس حدیث میں کفارہ کی تصریح ہے، نیز نذر بھی قسم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: النذر حلفۃ "نذر قسم ہے"، اور جب حضرت عقبہ کی بہن نے پیادہ بیت اللہ جانے کی نذر مانی اور پھر انھیں اس کی طاقت نہیں رہی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کفارہ قسم دیں۔ یہ حدیث صحیح ہے (سنن ابوداؤد) اور ایک روایت میں ہے "وہ تین دن کے روزے رکھیں" امام احمد فرماتے ہیں میرا یہی مذہب ہے۔ جس عورت نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اپنی قسم کا کفارہ دو، اور اگر کوئی شخص گناہ کرنے کی قسم کھائے تو اس پر کفارہ لازم ہے، اسی طرح گناہ کی نذر پر کفارہ لازم ہوگا۔

امام احمد کے دوسرے قول کی تائید میں (امام مالک اور امام شافعی کے موافق) جو احادیث بیان کی گئی ہیں ان

میں صرف اتنا بیان کیا ہے کہ اللہ کی معصیت میں نذر پوری کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، امام مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے نیز یہ ولا یمین فی قطیعۃ رحم ۔ "قطع رحم میں قسم (جائز) نہیں ہے" کے سیاق میں ہے یعنی اس کو پورا نہ کرے اور اگر ان احادیث میں کفارہ کا بیان نہیں کیا تو دوسری احادیث میں کفارہ کا بیان کر دیا ہے (جن کو مسند احمد، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے) اس لیے ان احادیث کو بھی لزوم کفارہ پر محمول کیا جائے گا۔ [1]

نذر معصیت پر لزوم کفارہ کے بارے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

حدیث نمبر ۴۱۳۲ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا وفاء لنذر فی معصیۃ ولا فیما لا یملک العبد وفی روایۃ لا نذر فی معصیۃ اللہ تعالیٰ،

"معصیت کی نذر کو پورا کرنا (جائز) نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر کو جس کا انسان مالک نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جس شخص نے شراب پینے یا کسی اور معصیت کی نذر مانی اس کی نذر باطل ہے، وہ نذر منعقد نہیں ہوتی، اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے نہ کوئی اور۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، داؤد ظاہری اور جمہور فقہاء کا یہی نظریہ ہے، البتہ امام احمد کا یہ قول ہے کہ اس میں قسم کا کفارہ واجب ہے، کیونکہ حضرت عمران بن حصین اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "معصیت میں نذر (جائز) نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے" اور جمہور کا استدلال حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے جو صحیح مسلم میں ہے (یعنی حدیث نمبر ۴۱۳۲) اور جس حدیث سے امام احمد نے استدلال کیا ہے اس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ [2]

نذر معصیت پر لزوم کفارہ کے بارے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی اُبی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی نذر میں کفارہ نہیں بیان کیا۔ امام مالک اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ اور کوفیوں نے یہ کہا ہے کہ اس میں کفارہ ہے ان کا استدلال امام ترمذی اور امام ابوداؤد کی اس روایت سے ہے: "معصیت میں نذر (جائز) نہیں ہے اور اس کا وہ کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے" اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معلول ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں آپ نے جائز نذر کا کفارہ بیان کیا ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے۔ [3]

نذر معصیت پر لزوم کفارہ کے بارے میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ

مذاہب ائمہ کو بیان کرتے ہوئے علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی اور علامہ ابوعبداللہ وشتانی اُبی مالکی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نذر معصیت میں کفارۂ قسم ہے اور یہ صحیح ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۶۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا یہی نظریہ ہے۔ البتہ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی نے جو لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک معصیت میں نہ کفارہ واجب ہے اور نہ کوئی اور چیز تو یہ انھوں نے غلط لکھا ہے جیسا کہ عنقریب فقہاء احناف کی تصریحات سے واضح ہو جائے گا۔

امام محمد بن حسن شیبانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے۔

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں: ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس شخص نے معصیت کی نذر کی اور اس کو معین نہیں کیا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے، اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

پھر امام مالک کی سند سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک عورت نے آکر کہا: "میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرو اور قسم کا کفارہ دو"، اس پر حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا: معصیت کی نذر میں کفارہ کس طرح صحیح ہوگا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ بتاؤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الذین یظھرون من نسآءھم "جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں" (یعنی اپنی عورتوں سے کہتے ہیں تمہاری پشت میری ماں کی طرح ہے۔ اور یہ بھی معصیت ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ لازم کیا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ معصیت پر بھی کفارہ لازم آتا ہے، یہی حجت امام ابو حنیفہ نے امام شعبی پر قائم کی تھی)

امام محمد نے فرمایا ہم حضرت ابن عباس کے قول پر عمل کرتے ہیں، جس شخص نے معصیت کی قسم کھائی یا معصیت کی نذر مانی، وہ اللہ کی معصیت نہ کرے اور کفارہ قسم ادا کرے، امام مالک اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور اس کے غیر کو بہتر جانا وہ قسم کا کفارہ ادا کرے اور قسم کے خلاف کرے، امام محمد فرماتے ہیں ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔[1]

مذہب احناف کے بیان میں بعض شارحین کی لغزش

شیخ تقی عثمانی نے نذر معصیت کے سلسلے میں احناف کا مذہب اس طرح لکھا ہے: امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جس معصیت کی نذر کی گئی ہے اگر وہ معصیت لعینہا ہے جیسے قتل، شراب نوشی، زنا، سرقہ وغیرہا تو یہ نذر باطل ہے اور نذر ماننے والے پر کوئی چیز لازم نہیں آتی اور اگر وہ معصیت لغیرہا ہے جیسے ایام تشریق

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد ص ۳۲۵-۳۲۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

کے رو سے تو پوری نہ کرنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔ [1]

اس کے بعد شیخ تقی عثمانی مؤطا امام محمد سے امام محمد کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں: جس شخص نے معصیت کی نذر مانی اور معصیت کا نام نہیں لیا وہ اللہ کی اطاعت کرے اور قسم کا کفارہ دے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔" اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد شیخ عثمانی لکھتے ہیں: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے معصیت کا نام لیے بغیر معصیت کی نذر مانی ہے مثلاً یوں کہا: "اللہ کی رضا جوئی کے لیے مجھ پر معصیت واجب ہے" تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اگر معصیت کو معین کر دیا (مثلاً کہا کہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے مجھ پر قتل کرنا یا شراب پینا واجب ہے۔ سعیدی) تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ [2]

شیخ تقی عثمانی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو شیخ عثمانی نے اس کے ثبوت میں کوئی صریح نقل نہیں پیش کی۔ امام محمد نے اسی عبارت میں یہ کہا ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر معصیت معینہ کی نذر ہے اور اس نذر کو قسم پر محمول کرنا بلا ضرورت ہے، نیز یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ "مجھ پر اللہ کے لیے معصیت واجب ہے"، تو اس پر کفارہ لازم ہو اور اگر یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کے لیے قتل یا زنا یا شراب پینا واجب ہے تو اس پر کفارہ لازم نہ ہو اور اس غیر معقول اور مضحکہ خیز بات کو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد ایسے جلیل القدر فقہاء کی طرف منسوب کرنا اور بھی برا ہے۔!

در اصل بات یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک نذر بالمعصیت حکماً قسم ہے اسی وجہ سے وہ نذر معصیت پر قسم کا کفارہ لازم کرتے ہیں۔ علامہ ابن بزاز کردری فرماتے ہیں:

والنذر بالمعصیة کقوله لله علی ان اقتل فلانا یمین یلزمه الکفارة [3]

معصیت کی نذر کرنا مثلاً کوئی کہے "اللہ کے لیے مجھ پر فلاں شخص کو قتل کرنا واجب ہے"، یہ قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے۔

علامہ ابن بزاز کردری کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نذر معصیت حکماً قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور اس میں معصیت معینہ اور غیر معینہ کا فرق کرنا غلط ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے نذر معصیت کی قسم کھائی تو اس پر کفارہ قسم ہے اور امام شعبی نے کہا اس پر کچھ واجب نہیں ہے، کیونکہ نذر کے ساتھ گناہ کو لازم نہیں کیا جاتا اور کفارہ اس قسم کا نائب ہے جس سے کوئی نیک کام واجب ہوتا ہے، حکایت ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہ، امام شعبی کے پاس گئے اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا، امام شعبی نے فرمایا اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ جس چیز کی نذر مانی تھی وہ معصیت ہے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا: کیا ظہار معصیت نہیں ہے؟

---

[1] شیخ محمد تقی عثمانی نزیل کراچی تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۶۴-۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۷ھ

[2] تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۶۶، " " " " "

[3] علامہ محمد بن شہاب ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ، فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۲۸۱ مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ظہار پر کفارہ واجب کیا ہے! یہ سن کر امام شعبی حیران رہ گئے اور کہا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی رائے سب سے قوی ہوتی ہے۔ [1]

نیز علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے کہا کہ جب کسی شخص نے نذر کی نسبت معاصی کی طرف کی جیسے اللہ کے لیے مجھ پر فلاں شخص کو قتل کرنا واجب ہے تو یہ قسم ہوگی اور قسم پوری نہ کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ [2]

علامہ ابن ہمام کے حوالے سے امام طحاوی کی اس عبارت کو علامہ شامی نے بھی نقل کیا ہے۔ [3]

شیخ تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ امام طحاوی کی یہ عبارت ان کو تلاش کے باوجود امام طحاوی کی کتابوں میں نہیں ملی۔ [4] لیکن انھیں اس عبارت کا نہ ملنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ فی الواقع امام طحاوی نے یہ نہیں کہا جبکہ امام طحاوی کا یہ قول محرر مذہب حنفیہ امام محمد بن حسن شیبانی کے مطابق ہے اور ظاہر ہے کہ علامہ ابن ہمام کی امام طحاوی کی تصانیف پر دسترس اور ان کا تتبع شیخ تقی عثمانی سے کہیں زیادہ ہے، نیز شیخ تقی عثمانی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "چونکہ علامہ سرخسی نے امام طحاوی سے نذر میں قسم کے ارادے کی ایک صورت نقل کی ہے اس لیے اس نذر معصیت سے وہ صورت مراد ہے جب نذر معصیت سے قسم کا ارادہ کرے"، کیونکہ نذر معصیت میں قسم کا ارادہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نذر معصیت حکماً قسم نہیں ہوتی، علاوہ ازیں علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی نے امام طحاوی کی عبارت ذکر کرنے کے بعد اس کو بجا لہا قائم رکھا ہے اور اس میں کوئی تاویل اور تقیید نہیں کی اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی کے نزدیک بھی نذر معصیت حکماً قسم ہوتی ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے فاغتنم ہذا التحریر۔

شیخ کشمیری کے اشکال کا جواب:

شیخ انور شاہ کشمیری نے یہ اشکال قائم کیا ہے کہ جب احناف کے نزدیک نذر کے انعقاد کی شرط یہ ہے کہ معصیت کی نذر نہ ہو تو پھر ان کے نزدیک نذر معصیت پر کفارہ کیوں لازم آتا ہے! پھر لکھتے ہیں ہو سکتا ہے اس مسئلہ میں متعدد روایات ہوں! [5]

شیخ کشمیری کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ نذر معصیت درحقیقت نذر نہیں ہے یہ صورۃً نذر ہے اور حکماً قسم ہے اس لیے اس پر کفارہ لازم آنا، نذر میں عدم معصیت کی شرط کے خلاف نہیں ہے۔

نذر معصیت میں کفارہ لازم ہونے پر علامہ ماردینی حنفی کے دلائل

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن الحسن عن عمران بن حصین

حسن، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۴ ص ۱۴۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث، ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۷۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[4] شیخ محمد تقی عثمانی نزیل کراچی، تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۶۴، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۷ھ

[5] شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۴ ص ۴۳۹، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، الطبع الاول، ۱۳۵۷ھ

رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین[1] کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے۔

امام بیہقی اس حدیث کی سند پر اعتراض کرتے ہیں:

ولا یصح عن الحسن عن عمران سماع من وجہ صحیح یثبت مثلہ[2] حسن کا حضرت عمران سے کسی صحیح دلیل سے سماع ثابت نہیں ہے (یعنی یہ سند منقطع ہے۔ سعیدی)

علامہ ماردینی حنفی امام بیہقی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے باب "لا تفویط علی من نام عن صلوٰۃ او نسیہا" میں حسن کی حضرت عمران بن حصین سے روایت ذکر کی ہے اور اس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے حسن کے سماع کی خود تصریح کی ہے لکھا ہے عن ھشام عن الحسن ان عمران بن حصین حدثہ نیز اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، نیز امام ابن خزیمہ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ صاحب الامام نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، نیز امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں تصریح کی ہے کہ حسن نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے" اور صاحب مستدرک نے کہا ہے کہ حسن نے حضرت عمران بن حصین سے سماع کیا ہے، پھر کتاب اللباس میں لکھا ہے کہ ہر چند کہ ہمارے مشائخ کا حضرت عمران بن حصین سے حسن کے سماع میں اختلاف ہے لیکن اکثر مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن نے حضرت عمران بن حصین سے سماع کیا ہے۔

علامہ ماردینی لکھتے ہیں: امام ترمذی نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ فقہاء صحابہ اور تابعین کا یہ قول ہے کہ معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے، نیز امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: معصیت میں نذر نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے، امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲) نیز امام بیہقی نے اس سے پہلے اور اس کے بعد والے باب اور امام طحاوی نے کتاب المشکل میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر معصیت میں کفارہ دینے کا حکم فرمایا، اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، اس حدیث کو امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴، مطبع مجتبائی لاہور) اور امام طحاوی کی سند امام ابوداؤد کی سند سے زیادہ قوی ہے نیز امام بیہقی، امام ابوداؤد، امام ترمذی نے امام بخاری کی توثیق کے ساتھ اور امام طحاوی نے کتاب المشکل میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن نے نذر مانی کہ وہ ننگے سر بغیر دوپٹہ کے پیدل چل کر کعبہ جائیں گی، حضرت عقبہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۷

اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا، اپنی بہن کو حکم دو کہ "وہ سواری پر سوار ہو، دوپٹہ اوڑھے اور تین دن کے روزے رکھے" امام طحاوی نے فرمایا چونکہ چہرہ کھولنا حرام ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کفارہ قسم (تین دن کے روزوں) کا حکم دیا، کیونکہ شریعت نے عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا ہے، پھر امام طحاوی نے ایک اور سند سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے بال کھول کر پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سوار ہو کر جائے اور تین دن کے روزے رکھے۔[1]

علامہ ماردینی نے فقہاء احناف کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی جن روایات کا ذکر کیا ہے ان سے بہت زیادہ صراحت کے ساتھ یہ واضح ہو گیا کہ معصیت معینہ کی نذر پر بھی کفارہ لازم ہوتا ہے۔ الحمد للہ احادیث اور اقوال فقہاء احناف ان دونوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نذر معصیت پر کفارہ لازم ہوتا ہے، خواہ معصیت مطلقہ کی نذر ہو یا معصیت معینہ کی اور شیخ تقی عثمانی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ احناف کے نزدیک مطلق معصیت کی نذر میں کفارہ ہے اور معین معصیت کی نذر میں کفارہ نہیں ہے۔

بیٹے کو قربان کرنے کی نذر میں آیا ایک بکری کا کفارہ ہے یا سو اونٹوں کا؟

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے مجھ پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنا واجب ہے تو قیاساً اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، امام ابو یوسف، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور استحساناً اس پر ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہے اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

قیاس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے ایک معصوم جان کا خون بہانے کی نذر مانی ہے، اس لیے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، کیونکہ جس چیز کی اس نے نذر مانی ہے وہ معصیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر نہیں ہوتی۔ اور نیز اگر وہ ایسی چیز کو ذبح کرنے کی نذر مانتا جو اس کی ملکیت میں ہوتی لیکن اس کو ذبح کرنا حلال نہ ہوتا جیسے گدھا اور خچر، تو اس نذر سے اس پر کوئی چیز لازم نہ آتی اور اگر وہ اس چیز کو ذبح کرنے کی نذر مانتا جس کو ذبح کرنا حلال ہوتا اور وہ اس کی ملکیت میں نہ ہوتی جیسے پرائی بکری، تب بھی اس پر کوئی کفارہ لازم نہ آتا تو جب وہ ایسی چیز کو ذبح کرنے کی نذر مانے جو اس کی ملک میں ہو نہ اس کا ذبح کرنا جائز ہو تو بدرجہ اولیٰ اس پر کسی قسم کا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

استحسان کی توجیہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا (یعنی جب کسی نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی) تو حضرت ابن عباس نے فرمایا میرا گمان یہ ہے کہ اس پر سو اونٹوں کی قربانی لازم ہے، پھر مسروق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس شخص سے جا کر یہ مسئلہ پوچھو، مسروق سے جب پوچھا تو انھوں نے کہا میرے نزدیک اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہے، اس شخص نے حضرت ابن عباس کو مسروق کا جواب بتایا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا میں بھی اسی قول پر صاد کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس صورت میں کفارہ قسم کو واجب کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اس صورت میں ایک اونٹ یا سو

---

[1] علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ابن الترکمانی متوفی ۷۴۵ھ، الجوہر النقی علی البیہقی ج ۱۰ ص ۷۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

اونٹوں کو واجب کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک عورت نے سوال کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے! حضرت ابن عمر نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا کیا آپ مجھے بیٹے کو قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ ان کے دس بیٹے ہو جائیں تو وہ دسویں بیٹے کو ذبح کر دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیدائش پر دس بیٹے پورے ہو گئے، پھر انھوں نے حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں میں قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا پھر وہ ہر بار دس دس اونٹ بڑھاتے رہے، اور قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلتا رہا حتیٰ کہ جب سو اونٹ ہو گئے تو تین بار سو اونٹوں کے نام قرعہ نکلا، اور حضرت عبدالمطلب نے سو اونٹ ذبح کر دیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس عورت سے کہا: میرا گمان ہے کہ تم پر بھی سو اونٹوں کی قربانی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اس نذر کی صحت پر اتفاق ہے (یعنی نذر منعقد ہو جاتی ہے) اختلاف اس میں ہے کہ اس نذر کے ذمہ سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے، سو ہم نے اجماع صحابہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور حضرت ابن عباس کا مسروق کے قول کی طرف رجوع بھی مشہور ہے۔ اس لیے ہم نے اس صورت میں حضرت ابن عباس اور مسروق کے فتویٰ کو اختیار کیا ہے کہ اس صورت میں ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہے، کیونکہ اس مقدار پر اتفاق ہے اور جو صحابہ ایک یا زیادہ اونٹوں کو واجب کہتے ہیں انھوں نے ایک زیادہ چیز واجب کی ہے، نیز جنھوں نے ایک بکری کو واجب کیا ہے انھوں نے حضرت ابراہیم الخلیل صلوات اللہ علیہ کے قصہ سے استدلال کیا ہے اور جن صحابہ نے ایک سو اونٹوں کو واجب کیا ہے انھوں نے حضرت عبدالمطلب کے قصہ سے استدلال کیا ہے اور حضرت خلیل صلوات اللہ علیہ کے قصہ سے استدلال کرنا حضرت عبدالمطلب کے قصہ سے استدلال کرنے سے بہتر ہے۔ [1]

کیا کافر مسلمانوں کا مال لوٹ کر اس کے مالک ہو جاتے ہیں؟

حدیث نمبر ۴۱۳۲ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس اونٹنی (عضباء) کو مشرکین غصب کر کے لے گئے ایک مسلمان قیدی عورت اس پر فرار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئی اور وہ اونٹنی بھی لے آئی۔

علامہ نووی اور علامہ خطابی نے اس حدیث سے مذہب شافعیہ پر استدلال کیا ہے کہ کفار اگر مسلمانوں کے کسی مال کو لوٹ کر لے جائیں تو وہ اس کے مالک نہیں ہوتے، کیونکہ اگر وہ اس کے مالک ہو جاتے اور پھر یہ عورت بطور مال غنیمت کے اس اونٹنی کو لے آتی تو وہ اونٹنی اس عورت کی ملکیت ہو جاتی اور اس عورت کا اس اونٹنی کی نذر ماننا صحیح ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت سے یہ نہ فرماتے کہ اس عورت نے عضباء کو کتنا بُرا صلہ دیا ہے اور انسان کی کسی ایسی نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا جس کا وہ مالک نہیں ہے! اور اس حدیث میں صراحۃً یہ ہے کہ وہ عورت اس اونٹنی کی مالک نہیں ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ کفار مسلمانوں سے لوٹی ہوئی چیز کے اس وقت مالک ہوتے ہیں جب وہ اس چیز کو دارالحرب میں لے جا کر محفوظ کر لیں اور آپس میں تقسیم کر لیں اور مال لوٹ کر لے جانے والے کافر کو دارالحرب پہنچنے سے پہلے مسلمانوں نے پکڑ لیا تو وہ اس سے بلا عوض اپنا مال لے لیں گے، اسی طرح دارالحرب میں

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۸ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ۔

پہنچنے کے بعد تقسیم سے پہلے مسلمانوں نے اپنے مال کو حاصل کر لیا اب بھی بلا قیمت واپس لے لیں گے، ہاں تقسیم کے بعد اس مال پر کافروں کی ملکیت ثابت ہو گی اور اب مسلمان ان سے وہ مال قیمت دے کر لے سکتے ہیں بلا عوض نہیں لے سکتے۔

احناف کے مذہب کی وضاحت کے بعد اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو کافر عضباء اونٹنی کو لوٹ کر لے جا رہے تھے اپنی بستیوں میں نہیں پہنچے تھے اور ابھی راستہ ہی میں تھے کہ وہ عورت اس اونٹنی کو لے آئی، اس لیے ہنوز وہ اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہی میں تھی، مالِ غنیمت قرار پائی تھی اور نہ اس عورت کی ملکیت میں تھی، امام طحاوی نے اس حدیث کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے اس مفہوم کی مزید تقویت ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان

قسموں کے احکام

باب ۵۳۶ النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

۴۱۴۱ - وَحَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِيْ يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا ذَاكِرًا وَّلَا آثِرًا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بخدا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے میں نے آباء کی قسم نہیں کھائی، اپنی طرف سے ذکر کرتے ہوئے نہ کسی کی حکایت کرتے ہوئے۔

۴۱۴۲ - وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِيْ حَدِيْثِ عُقَيْلٍ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهَا وَلَا تَكَلَّمْتُ بِهَا وَلَمْ يَقُلْ

دو مختلف سندوں کے ساتھ اس روایت کی مثل مروی ہے، البتہ عقیل کی روایت میں ہے: جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم سے منع کرتے ہوئے سنا ہے میں نے از خود قسم کھائی نہ کسی کی قسم کا ذکر کیا جان بوجھ کر نہ بھولے سے۔

ذاکرًا و لا اٰثرًا۔

۴۱۴۳- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ وَهُوَ يَحْلِفُ بِاَبِيْهِ بِمِثْلِ رِوَايَةِ يُوْنُسَ وَمَعْمَرٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا۔

۴۱۴۴- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ وَاللَّفْظُ لَهٗ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِيْ رَكْبٍ وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِاَبِيْهِ فَنَادَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو سواروں کی ایک جماعت میں دیکھا در آں حالیکہ حضرت عمر اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی! سنو! اللہ عزوجل نے تم کو اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع کیا ہے پس جو شخص قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

۴۱۴۵- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَهُوَ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ ابْنِ كَثِيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ اُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ اَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ وَابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ

سات دیگر اسانید کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے۔

عَبْدُ الْكَرِيمِ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمِثْلِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۴۲۶ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْلِفُ بِآبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھانے کا ارادہ کرے وہ صرف اللہ کی قسم کھائے، قریش اپنے آباء کی قسم کھاتے تھے آپ نے فرمایا: اپنے آباء کی قسم مت کھاؤ۔

۴۲۷ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص نے اپنی قسم میں کہا لات کی قسم! اس کو چاہیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ جوا کھیلیں اس کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

۴۲۸ - وَحَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ مِثْلُ حَدِيثِ يُونُسَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَلْيَتَصَدَّقْ بِشَيْءٍ وَفِي حَدِيثِ الْأَوْزَاعِيِّ مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى قَالَ

دو مختلف اسانید کے ساتھ یہ روایت منقول ہے البتہ معمر کی روایت میں ہے وہ کوئی چیز صدقہ کرے اور اوزاعی کی روایت میں ہے جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، امام مسلم نے کہا کہ یہ قول "آؤ جوا کھیلیں" تو وہ صدقہ کرے" زہری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا، نیز امام مسلم نے کہا کہ زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی نوّے جید احادیث بیان کی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمٌ هٰذَا الْحَرْفُ يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ لَا يَرْوِيهِ أَحَدٌ غَيْرُ الزُّهْرِيِّ قَالَ وَلِلزُّهْرِيِّ نَحْوٌ مِنْ تِسْعِينَ حَدِيثًا يَرْوِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشَارِكُهُ فِيهِ أَحَدٌ بِأَسَانِيدَ جِيَادٍ.

۴۱۴۹- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوا بِالطَّوَاغِي وَلَا بِآبَائِكُمْ.

حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتوں کی قسم نہ کھاؤ، نہ اپنے آباء کی۔

یمین کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: یمین کا لغوی معنی برکت، قدرت اور قوت ہے، قرآن مجید میں ہے: لاخذنا منه باليمين زجاج نے کہا یہاں قوت یمین کے معنی میں ہے، یعنی ہم ان کو پوری قوت سے ضرور پکڑ لیتے۔ اور یمین کا معنی دایاں ہاتھ ہے اور قسم کو بھی یمین کہتے ہیں کیونکہ اہل عرب اپنا دایاں ہاتھ ملا کر حلف اٹھاتے تھے۔ صحاح میں ہے وہ ایک دوسرے کے دائیں ہاتھ پر ہاتھ مار کر حلف اٹھاتے تھے۔ [1]

یمین کا اصطلاحی معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسم یا صفت کے ساتھ کسی شئے کی تاکید کرنے کو شرعاً یمین کہتے ہیں، اس کو یمین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دائیں ہاتھ سے اشیاء کی حفاظت ہوتی ہے، اسی طرح یمین سے بھی اس چیز کی حفاظت ہوتی ہے جس پر قسم کھائی جاتی ہے۔ [2]

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ جس چیز کا وجود واجب کرنا ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محقق کرنا یمین ہے۔ [3]

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

یمین وہ قوی عقد ہے جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ [4]

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۱-۳ مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۱۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی شافعی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[4] علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۶۱-۶۰ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

یمین کی اقسام

یمین کی تین اقسام ہیں، یمین غموس، یمین لغو اور یمین منعقدہ، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:-
کسی امر پر عمداً واقع کے خلاف قسم کھانا یمین غموس ہے، علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ اگر قسم کھانے والے کا مقصد اس سے کسی مسلمان کا مال کھانا ہو یا اس کو ایذا دینا ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اگر اس قسم پر کوئی خرابی مرتب نہ ہو تو گناہ صغیرہ ہے، لیکن علامہ شامی نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یمین غموس مطلقاً گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں ہے: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، قتل کرنا اور یمین غموس گناہ کبیرہ ہیں۔ [1]

اگر کوئی شخص ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں سچی قسم کھائے لیکن درحقیقت وہ جھوٹی قسم ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہ گناہ ہے نہ اس میں کفارہ ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ انسان کی زبان پر بلاقصد جو قسم جاری ہو جاتی ہے جیسے "لا واللہ و بلی اللہ" نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم" یہ یمین لغو ہے۔ امام محمد نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ جو قسم بلاقصد ہو وہ یمین لغو ہوتی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کا یہ قول حال یا ماضی کے بارے میں ہے اور اگر مستقبل کے بارے میں بلاقصد قسم کھائی جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کفارہ ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک اگر کسی نے مستقبل میں کسی کام کرنے کی بلاقصد قسم کھائی تو اس میں کفارہ نہیں ہے۔ اس قول کے اعتبار سے احناف کے نزدیک یمین لغو کی دو قسمیں ہیں (۱) ماضی یا حال کے کسی امر پر اپنے گمان میں سچی قسم کھانا اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو (۲) ماضی یا حال کی کسی بات میں زبان پر بلاقصد قسم جاری ہو جائے

اگر مستقبل میں کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو یہ یمین منعقدہ ہے اس قسم کو پورا کرنا ضروری ہے اگر قسم کو پورا نہ کیا تو کفارہ لازم ہوگا۔ یمین منعقدہ میں ممکن کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر وہ کام ممکن نہ ہوا تو وہ یمین غموس ہوگی، مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ بخدا سورج طلوع نہیں ہوگا یا بخدا میں کبھی نہیں مروں گا تو یہ قسم جھوٹ ہے اور قسم کھانے والا گنہگار ہوگا، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یمین غموس کا تعلق ماضی، حال، اور استقبال تینوں زمانوں کے ساتھ ہے۔ [2]

قسم کو پورا کرنا اس وقت ضروری ہے جب کسی معصیت پر قسم نہ کھائی ہو اگر کسی معصیت پر قسم کھائی ہو تو اس پر لازم ہے کہ معصیت نہ کرے اور قسم کا کفارہ دے۔

کفارہ قسم کا بیان

اللہ تعالیٰ قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من

اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن تمہاری پکی قسموں پر مواخذہ فرمائے گا، سو ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو ایسا درمیانی کھانا

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار ج ۳ ص ۴۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
۲۔ " " " " ، ردالمحتار ج ۳، ص ۴۵، " " "
۳۔ " " " " ، ردالمحتار ج ۳ ص ۴۶

اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتہم او تحریر رقبۃ ط فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ط ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم ط واحفظوا ایمانکم ط کذلک یبین اللہ لکم ایاتہ لعلکم تشکرون۔

(مائدہ : ۸۹)

دینا ہے، جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس شخص کو ان میں سے کسی چیز پر قدرت نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور قسم توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اور اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

کفارہ طعام میں یا تو دس مسکینوں کو صبح اور شام کھانا کھلا دیا جائے، یا ایک مسکین کو دس دن صبح اور شام کھانا کھلا دیا جائے، یا دس مسکینوں کو بیک وقت یا ایک مسکین کو دس دن میں دس مسکینوں کے کھانے کی قیمت دے دی جائے اگر ایک مسکین کو ایک دن میں دس مسکینوں کے کھانے کی قیمت دی تو وہ صحیح نہیں ہے۔ ایک مسکین کے کھانے کی قیمت کا معیار نصف صاع گندم ہے جو ۲٫۱۲۵ (دو اعشاریہ ایک دو پانچ) کلوگرام کے برابر ہے۔ [1]

غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کا سبب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علماء نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے نام کی قسم کھانا اس کے نام کی عظمت کا تقاضا کرتا ہے اور عظمت حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [2]

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ حقیقت عظمت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، اس لیے کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ [3] علامہ نووی [4] اور علامہ وشتانی [5] نے بھی یہی لکھا ہے۔

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ بعض طریقوں سے مخلوق کی تعظیم بھی جائز ہے جیسے سلام، قیام اور دست بوسی وغیرہ لیکن قسم تعظیم کی ان انواع میں سے ہے جو شریعت نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص کر دی ہیں جیسے رکوع اور سجود وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قسم کا معنی ہے شہادت اور گواہی [6]، اور ایسی ذات جس کا ہر جگہ، ہر وقت اور ہر موقع پر گواہ ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہو وہ صرف اللہ کی ذات ہے، مثلاً کسی شخص کی ذات پر کوئی الزام ہے مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنے الزام کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرے لیکن اس موقع واردات پر کوئی گواہ نہیں تھا اس لیے اب ضروری ہے کہ مدعی علیہ اس الزام سے برأت پر قسم

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۸۳-۸۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[3] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[5] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[6] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۹ ص ۲۶، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

کھائے اور جب وہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر اس الزام سے اپنی براءت بیان کر دیتا ہے تو اس کو بری کر دیا جاتا ہے کیونکہ مدعی تو اس کے خلاف کوئی گواہی پیش نہیں کر سکا لیکن مدعی علیہ نے اپنی براءت میں اللہ کی گواہی پیش کر دی کہ جس وقت جس جگہ اور جس موقع پر تم نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے اللہ گواہ ہے کہ میں اس موقع پر اس الزام سے بری تھا! اور جس کی یہ شان ہو کہ وہ ہر جگہ ہر موقع پر اور ہر وقت گواہ ہو اور اس کی گواہی پوری کائنات میں مسلّم ہو وہ صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ غیر اللہ کو ہر جگہ، ہر موقع پر اور ہر وقت گواہ سمجھتا ہے اور یہ شرک اور کفر ہے اس لیے غیر اللہ کی قسم کھانا بھی کفر اور شرک ہے اگر یہ کہ وہ شرعی قسم کا ارادہ نہ کرے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کے حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی رائے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، خواہ اپنے باپ کی قسم کھائے یا صحابی کی یا کعبہ کی۔ امام شافعی نے کہا مجھے غیر اللہ کی قسم کے معصیت ہونے کا خدشہ ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا اس اصل پر سب کا اجماع ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والصافات صفا۔ والمرسلات عرفا۔ والنازعات غرقا۔ "صف باندھی ہوئی جماعتوں کی قسم اور آں حالیکہ وہ صف باندھی ہوئی ہوں۔ ان بھیجی ہوئی (ہواؤں) کی قسم! جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں۔ سختی سے روح کھینچنے والے (فرشتوں) کی قسم، جو سختی سے جان نکالتے ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے متعلق پوچھنے والے اعرابی سے فرمایا: افلح وابیہ ان صدق۔ "اس کے باپ کی قسم! اگر یہ شخص سچا ہے تو کامیاب ہو گیا۔"

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا باٰبائکم، من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت (متفق علیہ) "اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، جس شخص نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔" حضرت عمر فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے (غیر اللہ کی) قسم نہیں کھائی۔ از خود ذکر کرتے ہوئے نہ کسی کی حکایت کرتے ہوئے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من حلف بغیر اللہ فقد اشرک "جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا" امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔"

باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے وہ قسمیں صرف اپنی قدرت اور عظمت پر دلالت کرنے کے لیے کھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق کی جس طرح چاہے قسمیں کھائے اور اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے پر کسی اور کے قسم کھانے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

---

[1] علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۳۸۶ - ۳۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

غیر اللہ کی قسم کھانے کے حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کی رائے

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے فرمایا ہر مخلوق کی قسم کھانے سے منع کیا جائیگا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس کو توڑوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کر دوں! [۱]

علامہ ابو الولید باجی مالکی فرماتے ہیں: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے اس لیے غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ مباح کاموں سے نہیں ہے، سو جس شخص نے قسم کھانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع میں تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، لہٰذا کسی شخص کے لیے سورج، چاند اور ستاروں کی قسم کھانا جائز ہے اور نہ آسمان اور زمین کی قسم کھانا جائز ہے، اور نہ کسی اور مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے، اور جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ گنہ گار ہوگا لیکن اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھاؤں تو یہ غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے بہتر ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قرآن مجید میں ہے: والسماء ذات البروج۔ والشمس وضحٰھا۔ واللیل اذا یغشٰی۔ "برجوں والے آسمان کی قسم۔ سورج اور اس کی روشنی کی قسم۔ رات کی قسم جب اس کی سیاہی پھیل جائے"؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قواعد عربیہ کے مطابق مضاف محذوف ہے یعنی برجوں والے آسمان کے رب کی قسم۔ سورج اور اس کی روشنی کے رب کی قسم۔ جب رات کی سیاہی پھیل جائے تو اس کے رب کی قسم، گویا یہ سب اللہ کی قسمیں ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کی چاہے قسم کھائے، ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کر دیا ہے اس لیے ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ [۲]

غیر اللہ کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کی رائے

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں ہمارے علماء کے نزدیک غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ [۳]

غیر اللہ کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء حنفیہ کی رائے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے بغیر قسم منعقد نہیں ہوتی غیر اللہ کی قسم بطریق صراحۃً ہو یا کنایۃً ہو یہ حرام ہے، جیسا کہ قہستانی میں ہے بلکہ اس میں کفر کا خدشہ ہے مثلاً کہے میری زندگی کی قسم۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ [۴]

علامہ شامی نے جس آنے والی عبارت کا ذکر کیا ہے وہ علامہ حصکفی کی یہ عبارت ہے:

---

[۱] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۶۶ - ۳۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[۲] علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۳ ص ۲۵۹ مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ

[۳] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[۴] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

علامہ حسام الدین رازی متوفی ۵۹۱ھ نے فرمایا: جس شخص نے کہا میری زندگی کی قسم، یا تمہاری زندگی کی قسم، یا تمہارے سر کی زندگی کی قسم! اگر اس نے اس قسم کو پورا کرنے کے وجوب شرعی کا اعتقاد کیا (بایں طور کہ اس قسم کا پورا کرنا ضروری ہے ورنہ کفارہ لازم آئے گا۔ سعیدی) تو وہ شخص کافر ہو جائے گا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ عام لوگ اس سے لاعلم ہیں کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے خالق اور مخلوق کی مساوات لازم آتی ہے تو میں ایسی قسم کھانے والے کو مشرک قرار دیتا۔

(ہم نے علامہ حصکفی کی عبارت میں علامہ شامی کی توضیحات کو ملحوظ رکھ کر اس کا ترجمہ کیا ہے) [1]

علامہ حسام الدین رازی کی اس عبارت سے علامہ ابن ہمام [2] اور علامہ زین الدین ابن نجیم نے بھی استدلال کیا ہے۔ [3]

علامہ قہستانی نے بھی علامہ حسام الدین رازی کی مذکور الصدر عبارت نقل کی ہے اس کے بعد منیہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں: جو جاہل آدمی امیر کی جان، اس کی زندگی اور اس کے سر کی قسم کھاتا ہے اس کا اسلام ابھی تک متحقق نہیں ہوا۔ [4]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم سے اگر استحکام اور پختگی حاصل ہو، مثلاً کسی کام کو طلاق عتاق یا حج پر معلق کرے (یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں چیز کھائی تو میری بیوی کو طلاق، یا میرا غلام آزاد یا مجھ پر حج لازم ہو) تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے اور عام فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم نہیں ہے اور وہ قسم جس سے پختگی اور قوت اور استحکام حاصل نہ ہو جیسے تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم! تو فقہاء کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آباء کی قسم کھانے سے صراحۃً منع فرمایا ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانے سے اس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعظیم میں شارکت لازم آتی ہے۔ [5]

علامہ شامی کی ذکر کردہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غیر اللہ کی قسم کسی چیز کو شرعاً واجب کرنے کے قصد سے کھائی تو یہ العیاذ باللہ کفر ہے اور اگر یہ قصد نہیں تھا تو پھر یہ مکروہ ہے اور یہی قسم لغوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنوعات کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟

جب غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ فقہاء کرام نے اس سوال کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱) - اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہے اور اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے وہ کسی قاعدہ کا پابند نہیں ہے اور ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہیں، اس کے رسول نے ہمیں غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کر دیا ہے، اس لیے ہمارے لیے غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال پر ہم اپنے افعال کا قیاس نہیں کر سکتے۔

---

[1] - علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۴۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] - علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۵۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[3] - علامہ زین الدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۲۸۶ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

[4] - علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ مطبع منشی نو لکشور، ۱۲۹۱ھ

[5] - علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۴ ص ۲۷۰، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

(۲)۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان کو اپنی ذات اور صفات پر شاہد اور گواہ بنایا ہے۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان کو اپنی ذات اور صفات پر دلیل بنایا ہے۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں وہ دراصل ان چیزوں کی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی قسمیں ہیں کیونکہ ان سے پہلے عربی گرامر کے قواعد کے مطابق مضاف محذوف ہے مثلاً والطور کی اصل ہے "ورب الطور" "پہاڑ طور کے رب کی قسم!"، وعلیٰ ہذا القیاس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارکان اسلام کے متعلق سوال کیا، آپ نے جواب میں اس کو ارکان اسلام بتلائے اس نے کہا وہ ان میں زیادتی کرے گا نہ کمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افلح وابیہ ان صدق۔ "اس کے باپ کی قسم اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگیا۔" [۱]

اس حدیث کی وجہ سے یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے تو خود غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اشکال کے حسب ذیل جوابات رقم کیے ہیں:۔

(۱)۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ "افلح وابیہ" ان الفاظ کی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے راوی اسماعیل بن جعفر نے "افلح وابیہ" کی بجائے "افلح واللہ ان صدق" "خدا کی قسم اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگیا" کے الفاظ روایت کیے ہیں، اور یہ الفاظ افلح وابیہ سے اولیٰ ہیں کیونکہ یہ الفاظ منکر ہیں جن کو آثار صحاح رد کرتے ہیں، اور امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ اصلاً نہیں ہیں (خیال رہے کہ یہ الفاظ امام مسلم کی ایک روایت میں ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو ج ۱ ص ۱۲۔ ۱۱ پر روایت کیا ہے اور اس میں ہے "افلح ان صدق" اور قسم کے الفاظ اصلاً نہیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

(۲)۔ ان الفاظ میں تصحیف ہے یعنی بعض راویوں نے "واللہ" کے بجائے "وابیہ" کہہ دیا۔

(۳)۔ وابیہ (اس کے باپ کی قسم) یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اہل عرب کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتا ہے وہ اس سے قسم کا قصد نہیں کرتے اور ممانعت غیر اللہ کی قسم قصداً کھانے سے ہے۔ امام بیہقی اور علامہ نووی نے اسی جواب کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔

(۴)۔ قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ اس لفظ کو کلام میں محض تاکید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے، اور اس سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

(۵)۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ پہلے غیر اللہ کی قسم کھانا جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ علامہ سبکی نے کہا ہے کہ اکثر شارحین کا یہی مختار ہے، لیکن علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے

---

[۱] ۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

میں یہ گمان جائز نہیں کہ آپ غیر اللہ کی قسم کھاتے تھے۔

(٦)۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ عربی قواعد کے مطابق یہاں مضاف محذوف ہے اصل میں ہے "افلح ورب ابیہ" اس کے باپ کے رب کی قسم یہ کامیاب ہو گیا"

(٧)۔ علامہ نووی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، دوسرے شخص کے لیے غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بحث کے اخیر میں لکھا ہے کہ امام ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا: اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ، جو اللہ کی قسم کھائے اس کو سچا کرے اور جس کے لیے اللہ کی قسم کھائی جائے وہ اس پر راضی ہو جائے اور جو اللہ پر راضی نہ ہو وہ اللہ کا نہیں ہے۔ [۱]

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: اول تو ان الفاظ کی روایت صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے بیان فرمایا ہے، اور اگر یہ الفاظ ثابت ہوں تو غیر اللہ کی قسم کی ممانعت اس کے بعد ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فرمایا میں نے اس کے بعد کبھی خود غیر اللہ کی قسم کھائی نہ کسی کی قسم کی حکایت کی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

غیر اللہ کی قسم اگر حرام نہیں ہے تو اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، کیونکہ غیر اللہ کی قسم گناہ ہے اور نیکیوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الحسنات یذھبن السیئات "نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم کوئی برائی کرو تو اس کے بعد نیکی کرو وہ نیکی برائی کو مٹا دے گی" اور جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کی تعظیم کی اس لیے اس کو شرک قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ شریک کر دیا۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہے اور توحید کا اعتراف کرے اور شرک سے برأت کرے۔ [۲]

ہم نے غیر اللہ کی قسم کی حرمت اور ممانعت پر کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ غیر اللہ کی قسم کو جائز قرار دے کر اس پر غیر اللہ کی نذر کو قیاس کرتے ہیں جیسا کہ نذر کی بحث میں گذر چکا ہے، اس لیے ہم نے چاہا کہ احادیث، آثار اور مذاہب اربعہ کے اقوال کی روشنی میں غیر اللہ کی قسم کی حقیقت واضح ہو جائے!

قسم پورا کرنے اور توڑنے کی اقسام

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی گئی ہے وہ فی نفسہ حرام ہوگی یا مکروہ ہوگی یا مستحب ہوگی یا مباح ہوگی یا فرض۔ اس اعتبار سے قسم پورا کرنے اور قسم کو توڑنے کی پانچ پانچ قسمیں ہیں اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

[۱]۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳۶-۵۳۱ ملخصاً مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[۲]۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۳۸٦، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

(۱)۔ جس کام کی قسم کھائی ہے اس کا کرنا یا نہ کرنا حرام ہو مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں شخص کو قتل کرے گا یا نماز نہیں پڑھے گا، یا اپنے باپ سے بات نہیں کرے گا۔ ایسی قسم کو توڑنا فرض ہے اور اس کا پورا کرنا حرام ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کام کی قسم کھاؤ اور اس کام کا خلاف بہتر ہو تو تم قسم کے خلاف کرو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔

(۲)۔ جس کام کی قسم کھائی ہے اس کا کرنا یا نہ کرنا مکروہ ہو، مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اپنے غلام کو اس کے قصور پر مارے گا یہ اس لیے مکروہ ہے کہ معاف کرنا افضل ہے۔ یا قسم کھائے کہ اگر مقروض نے وقت پر قرض ادا نہ کیا تو اس کی شکایت کرے گا یہ اس لیے مکروہ ہے کہ مقروض کو مہلت دینا افضل ہے بلکہ واجب ہے یا قسم کھائے کہ ایک ماہ تک اپنی بیوی سے عمل تزویج نہیں کرے گا ان صورتوں میں قسموں کو پورا کرنا مکروہ ہے اور قسم کا توڑنا واجب یا مستحب ہے (مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور غلام کو اس کے قصور پر نہ مارنا مستحب ہے۔) اور یہاں مکروہ سے مراد عام ہے مکروہ تحریمی ہو یا تنزیہی۔

(۳)۔ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے وہ مباح ہو مثلاً وہ قسم کھائے کہ وہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا یا یہ روٹی نہیں کھائے گا۔ اس صورت میں قسم کا پورا کرنا واجب ہے اور قسم کو توڑنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واحفظوا ایمانکم "اپنی قسموں کی حفاظت کرو"، یعنی قسموں کو پورا کرو۔

(۴)۔ جس کام کی قسم کھائی ہے اس کا کرنا یا نہ کرنا فرض ہو، مثلاً اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا یا قسم کھائی ہے کہ وہ زنا نہیں کرے گا اس قسم کا پورا کرنا فرض اور توڑنا حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قسم پورا کرنے اور توڑنے کے اعتبار سے دس قسمیں ہیں:

(۱)۔ قسم پورا کرنا حرام ہو اور توڑنا فرض ہو (۲) قسم پورا کرنا مکروہ تحریمی ہو اور توڑنا واجب ہو (۳) قسم پورا کرنا مکروہ تنزیہی ہو اور توڑنا مستحب ہو۔ (۴) قسم پورا کرنا واجب ہو اور توڑنا مکروہ تحریمی ہو (۵) قسم پورا کرنا فرض ہو توڑنا حرام ہو۔ [1]

بکثرت قسم کھانا غیر پسندیدہ ہے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: قسم کھانے میں افراط کرنا مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولا تطع کل حلاف مهين (القلم: ۱۰) "آپ بکثرت قسم کھانے والے ذلیل کی اطاعت نہ کریں" یہ بکثرت قسم کھانے والے کی مذمت ہے جو بکثرت قسم کھانے کی مذمت کا تقاضا کرتی ہے اور اگر قسم کھانے میں افراط نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مطلقاً قسم کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم (بقرہ: ۲۲۴) "اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ" لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ متعدد احادیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا: واللہ یا امة محمد ما احد اغير من الله ان يزني عبده او تزني امته۔ "خدا کی قسم! اے امت محمد زنا کار

---

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۲۹۲-۲۹۱ ملخصاً وموضحاً مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

بندے یا باندی پر اللہ تعالیٰ سے غیور کوئی نہیں ہے" اور فرمایا "والذی نفسی بیدہ انکم لاحب الناس الی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے"، اور ایسی بہت سی احادیث ہیں۔ اور "ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم" کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی قسموں کو نیکی اور بھلائی کے کاموں سے رکنے کا ذریعہ نہ بناؤ، مثلاً کوئی شخص کسی کے ساتھ بھلائی نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بھلائی نہ کرے، اس قسم کی قسموں کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے مطلقاً قسم کھانے سے منع نہیں کیا۔ [1]

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی لکھتے ہیں: افضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کم کھائی جائیں کیونکہ اگر ماضی کے متعلق زیادہ قسمیں کھائیں تو ہو سکتا ہے کہ کسی بات پر جھوٹی قسم کھالے اور مستقبل میں کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بکثرت قسمیں کھائیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کی قسم کھا کر پوری نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہو۔ [2]

لات کی اصل اور تاریخ

حدیث نمبر ۴۱۴۶ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے اپنی قسم میں کہا: لات کی قسم! اس کو چاہیے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور حدیث نمبر ۴۱۴۷ میں ہے جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی وہ لا الٰہ الا اللہ کہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ لات، منات اور عزیٰ کفار قریش کے بت تھے۔ قتادہ نے کہا کہ لات ثقیف کا طائف میں بت تھا، ابو عبیدہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ کعبہ میں بت تھا۔ ابن زید نے کہا کہ مکا نخلہ کے بازار میں ایک باغ میں یہ بت تھا وہاں قریش اس کی عبادت کرتے تھے۔ ابن عطیہ نے قتادہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ابو الحیان اندلسی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لات نام کے کئی بت ہوں اور ان سب جگہوں پر یہ بت نصب ہوں سو ہر ایک نے اپنے بت کی خبر دی ہے۔ لفظ لات کی اصل کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ لتّ یلُتّ کا اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے ستو گھولنا، ایک شخص ایک پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کے لیے ستو گھولتا تھا جب وہ مر گیا تو لوگ اس شخص کی تعظیم کے لیے اس پتھر کی عبادت کرنے لگے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ شخص ایک پتھر پر بیٹھ کر ستو گھولتا تھا اور جو شخص بھی اس کے بنائے ہوئے ستو پیتا وہ موٹا ہو جاتا تھا تو لوگوں نے اس کی عبادت شروع کر دی۔ لات کی اصل کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوی سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اعتکاف کرنا کیونکہ لوگ اس کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتے تھے اس لیے اس کو لات کہتے ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ "یلیت" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے طواف کرنا کیونکہ کفار اس بت کا طواف کرتے تھے اس لیے اس کو لات کہا جانے لگا۔ [3]

عزیٰ کی اصل اور تاریخ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: عزیٰ غطفان کا بت تھا، قتادہ نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ یہ ایک باغ میں ببول کا درخت تھا، یہ اصل میں اعزّ کا مؤنث ہے، امام نسائی اور امام ابن مردویہ نے ابو الطفیل سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۳۸۷-۳۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۲۷۷ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ۔

[3] علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمد آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی جز ۲۷ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

باغ میں بھیجا جس میں عزیٰ تھا۔ حضرت خالد باغ میں گئے وہاں تین ببول کے درخت تھے انھوں نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور جس کوٹھڑی میں یہ بت تھا اس کو منہدم کر دیا۔ جب حضرت خالد نے واپس لوٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ تم نے تو کچھ نہیں کیا، حضرت خالد دوبارہ گئے، جب پجاریوں نے حضرت خالد کو دیکھا تو یا عزیٰ یا عزیٰ پکارتے ہوئے نکلے۔ وہاں ایک برہنہ عورت تھی جس کے بال اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے، حضرت خالد نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا پھر واپس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا آپ نے فرمایا یہی عزیٰ تھی اور اب کبھی اس کی پوجا نہیں ہوگی!۔ [1]

کفریہ کلمات سے قسم کھانے کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ قسم معبود معظم کی کھائی جاتی ہے پس جس شخص نے لات وغیرہ کی قسم کھائی اس نے کفار کی طرح ایک کام کیا اس لیے آپ نے کلمہ توحید پڑھنے کے ساتھ اس کی تلافی کا حکم دیا۔ ابن عربی نے کہا جس شخص نے تحقیق اور سنجیدگی سے یہ قسم کھائی وہ کافر ہو گیا اور جس نے جہالت یا بے توجہی کی بنا پر یہ قسم کھائی، وہ لا الہ الا اللہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تلافی قبول کرے گا اور اس کو سہو سے التفات کی طرف اور اس کی زبان کو حق کی جانب لوٹا دے گا۔ [2]

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: جس شخص نے کہا: "اگر اس نے یہ کام کیا ہو تو وہ یہودی ہے یا یہودی ہو جائے گا" تو یہ کلمہ قسم ہے۔ اگر اس نے ماضی کے متعلق قسم کھائی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ وہ اس قسم میں سچا ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں، اور اگر اس کو پتا ہے کہ وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو محمد بن مقاتل نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے کفر کو ایک موجود اور محقق چیز پر معلق کیا ہے اور امر موجود پر کسی چیز کو معلق کرنا تحقق اور علی الفور نافذ ہوتا ہے پس گویا کہ اس نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر اس کی قسم ماضی سے متعلق ہو تو اس پر کفارہ ہے اور اس سے وہ کافر نہیں ہوگا اور ماضی کی قسم کا بھی مستقبل پر اعتبار کیا جائے گا سو ماضی کی قسم یمین غموس کے حکم میں ہے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس کو علم ہے کہ یہ قسم ہے تو وہ اس سے کافر نہیں ہوگا، خواہ قسم کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے اور اگر اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ قسم ہے اور اس کے نزدیک یہ کلمہ کفر ہے تو پھر وہ کافر ہو جائے گا خواہ قسم کا تعلق ماضی ہو یا مستقبل سے۔ کیونکہ جو چیز اس کے نزدیک کفر ہے اس نے اس کو عمداً اختیار کیا اور اس نے کفر کو اختیار کیا پس وہ کافر ہو جائے گا۔ [3]

علامہ ابوالحسن مرغینانی نے شمس الائمہ سرخسی کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4]

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری نے شمس الائمہ سرخسی کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ [5]

---

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی جز ۲۷ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۸ ص ۶۱۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۰ھ

[3] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۸ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[4] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۶۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[5] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۲۸۶ - ۲۸۵ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

آیا کفریہ کلمات سے ائمہ مذاہب کے نزدیک شرعی قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب (شافعیہ) یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے لات اور عزیٰ یا دیگر بتوں کی قسم کھائی یا اس نے کہا اگر میں نے یہ کام کیا تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا اسلام سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ استغفار کرے اور لا الٰہ الا اللہ کہے اور وہ اس کام کو کرے یا نہ کرے اس پر کفارہ نہیں ہے۔ یہ امام شافعی، امام مالک اور جمہور علماء کا مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں کفارہ لازم آتا ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ کہے میں بدعتی ہوں، یا کہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں [1]

امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی علامہ نووی کی طرح امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کیا ہے۔ [2]

حالانکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں قسم منعقد نہیں ہوتی کہ ان تمام صورتوں میں یہ صورت بھی ہے کہ کوئی شخص لات، عزیٰ یا دیگر بتوں کی قسم کھائے، کیونکہ فقہاء احناف نے اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے سوا اور کسی اسم سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔ علامہ مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں:

ومن حلف بغير الله لم يكن حالفاً كالنبي والكعبة لقوله عليه السلام من كان منكم حالفاً فليحلف بالله۔ [3]

جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی مثلاً نبی یا کعبہ کی قسم کھائی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے جس شخص نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے۔

اور شمس الائمہ سرخسی حنفی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آباء اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ اور لکھا کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ قسم شرعی نہیں ہوگی۔ [4]

لہٰذا علامہ نووی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا غلط ہے کہ ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ علامہ نووی اور علامہ عسقلانی تو خیر شافعی علماء ہیں اگر فقہ حنفی کا کوئی جزیہ ان سے مخفی رہ جائے یا حنفی مذہب کو بیان کرنے میں ان سے تسامح ہو جائے تو اس قدر باعث حیرت نہیں ہے لیکن سخت حیرت ہے کہ بعض حنفی علماء بھی اس غلطی کا شکار ہو گئے اور انھوں نے بھی علامہ نووی کا نام لے کر مذہب احناف اسی طرح نقل کر دیا۔ شیخ غلام رسول رضوی لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۱ھ

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۵۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۷ ص ۲۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اگر لات و عزیٰ وغیرہ بتوں کی قسم کھائی یا کہا اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی، نصرانی یا اسلام سے بیزار ہوں یا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزار ہوں وغیرہ وغیرہ سے قسم منعقد نہیں ہوتی، اس پر لازم ہے کہ استغفار کرے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھے، وہ مذکور کام کرے یا نہ کرے، اس پر کفارہ واجب نہیں۔ امام شافعی، امام مالک اور دیگر علماء کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا تمام میں اس پر کفارہ واجب ہے۔ [1]

حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا ان کی طرف یہ نسبت واقع کے خلاف ہے۔

قمار کی دعوت دینے کا حکم

حدیث نمبر ۴۱۴۶ کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ جوا کھیلیں اس کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

کتاب البیوع کے شروع میں ہم قمار (جوا) پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں، یہاں پر ہم صرف قمار کی تعریف کا دوبارہ ذکر کر رہے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں قمار قمر (چاند) سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ۔ جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے۔ اور اگر ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔ [2]

میر سید شریف لکھتے ہیں: ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی قمار ہے۔ [3]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: آپ نے صدقہ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس شخص نے معصیت کی دعوت دی تھی، علامہ خطابی نے کہا کہ جتنے پیسوں کا جوا کھیلنے کا کہا تھا اتنے پیسوں کا صدقہ کرے۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ صدقہ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ جو آسانی سے صدقہ کر سکے وہ صدقہ کر دے۔ [4]

یہ خیال رہے کہ گناہ دراصل توبہ سے ساقط ہوتا ہے اور صدقہ کی وجہ سے قبولیت توبہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا دور ہونا زیادہ متوقع ہے۔

بَابٌ ۵۳: نَدْبِ مَنْ حَلَفَ يَمِينًا فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا اَنْ يَّاْتِيَ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّيُكَفِّرُ عَنْ يَمِيْنِهٖ

قسم کا خلاف بہتر ہونے کی صورت میں قسم کا خلاف کرنے کا استحباب

۴۱۵۰ - حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ وَّ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَّ يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ وَاللَّفْظُ لِخَلَفٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں چند اشعریوں کے ساتھ سواری طلب کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے

---

[1] شیخ غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۷ ص ۴۸۹، مطبوعہ عبدالحمید پرنٹرز، لاہور

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۵۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۷۷، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ ابْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أُتِيَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ لَا يُبَارِكُ اللهُ لَنَا أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَأَتَوْهُ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلَكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ أَرَى خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

فرمایا: بخدا میں تم کو سواری نہیں دوں گا اور نہ تمہیں دینے کے لیے میرے پاس سواری ہے! حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ پھر جب تک اللہ نے چاہا ہم ٹھیرے رہے، پھر آپ کے پاس کچھ اونٹ آئے، آپ نے ہمیں سفید کوہان کے تین اونٹ دینے کا حکم دیا۔ جب ہم جانے لگے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا: "اللہ تعالیٰ ہمیں برکت نہ دے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری مانگنے کے لیے آئے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے، پھر آپ نے ہمیں سواری دے دی، پھر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو سواری نہیں دی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ سواری دی ہے، اور بخدا میں کسی کام کو کرنے کی قسم کھاؤں پھر مجھے خیال آئے کہ اس کا خلاف بہتر ہے تو میں انشاء اللہ اس بہتر کام کو کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

۴۱۵۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ لَهُمُ الْحُمْلَانَ إِذْ هُمْ مَعَهُ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّ أَصْحَابِي أَرْسَلُونِي إِلَيْكَ لِتَحْمِلَهُمْ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ وَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ وَلَا أَشْعُرُ فَرَجَعْتُ حَزِينًا مِنْ مَنْعِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ مَخَافَةِ أَنْ يَكُونَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى أَصْحَابِي

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ساتھیوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواریاں مانگنے کے لیے بھیجا کیونکہ وہ جیش عسرت یعنی غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے سواریاں لینے کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے، آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں بالکل سواری نہیں دوں گا، آپ اس وقت غصہ میں تھے اور مجھے اس کا پتا نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے میں غمزدہ ہوا اور یہ خدشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ناراض ہو گئے ہوں! میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ انہیں بتا دیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے حضرت بلال کی آواز سنی: "اے عبد اللہ بن قیس! میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا جاؤ رسول اللہ

فأخبرتهم الذي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم ألبث إلا سويعة إذ سمعت بلالا ينادي أي عبد الله بن قيس فأجبته فقال أجب رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعوك فلما أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال خذ هذين القرينين وهذين القرينين وهذين القرينين لستة أبعرة ابتاعهن حينئذ من سعد فانطلق بهن إلى أصحابك فقل إن الله أو قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يحملكم على هؤلاء فاركبوهن قال أبو موسى فانطلقت إلى أصحابي بهن فقلت إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يحملكم على هؤلاء ولكن والله لا أدعكم حتى ينطلق معي بعضكم إلى من سمع مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم حين سألته لكم ومنعه في أول مرة ثم إعطاءه إياي بعد ذلك لا تظنوا أني حدثتكم شيئا لم يقله فقالوا لي والله إنك عندنا لمصدق ولنفعلن ما أحببت فانطلق أبو موسى بنفر منهم حتى أتوا الذين سمعوا قول رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنعه إياهم ثم إعطاءهم بعد فحدثوهم بما حدثهم به أبو موسى سواء.

صلی اللہ علیہ وسلم تم کو بلا رہے ہیں، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے چھ اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ جوڑا لو، یہ جوڑا لو اور یہ جوڑا لو اور ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ! آپ نے اسی وقت حضرت سعد سے یہ اونٹ خریدے تھے، آپ نے فرمایا اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یہ سواریاں دی ہیں، ان پر سواری کرو، میں یہ سواریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ان سواریوں پر سوار کیا ہے، لیکن میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم میں سے کوئی شخص میرے ساتھ ان لوگوں کے پاس نہیں جائے گا جنھوں نے میرے سوال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا تھا، آپ نے پہلی بار منع فرمایا تھا اور اس کے بعد آپ نے یہ اونٹ دیے تھے، تم یہ گمان نہ کرنا کہ میں نے تم کو وہ حدیث سنائی ہے جو آپ نے نہیں فرمائی تھی، میرے ساتھیوں نے کہا بخدا تم ہمارے نزدیک سچے ہو اور ہم تمہاری خواہش ضرور پوری کریں گے، پھر حضرت ابو موسیٰ ان میں سے کچھ ساتھیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس گئے جنھوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا سنا تھا پھر اس کے بعد آپ کا عطا فرمانا دیکھا تھا۔ انھوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابو موسیٰ نے بیان کیا تھا۔

۴۱۵۲- حدثني أبو الربيع العتكي حدثنا حماد يعني ابن زيد عن أيوب

زہدم جرمی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابو موسیٰ نے اپنا کھانا

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَاصِمٍ
عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ أَيُّوبُ وَأَنَا لِحَدِيثِ
الْقَاسِمِ أَحْفَظُ مِنِّي لِحَدِيثِ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ
كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى فَدَعَا بِمَائِدَتِهِ وَعَلَيْهَا
لَحْمُ دَجَاجٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللَّهِ
أَحْمَرُ شَبِيهٌ بِالْمَوَالِي فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ
فَتَلَكَّأَ فَقَالَ هَلُمَّ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَأْكُلُ مِنْهُ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ
شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ
فَقَالَ هَلُمَّ أُحَدِّثْكَ عَنْ ذَلِكَ إِنِّي أَتَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ
مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا
أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ فَلَبِثْنَا
مَا شَاءَ اللَّهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَدَعَا بِنَا فَأَمَرَ لَنَا
بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى قَالَ فَلَمَّا
انْطَلَقْنَا قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ أَغْفَلْنَا
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينَهُ
لَا يُبَارَكُ لَنَا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنَّا أَتَيْنَاكَ نَسْتَحْمِلُكَ وَإِنَّكَ حَلَفْتَ
أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا أَفَنَسِيتَ يَا
رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنِّي وَاللَّهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا
أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا
إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا فَانْطَلِقُوا
فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

منگوایا جس میں مرغ کا گوشت تھا۔ جرم تیم اللہ سے سرخ رنگ
کا ایک آدمی آیا جو غلاموں سے مشابہ تھا، حضرت ابوموسیٰ نے
اسے کھانے کے لیے بلایا وہ کچھ ہچکچایا، حضرت ابوموسیٰ
نے کہا: آؤ! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
بھی مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس شخص نے
کہا میں نے مرغی کو کچھ (گندگی) کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔
مجھے اس سے گھن آئی، پھر میں نے قسم کھائی کہ میں مرغی
نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ نے کہا آؤ میں تم کو اس بارے
میں ایک حدیث سناتا ہوں، میں چند اشعری ساتھیوں کے
ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری مانگنے
کے لیے گیا آپ نے فرمایا بخدا میں تم کو سواری نہیں دوں
گا اور نہ ہی میرے پاس سواری موجود ہے، سو جس قدر
منظور خدا تھا ہم ٹھہرے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے، آپ
نے ہمیں بلایا اور سفید کوہان کے پانچ اونٹ ہمیں دیے۔
جب ہم روانہ ہوئے تو ہمارے ساتھیوں نے ایک
دوسرے سے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم
یاد نہیں دلائی۔ ہمیں (ان اونٹوں میں) برکت نہیں ہوگی۔
ہم دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے
اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اس قسم کو بھول گئے! آپ نے
فرمایا: بخدا! میں کسی کام کو کرنے کی قسم کھاؤں پھر مجھے خیال
آئے کہ اس کا خلاف بہتر ہے تو میں ان شاء اللہ اس بہتر کام
کو کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا، جاؤ! تمہیں اللہ عزوجل
نے سواریاں دی ہیں۔

۴۱۵۳ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي
قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ

زہدم جرمی کہتے ہیں کہ جرم کے اس قبیلہ اور اشعریوں
کے درمیان دوستی اور بھائی چارہ تھا، ہم حضرت ابوموسیٰ
اشعری کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے

الْجَرْمِيِّ قَالَ كَانَ بَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

۴۱۵۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ ح وَحَدَّثَنِيْ أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى وَاقْتَصُّوا جَمِيعًا الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ۔

امام مسلم نے تین مختلف سندوں کے ساتھ زہدم جرمی سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تمام سندوں کے ساتھ حماد بن زید کی ۴۱۵۲ والی روایت کی طرح روایت ہے۔

۴۱۵۵۔ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا الصَّعِقُ يَعْنِي ابْنَ حَزْنٍ حَدَّثَنَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ حَدَّثَنَا زَهْدَمٌ الْجَرْمِيُّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى وَهُوَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ وَزَادَ فِيهِ قَالَ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا نَسِيتُهَا۔

زہدم جرمی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا دراں حالیکہ وہ مرغی کا گوشت کھا رہے تھے اس کے بعد حسب سابق روایت ہے اور اس میں یہ زیادہ ہے کہ آپ نے فرمایا بخدا میں اس (قسم) کو نہیں بھولا۔

۴۱۵۶۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ ضُرَيْبِ بْنِ نُقَيْرٍ الْقَيْسِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواریاں مانگنے کے لیے گئے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تمہارے لیے سواری نہیں ہے۔ اور بخدا میں تم کو سواری نہیں دوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس چتکبرے

مَا عِنْدِیْ مَا أَحْمِلُكُمْ وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ [illegible] بِثَلَاثِ ذَوْدٍ بُقْعِ الذُّرٰى فَقُلْنَا إِنَّا أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهٗ فَحَلَفَ أَنْ لَّا يَحْمِلَنَا فَأَتَيْنَاهُ فَأَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ إِنِّیْ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ أَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ۔

کہ ان والے تین اونٹ بھیجے، ہم نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے سو ہم نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلایا، آپ نے فرمایا میں کسی کام کو کرنے کی قسم کھاؤں پھر مجھے خیال آئے کہ اس کا خلاف بہتر ہے تو میں اس بہتر کام کو کروں گا۔

۴۱۵۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى التَّيْمِیُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيْهِ حَدَّثَنَا أَبُو السَّلِيْلِ عَنْ زَهْدَمٍ يُحَدِّثُهٗ عَنْ أَبِیْ مُوْسٰى قَالَ كُنَّا مُشَاةً فَأَتَيْنَا نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهٗ بِنَحْوِ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پیادہ تھے، ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری طلب کی۔ جریر کی حدیث کی طرح روایت ہے۔

۴۱۵۸ - حَدَّثَنِیْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِیُّ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَعْتَمَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَوَجَدَ الصِّبْيَةَ قَدْ نَامُوْا فَأَتَاهُ أَهْلُهٗ بِطَعَامِهٖ فَحَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ أَجْلِ صِبْيَتِهٖ ثُمَّ بَدَا لَهٗ فَأَكَلَ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيَأْتِهَا وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو رات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیر ہو گئی، جب وہ اپنے گھر گیا تو بچے سو چکے تھے، اس کی بیوی کھانا لے کر آئی، اس نے اپنے بچوں کی وجہ سے قسم کھائی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، پھر اس کو خیال آیا اور اس نے کھانا کھا لیا۔ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کوئی قسم کھائی پھر اس کو خیال آیا کہ اس کا خلاف بہتر ہے وہ اس بہتر کام کو کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔

۴۱۵۹ - وَحَدَّثَنِیْ أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِیْ مَالِكٌ عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی

سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَفْعَلْ.

قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس کام کو کرے۔

۴۱۶۰ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔

۴۱۶۱ - وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ حَدَّثَنِي سُهَيْلٌ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ فَلْيُكَفِّرْ يَمِينَهُ وَلْيَفْعَلِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس بہتر کام کو کرے۔

۴۱۶۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ رُفَيْعٍ عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ قَالَ جَاءَ سَائِلٌ إِلَى عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ فَسَأَلَهُ نَفَقَةً فِي ثَمَنِ خَادِمٍ أَوْ فِي بَعْضِ ثَمَنِ خَادِمٍ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِي مَا أُعْطِيكَ إِلَّا دِرْعِي وَمِغْفَرِي فَأَكْتُبُ إِلَى أَهْلِي أَنْ يُعْطُوكَهَا قَالَ فَلَمْ يَرْضَ فَغَضِبَ عَدِيٌّ فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ لَا أُعْطِيكَ شَيْئًا ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ رَضِيَ فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ

تمیم بن طرفہ کہتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم کے پاس ایک سائل آیا اور ان سے ایک غلام کی قیمت یا غلام کی قیمت کے کچھ حصہ کا سوال کیا، حضرت عدی نے کہا میرے پاس تمہیں دینے کے لیے اس زرہ اور خود کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، میں اپنے گھر والوں کو تمہیں کچھ دینے کے لیے لکھتا ہوں، مگر وہ راضی نہ ہوا حضرت عدی کو غصہ آ گیا اور کہا خدا کی قسم! میں تم کو کچھ نہیں دوں گا، پھر وہ شخص راضی ہو گیا، حضرت عدی نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس نے خیال کیا کہ اس کے خلاف میں اللہ کا تقویٰ زیادہ ہے تو وہ اس تقویٰ والے کام کر

فَقَالَ تَسْأَلُنِي مِائَةَ دِرْهَمٍ وَأَنَا ابْنُ حَاتِمٍ وَاللَّهِ لَا أُعْطِيكَ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ ثُمَّ رَأَى خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

سنا ہوتا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس نے اس سے بہتر چیز کا خیال کیا تو وہ اس بہتر کام کو کرے۔

۴۱۶۷ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ تَمِيمَ بْنَ طَرَفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَذَكَرَ مِثْلَهُ وَزَادَ وَلَكَ أَرْبَعُمِائَةٍ فِي عَطَائِي.

حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا، اس کے بعد حسب سابق روایت بیان کی۔ اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ تم میری عطاء سے چار سو درہم لے لو۔

۴۱۶۸ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ قَالَ أَبُو أَحْمَدَ الْجُلُودِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْمَاسَرْجِسِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ بِهَذَا الْحَدِيثِ.

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمن! حکومت کا سوال نہ کرنا اگر تم کو سوال کرنے سے حکومت دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے اور اگر تم کو بغیر سوال کے حکومت ملی تو تمہاری امداد کی جائے گی اور جب تم کسی کام کی قسم کھاؤ پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کرو تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور جو بہتر کام ہے اس کو کرو، ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۴۱۶۹ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُونُسَ وَمَنْصُورٍ وَحُمَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ

چار مختلف سندوں کے ساتھ امام مسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے۔

حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ ثُمَّ رَاٰى اَتْقٰى لِلّٰهِ مِنْهَا فَلْيَأْتِ التَّقْوٰى مَا حَنِثَتْ يَمِيْنِيْ -

کرے، تو یہ اپنی قسم کو نہ توڑتا۔

۴۱۶۳ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّلْيَتْرُكْ يَمِيْنَهٗ -

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس نے اس کام کے خلاف کو بہتر خیال کیا وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کو چھوڑ دے۔

۴۱۶۴ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَّ مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفٍ الْبَجَلِيُّ وَ اللَّفْظُ لِابْنِ طَرِيْفٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ تَمِيْمٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَدِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ اَحَدُكُمْ عَلَى الْيَمِيْنِ فَرَاٰى خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيُكَفِّرْهَا وَلْيَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ -

حضرت عدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کی قسم کھائے پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کرے تو وہ اس قسم کا کفارہ دے اور اس کام کو کرے جو بہتر ہے۔

۴۱۶۵ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ تَمِيْمٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ذٰلِكَ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔

۴۱۶۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ طَرَفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ وَّاَتَاهُ رَجُلٌ يَّسْاَلُهٗ مِائَةَ دِرْهَمٍ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص سو درہم مانگنے کے لیے آیا، حضرت عدی نے کہا تو مجھ سے سو درہم کا سوال کر رہا ہے حالانکہ میں ابن حاتم ہوں! بخدا! میں تجھ کو نہیں دوں گا پھر کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ

عَطِيَّةَ وَ يُوْنُسَ بْنِ عُبَيْدٍ وَ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ فِيْ اٰخَرِيْنَ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ اَبِيْهِ ح وَ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ كُلُّهُمْ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَ لَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ اَبِيْهِ ذِكْرُ الْاِمَارَةِ ۔

خود سواریاں دے کر اس کی اللہ کی طرف نسبت کرنے کی توجیہات

حدیث نمبر ۴۱۵۰ میں ہے آپ نے اشعریین سے فرمایا: "میں نے تم کو سواری نہیں دی لیکن یہ سواری تم کو اللہ نے دی ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ساتھیوں کو سواری دی اور اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا اس کی شارحین نے کئی توجیہات کی ہیں ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی تھی کہ اپنی ملکیت میں سے کوئی اونٹ نہیں دیں گے اور آپ نے جو اونٹ عطا فرمائے تھے وہ اپنی ملکیت میں سے نہیں دیے تھے بلکہ بیت المال سے دیے تھے اور وہ اللہ کا مال ہے اس لیے فرمایا کہ یہ سواریاں تمہیں اللہ نے دی ہیں۔ اس توجیہ کا مآل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم نہیں توڑی اور یہ جو فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کام کی قسم کھاؤں پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کروں تو میں وہ بہتر کام کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا اس جملہ کا اس قصہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ آپ نے بر سبیل ہدایت ایک حکم یا قاعدہ بیان فرمایا ہے۔[1]

دوسری توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم توڑنے کی نفی نہیں کی، بلکہ یہ بتلایا ہے کہ آپ کا اونٹ دینا اونٹ نہ دینے کی قسم پوری کرنے سے بہتر ہے اور آپ کا اونٹ عطا فرمانا نسیان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ کے حکم کی وجہ سے ہے اسی لیے فرمایا میں نے تم کو یہ سواریاں نہیں دیں بلکہ یہ سواریاں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، گویا یہ اسناد الی السبب ہے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ارشاد وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ کے طریقہ پر ہے یعنی جب آپ نے کنکریاں ماری تھیں تو وہ کنکریاں آپ نے نہیں ماریں وہ کنکریاں اللہ نے ماری تھیں۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ سواریوں کا دینا اگرچہ ظاہراً اور کسباً آپ کا فعل تھا لیکن حقیقۃً اور خلقاً وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "مقام ولایت و نبوت" میں تفصیلاً بحث کی ہے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: جو شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم پورا

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۰۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کرنے سے قسم کو توڑنا بہتر ہو تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے قسم کو توڑنا مستحب ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ واجب نہیں ہوگا اور یہ کہ قسم توڑنے کے بعد کفارے کو مؤخر کرنا جائز ہے اور یہ کہ کفارے کو قسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا قسم کھانے کے بعد اور قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام اوزاعی، امام ثوری، امام شافعی اور چودہ صحابی اور فقہاء تابعین اس کو جائز کہتے ہیں سو یہ جمہور کا قول ہے، لیکن ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ قسم توڑنے کے بعد کفارہ دیا جائے، امام شافعی نے روزے کے کفارے کا استثناء کیا ہے اور کہا ہے کہ روزہ توڑنے سے پہلے روزے کا کفارہ جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کو وقت سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نماز وقت سے پہلے جائز نہیں نہ رمضان کا روزہ، اور مالی کفارہ کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے، جس طرح زکوٰۃ کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے، بعض شافعیہ نے معصیت کی قسم کا استثناء کیا ہے "تاکہ معصیت پر اعانت لازم نہ آئے" لیکن جمہور نے معصیت کی قسم کے کفارے کی تقدیم کو بھی جائز کہا ہے اور امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور اشہب مالکی نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارے کا ادا کرنا کسی صورت سے جائز نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال ان احادیث کے ظاہری مفہوم سے ہے اور زکوٰۃ پر قیاس کرنے سے ہے۔ [1]

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے جواز پر جمہور کے دلائل

جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ہر چند کہ مستحب یہ ہے کہ قسم توڑنے کے بعد کفارہ دے لیکن اگر قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ ادا کر دیا تو جائز ہے ان کی دلیل اس باب کی احادیث نمبر ۴۱۵۹، ۴۱۶۱ اور ۴۱۶۴ ہیں جن میں ذکر ہے فلیکفر عن یمینہ ولیفعل "قسم کا کفارہ دے اور اس بہتر کام کو کرے" چونکہ ان احادیث میں پہلے کفارہ ادا کرنے کا ذکر ہے اس کے بعد قسم توڑنے کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز ہے اور یہ ان احادیث کے ظاہری مفہوم سے استدلال ہے۔ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں واؤ کا ذکر ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لیے نہیں آتی جبکہ حدیث نمبر ۴۱۵۸، ۴۱۶۰ اور ۴۱۶۶ میں پہلے قسم توڑنے کا ذکر ہے اور یہی اصل کے مطابق ہے۔

فقہاء احناف کے اس اعتراض کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: بعض اسانید میں واؤ کے بجائے "ثم" کا لفظ بھی مروی ہے۔ امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: کفر عن یمینک ثم ائت الذی ھو خیر۔ "اپنی قسم کا کفارہ دو پھر اس کام کو کرو جو بہتر ہے، امام نسائی نے بھی ثم کے ساتھ روایت کیا ہے البتہ امام بخاری اور مسلم کی روایت میں لفظ واؤ ہے اور امام حاکم نے ثم کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [2]

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے عدم جواز پر فقہاء احناف کے دلائل اور جمہور کے دلائل کے جوابات

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۸-۴۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ثم کے لفظ کے ساتھ جو روایات پیش کی ہیں ان کے معارضہ میں فقہاء احناف نے حسب ذیل احادیث پیش کی ہیں:

علامہ ابن ہمام نے مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر یہ خیال کیا کہ اس کا خلاف بہتر ہے، وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

امام ابوداؤد طیالسی روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن اذینہ عن ابیہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر فلیکفر عن یمینہ۔ [2]

عبد الرحمن بن اذینہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا، وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال ... فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فلیأتھا و لیکفر عن یمینہ۔ [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا سو وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

اس میں فاء کے ساتھ قسم توڑنے کا ذکر ہے اور اس کے کفارے کا ذکر ہے اور فاء کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ قسم توڑنا کفارے پر مقدم ہو۔

حافظ زیلعی امام سرقسطی کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من حلف علی یمین فرای خیرا منھا، فلیأتہ ثم لیکفر عن یمینہ۔ [4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا پس وہ اس بہتر کام کو کرے پھر اپنی قسم کا کفارہ دے۔

ان احادیث میں پہلے قسم توڑنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد قسم کا کفارہ دینے کا ذکر ہے اور یہ احادیث اصول کے

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۶۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[2] امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی متوفی ۲۰۴ھ، مسند طیالسی ص ۱۹۵

[3] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ھ

[4] حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف حنفی زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۷

مطابق ہیں کیونکہ قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے اور کفارہ مسبب ہے اور سبب مسبب پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ احادیث حافظ ابن حجر عسقلانی کی پیش کردہ روایات پر راجح ہیں۔ ان احادیث کی تائید امام بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا اتیت الذی ھو خیر وتحللتھا۔ [۱]

خدا کی قسم! میں جب بھی کسی کام کو کرنے کی قسم کھاتا ہوں، پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کرتا ہوں تو میں ان شاء اللہ اس بہتر کام کو کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کے موقف پر استدلال کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم۔ "یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم توڑ دو" علامہ عینی نے جمہور اور امام شافعی کے موقف پر تین اعتراض کیے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے اس کو کفارہ فرمایا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا کفارہ دیا جائے۔ (۲) احادیث میں کفارہ دینے کے لیے جوامر کا صیغہ وارد ہے اس کا تقاضا ہے کہ کفارہ ادا کرنا واجب ہو اور واجب صرف قسم توڑنے کے بعد ہوتا ہے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جمہور کے نزدیک صرف جائز ہے پس قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں امر کے صیغہ کو بلاوجہ اس کی حقیقت سے پھیرنا ہے (۳) امام شافعی کے نزدیک بھی روزہ کے کفارہ کو روزہ توڑنے سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس اعتبار سے بھی یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ [۲]

زہدم کی نسبت پر ایک اشکال کا جواب

حدیث نمبر ۴۱۵۲ میں زہدم جرمی کی روایت ہے اور اسی میں ہے کہ بنو تیم اللہ سے ایک شخص آیا، اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں متغائر شخص ہیں، حالانکہ ان دونوں سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بنو جرم اور بنو تیم اللہ قبیلہ قضاعہ کی شاخیں ہیں اور کبھی زہدم اپنے آپ کو بنو جرم کی طرف منسوب کرتے تھے اور کبھی بنو تیم اللہ کی طرف۔

سوال کرنے سے ابن حاتم کی ناراضگی کی توجیہ

حدیث نمبر ۴۱۶۲ میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سو درہم مانگے تو انھوں نے ناراض ہو کر کہا: تم مجھ سے سو درہم کا سوال کرتے ہو، حالانکہ میں حاتم طائی کا بیٹا ہوں!

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عدی اس لیے ناراض ہوئے تھے کہ تم نے مجھ سے اتنی معمولی رقم کا کیوں سوال کیا ہے؟ حالانکہ میں حاتم طائی کا بیٹا ہوں جو اپنی جود و سخا میں بہت مشہور اور معروف تھا!

اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ حضرت عدی کے ناراض ہونے کی وجہ یہ تھی کہ سائل کو علم تھا کہ اس وقت حضرت عدی کے پاس رقم نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس نے حضرت عدی سے سو درہم کا سوال کیا تاکہ حضرت عدی نہ دیں اور ان کا بخل ظاہر ہو اور حاتم کے نام پر دھبہ لگے! گویا سائل کی نیت خراب تھی اس لیے حضرت عدی نے قسم کھائی کہ اس کو سو درہم نہیں دیے جائیں گے لیکن حدیث یاد آنے پر ارادہ بدل دیا۔

---

[۱] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ

[۲] علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

منصب کا سوال

حدیث نمبر ۴۱۶۸ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمان حکومت کا سوال نہ کرنا الحدیث:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امارۃ، قضاء یا کسی اور منصب کے لیے سوال کرنا مکروہ ہے، اس کی پوری تفصیل اور تحقیق انشاء اللہ ہم کتاب الامارۃ میں بیان کریں گے۔

بَابُ ۵۳۸ يَمِيْنُ الْحَالِفِ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ

قسم میں، قسم دلانے والے کی نیت کا اعتبار ہے

۴۱۷۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ وَقَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ وَقَالَ عَمْرٌو يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری قسم میں اس چیز کا اعتبار ہو گا جس کی تمہارا ساتھی تصدیق کرے گا اور عمرو کی روایت میں "یصدقك به صاحبك" کے الفاظ ہیں۔

۴۱۷۱۔ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم کھلانے والے کی نیت کے لحاظ سے قسم ہو گی۔

فقہاء شافعیہ کے نزدیک قسم میں تاویل اور توریہ کا حکم

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں، جب ایک شخص کسی دوسرے شخص پر کسی حق کا دعویٰ کرے اور وہ شخص قاضی کے حلف دینے سے حلف اٹھائے اور اس میں توریہ کرے یعنی قاضی کی نیت کی بجائے کوئی اور نیت کرے تو اس کی قسم قاضی کی نیت کے مطابق ہو گی اور اس توریہ کا اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا، اس پر سب کا اجماع ہے اور اس کی دلیل اس باب کی حدیث اور اجماع ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص قاضی کے حلف لینے کے بغیر قسم کھائے تو اس کو توریہ نفع دے گا (توریہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ سے اس کے ظاہر اور متبادر معنی کے بجائے کوئی اور معنی مراد لینا مثلاً اس پر گھڑی کی چوری کا الزام ہے وہ

قسم کھائے کہ اس نے گھڑی نہیں چرائی اور اس سے ٹائم بتانے والی گھڑی کی بجائے وہ گھڑی مراد لے جس میں پانی بھرا جاتا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی عام ازیں کہ اس نے بغیر مطالبہ قسم کے از خود قسم کھائی ہو یا قاضی اور اس کے نائب کے بغیر کسی اور شخص نے اس کو قسم دی ہو، اور قاضی یا اس کے نائب کے علاوہ کسی اور قسم دلانے والے شخص کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ حلف کی ہر صورت میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے سوا اس صورت کہ جب کسی شخص پر کسی حق کا دعویٰ ہو اور قاضی یا اس کا نائب اس شخص کو قسم کھلائے اس وقت حلف میں قاضی یا اس کے نائب کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے اور حدیث میں یہی صورت مراد ہے۔ اور جب کسی دعویٰ کے بارے میں قاضی کے بجائے کسی اور شخص کے سامنے قسم کھائے تو اس حلف میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، خواہ اللہ کی قسم کھائے یا طلاق کی یا غلام آزاد کرنے کی، اسی اگر قاضی نے بھی طلاق یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھلائی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اس کو توریہ نفع دے گا، کیونکہ قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ طلاق یا غلام آزاد کرنے کی قسم طلب کرے اس کے لیے صرف اللہ کی قسم طلب کرنا جائز ہے۔ خیال رہے کہ ہر چند کہ قسم کھانے والے کے لیے توریہ کرنا جائز ہے لیکن جب توریہ کرنے سے کسی شخص کا حق ضائع ہوتا ہو تو پھر توریہ کرنا جائز نہیں ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ [1]

امام شافعی کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ایک صورت میں قسم دلانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب قاضی یا اس کا نائب کسی شخص کے حق کے بارے میں اللہ کی قسم دلائے، اور اگر وہ بھی طلاق یا غلام آزاد کرنے کی قسم دلائے تو حلف میں اس کی نیت معتبر نہیں ہوگی اور اگر قاضی یا اس کے نائب کے بجائے کوئی اور شخص قسم طلب کرے تو اس کی نیت بھی معتبر نہیں ہوگی۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک قسم میں تاویل اور توریہ کا حکم

علامہ ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں:

جب کسی شخص نے حلف اٹھایا اور اپنی قسم میں تاویل کی تو اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی تاویل جائز ہے اور اس کے حق میں مفید ہے اور اگر وہ ظالم ہو تو اس کی تاویل اس کو (شرعاً) نفع نہیں دے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يمينك على ما يصدقك به صاحبك "تمہاری قسم میں اس نیت کا اعتبار ہے جس کی تمہارا فریق تصدیق کرے"۔ [2] اس عبارت کی شرح میں علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تاویل کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے کلام سے کسی خلاف ظاہر احتمال کا ارادہ کرے مثلاً وہ قسم کھائے کہ "یہ میرا بھائی ہے" اور اس سے اس کی مراد ہو کہ یہ دینی بھائی ہے یا چھت بول کر آسمان مراد لے یا فرش بول کر زمین مراد لے یا کہے "میری عورتوں کو طلاق ہے" اور اس مراد یہ ہو کہ میرے رشتہ داروں کی عورتوں کو طلاق ہے۔ اس قسم کی تاویلیں کلام کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہیں اور قسم میں تاویل کرنے والا تین حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ ان تین حالتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلی حالت یہ ہے کہ مثلاً قسم کھانے والا مظلوم ہو اور جو شخص اس سے حلف لے رہا ہو وہ شخص اس حلف سے حلف

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ بن احمد الخرقی متوفی ۳۳۴ھ، المقنع مع المغنی ج ۹ ص ۴۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

اٹھانے والے پر ظلم کر رہا ہو یا کسی اور پر ظلم کر رہا ہو یا اس حلف سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچ رہا ہو اس صورت میں حلف اٹھانے والے کے لیے اپنے حلف میں کوئی تاویل کرنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ہر ایک کا نام فاطمہ ہے ان میں سے ایک فوت ہو گئی اس نے فاطمہ کی طلاق کی قسم کھائی اور جو فوت ہو گئی تھی اس کی نیت کی، امام احمد نے فرمایا اگر حلف لینے والا ظالم ہے تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر قسم کھانے والا ظالم ہے تو حلف لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہے تھے، حضرت وائل کو دشمنوں نے پکڑ لیا، میں نے قسم کھائی کہ یہ میرا بھائی ہے تو انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا: آپ نے فرمایا: انت ابرھم و اصدقھم المسلم اخو المسلم۔ "تم ان میں سب سے زیادہ قسم پوری کرنے والے ہو اور سب سے زیادہ سچے ہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔" نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان فی المعاریض المندوحۃ عن الکذب، "توریہ کی وسعت میں جھوٹ سے دوری ہے" اور محمد بن سیرین نے کہا کہ توریہ کی وسعت کی وجہ سے ذہین آدمی کو کبھی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

دوسری حالت یہ ہے کہ قسم اٹھانے والا ظالم ہو اس نے کسی کا حق مار رکھا ہو اور حاکم اس کے ثبوت کے لیے اس سے قسم لے، اس صورت میں وہ قسم الفاظ کے اس ظاہری مفہوم پر محمول ہوگی جو قسم لینے والے کی مراد ہے اور قسم اٹھانے والے کی تاویل اس کے لیے مفید نہیں ہوگی، یہی امام شافعی کا قول ہے اور ہمیں اس میں کسی مخالف قول کا علم نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری قسم میں اس نیت کا اعتبار ہے جس کی تمہارا فریق تصدیق کرے" (صحیح مسلم و سنن ابوداؤد) ابراہیم نے کہا ایک شخص سے حاکم نے کسی چیز پر طلاق کی قسم لی اور حلف اٹھانے والے نے اپنے حلف میں کسی اور چیز کا توریہ کر لیا اگر وہ ظالم ہے تو اس کو یہ توریہ فائدہ نہیں دے گا ورنہ یہ توریہ اس کے لیے مفید ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ قسم اٹھانے والا ظالم ہو نہ مظلوم، اس صورت میں امام احمد کا ظاہر قول یہ ہے کہ اس کی تاویل جائز ہے، روایت ہے کہ امام احمد کے پاس مہنا اور مروذی بیٹھے تھے ایک شخص مروذی کو ڈھونڈتے ہوئے آیا اور مروذی اس سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا، مہنا نے اپنی انگلی ہتھیلی میں رکھ کر کہا مروذی یہاں نہیں ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی ہتھیلی میں مروذی نہیں ہے اور امام احمد نے اس کو غلط نہیں کہا۔ امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے اور حق کے سوا نہیں کہتے تھے، اور آپ کا مزاح یہ تھا کہ آپ سننے والے کے ذہن میں ایسے معنی کا وہم ڈالتے تھے جو آپ کی مراد نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے ایک بڑھیا سے کہا: "جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی" یعنی اللہ تعالیٰ عورتوں کو کنواری اور کم سن بنا کر جنت میں داخل کریگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے سواری دیجئے! آپ نے فرمایا میں تم کو اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا، اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹ کے بچہ کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا کیا ہر اونٹ، اونٹ کا بچہ نہیں ہوتا؟ (سنن ابوداؤد) ایک عورت سے آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں فرمایا کیا وہی شخص ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اس کی آنکھ تو ٹھیک ٹھاک ہے! حالاں کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفیدی کا ارادہ کیا تھا جو تپلی کے ارد گرد ہوتی ہے۔ اور یہ تمام تاویلات اور معاریض ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حق فرمایا کیونکہ آپ کا ارشاد ہے میں حق کے سوا نہیں کہتا۔ اور روایت ہے کہ خوارج نے ایک رافضی کو پکڑ لیا اور کہا علی اور عثمان سے براءت (بیزاری) ظاہر کرو اس نے کہا انا من علی و من عثمان بری "میں علی سے (رجوع) اور عثمان سے بری ہوں" (اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ رافضیوں نے علامہ ابن جوزی کو پکڑ لیا اور پوچھا ابوبکر اور علی میں کون افضل ہے؟ انھوں نے کہا من بنتہ فی بیتہ "وہ جس کی بیٹی ان کے گھر ہے"، علامہ ابن جوزی کی مراد تھی حضرت ابوبکر جن کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہے اور رافضی یہ سمجھے حضرت علی جن کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ) بہرحال یہ وہ تاویلات ہیں جو ظالم کے حلف میں عذر نہیں بن سکتیں اور غیر ظالم کے لیے عذر ہیں خواہ وہ مظلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت مزاح میں توریہ اور معاریض کا استعمال فرماتے تھے۔ [1]

فقہاء مالکیہ کے نزدیک قسم میں تاویل اور توریہ کا حکم

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کسی اور کے حق کے لیے قسم کھائے تو اس میں اس شخص کی نیت کا اعتبار ہوگا جس کے لیے قسم کھائی ہے خواہ وہ از خود قسم کھا رہا ہو یا اس سے شہادت کی بناء پر قسم کا مطالبہ کیا گیا ہو اور جب گواہی قائم نہ ہو اور اس سے سوال کیا جائے کہ تمہارے اور اللہ کے درمیان جو معاملہ ہے اس پر قسم کھاؤ تو اس میں بہت اختلاف ہے، ابن المواز نے کہا ہے کہ اس میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں اس شخص کی نیت کا اعتبار ہے جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔ عبدالملک اور سحنون نے کہا ہے کہ امام مالک کا ظاہر قول یہی ہے۔ اور ابن قاسم نے کہا ہے کہ اگر اس نے از خود قسم کھائی ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس سے قسم کا مطالبہ کیا گیا تھا تو پھر اس کی نیت کا اعتبار ہوگا جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔ اور ایک قول اس کے برعکس ہے، امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر اس نے دھوکے اور مکر سے قسم کھائی ہے تو وہ اس میں گنہ گار ہوگا اور اگر کسی عذر سے قسم کھائی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور ابن حبیب سے یہ روایت ہے کہ اگر اس نے دھوکے اور مکر سے قسم کھائی ہے تو اس میں اس کی نیت معتبر ہے اور اگر مکر اور دھوکا نہیں ہے تو اس کی اس نیت کا اعتبار ہوگا جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ جب گواہی قائم ہو تو پھر قسم کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور جب گواہ نہ ہوں تو قسم میں اس شخص کی نیت کا اعتبار ہوگا جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث کا تقاضا ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا تو اس کی دلیل یہ حدیث ہے انما لکل امرئ ما نوی "ہر شخص کے عمل میں اس کی نیت کا اعتبار ہے" اور ان کے نزدیک یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کوئی شخص کسی اور کے لیے قسم کھائے اور وہاں گواہ نہ ہوں۔

قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کا حق کھانے کے لیے توریہ کر کے قسم کھائے تو وہ گنہ گار ہوگا۔

---

[1] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۴۲۲ - ۴۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں علامہ ابن حاجب مالکی نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے حق کے لیے قسم کھائے تو اس میں حلف لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، خواہ اللہ کی قسم کھائے یا کسی اور کی (یعنی طلاق کی قسم کھائے) اور اگر اس سے قسم طلب نہیں کی گئی اور اس نے اللہ کی قسم کھائی ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر طلاق وغیرہ کی قسم کھائی ہے تو اس میں تین قول ہیں۔ [1]

فقہاء حنفیہ کے نزدیک قسم میں تاویل اور توریہ کا حکم

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: جب کوئی شخص اپنے خصم اور مخالف کے سامنے قسم کھائے تو اس میں توریہ مفید نہیں ہوگا، کیونکہ قسم میں حلف لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اس قسم کا مستحق ہو۔ ورنہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کے لیے توریہ کرنا جائز ہے۔ اور نہایہ میں ہے کہ جب تم کسی شخص کے لیے قسم کھاؤ تو تم پر واجب ہے کہ اس طرح قسم کھاؤ جس سے قسم لینے والا تمہاری تصدیق کرے۔ [2]

اس کے بعد ملا علی قاری نے علامہ نووی کی عبارت نقل کر دی ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا اس سے ہمارے معاصر شیخ تقی عثمانی نے یہ سمجھا ہے کہ فقہاء احناف کا بھی اس مسئلہ میں وہی موقف ہے جو علامہ نووی نے فقہاء شافعیہ کے مسلک کے سلسلہ میں نقل کیا ہے۔ [3]

شیخ عثمانی کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے۔ ملا علی قاری نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا جو موقف نقل کیا ہے اس میں اور علامہ نووی کے نقل کردہ فقہاء شافعیہ کے موقف میں واضح فرق ہے۔ شافعیہ کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قاضی یا اس کا نائب کسی شخص کے حق میں اللہ کی قسم سے تو قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر طلاق یا عتاق کی قسم لی یا قاضی کے علاوہ کسی اور شخص نے قسم لی یا اس نے از خود قسم کھائی تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک اگر کسی شخص کے حق میں قسم لی گئی ہے تو حلف لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا خواہ اللہ کی قسم لی جائے یا طلاق اور عتاق کی۔ اور جب کوئی شخص از خود قسم کھائے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور وہ تاویل اور توریہ بھی کر سکتا ہے۔

ملا علی قاری کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ از خود قسم کھانے والا ہر قسم میں جو چاہے تاویل اور توریہ کر سکتا ہے لیکن یہ اطلاق اور عموم صحیح نہیں ہے اگر وہ کسی کا حق کھانے کے لیے توریہ کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ گناہ ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جو بحث کی ہے وہی حق اور صحیح ہے۔

بَابُ ۵۳۹ الْاِسْتِثْنَاءِ — قسم میں انشاء اللہ کہنا

۴۱۷۲ - حَدَّثَنِیْ اَبُوالرَّبِیْعِ الْعَتَکِیُّ وَاَبُوْ کَامِلٍ الْجَحْدَرِیُّ فُضَیْلُ بْنُ حُسَیْنٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ ازواج تھیں، انھوں نے

---

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۵-۳۴۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔

[2] ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی متوفی ۱۰۱۴ ھ، مرقات ج ۷ ص ۲۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۲ ھ

[3] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۲۰۷ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۷ ھ

وَاللَّفْظُ لِأَبِي الرَّبِيعِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِسُلَيْمَانَ سِتُّونَ امْرَأَةً فَقَالَ لَأَطُوفَنَّ عَلَيْهِنَّ اللَّيْلَةَ فَتَحْمِلُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَتَلِدُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا وَاحِدَةٌ فَوَلَدَتْ نِصْفَ إِنْسَانٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ اسْتَثْنَى لَوَلَدَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

کہا آج رات میں ہر زوجہ کے پاس جاؤں گا جس سے ہر زوجہ حاملہ ہوگی اور ہر ایک سے ایک شہسوار لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا، لیکن ان میں سے صرف ایک زوجہ حاملہ ہوئی اور ان سے بھی آدھا بچہ پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہتے تو ہر زوجہ سے ایک شہسوار لڑکا پیدا ہوتا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا۔

۴۱۷۳- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ ابْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ نَبِيُّ اللَّهِ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِغُلَامٍ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ أَوِ الْمَلَكُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَلَمْ تَأْتِ وَاحِدَةٌ مِنْ نِسَائِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ غُلَامٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا لَهُ فِي حَاجَتِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نبی اللہ نے کہا میں آج رات ستر ازواج کے پاس جاؤں گا ان میں سے ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ساتھی یا کسی فرشتے نے کہا کہیے ان شاء اللہ، وہ بھول گئے اور نہ کہا، پھر ان کی ازواج میں سے صرف ایک کے ہاں آدھا لڑکا پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔

۴۱۷۴- وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ أَوْ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

۴۱۷۵- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت

عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ لَأُطِيفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقِيلَ لَهُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَمْ يَقُلْ فَأَطَافَ بِهِنَّ فَلَمْ تَلِدْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا لِحَاجَتِهِ۔

سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا میں آج رات ستر ازواج کے پاس جاؤں گا جن میں ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان سے کہا گیا ان شاء اللہ کہیے، انھوں نے نہ کہا سو وہ ازواج کے پاس گئے اور ان میں سے صرف ایک سے آدھا انسان پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور وہ اپنی حاجت پا لیتے۔

۴۱۷۶- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ لَأُطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلُّهَا تَأْتِي بِفَارِسٍ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَمْ يَقُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ جَمِيعًا فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ فَجَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے کہا آج رات میں نوّے ازواج کے پاس جاؤں گا جن میں سے ہر ایک ایسے لڑکے کو جنم دے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ساتھی نے کہا ان شاء اللہ کہیے، انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، اور سب ازواج کے پاس گئے سو ان میں سے صرف ایک زوجہ حاملہ ہوئی اور ان سے بھی ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو سب شہسوار ہوتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے!

۴۱۷۷- وَحَدَّثَنِيهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ كُلُّهَا تَحْمِلُ غُلَامًا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن اس میں ہے ہر عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مضطرب روایات میں تطبیق !!

اس باب کی احادیث میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کا ذکر ہے بعض روایات میں ساٹھ ازواج کا ذکر ہے بعض میں ستر کا بعض میں نوّے کا اور صحیح مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں ننانوے اور سو ازواج کا بھی ذکر ہے علامہ نووی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور عدد قلیل کے ذکر سے عدد کثیر کی نفی نہیں ہوتی [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے جواب کو مسترد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ بہت سے علماء کے نزدیک عدد میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی ساٹھ ازواج تھیں اور باقی باندیاں تھیں اور جن روایات میں ساٹھ سے زیادہ ازواج کا ذکر ہے ان میں مجازاً باندیوں پر بھی ازواج کا اطلاق کیا گیا ہے، یا اس کے برعکس ساٹھ باندیاں تھیں اور باقی ازواج تھیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ازواج نوّے سے زیادہ اور سو سے کم تھیں، جس روایت میں نوّے کا ذکر ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا اور جس روایت میں سو کا ذکر ہے اس میں کسر کو پورا کر دیا اور ساٹھ اور ستر کے ذکر سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ عرب کثرت میں مبالغہ کے لیے ساٹھ اور ستر کا عدد ذکر کرتے ہیں اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار عورتیں تھیں جن میں سے تین سو ازواج تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک ہزار شیشے کے لکڑی پر جڑے ہوئے گھر تھے، تین سو ازواج کے تھے اور سات سو باندیوں کے۔ [2]

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ازواج کے عدد میں اختلاف راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے، ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عدد بیان کیا ہو جو کثرت پر دلالت کرتا ہو اور ہر راوی نے اپنی سمجھ کے اعتبار سے اس کی دوسرے سے مختلف تعبیر کر دی اور اس سے اصل حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ ان کے نزدیک ازواج کے عدد کو محفوظ اور منضبط رکھنے کے ساتھ کوئی دینی اور دنیوی غرض متعلق نہیں تھی۔

حضرت سلیمان سے متعلق ایک حدیث صحیح پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک رات میں ساٹھ ازواج سے جماع کرنے کو عقلاً مستبعد قرار دے کر ان احادیث ہی کا انکار کر دیا! لکھتے ہیں:

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا مگر یہ بات کہتے ہوئے انھوں نے انشاء اللہ نہ کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۱-۴۶۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

ہیں سے کسی میں بیویوں کی تعداد ساٹھ بیان کی گئی ہے، کسی میں ۷۰، کسی میں ۹۰، کسی میں ۹۹، اور کسی میں ۱۰۰۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا، لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا، اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے، ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ساٹھ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ چھ بیویوں کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا ۱۱ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟[1]

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جس انداز سے اس حدیث صحیح کو مسترد کیا ہے اس میں ان کا اسلوب نگارش غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر غلام جیلانی سے چنداں مختلف نہیں ہے حدیث کی جانچ اور پرکھ کا اصول محدثین اور مجتہدین کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کا متن قرآن مجید، سنت مشہورہ اور عقل صریح کے خلاف نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی محال عقلی کو مستلزم نہ ہو، اور اگر ہر شخص کی عقل کو حدیث کی صحت اور عدم صحت کے لیے ترازو مان لیا جائے تو دین کے اکثر اور بیشتر احکام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس حدیث پر جو اعتراض کیا ہے اس کے جواب میں پہلی گذارش یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر ساٹھ ہی تھیں کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ذکر کیا جس کو راویوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ساٹھ، ستر، یا نوے سے تعبیر کر لیا۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر بارہ گھنٹے کی رات فرض کی جائے اور ساٹھ ازواج ہوں تو ایک گھنٹہ میں پانچ کا حساب آتا ہے اور یہ چنداں مستبعد نہیں ہے، تیسری گذارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال مبارکہ کو عام آدمیوں کے افعال پر قیاس کر لینا ہی گمراہی کا اولین سبب ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی (آصف بن برخیا) نے تین ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کر دیا۔ اور جب سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص امتی تین ماہ کے کام کو پلک جھپکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اور اختیار کا کیا عالم ہوگا! سید ابو الاعلیٰ مودودی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کارکردگی کے لیے گھنٹوں اور منٹوں کا جو ٹائم ٹیبل بنایا ہے اس کے اعتبار سے کسی نبی کا معجزہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ کسی ولی کی کرامت!!

قسم کے بعد استثناء کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

حدیث نمبر ۴۱۷۳ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کسی فرشتے نے کہا انشاء اللہ

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۳۷، مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۷۷ء

کہیے، لیکن حضرت سلیمان بھول گئے اور ان شاء اللہ نہ کہا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو قسم نہ ٹوٹتی ـــــ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان شاء اللہ نہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھوں نے زبان سے ان شاء اللہ کہنے کا انکار کر دیا تھا۔ (العیاذ باللہ!) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں ان شاء اللہ کہنے کا ارادہ تھا لیکن کسی مصروفیت اور مشغولیت کی وجہ سے وہ اس کلمہ کو زبان پر لانا بھول گئے۔

جمہور فقہاء اسلام کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھانے کے بعد متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا تو یہ استثناء ہے اور اس شخص کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فقد استثنی۔ [1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر ان شاء اللہ کہا اس نے استثناء کر لیا

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من حلف فاستثنی فان شاء رجع وان شاء ترک غیر حنث۔ [3]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قسم کھا کر استثناء کر لیا وہ چاہے تو (استثناء سے) رجوع کرے اور چاہے چھوڑ دے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں اس میں شرط یہ ہے کہ استثناء قسم کے ساتھ متصل ہو اور قسم اور استثناء کے درمیان کوئی اور کلام نہ ہو اور نہ ان کے درمیان اتنا سکوت کرے جس میں کلام ہو سکے، ہاں سانس رکنے کی وجہ سے یا تھکاوٹ سے یا چھینک یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے جو سکوت ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، ثوری، ابوعبید، اصحاب الرائے (فقہاء حنفیہ) اور اسحاق کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: من حلف فاستثنی۔ "جس نے قسم کے بعد استثناء کیا" اس کا تقاضا یہ ہے کہ استثناء قسم کے بعد ہو۔

امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر طویل فصل نہ ہو پھر بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخدا! میں قریش سے جنگ کروں گا پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا ان شاء اللہ کیونکہ یہ قریب میں استثناء ہے اور اس کے ساتھ دوسرا کلام مخلوط نہیں ہوا۔

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۴۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام شافعی، اسحاق، ابوثور، امام ابوحنیفہ اور ابن منذر کے نزدیک شرط یہ ہے کہ استثناء زبان کے ساتھ ہو اور دل کے ساتھ استثناء کافی اور مفید نہیں ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے حلف اٹھانے کے بعد ان شاء اللہ کہا"، اور کہنا نطق ہے۔

ہر وہ قسم جو کفارے کا موجب ہے اس میں استثناء صحیح ہے جیسے اللہ کی قسم یا ظہار یا نذر ___ اور جب طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے میں استثناء کیا تو امام احمد نے اکثر اس مسئلہ میں توقف کیا اور ایک جگہ قطعیت سے کہا یہاں استثناء غیر مفید ہے۔ یعنی جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تمہیں طلاق ہے ان شاء اللہ تو امام احمد نے اس کے جواب میں توقف کیا، کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ایک روایت میں کہا کہ یہ استثناء مفید نہیں ہے۔ امام اوزاعی، حسن اور قتادہ کا بھی یہی موقف ہے، اور طاؤس، حماد، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا موقف یہ ہے کہ اس میں بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حلف فقال ان شاء اللہ لم یحنث۔ "جس شخص نے حلف اٹھایا اور ان شاء اللہ کہا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔" [۱]

بعض دیگر مسائل

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نیک کام کو کرنے اور اس کے اسباب کو حاصل کرنے میں فضیلت ہے ___ بہت سے ایسے مباح کام جو نفسانی لذتوں پر مشتمل ہوں حسن نیت کی وجہ سے مستحب ہو جاتے ہیں ___ قسم میں ان شاء اللہ کہنا مستحب ہے ___ ان شاء اللہ کہنا شرعاً اس وقت معتبر ہوگا جب زبانی کہا جائے ___ جس شخص کو جان کا خطرہ ہو وہ دل میں ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے ___ انبیاء علیہم السلام چونکہ غیر معمولی جسمانی قوتوں کے حامل ہوتے ہیں اس لیے وہ عمل زوجیت بھی بکثرت کرتے ہیں اور ان کے عمل زوجیت میں حظ نفسانی کے بجائے اولاد صالح کے حصول کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ ___ جس چیز کے حصول کا ظن غالب ہو اس کی مستقبل میں وقوع کی خبر دینا جائز ہے ___ بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام پر بھی سہو اور نسیان طاری ہوتا ہے لیکن یہ ان کے علو منصب کے منافی نہیں ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْإِصْرَارِ عَلَى الْيَمِينِ فِيمَا يَتَأَذَّى بِهِ أَهْلُ الْحَالِفِ مِمَّا لَيْسَ بِحَرَامٍ [۵۴]

اگر قسم سے اہل خانہ کا نقصان ہو تو قسم پورا کرنے کی ممانعت

۴۱۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے بارے میں قسم پر اصرار کرے تو اللہ تعالیٰ نے جس کفارے کو فرض کیا ہے اس کو ادا کرنے کے مقابلہ میں وہ اصرار کرنا زیادہ گناہ ہے۔

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۵-۴۱۲ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللهِ لَأَنْ يَّلَجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِيْ أَهْلِهٖ آثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللهِ مِنْ أَنْ يُّعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِيْ فَرَضَ اللهُ۔

قسم توڑنے کے وجوب کا بیان

جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے متعلق کوئی قسم کھائے اور ان کو اس قسم کے پورا کرنے سے ضرر ہو تو اس وقت قسم توڑنا گناہ نہیں ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دے۔ اگر اس نے کہا میں قسم نہیں توڑتا اور قسم توڑنے کو گناہ سمجھ کر اس سے پرہیز کرتا ہے تو اس کا یہ قول خطا ہے بلکہ اس کا قسم نہ توڑنے پر اصرار کرنا اور اپنے اہل خانہ کو نقصان پہنچانے پر ڈٹے رہنا قسم توڑنے سے زیادہ گناہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ ہر چند کہ اس حدیث میں اہل خانہ کا ذکر ہے لیکن یہ حدیث عام ہے انسان کی قسم سے کسی شخص کو بھی اگر نقصان پہنچتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس قسم کو پورا نہ کرے۔

ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں ہے کہ اگر اہل خانہ کو ضرر ہو تو قسم توڑنے کی بہ نسبت اس کا پورا کرنا زیادہ گناہ ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ قسم توڑنا بھی گناہ ہے، حالانکہ قسم توڑنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب قسم توڑنا گناہ نہ ہو۔

علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ارشاد قسم کھانے والے کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ قسم توڑنے کو گناہ سمجھتا ہے اس لیے فرمایا کہ اس صورت میں قسم کا پورا کرنا اس سے زیادہ گناہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ گناہ بھی ہو تو یہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے اور "آثم" کا معنی گناہ ہے زیادہ گناہ نہیں، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں الصيف احر من الشتاء "سردیوں کی بہ نسبت گرمیوں کے دنوں میں حرارت ہے نہ کہ زیادہ حرارت ہے۔

بَابُ نَذْرِ الْكَافِرِ وَمَا يَفْعَلُ فِيْهِ إِذَا أَسْلَمَ

کافر مشرف با اسلام ہونے کے بعد آیا اپنی نذر کو پورا کرے گا یا نہیں؟

۱۷۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ.

۴۱۸۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ رَوَّادٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ حَفْصٌ مِنْ بَيْنِهِمْ عَنْ عُمَرَ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَمَّا أَبُو أُسَامَةَ وَالثَّقَفِيُّ فَفِي حَدِيثِهِمَا اعْتِكَافُ لَيْلَةٍ وَأَمَّا فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ فَقَالَ جَعَلَ عَلَيْهِ يَوْمًا يَعْتَكِفُهُ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ حَفْصٍ ذِكْرُ يَوْمٍ وَلَا لَيْلَةٍ.

امام مسلم نے کہا چار مختلف سندوں کے ساتھ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے ابواسامہ اور ثقفی کی حدیث میں ایک رات کے اعتکاف کا ذکر ہے اور شعبہ کی حدیث میں ایک دن کے اعتکاف ماننے کا ذکر ہے اور حفص کی روایت میں دن اور رات میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

۴۱۸۱- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ أَنَّ أَيُّوبَ حَدَّثَهُ أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ بَعْدَ أَنْ رَجَعَ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ يَوْمًا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَكَيْفَ تَرَى قَالَ اذْهَبْ فَاعْتَكِفْ يَوْمًا قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَعْطَاهُ جَارِيَةً مِنَ الْخُمُسِ فَلَمَّا أَعْتَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف بیٹھوں گا! سو آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا جاؤ ایک دن اعتکاف بیٹھو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو خمس میں سے ایک باندی دی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے قیدیوں کو آزاد کیا اور حضرت عمر نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا" حضرت عمر نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے قیدیوں کو آزاد کر دیا، حضرت عمر نے کہا اے عبداللہ! اس لونڈی کو لے جاؤ اور اس کو آزاد

سَبَايَا النَّاسِ سَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَصْوَاتَهُمْ يَقُولُونَ أَعْتَقَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالُوا أَعْتَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَايَا النَّاسِ فَقَالَ عُمَرُ يَا عَبْدَ اللهِ اذْهَبْ إِلَى تِلْكَ الْجَارِيَةِ فَخَلِّ سَبِيلَهَا.

کر دو۔

۴۱۸۲- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَفَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ سَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَذْرٍ كَانَ نَذَرَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اعْتِكَافِ يَوْمٍ ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے لوٹے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ جاہلیت میں ایک دن کی نذر اعتکاف کے بارے میں سوال کیا اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

۴۱۸۳- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ عُمْرَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ فَقَالَ لَمْ يَعْتَمِرْ مِنْهَا قَالَ وَكَانَ عُمَرُ نَذَرَ اعْتِكَافَ لَيْلَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ وَمَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ.

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ جعرانہ کا ذکر کیا گیا، انھوں نے کہا آپ نے جعرانہ سے عمرہ نہیں کیا، پھر حضرت عمر کی زمانہ جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر کا ذکر کیا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۱۸۴- وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فِي النَّذْرِ وَفِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا اعْتِكَافُ يَوْمٍ.

امام مسلم نے دو سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر سے نذر کی حدیث روایت کی ہے اور ان دونوں سندوں میں ایک دن کے اعتکاف کا ذکر ہے۔

زمانہ کفر میں مانی ہوئی نذر کے حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے حالتِ کفر میں اعتکاف یا صدقہ کی کوئی نذر مانی تو وہ اسلام قبول کرنے کے بعد آیا اس نذر کو پورا کرے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، طاؤس، قتادہ، حسن بصری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، غیر مقلدین کی ایک جماعت اور ابن حزم کی یہ رائے ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور ابراہیم نخعی، ثوری، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی کا دوسرا قول اور امام محمد کا ایک روایت میں یہی قول ہے کہ زمانہ کفر میں مانی ہوئی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما النذر ما ابتغی به وجه الله "نذر صرف وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا جائے" اور جس وقت کافر نے نذر مانی تھی اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا قصد نہیں کیا تھا اس لیے اس کی نذر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نہیں تھی، نیز چونکہ کافر غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اس کی نذر معصیت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا نذر فی معصیة الله "اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر جائز نہیں ہے۔" [1]

جاہلیت کی نذر کو پورا کرنے کے حکم کی توجیہات

اس باب کی احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زمانہ جاہلیت کی نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس کے جواب میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس وقت اللہ کی رضا جوئی کے لیے اعتکاف کرنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، ہر چند کہ یہ اس نذر کے خلاف تھا جو انھوں نے زمانہ جاہلیت میں مانی تھی کیونکہ وہ معصیت تھی۔ ابوالحسن قابسی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور وجوب نذر پوری کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ بطور مشورہ ارشاد فرمایا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا تھا کہ نذر کو پورا کرنا بہت اہم اور مؤکد امر ہے، اس لیے انتظام کے ساتھ نذر پورا کرنے کے لیے فرمایا۔ [2]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی نے اس حدیث کے جواب میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب یہ ہے کہ تم نے زمانہ جاہلیت میں جو نذر مانی تھی اس کی مثل عبادت اب کر لو۔ [3]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ ابن العربی مالکی نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عمر نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی اسلام لانے کے بعد انھوں نے اس نذر کا کفارہ دینا چاہا اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لازم ہے۔ اور علامہ ابوالولید باجی مالکی نے کہا ہے کہ حضرت عمر کا قصہ اس شخص کی طرح ہے جس نے یہ نذر مانی ہو کہ "اگر ایک ماہ بعد فلاں شخص آ گیا تو میں یہ چیز صدقہ کروں گا" اور وہ

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۰۹، مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] ایضاً، عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۰۹، ایضاً

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

نذر ماننے والا اس شخص کے آنے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس شخص پر اس نذر کی قضاء لازم نہیں ہے لیکن اگر کسی نے اس نذر کی قضاء کر دی تو مستحب ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استحباباً اس نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جس وقت حضرت عمر نے نذر مانی تھی اس وقت نذر منعقد نہیں ہوئی تھی۔ [1]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک اور کوفیوں (فقہاء احناف) نے یہ کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے: انما الاعمال بالنیات "اعمال کا مدار نیتوں پر ہے" اور کافر اہل نیت میں سے نہیں ہے اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے، علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت عمر کا مطلب ایام جاہلیت کی نذر کے بارے میں استفسار تھا ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ نذر مجھ پر فرض ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ دونوں جواب ضعیف ہیں کیونکہ یہ سیاق سباق اور ظاہر امر کے خلاف ہیں اور نیت مسلمان کی عبادت کے لیے شرط ہے کافر کی عبادت کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کافر احکام فرعیہ کے مخاطب اور مکلف ہوتے ہیں جس طرح کافر ایمان کے مکلف ہیں اسی طرح اعمال کے مکلف ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ ایمان اعمال کے لیے شرط ہے جب وہ ایمان نہیں لائے تو ایمان کے کیسے مکلف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا بے وضو شخص نماز کا مکلف نہیں ہے حالانکہ وضو نماز کے لیے شرط ہے۔ پس اگر کافر غلام آزاد کرنے یا صدقہ کرنے کی نذر مان لے تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ نذر پورا کرنے کے بعد مسلمان ہوگیا تو اس کو اس نذر پورا کرنے کا ثواب ملے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اسلمت علی ما اسلفت من خیر۔ "تم نے پہلے (زمانہ کفر میں) جو نیکیاں کی تھیں ان کو محفوظ رکھا ہے۔" [2] اس مسئلہ پر شرح صحیح مسلم جلد اول میں ہم مکمل بحث کر چکے ہیں۔

اعتکاف میں روزہ کی شرط کے متعلق مذاہب

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: علامہ ابو البرکات بن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ روزہ اعتکاف واجب کی شرط ہے، صحابہ کرام میں سے حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور فقہاء تابعین میں سے شعبی، نخعی، مجاہد، قاسم بن محمد، نافع، ابن مسیب، اوزاعی، زہری، ثوری، اور حسن بن حی کا یہی نظریہ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود، طاؤس، عمر بن عبد العزیز، ابو ثور، داؤد اور اسحاق کا اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ اعتکاف واجب اور نفل میں روزہ شرط نہیں ہے اور امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ: لیس علی المعتکف صوم الا ان یجعلہ علی نفسہ "معتکف پر روزہ واجب نہیں ہے الا یہ کہ وہ روزہ کی نذر مان لے"۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے موافقین کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: ولا اعتکاف الا بصوم "روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا"، اور اس اعتکاف سے مراد اعتکاف واجب ہے، اس

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۸۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

لیے اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے یہ احناف کا متفق علیہ قول ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے جو قول روایت کیا ہے اس کے مطابق نفلی اعتکاف کی صحت کے لیے بھی روزہ شرط ہے۔[1]

اعتکاف میں روزہ کی شرط پر اعتراض کے جوابات

حدیث نمبر ۴۱۰۷ میں ایک رات کے اعتکاف کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: صحیح مسلم میں رات کے بجائے دن کے روزے کا بھی ذکر ہے۔ اور سنن نسائی میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں روزے کی نذر مانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اعتکاف کریں اور روزہ رکھیں۔ اور یہ احادیث اس پر محمول ہیں کہ حضرت عمر نے ایک دن اور ایک رات اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنے اوپر ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو اور علامہ ابن بطال نے کہا اصل حدیث یہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا تھا کہ میں نے جاہلیت میں ایک دن اور ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی پس بعض راویوں نے صرف رات کا ذکر کر دیا اور ذخیرہ میں ہے کہ ابتداء اسلام میں رات کا بھی روزہ تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ حدیث ترغیب اور استحباب پر محمول ہے کیونکہ اسلام سابقہ چیزوں کو مٹا دیتا ہے۔[2]

علامہ عینی مزید لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں دن کے اعتکاف کا ذکر ہے اور بعض میں رات کے اعتکاف کا، امام ابن حبان وغیرہ نے ان روایات میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن اور ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی سو جس نے رات کا ذکر کیا اس نے اس دن کی رات کا ارادہ کیا اور جس نے دن کا اطلاق کیا اس نے اس رات کے دن کا ارادہ کیا علاوہ ازیں سنن نسائی میں حضرت ابن عمر سے صراحۃً مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمر کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔[3]

بَابُ ۵۴۳ صُحْبَةِ الْمَمَالِيكِ　　غلاموں کے ساتھ برتاؤ

۴۱۸۵ - حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ عَنْ زَاذَانَ أَبِي عُمَرَ قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَقَدْ أَعْتَقَ مَمْلُوكًا قَالَ فَأَخَذَ مِنَ

زاذان ابوعمر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا درآں حالیکہ انھوں نے ایک غلام آزاد کیا تھا انھوں نے زمین سے لکڑی یا کوئی اور چیز اٹھا کر کہا، اس (غلام آزاد کرنے) میں اس لکڑی کے برابر بھی ثواب نہیں ہے، البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۴۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۰ھ

[2] " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۴۱۔۱۴۰، " " "

[3] " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۴۶، " " "

الْاَرْضِ عُوْدًا اَوْ شَيْئًا فَقَالَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَجْرِ مَا يَسْوٰى هٰذَا اِلَّا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهٗ اَوْ ضَرَبَهٗ فَكَفَّارَتُهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ۔

سے سنا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا اس کو پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔

۴۱۸۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فِرَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ زَاذَانَ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ دَعَا بِغُلَامٍ لَهٗ فَرَاٰى بِظَهْرِهٖ اَثَرًا فَقَالَ لَهٗ اَوْجَعْتُكَ قَالَ لَا قَالَ فَاَنْتَ عَتِيْقٌ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ شَيْئًا مِّنَ الْاَرْضِ فَقَالَ مَا لِيْ فِيْهِ مِنَ الْاَجْرِ مَا يَزِنُ هٰذَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَّهٗ حَدًّا لَمْ يَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ كَفَّارَتَهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ۔

زاذان کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور اس کی پیٹھ پر نشان دیکھے اور اس سے پوچھا: میں نے تم کو تکلیف پہنچائی ہے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت ابن عمر نے فرمایا: تم آزاد ہو، پھر حضرت عمر نے زمین سے کوئی چیز اٹھا کر کہا میرے لیے اس (آزاد کرنے) میں اس (چیز) کے برابر بھی اجر نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے اپنے غلام کو بے قصور پیٹا یا اس کے تھپڑ مارا، اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔

۴۱۸۷۔ وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ عَنْ فِرَاسٍ بِاِسْنَادِ شُعْبَةَ وَاَبِيْ عَوَانَةَ اَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ مَهْدِيٍّ فَذَكَرَ فِيْهِ حَدًّا لَمْ يَاْتِهٖ وَفِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهٗ وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَدَّ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے، البتہ ابن مہدی کی روایت میں حدا لم یاتہ کے الفاظ ہیں اور وکیع کی روایت میں من لطم عبدہ کے الفاظ ہیں اور حد کا ذکر نہیں ہے۔

۴۱۸۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لَهٗ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ كُهَيْلٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ

معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک غلام کے تھپڑ مارا، پھر میں بھاگ گیا اور ظہر سے تھوڑی دیر پہلے آیا، اور میں نے اپنے والد کے پیچھے نماز پڑھی، میرے والد نے مجھے اور اس غلام کو بلایا، پھر غلام سے فرمایا اس سے بدلہ لو، اس غلام

بن سُوَيْدٍ قَالَ لَطَمْتُ مَوْلًى لَنَا فَهَرَبْتُ ثُمَّ جِئْتُ قُبَيْلَ الظُّهْرِ فَصَلَّيْتُ خَلْفَ أَبِي فَدَعَاهُ وَدَعَانِي ثُمَّ قَالَ امْتَثِلْ مِنْهُ فَعَفَا ثُمَّ قَالَ كُنَّا بَنِي مُقَرِّنٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَنَا إِلَّا خَادِمٌ وَاحِدَةٌ فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْتِقُوهَا قَالُوا لَيْسَ لَهُمْ خَادِمٌ غَيْرُهَا قَالَ فَلْيَسْتَخْدِمُوهَا فَإِذَا اسْتَغْنَوْا عَنْهَا فَلْيُخَلُّوا سَبِيلَهَا۔

نے معاف کر دیا۔ پھر سوید نے کہا ہم اولاد مقرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، ہمارے پاس صرف ایک غلام تھا جس کو ہم میں سے کسی نے تھپڑ لگا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو لوگوں نے کہا ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی خادم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ اس سے خدمت لیتے رہیں اور جب اس کی خدمت کی ضرورت نہ رہے تو اس کو آزاد کر دیں۔

۴۱۸۹- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ عَجِلَ شَيْخٌ فَلَطَمَ خَادِمًا لَهُ فَقَالَ لَهُ سُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ عَجَزَ عَلَيْكَ إِلَّا حُرُّ وَجْهِهَا لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مِنْ بَنِي مُقَرِّنٍ مَا لَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةٌ لَطَمَهَا أَصْغَرُنَا فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهَا۔

ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جلدی میں اپنے غلام کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا، حضرت سوید بن مقرن نے ان سے کہا تمہیں (تھپڑ مارنے کے لیے) اس کے چہرے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ملی تھی؟ مجھے یاد ہے کہ میں بنو مقرن کا ساتواں بیٹا تھا، اور ہمارے پاس ایک غلام کے سوا اور کوئی خادم نہیں تھا، ہم میں سے سب سے چھوٹے نے اس غلام کے تھپڑ مار دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

۴۱۹۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ كُنَّا نَبِيعُ الْبَزَّ فِي دَارِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ أَخِي النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ فَخَرَجَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ لِرَجُلٍ مِنَّا كَلِمَةً فَلَطَمَهَا فَغَضِبَ سُوَيْدٌ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسَ۔

ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ ہم نعمان بن مقرن کے بھائی سوید بن مقرن کے گھر کپڑا بیچا کرتے تھے، ایک باندی آئی اور اس نے ہمارے کسی شخص سے کچھ کہا اس شخص نے اس باندی کو تھپڑ مار دیا، سوید غضبناک ہوئے اس کے بعد ابن ادریس کی طرح روایت ہے۔

۴۱۹۱ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ مَا اسْمُكَ قُلْتُ شُعْبَةُ فَقَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِي أَبُو شُعْبَةَ الْعِرَاقِيُّ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ أَنَّ جَارِيَةً لَهُ لَطَمَهَا إِنْسَانٌ فَقَالَ لَهُ سُوَيْدٌ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الصُّورَةَ مُحَرَّمَةٌ فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَسَابِعُ إِخْوَةٍ لِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا خَادِمٌ غَيْرُ وَاحِدٍ فَعَمَدَ أَحَدُنَا فَلَطَمَهُ فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهُ -

سوید بن مقرن سے روایت ہے کہ ان کی باندی کو کسی نے تھپڑ مار دیا، حضرت سوید نے کہا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ چہرہ محترم ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے بھائیوں میں ساتواں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا، ہم میں سے کسی شخص نے اس خادم کے ایک تھپڑ لگا دیا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

۴۱۹۲ - وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ وَهْبِ بْنِ جَرِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ مَا اسْمُكَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَبْدِ الصَّمَدِ -

شعبہ کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن منکدر نے کہا تیرا نام کیا ہے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۱۹۳ - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي بِالسَّوْطِ فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ خَلْفِي اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ فَلَمْ أَفْهَمِ الصَّوْتَ مِنَ الْغَضَبِ قَالَ فَلَمَّا دَنَا مِنِّي إِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَقُولُ اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ قَالَ فَأَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِي فَقَالَ اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ أَنَّ اللَّهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا اچانک میں نے اپنے پس پشت ایک آواز سنی، اے ابو مسعود سنو! میں غصہ کی وجہ سے اس آواز کو نہیں پہچان سکا۔ جب آپ مجھ سے قریب ہوئے تو میں نے پہچانا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ فرما رہے تھے اے ابو مسعود جان لو، اے ابو مسعود جان لو! حضرت ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا اے ابو مسعود تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جتنا تم اس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے! میں نے کہا کہ میں آئندہ کسی غلام کو کبھی بھی نہیں ماروں گا۔

عَلٰی هٰذَا الْغُلَامِ قَالَ فَقُلْتُ لَا اَضْرِبُ مَمْلُوْكًا بَعْدَهٗ اَبَدًا۔

۱۹۴ - وَحَدَّثَنَاهُ اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ ح وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَّهُوَ الْمَعْمَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ كُلُّهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ بِاِسْنَادِ عَبْدِ الْوَاحِدِ نَحْوَ حَدِيْثِهٖ غَيْرَ اَنَّ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ فَسَقَطَ مِنْ يَّدِيْ السَّوْطُ مِنْ هَيْبَتِهٖ۔

یہ حدیث تین دیگر اسانید کے ساتھ اسی طرح مروی ہے البتہ جریر کی سند میں یہ ہے کہ آپ کی ہیبت کی وجہ سے میرے ہاتھ سے چابک گر گیا۔

۱۹۵ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّيْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِيْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِّوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: اے ابو مسعود تمہیں علم ہونا چاہیے کہ جتنا تم اس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ اللہ کے لیے آزاد ہے، آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ جلاتی یا فرمایا کہ تمہیں جہنم کی آگ مس کرتی۔

۱۹۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ وَّاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَضْرِبُ غُلَامَهٗ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ قَالَ فَجَعَلَ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے کہا "اللہ کی پناہ" وہ اور مارنے لگے تو اس نے کہا "رسول اللہ کی پناہ!" تو انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخدا! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تم اس پر قادر ہو" حضرت ابو مسعود کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے اس کو آزاد کر دیا۔

يَضْرِبُهُ فَقَالَ أَعُوذُ بِرَسُولِ اللَّهِ فَتَرَكَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَلَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ قَالَ فَأَعْتَقَهُ۔

۴۱۹۷ - وَحَدَّثَنِيهِ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَعُوذُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے لیکن اس میں اللہ کی پناہ اور رسول اللہ کی پناہ کا ذکر نہیں ہے۔

۴۱۹۸ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي نُعْمٍ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بِالزِّنَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی قیامت کے دن اس پر حد قائم کی جائے گی مگر یہ کہ وہ سچا ہو۔

۴۱۹۹ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ كِلَاهُمَا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِهِمَا سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيَّ التَّوْبَةِ۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے ابو القاسم نبی التوبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

۴۲۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ مَرَرْنَا بِأَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهُ فَقُلْنَا يَا أَبَا ذَرٍّ لَوْ جَمَعْتَ بَيْنَهُمَا كَانَتْ حُلَّةً

معرور بن سوید کہتے ہیں کہ ہمارا ربذہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذر ہوا۔ انھوں نے ایک چادر پہنی ہوئی تھی اور ان کے غلام نے بھی ویسی ہی چادر پہنی ہوئی تھی، ہم نے کہا اے ابوذر اگر تم یہ دونوں چادریں ملا کر پہنتے تو یہ حلہ ہو جاتا۔ انھوں نے کہا کہ میرے اور میرے ایک بھائی کے

فَقَالَ إِنَّهُ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنْ إِخْوَانِي كَلَامٌ وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ فَشَكَانِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ. قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ سَبَّ الرِّجَالَ سَبُّوا أَبَاهُ وَأُمَّهُ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ.

درمیان لڑائی ہوئی اس کی ماں عجمی تھی میں نے اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی آپ نے فرمایا "اے ابوذر! تم میں زمانہ جاہلیت کی عادات ہیں"، میں نے کہا جو شخص لوگوں کو گالی دے گا تو وہ لوگ اس شخص کے ماں باپ کو گالی دیں گے۔ آپ نے فرمایا، اے ابوذر! تم میں زمانہ جاہلیت کی عادات ہیں یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے، ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو ان پر دشوار ہو اور اگر ان کو ایسے کام پر مجبور کرو تو ان کی مدد کرو۔"

۴۲۰۱ - وَحَدَّثَنَاهُ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ فِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ وَأَبِي مُعَاوِيَةَ بَعْدَ قَوْلِهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ قَالَ قُلْتُ عَلَى حَالِ سَاعَتِي مِنَ الْكِبَرِ قَالَ نَعَمْ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي مُعَاوِيَةَ نَعَمْ عَلَى حَالِ سَاعَتِكَ مِنَ الْكِبَرِ وَفِي حَدِيثِ عِيسَى فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَبِعْهُ وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي مُعٰوِيَةَ فَلْيَبِعْهُ وَلَا فَلْيُعِنْهُ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ.

دو اور سندوں سے یہ حدیث مروی ہے اس میں "تم میں زمانہ جاہلیت کی عادات ہیں" کے بعد یہ زائد ہے: حضرت ابوذر نے کہا میں نے عرض کیا میرے اس بڑھاپے کے حال میں؟ فرمایا ہاں! اور ابو معاویہ کی ایک روایت میں ہے ہاں تمہارے بڑھاپے کے حال میں بھی! اور عیسیٰ کی روایت میں ہے: اور اگر وہ اسے ایسے کام پر مجبور کرے جو اس پر دشوار ہو تو اس کو فروخت کر دے اور زہیر کی روایت میں ہے اس کام میں اس کی مدد کرے اور ابو معاویہ کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس کو فروخت کرے، اور نہ یہ ہے کہ اس کی مدد کرے اور نہ یہ ہے کہ اس کو ایسے کام پر مجبور نہ کرے جو اس پر دشوار ہو۔

۴۲۰۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا

معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر کو ایک حلہ پہنے ہوئے دیکھا ان کے غلام نے بھی ویسا ہی حلہ پہنا

مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهَا فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ فَذَكَرَ أَنَّهُ سَابَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَيَّرَهُ بِأُمِّهِ قَالَ فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ عَلَيْهِ۔

ہوا تھا، میں نے ان سے ان کی وجہ پوچھی، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص سے اس کی ماں کے بارے میں کوئی معیوب کلمہ کہا، اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کی شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسے شخص ہو جس میں زمانہ جاہلیت کی عادات ہیں! یہ تمہارے بھائی اور تمہارے خادم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے، پس جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو، وہ اس کو وہ چیز کھلائے جس کو وہ خود کھاتا ہو اور اس کو وہ لباس پہنائے جس کو وہ خود پہنتا ہو، اور ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو ان کے لیے دشوار ہو اور اگر ان کو ایسے کام کے لیے کہو تو اس میں ان کی مدد کرو۔

۴۲۰۳ - **وَحَدَّثَنِي** أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ الْأَشَجِّ حَدَّثَهُ عَنِ الْعَجْلَانِ مَوْلَى فَاطِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام کو کھانا اور کپڑا دو اور اس کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔

۴۲۰۴ - **وَحَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَنَعَ لِأَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوهًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا خادم تمہارا کھانا تیار کر کے لائے درآں حالیکہ اس نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو وہ اس کو بٹھا کر اپنے ساتھ کھلائے، اور اگر کھانا بہت ہی کم ہو تو اس کے ہاتھ میں ایک یا دو لقمے رکھ دے۔

قَلِيلًا فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ قَالَ دَاوُدُ يَعْنِي لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ۔

۴۲۰۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دوگنا اجر ملیگا۔

۴۲۰۶ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ جَمِيعًا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ۔

چار سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی روایت ہے۔

۴۲۰۷ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ ابْنُ يَحْيَى قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الْمُصْلِحِ أَجْرَانِ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ لَوْلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ أُمِّي لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوتَ وَأَنَا مَمْلُوكٌ قَالَ وَبَلَغَنَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک غلام کے لیے دو اجر ہیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور ماں کے ساتھ نیک سلوک کی علاوت نہ ہوتی تو میں یہ پسند کرتا کہ مجھے غلامی کی حالت میں موت آئے، راوی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے اپنی والدہ کی وجہ سے اس وقت تک حج نہیں کیا جب تک ان کی والدہ فوت نہیں ہوگئیں، ابوالطاہر کی روایت میں نیک غلام کا ذکر ہے غلام کا ذکر نہیں ہے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ لَمْ يَكُنْ يَحُجُّ حَتّٰى مَاتَتْ اُمُّهٗ لِصُحْبَتِهَا قَالَ اَبُو الطَّاهِرِ فِيْ حَدِيْثِهٖ لِلْعَبْدِ الْمُصْلِحِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَمْلُوْكَ ۔

۴۲۰۸ - **وَحَدَّثَنِيْهِ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ صَفْوَانَ الْاُمَوِيُّ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ بَلَغَنَا وَمَا بَعْدَهٗ ۔

اسی سند کے ساتھ ابن شہاب سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے اور اس کے بعد کا ذکر نہیں ہے۔

۴۲۰۹ - **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدَّى الْعَبْدُ حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ كَانَ لَهٗ اَجْرَانِ قَالَ فَحَدَّثْتُهَا كَعْبًا فَقَالَ كَعْبٌ لَيْسَ عَلَيْهِ حِسَابٌ وَلَا عَلٰى مُؤْمِنٍ مُزْهِدٍ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی غلام اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالکوں کا حق بھی ادا کرے تو اس کو دو اجر ملیں گے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث کعب کو سنائی تو انھوں نے کہا اس غلام سے حساب نہیں ہوگا اور نہ اس مؤمن سے حساب ہوگا جو دنیا سے بے رغبتی رکھتا ہو۔

۴۲۱۰ - **وَحَدَّثَنِيْهِ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ ۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے۔

۴۲۱۱ - **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يُّتَوَفّٰى يُحْسِنُ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَصَحَابَةَ سَيِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ ۔

ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہی خوب غلام ہے، جو اس حال میں فوت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بھی اچھی عبادت کرتا ہو اور اپنے مالک کی بھی خیر خواہی کرتا ہو۔

۴۲۱۲ - **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام کا ایک حصہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهٗ فِيْ عَبْدٍ فَكَانَ لَهٗ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيْمَةَ الْعَدْلِ فَاَعْطٰى شُرَكَآءَهٗ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔

آزاد کر دے اور اس کے پاس غلام کی باقی قیمت کے برابر مال ہو تو اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے پھر وہ اپنے شرکاء کو ان کا حصہ ادا کر دے اور غلام اس کی طرف سے پورا آزاد ہو جائے گا ورنہ اتنا غلام آزاد ہو گا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

۴۲۱۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهٗ مِنْ مَمْلُوْكٍ فَعَلَيْهِ عِتْقُهٗ كُلُّهٗ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَهٗ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کیا اس پر پورے غلام کو آزاد کرنا لازم ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس غلام کی قیمت کو پہنچ جائے، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو فقط اتنا ہی غلام آزاد ہو گا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

۴۲۱۴۔ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلٰى عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ نَصِيْبًا لَهٗ فِيْ عَبْدٍ فَكَانَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ قَدْرُ مَا يَبْلُغُ قِيْمَتَهٗ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کی قیمت کو پہنچتا تھا تو اس کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی ورنہ اسی قدر غلام آزاد ہو گا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

۴۲۱۵۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ ح وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الرَّبِيْعِ وَاَبُوْ كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ يَعْنِيْ ابْنَ عُلَيَّةَ كِلَاهُمَا عَنْ اَيُّوْبَ ح وَحَدَّثَنَا

سات مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اسی قدر غلام آزاد ہو گا جتنا اس نے آزاد کیا، البتہ ایوب اور یحییٰ بن سعید نے حدیث میں ان الفاظ کا ذکر کیا اور کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ الفاظ حدیث میں ہیں یا نافع نے اپنے طرف سے کہے ہیں اور لیث بن سعد کے سوا اور کسی کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ ح وَحَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْأَيْلِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَيْسَ فِي حَدِيْثِهِمْ "وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ" إِلَّا فِي حَدِيْثِ أَيُّوْبَ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ فَإِنَّهُمَا ذَكَرَا هٰذَا الْحَرْفَ فِي الْحَدِيْثِ وَقَالَا لَا نَدْرِيْ أَهُوَ شَيْءٌ فِي الْحَدِيْثِ أَوْ قَالَهٗ نَافِعٌ مِّنْ قِبَلِهٖ وَلَيْسَ فِي رِوَايَةِ أَحَدٍ مِّنْهُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِي حَدِيْثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ۔

۴۲۱۶۔ وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک غلام کو آزاد کیا، اس کے مال میں اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی نہ کمی ہو گی نہ زیادتی پھر اگر وہ مالدار ہو گا تو اس کے مال سے اس غلام کو آزاد

آخَرَ قُوِّمَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ قِيمَةَ عَدْلٍ لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ ثُمَّ عَتَقَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا۔

کر دیا جائے گا۔

۴۲۱۷۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ عَتَقَ مَا بَقِيَ فِي مَالِهِ إِذَا كَانَ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تو باقی غلام بھی اس کے مال سے آزاد کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس کے پاس اس غلام کی قیمت کے برابر مال ہو۔

۴۲۱۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَمْلُوكِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا قَالَ يَضْمَنُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اس کو آزاد کر دے تو دوسرا اس (کی بقیہ کی قیمت) کا ضامن ہو گا۔

۴۲۱۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِنْ مَمْلُوكٍ فَهُوَ حُرٌّ مِنْ مَالِهِ۔

ایک اور سند کے ساتھ شعبہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے آپ نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کیا وہ اس کے مال سے آزاد کر دیا جائے گا۔

۴۲۲۰۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کیا تو اس غلام کی آزادی اس کے مال سے ہو گی۔ بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام پر (غیر معمولی) مشقت ڈالے بغیر کمائی کرائی جائے گی۔

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔

۴۲۲۱ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ عِيسَى ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔

دو مختلف سندوں کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے اور عیسیٰ کی روایت میں ہے پھر جس شخص کے حصہ کو آزاد نہیں کیا اس کے حصہ میں غلام پر مشقت ڈالے بغیر اس سے کمائی کرائی جائے گی۔

۴۲۲۲ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کیے، اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلا کر ان کے تین حصے کیے پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رہنے دیا اور اس شخص کے بارے میں ایک سخت کلمہ کہا۔

۴۲۲۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ عَنِ الثَّقَفِيِّ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَمَّا حَمَّادٌ فَحَدِيثُهُ كَرِوَايَةِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَأَمَّا الثَّقَفِيُّ فَفِي حَدِيثِهِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ فَأَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ۔

دو مختلف سندوں کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے ایک روایت میں ہے انصار میں سے ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی۔

۴۲۲۴- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَحَمَّادٍ.

ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کی بناء پر انھیں آزاد کرنے کا حکم

ان احادیث میں غلاموں کے ساتھ ملائمت اور حسن معاشرت کا ثبوت ہے، اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مار پیٹ کر ایذاء پہنچائے تو کیا اس شخص پر اس غلام کو آزاد کرنا واجب ہے؟ حضرت سوید بن مقرن کی حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، البتہ اس کے مستحب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بہت زیادہ مارے تو امام مالک کے نزدیک اس شخص پر اس غلام کو آزاد کرنا واجب ہے، بلکہ وہ غلام از خود آزاد ہو جاتا ہے اور حاکم پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے مالک کو سزا دے۔ اور باقی ائمہ کے نزدیک وہ غلام آزاد نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۴۲۱۹ میں ہے حضرت ابو مسعود اپنے غلام کو مار رہے تھے اس نے اللہ کی دہائی دی "اللہ کی پناہ" کہا لیکن وہ بدستور مارتے رہے اور جب اس نے کہا "رسول اللہ کی پناہ"، تو انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی بار انھوں نے غصہ کی شدت کی وجہ سے غلام کی فریاد نہیں سنی تھی

غلاموں کو دگنا اجر ملنے کی تحقیق

حدیث نمبر ۴۲۰۷ میں ہے نیک غلام کے دو اجر ہیں ۔۔۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جب کسی غلام پر دو اطاعتیں جمع ہوں ایک اللہ عزوجل کی عبادت دوسری اس کے مالک کی اطاعت، اور وہ دونوں اطاعتوں کو بجا لائے تو اس کو آزاد عبادت گذار کی نسبت دگنا اجر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں وہ دونوں برابر ہیں اور غلام نے اس کے علاوہ اپنے مالک کی اطاعت بھی کی ہے جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا اس حدیث سے میں یہ مسئلہ مستنبط کرتا ہوں کہ جس شخص پر دو فرض جمع ہوں اور وہ ان دونوں فرضوں کو ادا کرے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جو صرف ایک فرض ادا کرتا ہے۔ مثلاً جس شخص پر نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض ہوں اور وہ ان دونوں کو ادا کرے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جو صرف ایک فرض ادا کرتا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص پر کئی عبادات فرض ہوں اور وہ ان سب کا تارک ہو اس کا گناہ ان کی نسبت زیادہ ہے جس پر اس کی بہ نسبت کم عبادات فرض ہوں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ غلام کو اس لیے زیادہ اجر ملتا ہے کہ اس کی مشقت زیادہ ہے ورنہ اگر عمل کی نوعیت کے اختلاف کی وجہ سے زیادہ اجر ہو جیسا کہ حافظ ابن عبد البر کی رائے ہے تو پھر اس میں غلام کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ علامہ عبد التین نے کہا ہے کہ غلام کے ہر عمل کا اجر دگنا دیا جاتا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ غلام کا اجر اس کے مالک سے زیادہ ہو، پھر انھوں نے اس سوال کے کئی جواب دیے ہیں اور ان میں زیادہ صحیح جواب

یہ ہے کہ اگر غلام کا اجر مالک سے زیادہ ہے تو پھر کیا قباحت ہے؟ آخر غلام کی مشقت بھی تو مالک سے زیادہ ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غلام پر حج اور جہاد فرض نہیں ہے البتہ اگر وہ حالت غلامی میں حج یا جہاد کرے تو صحیح اور جائز ہے۔ ل

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ غلام سے کام لینے کے سلسلہ میں یہ واجب ہے کہ غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کے لیے نہ کہا جائے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ باغوں میں جاتے اور اگر کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ اپنے غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لے رہا ہے تو اس کا کام کم کر دیتے اور اگر یہ دیکھتے کہ وہ اس کو خوراک کم دے رہا ہے تو اس کی خوراک زیادہ کر دیتے۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو ضعیفوں یعنی عورتوں اور غلاموں کے ساتھ خیر خواہی کا حکم دیتا ہوں۔ اور آپ نے ابوطیبہ کے مالکوں کو حکم دیا کہ اس کے خراج میں کمی کر دو (خراج سے مراد یہ ہے کہ مالک نے غلام پر لازم کیا ہو کہ تم اتنے پیسے روز لا کر دو گے) فقہاء نے کہا ہے کہ مالک جس نوعیت کا کھانا اور لباس اپنے لیے اختیار کرتا ہے اگر غلام کے لیے بھی اسی نوعیت کا طعام اور لباس فراہم کرے تو یہ مستحب ہے اور اگر اس سے گھٹیا اور معمولی قسم کا طعام اور لباس فراہم کرے پھر بھی جائز ہے۔ ۲

قرعہ اندازی کے ذریعہ غلام آزاد کرنے میں مذاہب فقہاء

حدیث نمبر ۴۲۱۴ میں ہے جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کی قیمت کو پہنچتا تھا اس کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی ورنہ اسی قدر غلام آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق کتاب العتق باب ۱، ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۴۲۲۲ میں ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کیے، اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلا کر ان کے تین حصے کیے پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رہنے دیا اور اس شخص کے متعلق ایک سخت کلمہ کہا۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد، داؤد، ابن جریر اور جمہور کے مذہب پر دلیل ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعہ غلام کو آزاد کرنے کے قائل ہیں، اور یہ کہ جس شخص نے مرض الموت میں اپنے غلاموں کو آزاد کیا یا انہیں آزاد کرنے کی وصیت کی اور ان غلاموں کی مالیت تہائی مال سے زیادہ ہو تو ان غلاموں میں قرعہ اندازی کر کے تہائی مالیت کے غلاموں کو آزاد کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ قرعہ اندازی باطل ہے، اس کا غلام آزاد کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے، وصیت کرنے والے نے جس قدر غلام آزاد کیے تھے وہ بقدر حصہ آزاد ہوں گے اور غلام اپنے حصوں کی بقیہ رقم کو کما کر وارثوں کو ادا کریں گے (اور آزاد ہو جائیں گے) کیونکہ قرعہ اندازی میں مخاطرہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا یہ قول اس حدیث اور دیگر احادیث کثیرہ سے باطل ہے۔

ل۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۷۷-۱۷۶، ملخصاً مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۲۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۰۸-۱۰۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے فقہاء تابعین مثلاً شعبی، نخعی، شریح، حسن بصری اور سعید بن مسیب وغیرہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے موقف پر متعدد دلائل ہیں۔

قرعہ اندازی کے ذریعہ غلام آزاد کرنے کے عدم جواز میں فقہاء احناف کے دلائل

پہلی دلیل: متعدد دلائل سے ثابت ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے بعد آزادی فوراً نافذ ہو جاتی ہے اور اس میں تاخیر نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر کوئی شخص مذاق میں بھی اپنے غلام کو کہہ دے تم آزاد ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا، سو جب کسی شخص نے اپنے چھ غلاموں کو آزاد کیا حالانکہ اس کو ان میں سے ہر ایک کے تہائی (۱/۳ حصہ) کو آزاد کرنے کا اختیار تھا تو اس کے کہتے ہی ہر غلام کا ۱/۳ فوراً آزاد ہو جائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ قرعہ اندازی کر کے ان میں سے دو غلاموں کو آزاد کیا جائے گا تو جو چار غلام آزاد ہو چکے تھے۔ ان چاروں کو آزادی سے غلامی کی طرف لوٹانا لازم آئے گا، اور اس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم (آل عمران: ۴۴) "جب وہ (قرعہ اندازی) کے لیے اپنے قلموں کو ڈالتے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے" کے تحت لکھا ہے: بعض لوگوں نے اس آیت سے قرعہ اندازی کے ذریعہ غلاموں کے آزاد کرنے کو جائز کہا ہے جب کوئی شخص مرض الموت میں غلام آزاد کرے اور پھر مر جائے اور ان غلاموں کے سوا اس کا اور کوئی مال نہ ہو لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جو شخص ایک بار آزاد ہو چکا ہو اس کو پھر غلام بنانا جائز نہیں ہے اور مرنے والا سب کو آزاد کر چکا ہے اس لیے اب قرعہ اندازی کے ذریعے ان میں بعض کو آزاد قرار دینا اور باقی کو غلام بنا دینا صحیح نہیں ہے۔[۱]

دوسری دلیل: جب کوئی شخص اس صورت میں غلام آزاد کرتا ہے تو یہاں تین حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ (۱) میت کا حق، اور وہ یہ ہے کہ ۱/۳ مال میں اس کی وصیت جاری کی جائے (۲) ورثاء کا حق، باقی ماندہ ۲/۳ مال میں وصیت نہ جاری کی جائے۔ (۳) جس غلام کے متعلق وصیت جاری کی گئی ہے اس کا حق: مرنے والے نے جن غلاموں کو آزاد کر دیا ہے ان میں آزادی کو نافذ کیا جائے ـــ اور قرعہ اندازی کی زد صرف مؤخر الذکر یعنی غلام کے حق پر پڑتی ہے، کیونکہ جب مالک نے سب غلاموں کو آزاد کر دیا تو وہ سب آزادی کے حقدار ہیں اور ان میں سے ایک کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں ہے اور قرعہ اندازی کا تقاضا یہ ہے کہ بعض غلام اس حق کو حاصل کر لیں اور بعض محروم ہو جائیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ ان سب غلاموں کے تیسرے حصے ۱/۳ کو آزاد قرار دیا جائے اور باقی ۲/۳ حصہ کو آزاد کرانے کے لیے یہ غلام محنت مزدوری کریں اور اس کی رقم وارثوں کو ادا کریں۔

تیسری دلیل: احادیث سے یہ ثابت ہے کہ وصیت کرنے والا تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کر سکتا اور اس پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب فقہاء احناف کے طریقہ پر عمل کیا جائے اور اگر قرعہ اندازی کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ آزادی کے لیے قرعہ فال اس غلام کے لیے نکل آئے جس کی قیمت تہائی مال سے زیادہ ہو۔

قرعہ اندازی کے ذریعہ غلام آزاد کرنے کے بارے میں حدیث صحیح کے جوابات

شمس الائمہ سرخسی حنفی اس مسئلہ میں قرعہ اندازی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قرعہ اندازی کے ساتھ مستحق کا تعین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ

[۱] علامہ ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ۔

مستحق کا تعین کرنا ابتداءً استحقاق ثابت کرنے کے حکم میں ہے، پس جس طرح ابتداءً استحقاق کو قرعہ اندازی پر معلق کرنا قمار (جوا) ہے۔ اسی طرح استحقاق کے تعین کا قرعہ اندازی پر معلق کرنا بھی قمار ہے۔ ہمارے نزدیک قرعہ اندازی کو استعمال کرنا صرف وہاں جائز ہے جہاں پر وہ فعل بغیر قرعہ اندازی کے بھی جائز ہو جیسا کہ تقسیم میں قرعہ اندازی کرنا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ازواج کو سفر میں لے جانے کے لیے ان میں قرعہ اندازی کرتے تھے۔

علامہ سرخسی اس کے بعد لکھتے ہیں باقی رہا ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کا اس حدیث سے استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بہت نادر بات ہے کہ ایک انسان کے پاس چھ غلام ہوں اور اس کے علاوہ کوئی اور مال اس کے پاس نہ ہو اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ بھی احتمال ہے کہ اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی ہو۔ اور حدیث میں اس پر دلیل بھی ہے کیونکہ راوی نے کہا آپ نے دو غلاموں کو آزاد کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کہ آپ ان میں سے جن دو غلاموں کو چاہتے آزاد کر دیتے لیکن آپ نے ان کی تالیف قلوب کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ اور علامہ ابو بکر جصاص نے یہ کہا ہے کہ "فاعتق اثنین" کا معنی ہے دو غلاموں کی مقدار کو آزاد کر دیا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ جب ہر غلام میں سے تہائی (۱/۳) حصہ کو آزاد کیا تو ہم نے ان میں سے دو غلاموں کی مقدار کو آزاد کر دیا اور "اقرع" کا معنی ہے آپ نے دقت نظر سے کام لیا اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کی تاویل یہی ہے اس کے بعد علامہ سرخسی نے فقہاء احناف کی تائید میں بعض فقہاء تابعین مثلاً شعبی، شریح اور مسروق وغیرہم کے اقوال کا ذکر کیا ہے۔ [1]

قرعہ اندازی کے ذریعہ غلام آزاد کرنے کے بارے میں مصنف کا موقف

صحیح مسلم کی یہ حدیث جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہے بلکہ تمام سنن میں ہے، مسند احمد میں اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین سے اس کو تین اماموں نے روایت کیا ہے، ابن سیرین، حسن اور ابو المہلب نے۔ [2]

علامہ سرخسی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے غیر صحیح ہے کہ یہ بہت نادر ہے کہ کسی شخص کے پاس چھ غلام ہوں اور ان کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس حدیث کی صحت کے خلاف ہو کیونکہ کسی چیز کا نادر ہونا حدیث کی صحت کے خلاف نہیں ہے۔ رہا یہ کہ یہ قرعہ اندازی قمار ہے سو علامہ سرخسی نے یہ بہت سنگین بات لکھی ہے ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی چیز غالب کو دی جائے گی وہ قمار ہوتا ہے، اور جب کسی حکم میں سب مساوی ہوں اور حکم ان میں سے کسی دو کے لیے ثابت کرنا ہو تو ان دو کے تعین کے لیے قرعہ اندازی کرنا قمار نہیں ہے جیسا کہ ازواج میں سے بعض کو سفر میں لے جانے کے لیے احادیث میں قرعہ اندازی کا ذکر ہے، یا جس طرح اذان کہنے اور صف اول میں نماز پڑھنے کے لیے احادیث میں قرعہ اندازی کا ذکر ہے اس طرح احادیث میں قرعہ اندازی کی اور مثالوں کا بھی ذکر ہے۔

۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۷، ص ۷۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

علامہ سرخسی نے اس حدیث کی تاویل میں جو کچھ کہا ہے وہ حدیث کے ظاہر مفہوم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ باقی یہ کہنا غلط ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو لوگ پہلے آزاد ہو چکے ہیں ان کو پھر غلام بنایا جائے ـــــ وہ سب غلام آزاد کب ہوئے تھے؟ اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلاموں کو آزاد کر دے تو کیا وہ آزاد ہو جائیں گے؟ ظاہر ہے کہ غیر کی ملکیت میں دوسرے کا تصرف نافذ نہیں ہوتا، اسی طرح جس شخص کے چھ غلام ہوں اور ان کے علاوہ اس کا اور کوئی مال نہ ہو تو وصیت کے وقت وہ صرف دو غلاموں کا مالک ہے کل چھ غلاموں کا مالک نہیں ہے اور اگر اس نے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا تو اس نے اپنے مال کے علاوہ ورثاء کے مال میں بھی تصرف کیا ہے اور اس کا چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اس کے آزاد کرنے سے صرف دو غلام ہی آزاد ہوئے ہیں اور باقی چار بدستور غلام ہی ہیں اور ان دو غلاموں کا تعین اب قرعہ اندازی کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ صاحب شریعت علیہ السلام نے بتلایا ہے۔ ہماری رائے میں امام ابوحنیفہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی ہو گی، ان کے ساتھ ہمارا یہی حسن ظن ہے اور خود امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، بہرحال کوئی شخص کچھ بھی کہے میں یہی کہوں گا کہ صحیح وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس مسئلہ میں قرعہ اندازی کے ذریعہ غلاموں میں سے دو غلاموں کو آزاد کرنا ہی صحیح طریقہ ہے۔

بَابُ ۵۴۳ جَوَازِ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر غلام کی بیع کا جواز

۴۲۲۵ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے ایک غلام کو مدبر کر دیا (یعنی اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گا) اور اس غلام کے علاوہ اس شخص کا اور کوئی مال نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس (غلام) کو مجھ سے کون خریدے گا؟ نعیم بن عبداللہ نے اس کو آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ آپ نے وہ دراہم اس شخص کو دے دیے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے بتایا وہ غلام قبطی تھا اور (حضرت ابن الزبیر کی خلافت کے) پہلے سال فوت ہو گیا۔

۴۲۲۶ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا اور اس غلام کے سوا اس کا اور کوئی مال نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

عُيَيْنَةَ قَالَ سَمِعَ عَمْرٌو جَابِرًا يَقُولُ دَبَّرَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ غُلَامًا لَّهُ لَمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَاعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَابِرٌ فَاشْتَرَاهُ ابْنُ النَّحَّامِ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ فِي إِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ.

کو فروخت کر دیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ ابن النحام نے اس غلام کو خرید لیا تھا اور وہ غلام قبطی تھا اور وہ حضرت ابن الزبیر کی خلافت کے پہلے سال فوت ہو گیا تھا۔

۴۲۲۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُدَبَّرِ نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ.

حضرت جابر سے مدبر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق حدیث مروی ہے۔

۴۲۲۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ يَعْنِي الْحِزَامِيَّ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ الْمُعَلِّمِ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مَطَرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَهُمْ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ كُلُّ هَؤُلَاءِ قَالَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ حَمَّادٍ وَابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ.

تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مدبر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث منقول ہے۔

مدبر کی بیع میں مذاہب فقہاء

جس غلام سے اس کا مالک یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو اس کو مدبر کہتے ہیں اس کی بیع کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا یہ موقف ہے کہ مدبر کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور امام شافعی

امام احمد، امام ابوثور، اسحاق اور اہل ظاہر نے کہا ہے کہ مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے، حضرت عائشہ، مجاہد، حسن اور طاؤس کا بھی یہی قول ہے حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت، ابن مسیب، زہری، شافعی، نخعی، ابن ابی لیلیٰ، لیث بن سعد مدبر کی بیع کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اوزاعی سے یہ روایت ہے کہ جو شخص مدبر کو خرید کر آزاد کرنا چاہتا ہو اس کے ہاتھ مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ اگر مالک پر قرض ہو تو وہ مدبر کو فروخت کر سکتا ہے، امام مالک سے ایک یہ روایت ہے کہ مالک موت کے وقت مدبر کو فروخت کر سکتا ہے اور زندگی میں اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل مدینہ کا مدبر کی بیع اور ہبہ کے جواز پر اجماع ہے۔

مدبر کی بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں فقہاء احناف کے نزدیک مدبر کی دو قسمیں ہیں مدبر مطلق، اور مدبر مقید۔

قسم اوّل: مدبر مطلق ہے مثلاً کوئی شخص اپنے غلام سے کہے جب میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو، اس مدبر کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے نہ ہبہ، البتہ اس سے خدمت لینا جائز ہے اور اس کو اجرت پر دیا جا سکتا ہے اور مدبرہ سے مباشرت کی جا سکتی ہے اور مدبرہ کا نکاح کرنا بھی جائز ہے اور مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی (⅓) مال سے مدبر کو آزاد کر دیا جائے گا اور باقی دو تہائی (⅔) کو آزاد کرانے کے لیے مدبر محنت مزدوری کرے گا، یہ اس وقت ہے جب اس کا مالک فقیر ہو یا اس کے پاس اس مدبر کے سوا اور کوئی مال نہ ہو اور اگر اس کا مالک مقروض ہو حتیٰ کہ قرض اس مدبر کو بھی محیط ہو تو مدبر محنت مزدوری کر کے اپنی پوری قیمت ادا کرے گا۔

قسم ثانی: مدبر مقید ہے مثلاً کوئی شخص اپنے غلام سے کہے اگر میں اس بیماری میں فوت ہو گیا تو تم آزاد ہو یا کہے اگر میں اس سفر میں فوت ہو گیا یا اگر میں دس سال میں فوت ہو گیا یا اگر میں فلاں شخص کی موت کے بعد فوت ہو گیا تو تم آزاد ہو اس صورت میں اگر شرط پائی گئی تو مدبر آزاد کر دیا جائے گا ورنہ اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔

مدبر مطلق کی بیع کے عدم جواز میں فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے مدبر مطلق کی بیع کے عدم جواز میں سنن دار قطنی کی اس روایت سے استدلال کیا ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من الثلث۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدبر فروخت کیا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا اور وہ تہائی مال سے آزاد ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ہے علی بن ظبیان اور وہ ضعیف ہے۔ علامہ بدرالدین اس کے جواب میں لکھتے ہیں اس حدیث سے کرخی، طحاوی اور رازی وغیرہم نے استدلال کیا ہے اور وہ حدیث کے امام ہیں۔ علامہ ابوالولید باجی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیر القرون میں مدبر کی بیع کو مسترد کر دیا تھا اور اس وقت صحابہ کی ایک

---

[1] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۳۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۱۴،

عظیم اکثریت موجود تھی، اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ مدبر کی بیع جائز نہیں ہے۔

مدبر کی بیع کے جواز کی روایت کے جوابات

اس باب کی حدیث نمبر ۴۲۲۵ میں ہے ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا اور اس غلام کے علاوہ اس شخص کا اور کوئی مال نہیں تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کر دیا۔ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس کے مالک پر قرض تھا اس وجہ سے آپ نے اس کو فروخت کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے چونکہ اس شخص کا اور کوئی مال نہیں تھا اس لیے آپ نے اس کے تصرف کو رد کر دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس کی منفعت کو فروخت کیا تھا یعنی اس کو کرائے پر دیا تھا اور کرائے پر بھی بیع کا اطلاق آتا ہے۔ علامہ ابوالولید نے حضرت جابر کی اس روایت کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کی خدمت کو فروخت کیا۔ (یہ حدیث سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۳۸ میں ہے۔ سعیدی) چوتھا جواب یہ ہے کہ جس انصاری شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا تھا وہ کم عقل شخص تھا اس لیے آپ نے بطور ولی اس کے تصرف کو کالعدم قرار دے کر اس کو فروخت کر دیا۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ اس مدبر کی بیع اس وقت ہوئی تھی جب آزاد مقروض شخص کو فروخت کرنا جائز تھا بعد میں یہ اس آیت سے منسوخ ہو گیا وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة۔ "اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو خوشحال ہونے تک مہلت دو۔"[1]

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۹۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات

باب القسامۃ

قسامت کا بیان

۴۲۲۹- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ يَحْيَى وَحَسِبْتُ قَالَ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ أَنَّهُمَا قَالَا خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةُ ابْنُ مَسْعُوْدِ ابْنِ زَيْدٍ حَتَّى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَا هُنَالِكَ ثُمَّ إِذَا مُحَيِّصَةُ يَجِدُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ سَهْلٍ قَتِيْلًا فَدَفَنَهُ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ فِي السِّنِّ فَصَمَتَ فَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ وَتَكَلَّمَ مَعَهُمَا فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ لَهُمْ أَتَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا فَتَسْتَحِقُّوْنَ

سہل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور حضرت محیصہ بن مسعود خیبر گئے اور وہاں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے، پھر حضرت محیصہ نے حضرت عبداللہ بن سہل کو مقتول پایا۔ انھوں نے ان کو دفن کر دیا، پھر وہ حضرت حویصہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمن بن سہل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، حضرت عبدالرحمن بن سہل ان میں سب سے چھوٹے تھے وہ اپنے ساتھیوں سے پہلے بولنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمر میں بڑا ہے اس کو بولنے دو، پھر وہ خاموش ہو گئے اور ان کے ساتھیوں نے واقعہ بیان کیا اور وہ بھی ان کے ساتھ بیان کرتے رہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سہل کی جائے قتل کو بیان کیا، آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھا کر اپنے ساتھی کا خون ثابت کرو گے؟ انھوں نے کہا ہم کیسے قسمیں کھا سکتے ہیں جب کہ ہم موقع پر موجود نہیں تھے؟ آپ نے فرمایا پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر اپنی برأت کو ثابت کر لیں گے! انھوں نے کہا کہ ہم کافروں کی قسموں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورتحال دیکھی تو خود مقتول کی دیت ادا کر دی۔

صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ قَالُوا وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا قَالُوا وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى عَقْلَهُ۔

۴۲۳۰ - وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ مُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ انْطَلَقَا قِبَلَ خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ فَاتَّهَمُوا الْيَهُودَ فَجَاءَ أَخُوهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَابْنَا عَمِّهِ حُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فِي أَمْرِ أَخِيهِ وَهُوَ أَصْغَرُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ أَوْ قَالَ لِيَبْدَأِ الْأَكْبَرُ فَتَكَلَّمَا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَيُدْفَعُ بِرُمَّتِهِ قَالُوا أَمْرٌ لَمْ نَشْهَدْهُ كَيْفَ نَحْلِفُ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ قَالَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ قَالَ سَهْلٌ فَدَخَلْتُ مِرْبَدًا لَهُمْ يَوْمًا فَرَكَضَتْنِي نَاقَةٌ مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ رَكْضَةً بِرِجْلِهَا قَالَ حَمَّادٌ هَذَا أَوْ نَحْوَهُ۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت محیصہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن سہل خیبر گئے اور وہاں کھجور کے درختوں میں الگ الگ ہو گئے، حضرت عبداللہ بن سہل وہاں قتل کر دیے گئے، انھوں نے یہود پر تہمت لگائی پھر ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن اور ان کے عم زاد بھائی حضرت حویصہ اور محیصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، حضرت عبدالرحمن نے اپنے بھائی کے معاملے میں بولنا شروع کیا حالانکہ وہ ان میں سب سے چھوٹے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے کو بولنے دو یا فرمایا بڑے کو پہل کرنے دو، پھر ان دونوں نے اپنے بھائی کا واقعہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پچاس آدمی ان کے کسی آدمی کے خلاف قسم کھائیں پھر وہ بالکل تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا ہم نے جس کو دیکھا نہیں ہے اس کے خلاف کیسے قسم کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر پچاس یہود تمہارے سامنے قسم کھا کر اپنی برات ثابت کریں گے! انھوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو کافر ہیں! راوی کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس مقتول کی دیت ادا کر دی، حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں ان کی ان اونٹنیوں کے باڑے میں گیا تو ان کی اونٹنی نے لات مار دی۔

۴۲۳۱ - وَحَدَّثَنَا الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا

ایک اور سند سے حضرت سہل بن ابی حثمہ نے یہی

بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَقَالَ فِي حَدِيْثِهِ فَعَقَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ وَلَمْ يَقُلْ فِي حَدِيْثِهِ فَرَكَضَتْنِي نَاقَةٌ۔

اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس کی دیت ادا کر دی اور اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ مجھے اونٹنی نے لات ماری تھی۔

۴۲۳۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ بِنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ۔

دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

۴۲۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّيْنِ ثُمَّ مِنْ بَنِيْ حَارِثَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ وَأَهْلُهَا يَهُوْدُ فَتَفَرَّقَا لِحَاجَتِهِمَا فَقُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ فَوُجِدَ فِي شَرَبَةٍ مَقْتُوْلًا فَدَفَنَهُ صَاحِبُهُ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَمَشَى أَخُو الْمَقْتُوْلِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَأْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَيْثُ قُتِلَ فَزَعَمَ بُشَيْرٌ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَمَّنْ أَدْرَكَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ تَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَتَسْتَحِقُّوْنَ

بُشیر بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور حضرت محیصہ بن مسعود بن زید انصاری جو بنو حارثہ سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیبر گئے ان دنوں خیبر میں یہودی رہتے تھے اور وہ صلح کا زمانہ تھا، وہ کسی کام سے الگ الگ ہو گئے، حضرت عبداللہ بن سہل ایک حوض میں مقتول پائے گئے، ان کے ساتھی نے ان کو دفن کر دیا۔ پھر وہ مدینہ منورہ پہنچے، مقتول یعنی حضرت عبداللہ بن سہل کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن سہل اور حضرت محیصہ اور حویصہ بھی گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ (کے قتل ہونے) کا واقعہ بیان کیا اور جس جگہ انھیں قتل کیا گیا تھا اس کا ذکر کیا، بشیر اس حدیث کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم پچاس قسمیں کھا کر قاتل یا فرمایا مدعی علیہ کے خلاف خون ثابت کر سکتے ہو، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس موقع پہ موجود نہ تھے نہ ہم نے قاتل کو دیکھا ہے، آپ نے فرمایا پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر خود کو بے قصور ثابت کر لیں گے! انھوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کافر ہیں ہم ان کی قسموں کا

قَاتِلَكُمْ اَوْ صَاحِبَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا شَهِدْنَا وَلَا حَضَرْنَا فَزَعَمَ اَنَّهٗ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ بِخَمْسِيْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نَقْبَلُ اَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَزَعَمَ بُشَيْرٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلَهٗ مِنْ عِنْدِهٖ۔

کیسے اعتبار کریں! بشیر کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس کی دیت ادا کر دی۔

٤٢٣٤ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْ بَنِيْ حَارِثَةَ يُقَالُ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ انْطَلَقَ هُوَ وَابْنُ عَمٍّ لَّهٗ يُقَالُ لَهٗ مُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ يَحْيٰى فَحَدَّثَنِيْ بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَهْلُ بْنُ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ لَقَدْ رَكَضَتْنِيْ فَرِيْضَةٌ مِّنْ تِلْكَ الْفَرَائِضِ بِالْمِرْبَدِ۔

بشیر کہتے ہیں کہ انصار کے بنو حارثہ میں سے ایک شخص حضرت عبداللہ بن سہل بن زید رضی اللہ عنہ تھے وہ اور ان کے عم زاد بھائی جن کا نام حضرت محیصہ بن مسعود بن زید تھا دونوں گئے، اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کر دی۔ بشیر بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے سہل بن ابی حثمہ نے بتایا کہ ان اونٹنیوں کے باڑے میں ایک اونٹنی نے مجھے لات مار دی تھی۔

٤٢٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ نَفَرًا مِّنْهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى خَيْبَرَ فَتَفَرَّقُوْا فِيْهَا فَوَجَدُوْا اَحَدَهُمْ قَتِيْلًا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ فِيْهِ فَكَرِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبْطِلَ دَمَهٗ فَوَدَاهُ مِائَةً مِّنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ خیبر گئے اور وہاں جا کر الگ الگ ہو گئے اور وہاں ایک صحابی کو مقتول پایا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کا رائیگاں ہونا ناپسند فرمایا اور صدقہ کے اونٹوں میں سے انھیں سو اونٹ دیت ادا کر دی۔

٤٢٣٦ - حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ

حضرت سہل بن ابی حثمہ اپنی قوم کے بزرگوں سے

أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو لَيْلَى عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ فَأَتَى مُحَيِّصَةُ فَأَخْبَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ أَوْ فَقِيرٍ فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ قَالُوا وَاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ إِلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُمْ ذٰلِكَ ثُمَّ أَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُحَيِّصَةَ كَبِّرْ كَبِّرْ يُرِيدُ السِّنَّ فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فِي ذٰلِكَ فَكَتَبُوا إِنَّا وَاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ قَالُوا لَا قَالَ فَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ قَالُوا لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ کسی تکلیف کی وجہ سے خیبر گئے، حضرت محیصہ نے آکر خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی لاش کو چشمہ یا کنوئیں میں پھینک دیا گیا ہے، انھوں نے یہود کے پاس جا کر کہا بخدا تم نے ان کو قتل کیا ہے، انھوں نے کہا بخدا ہم نے ان کو قتل نہیں کیا، پھر انھوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر اس واقعہ کو بیان کیا پھر وہ ان کے بڑے بھائی حضرت حویصہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل (حضور کے پاس) گئے، حضرت محیصہ چونکہ خیبر میں تھے وہ اس سلسلے میں بات کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی عمر والے کو بات کرنے دو۔ پھر حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ نے بات کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تو یہود تمہارے ساتھی کی دیت ادا کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ ان کی طرف لکھ کر روانہ کیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا خدا کی قسم! ہم نے ان کو قتل نہیں کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حویصہ، حضرت محیصہ اور حضرت عبدالرحمٰن سے فرمایا: کیا تم قسم کھا کر اپنے ساتھی کا قصاص لو گے! انھوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر یہود (اپنے بے قصور ہونے پر) حلف اٹھا لیں گے، انھوں نے کہا وہ تو مسلمان نہیں ہیں! راوی کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی دیت ادا کر دی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس سو اونٹ بھیج دیے جو ان کے گھر پہنچا دیے گئے، سہل نے کہا ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے میرے لات ماری تھی۔

مِائَۃَ نَاقَۃٍ حَتّٰی اُدْخِلَتْ عَلَیْہِمُ الدَّارَ فَقَالَ سَہْلٌ فَلَقَدْ رَکَضَتْنِیْ مِنْہَا نَاقَۃٌ حَمْرَآءُ۔

۴۲۳۷۔ حَدَّثَنِیْ اَبُو الطَّاہِرِ وَحَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیٰی قَالَ اَبُو الطَّاہِرِ حَدَّثَنَا وَقَالَ حَرْمَلَۃُ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَہْبٍ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ سَلَمَۃَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسُلَیْمَانُ بْنُ یَسَارٍ مَوْلٰی مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَرَّ الْقَسَامَۃَ عَلٰی مَا کَانَتْ عَلَیْہِ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ۔

حضرت سلیمان بن یسار زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر قسامت کو برقرار رکھا۔

۴۲۳۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِہَابٍ بِہٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَہٗ وَزَادَ وَقَضٰی بِہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ نَاسٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِیْ قَتِیْلٍ ادَّعَوْہُ عَلَی الْیَہُوْدِ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اس میں یہ زیادہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک مقتول کے حق میں قسامت کا فیصلہ کیا جس کا انھوں نے یہود پر دعویٰ کیا تھا۔

۴۲۳۹۔ وَحَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحُلْوَانِیُّ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ وَہُوَ ابْنُ اِبْرَاہِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ اَنَّ اَبَا سَلَمَۃَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسُلَیْمَانَ بْنَ یَسَارٍ اَخْبَرَاہُ عَنْ نَاسٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور حضرت سلیمان بن یسار بعض انصاریوں سے حسب سابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرتے ہیں۔

قسامت کا لغوی معنی سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں جو جماعت اپنے حق پر قسم کھائے اس کو قسامت کہتے ہیں۔ اور محکم میں ہے کسی چیز پر قسم کھائیں یا کسی چیز پر گواہی دیں۔ قسامت قسم دینے کا اسم ہے پھر

اس کو مصدر کا قائم مقام کیا گیا، پھر قسم کھانے والے لوگوں کو قسامت کہا جانے لگا اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ کو پچاس قسمیں کھانی پڑتی ہیں، علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ قسامت، یمین کی طرح قسم ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کا کوئی شخص مقتول پایا گیا اور اس کے قاتل کا پتا نہیں چلا تو ان کے پچاس آدمی اپنے مقتول کے قصاص پر قسم کھائیں تو وہ دیت کے مستحق ہوں گے اور اگر مدعیٰ علیہ کے پچاس آدمیوں نے قسمیں کھالیں تو ان سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ قسامت غرامت کے وزن پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: القسامۃ توجب العقل قسامت دیت کو واجب کرتی ہے۔ [1]

دیت خون بہا (جان کی قیمت) کو کہتے ہیں۔ یہ شرعاً سو اونٹ ہے یا ایک ہزار دینار جو چار اعشاریہ تین سات چار (۴٫۳۷۴) کلوگرام سونے کے برابر ہے۔ یا دس ہزار درہم ہے جو تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ (۳۰٫۶۱۸) کلوگرام چاندی کے برابر ہے۔

قسامت کی فقہی تعریف میں مذاہب اربعہ

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: جب کوئی شخص کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو اس محلہ والوں پر لازم ہے کہ ان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ خدا کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اس قسم کے بعد وہ دیت ادا کریں گے۔ [2]

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: سبب مخصوص، عدد مخصوص اور شخص مخصوص کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم کھانا قسامت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ اللہ کی قسم ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے اور جب وہ یہ قسم کھالیں گے تو ان پر دیت لازم ہو جائے گی۔ [3]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: قسامت میں پہلے مدعی سے قسم لی جائے گی اور اگر مدعی قسم سے انکار کرے تو پھر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔ [4]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی روضۃ الطالبین میں لکھتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی جگہ مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل کا پتا نہ چلے اور نہ اس پر کوئی گواہ ہو اور اس مقتول کا ولی کسی خاص شخص یا جماعت پر اس کے قتل کا دعویٰ کرتا ہو اور اس کے گمان کے صدق پر قرینہ بھی موجود ہو (اس قرینہ کو فقہی اصطلاح میں لوث کہتے ہیں) تو اس ولی سے اس کے دعویٰ پر حلف لیا جائے گا۔ [5]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: جب مقتول کے ورثاء قصاص کا دعویٰ کریں تو ان سے قسم لی جاتی ہے یا مدعیٰ علیہ

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۹ ص ۲۷، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۱۰۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ

[3] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۸۶ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[5] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

سے قسم لی جاتی ہے اس کو قسامت کہتے ہیں۔ [1]

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں، قسامت کی پچاس قسمیں ہیں جو مقتول کے ورثاء سے لی جائیں گی بایں طور کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ فلاں شخص نے اس کو قتل کیا ہے اگر ورثاء پچاس سے کم ہوں تو ان پر یہ قسمیں تقسیم کر دی جائیں گی اور اگر بالفرض ایک وارث ہو تو وہ پچاس قسمیں کھائے گا اور اگر مقتول کے ورثاء قسم کھانے سے انکار کر دیں تو مدعیٰ علیہ سے پچاس قسمیں لی جائیں گی۔ [2] (فقہاء شافعیہ کے نزدیک بھی یہی تفصیل ہے۔)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب کسی جگہ پر کوئی شخص مقتول پایا جائے اور اس کے ورثاء کسی خاص شخص یا خاص جماعت پر قتل کا دعویٰ کریں اور ان کے درمیان عداوت ہو نہ لوث (یعنی قتل پر قرینہ) تو اس کا حکم باقی دعاوی کی طرح ہے اگر ورثاء مقتول کے پاس گواہ ہیں تو اس گواہی سے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا ورنہ منکر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، امام مالک، امام شافعیؒ اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جب مقتول کے ورثاء اہل محلہ پر یا کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کریں تو مقتول کے ولی کے لیے اس علاقہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لینا جائز ہے، وہ اس طرح قسم کھائیں کہ اللہ کی قسم ہم نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم کو قاتل کا علم ہے۔ اور جب اہل محلہ قسم کھالیں گے تو ان پر دیت واجب ہو جائے گی اور اگر وہ قسم نہ کھائیں تو ان کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حلف اٹھائیں یا قتل کا اقرار کریں۔ کیونکہ روایت ہے کہ ایک شخص دو قبیلوں کے درمیان مقتول پایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پچاس قسمیں لیں اور جو قبیلہ زیادہ قریب تھا اس پر دیت لازم کی، انھوں نے کہا بخدا ہماری قسموں نے ہمارے اموال کو بچایا نہ ہمارے اموال نے ہماری قسموں کو بچایا، حضرت عمر نے فرمایا، تمہارے اموال (دیت) نے تمہاری جانوں کو بچا لیا یعنی تم پر قصاص لازم نہیں کیا گیا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت عبد اللہ بن سہل کی حدیث ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: اگر (محض) لوگوں کے دعووں سے ان کو حقوق دے دیے جائیں تو ہر قوم دوسری قوم کے خون اور اموال کا دعویٰ کرے گی۔ لیکن مدعیٰ علیہ پر قسم لازم ہوگی۔ (صحیح مسلم) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدعی پر گواہ (پیش کرنا) ہے اور منکر پر قسم (کھانا) ہے۔ اور اس لیے کہ مدعیٰ علیہ میں اصل یہ ہے کہ اس کو ذمہ سے بری کیا جائے اس لیے اس کا قول باقی دعاوی کے حکم میں ہے اور چونکہ وہ مدعیٰ علیہ ہے اس لیے اس پر ابتداءً قسم اور جرمانہ لازم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ باقی دعووں میں ہوتا ہے، پھر فقہاء احناف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ظاہر قول پر عمل کیا ہے اور یہ اصول اور قاعدہ کے خلاف ہے، یعنی مدعیٰ علیہ کے بغیر پر قسم لازم کرنا اور ان پر بغیر دعویٰ کے جرمانہ (دیت) لازم کرنا اور حلف اور جرمانہ کو جمع کرنا حالانکہ ان پر صرف قسم کافی تھی، علامہ ابن منذر نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ مدعی پر گواہ ہیں اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہے اور قسامت خیبر کے مقتول کے بارے میں مسنون کی گئی اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا قول ان سنتوں سے خارج ہے۔ [3]

قسامت میں ائمہ ثلاثہ کے موقف پر دلائل کا خلاصہ

ائمہ ثلاثہ کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی محلہ میں کوئی مقتول شخص پایا

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد دردیر مالکی، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ج ۴ ص ۴۲۱-۴۱۵ ملخصاً مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۹۲ھ

[3] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۸ ص ۳۸۳-۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

گیا تو پہلے اس کے وارثوں سے کہا جائے گا تم جس شخص یا جس جماعت کے بارے میں قتل کرنے دعویٰ کرتے ہو اس پر پچاس قسمیں کھاؤ اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو مدعیٰ علیہم پر قسم لازم ہو گی اور قسم کے بعد ان کو دیت ادا کرنی ہو گی۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن سہل، حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ پر قسم پیش کی جو یہود پر قتل کے مدعی تھے اور جب انھوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو پھر آپ نے یہود پر قسم پیش کی۔ (دیکھیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۲۲۹، ۴۲۳۰، ۴۲۳۳، ۴۲۳۶ اور صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۹/۱۰۱۸)۔ سو ان احادیث سے ثابت ہوا قسامت میں پہلے قسم مدعی سے لی جائے گی اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال البینۃ علی المدعی و الیمین علی من انکر الا فی القسامۃ[1]

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدعی پر گواہ ہے اور منکر پر قسم ما سوا قسامت کے۔

ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ قسم منکر پر ہوتی ہے لیکن قسامت میں قسم کی ابتداء مدعی سے ہو گی جیسا کہ اس حدیث کے استثناء سے ظاہر ہے۔

قسامت میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

فقہاء احناف نے امام ابوحنیفہ کے موقف پر یہ حدیث پیش کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی ابتداء مدعیٰ علیہ سے کی ہے، امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابی سلمۃ و سلیمان بن یسار عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الانصار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیہود وبدأ بہم ایحلف منکم خمسون؟ فقالوا: لا فقال للانصار هل تحلفون؟ فقالوا انحلف علی الغیب یا رسول اللہ فجعلها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ علی الیہود لانہ وجد بین اظہرہم۔[2]

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قسامت کی ابتداء کرتے ہوئے فرمایا کیا تمہارے پچاس آدمی قسم کھائیں گے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں! آپ نے انصار سے فرمایا: کیا تم قسم کھاؤ گے؟ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم غیب پر قسم کھا سکتے ہیں؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کر دی، کیونکہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا تھا۔

یہ حدیث امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ سنن کبریٰ میں بھی بیان کی ہے، لیکن امام بیہقی نے اپنی سند پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سند مرسل ہے، اس لیے ان احادیث متصلہ کے معارض ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی جن میں مدعی سے قسامت کی ابتداء کا بیان ہے۔[3]

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۱۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[2] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۸ - ۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۱۲۲ - ۱۲۱ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ہم نے مدعیٰ علیہ سے قسامت کے ثبوت میں مصنف عبدالرزاق سے جو باوالہ حدیث ذکر کی ہے اس کی سند متصل ہے اور اس کی سند پر امام بیہقی کا مذکور الصدر اعتراض نہیں ہوتا۔ علامہ ماردینی مصنف عبدالرزاق کی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف پر حجت قاطع ہے جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے استذکار میں لکھا ہے اور تمہید میں علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس حدیث پر امام بیہقی نے اعتراض کیا ہے وہ بھی متصل ہے اور اگر ہم اس کو مرسل مان لیں تو حدیث مرسل بھی متصل نہیں ہے۔ [۱]

مدعیٰ علیہ سے قسامت کی ابتداء کے ثبوت میں امام ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

عن سعید بن المسیب ان القسامۃ کانت فی الجاھلیۃ فاقرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قتیل من الانصار وجد فی جب الیھود، قال: فبدأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالیھود فکلفھم قسامۃ خمسین فقالت الیھود: لن نحلف، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للانصار: اتحلفون؟ فابت الانصار ان تحلف فاغرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھود دیتہ لانہ قتل بین اظھرھم۔ [۲]

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قسامت کا رواج تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔ انصار کا ایک شخص یہود کے ایک قلعہ میں مقتول پایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ابتداء کی اور ان کو پچاس قسموں کا مکلف کیا۔ یہود نے کہا ہم ہرگز قسم نہیں کھائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا کیا تم قسم کھاؤ گے؟ انصار نے قسم کھانے سے انکار کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کر دی کیونکہ مقتول بہرحال ان کے علاقے میں پایا گیا تھا۔

علامہ علی متقی ہندی نے بھی اس حدیث کو مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے کنزالعمال میں درج کیا ہے۔ [۳]

امام ابوداؤد نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

عن رجال من الانصار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للیھود وبدأ بھم یحلف منکم خمسون رجلا فابوا الحدیث [۴]

انصاری صحابی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قسامت کی ابتداء کرتے ہوئے فرمایا تمہارے پچاس آدمیوں کو قسم کھانا ہوگی۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔

مدعیٰ علیہ سے قسامت کی ابتداء کرنے کے متعلق حافظ الہیثمی نے یہ حدیث صحیح ذکر کی ہے:

عن ابن عباس قال کانت القسامۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ زمانہ

---

[۱] علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۷۴۵ھ، الجواہر النقی ج ۸ ص ۱۲۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔
[۲] امام ابوبکر عبداللہ محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۸۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۶ھ
[۳] علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنزالعمال ج ۱۰ ص ۱۲۵-۱۲۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبع الخامس، ۱۴۰۵ھ
[۴] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ

في الجاهلية حاجزا بين الناس فكان من حلف على يمين صبر اثم فيه ارى عقوبة من الله ينكل بها عن الجرأة على المحارم فكانوا يتورعون عن ايمان الصبر ويخافونها فلما بعث الله محمدا صلى الله عليه وسلم بالقسامة وكان المسلمون هم اهيب لها لما علمهم من ذلك فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقسامة بين حيين من الانصار يقال لهم بنو حارثة وذلك ان يهود قتلت محيصة فانكرت اليهود فدعا النبي صلى الله عليه وسلم اليهود لقسامتهم لانهم الذين ادعوا الدم فامرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحلفوا خمسين يمينا خمسين رجلا كبيرا من قتله فنكلت يهود عن الايمان فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بني حارثة فامرهم ان يحلفوا خمسين يمينا خمسين رجلا ان يهود قتلته غيلة ويستحقون بذلك الذي يزعمون انه الذي قتل صاحبهم فنكلت بنو حارثة عن الايمان فلما راى ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بعقله على يهود لانه وجد بين اظهرهم وفي ديارهم، رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح۔ [1]

جاہلیت میں قسامت لوگوں کے لیے (قتل سے) رکاوٹ تھی۔ جو شخص قسم کھانے پر مجبور کیا جاتا وہ اس میں گناہ سمجھتا تھا، اور جھوٹی قسم کھانے سے انکار کر دیتا تھا، سو وہ جبری قسم کھانے سے ڈرتے تھے اور اس سے احتراز کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قسامت کا حکم دے کر بھیجا تو مسلمان ان قسموں سے اور بھی زیادہ ڈرتے تھے کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے دو قبیلوں میں قسامت کے ساتھ فیصلہ کیا، ان کو بنو حارثہ کہتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود نے محیصہ کو قتل کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو قسامت کے لیے بلایا، کیونکہ ان پر خون کا الزام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ قاتلوں کے پچاس بڑے آدمی پچاس قسمیں کھائیں۔ یہود نے قسمیں کھانے سے انکار کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو حارثہ کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کے پچاس آدمی پچاس قسمیں کھائیں کہ یہود نے دھوکے سے محیصہ کو قتل کر دیا ہے اور اس طرح وہ اس شخص سے (قصاص یا دیت) کے مستحق ہو جائیں گے لیکن بنو حارثہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو یہود پر دیت لازم کر دی کیونکہ محیصہ کو ان کے علاقے میں قتل کیا گیا تھا، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

ان تمام احادیث صحیحہ میں فقہاء احناف کے اس موقف پر قوی دلیل ہے کہ قسامت میں قسم کی ابتداء مدعیٰ علیہ سے کی جاتی ہے۔ اور مدعی سے قسم لینے کی ابتداء نہیں کی جاتی جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔ اب ہم اس چیز کے ثبوت پر احادیث، آثار اور اقوال تابعین پیش کریں گے کہ اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور مدعی پر قسم اصلاً پیش نہیں کی جاتی۔

قسامت میں صرف مدعیٰ علیہ پر قسم پیش کرنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور فتاوی تابعین

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الزهري ان النبي صلى الله عليه وسلم قضى

زہری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثہ، ۱۴۰۲ھ

فی القسامۃ علی المدعیٰ علیھم[1]

قسامت میں مدعیٰ علیہم کی قسم پر فیصلہ کیا۔

حافظ الہیثمی مسند بزار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن عبد الرحمٰن بن عوف قال کانت القسامۃ فی الدم یوم خیبر و ذلک ان رجلا من الانصار من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقد تحت اللیل فجاءت الانصار فقالوا ان صاحبنا یتشحط فی دمہ فقال تعرفون قاتلہ قالوا لا، الا ان قتلتہ یهود فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختاروا منهم خمسین رجلا فیحلفون باللہ جهد ایمانهم ثم خذوا منهم الدیۃ ففعلوا رواہ البزار وفیہ عبد الرحمٰن ابن یامین وھو ضعیف[2]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قسامت خیبر کے دن مشروع ہوئی اور اس کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری ایک رات گم ہو گیا، انصار نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارا ساتھی خون میں لتھڑا ہوا پڑا ہے، آپ نے فرمایا تم اس کے قاتل کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں! البتہ اس کو یہود نے قتل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں سے پچاس آدمی چن کر ان سے پختہ قسمیں لے لو، پھر ان سے دیت وصول کر لو، سو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن یامین نامی ایک ضعیف راوی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں اس کی واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مدعیٰ علیہم سے قسم لی اور ان پر دیت لازم کی۔ ہر چند کہ دوسری حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن ہم نے اس کو تائید کے درجہ میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ہم اس سلسلے میں آثار صحابہ اور فقہاء تابعین کے فتاوی پیش کر رہے ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الشعبی ان قتیلا وجد بین الیمن بین حیین فقال عمر: انظروا اقرب الحیین الیہ فاحلفوا منهم خمسین رجلا باللہ ما قتلنا ولا علمنا ثم تکون علیهم الدیۃ[3]

شعبی کہتے ہیں کہ یمن کے دو قبیلوں کے درمیان ایک شخص مقتول پایا گیا، حضرت عمر نے فرمایا: یہ دیکھو کہ یہ کس قبیلہ کے زیادہ نزدیک ہے پھر ان سے پچاس قسمیں لیں بایں طور کہ (وہ کہیں) ہم نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ پھر ان پر دیت لازم کر دی۔

اس حدیث کو امام عبدالرزاق[4]، امام طحاوی[5]، امام بیہقی[6] اور علامہ علی متقی ہندی[7] نے بھی اپنی تصانیف میں روایت کیا ہے۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۸۴ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبع الاول، ۱۴۰۶ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۲ھ

[3] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۸۲-۳۸۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۶ھ

[4] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ

(بقیہ حواشی آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)....

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن علی قال: ایما قتیل وجد بفلاۃ من الارض فدیتہ من بیت المال لکیلا یبطل دم فی الاسلام وایما قتیل وجد بین قریتین فھو علی اسفھما۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو شخص جنگل کی زمین میں مقتول پایا گیا اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی تاکہ ارض اسلام میں کسی کا خون رائیگاں نہ جائے اور جو شخص دو بستیوں کے درمیان مقتول پایا گیا وہ قریب والی بستی کے ذمہ ہے۔

اس کو علامہ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔ [2]

امام ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم قال: اذا وجد قتیل فی حی اخذ منہ خمسون رجلا فیھم المدعی علیھم وان کانوا اقل من خمسین ردت علیھم الایمان الاول فالاول۔ [3]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جب کسی بستی میں کوئی مقتول پایا جائے تو مدعی علیہم سمیت ان کے پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں گی اور اگر وہ پچاس سے کم ہوں تو ان پر قسمیں لوٹائی جائیں گی الاول فالاول۔

عن الزھری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی القسامۃ ان الیمین علی المدعی علیھم۔ [4]

زہری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت میں یہ فیصلہ کیا کہ قسم مدعیٰ علیہم پر ہوگی۔

اس حدیث کو امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔ [5]

ان عمر بن عبد العزیز بدأ بالمدعی علیھم بالیمین ثم ضمنھم العقل [6]

عمر بن عبد العزیز پہلے مدعیٰ علیہم سے قسم کی ابتداء کی پھر ان پر دیت لازم کردی۔

(حواشی صفحہ سابقہ)......

[58] - امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

[59] - امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۱۲۴ - ۱۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[60] - علامہ علی متقی ہندی بن حسام الدین برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۵ ص ۱۴۲، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الخامس ۱۴۰۵ھ

---

[1] - امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۶ - ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[2] - علامہ علی متقی ہندی بن حسام الدین برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۵ ص ۱۴۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] - امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۸۱ - ۳۸۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[4] - " " " " ، المصنف ج ۹ ص ۳۸۴، " " "

[5] - امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

[6] - امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۸۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱؎

عن سعید بن المسیب انہ کان یری القسامة علی المدعی علیہم۔ ۲؎

سعید بن مسیب یہ کہتے تھے کہ قسامت مدعیٰ علیہم پر ہے۔

مدعی پر قسم لازم کرنے کے ثبوت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ہر چند کہ احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور فقہاء تابعین کے فتاویٰ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ قسامت میں مدعیٰ علیہ پر قسم لازم ہوتی ہے اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی تاہم یہ بات وضاحت طلب ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن سہل اور حضرت حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اتحلفون وتستحقون دم صاحبکم "کیا تم حلف اٹھاؤ گے اور اپنے صاحب کے خون کا استحقاق کو حاصل کرو گے؟" اور یہ مدعی پر قسم کا واضح ثبوت ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی زیادتی صحیح نہیں ہے (واضح رہے کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں یہ زائد الفاظ نہیں ہیں اور صرف مدعیٰ علیہ یعنی یہود پر قسم کا ذکر ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) محدثین کی تحقیق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اتحلفون وتستحقون دم صاحبکم" یہ کلمات نہیں فرمائے۔ اور اگر بالفرض آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں تو آپ نے یہ کلمات بر سبیل ارشاد نہیں بلکہ بر سبیل انکار فرمائے ہیں، کیونکہ اگر آپ بر سبیل ارشاد یہ کلمات فرماتے تو یوں فرماتے: "افتحلفون فتستحقون دم صاحبکم" "کیا تم حلف اٹھا کر اپنے صاحب کا خون حاصل کرو گے؟" اور "اتحلفون وتستحقون دم صاحبکم" "کیا تم حلف اٹھاؤ گے اور اپنے صاحب کے خون کا حق لے لو گے؟" یہ ارشاد بر سبیل انکار ہے یعنی تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتاتون الذکران من العالمین وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم۔ "کیا تم دنیا کے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرو گے اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دو گے جن کو تمہاری خاطر تمہارے رب نے پیدا کیا ہے؟" یعنی تم ایسا مت کرو، اسی طرح آپ نے فرمایا کیا تم قسم کھاؤ گے؟ یعنی قسم مت کھاؤ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تحلفون بغیر ہمزہ استفہام کے ہے لیکن دوسری احادیث صحیحہ میں ہمزہ استفہام کا ذکر ہے جو حذف پر قرینہ ہے۔ نیز بعض اوقات ہمزہ استفہام مقدر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: تریدون عرض الدنیا یعنی اتریدون عرض الدنیا "کیا تم متاع دنیا کا ارادہ کرتے ہو؟" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ یہود کی قسموں کو رد کر کے طریقہ جاہلیت کی طرف راغب ہو رہے ہیں تو آپ نے اظہار ناراضگی کے طور پر فرمایا کیا تم قسم کھا لو گے اور اپنا حق ثابت کر لو گے؟ اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو سمجھ لیا تو انہوں نے کہا کہ ہم بغیر دیکھے کسی چیز پر کیسے قسم کھا سکتے ہیں! ۳؎

۱؎ امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۲؎ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵، المصنف ج ۹ ص ۳۸۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

۳؎ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

ائمہ ثلاثہ کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر الا فی القسامۃ۔[1]

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدعی پر گواہ پیش کرنا ہے اور منکر (مدعی علیہ) پر قسم ہے ماسوا قسامت کے۔

ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عام قاعدہ یہی ہے کہ مدعی علیہ پر قسم ہوتی ہے مگر قسامت میں مدعی پر قسم ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی زنجی ہے جس کا نام مسلم بن خالد ہے جو امام شافعی کا استاذ ہے اور یہ ضعیف ہے خود امام بیہقی نے سنن کبریٰ کے "باب ان التراویح بالجماعۃ افضل" میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن مدینی نے کہا یہ لیس بشئی ہے اور امام بخاری اور امام ابوزرعہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن جریج کا عمرو بن شعیب سے سماع نہیں ہے۔ خود امام بیہقی نے سنن کبریٰ کے باب "وجوب الفطرۃ علی اہل البادیہ" میں امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ابن جریج کا عمرو بن شعیب سے سماع نہیں ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے استدلال متنازع فیہ ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ زنجی نے باوجود ضعف کے عبدالرزاق، حجاج اور قتادہ کی مخالفت کی ہے کیونکہ انھوں نے ابن جریج کی عمرو سے یہ روایت مرسلاً بیان کی ہے، امام دار قطنی نے اپنی سنن میں بھی یہی لکھا ہے۔[2] علامہ بدرالدین عینی نے ان چار جوابوں کے علاوہ اور بھی متعدد جوابات دیے ہیں اور بہت غامض علمی ابحاث رقم فرمائی ہیں۔ ان سے استفادہ کے لیے اہل علم اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

حدیث قسامت کے دیگر مسائل

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خون میں قسامت مشروع ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا جس کو اسلام نے مقرر رکھا، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جب ایک معاملہ کچھ لوگوں کے درمیان مشترک ہو تو ان میں بڑا ہو اس کو گفتگو کرنی چاہیے، تیسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ حدود کے مطالبہ میں وکالت صحیح ہے، چوتھا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے کیونکہ مقتول کے ولی حضرت عبدالرحمن بن سہل تھے اور ان کی موجودگی میں حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ نے اس مسئلہ پر گفتگو کی جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔[3]

قسامت کی شرعی فلاسفی

علامہ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں: قسامت کو انسانی جان کی حفاظت کے لیے مشروع کیا گیا ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کی یہ شدید خواہش ہے کہ انسانی خون بے کار اور رائیگاں نہ جائے اور چونکہ قتل کرنے والا قتل کے لیے ایسی جگہ منتخب کرتا ہے جس میں اس کو کوئی نہ دیکھ سکے اور اس

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۱۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۰۔۵۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[3] " " " " عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۰،

کے خلاف کوئی شہادت نہ دی جاسکے، اس لیے اسلامی شریعت نے انسانی جان کی حفاظت کو بہت اہمیت دی ہے اور قسامت کا قانون بنایا۔ اسی وجہ سے امام احمد نے یہ فرمایا کہ جو شخص طواف خانہ کعبہ یا جمعہ کے اژدحام میں کچلا جانے کی وجہ سے فوت ہو جائے اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی، اسحٰق کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ سعید نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عرفہ کی بھیڑ میں کچلا گیا اس کے ورثاء نے حضرت عمر کے پاس آ کر شکایت کی، حضرت عمر نے فرمایا: تم اس کے قاتلین کے خلاف گواہ لاؤ۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا: اے امیر المومنین مسلمان کا خون رائیگاں نہیں جاتا، اگر آپ کو اس کے قاتل کا علم ہے تو فبہا ورنہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کیجیے، اور حسن اور زہری نے کہا جو شخص بھیڑ میں کچلا جائے اس کی دیت حاضرین پر ہے، کیونکہ انھیں کی وجہ سے قتل ہوا ہے۔ اور حدیث قسامت میں بھی اس کی تائید ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی دیت ادا کر دی تھی

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قسامت کا سبب اس سے بھی زیادہ دقیق ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جس علاقہ میں کسی مسلمان کی لاش پائی گئی ہے اس کے قتل کا سبب اس علاقہ والوں کی غفلت اور کوتاہی ہے۔ ان پر لازم تھا کہ وہ اس شخص کی حفاظت اور مدد کرتے اور اس شخص کو قتل ہونے سے محفوظ رکھتے اور جب انھوں نے ایسا نہیں کیا اور ان کی غفلت اور تقصیر کی وجہ سے ایک مسلمان شخص قتل کر دیا گیا تو اس کی تلافی اور تدارک کی یہی صورت ہے کہ اس علاقہ کے پچاس آدمی قسم کھائیں اور اس مسلمان شخص کی دیت ادا کریں۔ [1]

قسامت کی بحث میں یہ آخری چیز تھی جس کو ہم پیش کرنا چاہتے تھے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بَابُ ۵۴۵ حُكْمِ الْمُحَارِبِيْنَ وَالْمُرْتَدِّيْنَ

ڈاکوؤں اور مرتدوں کے احکام

۴۲۴۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ هُشَيْمٍ وَاللَّفْظُ لِيَحْيٰى قَالَ اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَحُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْ تَخْرُجُوْا اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ فَتَشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا ثُمَّ مَالُوْا عَلَى الرِّعَاءِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے انھیں وہاں کی آب وہوا موافق نہیں آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو صدقہ کی اونٹنیوں کے باڑے میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو، انھوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے پھر انھوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا، ان کو پکڑ کر لایا گیا، آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور ان کو تپتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

[1] علامہ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی ج ۲ ص ۳۲۸ - ۳۲۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

فَقَتَلُوْهُمْ وَارْتَدُّوْا عَنِ الْإِسْلَامِ وَسَاقُوْا ذَوْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِيْ آثَرِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ وَتَرَكَهُمْ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى مَاتُوْا۔

۴۲۲۱ - حَدَّثَنَا أَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَبِيْ عُثْمَانَ حَدَّثَنِيْ أَبُوْ رَجَاءٍ مَوْلٰى أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ حَدَّثَنِيْ أَنَسٌ أَنَّ نَفَرًا مِّنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعُوْهُ عَلَى الْإِسْلَامِ فَاسْتَوْخَمُوا الْأَرْضَ وَسَقِمَتْ أَجْسَامُهُمْ فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا تَخْرُجُوْنَ مَعَ رَاعِيْنَا فِيْ إِبِلِهِ فَتُصِيْبُوْنَ مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَقَالُوْا بَلٰى فَخَرَجُوْا فَشَرِبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَصَحُّوْا فَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَطَرَدُوا الْإِبِلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِيْ آثَارِهِمْ فَأُدْرِكُوْا فَجِيْءَ بِهِمْ فَأَمَرَ بِهِمْ فَقُطِعَتْ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسُمِرَ أَعْيُنُهُمْ ثُمَّ نُبِذُوْا فِي الشَّمْسِ حَتّٰى مَاتُوْا وَقَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ فِيْ رِوَايَتِهٖ وَاطَّرَدُوا النَّعَمَ وَقَالَ وَسُمِّرَتْ أَعْيُنُهُمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے انھوں نے آپ سے اسلام پر بیعت کی، ان کو اس جگہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی اور ان کے جسم کمزور ہو گئے اور وہ بیمار ہو گئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا تم ہمارے چرواہوں کے ساتھ اونٹوں کے باڑے میں کیوں نہیں جاتے، وہاں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پیا، انھوں نے کہا کیوں نہیں! وہ وہاں گئے اور انھوں نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا پھر وہ تندرست ہو گئے انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو روانہ کیا، وہ پکڑے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کو لایا گیا، آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں، پھر ان کو دھوپ میں ڈال دیا گیا تا آنکہ وہ مر گئے۔ ابن الصباح کی روایت میں ہے واطردوا النعم اور سمرت اعینہم۔

۴۲۲۲ - وَحَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عکل یا عرینہ کے کچھ

... حَدَّثَنَا ... عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ قَالَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا بِمَعْنَى حَدِيثِ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ.

لوگ آئے، ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اونٹنیوں کے باڑے میں جانے کا حکم دیا، اور ان سے فرمایا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ جس طرح حجاج بن ابی عثمان کی روایت میں ہے، اور کہا کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں ڈال دی گئیں اور ان کو میدان میں ڈال دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے رہے لیکن ان کو پانی نہیں دیا گیا۔

۴۳۲۳- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ السَّمَّانُ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا خَلْفَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ لِلنَّاسِ مَا تَقُولُونَ فِي الْقَسَامَةِ فَقَالَ عَنْبَسَةُ قَدْ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كَذَا وَكَذَا فَقُلْتُ إِيَّايَ حَدَّثَ أَنَسٌ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ أَيُّوبَ وَحَجَّاجٍ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ عَنْبَسَةُ سُبْحَانَ اللهِ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَقُلْتُ أَتَتَّهِمُنِي يَا عَنْبَسَةُ قَالَ لَا هٰكَذَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ يَا أَهْلَ الشَّامِ مَا دَامَ فِيكُمْ هٰذَا أَوْ مِثْلُ هٰذَا۔

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے لوگوں سے کہا تمہاری قسامت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عنبسہ نے کہا حضرت انس بن مالک نے اس اس طرح حدیث بیان کی ہے، میں نے کہا مجھے بھی حضرت انس نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی اور ایوب اور حجاج کی سند کی مثل حدیث بیان کی، ابو قلابہ کہتے ہیں کہ جب میں فارغ ہوا تو عنبسہ نے کہا سبحان اللہ! ابو قلابہ نے کہا میں نے کہا اے عنبسہ کیا تم مجھے تہمت لگا رہے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں! ہمیں بھی حضرت انس نے اسی طرح حدیث بیان کی ہے۔ اے اہل شام تم لوگ اس وقت تک بخیر رہو گے جب تک تم میں ایسا شخص (یعنی ابو قلابہ) موجود رہے گا۔

۴۲۴۴ - وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ وَهُوَ ابْنُ بُكَيْرٍ الْحَرَّانِيُّ أَخْبَرَنَا الأَوْزَاعِيُّ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةُ نَفَرٍ مِنْ عُكْلٍ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ وَلَمْ يَحْسِمْهُمْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی آئے اگے حسب سابق حدیث ہے۔

۴۲۴۵ - وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُرَيْنَةَ فَأَسْلَمُوا وَبَايَعُوهُ وَقَدْ وَقَعَ بِالْمَدِينَةِ الْمُومُ وَهُوَ الْبِرْسَامُ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ وَزَادَ وَعِنْدَهُ شَبَابٌ مِنَ الأَنْصَارِ قَرِيبٌ مِنْ عِشْرِينَ فَأَرْسَلَهُمْ إِلَيْهِمْ وَبَعَثَ مَعَهُمْ قَائِفًا يَقْتَصُّ أَثَرَهُمْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرینہ کی ایک جماعت آئی، وہ اسلام لائے اور انہوں نے آپ سے بیعت کی، اور مدینہ میں موم یعنی برسام کی بیماری پھیل گئی پھر اسانید سابقہ کی مثل حدیث بیان کی، اور اس میں یہ زیادہ ہے کہ آپ کے پاس بیس کے لگ بھگ انصاری نوجوان بیٹھے تھے۔ آپ نے انہیں ان کے تعاقب میں بھیجا اور ان کے ساتھ ایک کھوجی بھی بھیجا جو ان کے نشانِ قدم پہچان سکے۔

(ف) علامہ نووی کہتے ہیں کہ برسام اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں عقل فاسد ہو جائے اور سر اور سینہ پر ورم آجائے۔ بحر الجواہر میں ہے کہ برسام اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں جگر اور معدہ کے درمیانی پردے پر ورم آجائے۔

۴۲۴۶ - حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ وَفِي حَدِيثِ هَمَّامٍ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطٌ مِنْ عُرَيْنَةَ وَفِي حَدِيثِ سَعِيدٍ مِنْ عُكْلٍ وَعُرَيْنَةَ بِنَحْوِ

ہمام کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی، سعید کی روایت میں ہے، عکل اور عرینہ سے وہ جماعت حاضر ہوئی جیسا کہ روایات سابقہ میں ہے۔

حَدِيْثِهِمْ۔

۴۲۴۷۔ وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ ابْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّمَا سَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَ أُولَئِكَ لِأَنَّهُمْ سَمَلُوْا أَعْيُنَ الرِّعَاءِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں اس لیے پھرائی تھیں کیونکہ انھوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری تھیں۔

واقعہ عرینہ کی تاریخ

عُکل یا عُرینہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے، بیمار پڑنے بعد ازاں اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب سے علاج کرانے اور اس کے بعد قتل و غارت گری کرنے اور اس کی سزا پانے کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا ہے۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں: حضرت کرز بن جابر فہری کا لشکر شوال چھ ہجری میں عرنیوں کی جانب روانہ ہوا۔ اس کے بعد امام ابن سعد نے تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ انھیں مدینہ سے چھ میل دور قباء کی جانب ایک جگہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ پندرہ اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے تھے، اور ان میں سے ایک اونٹنی کو ذبح کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام یسار نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تھا اور ان سے جنگ کی، انھوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالے، ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے گاڑ دیے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا اور حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا امیر مقرر کیا وہ ان کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم o الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ (المائدہ ۳۳-۳۴)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد کی کوشش کرتے ہیں (ڈاکہ ڈالتے ہیں) ان کی یہی سزا ہے کہ وہ چن چن کر قتل کیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ان کی (فقط) دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے البتہ جو لوگ تمہارے قابو کرنے سے پہلے توبہ کر لیں تو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" اس واقعہ کے بعد آپ نے آنکھوں میں گرم سلائیاں نہیں پھیریں۔ [۱]

علامہ سہیلی نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ ذی قرد سے واپس

---

[۱] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

آنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا (غزوہ ذی قرد چھ ہجری میں ہوا تھا۔ سعیدی)۔ ؎۱

حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست میں مذاہب اور نجس چیزوں سے علاج کا بیان۔

علامہ ابو عبد اللہ ابی وشتانی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں فقہاء مالکیہ کی دلیل ہے کہ حلال جانوروں کے فضلات پاک ہوتے ہیں اور جو فقہاء ان کے فضلات کو نجس کہتے ہیں وہ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں سے علاج کرنا جائز ہے۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حلال جانوروں کے فضلات نجس ہیں اور ہمارے فقہاء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پلانا علاج کی ضرورت سے تھا، اور ہمارے نزدیک خمر (انگور کی شراب) اور دیگر نشہ آور چیزوں کے سوا ہر نجس چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دوا اور علاج کا ثبوت ہے، اور یہ کہ ہر انسان کا علاج اس کی عادات کے مطابق کرنا چاہیے کیونکہ وہ لوگ گنوار اور جنگلی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پی لیتے تھے اور وہ جنگلوں میں رہنے والے تھے، جب وہ شہر میں داخل ہوئے اور اپنی مانوس آب و ہوا اور غذاؤں کو چھوڑ آئے تو بیمار پڑ گئے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مانوس اور مزاج کے مطابق غذا کی ہدایت دی اور جب انہوں نے اپنی مانوس اور مالوف غذا کھائی تو صحت مند اور فربہ ہو گئے۔ ؎۲

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام مالک نے اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے، امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے اور محمد بن حسن اصطخری شافعی اور رویانی شافعی کا بھی یہی موقف ہے، شعبی، عطاء، نخعی، زہری، ابن سیرین، حکم اور ثوری کا بھی یہی قول ہے اور ابو داؤد بن علیہ نے کہا ہے کہ انسان کے سوا ہر جاندار کا پیشاب پاک ہے، خواہ وہ حیوان حرام ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، ابو ثور اور دوسرے کثیر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ تمام پیشاب نجس ہیں (ماسوا اس مقدار کے جو معاف ہے) اور حدیث عرینیین کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ضرورت کی وجہ سے تھا، اور اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی پیشاب پینا مباح ہے، کیونکہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہیں اور بغیر ضرورت کے مباح نہیں ہوتیں، مثلاً مردوں پر ریشم پہننا حرام ہے لیکن جنگ، خارش اور شدید سردی میں جب اور کسی جائز چیز سے تدارک نہ ہو سکے تو مردوں کے لیے ریشم پہننا مباح ہے، اور شریعت میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور اس کا تسلی بخش جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی شفا اس سے ہو گی اور جب شفاء کا یقین ہو تو حرام چیز سے علاج جائز ہے، جیسا کہ شدید بھوک اور پیاس میں مردار کھانا اور شراب پینا جائز ہے۔ ہاں اس وقت حرام چیز سے علاج جائز نہیں ہے جب حرام چیز سے شفاء کا حصول یقینی نہ ہو، شیخ ابن حزم نے کہا کہ یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیشاب پینے کا حکم بطور دوا دیا تھا، اور وہ اس علاج سے صحیح ہو گئے، اور علاج ضرورت کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الا ما اضطررتم الیہ۔

؎۱۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان

؎۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۰۹، مطبوعہ

اور انسان جس چیز کو کھانے اور پینے پر مجبور ہو جائے وہ حرام نہیں ہوتی۔ شمس الائمہ نے کہا کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور جب اس میں دو احتمال نکل آئے تو یہ پیشاب کی طہارت پر حجت نہ رہی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کی شفاء پیشاب پینے سے حاصل ہوگی اور ہمارے لیے یہ علم ممکن نہیں ہے، یا جس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خارش یا جوؤں کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی اور یہ اجازت ان کے ساتھ خاص تھی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ یہ لوگ اللہ کے علم میں کافر ہیں اور مرتد ہو کر مریں گے، اور کافر کی شفاء کا نجس چیز سے حاصل ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ (علامہ عینی لکھتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کی شفاء پیشاب پینے سے حاصل ہوگی اور یہ چیز ہمارے زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔ حتیٰ کہ جب ہم یہ فرض کریں کہ کسی طبیب نے کسی شخص کے مرض کو اپنی قوت علم سے سمجھ لیا اور اس نے یہ جان لیا کہ اس کا مرض حرام چیز کے کھانے سے زائل ہو گا تو اس مریض کے لیے اس چیز کا کھانا جائز ہے جیسا کہ شدید پیاس کے وقت خمر (انگوری شراب) کا پینا جائز ہے اور شدید بھوک کے وقت مردار کا کھانا جائز ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرنا زیادہ اولیٰ ہے: استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه "پیشاب سے اجتناب کرو کیونکہ عموماً عذاب قبر پیشاب کے سبب سے ہوتا ہے۔" یہ حدیث امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور امام ابن خزیمہ اور دیگر ائمہ حدیث نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس حدیث کی وعید کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے پیشاب سے اجتناب کرنا واجب ہے۔[1]

شمس الائمہ سرخسی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام چیزوں کے ساتھ علاج جائز نہیں ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔[2] علامہ ابن ہمام نے بھی یہی لکھا ہے۔[3]

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی لکھتے ہیں: ہمارے مشائخ میں حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنے میں اختلاف ہے۔ نہایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے، حرام چیز سے علاج کرنا اس وقت جائز ہے جب یہ علم ہو کہ اسی میں شفاء ہے اور اس کے علاوہ دوسری دوا کا علم نہ ہو، اور قاضی خان میں نصر بن سلام سے نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم "اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو تم پر حرام کر دی ہے۔" ان چیزوں پر محمول ہے جن میں شفاء نہیں ہے، لیکن جس چیز میں شفاء ہو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ پیاسے آدمی کے لیے ضرورت کی وجہ سے خمر (انگوری شراب) پینا جائز ہے صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[4]

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۴-۱۵۵ مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱ ص ۵۴، مطبوعہ دارالمعرفة بیروت، الطبعة الثالثة ۱۳۹۸ھ

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۸ ص ۴۴۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۱ ص ۱۱۶ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ۔

امام ابو یوسف کے قول اور متاخرین مشائخ حنفیہ کے اقوال کی بنا پر تمام ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک دواؤں کا استعمال کرنا جائز ہے اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجنائز کو ملاحظہ فرمائیں۔

عرینیین کو آگ کا عذاب دینے اور پانی نہ دینے کی توجیہات

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم دیا اور یہ آگ سے عذاب دینا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت محاربہ اور حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور مثلہ کرنے سے ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بطور قصاص تھا کیونکہ انھوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور برائی کا بدلہ اسی قسم کی برائی کے ساتھ دیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مثلہ سے ممانعت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو قتل کرنا واجب ہو اور وہ پانی مانگے تو اس کو پانی سے روکا نہیں جائے گا تاکہ اس پر دو عذاب جمع نہ ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ جب انھوں نے پانی مانگا تو ان کو پانی نہیں دیا گیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ان کو ان کے جرم کی سزا کے طور پر پانی نہیں دیا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی تھی "جنھوں نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا ہے اللہ ان کو پیاسا رکھے۔" (سنن نسائی) اور اللہ تعالٰی نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اس کا سبب امام ابن سعد نے یہ روایت کیا ہے کہ ان اونٹنیوں کا دودھ ہر رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچایا جاتا تھا۔ جس رات وہ اونٹنیوں کو چرا کر لے گئے اس رات آپ کے گھر دودھ نہیں پہنچ سکا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور مرتد کا کوئی احترام نہیں ہے اور قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پانی پلانے سے نہیں روکا تھا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پانی مانگنے پر مطلع ہو گئے تھے اور آپ کا سکوت فرمانا ممانعت کی دلیل ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ ڈاکوؤں کو پانی پلانے یا ان کے کسی اور تقاضے کو پورا کرنے کا کوئی احترام نہیں ہے، اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف وضو کے لیے پانی ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مرتد کو پانی پلا کر تیمم کرے خواہ مرتد پیاسا مر جائے۔ علامہ خطابی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا تھا کہ آپ نے اس فعل سے ان کو ہلاک کر لینے کا ارادہ کیا تھا اس جواب کا ضعف ظاہر ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ ان کو پیاسا مارنے میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالٰی نے ان کو اونٹنیوں کے دودھ کی جو نعمت عطا کی تھی جس سے ان کو شفاء حاصل ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کا کفران نعمت کیا لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ [1]

کیا عرینیین کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی گئی؟

بعض ملاحدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سزا پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے العیاذ باللہ بہت ... سزا دی ہے، لیکن اگر عرینیین کے جرم کو دیکھا جائے تو اس کے مقابلہ میں یہ

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ

کوئی بڑی سزا نہیں ہے۔ عرینیین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھوک، پیاس اور بیماری کی حالت میں آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رہنے کی جگہ دی۔ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا ان کی بیماری کا شافی علاج کیا، انھوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اسلام سے مرتد ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کو لے کر بھاگ گئے۔ اونٹنیوں کے محافظوں کو قتل کر دیا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے، بلاشبہ یہ لوگ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کو بڑے سے بڑا اور بھاری سے بھاری عذاب دیا جاتا۔ ہمیں ان لوگوں کی فکر پر حیرت ہوتی ہے جو مجرموں کے بڑے سے بڑے جرم کو ہلکا اور معمولی خیال کرتے اور جرم کی سزا کو بڑا گمان کرتے ہیں۔

کیا عرینیین کو سزا دینا حضور کی رحمت کے منافی تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ انھیں معاف فرما دیتے کیونکہ آپ کا یہ خلق مشہور ہے کہ آپ کافروں سے بھی درگزر فرماتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیتے تھے، لیکن اسلامی حدود کو جاری کرنے میں آپ سے بڑھ کر کوئی سخت نہیں تھا۔ ان کے پانچ جرم تھے انھوں نے اسلام کے بعد کفر کیا اور مرتد ہو گئے، انھوں نے ڈاکہ ڈالا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں کو قتل کیا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کا قصاص لیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حدود کو جاری کر دیا!

آیات محاربہ کا شانِ نزول

ڈاکوؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں

انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ؕ ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ۙ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم ۚ فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ۝ (المائدہ ۵: ۳۳، ۳۴)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے پھرتے ہیں اور زمین پر فساد کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں (یعنی ڈاکہ ڈالتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ چن چن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا وہ شہر بدر کر دیے جائیں، یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ ماسوا ان لوگوں کے جو تمہارے گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کر لیں سو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

امام رازی شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عرینیین کے بارے میں نازل ہوئی دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابو برزہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا، لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں۔

(۱)۔ مرتد کو قتل کرنا زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب)۔ مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہر بدر کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے، جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔
(ج)۔ مرتد کو سولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔
(د)۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں ان کو یہ سزائیں دی جائیں خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔ [1]

حرابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حَرْب کا معنی ہے جنگ، صلح کی ضد اور حَرَب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔ [2]

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے، چور، محافظ، امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو علانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو۔ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکو ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ [3]

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت، جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ یا پتھر ہوں کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے، خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔ [4]

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جن کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
[2] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح قاموس ج ۱ ص ۲۰۴-۲۰۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ
[3] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶ ص ۱۲۹-۱۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ
[4] علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۰ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ ڈاکو مرد ہو اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں۔ اور دونوں پر حد ہوگی، روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا عادتاً عورتوں سے متصور نہیں ہے۔ اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

۳۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ مسلمان یا ذمی ہوں، اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں آئے ہوں تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے۔ (بلکہ تعزیر ہے)

۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ قیمت والا مال ہو اور محفوظ ہو، اس میں کسی اور کا حق نہ ہو، نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو، نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲ء۲۵ تولہ چاندی جو ۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی کے برابر ہے۔) اگر متعدد ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کا مال ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مال نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ دارالاسلام ہو اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی، کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے، اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے (علامہ کاسانی نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جاکر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریقہ سے کفار کا مال لینا بہر حال گناہ ہے خواہ ان کا مال سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ سعیدی غفرلہ)

۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ شہر نہ ہو، اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے یہ استحسان ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطریق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے، شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں شہر والے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی، اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

شہر میں لوٹ مار کرنے والے کے ڈاکو ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ شرح الطحاوی میں مذکور ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے پھر علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ شہر میں ڈاکہ کی نفی پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ قطع الطریق جنگل میں ہی ہو سکتا ہے کیونکہ شہر میں ڈاکہ پڑنے سے راستے بند نہیں ہوتے یہ استدلال اس لیے غلط ہے کہ ڈاکہ کا نام قطع الطریق (راستہ منقطع کرنا) بعد میں پڑا ہے، اصل میں ڈاکہ اللہ کے بندوں سے جنگ کرنے کا نام ہے خواہ یہ شہر میں ہو یا جنگل میں۔ [1]

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: شہر میں ڈاکہ پر حد نہیں ہے خرقی کا ظاہر کلام یہی ہے، تجرید العنایہ میں ہے کہ یہی مشہور ہے۔ وجیز، منور اور منتخب الادمی میں بھی یہی مذکور ہے، محرر، نظم، رعایتین، حاوی صغیر اور ادراک الغایہ میں بھی اسی قول کو مقدم قرار دیا ہے۔ اور ابو بکر نے کہا کہ شہر اور جنگل کا ڈاکہ میں حکم واحد ہے اور یہی مذہب ہے اکثر اصحاب کا یہی مختار ہے، مصنف اور شارح نے کہا یہ ابو بکر کا قول ہے اور اکثر اصحاب کا یہی مذہب ہے، شیخ تقی الدین نے کہا کہ یہ اکثرین کا قول ہے، فروع میں ہے کہ یہ اکثرین کا مختار ہے۔ علامہ مرداوی کہتے ہیں کہ ابو بکر، قاضی، شریف، ابو الخطاب اور شیرازی کا یہی قول ہے، خلاصہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، فروع میں اسی کو مقدم قرار دیا، اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جب امام احمد سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس میں توقف کیا۔ [2]

علامہ عبدری مالکی لکھتے ہیں: ابن شاس نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو مکان میں داخل ہو اور غلبہ سے مال لوٹ لے اور وہاں مدد نہ پہنچ سکے تو وہ ڈاکو ہے۔ اور علامہ ابن حاجب مالکی نے کہا ہے کہ کوئی شخص رات کو یا دن میں کسی مکان یا گلی میں داخل ہو کر اس طرح غلبہ سے مال لے کہ وہاں مدد نہ پہنچ سکے تو وہ محارب (ڈاکو) ہے۔ [3]

علامہ حطاب مالکی ڈاکو کی تعریف میں لکھتے ہیں: محارب (ڈاکو) وہ شخص ہے جو راستہ منقطع کرے یا مسلم یا غیر مسلم (ذمی) کا مال اس طرح لے کہ وہاں مدد پہنچنا مشکل ہو۔ [4]

علامہ حطاب مالکی نے جو ڈاکو کی تعریف میں عموم کو اختیار کیا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ڈاکہ میں عموم ہے شہر میں ہو یا جنگل میں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: اگر کوئی جماعت شہر میں جا کر ڈاکہ ڈالے یا کوئی لشکر کسی شہر میں یا بستی میں جا کر لوٹ مار کرے یا شہر کی ایک طرف سے دوسری طرف پر حملہ کرے اور شہر والے اگر مدد طلب کریں تو ان کو مدد نہ پہنچ سکتی ہو تو یہ ڈاکو (قطاع الطریق) ہیں اور اگر ان کو مدد پہنچ سکتی ہو تو یہ لٹیرے ہیں ڈاکو نہیں ہیں اور مدد کا نہ پہنچ سکنا یا تو حاکم کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے یا حاکم اور اس کے مددگاروں کے بُعد کی وجہ سے اور

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[2] علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۱۰ ص ۲۹۲۔۲۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۶ھ

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری متوفی ۸۹۷ھ التاج والاکلیل ج ۶ ص ۳۱۴، دار الفکر بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۸ھ

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی متوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل ج ۶ ص ۳۱۴، دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۹۸ھ

اس قسم کے حالات میں فساد غالب آجاتے ہیں اور ان سے شریف لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے، اور ان کی مدد کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی جماعت رات کو کسی گھر میں داخل ہو اور ان پر غلبہ حاصل کرے اور حاکم کی قوت اور اس کے موجود ہونے کے باوجود گھر والوں کو مدد نہ پہنچ سکے تو زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ ڈاکو ہیں، قفال اور بغوی کی حتمی رائے یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چور ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اچکے ہیں۔ [۱]

شیخ ابن حزم ظاہری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے جس امتی نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور میری امت کے اچھوں اور بروں کو مارا مومنوں سے درگزر نہیں کیا، اور ذمی کے عہد کا پاس نہیں کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے"۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرب کا عموماً ذکر کیا ہے اور اس کو ہتھیار وغیرہ سے مقید نہیں فرمایا پس حرابہ ہتھیاروں کے ساتھ ہو یا بغیر ہتھیاروں کے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور محارب (ڈاکو) وہ ہے جو راستہ پر چلنے والوں کو غلبہ سے ڈرائے اور زمین میں فساد کرے، خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا نہ ہوں رات ہو یا دن ہو، شہر ہو یا جنگل ہو یا خلیفہ کا محل ہو، وہ صحرا میں راستہ روکیں یا بستی کے گھروں میں رہنے والوں پر ڈاکہ ڈالیں اور خواہ شہر چھوٹا ہو یا بڑا۔ [۲]

فقہاء اسلام کے ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ ڈاکہ جنگل یا صحرا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جنگل ہو یا شہر رات ہو یا دن جب بھی کسی مسلمان یا ذمی کے مال کو کوئی فرد یا جماعت علانیہ ڈرا دھمکا کر یا مار دھاڑ اور غلبہ سے لوٹ کر لے جائیں گے تو وہ ڈاکو ہیں اور ان پر حد جاری کی جائے گی۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں۔ ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا)۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈرانا اور دھمکانا، کسی کو قتل کرنا، نہ مال لوٹنا۔

(ب)۔ صرف مال لوٹنا۔

(ج)۔ صرف قتل کرنا۔

(د)۔ مال لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک الگ الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزاؤں میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے، اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے، ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۷ ص ۱۵۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ

[۲] شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۱۱ ص ۳۰۸۔۳۰۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۹ھ۔

فقہاء کے اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "او" آیا بیان اور تفصیل کے لیے ہے یا تخییر کے لیے؟ بعض فقہاء کے نزدیک یہ بیان اور تفصیل کے لیے ہے یعنی مختلف جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف سزاؤں کا بیان ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک لفظ "او" تخییر کے لیے ہے یعنی امام اور قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دے دے۔

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے، نہ مال لوٹے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شہر بدر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: او ینفوا من الارض "یا ان کو شہر بدر کر دیا جائے"۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب ڈاکو راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: او ینفوا من الارض (مائدہ: ۳۶) اس حالت میں جلا وطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نخعی، قتادہ اور عطاء خراسانی کا قول ہے، اور زمین سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکال دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانا نہ ہو، اسی طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے جس طرح زانی کو شہر بدر کیا جاتا ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے اس میں اس کو قید کر دیا جائے جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے[۵] امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے، امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انھوں کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے یہ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے، اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذاء پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا، دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی دلیل او ینفوا من الارض (مائدہ: ۳۶) ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے۔ باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شہر بدر کیا جائے تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شہر بدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے

۵۔ علامہ ابن قدامہ نے امام مالک کا مکمل اور پورا مذہب بیان نہیں کیا۔ اس بحث کے اخیر میں ہم مدونہ کے حوالہ سے امام مالک کا پورا مذہب بیان کر رہے ہیں۔

شہر بدر کیا جائے ۔ [1]

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی نے بھی من وعن یہی لکھا ہے ۔ [2]

یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا ہو وہاں سے نکال دیا جائے تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دار الاسلام سے نکال دیا جائے پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکال دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے ۔ اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آ چکا ہے ۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکے ڈالے گا اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا ۔ اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمان کو دار الحرب میں بھیجنا صحیح نہیں ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکال کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا فساد کرنا متصور نہ ہو ۔ [3]

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ : جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں ، نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیں اور اللہ کے قول او ینفوا من الارض سے بھی یہی مراد ہے یعنی ان کو قید کر لیا جائے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا ، ہاتھ پیر کاٹنا انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ، اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے ۔ (مبسوط للسرخسی ج ۹ ص ۱۹۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے " یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھگا دیا جائے " کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے ، اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو ۔ [4]

امام شافعی کا مذہب بیان کرنے میں علامہ سرخسی کو تسامح ہوا ہے اور بعد کے فقہاء نے بھی فقہاء شافعیہ کی اصل کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی ، کیونکہ میں نے دیکھا علامہ ابو الحسن مرغینانی ، علامہ ابن ہمام ، علامہ بابرتی اور علامہ خوارزمی وغیرہ فقہاء احناف نے بھی علامہ سرخسی کی اتباع میں امام شافعی کا مسلک اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ امام شافعی بھی اس صورت میں یہی فرماتے ہیں کہ ڈاکو کو تعزیر لگائی جائے اور اس کو قید کر لیا جائے ۔ امام شافعی لکھتے ہیں :

ولو هيبوا ولم يبلغوا قتلا ولا اخذ مال — اگر ڈاکو ڈرائیں ، نہ قتل کریں نہ مال لیں تو ان کو

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۰۸ ۔ ۳۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۰۴ ھ

۲۔ علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ ھ ، الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۰۹ ۔ ۳۰۸ ، " "

۳۔ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ ھ ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۱۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ، ۱۴۰۰ ھ ۔

۴۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ ھ ، مبسوط ج ۹ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ، الطبعۃ الثالثۃ ، ۱۳۹۸ ھ

عزروا۔ [1]

اور محرر مذہب شافعی علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں:

فاذا علم الامام من رجل او من جماعۃ انھم یترصدون للرفقۃ ویخیفون السبیل ولم یاخذوا بعد مالا ولا قتلوا نفسا طلبھم وعزرھم بالحبس وغیرہ قال ابن سریج: والحبس فی ھذہ الحال فی غیر موضعھم اولی لانہ احوط و ابلغ فی الزجر والایحاش۔ [2]

تعزیر دی جائے۔

جب امام کو یہ علم ہو جائے کہ کوئی شخص یا گروہ مسافروں کی گھات لگا کر بیٹھتا اور راستہ میں ڈراتا ہے، لیکن ابھی تک انھوں نے کسی کا مال لیا ہے نہ کسی کو قتل کیا ہے تو وہ ان کو پکڑوا کر قید وغیرہ کی سزا دے۔ ابن سریج نے کہا اس صورت میں ان کو کسی اور جگہ قید کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ڈاکوؤں کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ زیادہ موثر تدبیر ہے۔

امام شافعی اور علامہ نووی شافعی کے حوالوں سے واضح ہو گیا کہ اس صورت میں امام شافعی کا نظریہ امام ابوحنیفہ سے مختلف نہیں ہے۔

اس بحث کے شروع میں ہم نے علامہ ابن قدامہ کی جو عبارت نقل کی تھی اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس صورت میں امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے کہ جب ڈاکو صرف ڈرائیں تو ان کو قید کر دیا جائے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں امام کو اختیار ہے خواہ ڈاکو کو قتل کرے، سولی دے، اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کو قید کرے، امام اپنی صواب دید سے ڈاکو کو اس صورت میں ان سزاؤں میں سے کوئی سی سزا بھی دے سکتا ہے۔ علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام ابن قاسم مالکی سے کہا یہ بتلائیے کہ اہل ذمہ یا اہل اسلام جب ڈاکہ ڈالیں اور ڈرائیں لیکن نہ مال لیں نہ قتل کریں اور پھر پکڑے جائیں تو امام مالک کے قول کے مطابق امام ان کو کیا سزا دے؟ امام ابن قاسم نے کہا امام مالک یہ کہتے ہیں کہ جب وہ راستے میں ڈرائیں تو امام کو اختیار ہے اگر امام چاہے تو ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے، اور امام مالک نے فرمایا کہ بسا اوقات ڈاکو قتل نہیں کرتا لیکن قتل کرنے والوں کی بہ نسبت اس کا ڈر اور خوف زیادہ ہوتا ہے، علامہ سحنون کہتے ہیں کہ میں نے کہا جب امام، ڈاکو کو پکڑے درآں حالیکہ اس نے صرف ڈرایا ہو، نہ مال لیا ہو اور نہ قتل کیا ہو تو کیا امام کو اس کا اختیار ہے کہ خواہ وہ اس کے ہاتھ یا پیر کاٹ دے خواہ اس کو قتل کر دے اور خواہ اس کو سولی پر چڑھا دے؟ امام ابن قاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا کہ جب ڈاکو کھڑا ہو کر لوگوں کو ڈرائے اور لڑے خواہ اس نے قتل نہ کیا ہو تو امام کو اختیار ہے اور امام مالک نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (مائدہ: ۳۲) "جس شخص نے بغیر قصاص یا بغیر فساد (کی سزا) کے (ناحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا" (ہمارے مصحف میں یہ آیت اسی طرح ہے لیکن مدونہ میں فسادا لکھا ہے اور اس صورت میں معنی ہوگا جس نے ناحق قتل کیا یا فساد کی وجہ سے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ سعیدی غفرلہ)۔

---

[1] امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، کتاب الام ج ۶ ص ۱۵۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۳ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۱۵۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۵ھ

امام مالک فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فساد کو بھی قتل کی مثل قرار دیا ہے (ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فساد کو قتل نہیں قرار دیا بلکہ فساد کی وجہ سے قتل کرنے کو تمام انسانوں کا قتل کہا ہے۔ اس لیے امام مالک کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) علامہ سحنون کہتے ہیں کہ اگر ڈاکو صرف ڈرائے اور مال نہ لے پھر بھی یہی حکم ہے؟ امام ابن قاسم نے کہا اگر وہ راستہ میں کھڑا ہو کر ڈرائے اور مال نہ لے پھر بھی امام کو اختیار ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ تمام ڈاکو ایک جیسے نہیں ہوتے بعض صرف لاٹھی یا معمولی چیز لے کر نکلتے ہیں اگر وہ اس حال میں پکڑے جائیں درآں حالیکہ انہوں نے ڈرایا ہو اور نہ مال لیا ہو اور نہ ہی قتل کیا ہو تو ان کی سزا کم ہوگی۔ علامہ سحنون کہتے ہیں میں نے پوچھا ان کی سزا کیا ہوگی؟ علامہ ابن قاسم نے کہا امام مالک نے فرمایا ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کو شہر بدر کیا جائے اور جس شہر میں ان کو بھیجا جائے اس میں ان کو قید کر دیا جائے۔[1]

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر، اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی، اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو تعزیراً قید کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے، اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے وہ ڈاکو کو قتل کر دے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے البتہ اس صورت میں اس کو شہر بدر کرنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شہر بدر کرنے کا اختیار نہیں ہے البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔[2]

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹا جا چکا ہے اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔[3]

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔[4]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے

---

[1] امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲۹ - ۴۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ

[2] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[3] امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۳۱ - ۴۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ

[4] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۳، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

کم مال لیا ہو تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا۔[1]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو صرف مال لے تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (من خلاف: مائدہ: ۳۳) ہم نے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کا حکم اسی لیے دیا ہے تاکہ منفعت منتفع ہو، اور ہاتھ کاٹنے کے فوراً بعد پیر کاٹ دیا جائے گا اور ہاتھ کے ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، بلکہ دونوں کو ساتھ کاٹا جائے گا۔ پہلے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر داغا جائے گا پھر پیر کو کاٹا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے ابتداء فرمائی ہے، یہ اس کا حکم ہے جس کے دونوں ہاتھ اور پیر موجود ہوں اور صحیح ہوں، اور اگر اس کے ہاتھ اور پیر نہ ہوں یا اس کا ہاتھ اور پیر چوری یا قصاص یا بیماری کی وجہ سے کٹ چکا ہو تو خرقی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پھر اس سے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم ساقط ہو جائے گا خواہ اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کٹا ہوا ہو یا اس کے برعکس، کیونکہ ایک ہاتھ اور ایک پیر سے زیادہ کاٹ دینے سے اس کے چلنے پھرنے اور کام کرنے کی صلاحیت بالکل ختم ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔[2]

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف قتل کرنے کی سزا

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔[3]

قاضی ابو الولید ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو نے قتل کیا ہو تو اس کو قتل کرنا ضروری ہے اور امام کو اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔[4]

اگر ڈاکو نے قتل کیا ہو تو اس کو قتل کرنا ضروری ہے اور یہ قصاص کی طرح نہیں ہے۔[5]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو تو ان کو قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی، امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو سولی دی جائے گی کیونکہ وہ محارب ہیں جن کو قتل کرنا واجب ہے۔ پس ان کو ان کی طرح سولی دی جائے گی جنہوں نے مال بھی لیا ہو، اور امام احمد کا پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: من قتل ولم یاخذ المال قتل۔ "جس نے قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا" اس حدیث میں سولی کا ذکر نہیں ہے اور مال لوٹنے اور قتل کرنے کی بہ نسبت صرف قتل کرنا کم جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی پہلے جرم کی بہ نسبت کم ہونی چاہیے۔ اور اگر دونوں جرموں کی سزا ایک ہو گئی تو یہ دونوں جرم برابر ہو جائیں گے۔[6]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۴ھ

[3] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

[4] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[5] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۵ھ

[6] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس کو قتل کر دے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دیدے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ مر جائے۔[1]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ ایک جرم ہے اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ حد سرقہ، حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ـــ سعیدی غفرلہٗ) امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے، کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے وہ امن میں خلل ڈالتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کو کاٹنا ایک حد ہے جب کہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثال دی ہے وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابویوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے اس کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابوحنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے لہٰذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔[2]

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور اس کو قتل کیا جائے گا یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟۔ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔[3]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو، اور مذہب یہی ہے، ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔[4]

---

[1] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۳۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

[3] علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۱۵۷۔۱۵۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۵ھ

علامہ ابو القاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور سولی دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور لاش اس کے وارثوں کے حوالے کر دی جائے گی۔ [1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈاکوؤں کے یہ احکام نازل کیے: جس شخص نے قتل کیا اور مال لیا اس کو قتل کیا جائے گا اور سولی دی جائے گی اور جس نے قتل کیا اور مال نہیں لیا اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے مال لیا اور قتل نہیں کیا اس کے ہاتھ اور پیر کو مخالف جانب سے کاٹا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ [2]

اس باب کی احادیث میں عرنیین کے ڈاکہ ڈالنے، ان کے مرتد ہو جانے اور بعد ازاں ان پہ اسلامی حد جاری کرنے کا بیان ہے۔ اس مناسبت سے ہم نے ڈاکہ کے تفصیلی احکام بیان کیے۔ اب ہم عرنیین کے ارتداد کی مناسبت سے مرتد کے تفصیلی احکام بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق والاستعانۃ بہ یلیق۔

مرتد کا لغوی معنی

ردۃ کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کا دوسری چیز کی طرف لوٹنا، یہ کفر کی بدترین قسم ہے اور اس کا حکم سب سے زیادہ سخت ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ ردۃ ارتداد کا اسم ہے ارتد کا معنی ہے تحول یعنی پھر گیا اسی لفظ سے اسلام سے مرتد ہونا بنا ہے، کسی کو مرتد اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لے۔ [3]

مرتد کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرے، خواہ اس کا کفر کو اختیار کرنا نیت سے ہو یا کسی کفریہ فعل یا کفریہ قول سے ہو اور عام ازیں کہ اس کا یہ قول استہزاءً ہو یا عناداً ہو یا اعتقاداً۔

اس تعریف کے اعتبار سے جو شخص وجود باری کا انکار کرے یا رسولوں کی نفی کرے یا کسی رسول کی تکذیب کرے مثلاً محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرے یا آپ کی بعثت کے بعد کسی اور اصلی یا ظلی حقیقی یا امتی نبی کی پیدائش کو جائز اور واقع مان کر آپ کی ختم نبوت کا انکار کرے یا آپ کے بعد کسی مدعی نبوت کو مسلمان مانے۔ ایسے تمام اشخاص مرتد ہیں۔ اس طرح جو شخص حرام قطعی مثلاً زنا، شراب (خمر) نوشی، قتل، چوری اور ڈاکے وغیرہ کو حلال جانے وہ مرتد ہے۔ جو چیز اجماعاً حلال ہے اس کا انکار بھی ارتداد ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیع اور نکاح کے حلال ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح بغیر دلیل شرعی کے محض اپنی رائے سے کسی چیز کو فرض قطعی قرار دینا بھی ارتداد ہے، مثلاً کوئی شخص نماز میں کسی رکعت کا اضافہ کرکے اس کو فرض قرار دے یا کہے کہ دن میں چھ نمازیں فرض ہیں یا کہے کہ شوال کے روزے فرض ہیں۔

اس بحث کو وسیع تناظر میں جاننے کے لیے حسب ذیل اصطلاحات کو سمجھ لینا چاہیے۔

---

[1] علامہ ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی حنبلی متوفی ۳۳۴ھ، متن مع المغنی والشرح ج ۱۰ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۳۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

[3] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

مرتد وہ مکلف شخص ہے جو اپنے اختیار سے اسلام سے رجوع کرے یا وہ کفر کی تصریح کرے یا کوئی ایسا لفظ بولے جو کفر کو مستلزم ہو اور اس پر مطلع ہونے کے بعد اس پر ڈٹ جائے یا کوئی کفریہ فعل کرے۔ کفریہ فعل کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث نبوی کو (العیاذ باللہ) گندگی میں پھینک دے یا کسی بت یا سورج کو سجدہ کرے۔

زندیق وہ شخص ہے جو کسی دین کو نہ مانتا ہو یعنی سیکولر ہو (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۲، مطبوعہ سکھر)

منافق جو شخص بظاہر مسلمان اور بباطن کافر ہو، اس کا پتا اس طرح چلے گا کہ وہ اپنے کفر پر اپنے کسی معتمد کو مطلع کر دے۔

ساحر جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ شیاطین اس کے تابع ہیں اور وہ ان سے جو کام چاہے لے سکتا ہے، سحر کا اجسام میں اثر ہوتا ہے۔ البتہ نظر بندی کرنا، لوگوں کے ذہنوں میں خیال آفرینی کرنا اور ہپناٹائز کرنا سحر نہیں ہے۔

کاہن جو شخص جنات کا کلام سن کر اس میں کچھ اپنے پاس سے باتیں ملا کر اٹکل پچو سے لوگوں کو غیب کی باتیں بتلائے۔

گستاخ جو شخص اللہ تعالیٰ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی اور رسول یا رسل ملائکہ میں سے کسی رسول کی گستاخی کرے بایں طور کہ ان کی شان میں دانستہ کوئی ایسا کلمہ بولے جو لغت اور عرف میں گستاخی گردانا جاتا ہو۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ساحر اور زندیق کی توبہ مقبول نہیں ہے، اسی طرح منافق کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی اور ساحر کافر ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابن عمر سے اسی طرح روایت ہے۔ اور حضرت جندب بن عبد اللہ، حبیب بن کعب قیس بن سعد اور عمر بن عبد العزیز نے ساحر سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا اور حضرت جندب نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساحر کی حد اس کو تلوار سے مار دینا ہے۔ اور کاہن میں اختلاف ہے، امام شافعی نے فرمایا اگر وہ کفریہ اعتقاد رکھتا ہو اور کواکب کی عبادت کرتا ہو تو وہ کافر ہے اور امام احمد کے نزدیک وہ ساحر کے حکم میں ہے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا ہر ساحر اور کاہن کو قتل کر دو اور ایک روایت ہے کہ اگر وہ توبہ کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس میں امام شافعی کے قول پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ [1]

اگر کوئی مسلمان گستاخی کرے تو اس کو بالاتفاق قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے توبہ طلب کرنے میں اختلاف ہے امام مالک کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سے توبہ طلب کی جائے گی اس کی تفصیل اور بیان مذاہب ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں لکھ چکے ہیں۔

مرتد سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ دنیا میں اس کی سزا قتل اور نیک اعمال کا ضائع ہونا ہے۔ اور آخرت میں ضیاع اعمال کے علاوہ اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا (

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور پھر وہ حالت کفر ہی میں مر جائے تو ان لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہ

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

خالدون ۔ (بقرہ : ۲۱۷) لوگ جہنمی ہیں اور یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

ارتداد کی شرائط

ارتداد کے تحقق کے لیے پہلی اتفاقی شرط عقل ہے ۔ اس لیے پاگل اور ناسمجھ بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے ، اور جو شخص نشہ میں از خود رفتہ ہو فقہاء احناف کے نزدیک اس پر بھی ارتداد کا حکم استحساناً صحیح نہیں ہے ، کیونکہ ارتداد کا تعلق قصد اور اعتقاد کے ساتھ ہے اور جس شخص کی نشہ کی وجہ سے عقل زائل ہو چکی ہو اس پر اس حال میں ارتداد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو نیند میں ہو اور نیز وہ غیر مکلف ہے پس مجنون کی طرح اس پر بھی مرتد کا حکم عائد کرنا صحیح نہیں ہے ۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳۴ ، الدر المختار ج ۳ ص ۳۴۱) ۔

فقہاء شافعیہ کا ظاہر مذہب اور فقہاء حنابلہ کی امام احمد سے ظاہر روایت یہ ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو اس کا اسلام لانا صحیح ہے اور اس کا مرتد ہونا بھی صحیح ہے ، جس طرح اس کا طلاق دینا اور اس کے باقی تصرفات صحیح ہیں ۔ (مغنی المحتاج ، ج ۴ ، ص ۱۳۷ ، مغنی ابن قدامہ مع الشرح ج ۱۰ ، ص ۷۳ ، مطبوعہ بیروت)

امام ابوحنیفہ ، امام محمد ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک بالغ ہونا مرتد کے لیے شرط نہیں ہے ، سو سمجھ دار بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کو نہ قتل کیا جائے گا نہ مارا جائے گا بلکہ اس پر جبراً اسلام پیش کیا جائے گا اور بالغ ہونے تک اس کو قید میں رکھا جائے گا اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی لیکن باقی سزائیں اس پر نافذ نہیں ہوں گی ، کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے (الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۵)

امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک ارتداد کے لیے بلوغ شرط ہے اس لیے سمجھ دار بچہ پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے ۔ حدیث میں ہے تین شخصوں سے قلم (تکلیف) اٹھا لیا گیا سونے والے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ اس کی عقل کام کرنے لگے (جامع ترمذی ص ۲۴۳ مطبوعہ نور محمد کراچی) سنن ابو داؤد ، ج ۲ ص ۲۴۸ ، مطبوعہ لاہور) علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ابن ابی مالک نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا ۔ [1]

ارتداد کی دوسری اتفاقی شرط اختیار ہے اس لیے اگر کسی شخص کو جبراً مرتد کیا گیا تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا بشرطیکہ اس کا قلب اسلام پر مطمئن ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اس کی تصدیق قائم ہو ۔

مرتد کے حکم میں فقہاء اسلام کے مذاہب

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : من بدل دینہ فاقتلوہ " جو شخص اپنا دین (اسلام) تبدیل کرے اس کو قتل کردو " اور تمام اہل علم کا قتل مرتد کے وجوب پر اجماع ہے حضرت ابو بکر ، حضرت عمر ، حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت معاذ ، حضرت ابو موسیٰ ، حضرت ابن عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہم وغیر ہم سے مرتد کو قتل کرنے کا حکم مروی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا پس اس پر اجماع ہو گیا ۔

علامہ ابو القاسم خرقی حنبلی متوفی ۳۳۴ ھ لکھتے ہیں : جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ بالغ اور عاقل ہو اس کو تین دن تک اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اس پر تنگی کی جائے گی اگر اس نے رجوع کر

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۲۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۔

لیا تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: مرتد کو قتل کرنے کے وجوب میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت ہے، حسن، زہری، نخعی، مکحول، حماد، مالک، لیث، اوزاعی، امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے، حضرت علی، حسن اور قتادہ سے ایک روایت یہ ہے کہ عورت کو غلام بنا لیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے، کیونکہ حضرت ابوبکر نے بنو حنیفہ کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا تھا، اور حضرت علی کو بھی ان میں سے ایک باندی عطا کی تھی جس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے اور یہ واقعہ صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، پس اس پر اجماع ہو گیا، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ عورت کو قید کر کے اور مار پیٹ کے ذریعہ قبول اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی علیہ وسلم نے فرمایا: لا تقتلوا امرأۃ: "عورت کو قتل نہ کرو۔" نیز عورت کو کفر اصلی (یعنی ابتداءً کافر ہونے) کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا سو اس کو کفر طاری (بعد کے کفر) کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا، پس اس کا حکم بچوں کی طرح ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین (اسلام) تبدیل کرے اس کو قتل کر دو (صحیح بخاری وسنن ابوداؤد) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا خون صرف تین اسباب میں سے کسی ایک سبب سے حلال ہے، شادی شدہ زانی ہو یا جان کا بدلہ جان ہو اور یا وہ اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہونے والا ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور سنن دار قطنی میں روایت ہے کہ ایک عورت کا نام ام مروان تھا وہ اسلام سے مرتد ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ نیز عورت ایک مکلف شخص ہے جس نے اپنے دین حق کو باطل سے تبدیل کر دیا سو اس کو مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا، رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے تو اس سے وہ عورت مراد ہے جو ابتداءً کافر ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس موقع پر فرمایا تھا جب آپ نے ایک کافر عورت کو مقتول دیکھا اور وہ کافرہ اصلیہ تھی یعنی ابتداءً کافرہ تھی، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کو ابن ابی حقیق کی طرف بھیجا تھا ان کو آپ نے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرما دیا تھا، حالانکہ ان میں کوئی مرتد نہ تھا۔ اور کفر اصلی اور ارتداد کے احکام میں فرق ہے، کیونکہ کفر اصلی پر برقرار رکھا جاتا ہے اور گرجے والوں، بوڑھوں اور جنگ سے رکنے والوں کو قتل نہیں کیا جاتا اور عورت کو کفر کے ترک پر مجبور نہیں کیا جاتا مرتب ہے نہ قید ہے، اور کفر طاری یعنی ارتداد کے احکام اس کے برخلاف ہیں اور بچہ کے برخلاف عورت مکلف ہے، اور بنو حنیفہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہوا کہ ان کے جن لوگوں کو غلام بنایا گیا تھا وہ پہلے اسلام لا چکے تھے کیونکہ بنو حنیفہ کا پورا قبیلہ پہلے مسلمان نہیں ہوا تھا، صرف ان کے بعض لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کے مرد مسلمان ہو گئے تھے پس ان میں سے بعض اسلام پر ثابت رہے، مثلاً حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ اور بعض ان میں سے مرتد ہو گئے جن میں سے ایک بنو حنیفہ کا دجال تھا۔ [1]

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۷۴-۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

علامہ ابن قدامہ حنبلی کا مطلب یہ ہے کہ بنو حنیفہ کی عورتوں کو قید کرنے سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ مرتد عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ بنو حنیفہ کی عورتوں کا ارتداد ثابت نہیں ہے۔

مرتد کو علی الفور قتل کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو فبہا ورنہ اسی جگہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، الا یہ کہ وہ مہلت طلب کرے، اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ مرتدین کے قتل کے وجوب پر اس آیت سے استدلال ہے "او یسلمون" یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے (اس کی وضاحت عنقریب آئے گی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔" اور حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے کہ مرتدین کو قتل کرنا واجب ہے۔

مرتدین کا قتل اس لیے واجب ہے کہ مرتدین کا جرم مشرکین عرب کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ ہے، مشرکین عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے، قرآن مجید ان کی زبان میں نازل ہوا، اس کے باوجود انھوں نے اس حق کی پاسداری نہیں کی اور شرک کیا۔ اسی طرح مرتد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر تھا اور آپ کی شریعت کی خوبیوں کو جانتا تھا، اس کے باوجود اس نے اسلام کی پاسداری نہیں کی اور مرتد ہو گیا۔ پس جس طرح مشرکین عرب کے لیے صرف دو حکم ہیں اسلام یا تلوار، اسی طرح مرتدین کے لیے بھی صرف دو حکم ہیں اسلام یا تلوار۔ الا یہ کہ اگر مرتد مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی، کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شبہ کی وجہ سے مرتد ہو گیا پس ہم پر اس کے شبہ کو زائل کرنا لازم ہے یا خود اس کو غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ اس پر حق ظاہر ہو جائے، اور ازالہ شبہ کے لیے مہلت ضروری ہے، اگر وہ مہلت طلب کرے تو امام پر اس کو مہلت دینا لازم ہے اور شریعت میں یہ مہلت تین دن مقرر کی گئی ہے جیسا کہ بیع خیار میں ہے، اس لیے اس کو تین دن مہلت دے اور اس سے زیادہ مہلت نہ دے، اور اگر وہ مہلت طلب نہ کرے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کو فی الفور قتل کر دیا جائے گا اور نوادر میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ امام کے لیے یہ مستحب ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دے خواہ وہ مہلت طلب کرے یا نہ کرے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دینا امام پر واجب ہے اور مہلت دینے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مغرب سے ایک شخص آیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ مغرب کی کوئی خبر ہے؟ اس نے کہا ہاں ایک شخص ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا، آپ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا ہم اس کے پاس گئے اور اس کو قتل کر دیا! آپ نے فرمایا تم نے اس کو تین دن کی مہلت کیوں نہیں دی؟ شاید وہ توبہ کر کے حق کو قبول کر لیتا، پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے کہا اے اللہ! میں اس موقع پر حاضر نہیں تھا اور جب میرے پاس یہ خبر پہنچی تو میں اس سے راضی نہیں تھا۔ اور یہ روایت اس پر دلیل ہے کہ مہلت دینا مستحب ہے اور ظاہر الروایہ کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں اسلام کا شروع شروع ظہور ہوا تھا اور بسا اوقات کسی شخص کو کوئی شبہ لاحق ہو جاتا تھا اور شبہ زائل ہونے کے بعد وہ رجوع کر لیتا تھا۔ اسی سبب سے حضرت عمر نے مہلت نہ دینے کو مکروہ جانا۔ لیکن اب ہمارے زمانے میں دین کی جڑیں راسخ ہو چکی ہیں اور حق پوری طرح ظاہر ہو

چکا ہے، اس لیے اب اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرنا محض سرکشی ہے، ہاں اس کو شبہ لاحق ہو سکتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ مہلت طلب کرے اور جب وہ مہلت طلب نہیں کرتا تو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ سرکش ہے اور عناداً اسلام کو ترک کر رہا ہے لہٰذا اس کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس سے توبہ طلب کرنا مستحب ہے۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھے اور اسلام کے ماسوا تمام مذاہب سے برأت کا اظہار کرے یا اس تنظریہ سے بیزاری کا اظہار کرے جس کی طرف وہ منتقل ہوا تھا۔ [1]

مرتدہ عورت کو قتل نہ کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل

مرتدہ عورت کو قتل نہ کرنے پر دلائل دیتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور اس بارے میں دو حدیثیں ہیں ایک وہ حدیث ہے جس کو رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد میں دیکھا کہ لوگ کسی چیز کے گرد جمع ہیں، آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام نے بتایا کہ لوگ ایک مقتولہ عورت کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے کسی شخص سے فرمایا خالد کو تلاش کرو اور اس سے کہو کہ مزدور کو اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کریں۔" یہ حدیث اصل میں اس طرح ہے: حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے اور مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن ولید مامور تھے۔ وہاں راستہ میں ایک عورت مقتولہ ملی جس کو مقدمۃ الجیش نے قتل کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا "یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی"! الحدیث۔[2] فقہاء احناف کے استدلال کا مرکزی نقطہ اس حدیث کا یہ جملہ ہے جو علامہ سرخسی سے غالباً سہواً رہ گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت جنگ نہ کرے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور دوسری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتولہ عورت دیکھی، آپ نے پوچھا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو اپنے پیچھے سوار کیا تھا اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے میری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا آپ نے فرمایا عورتوں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی لاش کو دفن کر دو اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اور فتح مکہ کے دن جب آپ نے ایک عورت کو مقتولہ دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ عورت تو جنگ نہیں کرتی؟ اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ کوئی شخص قتل کا اس وجہ سے مستحق ہوتا ہے جب وہ جنگ کرے اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ جنگ نہیں کرتیں، اور جب عورتوں کو قتل کرنے کی علت ان کا جنگ نہ کرنا ہے تو اس علت میں کفر اصلی اور کفر طاری (ارتداد) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے عورتیں مستثنیٰ ہیں اور اس حدیث سے صرف مرد مراد ہیں اور تخصیص کی دلیل وہ احادیث ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سنن دار قطنی میں جو یہ روایت ہے کہ "ام مروان نام کی ایک عورت مرتد ہو گئی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اس سے توبہ طلب

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۹۹-۹۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ۔
[2] حافظ احمد بن علی المثنی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ الموصلی ج ۳ ص ۱۱۶-۱۱۵، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

کرو اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دو" اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ وہ جنگ کرنے والی تھی، کیونکہ ام مروان خود بھی جنگ کر رہی تھی اور مردوں کو بھی جنگ پر برانگیختہ کر رہی تھی اور وہ ان کی سردار تھی۔ اور حضرت ابوبکر سے جو روایت ہے کہ انھوں نے ام قرفہ نامی ایک مرتدہ کو قتل کر دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ام قرفہ کے تیس بیٹے تھے جن کو وہ جنگ پر ابھار رہی تھی اور اس کو قتل کر کے کفار کی شوکت کو ختم کرنا مقصود تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو مصلحت اور سیاست سے قتل کیا ہو جس طرح آپ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر اظہار خوشی کے لیے دف بجایا تھا۔[1]

مرتدہ کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار

حافظ زیلعی امام طبرانی کی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ حین بعثہ الی الیمن ایما رجل ارتد عن الاسلام فادعہ فان تاب فاقبل منہ وان لم یتب فاضرب عنقہ وایما امرأۃ ارتدت عن الاسلام فادعہا فان تابت فاقبل منہا وان ابت فاستتبہا۔[2]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا: "جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا اسلام قبول کر لو، اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن مار دو، اور جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے اس کو دعوت دو، اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لو اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے پھر توبہ طلب کرو۔

عن رباح بن ربیع قال: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاۃ وعلی مقدمۃ الناس خالد بن الولید فاذا امرأۃ مقتولۃ علی الطریق یتعجبون من خلقہا قد اصابتہا المقدمۃ فاتی رسول اللہ صلی

حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے اور مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن ولید مامور تھے، راستہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پڑی تھی، لوگ اس کی خلقت پر اظہار تعجب کر رہے تھے اس کو مقدمۃ الجیش نے قتل کیا تھا

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰، ص ۱۱۰-۱۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ
[2] حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف حنفی زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۵۷، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

اللہ علیہ وسلم فوقف علیہا فقال: ھاما کانت ھذہ تقاتل ثم قال لرجل: ادرک خالدا فلا یقتلن ذریۃ ولا عسیفا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی! پھر ایک شخص سے فرمایا خالد سے کہو وہ بچے اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرے۔

علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت جنگ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے (معالم السنن ج ۲ ص ۲۸۰) اور علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت جنگ نہ کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے خواہ کافرہ ہو یا مرتدہ۔ (مبسوط ج ۱۰ ص ۱۰۹)۔

امام محمد بن حسن شیبانی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لا یقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ویجبرن علیہ۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے، ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال لا یقتلن النساء اذا ھن ارتددن عن الاسلام ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام فیجبرن علیہ۔[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عورتیں (العیاذ باللہ) اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو ہرگز نہ قتل کیا جائے، البتہ ان کو قید کر دیا جائے اور ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔

عن لیث عن عطاء فی المرتدۃ قال: لا تقتل۔[5]

لیث بیان کرتے ہیں کہ عطاء نے مرتدہ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔

عن الحسن فی المرتدۃ ترتد عن الاسلام قال: لا تقتل، تحبس۔[6]

حسن بصری نے کہا جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، قید کیا جائے گا۔

قتل مرتد کا قرآن مجید سے ثبوت

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون

ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے آپ فرمائیے

---

[1] حافظ احمد بن علی المثنی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلی الموصلی ج ۳ ص ۱۱۷ - ۱۱۵، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۰۴ھ

[2] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۲۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۷ھ

[3] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۱۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۴۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ

[5] " " " المصنف ج ۱۰ ص ۱۴۰، " " "

[6] " " " المصنف ج ۱۰ ص ۱۴۰، " " "

الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون۔ (فتح: ۱۶)

عنقریب تم ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت جنگجو ہوگی تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اس آیت میں جس قوم کی طرف جنگ کی دعوت دی جانے کی خبر دی گئی ہے، علامہ آلوسی اس کے متعلق لکھتے ہیں: ابن منذر، طبرانی، اور زہری کی روایت کے مطابق یہ مسیلمہ کذاب کی قوم اہل یمامہ اور بنو حنیفہ ہیں، اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے اگرچہ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں، نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس جنگجو قوم سے تم قتال کرتے رہو یا وہ مسلمان ہو جائیں اس کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ایک قوم کے لیے صرف دو راستے رکھے ہیں قتل یا قبول اسلام اور وہ قوم جس کے لیے یہ سخت حکم نازل ہوا ہے عقلاً اور نقلاً مرتد ہی ہو سکتی ہے۔ عقلاً اس لیے کہ مرتد سے زیادہ سنگین جرم اور کسی فرد یا قوم کا نہیں ہے اس لیے یہ سخت حکم بھی اسی کا ہونا چاہیے جیسا کہ ہم مرتد کو علی الفور قتل کرنے کے حکم پر احناف کے دلائل" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں اور نقلاً اس لیے کہ علامہ آلوسی کی نقل کردہ روایات سے ثابت ہے کہ اس قوم سے مراد بنو حنیفہ کے مرتدین ہیں۔

قتل مرتد کے ثبوت میں احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ۔ [۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔"

امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن زید بن اسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غیر دینہ فاضربوا عنقہ۔ [۲]

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کی گردن اڑا دو۔"

حافظ الہیثمی امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

عن معاویۃ بن حیدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کو تبدیل

[۱] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۱ھ

[۲] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۶۴۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

فاقتلوہ۔ کرے اسے قتل کر دو۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

رواہ الطبرانی ورجالہ الثقات [1]

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے [2] نیز اس کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

عن حمید بن هلال ان معاذ بن جبل اتی ابا موسی وعندہ رجل یهودی فقال: ما هذا فقال: هذا یهودی اسلم ثم ارتد وقد استتابہ ابو موسی شهرین قال، فقال معاذ: لا اجلس حتی اضرب عنقہ، قضی اللہ وقضی رسولہ۔ [4]

حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو موسیٰ کے پاس گئے ان کے پاس ایک یہودی شخص تھا حضرت معاذ نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ ایک یہودی شخص تھا، مسلمان ہوا پھر مرتد ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ نے دو ماہ تک اس کو توبہ کی مہلت دی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ نے کہا میں جب تک اس کی گردن نہ اڑا دوں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی [5] اور امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ [6]

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ عن ابیہ قال: اخذ ابن مسعود قوما ارتدوا عن الاسلام من اهل العراق فکتب فیهم الی عمر، فکتب الیہ ان اعرض علیهم دین الحق وشهادۃ ان لا الہ الا اللہ، فان قبلوها فخل عنهم وان لم یقبلوها فاقتلهم، فقبلها بعضهم فترکہ، ولم یقبلها بعضهم

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عراق کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے، حضرت ابن مسعود نے ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے حضرت عمر کو خط لکھا، حضرت عمر نے ان کو جواب لکھا کہ ان پر دین حق اور کلمہ شہادت پیش کرو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو اور اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو قتل کر دو، سو ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا ان

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

[2] حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ

[3] حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۰ھ

[4] حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵، المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۶ھ

[5] حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۰۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[6] حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی شیبہ العبسی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ

فقتلہ[1]

کو حضرت ابن مسعود نے چھوڑ دیا اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کو قتل کر دیا۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر یقول یستتاب المرتد ثلاثا فان تاب ترک وان ابی قتل[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرتد سے توبہ کے لیے تین بار کہا جائے اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

عن ابن شہاب قال: یدعی الی اسلام ثلاث مرات فان ابی ضربت عنقہ[3]

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مرتد کو تین بار اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دی جائے۔

عن ابن جریج قال: قال عطاء فی الانسان یکفر بعد اسلامہ یدعی الی الاسلام فان ابی قتل[4]

ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ جو انسان اسلام کے بعد کفر کرے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا، مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور مسلمان کے اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہار چھوڑ دیا جائے گا، اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انقلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے!۔

[1] حافظ عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۹-۱۶۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ ھ

[2] حافظ ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ ھ۔

[3] " " ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۸، " "

[4] " " ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹، " "

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا، ورنہ کسی کی جان، مال، عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا یا وحی الٰہی سے، اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی، خطاء، ظلم اور جور کا امکان ہے۔ اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الٰہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید، احادیث صریحہ، اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: لا اکراہ فی الدین (البقرہ: ۲۵۶) "دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے یعنی جو ابتداءً کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا (بقرہ: ۲۵۶)

دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

اور کافر اصلی کے مقابلہ میں شریعت نے مرتد کے متعلق زیادہ سخت احکام دیئے ہیں جن کی تفصیل ہم "مرتد کو علی الفور قتل کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل" کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ ثُبُوْتِ الْقِصَاصِ فِی الْقَتْلِ بِالْحَجَرِ وَغَیْرِہٖ مِنَ الْمُحَدَّدَاتِ وَالْمُثَقَّلَاتِ وَقَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْاَۃِ

پتھر اور دوسری دھار والی چیزوں سے قصاص کا، اور عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرنے کا ثبوت

۴۲۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰی قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ ہِشَامِ بْنِ زَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ یَہُوْدِیًّا قَتَلَ جَارِیَۃً عَلٰی اَوْضَاحٍ لَہَا فَقَتَلَہَا بِحَجَرٍ قَالَ فَجِیْءَ بِہَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِہَا رَمَقٌ فَقَالَ لَہَا اَقَتَلَکِ فُلَانٌ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِہَا اَنْ لَّا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو چاندی کے زیورات کی خاطر پتھر سے قتل کر دیا، اس لڑکی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا در آں حالیکہ ابھی اس میں کچھ جان باقی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا نہیں، آپ نے دوبارہ کہا تو اس نے پھر سر کے اشارے سے کہا نہیں، جب آپ نے تیسری بار سوال کیا تو اس نے کہا ہاں! اور سر سے اشارہ

ثُمَّ قَالَ لَهَا الثَّانِيَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ نَعَمْ وَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا فَقَتَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَجَرَيْنِ۔

کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سر کو دو پتھروں سے کچل کر ہلاک کر دیا۔

۴۲۴۹۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسَ فَرَضَخَ رَأْسَهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ۔

دو مختلف سندوں کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے اور ابن ادریس کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔

۴۲۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَتَلَ جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى حُلِيٍّ لَهَا ثُمَّ أَلْقَاهَا فِي الْقَلِيبِ وَرَضَخَ رَأْسَهَا بِالْحِجَارَةِ فَأُخِذَ فَأُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ حَتَّى يَمُوتَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے کچھ زیوروں کی خاطر انصار کی ایک لڑکی کو قتل کر دیا، پھر اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا۔ اس نے اس لڑکی کا سر پتھروں سے کچل دیا تھا۔ پھر وہ شخص پکڑا گیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے فرمایا جب تک یہ مر نہ جائے اس کو پتھر مارے جائیں۔ پھر اس کو پتھر مارے گئے حتی کہ وہ مر گیا۔

۴۲۵۱۔ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

۴۲۵۲۔ وَحَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَسَأَلُوهَا مَنْ صَنَعَ هَذَا بِكِ فُلَانٌ فُلَانٌ حَتَّى ذَكَرُوا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکی اس حال میں پائی گئی کہ اس کا سر پتھروں سے کچلا ہوا تھا، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے؟ فلاں نے؟ حتی کہ لوگوں نے ایک یہودی کا ذکر کیا، اس نے سر کے ساتھ اشارہ کیا پھر اس

يَهُوْدِيًّا فَأَدْمَتْ بِرَأْسِهَا فَأُخِذَ الْيَهُوْدِيُّ فَأَقَرَّ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّرَضَّ رَأْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔

یہودی کو پکڑا گیا اور اس نے (قتل کا) اقرار کر لیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کا سر پتھروں سے کچل دیا جائے۔

حدیث الباب میں قتل کے ثبوت کا تعین

اس باب کی احادیث پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر گواہوں کے ثبوت کے محض اس لڑکی کے بیان پر اس یہودی کو کیوں قتل کر دیا؟ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جب قاتل کو مقتول کے قول کی بناء پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے علم ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کا قاتل وہ یہودی ہے لیکن یہ دونوں جواب صحیح نہیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قصاص کا ثبوت یا گواہوں سے ہوتا ہے یا قاتل کے اعتراف سے۔ اور اس واقعہ میں قاتل نے قتل کا اعتراف کر لیا تھا جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴۲۵۲ میں ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۸ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) نیز صحیح بخاری (ج ۲ ص ۱۰۱۶۔۱۰۱۵) میں بھی ہے کہ قاتل کے اقرار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قصاص لیا۔

قتل کے ثبوت میں امام مالک کے قول کی وضاحت

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ نووی نے کہا ہے کہ جس شخص پر قتل کرنے کی تہمت ہو تو امام مالک کے نزدیک محض زخمی کے قول سے قتل کا ثبوت ہو جاتا ہے اور انھوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، لیکن اس حدیث میں اس قول پر دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ قول باطل ہے، کیونکہ اس یہودی نے قتل کا اعتراف کر لیا تھا جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات سے ثابت ہے، بعض مالکی علماء نے علامہ نووی کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مالک یا کسی اور مالکی عالم کا یہ قول نہیں ہے کہ محض زخمی کے قول سے قصاص ثابت ہو جاتا ہے، ہاں جو شخص مرنے کے قریب ہو اور وہ یہ کہے کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو یہ ایک قرینہ ہے جس سے قسامت واجب ہوتی ہے، پھر دو مردوں سے قسم لی جائے گی، بعض مالکیہ نے جمہور کی موافقت کی ہے اور جو اس قول کے قائلین ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب انسان مر رہا ہو اور دنیا سے جا رہا ہو اور اخروی احوال کا معائنہ کر رہا ہو اس وقت وہ صرف سچ ہی بولتا ہے اس لیے اس کا قول لائق اعتبار ہے۔ [۱]

آلہ قصاص میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز، قتادہ، حسن، ابن سیرین، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، اسحاق، ابن المنذر اور غیر مقلدین کی ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ قاتل جس آلہ سے قتل کرے اس کو اسی آلہ کے ساتھ قتل کیا جائے، ابن حزم لکھتے ہیں امام مالک نے کہا ہے کہ اگر قاتل کسی شخص کو پتھر یا لاٹھی یا آگ سے قتل کرے تو اس کو بھی اسی قسم کے آلات سے قتل کیا جائے گا اور اس پر ان چیزوں سے اس وقت تک ضرب لگائی جائے گی جب تک کہ وہ مر نہ جائے اور اگر اس نے اس کو بھوکا اور پیاسا بند کر کے رکھا حتیٰ کہ وہ مر گیا تو اس کو بھی اتنے دن بھوکا

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

اور پیاسا بند کر کے رکھا جائے گا اگر اتنے دنوں میں مر گیا تو ٹھیک ورنہ تلوار سے قتل کر دیا جائے گا اسی طرح اگر اس نے غرق کیا ہے یا کسی بلندی سے پھینکا ہے، اگر قاتل نے کسی شخص کے ہاتھ اور پیر کاٹے جس سے وہ مر گیا تو قاتل کے بھی ہاتھ اور پیر کاٹے جائیں گے۔ اگر وہ مر گیا تو ٹھیک ورنہ اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے گا ___ عامر شعبی، ابراہیم نخعی حسن بصری، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابویوسف نے یہ کہا ہے کہ قاتل کو تمام صورتوں میں صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا کیونکہ امام ابوداؤد طیالسی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا قود الا بحدیدۃ "قصاص صرف دھار والی چیز سے لیا جائے" اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت نعمان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا قود الا بالسیف "قصاص صرف تلوار سے لیا جائے اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا قود الا بالسیف "قصاص صرف تلوار سے لیا جائے" اسی طرح حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا قود الا بحدیدۃ "قصاص صرف دھار والی چیز سے لیا جائے" اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القود بالسیف والخطاء علی العاقلۃ "قصاص تلوار سے ہے اور قتل خطاء کی دیت عصبات پر ہے" اور یہ حدیث حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور یہ بعض روایات بعض کے لیے شاہد ہیں اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس سے استدلال صحیح ہے۔ [1]

آلہ قصاص کے عموم میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ائمہ ثلاثہ اس باب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قاتل جس آلہ سے قتل کرے اسی آلہ سے قصاص لیا جائے، علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: فقہاء احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو قاطع الطریق اور ڈاکو کے حکم میں قرار دیا اور ڈاکو کو امام جس طرح چاہے قتل کر سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مثلہ کرنا مباح تھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیین کو سزا دی تھی بعد میں اس سے منع کر دیا گیا اور یہ منسوخ ہو گیا۔ [2]

اشارہ سے حکم کے ثبوت میں مذاہب

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ مریض کے اشارہ سے حکم کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف ہے، لیث، امام مالک، اور امام شافعی کا یہ موقف ہے کہ جب حاضرین اس کے اشارہ کو پہچان لیں تو اس سے حکم ثابت ہو جائے گا، اور اس کی وصیت جائز ہے اور امام ابوحنیفہ، اوزاعی اور ثوری کا یہ موقف ہے کہ جب مریض سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ ہاتھ یا سر سے اشارہ کر دے تو اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کلام نہ کرے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ صرف گونگے کے اشارہ سے حکم کا ثبوت جائز

---

[1] حافظ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۵۲ - ۲۵۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ
[2] ایضاً ، عمدۃ القاری ج ۱۲، ص ۲۵۲،

ہے یا جس شخص کے کلام میں سکتہ ہو لیکن جس شخص کی زبان بند ہو جائے اور وہ اس کے ساتھ اشارہ نہ کرے اس کا اشارہ جائز نہیں ہے۔ صاحب التوضیح نے کہا کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے خلاف دلیل ہے، علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے اشارے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس یہودی کو اس کے اعتراف اور اقرار کی بنا پر قتل کیا تھا۔ [1]

بھاری اور ثقیل چیز سے قصاص کے لزوم میں ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ بعض شافعی علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ جو شخص کسی ثقیل اور بھاری چیز سے عمداً قتل کیا جائے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے لیے قصاص واجب نہیں ہے ان کے نزدیک اس صورت میں صرف دیت مغلظہ ثابت ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے، اس کے برخلاف امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کے نزدیک کسی بھاری اور وزنی چیز کے ساتھ قتل کرنے سے بھی قصاص لازم آتا ہے، امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس یہودی کی عادت تھی کہ وہ راستہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کر دیتا تھا گویا وہ فساد کرنے والا اور ڈاکو تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سیاسۃً قتل کر دیا، انھوں نے اعتراض کیا کہ اگر ایسا ہی تھا تو اس کو پتھروں سے کچل کر اسی کی طرح کیوں قتل کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مُثلہ کی تحریم سے پہلے کا عمل ہے اور جب مُثلہ کو حرام کر دیا گیا تو صرف تلوار سے قصاص لینا مشروع رہا۔ [2]

قصاص کے وجوب میں تلوار یا دھار والے آلہ سے قتل کے بارے میں احادیث، آثار اور فتاویٰ تابعین

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل شئ خطأ الا السیف ولکل خطأ ارش۔ [3]

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار کے سوا ہر شے میں خطا ہے اور ہر خطا میں دیت ہے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

حافظ ذہبی نے امام احمد کی سند سے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔

---

[1] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۵۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[2] ،، ،، ،، ،، ،، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۵۵-۲۵۶، ،، ،،

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۲، ایضاً ۲۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۴۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

عن النعمان بن بشیر مرفوعاً کل شئ خطأ الا ما کان بحدیدۃ ولکل خطأ ارش۔[1]

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دھار والی (کاٹنے والی) چیز کے سوا ہر چیز میں خطاء ہے اور ہر خطاء کی ایک دیت ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ تلوار یا دھار والی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے تو قصاص ہے اور اس کے سوا اور کسی چیز سے قتل کیا جائے تو اس میں دیت ہے، نیز احادیث میں یہ بھی ہے کہ لاٹھی یا پتھر اور کسی وزنی اور بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنے میں دیت ہے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوم الفتح بمکۃ فکبر ثلاثا ثم قال لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ — الا ان کل ما ثرۃ کانت فی الجاھلیۃ تذکر وتدعی من دم او مال تحت قدمی الا ما کان من سقایۃ الحاج وسدانۃ البیت ثم قال الا ان دیۃ الخطأ شبہ العمد ما کان بالسوط والعصا مأۃ من الابل منھا اربعون فی بطونھا اولادھا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ پھر فرمایا سنو، زمانہ جاہلیت کی تمام فخریہ باتیں اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون اور مال کے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں (یعنی ساقط ہیں) البتہ حاجیوں کو پانی پلانا اور بیت اللہ کی خدمت کرنا (باقی ہے) پھر فرمایا سنو! قتل خطاء شبہ عمد وہ قتل ہے جو کوڑے اور لاٹھی سے قتل کیا جائے اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں۔

اس حدیث کو امام نسائی[3]، امام ابن ماجہ[4]، امام حمیدی[5] اور امام ابن حبان[6] نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ زیلعی نے امام اسحاق بن راہویہ کی سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبہ العمد قتیل الحجر والعصا وفیہ الدیۃ مغلظۃ۔[7]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ العمد وہ ہے جس کو پتھر اور لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو اس میں دیت مغلظہ ہے۔

---

1. حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ
2. امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
3. امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۱۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔
4. امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
5. امام عبداللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ، مسند حمیدی ج ۲ ص ۳۰۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
6. امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ (المرتب)، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۶۰۲-۶۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
7. حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۳ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل فی عمیا رمیا بحجر او ضربا بالسوط او بعصا فعقله عقل الخطاء الحدیث۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اندھا دھند پتھر مار کر قتل کیا گیا ہو یا جس کو کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے قتل کیا گیا اس کی دیت قتل خطا کی دیت ہے۔

عن علی وابن مسعود ان شبه العمد الحجر والعصا۔ [2]

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جس کو پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا جائے وہ قتل شبہ عمد ہے۔

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [3]

عن ابن مسعود قال: شبه العمد الحجر والعصا والسوط والدفعة والرفقة۔ وكل شئ عمدت به ففيه التغليظ فی الدیة۔ [4]

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جس شخص کو پتھر، لاٹھی، کوڑے یا سواری سے گرا کر ان میں سے جس کے ساتھ بھی تم نے عمداً قتل کیا اس میں دیت مغلظہ ہے۔

اس حدیث کو بھی حافظ الہیثمی نے طبرانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سند منقطع ہے لیکن اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ [5]

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الحسن قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قتيل السوط والعصا شبه عمد۔ [6]

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوڑے اور لاٹھی کا مقتول قتل شبہ عمد ہے۔

عن الشعبی والحكم وحماد قالوا ما اصيب به من حجر او سوط او عصا فاتی علی النفس فهو شبه العمد وفيه الدية مغلظة۔ [7]

شعبی، حکم اور حماد کہتے ہیں کہ جس کو پتھر، کوڑے یا لاٹھی سے قتل کر دیا جائے وہ قتل شبہ عمد ہے اور اس میں دیت مغلظہ ہے۔

عن ابراهيم قال ما كان من قتل بغير سلاح فهو شبه العمد وفيه الدية على العاقلة۔ [8]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جو قتل بغیر ہتھیار کے ہو وہ قتل شبہ عمد ہے اور اس میں عاقلہ پر دیت ہے۔

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۸۰ - ۲۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۰ھ

[2] " " " " " ، المصنف ج ۹ ص ۲۷۸،

[3] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۲ھ

[4] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۰ھ

[5] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۲ھ

[6] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۱۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ھ

[7] " " " " " ، المصنف ج ۹ ص ۱۳۹،

[8] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۸۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

عن علی وعبد اللہ قالا: العمد السلاح [1]

حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قتل عمد ہتھیار سے ہوتا ہے۔

عن مسروق قال: العمد بالحدیدۃ [2]

مسروق نے کہا کہ قتل عمد کاٹنے والے یا دھار والے ہتھیار سے ہوتا ہے۔

عن الشعبی قال: کل شیء بحدیدۃ فھو عمد [3]

شعبی نے کہا ہر دھار والے آلہ سے قتل، قتل عمد ہے۔

ان تمام احادیث آثار اور فتاویٰ تابعین سے بصراحت واضح ہوتا ہے کہ تلوار اور کاٹنے والے آلہ کے سوا اور کسی چیز سے قتل میں قصاص واجب نہیں ہے اور ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پتھر، لاٹھی یا کسی اور بھاری اور وزنی چیز کے ساتھ قتل کرنے سے قصاص لازم نہیں آتا اور فقہاء احناف کا نظریہ ان احادیث کے عین مطابق ہے اور ائمہ ثلاثہ کا نظریہ ان احادیث، آثار اور فتاویٰ تابعین کے بالکل خلاف ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف تلوار اور دھار دار چیز کے ساتھ قتل کرنے سے قصاص واجب ہوتا ہے اور اگر ارادہ قتل سے کسی کو لاٹھی یا پتھر سے ہلاک کیا جائے تو وہ قتل شبہ عمد ہے جس میں قصاص نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے اس وجہ سے موقف احناف کی مکمل وضاحت کے لیے قتل کی جمیع اقسام اور ان کا حکم جاننا ضروری ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک قتل کی اقسام

فقہاء احناف کے نزدیک قتل کی پانچ اقسام ہیں: علامہ سرخسی لکھتے ہیں علامہ ابو بکر رازی نے کہا کہ قتل کی پانچ اقسام ہیں: قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطاء، قتل قائم مقام خطاء اور وہ قتل جو عمد، خطاء اور قائم مقام خطاء کے مغائر ہے جس کو قتل بالسبب کہتے ہیں۔

قتل عمد

علامہ سرخسی قتل عمد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اما العمد فھو ما تعمد ضربہ بسلاح لان العمد ھو القتل وقصد ازھاق الحیاۃ وھی غیر محسوسۃ لقصد اخذھا فیکون القصد الی ازھاق الحیوۃ بالضرب بالسلاح الذی ھو جارح عامل فی [4]

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لیے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لیے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں مؤثر ہو۔

علامہ ابو بکر رازی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ

---

[1] امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۴۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۲ ھ

[2] ″ ″ ″ ، المصنف ج ۹ ص ۳۴۳،

[3] ″ ″ ″ ، المصنف ج ۹ ص ۳۴۴،

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ ھ

کیا جائے وہ قتل عمد ہے مثلاً بانس کی کھپچی یا لاٹھی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کر دے جو ہتھیار اور ہمارے علماء کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ [۱]

شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ قتل عمد کا حکم آخرت میں عذاب ہے اور دنیا میں قصاص ہے الّا یہ کہ اولیاء مقتول دیت پر راضی ہو جائیں اور قاتل اگر وارث ہو تو وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ [۲]

قتل شبہ عمد

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

واما شبه العمد فهو ما تعمدت ضربه بالعصا او السوط او الحجر او اليد فان في هذا الفعل معنيين العمد باعتبار قصد الفاعل الى الضرب ومعنى الخطأ باعتبار انعدام القصد منه الى القتل لان الآلة التي استعملها آلة الضرب للتاديب دون القتل والعاقل انما يقصد كل فعل بالته فاستعماله آلة التاديب دليل على انه غير قاصد الى القتل فكان في ذلك خطأ لشبه العمد صورة من حيث انه كان قاصدا الى الضرب والى ارتكاب ما هو محرم عليه۔ [۳]

شبہ العمد وہ قتل ہے جس میں لاٹھی کوڑے، پتھر یا ہاتھ سے ضرب لگانے کا قصد کیا جائے۔ اس قتل میں دو وجہیں ہیں اس لحاظ سے عمد ہے کہ وہ فاعل اس میں ضرب لگانے کا قصد کرتا ہے اور اس لحاظ سے خطاء ہے کہ وہ اس ضرب سے قتل کرنے کا قصد نہیں کرتا، کیونکہ جس آلہ کو اس نے استعمال کیا ہے وہ سزا دینے کے لیے ضرب کا آلہ ہے۔ قتل کا آلہ نہیں ہے اور عاقل شخص ہر آلہ سے اسی فعل کا قصد کرتا ہے جس فعل کے لیے وہ آلہ بنایا گیا ہے پس فاعل کا تادیب کے آلہ کو استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اس کا قصد قتل کرنے کا نہیں تھا پس اس میں اس کو خطاء لاحق ہوئی جو صورۃً عمد کے مشابہ ہے، کیونکہ اس کا قصد سزا دینا تھا اور وہ اس فعل کا مرتکب ہو گیا جو اس پر حرام ہے (یعنی قتل)

شمس الائمہ سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ قتل شبہ عمد میں فاعل کا مقصود تادیب (سزا دینے) کے لیے مارنا ہوتا ہے قتل کرنا نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے معاصر فقیہ مولانا وقار الدین نے اس کے برعکس لکھا ہے: لکھتے ہیں:

قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے وہ یہ کہ قصداً قتل کرے مگر اسلحہ سے یا جو چیزیں اسلحہ کے قائم مقام ہوں ان سے قتل نہ کرے مثلاً کسی کو لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالا ـــــ طحطاوی صفحہ ۲۸۵ جلد ۴، بحر الرائق صفحہ ۲۹۱ ج ۸، تبیین صفحہ ۱۰۰ ج ۶، در مختار و شامی صفحہ ۴۲۶ ج ۵، درر غرر صفحہ ۹۰ ج ۲ ـــــ [۴]

مولانا وقار الدین نے جتنی کتابوں کے حوالے دیے ہیں سب میں ان کی تحریر کے برعکس یہ لکھا ہے کہ قتل شبہ عمد

---

[۱] علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[۲] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۶۰-۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[۳] ″ ″ ″ ، المبسوط ج ۲۶ ص ۶۰-۵۹

[۴] مولانا وقار الدین نوری کراچی، بہار شریعت ج ۱۸ ص ۱۲ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، بار اول ۱۹۷۹ء۔

وہ ہے جس میں سزا دینے کا قصد ہو اور قتل کرنے کا قصد نہ ہو۔

علامہ طوری حنفی شبہ عمد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

شبہ العمد عند الامام تعمد الضرب بما لیس بسلاح وقال محمد یکون قصد الضرب والتادیب [1]

امام اعظم کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ اس چیز سے ضرب لگانے کا قصد کیا جو ہتھیار نہ ہو، اور امام محمد نے کہا اس کا قصد تادیب اور سزا دینا ہو۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

لانہ یقصد بہ التادیب او اتلاف العضو لا القتل فکان شبہ عمد۔ [2]

کیونکہ اس سے تادیباً سزا دینے یا عضو کو تلف کرنے کا قصد کیا جاتا ہے نہ کہ قتل کرنے کا پس یہ شبہ عمد ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لان فیہ معنی العمدیۃ باعتبار قصد الفاعل الی الضرب ومعنی الخطأ باعتبار عدم قصدہ الی القتل اذ لیست الألۃ آلۃ قتل۔ [3]

کیونکہ شبہ عمد میں فاعل ضرب کا قصد کرتا ہے اس اعتبار سے اس میں عمدیت کا معنی ہے اور خطاء کا معنی اس وجہ سے ہے کہ وہ قتل کا قصد نہیں کرتا، کیونکہ اس نے جس چیز سے ضرب لگائی ہے وہ آلہ قتل نہیں ہے۔

ملا خسرو لکھتے ہیں:

لان فی ھذا الفعل معنی العمدیۃ باعتبار قصد الفاعل الی الضرب ومعنی الخطأ باعتبار عدم قصدہ الی القتل۔ [4]

کیونکہ اس فعل میں اس اعتبار سے عمدیت کا معنی ہے کہ فاعل ضرب کا قصد کرتا ہے اور اس اعتبار سے خطأ کا معنی ہے کہ وہ قتل کا قصد نہیں کرتا۔

اور علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

وقال صاحب المجتبی یشترط عند ابی حنیفۃ ان یقصد التادیب دون الاتلاف۔ [5]

اور صاحب مجتبیٰ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک (شبہ عمد میں) یہ شرط ہے کہ وہ سزا دینے کا قصد کرے قتل کرنے کا قصد نہ کرے۔

مولانا وقار الدین کے اپنے نقل کردہ حوالہ جات اور ان کے علاوہ علامہ سرخسی اور علامہ عینی کے حوالوں سے واضح

---

[1] علامہ محمد بن حسین بن علی طوری حنفی، تکملۃ البحر الرائق ج ۸ ص ۲۹۱ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
[2] علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۰۰، مکتبہ امدادیہ ملتان
[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
[4] ملا احمد بن فراموز خسرو متوفی ۸۸۵ھ، درر الحکام فی شرح غرر الاحکام ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر، ۱۳۰۴ھ
[5] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، البنایہ شرح الہدایہ الجزء الرابع ص ۴۲۵ مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ

ہو گیا کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جس میں فاعل قتل کا قصد نہ کرے بلکہ تادیباً سزا دینے کا قصد کرے اور مولانا وقار الدین نے جو شبہ عمد کی تعریف میں لکھا ہے کہ فاعل قتل کا قصد کرے وہ غلط ہے اور ان تمام تصریحات کے خلاف ہے۔

قتل شبہ عمد میں فاعل گنہ گار ہوگا اور اس پر کفارہ واجب ہے (ایک غلام کو آزاد کرے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے) اور اس کے عصبات پر دیت مغلظہ (سو اونٹ) واجب ہے جس کو وہ تین سال میں ادا کریں گے اور فاعل اگر وارث ہو تو اس میں مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ [1]

قتل خطاء علامہ سرخسی لکھتے ہیں قتل خطاء یہ ہے کہ جس کو قتل کرنے کا قصد کیا ہو اس کے بجائے کوئی اور قتل ہو جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کے گمان میں خطاء ہو اور دوسری یہ ہے کہ اس کے فعل میں خطاء ہو۔ فعل میں خطاء کی مثال یہ ہے کہ اس نے کسی شکار یا کسی ہدف کی طرف شست باندھ کر نشانہ لگایا اور گولی کسی مسلمان شخص کو لگ گئی۔ اور گمان میں خطاء کی مثال یہ ہے کہ اس نے کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر نشانہ بنایا اور وہ شخص مسلمان تھا یا اس نے شکار سمجھ کر گولی چلائی اور جس کو گولی لگی وہ مسلمان شخص تھا۔

قتل خطاء کا حکم یہ ہے کہ اس میں قصاص واجب نہیں ہے اور شریعت میں ہم سے خطاء پر اخروی مواخذہ ساقط ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ "جو کام تم نے خطاء کیا اس میں گناہ نہیں ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ "بھول خطاء اور جبریہ کاموں پر میری امت سے گناہ اٹھا لیا گیا ہے۔ اس میں فاعل پر کفارہ یعنی دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں اور اس کے عصبات پر دیت ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ [2]

قتل قائم مقام خطاء علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ علامہ ابو بکر رازی کی تعریف کے مطابق قتل قائم مقام خطاء یہ ہے کہ مثلاً نیند میں کوئی شخص کسی پر گر پڑے اور اس کو قتل کر دے یہ عمد ہے نہ خطاء۔ کیونکہ سونے والے شخص کا قصد متصور نہیں ہے لیکن اس کا کروٹ بدل کر کسی شخص پر گرنا اس شخص کی ہلاکت کا موجب ہے، اس کے عصبات پر دیت اور کفارہ واجب ہوگا اور اگر وہ مقتول کا وارث تھا تو اس کی وراثت سے بھی محروم ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی کوتاہی کی ہو یا وہ نیند میں نہ ہو اور اس نے جلد میراث حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔ [3]

قتل بالسبب علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ جو قتل عمد ہے نہ خطاء نہ قائم مقام خطاء (یعنی قتل بالسبب) وہ یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص راستہ میں کنواں کھود دے یا راستہ میں پتھر وغیرہ رکھ دے اور کوئی شخص کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو جائے یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرے اور مر جائے۔ یہ شخص قتل کرنے کا مرتکب نہیں ہے کیونکہ اس سے مقتول پر کوئی فعل واقع نہیں کیا اس کا فعل تو زمین کے ساتھ متصل تھا اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ عمد، شبہ عمد، خطاء یا قائم مقام خطاء قتل کی کسی قسم کا مرتکب نہیں ہے بلکہ اس کے ایک سبب سے قتل ہوا ہے جو سبب متعدی ہے پس ہم اس کے

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۶۶ مطبوعہ دار المعرفۃ الطبعۃ الثالثۃ بیروت

[2] " " " " المبسوط ج ۲۶ ص ۶۷-۶۶ " "

[3] " " " " المبسوط ج ۲۶ ص ۶۸ " "

عصبات پر دیت واجب کرتے ہیں تاکہ انسانی جان رائیگاں جانے سے بچ جائے اور اس شخص پر نہ کفارہ واجب ہوگا اور نہ وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔ [1]

حسب ذیل صورتیں بھی قتل بالسبب میں داخل ہیں:

(۱)۔ کوئی شخص کسی جانور کو ہانک کر لے جا رہا ہو اور وہ جانور کسی شخص کو ہلاک کر دے۔

(۲)۔ کوئی شخص تیز رفتار گاڑی چلائے اور اس کی جھپٹ میں آ کر کوئی شخص ہلاک ہو جائے۔

(۳)۔ کوئی اناڑی شخص گاڑی چلائے اور اس کی گاڑی کے نیچے کوئی آ کر ہلاک ہو جائے۔

(۴)۔ کوئی شخص نشہ میں آ کر گاڑی چلائے اور اس کی گاڑی کے نیچے آ کر کوئی شخص مر جائے۔

پستول اور بندوق وغیرہ کے ساتھ قتل کرنے سے آیا قصاص واجب ہوگا یا نہیں؟ | امام ابوحنیفہ کے نزدیک

تلوار اور دیگر کاٹنے اور دھار والے ہتھیاروں کے ساتھ قصاص واجب ہوتا ہے اور پتھر اور دیگر بھاری اشیاء کے ساتھ قتل کرنے سے قصاص واجب نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابویوسف اور محمد کے نزدیک دیگر ثقیل اشیاء کے ساتھ اگر قتل کرنے کے قصد سے کسی کو ہلاک کر دیا جائے تو پھر بھی قصاص واجب ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بندوق یا پستول یا کلاشنکوف سے کسی کو قتل کر دیا جائے تو آیا امام اعظم کے قول کے مطابق اس سے قصاص لازم آئے گا یا نہیں؟!

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تلوار کی طرح کاٹنے والا ہتھیار نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک اس سے قصاص واجب ہو جائے گا۔

لیکن اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی گولی کے ساتھ قتل کرنے سے قصاص واجب ہوگا کیونکہ امام ابوحنیفہ نے قصاص کو تلوار کے ساتھ اس لیے خاص کیا تھا کہ اس زمانہ میں قتل کرنے کا عام سبب اور ذریعہ تلوار تھا اور چونکہ پتھر وغیرہ قتل کرنے کا عام اور مؤثر سبب نہیں تھا اس لیے پتھر سے قتل کرنے کو قتل شبہ عمد کہا اور قتل عمد نہیں قرار دیا جو موجب قصاص ہوتا ہے اور ہمارے زمانہ میں تلوار کا استعمال متروک ہو چکا ہے اور قتل کرنے کا عام اور سبب غالب بندوق اور پستول وغیرہ ہے نیز جس طرح تلوار کی وضع صرف قتل اور زخمی کرنے کے لیے ہے اسی طرح بندوق کی وضع قتل اور زخمی کرنے کے لیے ہے اس لیے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اب بندوق اور پستول وغیرہ تلوار کے حکم میں ہیں اور جس طرح تلوار سے قتل کرنے سے قصاص واجب ہوتا ہے اسی طرح بندوق یا ریوالور سے قتل کرنے سے قصاص لازم آئے گا۔ اس سلسلہ میں پہلی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی۔ (بقرۃ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! جو لوگ ناحق قتل کیے گئے ہیں ان کا بدلہ لینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت سے مقتول عام ہے خواہ اس کو تلوار یا کسی دھار والے آلہ سے قتل کیا گیا ہو یا پستول یا بندوق کی گولی سے قتل کیا گیا ہو اور امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم کو حدیث صحیح سے بھی مقید نہیں کیا جا سکتا جبکہ حدیث: لاقود

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۶۸، مطبوعہ دار المعرفۃ الطبعۃ الثالثۃ بیروت

الا بالسیف زیادہ سے زیادہ حسن ہے۔ اس کی سند میں ضعیف راوی ہیں لیکن چونکہ یہ متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے حدیث حسن ہے۔ انصاف اور دیانتداری کی بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ کہتے ہیں کہ مقتول کو جس طرح بھی قتل کیا گیا ہو اس کا قصاص لازم ہے، ان کا مسلک قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے۔

اسی طرح بکثرت احادیث میں ہے کہ ہتھیار سے قتل کرنے میں قصاص ہے، ان احادیث کا ذکر ہم پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں تاہم امام ابوحنیفہ کے نظریہ کے مطابق بھی بندوق کی گولی اور چھرے سے قصاص لازم آتا ہے۔ ہم ذیل میں علامہ سرخسی حنفی کی وہ عبارت نقل کر رہے ہیں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہ نے قصاص کو تلوار کے ساتھ اس لیے خاص کیا تھا کہ اس زمانے میں قتل کرنے کا عام اور غالب سبب تلوار تھی اور اس کی وضع صرف قتل کرنے اور زخمی کرنے کے لیے تھی جبکہ مثقل اشیاء کی وضع دیگر مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ: لا قود الا بالسیف قصاص صرف تلوار (کے قتل) سے واجب ہوتا ہے اور اس حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ تلوار کے بغیر قصاص لینا واجب نہیں ہے اور اس حدیث میں تلوار سے مراد ہتھیار ہیں، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: العمد السلاح۔ قتل عمد ہتھیار سے ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے کہا: لا قود الا بالسلاح، قصاص صرف ہتھیاروں کے قتل سے لازم آتا ہے۔ نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے ذکر سے ہتھیار مراد لیے ہیں، کیونکہ ہتھیاروں میں بالخصوص تلوار کو جنگ کے لیے تیار کیا گیا ہے، کیونکہ تلوار سے سوا جنگ اور قتال کے اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور دیگر ہتھیاروں سے جنگ کے علاوہ اور منافع بھی مقصود ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ: بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ "مجھے تلوار کے ساتھ قیامت تک کے لیے بھیجا گیا ہے" اس تلوار سے آپ کی مراد ہتھیار اور آلۂ قتال ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کی اس امر پر دلیل ہے کہ قصاص صرف ہتھیاروں سے واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کو بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے قتل کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق قصاص لازم نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے قول کے مطابق قصاص لازم ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل (اسراء: ۳۳) "اور بے شک جس شخص کو ناحق قتل کیا گیا ہو تو ہم نے اس کے وارث کو (اس سے قصاص لینے کی) قدرت دی ہے پس وہ قصاص لینے میں حد سے نہ بڑھے"۔ اس آیت میں سلطان سے مراد قصاص لینا ہے کیونکہ اس کے بعد قتل میں اسراف کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے اگر یہ قید لگائی گئی کہ جس شخص کو کاٹنے اور زخمی کرنے والے آلہ سے قتل کیا گیا ہو (تو اس کا ولی قصاص لے سکتا ہے) تو یہ قرآن مجید کی آیت پر زیادتی ہوگی اور حدیث میں بھی ہے کہ ایک یہودی نے زیورات کی وجہ سے ایک لڑکی کا سر پتھر سے کچل کر اس کو ہلاک کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دو پتھروں سے اس یہودی کا سر کچل دیا جائے۔

شمس الائمہ سرخسی اس دلیل کے جواب میں امام ابوحنیفہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ آلہ (پتھر اور دیگر وزنی اشیاء) نہ زخم ڈالتا ہے اور نہ بدن کو کاٹتا ہے اس لیے اس سے قتل کرنا قصاص کا موجب نہیں ہے مثلاً چھوٹی لکڑی سے قتل کرنا اور اس کی تحقیق دو طرح ہے ایک یہ ہے کہ وجوب قصاص قتل عمد کے ساتھ خاص ہے اور عمد محقق اس وقت ہوگا جب آلہ قتل کے ساتھ قتل کیا جائے اور آلۂ قتل وہ ہے جو زخمی کرنے والا آلہ ہو

اور زخم بدن کے ظاہر اور باطن میں شکست و ریخت کا عمل پیدا کرتا ہے اور آلہ جارحہ (زخمی کرنے والے آلات) کے ماسوا (غالباً) بدن کے باطن میں توڑ پھوڑ کرتے ہیں اور ظاہر میں نہیں کرتے (مثلاً لاٹھی اور پتھر کی چوٹ سے بدن کے بس جس نے ساتھ انسانی بدن کے ظاہر اور باطن دونوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو وہ قتل من کل الوجوہ ہے اور جس قتل کے ساتھ بدن کے صرف باطن میں شکست و ریخت ہو اور جو بعض وجوہ سے قتل ہو وہ فی نفسہٖ قاصر ہے اور چونکہ اس میں شبہ پڑ گیا اس لیے اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید (الحدید: ۲۵) "ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت جنگی قوت ہے۔" اس سے مراد قتل کی قوت ہے اسی طرح بادشاہوں کے ہتھیار لوہے سے بنائے جاتے ہیں اور لکڑی اور پتھر اصالتاً تعمیرات کے لیے ہوتے ہیں اور اسی لیے ان کو حاصل کیا جاتا ہے اور لوہے کو جنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ [1]

شمس الائمہ سرخسی حنفی کی اس عبارت میں حسب ذیل نکات سے بندوق اور پستول وغیرہ کے قتل سے قصاص کا ثبوت ہے:

(الف)۔ لا قود الا بالسیف "قصاص صرف تلوار کے قتل سے واجب ہوتا ہے۔" علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس حدیث میں تلوار کا بالخصوص اس لیے ذکر ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر تلوار سے قتل کیا جاتا تھا اور اب عام طور پر بندوق اور پستول وغیرہ سے قتل کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ پہلے اونٹ اور گھوڑے پر سفر کیا جاتا تھا اور اس سفر پر نماز، روزے اور طہارت (تیمم اور موزوں پر مسح) کے شرعی احکام مرتب ہوتے تھے اور اب ریل اور ہوائی جہاز پر سفر شرعی کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح منہ کے ذریعہ اذان کے شرعی احکام مرتب ہوتے تھے اور اب لاؤڈ اسپیکر وغیرہ پر اذان کے شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح پہلے تلوار ذریعہ قتل تھا اور اس سے قتل پر قصاص لازم تھا اور اب بندوق اور پستول وغیرہ ذریعہ قتل ہیں اس لیے اب ان سے قتل کرنے پر قصاص لازم ہوگا۔

(ب)۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ حدیث بعثت بالسیف میں تلوار سے آلہ قتال مراد ہے اور بندوق آلہ قتال ہے۔

(ج)۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ حضور نے جو فرمایا ہے لا قود الا بالسیف اس سے صحابہ نے بالخصوص تلوار کو مراد نہیں لیا بلکہ اس سے جنگ کے عام ہتھیار مراد ہیں اور بندوق بھی جنگ کا ہتھیار ہے۔

(د)۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ تلوار کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اس کو جنگ اور قتال کے لیے بنایا گیا ہے اس کے برعکس لکڑی اور پتھر کا اصل استعمال مکانوں کی تعمیر کے لیے ہے، اسی طرح بندوق کو بھی جنگ اور قتال کے لیے بنایا گیا ہے۔

(ہ)۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اس آلہ قتل سے قصاص واجب ہوتا ہے جو جارحہ ہو (زخم پیدا کرے) اور آلہ جارحہ وہ ہے جو بدن کے ظاہر اور باطن دونوں میں توڑ پھوڑ کرے، اور تلوار کی طرح بندوق بھی اس تعریف کا مصداق ہے کیونکہ بدن کے ظاہر اور باطن دونوں میں شکست و ریخت کا عمل کرتی ہے۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں:

العمد هو القصد ولا یوقف علیه الا بدلیله وهو استعمال الالة القاتلة فکان متعمدا فیه عند ذلک۔ ۱؎

قتل عمد (جو موجب قصاص ہے) کسی کو قصداً قتل کرنا ہے اور قصد پر اطلاع صرف دلیل سے ہو سکتی ہے اور دلیل ہے آلہ قاتلہ کا استعمال کرنا پس آلہ قاتلہ کا استعمال قتل عمد کی دلیل ہے۔

اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ آلہ قاتلہ سے قتل کرنا قتل عمد کی دلیل ہے اور بندوق بھی آلہ قاتلہ ہے لہٰذا اس سے قتل کرنا بھی قتل عمد اور موجب قصاص ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی آلہ قتل کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیکون القصد الی ارقاق الحیوۃ بالضرب بالسلاح الذی هو جارح عامل فی الظاهر والباطن جمیعا۔ ۲؎

زندگی ختم کرنے کے لیے ایسے ہتھیار سے ضرب کا قصد کیا جائے جو زخم ڈالنے والا ہو اور جسم کے ظاہر اور باطن دونوں میں عمل کرے۔

اور بندوق بھی جسم کے اندر زخم ڈالتی ہے اور جسم کے ظاہر اور باطن دونوں میں عمل کرتی ہے۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

فی فتاوی قاضی خان فی ظاهر الروایة فی الحدید وما یشبه الحدید النحاس والصفر والرصاص والذهب والفضة والابرة لایشترط الجرح لوجوب القصاص۔ ۳؎

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ ظاہر الروایۃ کے مطابق لوہے اور جو لوہے کے مشابہ چیزیں ہیں مثلاً تانبا، پیتل، رانگ یا سیسہ، سونا، چاندی اور سوئی میں وجوب قصاص کے لیے زخم لگنے کی شرط نہیں ہے۔

علامہ عینی نے قاضی خاں کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ پوری عبارت اس طرح ہے۔

اما الالة التی توجب القصاص اذا حصل القتل عمدا بالة جارحة کالسیف والسکین والرمح والسهم حدیدا کانت الالة او غیر حدید کما لو ذبح بلیطة القصب والرمح الذی لاسنان له بعد ان یکون محددا او الحجر والعمود والنشابة والسهم الذی لانصل فیه اذا رماه فاصابه فجرحه او ضربه بعمود

وہ آلہ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے یہ ہے کہ جب آلہ جارحہ سے عمداً قتل کیا جائے، مثلاً تلوار، چھری، نیزہ اور تیر خواہ یہ لوہے کے ہوں یا لوہے کے نہ ہوں۔ جیسے بانس کی کھپچی والا نیزہ جس کے دندانے نہ ہوں، کاٹنے والی لکڑی، ستون، تیر، بغیر پیکان (پھل) کا تیر، جبکہ وہ تیر سے زخمی ہو جائے یا اس کو لوہے کے ستون سے مارے یا وہ ستون لوہے کے مشابہ کسی چیز کا ہو مثلاً تانبہ، پیتل، سیسہ، سونا

۱؎ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۵۹ مطبوعہ مطبع شرکۃ علمیہ ملتان

۲؎ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، البنایہ شرح الہدایہ للجزء الرابع ص ۴۴۲ مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ

۳؎ " " البنایہ شرح الہدایہ للجزء الرابع ص ۴۴۳ "

حدید او ما یشبہ الحدید کالنحاس والشبہ و الرصاص والذہب والفضۃ اذا ضربہ فجرحہ او شق بطنہ بخشب محدد او رماہ بصنجۃ الف درھم فجرحہ او لم یجرحہ فمات من ذلک یقتل بہ[۱]

اور چاندی سے جب ان سے مار کر اس کو زخمی کر دے، یا دھار والی لکڑی سے اس کا پیٹ پھاڑ دے یا اس کو ہزار درہم والے ترازو کے پلڑے سے مار دے خواہ وہ اس سے زخمی ہو یا نہ ہو وہ اس ضرب سے مر جائے تو ان تمام صورتوں میں قاتل کو قتل کیا جائے گا۔

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی آلۂ قتل کی بحث میں لکھتے ہیں:

وکذلک اذا کان فی معنی الحدید کالصفر والنحاس والآنک والرصاص والذہب والفضۃ فحکمہ حکم الحدید۔[۲]

اسی طرح اگر لوہے کا غیر ہو مثلاً پیتل، تانبہ، رانگ، سیسہ، سونا اور چاندی تو ان تمام کا وہی حکم ہے جو لوہے کا حکم ہے۔

علامہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

وفی ظاہر الروایۃ فی الحدید وما یشبہ الحدید کالنحاس وغیرہ لا یشترط الجرح لوجوب القصاص۔[۳]

ظاہر الروایۃ میں ہے کہ لوہے اور جو چیزیں لوہے کے مشابہ ہیں مثلاً تانبہ وغیرہ، ان میں قصاص کے وجوب کے لیے زخمی کرنا شرط نہیں ہے۔

اور خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی آلۂ قتل کی بحث میں لکھتے ہیں:

ولا یشترط الجرح فی الحدید فی ظاہر الروایۃ لانہ وضع للقتل قال تعالیٰ وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید وکذا کل ما یشبہ الحدید کالصفر والرصاص والذہب والفضۃ سواء کان یبضع او یرض حتی لو قتلہ بالمثقل منہا یجب علیہ القصاص کما اذا ضربہ بعمود من صفر او رصاص۔[۴]

ظاہر الروایۃ کے مطابق لوہے کے لیے زخمی کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ اس کو قتل کے لیے بنایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے لوہے کو نازل کیا ہے اور اس میں سخت جنگی قوت ہے اسی طرح جو چیزیں لوہے کے مشابہ ہیں جیسے پیتل، سیسہ، سونا اور چاندی خواہ وہ کاٹیں یا توڑیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی وزنی چیز سے قتل کر دیا تو اس سے قصاص واجب ہوگا مثلاً پیتل یا سونے کے ستون سے قتل کر دیا۔

ان تمام حنفی فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ سیسہ کی چیز سے اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس میں قصاص ہے اور بندوق کی گولی بھی سیسہ کی ہوتی ہے۔

---

[۱] علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ، فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۳۰ مطبوعہ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

[۲] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۳۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ

[۳] علامہ محمد بن شہاب ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۴۰۴ مطبوعہ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

[۴] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۶ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

اور علامہ شامی نے بندوق کی گولی سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دینے کی تصریح بھی کی ہے لکھتے ہیں:

وعلی ھذا فالقتل بالبندقۃ الرصاص عمد لانھا من جنس الحدید وتجرح فیقتص به لکن اذا لم تجرح لا یقتص به علی روایۃ الطحاوی کما افادہ عن الشبلی۔[1]

اور ہر صورت میں بندوق کی گولی سے قتل کرنا قتل عمد ہے کیونکہ یہ بھی لوہے کی جنس سے ہے اور زخمی کرتی ہے اس لیے اس میں قصاص لیا جائے گا لیکن اگر یہ زخمی نہ کرے تو پھر امام طحاوی کی روایت کے مطابق اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا جیسا کہ علامہ طحاوی نے علامہ شبلی سے افادہ کیا ہے۔

نیز اگر بندوق وغیرہ کی گولی سے قصاص نہ لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اب قصاص کے حکم پر عمل کرنا معطل ہو جائے گا بلکہ مجرم قتل کرنے پر دلیر ہو جائیں گے کیونکہ ان کو یہ اطمینان ہو گا کہ بندوق وغیرہ کی گولی سے قتل کرنے میں قصاص نہیں ہے۔

مسئلہ قصاص میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ قاتل نے مقتول کو جس کیفیت سے قتل کیا ہے اس کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے گا الا یہ کہ اس نے غیر شرعی طریقہ مثلاً لواطت یا زنا سے قتل کیا ہو اس صورت میں اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (النحل: ۱۲۶) "اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔" نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم (البقرہ: ۱۹۴) "جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا اتنی ہی زیادتی کے ساتھ بدلہ لو جتنی زیادتی اس نے کی ہے۔" علامہ ابوبکر جصاص نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ ان آیات کے ظاہر پر عمل نہیں ہو سکتا، مثلاً کسی شخص نے ایک پتھر مار کر قتل کیا ہے اب اس کو پتھر کی ایک ضرب سے قتل کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور اگر زیادہ ضرب لگائیں گے تو مماثلت نہیں رہے گی، اس لیے اس کو تلوار سے قتل کر کے ہی قصاص لینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے: لا قود الا بالسیف "قصاص صرف تلوار سے لیا جائے۔"

ائمہ ثلاثہ کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ومن حرق حرقناہ ومن غرق غرقناہ "جس نے کسی کو آگ میں جلایا ہم اس کو آگ میں جلائیں گے اور جس نے کسی کو غرق کیا ہم اس کو غرق کر دیں گے۔"[2] اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں اور اس کو زیاد نے اپنے خطبہ میں بیان کیا تھا۔

قصاص لینے کے طریقہ میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ قاتل کے ساتھ وہی فعل کیا جائے جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل مشروع ہو اگر وہ مر گیا تو فبہا

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۴۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ورنہ اس کی گردن کاٹ دی جائے، کیونکہ قصاص کی بناء مساوات پر ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث "لا قود الا بالسیف" کی فنی حیثیت

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی فنی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جابر جعفی ضعیف راوی ہے البتہ ثوری اور شعبہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام طبرانی نے اس کو حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبدالکریم ہے جس کو ضعیف قرار دیا ہے، امام دار قطنی نے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، اس سند میں سلمان بن ارقم ہے یہ راوی متروک ہے، نیز امام دار قطنی نے اس کو حضرت علی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: لا قود في النفس وغيرها الا بحديدة "جان وغیرہ کے بدلہ میں صرف دھاردار ہتھیار سے قصاص لیا جائے" اس سند میں معلی بن ہلال ہے اور یہ متروک راوی ہے۔ [2]

فقہاء احناف کے نزدیک قصاص لینے میں بالخصوص تلوار مراد نہیں ہے

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ تلوار سے مراد ہتھیار ہیں اور اس کی تائید حضرت علی کی روایت سے ہوتی ہے (جس کا ابھی دار قطنی کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے) تاج الشریعۃ نے کہا ہے کہ صحابہ نے بھی تلوار سے ہتھیار ہی سمجھے ہیں، کیونکہ ہتھیار بھی کاٹتے ہیں اور یہ دلالۃ النص سے استدلال ہے جیسا کہ اف کہنے کی حرمت سے مارنا حرام ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب یہ کہتے تھے کہ قصاص صرف ہتھیاروں سے لیا جائے کیونکہ قصاص لینے میں خنجر اور چھری کی طرح دھار والے لوہے کے ہتھیار مراد ہیں اور ہتھیاروں کو تلوار سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قتال کے لیے ہتھیاروں میں خصوصیت کے ساتھ تلوار کو استعمال کیا جاتا تھا اور باقی ہتھیاروں سے قتال کے علاوہ دوسرے کام بھی مقصود ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بعثت بالسيف بين يدي الساعة "میں قیامت تک کے لیے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں" اس حدیث میں تلوار سے مراد ہتھیار اور آلہ قتال ہیں۔ [3]

ہم اس سے پہلے علامہ سرخسی حنفی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں تلوار سے مراد آلہ قتل ہے اور علامہ عینی حنفی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس حدیث میں تلوار سے مراد آلہ قتل ہے۔ نیز علامہ طحطاوی اور علامہ شامی کے حوالوں سے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ بندوق وغیرہ کی گولی سے قتل میں بھی قصاص ہے اور اس مسئلہ میں بھی فقہاء احناف نے اسی حدیث پر اعتماد کیا ہے۔ ان تمام صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ بالخصوص تلوار سے قصاص لینا ضروری نہیں ہے، تلوار، نیزہ، پستول اور بندوق کسی آلہ قتل سے بھی قاتل کو قتل کر دیا جائے تو فقہاء احناف کے نزدیک یہ قصاص صحیح ہے۔ البتہ پستول اور بندوق کی گولی میں تلوار کی طرح سرعت اور سہولت نہیں ہے الا یہ کہ مقتول کی کنپٹی پر پستول رکھ کر گولی ماری جائے۔

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۶۳، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[2] علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، البنایہ شرح الہدایہ الجزء الرابع ص ۲۵۱ مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ

[3] " " " " البنایہ شرح الہدایہ الجزء الرابع ص ۲۵۳-۲۵۲

مقصلہ اور برقی کرسی کے ذریعہ قصاص لینے کی تحقیق

اب ایک سوال یہ ہے کہ کیا مقصلہ (ہلاک کرنے کا ایک آلہ اس کے سر پر ایک چھرا ہوتا ہے جو مجرم کے سر پر گر کر اس کو کاٹ ڈالتا ہے) اور بجلی کی کرسی کے ذریعہ اگر قاتل کو قتل کیا جائے تو کیا اس سے قصاص کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے؟ علامہ عبدالقادر عودہ مصری اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیا تلوار سے زیادہ سریع القتل آلہ کے ذریعہ قصاص لینا جائز ہے؟ تلوار کے ذریعہ قصاص لینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سریع القتل ہے اور درد اور عذاب کے بغیر سہولت کے ساتھ قاتل کی موت حاصل ہو جاتی ہے۔ سو اگر کوئی ایسا آلہ دستیاب ہو جائے جو تلوار سے زیادہ سریع القتل ہو اور اس میں سہولت اور آسانی بھی تلوار سے زیادہ ہو اور اس سے جان لینے میں تلوار کی نسبت کم درد اور کم تکلیف ہو تو شریعت میں اس کو استعمال کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔ اس لیے مقصلہ، برقی کرسی اور دیگر جدید آلات قتل کے ذریعہ قصاص لینے میں از روئے شرع کوئی حرج نہیں ہے۔ مقصلہ اس لیے جائز ہے کہ وہ دھار والا آلہ ہے اور برقی کرسی اس لیے جائز ہے کہ وہ تلوار کی بہ نسبت سرعت سے کام تمام کر دیتی ہے اور اس سے تلوار کی بہ نسبت اذیت اور تکلیف کم ہوتی ہے۔[1]

پھانسی کے ذریعہ قصاص لینے کی تحقیق

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے، سو جب تم قتل کرو تو احسان کے ساتھ قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو احسان کے ساتھ ذبح کرو اور چاہیے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام کے ساتھ ذبح کرے۔[2] اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو بھی عمدگی اور آرام کے ساتھ ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو انسان جو مکرم اور محترم ہے اس کو قتل کرنے میں احسان اور آرام کیونکر نہ ملحوظ ہوگا۔[3]

مصری علماء حدیث لاقود الا بالسیف "صرف تلوار سے قصاص لیا جائے" اور فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ۔ "جب تم کسی کو قتل کرو تو احسان کے ساتھ قتل کرو" کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان احادیث سے دو چیزیں بصراحت ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ تلوار سے قصاص لینا واجب ہے۔ دوسری یہ کہ جو چیز آسانی اور سہولت میں تلوار کی مثل نہ ہو اس سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے دلالت النص کے طریقہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز سے قتل کرنا تلوار کی بہ نسبت زیادہ آسانی اور سرعت کے ساتھ ہو اس سے قتل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ تلوار کے ساتھ وجوب قصاص کی علت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سرعت اور سہولت سے جان نکل جاتی ہے پس اگر کوئی چیز تلوار سے زیادہ آسانی اور سرعت کے ساتھ جان نکالنے کا ذریعہ ہو تو اس سے قتل کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور یہ دلالت النص سے استدلال ہے (جیسا کہ قرآن مجید نے ماں باپ کو اف کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں ایذاء ہے تو

---

[1] علامہ عبدالقادر عودہ مصری، التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۶۱-۶۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[3] علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ ھ، تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۰۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

ماں باپ کو گالی دینا اور مارنا بطریق اولیٰ ممنوع ہے) اور اب اگر قتل کا کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جو پہلے معروف نہیں تھا اور جان نکالنے کا وہ ذریعہ تلوار سے زیادہ سرعت اور سہولت والا ہو تو اس حدیث کی دلالت النص سے اس ذریعے سے قتل کرنا جائز ہوگا اور لاقود الا بالسیف میں حصر اضافی ہے یعنی تلوار کے سوا ان چیزوں سے قصاص نہ لیا جائے جن میں تلوار کی طرح سرعت اور سہولت نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے ان دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جان نکالنے کا جو ذریعہ تلوار سے زیادہ سرعت اور سہولت والا ہو اس کے ذریعہ جان نکالنا نہ صرف جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ بنا بریں پھانسی کے ذریعہ جان نکالنا چونکہ تلوار سے زیادہ سرعت اور سہولت والا طریقہ ہے اس لیے فقہاء احناف کے ان دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ پھانسی کے ذریعہ بھی قصاص لینا جائز ہو۔[1]

آلات قصاص میں مصنف کی تحقیق

یہ بات ملحوظ رہے کہ جس طرح مصری علماء نے حدیث لاقود الا بالسیف میں دلالت النص سے پھانسی کے ذریعہ قتل کرنے پر استدلال کیا ہے اسی طرح علامہ عینی حنفی نے بھی دلالت النص سے تلوار کے علاوہ دیگر ہتھیاروں سے قتل کرنے پر استدلال کیا ہے جس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث لاقود الا بالسیف میں فقہاء احناف کے نزدیک تلوار میں حصر نہیں ہے بلکہ اس سے ہر وہ آلہ قتل مراد ہے جس سے آسانی اور سہولت اور سرعت کے ساتھ قتل حاصل ہو جائے، لہٰذا مقصلہ، برقی کرسی اور گیس چیمبر کے ذریعہ قصاص لینا جائز ہے، البتہ پھانسی میں ہمارے نزدیک تلوار سے زیادہ اذیت ہے۔

سائنس کی ترقی اور نت نئی ایجادات سے آج ہم زندگی اور عبادات کے تمام شعبوں میں فائدہ اٹھا رہے ہیں، اذان لاؤڈ سپیکر پر دی جاتی ہیں، مساجد میں بجلی کی روشنی میں نماز پڑھی جاتی ہے، گھڑیوں کے حساب سے نماز کے اوقات کا تعین کیا جاتا ہے۔ افطار اور سحر میں سائرن پر اعتماد کیا جاتا ہے، ریڈیو اور ٹی، وی پر رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کے اعلان پر رمضان اور عید کا تعین ہوتا ہے، ذرائع سفر میں اونٹ اور بیل گاڑیوں کی بجائے ریل اور ہوائی جہاز پر سفر کیا جاتا ہے، میزان میں صاع اور مد کے بجائے جدید آلات میزان کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور بیماریوں میں میڈیکل سائنس کے ترقی یافتہ طریقہ ہائے علاج مثلاً سرجری وغیرہ سے استفادہ کیا جاتا ہے اور جب ہم عبادات اور معیشت کے دوسرے تمام شعبوں میں سائنس کی ترقی یافتہ ایجادات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ قاتل سے قصاص لینے میں برقی کرسی اور دیگر زیادہ سرعت اور سہولت والے آلات کو اختیار نہ کیا جائے جب کہ ان آلات کا استعمال ہمارے فقہاء کے بیان کردہ قواعد کے عین مطابق ہے۔

دیکھئے امام ابوحنیفہ کے موقف کے مطابق قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب تلوار یا دھار والی چیز سے قتل کیا گیا ہو لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے جب یہ دیکھا کہ ان کے زمانہ میں قتل کرنے کا معروف آلہ بندوق ہے تو انہوں نے بندوق کی گولی سے قتل کرنے پر بھی قصاص کو واجب قرار دیا، حالانکہ بندوق کی گولی دھار والی چیز نہیں ہے وہ جسم کو کاٹتی نہیں بلکہ پھاڑتی ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے جیسا کہ علامہ سرخسی اور علامہ عینی نے بیان کیا ہے

---

[1] الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ، ج ۳ ص ۹۶۵-۹۶۴، مطبوعہ القاہرہ، ۱۴۰۱ھ

کہ چونکہ اس زمانہ میں قتل کرنے کا عام اور معروف آلہ تلوار تھی اس لیے فقہاء نے یہ کہا کہ صرف تلوار یا دھار والی چیز سے قتل پر قصاص واجب ہوگا اور علامہ طحطاوی اور علامہ شامی کے زمانہ میں قتل کا عام اور معروف ذریعہ بندوق تھی اس لیے انھوں نے بندوق کی گولی سے قتل پر بھی قصاص کو واجب قرار دیا۔ علیٰ ہذا القیاس پہلے غیر ترقی یافتہ زمانے میں سرعت اور سہولت کے ساتھ قتل کرنے کا آلہ صرف تلوار تھی اس لیے فقہاء نے قصاص لینے کے لیے تلوار یا دوسرے دھار والے آلات کو خاص کر لیا لیکن اب سائنس کی روزافزوں ترقی سے برقی کرسی، گیس چیمبر اور دیگر زیادہ سرعت اور سہولت والے آلات قتل ایجاد ہو چکے ہیں، اس لیے ان آلات کے ذریعہ قصاص لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ تلوار کی بہ نسبت اولیٰ اور انسب ہے۔ البتہ پھانسی میں ہمارے نزدیک تلوار سے زیادہ اذیت ہے۔

کیا اس زمانے میں قصاص لینے کا عمل حکومت کے سپرد کیا جا سکتا ہے؟

علامہ عبدالقادر عودہ مصری لکھتے ہیں کہ: فقہاء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ زخم کا قصاص لینے کے لیے ولی سے نہ کہا جائے کیونکہ زخموں میں قصاص لینا انتہائی علم اور گہرائی پر مبنی ہے کہ زخمی کرنے والے کو زیادہ زخم یا زیادہ عذاب نہ پہنچ جائے۔ اس لیے فقہاء نے کہا ہے زخم کا قصاص لینے کے لیے زخمی کے ولی کسی واقف کار اور ماہر شخص (جراح) کو اپنا وکیل بنا دیں اور وہ ان کی طرف سے قصاص لے۔ اور اگر یہ لوگ حکومت کے خزانے سے اس عمل کی اجرت لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ولی اگر جان کا بدلہ آلہ قاطعہ سے اچھی طرح لے سکتا ہے تو یہ قصاص لینا ولی کا حق ہے لیکن ولی کا قصاص لینا اس پر موقوف ہے کہ وہ آلہ قصاص کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہو اور قصاص لینے پر قادر ہو، پہلے زمانے میں لوگ ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے اور ان کو اچھی طرح استعمال کرتے تھے۔ لیکن اب ایسے لوگ بہت کم ہیں جو تلوار کے استعمال سے بخوبی واقف ہوں بلکہ اب کسی شہر یا بستی میں ایک تلوار بھی نہیں ملے گی جو استعمال کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ مقصلہ، پھانسی اور بجلی کی کرسی تلوار کی بہ نسبت زیادہ سرعت کے ساتھ موت واقع کر دیتے ہیں اور عام لوگوں کے لیے ان کو استعمال کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ آلات حکومت کی تحویل میں رہتے ہیں اور ان تمام امور کا لحاظ کرنے کے بعد یہ قول ناگزیر ہے کہ اس زمانہ میں بربناء ضرورت طریقہ قدیمہ کے مطابق قصاص لینے کا کام ولی کے سپرد نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ولی کی طرف سے قصاص لے اور مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو یہ چاہیے کہ اگر وہ قصاص لینا چاہتے ہیں تو حکومت کو قصاص لینے کی اجازت دیں اور اگر وہ مقتول کا خون معاف کرنا چاہتے ہیں تو حکومت کو قصاص لینے سے منع کر دیں۔ [1]

---

[1] علامہ عبدالقادر عودہ مصری، التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

بَابُ الصَّائِلِ عَلٰی نَفْسِ الْاِنْسَانِ اَوْ عُضْوِہٖ اِذَا دَفَعَہُ الْمَصُوْلُ عَلَیْہِ فَاَتْلَفَ نَفْسَہٗ اَوْ عُضْوَہٗ لَا ضَمَانَ عَلَیْہِ

جب کوئی شخص حملہ آور کی مدافعت کرتے ہوئے اس کی جان یا اس کے کسی عضو کو ہلاک کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے

۴۲۵۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَ ابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ زُرَارَۃَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَاتَلَ یَعْلَی بْنُ مُنْیَۃَ اَوْ اِبْنُ اُمَیَّۃَ رَجُلًا فَعَضَّ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ فَانْتَزَعَ یَدَہٗ مِنْ فَمِہٖ فَنَزَعَ ثَنِیَّتَہٗ وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی ثَنِیَّتَیْہِ فَاخْتَصَمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیَعَضُّ اَحَدُکُمْ کَمَا یَعَضُّ الْفَحْلُ لَا دِیَۃَ لَہٗ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یعلی بن منیہ یا یعلی بن امیہ کی ایک شخص سے لڑائی ہوئی تو ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر دانتوں سے کاٹ لیا۔ دوسرے شخص نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت نکل گئے۔ ابن مثنیٰ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان دونوں نے مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ایک دوسرے کو اس طرح کاٹتے ہو جس طرح اونٹ کاٹتا ہے۔ اس کی دیت نہیں ہے۔

۴۲۵۴ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ عَطَآءٍ عَنِ ابْنِ یَعْلٰی عَنْ یَعْلٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ۔

امام مسلم نے ایک اور سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کی مثل حدیث حضرت یعلی سے روایت کی ہے۔

۴۲۵۵ - حَدَّثَنِیْ اَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِیُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ یَعْنِی ابْنَ ہِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَتَادَۃَ عَنْ زُرَارَۃَ بْنِ اَوْفٰی عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلًا عَضَّ ذِرَاعَ رَجُلٍ فَجَذَبَہٗ فَسَقَطَتْ ثَنِیَّتُہٗ فَرُفِعَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَبْطَلَہٗ وَقَالَ اَرَدْتَّ اَنْ تَاْکُلَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی کلائی پر دانتوں سے کاٹ لیا اس شخص نے اپنی کلائی کھینچی تو کاٹنے والے کے سامنے کے دانت گر گئے اس شخص نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے اس کے دعویٰ کو باطل کر دیا اور فرمایا تم اس کا گوشت کھانا چاہتے تھے؟

لَحْمَهُ .

۴۲۵۶ - حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ بُدَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى أَنَّ أَجِيرًا لِيَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ عَضَّ رَجُلٌ ذِرَاعَهُ فَجَذَبَهَا فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتُهُ فَرُفِعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَلَهَا وَقَالَ أَرَدْتَ أَنْ تَقْضَمَهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ .

حضرت صفوان بن یعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یعلی بن منیہ کے ایک نوکر کی کلائی کو کسی شخص نے دانتوں سے کاٹ لیا اس نے اپنی کلائی کو کھینچا تو اس شخص کے سامنے کے دانت گر گئے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے اس کے دعویٰ کو باطل کر دیا۔ اور فرمایا: کیا تم اونٹ کی طرح اس کا ہاتھ چبا ڈالنا چاہتے تھے؟ ۔

۴۲۵۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ حَدَّثَنَا قُرَيْشُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَانْتَزَعَ يَدَهُ فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتُهُ أَوْ ثَنَايَاهُ فَاسْتَعْدَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْمُرُنِي تَأْمُرُنِي أَنْ آمُرَهُ أَنْ يَدَعَ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ ادْفَعْ يَدَكَ حَتَّى يَعَضَّهَا ثُمَّ انْتَزِعْهَا .

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ لیا اس شخص نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کاٹنے والے کے سامنے کے دانت گر گئے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس سے یہ کہوں کہ وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں رکھے اور پھر تم اونٹ کی طرح اس کے ہاتھ کو چبا ڈالو! چلو تم اپنا ہاتھ اس کے منہ میں رکھو وہ اس کو چبائے گا پھر تم اپنا ہاتھ کھینچ لینا۔

۴۲۵۸ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَقَدْ عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَانْتَزَعَ يَدَهُ فَسَقَطَتْ ثَنِيَّتَاهُ يَعْنِي الَّذِي عَضَّهُ قَالَ فَأَبْطَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَرَدْتَ أَنْ تَقْضَمَهُ كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ .

یعلی بن منیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا درآں حالیکہ اس نے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ لیا تھا۔ اس آدمی نے اپنا ہاتھ کھینچا اور اس کے یعنی کاٹنے والے کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دعویٰ کو باطل کر دیا اور فرمایا تم اس کے ہاتھ کو اونٹ کی طرح چبانا چاہتے تھے!

۴۲۵۹ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوكَ قَالَ وَكَانَ يَعْلَى يَقُولُ تِلْكَ الْغَزْوَةُ أَوْثَقُ عَمَلِي عِنْدِي فَقَالَ عَطَاءٌ قَالَ صَفْوَانُ قَالَ يَعْلَى كَانَ لِي أَجِيرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ قَالَ لَقَدْ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ أَيُّهُمَا عَضَّ الْآخَرَ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِّ فَانْتَزَعَ إِحْدَى ثَنِيَّتَيْهِ فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ۔

صفوان بن یعلی بن امیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے صرف اس عمل پر ہی سب سے زیادہ بھروسہ تھا (کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد تھا) صفوان کہتے ہیں کہ حضرت یعلیٰ نے کہا کہ میرا ایک نوکر تھا اس کی کسی شخص سے لڑائی ہوگئی ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ صفوان کہتے ہیں کہ مجھے حضرت یعلیٰ نے بتایا تھا کہ کس نے کس کے ہاتھ پر کاٹا تھا پس جس کے ہاتھ پر کاٹا گیا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا جس کی وجہ سے اس کے سامنے کے دانتوں میں سے ایک دانت گر گیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے اس کے دانت کی دیت ساقط کر دی۔

۴۲۶۰ - وَحَدَّثَنَاهُ عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

اس واقعہ کی تحقیق کہ ہاتھ حضرت یعلیٰ کا کاٹا گیا تھا یا ان کے نوکر کا؟

اس باب کی احادیث میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ پر دوسرے شخص نے دانتوں سے کاٹ لیا تھا لیکن کس نے کس کے ہاتھ پر کاٹا تھا اس کی تعیین اور تشخیص کا ذکر نہیں ہے۔ حدیث نمبر ۴۲۵۶ میں اس کی وضاحت ہے کہ حضرت یعلیٰ کے نوکر کے ہاتھ پر کسی نے کاٹ لیا تھا اور حدیث نمبر ۴۲۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کاٹنے والے شخص خود حضرت یعلیٰ تھے یا کوئی اور شخص تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں صحیح مسلم اور سنن نسائی میں یہ روایت ہے کہ ''یعلی کے نوکر کے ہاتھ پر کسی شخص نے کاٹ لیا'' اور سنن نسائی کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: حضرت یعلیٰ نے کہا ''میرے نوکر کی کسی سے لڑائی ہوئی اور اس کو دوسرے شخص نے کاٹ لیا'' اور سنن نسائی میں صفوان بن یعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ''ان کی ایک شخص سے لڑائی ہوئی اور ایک شخص نے دوسرے شخص کے ہاتھ پر کاٹ لیا جس سے اس کے ہاتھ میں تکلیف ہوئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاٹنے والے حضرت یعلیٰ بن امیہ تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت یعلیٰ نے تمام روایات میں کاٹنے والے کا نام مخفی رکھا اور اس کو کنایہ سے تعبیر کیا۔

علامہ قرطبی نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ کاٹنے والے حضرت یعلیٰ تھے۔ انھوں نے کہا اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے نوکر سے لڑنے والے خود حضرت یعلیٰ تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت یعلیٰ کے نوکر نے کسی دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ لیا اور یہی بات زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت یعلیٰ کی جلالت قدر کو دیکھتے ہوئے یہ بہت نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہاتھ کاٹا ہو۔ حافظ ابن حجر اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ کاٹنے والا حضرت یعلیٰ کا نوکر تھا۔ البتہ اشتباہ اس سے ہوتا ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ "حضرت یعلیٰ کے نوکر کے ہاتھ پر کسی شخص نے کاٹ لیا" اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کاٹنے والا حضرت یعلیٰ کے علاوہ کوئی اور شخص تھا۔ رہا علامہ قرطبی کا یہ کہنا کہ حضرت یعلیٰ کی جلالت قدر کو دیکھتے ہوئے یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کاٹا ہو تو یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حدیث صحیح میں اس کی تصریح آچکی ہے کہ کاٹنے والے حضرت یعلیٰ تھے اور ہو سکتا ہے کہ یہ فعل ان سے اوائل اسلام میں سرزد ہوا ہو، پس اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں صحیح مسلم میں یہ تصریح ہے کہ حضرت یعلیٰ کے نوکر کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس سے متبین ہو گیا کہ کاٹنے والے خود حضرت یعلیٰ تھے۔ [2]

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ صحیح اور معروف یہ ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ حضرت یعلیٰ کے نوکر تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو واقعے ہوں ایک مرتبہ حضرت یعلیٰ کے نوکر کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اور دوسری مرتبہ خود حضرت یعلیٰ کا۔ [3]

کاٹنے والے کے منہ سے ہاتھ چھڑانے میں اگر کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ جائیں تو فقہاء احناف اور شوافع کے نزدیک تاوان نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص کا ہاتھ کسی نے دانتوں سے کاٹ لیا اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا جس سے کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ کر گر گئے اور اس کا جبڑا ٹوٹ گیا تو اس پر کسی قسم کا تاوان یا دیت نہیں ہے۔ جمہور فقہاء کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ امام مالک کہتے ہیں کہ ہاتھ کھینچنے والا دانت کا ضامن ہو گا۔ [4]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] علامہ یحیی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[4] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج [illegible] ص ۱۰۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

منہ سے ہاتھ چھڑاتے میں اگر کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ جائیں تو امام مالک کے نزدیک تاوان ہے

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ جس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اور اس کے ہاتھ کھینچنے سے کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ جائیں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کاٹنے والا ضامن ہوگا۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور انھوں نے کہا ہے کہ حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب ہاتھ کا چھڑانا صرف اسی طرح ممکن ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ شاید اس کے دانت ہل رہے تھے پس کھینچنے کے اثر سے گر گئے۔ —— اور الفاظ حدیث کے اعتبار سے یہ تاویل بہت بعید ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہاتھ کھینچنے والے پر ضمانت نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ہمارے محققین علماء نے یہ کہا ہے کہ جب آسانی سے ہاتھ چھڑایا جا سکتا ہو اور کوئی شخص زیادہ زور سے ہاتھ چھڑائے جس کی وجہ سے کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ جائیں تو وہ ضامن ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔[1]

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: اگر کسی آدمی نے کسی شخص کا ہاتھ کاٹ لیا اور اس نے کاٹنے والے کے منہ سے ہاتھ کھینچ کر قصداً اس کا دانت اکھاڑ دیا تو اس کے مال سے دانت کی دیت ادا کی جائے گی۔ اگر اس نے اس آدمی کا دانت اکھاڑنے کا قصد نہیں کیا تھا اور دانت اکھاڑے بغیر اس کے لیے ہاتھ چھڑانا ممکن نہیں تھا تو اس پر کوئی دیت اور ضمانت نہیں ہے —— اور حدیث شریف میں جو اس صورت کے اندر دیت کی نفی کی گئی ہے اس کا بھی یہی محمل ہے۔[2]

امام مالک کی طرف سے توجیہات حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس صورت میں دیت واجب کرنے کی مالکی علماء سے متعدد توجیہات نقل کی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس شخص کے دانت کا ذکر ہے اس کا دانت ہل رہا تھا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے اس میں کسی عام حکم کا ذکر نہیں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس شخص کے لیے بغیر اس کا دانت اکھاڑے ہاتھ چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ یحییٰ بن عمر نے کہا: اگر امام مالک کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے اور علامہ ابن بطال نے کہا اگر امام مالک کو یہ حدیث مل جاتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ اور داؤدی نے کہا امام مالک نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا، کیونکہ یہ اہل عراق کی روایات سے ہے اور ابو عبد الملک نے کہا شاید یہ روایت امام مالک کے نزدیک صحیح نہیں تھی، کیونکہ یہ اہل مشرق کی روایت ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس توجیہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث سند صحیح سے ثابت ہے۔[3]

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[2] علامہ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر مالکی، الشرح الصغیر ج ۴ ص ۵۰۶، مطبوعہ دار المعارف مصر، ۱۹۷۴ء۔

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

فقہاء حنبلیہ کا مسلک

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر ایک آدمی نے کسی شخص کا ہاتھ دانتوں سے کاٹ لیا اور اس شخص نے اپنا ہاتھ دانتوں سے کھینچ لیا جس سے اس کے دانت گر گئے تو اس پر کوئی ضمانت نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔[1]

قرآن اور سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی جان اور مال پر حملہ کرنے والے کا حکم

اس حدیث کی روشنی میں فقہاء نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی جان یا مال پر حملہ کرے اور وہ اپنی مدافعت میں اور جان اور مال کی حفاظت کرتے ہوئے اس شخص کو ہلاک کر دے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دے تو اس پر کوئی دیت یا ضمان نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔

(بقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم (بھی) اتنی زیادتی کے ساتھ اس زیادتی کا بدلہ لو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔

اور امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارایت ان جاء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطہ مالک قال ارایت ان قاتلنی قال قاتلہ قال ارایت ان قتلنی قال فانت شھید قال ارایت ان قتلتہ قال ھو فی النار۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص میرا مال لینے کے لیے آئے؟ آپ نے فرمایا اس کو اپنا مال مت دو۔ انھوں نے کہا یہ فرمائیے اگر وہ مال لینے کے لیے مجھ سے لڑے؟ آپ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو انھوں نے کہا یہ فرمائیے کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا تم شہید ہو، انھوں نے کہا اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو قال اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قتل دون مالہ فھو شھید۔[3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔

---

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[3] 〃 〃 〃 〃 صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۱، 〃 〃 〃 〃

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک مسلمان پر حملہ کرنے والے کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر ایک آدمی نے کسی شخص کو قتل کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس کے گھر پر حملہ کیا تھا اور اس آدمی کے لیے اس شخص کو قتل کیے بغیر اس سے اپنا دفاع کرنا ممکن نہیں تھا تو بغیر گواہوں کے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اس پر قصاص لازم ہوگا۔ خواہ وہ شخص چوری اور آوارگی کے ساتھ معروف ہو یا نہ ہو۔ اور اگر گواہوں نے اس پر گواہی دی کہ انھوں نے ہتھیاروں کے ساتھ اس شخص کو اس آدمی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر اس آدمی نے اس شخص کو قتل کر دیا تو اس شخص کا خون رائیگاں ہوگا۔ (یعنی اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا) اور اگر گواہوں نے صرف اس شخص کے داخل ہونے کی گواہی دی یا کسی غیر معروف ہتھیار کا ذکر کیا تو اس کا قصاص ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کسی کام سے گیا ہو اور محض کسی شخص کے گھر میں داخل ہونے کی گواہی سے اس کا قصاص ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو زخمی کر دیا اور ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنے دفاع میں دوسرے کو زخمی کیا ہے تو ہر ایک سے دوسرے کے خلاف حلف لیا جائے گا اور ہر ایک پر زخم کی دیت ہوگی کیونکہ ہر ایک دوسرے کے دعویٰ کا انکار کرتا ہے۔ [۱]

فقہاء احناف کے نزدیک مسلمان کی جان اور اس کے مال پر حملہ کرنیوالے کا حکم

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں:

جس شخص نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی ان پر اس کو قتل کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من شهر على المسلمين سيفا فقد اطل دمه۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۴ مطبوعہ نور محمد، مستدرک ج ۲ ص ۱۵۹ مطبوعہ مکتبۃ المکرمہ) "جس شخص نے مسلمانوں کے اوپر تلوار سونتی اس کا خون رائیگاں ہے"۔ نیز وہ شخص باغی ہے اور بغاوت کی وجہ سے اس کے خون کی عصمت ساقط ہو گئی۔ اور اس لیے بھی کہ اپنی جان کا دفاع کرنے کے لیے اس کو قتل کرنا متعین ہو گیا۔ امام محمد نے الجامع الصغیر میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں پر اس شخص کو قتل کرنا واجب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرر کو دفع کرنا واجب ہے۔ اور الجامع الصغیر کے باب السرقہ میں لکھا ہے کہ جو شخص کسی آدمی پر رات یا دن میں ہتھیار اٹھائے یا شہر میں رات کے وقت اس پر لاٹھی اٹھائے یا غیر شہر میں دن کے وقت اس پر لاٹھی اٹھائے اور وہ اس ہتھیار یا لاٹھی اٹھانے والے کو عمداً قتل کر دے تو اس پر کوئی تاوان یا سزا نہیں ہے کیونکہ ہتھیار ہلاک کرنے میں دیر نہیں کرتے، اس لیے اپنے دفاع میں اس کو قتل کرنے کی ضرورت ہے اور چھوٹی لاٹھی ہرچند کہ دیر سے ہلاک کرتی ہے لیکن رات کے وقت اس کو مدد نہیں پہنچ سکتی، اس لیے اپنے دفاع میں وہ اس کو قتل کرنے پر مجبور ہے اسی طرح غیر شہر میں دن کے وقت بھی اس کو مدد پہنچنا مشکل ہے، لہٰذا اس آدمی نے اگر اس شخص کو قتل کر دیا تو اس کا

[۱] علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

خون رائیگاں ہے۔ [1]

علامہ بابرتی حنفی نے لکھا ہے کہ لکڑی اور بڑا پتھر بھی ہتھیار کے حکم میں ہے۔ [2]

اور مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کے متعلق علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص رات کے وقت کسی کے ہاں داخل ہوا اور چوری کر کے مال نکالا اور صاحب مال نے اس کا پیچھا کر کے اس کو قتل کر دیا تو اس پر کوئی تاوان یا سزا نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاتل دون مالك (صحیح بخاری ج ا ص ۳۳۶) "اپنے مال کی حفاظت کے لیے جنگ کرو" نیز اس لیے کہ ابتداءً اپنے مال کے دفاع میں اس کو قتل کرنا مباح تھا اسی طرح انتہاءً اپنے مال کو واپس کرنے کے لیے بھی اس کو قتل کرنا جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس کو قتل کیے بغیر اپنا مال واپس نہ لیا جا سکے۔ [3]

علامہ جلال الدین خوارزمی نے کہا ہے جب اس کو ڈرا دھمکا کر مال واپس لیا جا سکتا ہو اس کے باوجود وہ اس کو قتل کر دے تو وہ اس کے قتل کا ضامن ہوگا۔ [4]

بَابُ ۵۴۸ اِثْبَاتِ الْقِصَاصِ فِی الْاَسْنَانِ وَمَا فِیْ مَعْنَاهَا

دانت وغیرہ میں قصاص کا حکم

۱۶۷۲ ۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ اَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُخْتَ الرُّبَیِّعِ اُمَّ حَارِثَةَ جَرَحَتْ اِنْسَانًا فَاخْتَصَمُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْقِصَاصَ الْقِصَاصَ فَقَالَتْ اُمُّ الرُّبَیِّعِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُقْتَصُّ مِنْ فُلَانَةَ وَاللّٰهِ لَا یُقْتَصُّ مِنْهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ یَا اُمَّ الرُّبَیِّعِ الْقِصَاصُ کِتَابُ اللّٰهِ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ لَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع کی بہن ام حارثہ نے کسی انسان کو زخمی کر دیا، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدلہ لیا جائے گا، بدلہ لیا جائے گا، ربیع کی ماں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا فلاں سے بدلہ لیا جائے گا؟ بخدا اس سے بدلہ نہیں لیا جائے گا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! اے ربیع کی ماں! قصاص (بدلہ) کتاب اللہ (کا حکم) ہے۔ انھوں نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! اس سے کبھی بدلہ نہیں لیا جائے گا؛ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مسلسل یہی کہتی رہی حتیٰ کہ وہ لوگ دیت پر راضی ہو گئے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۶۸ ۔ ۵۶۷، مطبوعہ شرکۃ علمیہ ملتان

[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ مع فتح القدیر ج ۹ ص ۱۴۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳، ہدایہ اخیرین ص ۵۶۹ ۔ ۵۶۸ مطبوعہ شرکۃ علمیہ ملتان

[4] علامہ جلال الدین خوارزمی کرلانی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۹ ص ۱۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

يُقْتَصُّ مِنْهَا اَبَدًا قَالَ فَمَا زَالَتْ حَتّٰى قَبِلُوا الدِّيَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ.

نے فرمایا: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پورا کر دیتا ہے۔

حکم رسالت مآب کے بعد حضرت رُبیع کی ماں کے اختلاف کرنے کی توجیہات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع کی ماں سے فرمایا: کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے اس سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: والجروح قصاص مائدہ: ۴۵) "اور زخموں کا بدلہ ہے" یا اس کی طرف اشارہ ہے: والسن بالسن (مائدہ: ۴۵) "اور دانت کا بدلہ دانت ہے" یا اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (نحل: ۱۲۶) "اگر تم سزا دو تو اتنی سزا دو جتنی سزا تم کو دی گئی تھی۔"

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُبیع کی ماں سے کہا کہ ان کی بہن ام حارثہ سے قصاص لیا جائے گا تو انھوں نے قسم کھا کر کہا بخدا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا! اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار کس طرح کیا، اور کیا یہ جائز تھا؟ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد اس بات کی تاکید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے ام حارثہ کی شفاعت کریں تاکہ وہ لوگ قصاص معاف کر دیں۔ (ام حارثہ نے کسی کا دانت توڑ دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲ میں ہے) دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ قصاص لازمی حکم ہے وہ سمجھتی تھیں کہ ان کو قصاص، دیت اور معافی کے درمیان اختیار ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے انکار اور رد کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر توقع کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ قصاص لینے والوں کے دلوں میں رحم پیدا کر دے اور وہ دیت لینے یا معاف کر دینے پر راضی ہو جائیں۔ علامہ طیبی نے کہا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر یہ یقین و اعتماد تھا کہ وہ ان کو ان کی قسم میں ناکام اور نامراد نہیں کرے گا بلکہ قصاص لینے والوں کے دلوں میں معافی کو پیدا کر دے گا اور فی الواقع وہی ہوا جس کا انھوں نے ارادہ کیا تھا۔

کرامات اولیاء اور دیگر مسائل

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو جس چیز کے واقع ہو جانے کا غلبہ ظن ہو اس پر قسم کھا سکتا ہے اور جب کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو انسان کے سامنے اس کی تعریف کی جا سکتی ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ قصاص کو معاف کر دینا مستحب ہے اور قصاص میں شفاعت کرنا بھی مستحب ہے، اور بدلہ معاف کرنے کے لیے بھی شفاعت کرنی چاہیے اور یہ کہ جس کو قصاص لینے کا حق ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لے یا دیت، یا معاف کر دے اور یہ معلوم ہوا کہ عورتیں اگر کسی کو زخمی کر دیں یا اس کا دانت توڑ دیں تو ان سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اس میں دیت پر صلح کرنے اور دانت توڑنے کی وجہ سے قصاص لینے کا ثبوت ہے اسی طرح دانت جبڑے سے اکھیڑ دیا جائے تو اس میں بھی قصاص کا ثبوت ہے بشرطیکہ اس کی تعیین اور مثلیت ممکن ہو۔

لہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں کرامات اولیاء کا ثبوت ہے۔ [1] کیونکہ حضرت ربیع کی ماں نے جس چیز کی قسم کھائی تھی، اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی کر دیا اور ان کی مراد پوری کر دی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں تعارض کے جوابات

اس قصہ میں امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں تین تعارض واقع ہوئے ہیں۔

(۱)۔ مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ ربیع کی بہن نے جنایت کی تھی اور بخاری کی اکثر روایات میں یہ ہے کہ خود ربیع نے جنایت کی تھی۔

(۲)۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ زخمی کیا تھا اور بخاری کی روایت میں ہے کہ سامنے کے دانت توڑ دیے تھے۔

(۳)۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ربیع کی ماں نے حلف اٹھایا تھا اور بخاری کی اکثر روایات میں ہے کہ حضرت انس بن مالک کے چچا اور ربیع کے بھائی حضرت انس بن نضر نے حلف اٹھایا تھا۔

پہلے تعارض کے جواب میں علامہ نووی، علامہ کرمانی اور علامہ درشتانی نے یہ لکھا ہے کہ یہ دو مختلف قصے ہیں ایک قصہ میں ربیع کی بہن نے کسی کو زخمی کر دیا اور دوسرے قصے میں خود ربیع نے کسی لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ دراصل حضرت انس کی بہن ربیع نے کسی انسان کو زخمی کیا تھا لیکن راویوں نے بعض روایات میں عن انس ان اختہ الربیع کی جگہ عن انس ان اخت الربیع ذکر کر دیا جس سے یہ وہم ہو گیا کہ حضرت انس کی بہن ربیع نے کسی انسان کو زخمی کیا تھا۔

دوسرے تعارض کا جواب سہل ہے کیونکہ زخمی کرنا دانت توڑنے کو بھی شامل ہے اور تیسرے سوال کا جواب علامہ عینی اور دوسرے شارحین نے یہ دیا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت انس بن نضر نے حلف اٹھایا تھا۔

دانت اور دیگر ہڈیوں کے قصاص میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں چونکہ دانت کے قصاص لینے کا ذکر ہے اس وجہ سے فقہاء میں یہ اختلاف ہے کہ آیا دانت کے علاوہ اور دوسری ہڈیوں کا بھی قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک دوسری ہڈیوں میں بھی قصاص ہے البتہ جو ہڈیاں مجوف ہوں (جیسے نلی کی ہڈی) یا سر کی ہڈی پر ایسی چوٹ لگے جو دماغ تک پہنچے یا ہڈی الگ ہو جائے تو اس میں دیت ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے السن بالسن (مائدہ: ۴۵) "دانت کا بدلہ دانت ہے" اور دانت ہڈی کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام ہڈیوں میں قصاص ہوگا، البتہ جن ہڈیوں کا قصاص لینے سے جان کا خطرہ ہو یا ان میں مماثلت نہ ہو سکے تو ان میں قصاص نہ لینے پر اجماع ہے اور امام شافعی، لیث اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے کیونکہ ہڈی، کھال، گوشت اور پٹھے میں ہوتی ہے اور ان میں مماثلت نہیں ہو سکتی اور ہڈی تک ضرب اس وقت تک نہیں پہنچے گی جب تک کھال کے اندر گوشت اور پٹھے تک ضرب نہ پہنچے اور اس کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق

---

[1] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۸۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

ہے کہ سر کی ہڈی میں قصاص نہیں ہے لہٰذا باقی ہڈیوں کو بھی سر کی ہڈی پر قیاس کرنا چاہیے لیکن اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ سامنے کے دانتوں میں قصاص لیا گیا اور قرآن مجید میں بھی ہے "السن بالسن" اور ہر چند کہ یہ ہم سے پہلی شریعت کا حکم ہے لیکن جب ایسا حکم بغیر انکار کے وارد ہو تو ہم پر بھی حجت ہوتا ہے۔ [1]

بَابُ مَا يُبَاحُ بِهِ دَمُ الْمُسْلِمِ

مسلمان کے خون کی اباحت کے اسباب

۴۲۶۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان اس کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون صرف تین وجوہات سے حلال ہوتا ہے۔ (۱) نکاح کے بعد زنا کرنا۔ (۲) جان کا بدلہ جان۔ (۳) اور جو شخص اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

۴۲۶۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

تین دیگر اسانید کے ساتھ اسی طرح روایت ہے۔

۴۲۶۴ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَاللَّفْظُ لِأَحْمَدَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان تشریف فرما ہو کر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی عبادت کا

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَالَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ غَيْرُهٗ لَا يَحِلُّ دَمُ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ التَّارِكُ الْاِسْلَامَ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ اَوِ الْجَمَاعَةَ شَكَّ فِيْهِ اَحْمَدُ وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ قَالَ الْاَعْمَشُ فَحَدَّثْتُ بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ بِمِثْلِهٖ۔

مستحق نہیں ہے جو مسلمان شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون بہانا جائز نہیں ہے البتہ تین شخص ہیں (جن کا خون بہانا جائز ہے (۱) اسلام کو چھوڑ کر جماعت ترک کرنے والا۔ (۲) نکاح کے بعد زنا کرنے والا (۳) جان کا بدلہ جان۔ اعمش کہتے ہیں میں نے ابراہیم کو یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس کی مثل حدیث مجھے از اسود از عائشہ بیان کی۔

۴۲۹۵ وَحَدَّثَنِيْ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّآءَ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ شَيْبَانَ عَنِ الْاَعْمَشِ بِالْاِسْنَادَيْنِ جَمِيْعًا نَحْوَ حَدِيْثِ سُفْيَانَ وَلَمْ يَذْكُرَا فِي الْحَدِيْثِ قَوْلَهٗ وَالَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ غَيْرُهٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مثل سابق مروی ہے البتہ اس میں "والذی لا الٰہ غیرہ" کا ذکر نہیں ہے۔

مسلمانوں کے خون کی اباحت کے تین اسباب کی تشریح

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جو شخص نکاح کے بعد زنا کرے اس کو پتھروں سے رجم کر کے ہلاک کر دیا جائے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، عنقریب اس مسئلہ کی مکمل وضاحت اور اس کی شرائط کا ذکر کیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "جان کا بدلہ جان ہے" اس سے مراد اپنی شرائط کے ساتھ قصاص ہے۔ چونکہ اس حدیث میں مطلقاً کہا گیا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اس سے فقہاء حنفیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان کو ذمی اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور لیث کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "جو شخص دین کو ترک کرے اور جماعت سے علیحدہ ہو" اس سے مراد وہ شخص ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے خواہ کسی قسم کا ارتداد ہو۔ اگر یہ لوگ اپنے ارتداد سے رجوع نہ کریں تو ان کو قتل کرنا واجب ہے اور یہ حکم ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی بدعت، بغاوت یا کسی اور وجہ سے اسلام سے

خارج ہو گیا ہو اسی طرح خوارج کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ حکم اس شخص کو بھی شامل ہے جو کسی مسلمان پر حملہ آور ہو ایسے شخص کو اپنے دفاع میں قتل کرنا جائز ہے۔ [1]

کیا مسلمانوں کو قتل کرنے کے اسباب تین سے زیادہ ہیں؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جب کوئی مرد مرتد ہو جائے اور کفر پر اصرار کرے اور اسلام کو قبول نہ کرے تو اس کو قتل کرنے پر فقہاء کا اجماع ہے البتہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کے قتل کرنے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو بھی مرد کی طرح قتل کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے التارك للجماعة "جماعت کو ترک کرنے والا" اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ دین معتبر ہے جس پر جماعت ہو۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام شافعی تو یہ کہتے ہیں کہ تارک نماز کو بھی قتل کر دیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کا تارک بھی دین اسلام یعنی اعمال کا تارک ہے پھر علامہ کرمانی نے کہا کہ امام شافعی کہتے ہیں روزے اور زکوٰۃ کے تارک کو قتل نہیں کیا جائے گا، علامہ کرمانی نے زکوٰۃ کا یہ جواب دیا کہ زکوٰۃ کو حاکم جبراً وصول کرے گا اور روزے کے متعلق یہ کہا کہ روزے نہ رکھنے والے کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے خواہی نخواہی وہ روزے کی نیت کرے گا۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ علامہ کرمانی نے تارک نماز کو قتل کرنے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اعمال نفس ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام الحرمین نے امام شافعی کے اس قول پر اعتراض کیا ہے اور امام مزنی نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول التارك للجماعة "جماعت کو ترک کرنے والا" سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص اجماع کا مخالف ہو وہ کافر ہے کیونکہ جس چیز کے وجوب پر اجماع ہو اس کا انکار کفر ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ جن چیزوں کا وجوب شرعی بداہتہً ثابت ہو ان کا انکار کفر ہے جیسے پانچ نمازیں۔ اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جن چیزوں کا وجوب تواتر سے معلوم ہو ان کا انکار کفر ہے جیسے عالم کا حادث ہونا اس لیے عالم کو قدیم ماننا کفر ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ان تین اسباب مذکورہ کے ساتھ مسلمان پر حملہ کرنے والے کا بھی استثناء کیا ہے کیونکہ اپنی مدافعت میں اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن یہاں یہ قید ضروری ہے کہ جب حملہ آور قتل کے درپے ہو۔ بعض علماء نے اس حدیث سے خارجیوں اور باغیوں کے قتل پر بھی استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والے ہیں۔ اور علامہ ابن عربی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ قتل کرنے کے اسباب دس ہیں۔ لیکن وہ اسباب ان تین سے خارج نہیں ہیں، کیونکہ جو شخص جادو کرے یا اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فرشتوں کو سب و شتم کرے وہ کافر ہے۔ اور داؤدی نے کہا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے اور عمل قوم لوط کرنے والے فاعل اور مفعول بہ اور زمین میں فساد پھیلانے والے کو بھی قتل کرنے کا حکم ہے، اس لیے اس حدیث میں جو تین اسباب میں حصر کا حکم کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔ [2]

---

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

باب ۵۵ بیان اثم من سن القتل

قتل کو ایجاد کرنے والے کا گناہ

۴۲۶۶ - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ وَ اللَّفْظُ لِابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو حضرت آدم کے پہلے بیٹے کے حصے میں اس کا خون ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کو ایجاد کیا تھا۔

۴۲۶۷ - وَحَدَّثَنَاهُ عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ اَخْبَرَنَا جَرِیْرٌ وَّعِیْسَى بْنُ یُوْنُسَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ كُلُّهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَفِیْ حَدِیْثِ جَرِیْرٍ وَّعِیْسَى بْنِ یُوْنُسَ لِاَنَّهٗ سَنَّ الْقَتْلَ لَمْ یَذْكُرَا اَوَّلَ.

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں صرف سن القتل کے الفاظ ہیں۔ اول کا لفظ نہیں ہے۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تاریخ اور تفصیل

اس باب کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم کے بیٹے نے سب سے پہلا قتل کیا تھا۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس بیٹے کا نام قابیل تھا۔ اور از سدی از مجاہد از ابن عباس یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت حوا کے ہاں ہر مرتبہ دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے ایک سو سال بعد قابیل اور اس کی جڑواں بہن اقلیما پیدا ہوئی پھر ہابیل اور اس کی جڑواں بہن لیوذا پیدا ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام ایک جوڑے کی لڑکی کا نکاح دوسرے جوڑے کے لڑکے کے ساتھ کرتے تھے۔ جب قابیل اور ہابیل جوان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن لیوذا سے اور ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن اقلیما سے کر دیں اور اقلیما قد و قامت اور شکل و صورت کے لحاظ سے حسین ترین لڑکی تھی۔ قابیل اس فیصلہ سے خوش نہیں ہوا، اس نے کہا میں اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوں۔ اپنی بہن کے ساتھ نکاح کرنے کا میں خود مستحق ہوں، کیونکہ میں اور میری بہن جنت کی اولاد سے ہیں اور ہابیل اور اس کی بہن زمین کی اولاد سے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تم دونوں قربانی کرو۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل بکریاں پالتا تھا۔ قابیل نے سب سے خراب پیداوار کی قربانی دی اور دل

میں کہا جب ہابیل کی میری بہن سے شادی ہو رہی ہے تو پھر مجھے کیا، خواہ میری قربانی قبول ہو یا نہ ہو! اور ہابیل نے اپنی بکریوں میں سے ایک فربہ مینڈھے کی قربانی دی اور اس کے ساتھ دودھ اور مکھن بھی دیا اور اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا۔ اور اس زمانے میں قربانی کا طریقہ یہ تھا کہ آسمان سے ایک سفید آگ نازل ہو کر قربانی کو کھا لیتی تھی۔ اس آگ نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا اور قابیل کی قربانی کو نہ کھایا، تب قابیل نے اپنے دل میں ہابیل کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ قتل کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ ابن جریج نے کہا قابیل، ہابیل کے پاس گیا درآں حالیکہ وہ سویا ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس طرح قتل کرے، شیطان کسی آدمی کی شکل میں اس کے پاس آیا اور اس نے ایک پتھر پر پرندہ رکھ کر دوسرے پتھر سے اس کو مار دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے ہابیل کا گلا گھونٹ دیا اور ایک قول یہ ہے کہ لوہے کی ضرب سے اس کو ہلاک کر دیا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ ہابیل کو گرایا تھا ایک قول ہے جبل ثور پر، ایک قول ہے بصرہ میں، اور ایک قول ہے دمشق میں، حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ ہند کے ایک پہاڑ نوذب پر قتل کیا تھا اور یہی صحیح روایت ہے۔

ثعلبی نے معاویہ بن عمار سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے صادق سے پوچھا کہ حضرت آدم اپنی بیٹی کا اپنے بیٹے سے نکاح کرتے تھے انھوں نے کہا معاذ اللہ! جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو حضرت حوا کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام عناق تھا اور یہ پہلی لڑکی ہے جس نے روئے زمین پر بغاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک شخص کو مسلط کر دیا جس نے اس کو قتل کیا پھر اس کے بعد قابیل پیدا ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک جنیہ ظاہر کی اور حضرت آدم پر وحی کی کہ وہ قابیل کا نکاح اس جنیہ سے کر دیں اور جب ہابیل جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر جنت سے ایک حور اتاری اور حضرت آدم پر وحی کی کہ وہ ہابیل کا نکاح اس حور سے کر دیں تب قابیل نے حضرت آدم سے شکایت کی کہ میں ہابیل سے بڑا ہوں اور اس حور سے نکاح کرنے کا میں مستحق تھا، حضرت آدم نے کہا اے بیٹے مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی وحی کی تھی اب تم دونوں قربانی کرو۔ (پھر وہی واقعہ پیش آیا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔)

روئے زمین پر جتنے بھی قتل ہوں گے ان سب کے خون میں قابیل کا حصہ ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے: ومن یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا (نساء: ۸۵) "جو شخص اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا اور جو شخص بری شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا" اور حدیث میں ہے جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنی نیکی کا اجر ملے گا اور قیامت تک اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برائی کی ابتداء کی اسے اس برائی کا گناہ ہوگا اور قیامت تک اس برائی پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا اور ان کے گناہوں میں کمی نہیں ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے: لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی (زمر: ۷) "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" پھر برائی کی ابتداء کرنے والے کو دوسرے کی برائی کا گناہ کیوں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ برائی کی ابتداء کرنے والے کے دو گناہ ہیں ایک تو اس نے برائی کا فعل کیا دوسرا یہ کہ اس نے اس برائی کا راستہ دکھایا اور اس فعل کی راہنمائی کی پس اس کو اس برائی کے کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور قیامت تک اس برائی کا راستہ

دکھانے کا بھی گناہ ہوگا اسی طرح نیکی کی ابتداء کرنے والے کو نیکی کے فعل کا اجر ملے گا اور قیامت تک جتنے لوگوں کو اس نیکی کی رہنمائی کی ہے ان کا اجر بھی ملے گا، لہٰذا یہ آیت "وان لیس للانسان الا ما سعی" (نجم: ۳۹) "انسان کو صرف اس کی کوشش کا اجر ملتا ہے" کے خلاف نہیں ہے۔ [1]

بَابُ الْمُجَازَاةِ بِالدِّمَاءِ فِي الْآخِرَةِ وَاِنَّهَا اَوَّلُ مَا يُقْضٰى فِيْهِ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آخرت میں قتل کی سزا اور سب سے پہلے قتل کا حساب کیا جانا

۴۲۶۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَ اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ جَمِيْعًا عَنْ وَكِيْعٍ عَنِ الْاَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَوَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے لوگوں کے درمیان قتل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۲۶۹ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ ح وَحَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ ح وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ اَنَّ بَعْضَهُمْ قَالَ عَنْ شُعْبَةَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل حدیث روایت کی۔ البتہ بعض روایات میں یقضی ہے اور بعض روایات میں یحکم بین الناس ہے۔

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

الناس۔

ف: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل کا مسئلہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے اس کا حساب لیا جائے گا۔

قیامت کے دن سب سے پہلے قتل کا حساب ہوگا یا نماز کا؟

اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل کا معاملہ بہت اہم ہے اسی وجہ سے سب سے پہلے قتل کا حساب لیا جائے گا لیکن اس کے برخلاف سنن میں یہ حدیث ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ من عملہ صلوتہ فان صلحت فقد افلح وانجح وان فسدت فقد خاب وخسر الحدیث۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندے کے اعمال سے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ "نماز" ہے اگر اس کی نماز ٹھیک ہے تو وہ بندہ ٹھیک اور کامیاب ہوگا اور اگر اس کی نماز فاسد ہے تو وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی میں بھی ہے امام احمد نے بھی اس حدیث کو اپنی مسند میں متعدد مواضع میں بیان فرمایا ہے۔ [2]

علامہ نووی اور دیگر شارحین حدیث نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب لیا جائے گا۔

بَابُ ۵۵۲ تَغْلِيْظِ تَحْرِيْمِ الدِّمَآءِ وَالْأَعْرَاضِ وَالْأَمْوَالِ

خون، مال اور عزت کی حرمت کا بیان

۴۲۷۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَ يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنِ ابْنِ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اس دن کی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۸۶-۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۶۵، ج ۵ ص ۳۷۷، ج ۵ ص ۷۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ شَهْرُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ ثُمَّ قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ فَلَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا أَوْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلَّغُهُ يَكُونُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ. قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ فِي رِوَايَتِهِ وَرَجَبُ مُضَرَ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي.

مہینے عزت والے ہیں تین مہینے تو متواتر ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب ہے یہ مضر کا مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے پھر آپ نے فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، راوی کہتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، پھر فرمایا کیا ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے! راوی کہتے ہیں کہ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا البلدۃ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: آج کونسا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے مال (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان ہے آپ نے فرمایا:) اور تمہاری عزت تم (میں سے ایک دوسرے) پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن اس شہر کے اس ماہ میں محترم ہیں عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا، کہیں تم میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مارنے نہ لگ جانا، سنو! حاضر، غائب کو پہنچا دے۔ شاید جن کو حدیث پہنچائی جائے، ان میں سے بعض، سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں! پھر فرمایا سنو! کیا میں نے پیغام (حق) پہنچا دیا ہے! ابن حبیب نے اپنی روایت میں رجب مضر کہا ہے اور ابوبکر کی روایت میں فلا ترجعوا بعدی ہے۔

۴۲۷۱۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ قَعَدَ عَلٰى بَعِيرِهِ وَأَخَذَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ فَقَالَ أَتَدْرُونَ أَيَّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوٰى اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوٰى اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ بِالْبَلْدَةِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ قَالَ ثُمَّ انْكَفَأَ إِلٰى كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا وَإِلٰى جُزَيْعَةٍ مِنَ الْغَنَمِ فَقَسَمَهَا بَيْنَنَا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم نحر کو آپ اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اس کی نکیل پکڑ لی، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے حتیٰ کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپ اس دن کا یوم نحر کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے! آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے! راوی کہتے ہیں حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ اس شہر کا (مکہ کے علاوہ) کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ البلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزت تم (میں سے ہر ایک) پر اس طرح حرام ہے جیسا کہ آج کا دن آج کے مہینے میں آج کے شہر میں محترم ہے، پس حاضر کو چاہیے کہ غائب تک پہنچا دے، پھر آپ دو سرمئی مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے ان کو ذبح کیا پھر آپ بکریوں کے ایک گلے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیا۔

۴۲۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ جَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعِيرٍ قَالَ وَرَجُلٌ آخِذٌ بِزِمَامِهِ أَوْ قَالَ بِخِطَامِهِ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم نحر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی، پھر حسب سابق ہے۔

يَزِيدَ بْنِ زُرَيْعٍ۔

۴۲۷۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ فِي نَفْسِي أَفْضَلُ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ وَأَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا قُرَّةُ بِإِسْنَادِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَسَمَّى الرَّجُلَ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عَوْنٍ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَذْكُرُ وَأَعْرَاضَكُمْ وَلَا يَذْكُرُ ثُمَّ انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ وَمَا بَعْدَهُ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ اس کے بعد مثل سابق روایت ہے البتہ اس میں تمہاری عزت کا ذکر نہیں اور نہ یہ ذکر ہے کہ اس کے بعد آپ دو مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بعد کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور یہ ہے کہ آپ نے فرمایا آج کے دن، اس ماہ اور اس شہر کی طرح حرام ہیں یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ ہو جا!

اشہر حرم میں ردّ و بدل کی تفصیل اور تحقیق

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عرب محرم کو صفر کی طرف مؤخر کر دیتے تھے تاکہ اس ماہ میں جنگ کر سکیں اور وہ یہ ہر سال کرتے تھے اور محرم ایک ماہ سے دوسرے ماہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا تھا اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا ہر مہینہ اپنی اصل وضع میں آچکا تھا۔ [1]

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتٰب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعۃ

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اس کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جس دن سے اس نے آسمانوں

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ ھ۔

حرم ط ذلك الدين القيم لا فلا تظلموا فيهن انفسكم وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة ط واعلموا ان الله مع المتقين ٥ انما النسئ زيادة فى الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاما ويحرمونه عاما ليوا طئوا عدة ما حرم الله فيحلوا ما حرم الله ط زين لهم سوء اعمالهم ط والله لا يهدى القوم الكفرين -

(توبہ ۳۶، ۳۷)

اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے (مہینے) ہیں، یہی سیدھا دین ہے۔ تو تم ان (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مہینے کا پیچھے ہٹانا صرف کفر میں زیادتی ہے۔ اس سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں۔ وہ ایک مہینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام ٹھہراتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی گنتی پوری کر لیں جن کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر لیں، ان کے برے کام ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

عرب میں قدیم زمانہ سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب "اشہر حرم" خاص اور احترام کے مہینے قرار دیے جاتے تھے۔ ان مہینوں میں خونریزی اور جنگ و جدال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا اور تمام لوگ حج، عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لیے آزادی اور امن کے ساتھ سفر کر سکتے تھے، کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہیں کرتا تھا۔ ملتِ ابراہیمی میں بھی یہی چار ماہ حرمت والے مہینے تھے۔

اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت اور جہالت حد سے بڑھ گئی تھی اور باہمی جدال و قتال میں بعض قبیلوں کی وحشت اور بربریت اور ان کا جوشِ انتقام کسی آسمانی کتاب یا زمین کے قانون کا پابند نہ رہا تو انھوں نے "نسیئی" (تاخیر) کی رسم نکالی۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ارادہ ہوتا تو اس کا سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے پھر اگلے سال کہہ دیتے کہ اس سال دستور کے مطابق محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح ایک سال کے چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب منشاء ردو بدل کرتے رہتے تھے۔ حافظ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق ردو بدل کا یہ کام صرف محرم اور صفر میں مذکور الصدر طریقہ سے ہوتا تھا۔

امام محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جس پہلے شخص نے یہ رسم جاری کی اس کا نام "قلمس" کنانی تھا پھر اس کی اولاد در اولاد میں یہ رسم جاری رہی۔ آخر میں اسی کی نسل سے ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا یہ معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں یہ اعلان کرتا تھا کہ اس سال اشہر حرم میں محرم داخل رہے گا یا اس کی جگہ صفر داخل ہوگا اس طرح محرم اور صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اس ردوبدل کو قبول کر لیتے تھے۔ گویا زمانہ جاہلیت میں کافروں کے کفر اور گمراہی کو بڑھانے والی ایک یہ چیز بھی تھی کہ انھوں نے اللہ کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینہ کو تبدیل کرنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا تھا۔

آیا اشہر حرم میں قتال منسوخ ہو چکا ہے یا نہیں؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر۔ (بقرہ: ۲۱۷)	لوگ آپ سے اشہر حرم (حرمت والے مہینوں) میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان مہینوں میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کی رو سے اشہر حرم میں جنگ کرنا حرام ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے۔ ابن جریج نے کہا ہے عطاء نے مجھ سے قسم کھا کر کہا حرم میں اور اشہر حرم میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ کفار حملہ کریں تو ان کی مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہر حرم میں جہاد نہیں کرتے تھے البتہ مدافعت میں جہاد کرتے تھے اور سعید بن مسیب سے سوال کیا گیا کہ کیا کفار سے اشہر حرم میں جہاد کرنا مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! ابو عبید نے کہا آج کل مسلمان سارا سال سرحدوں پر رہتے ہیں اور اس قول کی بناء پر تمام مہینوں میں جہاد کرنا جائز ہے۔ اور میرے علم میں نہیں ہے کہ علماء شام یا علماء عراق میں سے کسی نے اس سے اختلاف کیا ہو اور اسی طرح میرے گمان میں اہل حجاز کا قول ہے۔

ان مہینوں میں جہاد کی اباحت پر یہ دلیل ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" یہ آیت اشہر حرم میں قتال کی حرمت کے لیے ناسخ ہے اور "قل قتال فیہ کبیر" میں میرے نزدیک نکرہ سیاق اثبات میں واقع ہے پس یہ تمام افراد کے بجائے صرف فرد واحد کو شامل ہو گا یعنی اشہر حرم میں قتال کا صرف ایک فرد حرام کیا گیا اور یہ فرد وہی ہے جس کے متعلق انھوں نے سوال کیا تھا پس یہ آیت اشہر حرام میں مطلقاً قتال کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی لہٰذا اب نسخ کے قول کی بھی ضرورت نہیں ہے۔[1]

نیز امام رازی نے وقاتلوا المشرکین کافۃ (توبہ: ۳۶) "تم تمام مشرکین سے جنگ کرو" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تمام مہینوں میں کفار سے جنگ کرنا مباح ہے۔[2]

حدیث الباب سے استنباط شدہ مسائل

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ بوقت ضرورت سواری کی پشت پر بیٹھنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے تکبر اور خود نمائی مقصود نہ ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "لا تتخذوا ظھور الدواب مجالس" "سواریوں کی پشت کو مجالس نہ بناؤ" بلا ضرورت سواریوں پر بیٹھنے کے ساتھ مخصوص ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلند جگہ بیٹھ کر تقریر کرنا چاہیے تاکہ تمام لوگ خطیب کو دیکھ اور سن سکیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص حدیث کے معنی سے ناواقف ہو اس سے بھی حدیث کو روایت کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز حرام ہو عالم پر واجب ہے کہ اس کی حرمت مؤکد طریقہ سے بیان کرے۔ اور جان، مال اور عزت کو حرمت میں یوم حج، حج کے مہینہ اور حرم کے ساتھ تشبیہ دینا جائز ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اس دن، اس مہینہ

---

[1] امام فخر الدین بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ

[2] " " " " " ، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۳۳

اور اس شہر کو بہت محترم جانتے تھے اور اس کی حرمت بہت شدت کے ساتھ ان کے دلوں میں جاگزیں تھی اور وہ اس شہر اور ان دنوں میں کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے اس لیے آپ نے فرمایا مسلمان کی جان، مال اور عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن، آج کا مہینہ اور یہ شہر ان کے لیے محترم ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ان چیزوں کے بارے میں پہلے سوال کیا اور ہر سوال کے بعد خاموش رہے اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے تاکہ وہ اپنی عقلوں کو بالکل حاضر اور متوجہ کرلیں اور جواب کو بغور سنیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ صحابہ نے ہر سوال کے جواب میں اللہ اور رسول اعلم کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا حسن ادب تھا وہ آفتاب علم نبوت کے سامنے اپنی معلومات کا چراغ جلانا نہیں چاہتے تھے اور وہ یہ جانتے تھے کہ جو کچھ انہیں علم ہے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ہی روشن ہے اس لیے انہوں نے اپنی معلومات کے اظہار کے بجائے یہ مسئلہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ [۱]

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ "میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے نہ لگ جانا" اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دین اسلام پر قائم رہنا اور اسلام چھوڑ کر قتل و غارت گری نہ شروع کر دینا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد ایک دوسرے کے قتل کو حلال قرار دے کر کافر نہ ہو جانا اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ بغیر دلیل شرعی کے مغلوب الغضب ہو کر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر ایک دوسرے کو قتل کرنا نہ شروع کر دینا۔

بَابُ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ بِالْقَتْلِ وَتَمْكِيْنِ وَلِيِّ الْقَتِيْلِ مِنَ الْقِصَاصِ وَاسْتِحْبَابِ طَلَبِ الْعَفْوِ مِنْهُ

قتل کے اقرار کا صحیح ہونا، ولی مقتول کو قصاص کا حق حاصل ہونا اور اس سے معافی طلب کرنے کا مستحب ہونا

۴۲۷۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَبُوْ يُوْنُسَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ أَنَّ عَلْقَمَةَ ابْنَ وَائِلٍ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ قَالَ إِنِّيْ لَقَاعِدٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ يَقُوْدُ آخَرَ بِنِسْعَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا قَتَلَ أَخِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص دوسرے شخص کو تسمہ سے کھینچتا ہوا آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! اس شخص نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تو نے اس کو قتل کیا ہے؟ اس (پہلے) شخص نے کہا اگر یہ اقرار نہیں کرے گا تو میں اس کے خلاف گواہ پیش کر دوں گا، تب اس نے کہا: ہاں میں

[۱] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۵-۳۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

سَلَّمَ أَقَتَلْتَهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَعْتَرِفْ أَقَمْتُ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ قَالَ نَعَمْ قَتَلْتُهُ قَالَ كَيْفَ قَتَلْتَهُ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَ هُوَ نَخْتَبِطُ مِنْ شَجَرَةٍ فَسَبَّنِي فَأَغْضَبَنِي فَضَرَبْتُهُ بِالْفَأْسِ عَلَى قَرْنِهِ فَقَتَلْتُهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ شَيْءٍ تُؤَدِّيهِ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ مَا لِي مَالٌ إِلَّا كِسَائِي وَفَأْسِي قَالَ فَتَرَى قَوْمَكَ يَشْتَرُونَكَ قَالَ أَنَا أَهْوَنُ عَلَى قَوْمِي مِنْ ذَاكَ فَرَمٰى إِلَيْهِ بِنِسْعَتِهِ وَقَالَ دُونَكَ صَاحِبَكَ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ فَرَجَعَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ قُلْتَ إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ وَأَخَذْتُهُ بِأَمْرِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تُرِيدُ أَنْ يَبُوءَ بِإِثْمِكَ وَإِثْمِ صَاحِبِكَ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لَعَلَّهُ قَالَ بَلٰى قَالَ فَإِنَّ ذَاكَ كَذَاكَ قَالَ فَرَمٰى بِنِسْعَتِهِ وَخَلّٰى سَبِيلَهُ۔

نے اس کو قتل کیا ہے: آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کیوں قتل کیا ؟ اس نے کہا میں اور وہ دونوں درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے اس نے گالی دے کر مجھے مشتعل کیا میں نے اس کے سر پر کلہاڑی دے ماری اور اسے قتل کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ مال ہے جو اس کو اپنی جان کے عوض دے سکو، اس نے کہا میرے پاس اس چادر اور کلہاڑی کے سوا اور کوئی مال نہیں ہے! آپ نے فرمایا کیا خیال ہے کیا تمہاری قوم تمہیں چھڑا لے گی ؟ اس نے کہا میری قوم میں میری اتنی وقعت نہیں ہے ؟ آپ نے وہ تسمہ اس شخص (ولی مقتول) کی طرف پھینک دیا اور فرمایا اسے لے جاؤ، وہ شخص اس کو لے جانے لگا، جب اس شخص نے پشت پھیری تو آپ نے فرمایا اگر اس نے اس کو قتل کر دیا تو یہ بھی اس کی مثل ہو جائے گا، وہ شخص لوٹ آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر اس نے اس کو قتل کر دیا تو یہ بھی اس کی مثل ہو جائے گا، حالانکہ میں نے تو اس کو آپ کے حکم پر پکڑا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ وہ تیرے اور تیرے ساتھی کا گناہ بھی سمیٹ لے، اس نے کہا یا نبی اللہ! کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے اور اس کا تسمہ چھوڑ کر اس کو آزاد کر دیا۔

۴۲۷۵- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَتَلَ رَجُلًا فَأَقَادَ وَلِيَّ الْمَقْتُولِ مِنْهُ فَانْطَلَقَ بِهِ وَفِي عُنُقِهِ نِسْعَةٌ يَجُرُّهَا فَلَمَّا

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، آپ نے مقتول کے وارث کو اس سے قصاص لینے کا حکم دیا، وہ (وارث) جانے لگا درآں حالیکہ قاتل کے گلے میں ایک تسمہ تھا جس کو وہ کھینچ رہا تھا، جب اس نے پشت پھیری تو آپ نے فرمایا قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، پھر ایک شخص نے جا کر مقتول کے

اَدْبَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ فَاَتٰى رَجُلٌ الرَّجُلَ فَقَالَ لَهٗ مَقَالَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلّٰى عَنْهُ. قَالَ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ سَالِمٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِحَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْنُ اَشْوَعَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا سَاَلَهٗ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُ فَاَبٰى۔

وارث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تو اس نے قاتل کو چھوڑ دیا۔ اسماعیل بن سالم کہتے ہیں کہ میں نے حبیب بن ابی ثابت سے اس کا ذکر کیا انھوں نے بتایا کہ مجھے ابن اشوع نے یہ حدیث سنائی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے وارث سے خون معاف کرنے کے لیے کہا تھا اور اس نے انکار کر دیا تھا۔

روایت باب کی تفصیل

امام نسائی نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب مقتول کا وارث قاتل کو ایک تسمہ سے گھسیٹتا ہوا لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے وارث سے فرمایا: کیا تم اس کو معاف کرو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے دیت لو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تم اس کو قتل کرو گے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ، جب وہ پیٹھ پھیر کر اس کو لے جانے لگا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس کو معاف کرو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس سے دیت لو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس کو قتل کرو گے؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لے جاؤ، البتہ اگر تم اس کو معاف کر دو تو یہ تمہارے اور تمہارے مقتول کے گناہ کو اٹھائے گا، تب اس شخص نے اس کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا اور میں نے دیکھا وہ اپنے تسمہ کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا۔ [1]

قتل عمد کے احکام اور مسائل

علامہ نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں مدعی علیہ سے قاضی یا حاکم کو پوچھنا چاہیے کہ وہ دعویٰ کے متعلق کیا کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ دعویٰ کا اقرار کرے (جیسا کہ یہاں قاتل نے قتل کا اقرار کر لیا تھا) پھر مدعی بھی مستغنی ہو گا اور قاضی کو گواہوں کے بلانے کی ضرورت ہو گی نہ ان کی تعدیل کی، نیز مدعی اگر اقرار کرے تو قاضی کا حکم یقینی ہو گا اور گواہوں کے ثبوت کی بنا پر وہ حکم ظنی ہو گا اور قاضی کو چاہیے کہ وہ مقتول کے وارث سے قاتل کو معاف کرنے کا سوال کرے اور اگر وہ معاف نہ کرے تو دیت کا سوال کرے، اور یہ کہ حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہونے کے بعد بھی مدعی علیہ کو معاف کرنا جائز ہے اور قتل عمد میں دیت ادا کرنا جائز ہے اور قتل عمد میں قاتل کے اقرار کو قبول کرنا جائز ہے۔

کیا ولی قصاص کا قصاص لینا قتل کے مترادف ہے؟

اس باب کی پہلی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے وارث سے فرمایا:

---

[1] امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

"اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم بھی اس کی طرح ہو جاؤ گے" اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قصاص لینے والا قاتل کی مثل کیسے ہو سکتا ہے جبکہ قصاص لینے والا ایک جائز کام کر رہا ہے اور قاتل نے ایک ناجائز کام کیا تھا؟ علامہ نووی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کو معاف کر دیتے تو تمہارا اس پر احسان ہوتا اور اس پر تمہاری فضیلت ہوتی اور اب کسی کی کسی پر فضیلت نہیں ہے اور اس بات میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفس قتل کرنے میں دونوں ایک جیسے ہیں ہر چند کہ قاتل کا قتل کرنا ظلم تھا اور مقتول کے وارث کا قتل کرنا عدل ہے لیکن خواہش نفس اور غضب کی پیروی کرنے میں دونوں برابر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریض اور ایہام کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا تاکہ مقتول کا وارث ڈرے اور قصاص معاف کر دے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مفتی سے پوچھے کہ روزے میں غیبت کا کیا حکم ہے؟ تو مفتی تعریض اور ایہام[ت] سے کام لے کر یہ کہہ دے کہ حدیث میں ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تاکہ وہ شخص غیبت کرنے سے باز رہے۔

اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں" اس سے مراد یہ قاتل اور مقتول نہیں ہیں بلکہ ان کے غیر مراد ہیں جب دو مسلمان حرام جنگ میں حصہ لیں، مثلاً دو شخص ایک دوسرے کے خلاف عصبیت کی وجہ سے تلوار اٹھائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تعریضاً فرمایا تاکہ مقتول کے وارث کے دل میں خوف پیدا ہو اور وہ قصاص کو معاف کر دے۔[1]

علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی قصاص کو قاتل کی مثل اس لیے قرار دیا ہے کہ دونوں نے اپنے غصہ اور غضب کی پیروی کی اور شریعت کی پیروی نہ کی، قاتل کا غضب کی پیروی کر کے قتل کر دینا اور ولی قصاص کا جوش انتقام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود قصاص کے در پے ہونا دونوں کی معصیت کی واضح دلیل ہے علامہ وشتانی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ کہتے تھے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم ظاہر ہے اور ایک علم باطن جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا انا علی علم وانك علی علم (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳) "مجھے ایک قسم کا علم ہے اور تمہیں دوسری قسم کا علم ہے"

پس باعتبار ظاہر کے حکم عام یہ ہے کہ ولی کو قصاص لینے کا موقع دینا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم بھی اس کی مثل ہو جاؤ گے یہ آپ نے علم باطن کے اعتبار سے فرمایا تھا۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولی قصاص سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم بھی اس کی مثل ہو جاؤ گے یہ آپ نے قصاص کی بناء پر نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے یہ کسی اور سبب سے فرمایا تھا جس کا علم آپ ہی کو تھا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے قصاص نہ لینے کے بارے میں آپ کا حکم قبول نہیں کیا تھا کیونکہ آپ نے اس کو چار بار معاف کرنے کا حکم دیا اور اس نے ہر بار انکار کر دیا تو چونکہ اس نے آپ کو غضب ناک کیا اس لیے وہ بھی قاتل کی طرح معصیت کا مرتکب ہو گیا۔[2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۲ - ۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ ھ

[2] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی متوفی ۸۲۸ ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۲۹ - ۴۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[ت] تعریض اور ایہام کا مفہوم یہ ہے کہ لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب اور ایک بعید متکلم بعید معنی مراد لے اور مخاطب کا ذہن قریبی معنی کی طرف ہو (سعیدی غفرلہ)

قاتل پر مقتول اور اس کے ولی دونوں کے گناہوں کا بوجھ ہے

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی سے فرمایا کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ وہ تیرا اور تیرے ساتھی کا گناہ سمیٹ لے؛ قاتل نے ایک زیادتی مقتول کے ساتھ کی کہ اس کو قتل کر دیا اور دوسری زیادتی ولی مقتول کے ساتھ کی کیونکہ مقتول کی موت سے اس کے وارث کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کو رنج لاحق ہوتا ہے اس وجہ سے ان دونوں کے گناہوں کا بوجھ قاتل پر لادا جائے گا اور آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے اس کو قتل کر دیا تو تو بھی اس کی مثل ہو جائے گا یا یہ فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصاص لینے کے باوجود قاتل سے آخرت کا عذاب ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ قصاص لینے سے پہلے توبہ کر لے، اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے جو صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں[1] وہ اس پر محمول ہیں جب مجرم حد جاری ہونے سے پہلے توبہ کر لے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم (مائدہ: ۳۳،۳۴) "اور یہ (اجراء حدود) ان کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی"۔

بَابُ دِيَةِ الْجَنِيْنِ وَوُجُوْبِ الدِّيَةِ فِيْ قَتْلِ الْخَطَاِ وَشِبْهِ الْعَمْدِ عَلٰى عَاقِلَةِ الْجَانِيْ.

پیٹ کے بچے اور قتل خطا اور قتل شبہ عمد میں دیت کا وجوب

۴۲۷۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى فَطَرَحَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ایک نے دوسری کو مارا اور اس کے پیٹ کا بچہ ساقط ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غلام یا لونڈی بطور تاوان دینے کا حکم دیا۔

۴۲۷۷۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ابْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنِيْنِ امْرَاَةٍ مِّنْ بَنِيْ لِحْيَانَ سَقَطَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو لحیان کی ایک عورت کا پیٹ کا بچہ مردہ ساقط ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غلام یا لونڈی بطور جرمانہ دینے کا حکم دیا، پھر جس عورت کے خلاف آپ نے تاوان ادا کرنے کا حکم دیا تھا وہ فوت ہو گئی تو

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی وراثت اس کی اولاد اور اس کے شوہر کے لیے ہوگی اور دیت اس کے عصبات (ددھیال کے رشتہ داروں) کو ادا کرنا ہوگی۔

۴۲۷۸۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ ح وَحَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑیں اور ایک نے دوسری کے پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ہلاک کر دیا۔ انہوں (مقتولہ کے ورثاء) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کے بچے کا تاوان ایک غلام یا باندی ہے اور عورت کی دیت اس قاتلہ کے عاقلہ (ددھیال کے رشتہ داروں) پر مقرر کی اور عورت (مقتولہ) کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں کو اس (دیت) کا وارث قرار دیا حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا: یا رسول اللہ! "میں اس کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چلایا ایسے بچے کی دیت نہیں دی جاتی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسجع عبارت (قافیہ والی عبارت) کی وجہ سے یہ شخص کاہنوں کا بھائی (معلوم ہوتا) ہے۔

۴۲۷۹۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں لڑیں اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ اس عورت کی اولاد اور اس کے رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا ہم اس کی دیت کیسے دیں؟ اور حمل بن

وَمَنْ مَعَهُمْ وَقَالَ فَقَالَ قَائِلٌ كَيْفَ نَعْقِلُ وَلَمْ يُسَمِّ حَمَلَ بْنَ مَالِكٍ۔

مالک کا نام نہیں لیا۔

۴۲۸۰ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نُضَيْلَةَ الْخُزَاعِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضَرَبَتِ امْرَأَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلَى فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَإِحْدَاهُمَا لِحْيَانِيَّةٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُولَةِ عَلَى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا فِي بَطْنِهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ أَنَغْرَمُ دِيَةَ مَنْ لَا أَكَلَ وَلَا شَرِبَ وَلَا اسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسَجْعٌ كَسَجْعِ الْأَعْرَابِ قَالَ وَجَعَلَ عَلَيْهِمُ الدِّيَةَ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا درآں حالیکہ وہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا، ان میں سے ایک عورت بنو لحیان کی تھی (راوی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ کے عصبات (ددھیال کے رشتہ داروں) پر مقتولہ کی دیت اور اس کے پیٹ کے بچے کے تاوان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا، قاتلہ کے عصبات میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم ایسے بچے کی دیت ادا کریں جس نے کھایا نہ پیا اور نہ چلایا ایسے بچہ کی دیت نہیں دی جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ بدوؤں کی طرح مسجع مقفیٰ عبارت بول رہا ہے اور ان پر دیت لازم کر دی

۴۲۸۱ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ نُضَيْلَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ امْرَأَةً قَتَلَتْ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ فَأُتِيَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى عَلَى عَاقِلَتِهَا بِالدِّيَةِ وَكَانَتْ حَامِلًا فَقَضَى بِالْجَنِينِ بِغُرَّةٍ فَقَالَ بَعْضُ عَصَبَتِهَا أَنَدِي مَنْ لَا طَعِمَ وَلَا شَرِبَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ قَالَ فَقَالَ سَجْعٌ كَسَجْعِ الْأَعْرَابِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی چوب سے مارا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عاقلہ پر دیت کو لازم کر دیا، اور چونکہ وہ عورت حاملہ تھی اس لیے اس کے پیٹ کے بچے کے تاوان میں ایک لونڈی یا غلام دینے کا تاوان لازم کیا، اس کے بعض خاندان والوں نے کہا: کیا ہم اس کی دیت دیں جس نے کھایا نہ پیا نہ رویا نہ چلایا اور اس جیسے کی دیت نہیں دی جاتی۔ آپ نے فرمایا یہ بدوؤں کی طرح مقفیٰ عبارت ہے۔

۴۲۸۲ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ جَرِيْرٍ وَّمُفَضَّلٍ ۔

امام مسلم نے انہی اسانید کے ساتھ یہ قصہ روایت کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ اس عورت کے پیٹ کا بچہ ساقط ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے اس میں ایک لونڈی یا غلام ادا کرنے کا تاوان لازم کیا۔ اور اسے اس عورت کے وارثوں پر لازم کیا اور اس حدیث میں دیت کا ذکر نہیں ہے۔

۴۲۸۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ بِإِسْنَادِهِمُ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهٖ غَيْرَ أَنَّ فِيْهِ فَأَسْقَطَتْ فَرُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى فِيْهِ بِغُرَّةٍ وَجَعَلَهٗ عَلٰى أَوْلِيَآءِ الْمَرْأَةِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيْثِ دِيَةَ الْمَرْأَةِ ۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں سے عورت کے پیٹ کے بچے کی دیت کے متعلق مشورہ کیا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک لونڈی یا غلام کو بطور تاوان دینے کا حکم فرمایا ہے، حضرت عمر نے فرمایا کسی اور شخص کو لاؤ جو تمہارے ساتھ گواہی دے، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت محمد بن مسلمہ نے ان کے حق میں گواہی دی۔

۴۲۸۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ بَكْرٍ قَالَ إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اسْتَشَارَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ النَّاسَ فِيْ إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ شَهِدْتُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيْهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ ائْتِنِيْ بِمَنْ يَّشْهَدُ مَعَكَ قَالَ فَشَهِدَ لَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ ۔

لڑائی کرنے والی دو عورتوں کے نام

اس باب کی احادیث میں جن دو عورتوں کی لڑائی کا ذکر ہے یہ دونوں آپس میں سوکنیں تھیں اور حمل بن نابغہ ہذلی کے نکاح میں تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ عمیر ہذلی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم میں حمل بن مالک نام کا ایک شخص تھا اس کی دو بیویاں تھیں ایک ہذلیہ اور دوسری عامریہ، ہذلیہ نے عامریہ کے پیٹ پر ضرب لگائی اور حارث کی روایت میں ہے کہ حمل بن نابغہ کی دو بیویاں تھیں ایک ملیکہ اور دوسری ام عفیف اور طبرانی نے عون بن عویمر سے روایت کیا ہے کہ میری بہن ملیکہ اور ہمارے قبیلہ کی ایک عورت ام عفیف بنت مسروح حمل بن نابغہ کے نکاح میں تھیں اور ام عفیف نے ملیکہ کے ضرب لگائی تھی۔ [1]

(حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

غرّہ کی تحقیق

علامہ جوہری لکھتے ہیں کہ غُرّہ (بالضم) گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں جو ایک درہم سے کچھ زیادہ ہوتی ہے نیز لکھتے ہیں کہ غُرّہ غلام اور لونڈی کو بھی کہتے ہیں، حدیث میں ہے قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنین بغُرّۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں غُرّہ کا فیصلہ کیا گویا کہ آپ نے پورے جسم کو غُرّہ سے تعبیر فرمایا۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حارث بن ابی اسامہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر دیت مقرر کی اور پیٹ کے بچہ میں غلام یا لونڈی یا گھوڑا یا خچر مقرر کیا (مسند عبد الرزاق) اور امام بیہقی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حدیث مرفوع میں گھوڑے کا ذکر راوی کا وہم ہے اور بعض راویوں نے غرہ کی تفسیر کرنے کے لیے یہ لفظ روایت میں داخل کر دیا۔

غرہ اصل میں گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں پھر اس لفظ کو آدمی کے لیے بھی استعمال کیا گیا جیسا کہ حدیث میں ہے:

ان امتی یدعون یوم القیٰمۃ غرًّا۔ "میرے امتی قیامت کے دن سفید چہروں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے" اور ہر نفیس چیز پر غرّہ کا اطلاق کیا جاتا ہے خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی، مذکر ہو یا مونث اور ایک قول یہ ہے کہ صرف آدمی پر غرّہ کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اشرف المخلوقات ہے، کیونکہ غرّہ (سفیدی) کا محل چہرہ ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے۔ [2]

علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں "جب کسی نے عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی اور اس ضرب سے عورت کا بچہ ساقط ہو گیا درآں حالیکہ وہ مردہ ہو تو اس میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے یعنی مرد کی دیت کا بیسواں حصہ اور یہ مرد میں ہے اور عورت میں عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور ان میں سے ہر ایک پانچ سو درہم ہے اور قیاس یہ ہے کہ کوئی چیز واجب نہ ہو کیونکہ اس کی حیات کا یقین نہیں ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیٹ کے بچے میں ایک غلام یا باندی کا غرّہ ہے یا اس کی قیمت پانچ سو (درہم) ہے (سنن ابوداؤد و مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ ہدایہ، سعیدی) اور ایک روایت میں ہے یا پانچ سو ہے، لہٰذا ہم نے اس حدیث کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور یہ حدیث امام مالک، اور امام شافعی کے خلاف حجت ہے جنہوں نے چھ سو (درہم) کا قول کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ دیت عاقلہ پر واجب ہے جبکہ پانچ سو درہم ہو اور امام مالک کے نزدیک دیت مارنے والے کے مال میں واجب ہے کیونکہ یہ جز کا بدل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ کو غرہ ادا کرنے کا حکم دیا اور نیز یہ جنین نفس کا بدل ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیت فرمایا ہے اور یہ دیت ایک سال میں ادا کرنا واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک دیت تین سال میں ادا کرنا واجب ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ امام محمد بن حسن نے روایت کیا ہے ———— کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ کو عاقلہ پر ایک سال میں لازم کیا ہے۔ اور غرہ میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اسی وجہ سے اس کا مقدار واحد میں اعتبار کیا گیا ہے اور وہ پانچ سو درہم ہیں اور اگر اس نے پیٹ کے بچہ کو ساقط کیا درآں حالیکہ وہ زندہ تھا اور پھر ساقط ہونے سے مر گیا تو اس پر پوری دیت ہوگی۔ [3]

(حاشیہ صفحہ سابقہ) حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[1] علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۰ھ، الصحاح ج ۲ ص ۷۶۸-۷۶۷، مطبوعہ دار العلم بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۴ھ

[2] حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۹۹-۵۹۸ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

امام ابن ابی شیبہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ "الغرۃ خمس مأۃ" غرہ پانچ سو (درہم) ہے۔[1]
اور پانچ سو درہم ایک اعشاریہ پانچ تین صفر نو (۱،۵۳۰۹) کلوگرام چاندی کے برابر ہے۔

دیت کی مقدار

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک قتل شبہ عمد کی دیت چار قسم کی سو اونٹنیاں ہیں پچیس دوسرے سال کی، پچیس تیسرے سال کی، پچیس چوتھے سال کی اور پچیس پانچویں سال کی۔ یہ دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور قتل خطا میں پانچ قسم کی سو اونٹنیاں ہیں بیس دوسرے سال کی اونٹنیاں، بیس تیسرے سال کی اونٹنیاں، بیس دوسرے سال کے اونٹ، بیس چوتھے سال کی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال کی اونٹنیاں۔ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوں۔[2]

ایک ہزار دینار چار اعشاریہ تین سات چار (۴،۳۷۴) کلوگرام سونے کے برابر ہے اور دس ہزار درہم چاندی تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ (۳۰،۶۱۸) کلوگرام چاندی کے برابر ہے۔

عورت کی نصف دیت کی تحقیق

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے، یہ حضرت علی سے موقوفاً روایت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کیونکہ عورت کا حال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے، عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔[3]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

عن ابن شہاب وعن مکحول وعطاء قالوا ادرکنا الناس علی ان دیۃ المسلم الحر علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مأۃ من الابل فقوم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تلک الدیۃ علی اہل القری الف دینارا واثنی عشر الف درہم ودیۃ الحرۃ المسلمۃ اذا کانت من اہل القری خمس مائۃ دینار او ستۃ الف درہم فاذا کان الذی اصابہا الاعراب فدیتہا مائۃ من الابل ودیۃ الاعرابیۃ اذا اصابہا الاعرابی خمسون من الابل لا یکلف الاعرابی الذہب ولا الورق۔[4]

ابن شہاب مکحول اور عطاء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ تھی۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شہر والوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم دیت مقرر کر دی اور اگر شہری عورت ہو تو اس پر پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم دیت مقرر کر دی اور اگر دیہاتیوں پر دیت واجب ہو تو ان پر سو اونٹ واجب کر دیے اور اگر دیہاتی عورت ہو تو اس پر پچاس اونٹ واجب کیے اور دیہاتیوں کو سونے اور چاندی کا مکلف نہیں کیا۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۵۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵۔۵۸۴ مطبوعہ شرکۃ علمیہ ملتان
[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبری ج ۸ ص ۹۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[4] " " " سنن کبری ج ۸ ص ۹۵

امام محمد بن حسن شیبانی روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفۃ قال: حدثنا حماد عن ابراھیم قال، کان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقول، جراحات النساء علی النصف من جراحات الرجال فی کل شئ۔[1]

امام ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔

اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

عورت کی دیت میں ائمہ مذاہب کی آراء

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ فی عقل المرأۃ ان عقل جمیع جراحھا ونفسھا علی النصف من عقل الرجل فی جمیع الاشیاء۔[3]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عورت کی جان اور اس کے زخموں کی دیت مردوں کی جان اور زخموں کی دیت کا نصف ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

وبلغنا عن علی انہ قال فی دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وما دونھا وبہ ناخذ۔[4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جان اور اعضاء میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی فرماتے ہیں:

قال مالک وتفسیر ذلک انھا تعاقلہ فی الموضحۃ والمنقلۃ وما دون المامومۃ والجائفۃ و اشباھما مما یکون فیہ ثلث الدیۃ فصاعدا فاذا بلغت ذلک کان عقلھا فی ذلک النصف من عقل الرجل۔[5]

امام مالک فرماتے ہیں کہ سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

اما دیۃ المرأۃ فانھم اتفقوا علی انھا علی

بہر حال عورت کی دیت میں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۲۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

[2] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۹۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[3] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۴ ص ۲۶۸-۲۷۷، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۷۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[5] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۶۷۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

النصف من دیۃ الرجل فی النفس فقط [۱]

کہ فقط جان میں اس کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے

امام محمد بن ادریس شافعی لکھتے ہیں:

(قال الشافعی رحمہ اللہ) لم اعلم مخالفا من اھل العلم قدیما ولا حدیثا فی ان دیۃ المراۃ نصف دیۃ الرجل وذلک خمسون من الابل [۲]

(امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا) میں نے قدیم اور جدید اہل علم میں سے کسی کو اس بات کا مخالف نہیں پایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔ اور یہ پچاس اونٹ ہیں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

فدیۃ المراۃ نصف دیۃ الرجل (الی قولہ) ودیۃ اطرافھا وجروحھا نصف ذلک من الرجل [۳]

عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کی نصف ہے۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

دیۃ المراۃ نصف دیۃ الرجل بلا نزاع [۴]

عورت کی دیت بغیر کسی اختلاف کے مرد کی دیت کی نصف ہے۔

امام مالک اور امام احمد دونوں کے نزدیک تہائی دیت تک عورت کے زخموں کی دیت مرد کے زخموں کے برابر ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک قلیل اور کثیر دونوں میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔ البتہ جان کی دیت میں ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔

عورت کی دیت میں غیر مقلدین کا موقف اور بحث و نظر

مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے نسائی اور دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل المراۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتہ [۵]

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے تا وقتیکہ اس کی دیت مرد کی دیت کی تہائی دیت کے برابر ہو جائے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تہائی دیت تک عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے اور تہائی دیت سے اگر زیادہ

---

[۱] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[۲] امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، کتاب الام مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۳ھ

[۳] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۹ ص ۲۵۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

[۴] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۱۰ ص ۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ

[۵] قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۵۴، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۸ھ

ہو جائے تو عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث اور حضرت علی اور حضرت عمر کے آثار کا یہ تقاضا ہے کہ دیت قلیل ہو یا کثیر عورت کی دیت مطلقاً مرد کی دیت کا نصف ہے۔

قاضی شوکانی ان احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

زیادہ بہتر یہ ہے کہ تہائی دیت یا اس سے کم کی متعدد جنایات میں عورت کی دیت کا مرد کی دیت کے برابر حکم کیا جائے اور تہائی دیت سے تجاوز کے بعد عورت کی دیت کو مرد کی دیت کا نصف قرار دیا جائے تاکہ عدل، عقل اور قیاس کی مخالفت نہ ہو (الی قولہ) حضرت علی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، لیث، ثوری، عترہ، شافعیہ اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ قلیل اور کثیر میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل کی حدیث سے استدلال کیا ہے، ہر چند کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں ہے، کیونکہ امام بیہقی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا: "اسنادلا یثبت مثلہ" تاہم اس حدیث کو نسائی اور دارقطنی کی روایت کے ساتھ جمع کرنا ممکن ہے، بایں طور کہ حضرت معاذ کی حدیث کو دیت کاملہ (جان کی دیت) پر محمول کر دیا جائے جیسا کہ ظاہر لفظ کا تقاضا ہے اور اس پر اجماع ہے البتہ اصم اور ابن علیہ کا قول یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ [1]

قاضی شوکانی نے جو حضرت معاذ کی حدیث کو مطلقاً ناقابل استدلال لکھا ہے یہ خطاء فحش ہے، کیونکہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۸ ص ۹۵ پر عبادہ بن نسی کی ایک سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی اور اس پر کوئی جرح نہیں کی اور یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث عبادہ بن نسی نے دوسری سند کے ساتھ بھی روایت کی ہے اور اس میں ضعف ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۸ ص ۹۶ پر لکھا کہ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایسی اسناد کے ساتھ مروی ہے جس کی مثل ثابت نہیں، ظاہر ہے ان کا یہ تبصرہ عبادہ بن نسی کی دوسری سند کے ساتھ متعلق ہے جس کے بارے میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ سند ضعیف ہے نہ کہ اس سند کے ساتھ جس کی حدیث انہوں نے بلاجرح نقل کی ہے۔

یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت معاذ کی یہ حدیث صرف سنن کبریٰ میں ہے کیونکہ حضرت علی اور حضرت عمر کے آثار جو اس کے مؤید ہیں کتاب الآثار (امام محمد، ص ۱۲۶، مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۲۹۷، اور معجم طبرانی (بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹۹) میں موجود ہیں، نیز نسائی اور دارقطنی کی روایت مذکورہ بھی اس کی مؤید ہے اور عورت کی جان کی دیت کے مرد کی دیت کے نصف ہونے پر تمام فقہاء کا اجماع ہے اور اجماع سے قوی کون سی چیز ہے۔!

کیا ابن علیہ اور الاصم کا اختلاف اجماع کے منافی ہے؟

قاضی شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی جان کی دیت مرد کی جان کی دیت کی نصف ہے، البتہ اصم اور ابن علیہ کا اختلاف ہے وہ عورت کی جان کی دیت کو مرد کی جان کی دیت کے مساوی قرار دیتے ہیں، اب یہ بات دیکھنی چاہیے کہ کیا اصم اور ابن علیہ کا اختلاف اجماع کے منافی ہے۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عورت کی نصف دیت کے خلاف ابوبکر الاصم اور ابن علیہ کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا، کہ یہ دونوں استاد شاگرد معتزلی

---

[1] قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ ۱۳۹۸ھ

بلکہ جہمی اور گمراہ ہیں۔ دراصل الاصم اور ابن علیہ کے الفاظ سے ان دونوں کے بارے میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔ فی الواقع اصم بھی دو ہیں اور ابن علیہ بھی دو ہیں، ایک اصم ابوالعباس ہیں دوسرے اصم ابوبکر، اسی طرح ایک ابن علیہ اسماعیل بن علیہ ہیں جو ابن علیہ کہلانا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسرے ابن علیہ ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ۔

(۱)۔ ابوالعباس اصم امام ہیں، ثقہ ہیں اور مشرق کے عظیم محدث ہیں مولود ۲۴۷ھ، متوفی ۳۴۶ھ
(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۶۰)

(۲)۔ اسی طرح اسماعیل بن علیہ بھی اجلہ محدثین میں ہیں جن کے متعلق امام ذہبی نے لکھا "حافظ ہیں" "ثبت ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔ ان کے بارے میں شعبہ کا قول ہے کہ یہ سید المحدثین تھے (ان کی کنیت ابوالبشر ہے) ان کی کوئی تصنیف یا تالیف نہیں پائی جاتی) زیاد بن ایوب نے کہا میں نے اسماعیل بن علیہ کی کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی ان کی ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۳)

(۳)۔ ابوبکر اصم کے متعلق حافظ ابن حجر نے فرمایا "ابوبکر اصم کا نام عبد الرحمٰن بن کیسان ہے یہ معتزلی تھا۔ اصول میں مقالات" اس کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ عبد الجبار ہمدانی معتزلی نے ابوبکر اصم کو اپنے طبقات معتزلہ میں ذکر کیا اور اس کے متعلق کہا کہ وہ نہایت فصیح، متقی اور فقیہی تھا اس کی ایک عجیب تفسیر ہے" اس کے ساتھ ہی فرمایا" ومن تلامذتہ ابراھیم بن اسماعیل بن علیۃ۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۴۲۷)

(۴)۔ ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم ابواسحاق البصری الاسدی، یہ ابن علیہ کے نام سے مشہور تھا، ان متکلمین میں سے تھا جو خلق قرآن کے قائل ہیں (یعنی معتزلہ) امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے مناظرے جاری رہتے تھے۔ یہ ابوبکر الاصم کے غلاموں یعنی اس کے شاگردوں میں سے تھا۔ امام شافعی نے فرمایا ابن علیہ گمراہ ہے، موضع اب السوال میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، ابن عبد البر نے کہا اہل سنت کے نزدیک اس کے مذاہب مہجور ہیں اس کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اسے خلاف سے تعبیر کیا جائے۔ ابن یونس نے "تاریخ الفرباء" نے کہا کہ فقہ میں اس کی کئی تصانیف ہیں، جو جھگڑے کے مشابہ ہیں۔ ابوالحسن العجلی نے کہا کہ ابراہیم بن علیہ جہمی خبیث ملعون تھا۔ ملخص از تاریخ بغداد للخطیب ج ۶ ص ۲۳ - ۲۰، لسان المیزان لابن حجر ج ۱ ص ۳۵ - ۳۴ - ۳، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۱)۔

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر اصم اور ابراہیم بن علیہ دونوں معتزلی اور گمراہ تھے، دونوں صاحب تصانیف تھے۔ فقہ، تفسیر اور اصول میں انھیں دونوں کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف سید المحدثین اسماعیل بن علیہ کی کوئی تصنیف نہیں ہے جسے ان کے کسی قول کا ماخذ قرار دیا جاسکے پھر یہ کہ اسماعیل بن علیہ جیسے صحیح الاعتقاد متقی عالم دین پر توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف کوئی راہ اختیار کریں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ ابوبکر الاصم معتزلی ہے اور ابن علیہ اس کا شاگرد ہے تو اس کے بعد اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ ابن علیہ اسماعیل بن علیہ نہیں بلکہ ابراہیم بن علیہ ہے جو اپنے استاذ ابوبکر الاصم کی طرح معتزلی بلکہ جہمی ہے۔ اس لیے عورت کی نصف دیت کے خلاف دونوں میں سے ایک کا قول بھی اجماع کو مضر نہیں بلکہ یہ دونوں خرق اجماع کے مرتکب ہو کر خود مجرم قرار پائیں گے۔ [۱]

---

[۱] علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ، اسلام میں عورت کی دیت، ص ۴۰ - ۳۹، مطبوعہ بزم سعید لاہور

عورت کی نصف دیت کے سلسلے میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے ایک مبسوط مقالہ رقم فرمایا ہے جو علیحدہ بھی چھپ چکا ہے اور مقالات کاظمی کی جلد ثالث میں بھی شامل ہے اس مقالہ میں قرآن و سنت سے بہ وضاحت کیا ہے کہ عورت کی نصف دیت ہے اور اس پر جس قدر عقلی اور نقلی اعتراضات ہو سکتے ہیں ان سب کے چن چن کر جواب دیئے ہیں۔

عاقلہ کون ہیں؟

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

العاقلة هى العصبة والاقارب من قبل الاب الذين يعطون دية قتيل الخطأ و منه الحديث الدية على العاقلة [1]

عاقلہ عصبات کو کہتے ہیں یعنی باپ کی طرف سے رشتہ دار جو قتل خطا میں قاتل کی جانب سے مقتول کی دیت ادا کرتے ہیں اور اسی معنی میں حدیث ہے "دیت عاقلہ پر ہے":

علامہ عبد القادر عودہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک باپ، دادا، بیٹا اور پوتا عاقلہ میں داخل نہیں ہیں، امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آباء اور ابناء عاقلہ میں داخل ہیں کیونکہ دیت کو برداشت کرنے میں عصبات میراث کی طرح ہیں جس طرح میراث میں عصبات کا اقرب فالاقرب اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح دیت کو برداشت کرنے میں بھی ان کا اعتبار ہوگا۔

ہر فرد پر کتنی دیت ہے؟

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کی جو مقدار مقرر ہوگی وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے، امام شافعی کے نزدیک امیر آدمی پر نصف دینار اور متوسط پر چوتھائی مثقال ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی شخص سے تین یا چار درہم سے زیادہ نہ لیے جائیں۔ (نصف دینار پانچ درہم یعنی ایک اعشاریہ تین ایک دو تولہ چاندی کے برابر ہے اور ربع مثقال ایک اعشاریہ ایک ایک پانچ گرام چاندی کے برابر ہے۔)

اگر کسی شخص کے عصبات نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ، امام محمد، اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ قاتل کے مال سے دیت وصول کی جائے گی۔ دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے۔ [2]

---

[1] علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۳ ص ۲۷۸، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

[2] علامہ عبد القادر عودہ مصری، التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۹۸ - ۱۹۵، ملخصا، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الحدود

حد اور تعزیر کا فرق

حد کا لغوی معنی ہے منع، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو داخل ہونے سے منع کرتا ہے جو چیز دو چیزوں کے درمیان روک اور حجاب ہو اس کو بھی حد کہتے ہیں مجرم کی سزا کو بھی اسی لیے حد کہتے ہیں کہ وہ اس کو دوبارہ ارتکاب جرم سے روکتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں جو سزا شارع کی طرف سے مقرر ہو اس کو حد کہتے ہیں، اس سزا میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی، یہ سات جرموں کی سزائیں ہیں، قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، قذف (تہمت لگانا) شراب نوشی اور ارتداد۔ ان جرائم کی سزائیں شارع نے مقرر کر دی ہیں اور ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزائیں قاضی اور حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی ہیں، قاضی اپنی صوابدید سے جو سزا تجویز کرتا ہے اس کو تعزیر کہتے ہیں۔

اسلامی حدود پر مستشرقین کے اعتراض کا جواب

بعض مستشرقین اور مغاربہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت سخت اور وحشیانہ سزائیں رکھی ہیں رجم کے ذریعہ انسان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ مجرموں پر رحم کھاتے ہیں اور جو سوسائٹی اور معاشرہ ان مجرموں کے شر سے تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اس پر انہیں کوئی رحم نہیں آتا۔

اسلام نے صرف جرم کی سزا ہی مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس جرم کو روکنے کے لیے جامع اور مکمل ہدایات دی ہیں اور ایسے قوانین نافذ کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے ارتکاب جرم کی گنجائش نہیں رہتی اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص جرم کرے تو وہ کیونکر سزا کا مستحق نہیں ہوگا!

زنا کی سزا کو لے لیجیے اگر غیر شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اور اگر شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے۔ لیکن اسلام نے صرف زنا کی سزا مقرر کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ وہ تمام احکام مقرر کیے ہیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے انسان اس جرم سے باز رہ سکتا ہے۔ عورتوں کو پردے میں رہنے کا اور نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا، سوائے اشد ضرورت کے عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی، بن سنور کر اور خوشبو لگا کر باہر جانے سے منع کیا، اجنبیوں سے لوچ دار آواز سے بات کرنے سے روکا، محرموں کے علاوہ باقی رشتہ داروں کے سامنے آنے سے منع کیا۔ مردوں پر عورتوں کا نفقہ فرض کیا تاکہ عورتوں کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا نہ پڑے۔ مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا اور اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ان کو نکاح کرنے پر برانگیختہ کیا کیونکہ پاکبازی کا سب سے بڑا سبب نکاح ہے، ماسوا مہر اور نفقہ کے نکاح میں اور کوئی شرط نہیں رکھی تاکہ ہر شخص آسانی سے نکاح کر سکے، بھاری بھرکم جہیز اور بڑی بڑی دعوتیں اس معاشرہ کی رسومات اور اقدار ہیں، اسلام میں ان کی شرط نہیں ہے مرد کے لیے بشرط انصاف چار شادیوں تک کی اجازت دی کیونکہ حیض اور نفاس کے ایام میں مرد قضاء شہوت نہیں کر سکتا اس لیے

اسلام نے دوسری شادی کی اجازت دے کر اس کو حرام کاری سے بچنے کا موقع دیا تاکہ انسان زنا کی قباحت میں مبتلا نہ ہو جائے، پھر اگر ان تمام امور کے باوجود کوئی شخص زنا کرے تو اس کو سزا دینے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے!

زنا کی سزا جاری کرنے کے لیے بھی کڑی شرائط ہیں جب تک زانی خود اقرار نہ کرے یا چار مرد اس طرح گواہی نہ دیں کہ انھوں نے اس کو یہ فعل اس طرح کرتے دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے یا جب تک کوئی عورت بغیر نکاح کے حاملہ نہ ہو اس وقت تک اس پر سزا جاری نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک گواہی کی بنیاد پر کسی کو رجم نہیں کیا گیا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی ہے کہ شبہات کی وجہ سے حد ساقط کر دی جائے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبۃ۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو، اگر اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی سبیل نکلے تو اس کو جانے دو، کیونکہ اگر امام غلطی سے معاف کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے سزا دے۔

حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر ایک اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لولا جاءو علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون۔ (نور: ۱۳)

وہ (بہتان باندھنے والے) اپنے بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے پس جب وہ گواہ نہ لا سکے تو (جان لو کہ) وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں)۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب تک چار مرد خاص فعل زنا کی گواہی نہ دیں اس وقت تک زنا ثابت نہیں ہوگا۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں ابوبکرہ، شبل بن معبد، نافع اور زیاد نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف زنا کی گواہی دی لیکن زیاد نے کہا میں نے منظر قبیح تو دیکھا ہے لیکن میں اس کو زنا نہیں کہتا اور باقی اپنے بیانوں پر قائم رہے تو حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف لگا دی[2] اور اگر تین مرد یا چار عورتیں کسی کے خلاف زنا کی گواہی دیں تو اس گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوگا گواہی دینے والوں پر حد قذف لگا دی جائے گی۔

گذشتہ سال (۱۹۸۸ء) ایک جسٹس نے یہ سوال اٹھایا کہ فرض کیجیے کہ کسی ایسی جگہ جہاں صرف لڑکیاں ہوں (مثلاً لڑکیوں کا ہوسٹل) وہاں ایک شخص کسی لڑکی سے جبراً زنا کرتا ہے، چار لڑکیاں اس فعل پر گواہ ہیں لیکن وہ عدالت میں پیش نہیں ہو سکتیں کیونکہ حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے اور اگر انھوں نے گواہی دیدی تو داد رسی اور مجرم کو سزا دینے کے بجائے الٹا ان پر حد قذف لگ جائے گی تو بتلائیے وہ مظلوم عورت کیسے انصاف حاصل کرے اور اسلام میں اس کا کیا

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

طریقہ ہے؟

مجھ سے میرے بعض احباب اور رفقاء نے اس سوال کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ اعتراض عورتوں کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ چار کے عدد کی بناء پر ہے فرض کیجئے کسی واقعہ میں تین گواہ ہوں تو اب بھی یہی صورت ہوگی اگر وہ گواہی دیں تو اُلٹا ان پر حد قذف لگ جائے گی ورنہ پھر بھی سوال ہوگا کہ مجرموں کو کس طرح سزا ملے گی۔ بلکہ اگر چار مرد گواہ ہوں لیکن تین نے تو خاص فعل زنا (سرمہ دانی میں سلائی) کو دیکھا اور ایک نے اس خاص فعل کی بجائے باقی افعال دیکھے ہوں تب بھی چاروں کو حد قذف لگ جائے گی جیسا کہ حضرت مغیرہ کے واقعہ میں ہے اصل بات یہ ہے کہ اس جرم کی سزا بہت سخت ہے (رجم یا سو کوڑے) اس لیے اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی بہت مشکل اور کڑی رکھی گئی ہیں۔ آسان شرائط اور گواہوں کی تعداد میں کمی اس لیے نہیں کی گئی کہ اس آسانی اور کمی کی وجہ سے لوگ کسی بے گناہ کو سزا نہ دلوا دیں کیونکہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی مجرم کا سزا سے چھوٹ جانا اس سے بہتر ہے کہ کوئی بے گناہ سزا میں پھنس جائے۔

مجھ سے ایک جج صاحب نے کہا کہ فرض کیجئے کہ ایک عورت کے ساتھ کسی نے زنا کیا اور اس کا کوئی گواہ نہیں ہے وہ عدالت سے کیسے انصاف حاصل کرے گی؟ میں نے کہا دنیا کے کسی قانون کے تحت بھی بغیر ثبوت کے سزا نہیں دی جا سکتی اور اگر عدم ثبوت کی وجہ سے قانون سزا نہ دے سکے تو اس سے وہ قانون نیل نہیں ہوتا۔ فرض کیجئے جنگل میں ایک بوڑھا شخص اپنے جوان بیٹے کے ساتھ جا رہا تھا ان کے کسی دشمن نے اس بوڑھے کے بیٹے کو قتل کر دیا، بوڑھے کے پاس کوئی گواہ نہیں، کوئی ثبوت نہیں، بتلائیے وہ قصاص کیسے حاصل کرے گا؟ جج صاحب نے کہا اگر قاتل کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے میں نے کہا پھر اس زانی کو بھی چھوڑ دیجئے جس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے۔ میں نے کہا اگر ہر مدعی تک انصاف پہنچانے کے لیے گواہوں کی شرط اٹھا دی جائے تو بے شمار بے گناہ سزا پائیں گے جس شخص کو جس سے کوئی شکایت ہوگی وہ اس کے خلاف زنا یا قتل کا الزام لگا دے گا! ایک طرف تو مخالفین اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں سزائیں سخت رکھی ہیں اور جب اسلام نے ان سزاؤں کے وقوع کو کم کرنے کے لیے گواہوں کی کڑی شرطیں رکھیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ گواہوں کی شرط کی وجہ سے ظالم کو سزا نہیں مل پاتی اور مظلوم کی داد رسی نہیں ہوتی غرض یہ کہ مخالفین اسلام کو کسی طرح چین نہیں آتا۔

حدود میں عورتوں کی گواہی کی تحقیق

اسلامی حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے اور اس کا ثبوت حسب ذیل احادیث اور آثار سے ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الزهری قال، مضت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین من بعدہ الا تجوز شهادة النساء فی الحدود[1]

زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی یہ سنت جاری رہی کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں تھی۔

عن عامر قال لا تجوز شهادة النساء فی الحدود[2]

عامر کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

---

[1] امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۵۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] 〃 〃 〃 المصنف ج ۱۰ ص ۵۹، 〃

عن الحسن قال: لا تجوز شهادة النساء فی الحدود۔[1]

حسن بصری کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

عن سفیان قال سمعت حمادا یقول لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود۔[2]

سفیان کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الحکم بن عتیبۃ ان علی بن ابی طالب قال لا تجوز شہادۃ النساء فی الطلاق والنکاح والحدود والدماء۔[3]

حکم بن عتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: طلاق، نکاح، حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

عن الحسن والزہری قالا: لا تجوز شہادۃ النساء فی حد ولا طلاق ولا نکاح وان کان معہن رجل۔[4]

حسن بصری اور زہری کہتے ہیں کہ حدود، طلاق اور نکاح میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے خواہ ان کے ساتھ مرد ہو۔

عن عبدالرحمان قال: لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود۔[5]

عبدالرحمن کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

عن الشعبی قال: لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود۔[6]

شعبی کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

یہ احادیث سنن بیہقی میں بھی ہیں اور ان احادیث کے پیش نظر جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے: فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان (بقرہ: ۲۸۲) "اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں" حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن منذر نے کہا کہ علماء نے اس ظاہر آیت کے مطابق مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی جائز قرار دی ہے اور جمہور نے اس آیت کو قرضہ جات اور اموال کے ساتھ مختص کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔[7]

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۵۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

[2] " " " " ، المصنف ج ۱۰ ص ۶۰، " " "

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۰ - ۳۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[4] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۲۹ " " "

[5] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۰ " " "

[6] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۱ " " "

[7] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حدود میں عورتوں کی شہادت کا اعتبار کرنے پر متجددین کا ایک استدلال

۱۹۸۸ء میں وفاقی شرعی عدالت میں عبدالوحید صدیقی وکیل نے حدود میں عورتوں کی گواہی کے جواز پر جامع ترمذی کی حسب ذیل حدیث سے استدلال کیا:

حدثنا محمد بن یحیی ثنا محمد بن یوسف عن اسرائیل ثنا سماک بن حرب عن علقمة بن وائل الکندی عن ابیه ان امرأة خرجت علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم ترید الصلوٰة فتلقاها رجل فقضی حاجته منها فصاحت فانطلق و مر بها رجل فقالت ان ذٰلک الرجل فعل بی کذا و کذا و مرت بعصابة من المهاجرین فقالت ان ذالک الرجل فعل بی کذا و کذا فانطلقوا فاخذوا الرجل الذی ظنت انه وقع علیها فاتوها فقالت نعم هو هٰذا فاتوا به رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما امر به یرجم قام صاحبها الذی وقع علیها فقال یا رسول الله انا صاحبها فقال لها اذهبی فقد غفر الله لک وقال للرجل قولا حسنا وقال للرجل الذی وقع علیها ارجموه وقال لقد تاب توبة لو تابها اهل المدینة لقبل منهم هذا حدیث حسن غریب صحیح و علقمة بن وائل بن حجر سمع من ابیه۔[1]

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادے سے گئی ایک شخص اس سے ملا اور اس نے عورت سے اپنی خواہش پوری کر لی وہ عورت چلائی اور وہ شخص بھاگ گیا، ایک اور آدمی کا وہاں سے گذر ہوا، اس عورت نے کہا اس شخص نے میرے ساتھ اس اس طرح کام کیا ہے پھر اس عورت کا مہاجرین کی ایک جماعت پر گذر ہوا۔ اس عورت نے کہا اس شخص نے میرے ساتھ اس اس طرح کام کیا ہے، مہاجرین نے اس شخص کو پکڑ لیا جس کے متعلق اس عورت نے یہ گمان کیا تھا کہ اس نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کی ہے اور اس آدمی کو اس عورت کے پاس لائے عورت نے کہا ہاں! یہی وہ شخص ہے، وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو رجم کرنے کا حکم دے دیا تو جس شخص نے در حقیقت اس کے ساتھ بُرا کام کیا تھا وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے ساتھ کام کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا جا تجھے اللہ معاف کرے، اور اس (بے قصور) شخص کے بارے میں اچھے کلمات فرمائے اور جس شخص نے اس عورت سے زنا کیا تھا اس کے متعلق فرمایا اس کو رجم کر دو اور فرمایا اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ یہ توبہ کرتے تو ان کی یہ توبہ قبول کر لی جاتی، یہ حدیث حسن غریب، اور صحیح ہے اور علقمہ نے اپنے باپ وائل بن حجر سے سماع کیا ہے۔

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو از محمد بن یحییٰ بن فارس از فریابی از اسرائیل از سماک بن حرب از علقمہ بن وائل از وائل بن حجر روایت کیا ہے۔[۱]

استدلال مذکور کے جوابات

میرے احباب نے جب مجھ پر یہ اشکال پیش کیا تو میں نے کہا اولاً تو حدود میں عورت کی گواہی ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث مفید نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ عورت نے اصل مجرم کے بجائے ایک بے قصور شخص کے خلاف گواہی دے کر اس کو پکڑوا دیا اور قریب تھا کہ ایک بے قصور شخص کو رجم کر دیا جاتا وہ تو اصل شخص کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا اور اس نے آکر کہا مجرم یہ نہیں ہے میں ہوں لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورت کی گواہی پر حد جاری ہوئی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی گواہی سے ایک بے قصور آدمی پکڑا گیا اس لیے حدود میں عورتوں کی گواہیوں کو معتبر نہیں ہونا چاہیے ورنہ کئی بے گناہ اور بے قصور آدمی مارے جائیں گے۔!

ثانیاً یہ حدیث قرآن اور احادیث مشہورہ کے صریح خلاف ہے قرآن مجید میں ہے: لولا جاءو علیه باربعة شهداء فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكاذبون (نور: ۱۳) (بہتان باندھنے والے) اپنے بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے جب وہ گواہ نہ لاسکے تو (جان لوکہ) وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اس حدیث میں چار گواہوں کا ذکر نہیں ہے نہ یہ ہے کہ اس شخص نے اعتراف جرم کیا محض یہ ہے کہ اس عورت نے کہا اس شخص نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور آپ نے رجم کا حکم دے دیا حالانکہ آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص آکر از خود اعتراف کرتا تو آپ یہ فرماتے شاید تم نے صرف بوس و کنار کیا ہو اور چار بار اس سے اقرار کراتے اس کے بعد رجم کا حکم دیتے اور جب اس کے خلاف چار مردوں کی گواہی بھی تھی نہ اس نے اعتراف کیا تھا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفتیش کی محض ایک عورت کے الزام دینے پر آپ نے اس کو رجم کا حکم دے دیا یہ صریح قرآن، سنت مشہورہ اور عقل سلیم کے خلاف ہے اور جو حدیث قرآن، سنت اور عقل کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انها تکون بعدی رواة یروون عنی الحدیث فاعرضوا حدیثهم علی القرآن فما وافق القرآن فخذوا به وما لم یوافق القرآن فلا تأخذوا به۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد کچھ لوگ مجھ سے حدیث روایت کریں گے تم ان حدیثوں کو قرآن پر پیش کرو۔ پس جو احادیث قرآن مجید کے موافق ہوں ان کو قبول کرو اور جو قرآن مجید کے موافق نہ ہوں ان کو قبول نہ کرو۔

امام دار قطنی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ علی بن الحسین سے مرسلاً روایت ہے۔[۲]

---

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۷ھ

[۲] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۹، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

اور علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

ولا یقبل خبر الواحد فی منافاۃ حکم العقل وحکم القرآن الثابت المحکم والسنۃ المعلومۃ۔[1]

جو خبر واحد (حدیث) عقل، قرآن مجید اور سنت معلومہ کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اس لفظ ترمذی میں اصل علت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دھوکے سے کسی مرد پر زنا کی تہمت رکھ دے اور حاکم کے حضور نہ وہ مرد اقرار کرے نہ اصلاً کوئی شہادت معائنہ گذرے چار در کنار ایک گواہ بھی نہ ہو تو کیا ایسی صورت میں حاکم کو روا ہے کہ صرف عورت کے نام لے دینے سے اس کے رجم وقتل کا حکم دے دے۔ حاشا ہرگز نہیں ایسا حکم قطعاً یقیناً اجماعاً قرآن عظیم و شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف اور صریح باطل وظلم وخون انصاف ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، اور یہاں اسی قدر واقع تمہارے ائمہ کے ہاں مقبول ہے مگر انقطاع باطن باجماع اہل علم مردود باطل ومخذول ہے اگرچہ کیسی ہی سند نظیف وصحیح سے آئے نہ کہ یہ سند بوجوہ محل نظر ہے۔[2]

اس حدیث کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ضعیف راوی ہیں جیسا کہ امام احمد رضا خاں نے ارشاد فرمایا: اس حدیث کا تیسرا راوی اسرائیل ہے ہرچند کہ اس کی تعدیل بھی کی گئی ہے لیکن ابن حزم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسرائیل کی سند سے جتنی احادیث ہیں ان کو رد کر دیا۔ اور عثمان بن ابی شیبہ نے عبد الرحمن بن مہدی سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل چور ہے اور حدیثیں چراتا ہے۔[3]

اس حدیث کا چوتھا راوی سماک بن حرب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ مضطرب الحدیث ہے، شعبہ اس کو ضعیف کہتے تھے۔ ابن معین نے کہا اس نے ان احادیث کو سند سے بیان کیا جن کو دوسرے راویوں نے نہیں بیان کیا، ابن عمار نے کہا یہ غلط بیانی کرتا تھا، ثوری اس کو ضعیف کہتے تھے۔ ابن مدینی نے اس کی روایات کو مضطرب کہا۔ ابن مبارک نے کہا کہ سماک ضعیف ہے، صالح نے کہا یہ ضعیف ہے، ابن خراش نے کہا اس کی حدیث میں ضعف ہے ابن حبان نے کتاب الثقات میں کہا یہ بہت خطا کرتا تھا۔[4]

اس حدیث کا پانچواں راوی علقمہ ہے ہرچند کہ امام ترمذی نے یہ کہا ہے کہ علقمہ نے اپنے والد حضرت وائل بن حجر سے سماع کیا ہے لیکن امام احمد رضا نے لکھا ہے۔ وائل رضی اللہ عنہ سے علقمہ کے سماع میں کلام ہے، امام یحییٰ بن معین ان کی روایت کو منقطع بتاتے ہیں اور اسی پر حافظ نے تقریب میں جزم کیا، میزان میں ہے کہ علقمہ بن وائل صادق ہیں لیکن انہوں نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا۔ امام ابوداؤد نے بھی یہ حدیث اسی سند سے بیان کی ہے[5]

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی متوفی ۴۶۳ھ، الکفایہ فی علم الروایہ ص ۴۳۲ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

[2] امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، ازاحۃ العیب بسیف الغیب ص ۱۷، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور، ۱۳۳۰ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۳، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف دکن، ۱۳۲۵ھ

[4] " " " " ، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۲-۲۳۳۔

[5] امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، ازاحۃ العیب بسیف الغیب ص ۱۵، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور ۱۳۳۰ھ

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث روایۃً و درایۃً عقلاً و سنداً مردود ہے، اس لیے اس حدیث سے نہ حدود میں عورت کی شہادت پر استدلال ہو سکتا ہے نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے اگر آپ کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ اس بے گناہ شخص کو رجم کا حکم نہ دیتے۔

شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بغیر اقرار اور شہادت کے رجم کرنے کا حکم دینا صحیح نہیں ہے اور جو عورت مدعی تھی اس کا قول دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ (نصاب شہادت نہ ہونے کی وجہ سے) وہ عورت اس بات کی مستحق تھی کہ اس کو حد قذف لگائی جاتی اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ محمل ہو فلما قاربا ان یامر به - یعنی قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیتے اور راوی نے اس کو فلما امر به "آپ نے رجم کا حکم دے دیا" سے تعبیر کر دیا کیونکہ ظاہر حال یہ تھا کہ اس شخص کو حاکم کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا اور حاکم اس کی تفتیش میں مشغول تھے۔ [1]

امام احمد رضا اس جواب کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حاکم کے تفتیش میں مشغول ہونے سے بلا دلیل یہ کب سمجھ میں آتا ہے کہ حاکم ملزم کو رجم کا حکم دینے والے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر دلیل کے ایک مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دینے والے نہیں تھے پھر دیکھنے والا یہ کیسے اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ رجم کا حکم دینے والے تھے اور وہ اٹکل پچو سے یہ کیسے حکم لگا سکتا ہے کہ آپ نے اس کو رجم کا حکم دے دیا اور ایسی باطل فہم کی صحابی رسول کی طرف نسبت کرنا جس سے عام مسلمان بھی بری ہوں اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ صحابی رسول (یعنی حدیث کے راوی) نے اس غلط فہم پر اعتبار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا دلیل رجم کرنے کی نسبت کر دی۔ اس صحابی رسول کو بہت بھاری عیب لگانا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ صحابہ اپنی فہم سے (خلاف واقع) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا دلیل کسی کام کے کرنے کی نسبت کر دیتے تھے تو صحابہ کرام کی روایات سے اعتماد اٹھ جائے گا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ [2]

اگر شیخ عظیم آبادی کے اس جواب کو درست مان لیا جائے تو یہ اشکال پھر بھی موجود ہے کہ جب بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ وہ شخص بے قصور تھا اور اس عورت نے اس شخص کی طرف زنا کی تہمت غلط لگائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو حد قذف کیوں نہیں لگائی؟ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دو غلط کام منسوب ہیں بغیر اقرار اور گواہ کے ایک بے قصور شخص کو رجم کا حکم دینا اور جس عورت نے ایک بے قصور شخص پر زنا کی تہمت لگائی تھی اس پر حد قذف نہ لگانا اس لیے یہ روایت قطعاً باطل اور مردود ہے۔

امام احمد رضا اس حدیث کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف ظاہر شرع پر عمل کا اذن ہوتا ہے اور سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے علم مغیبات پر عمل کا حکم ہے ولہٰذا انہوں نے نا سمجھ بچے کو بے کسی جرم کے قتل کر دیا اور یہ کہ اب جو ناگہانی موت سے مر جاتے ہیں انہیں بھی وہی قتل فرماتے ہیں اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر شرع اور اپنے علم غیب دونوں پر عمل و حکم کا رب عزوجل نے اختیار دیا ہے اور امام قرطبی نے اجماع علماء نقل فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ محض اپنے علم کی بنا پر قتل کا حکم فرما دیں اگرچہ گواہ شاہد کچھ نہ ہو اور حضور کے سوا دوسرے کو

---

[1] شیخ شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ، عون المعبود ج ۴ ص ۲۳۳ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، ازاحۃ العیب بسیف الغیب ص ۱۸-۱۷، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور، ۱۴۳۰ھ

یہ اختیار نہیں (الی قولہ) حضور نے برینائے تہمت ہرگز یہ حکم نہ دیا بلکہ اپنے علوم غیب سے جانا کہ یہ شخص قابل رجم ہے اس بناء پر حکم رجم فرمایا۔ [1]

اس توجیہ پر اولاً یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بربناء علم غیب اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا تھا تو پھر اس کا رجم کیا جانا ضروری تھا حالانکہ اس کا رجم کہیں ثابت نہیں، ثانیاً جب اصل شخص نے اقرار کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے قصور شخص کی تعریف فرمائی ترمذی اور ابوداؤد میں ہے وقال للرجل قولا حسنا۔ اگر وہ قابل رجم ہوتا تو اس کی تحسین نہ فرماتے اور اس کی تحسین کرنا دراصل اس بات کی تلافی ہے اگر آپ نے اس کو بے سبب رجم کا حکم دیا تھا اور آپ سے یہ متصور نہیں کہ آپ کسی کو بلاوجہ اور بلا دلیل قتل کرنے کا حکم دیں اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس عورت پر حد قذف کیوں نہیں لگائی اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ روایت باطل اور مردود ہے۔

کیا عورت کا مرد کو تہمت لگانا جائز ہے؟

بعض علماء نے یہ بحث بھی کی ہے کہ مرد کا کسی عورت پر زنا کی تہمت لگانا منع ہے اور حد قذف کا موجب ہے اور قرآن مجید میں اسی کو منع کیا ہے: والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (نور: ۴) "اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی کوڑے مارو" اور اگر کوئی عورت کسی پاکباز مرد پر تہمت لگائے تو قرآن مجید نے اس سے نہیں روکا، یہی وجہ ہے کہ جب اس عورت نے ایک بے قصور مرد پر زنا کی تہمت لگائی تو آپ نے اس عورت کی مذمت کی نہ اس کو حد قذف لگائی اس لیے ترمذی اور ابوداؤد کی یہ روایت صحیح ہے۔

اسی طرح بعض علماء نے یہ بحث بھی کی ہے کہ اگر شوہر عورت پر بلا ثبوت زنا کی تہمت لگائے تو اسلام نے لعان کا حکم دیا ہے لیکن اگر بیوی شوہر پر زنا کی تہمت لگائے تو اسلام نے لعان کا حکم نہیں دیا، اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا مرد کو بلا ثبوت زنا کی تہمت لگانا جائز ہے اور اگر عورت مرد کو تہمت لگائے تو اس پر حد قذف نہیں ہے۔

یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اول تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں صرف پاکدامن عورت کو تہمت لگانے پر حد قذف کا بیان ہے قرآن مجید میں جس واقعہ افک پر حد قذف کا حکم نازل ہوا، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ دونوں پر تہمت لگائی گئی تھی اور تہمت لگانے والوں میں مرد بھی تھے اور ایک عورت بھی، اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سب پر حد قذف لگائی گئی جیسا کہ عنقریب سنن ابوداؤد کے حوالے سے واضح ہوگا۔ علاوہ ازیں دیگر احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ جب بھی کسی عورت نے کسی مرد پر تہمت لگائی اس پر حد لگائی گئی خواہ وہ اس کا شوہر ہو یا اجنبی مرد، اور خواہ اس نے اپنے بارے میں تہمت لگائی ہو یا کسی اور کے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی عبد اللہ بن ابی بکر ان ام کلثوم

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ام کلثوم بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ حبیبہ بنت خارجہ اپنے

[1] امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، ازاحۃ العیب بسیف الغیب ص ۲۳ - ۲۲، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور، ۱۳۴۰ھ

ابنة ابی بکر وھی انصاریة اخبرته ان حبیبة بنت خارجة بعثت بجاریة لھا مع زوج لھا من الانصار یقال لہ حبیب بن اساف الی الشام فقالت انھا بالشام انفق لھا، فبعھا ما رایت، وقالت تغسل ثیابك وتنظر رحلك وتخدمك فذھب فابتاعھا لنفسہ، ثم رجع بھا الی المدینة حبلی۔ فجاءت ابنة خارجة عمر بن الخطاب فانکرت ان تکون امرته ببیعھا فھم عمر بزوجھا برجمہ حتی کلمھا قومھا، فقالت: اللّٰھم انما اشھد انی کنت امرته ببیعھا، فاقرت بذلك لعمر فضربہ بھا ثمانین۔[1]

خاوند کے ساتھ جوکہ انصاری تھے اور ان کا نام حبیب بن اساف تھا اپنی باندی شام کی طرف بھیجی اور کہا تم شام میں اس پر خرچ کرنا اور مناسب داموں پر اس کو بیچ دینا اور کہا یہ تمہارے کپڑے دھوئے گی اور تمہارے سامان کی حفاظت کرے گی اور تمہاری خدمت کرے گی۔ حبیب بن اساف گئے اور انھوں نے اس کو اپنے لیے خرید لیا اور پھر باندی کو واپس لے کر آئے درآں حالیکہ وہ حاملہ ہو چکی تھی، (ان کی بیوی) بنت خارجہ حضرت عمر کے پاس گئیں اور انھوں نے اپنے خاوند کو باندی بیچنے کا جو حکم دیا تھا اس کا انکار کر دیا، حضرت عمر نے اس کے خاوند کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا حتیٰ کہ بنت خارجہ کی قوم نے اس سے اس معاملہ میں گفتگو کی (کہ خدا کا خوف کرو اور جھوٹ نہ بولو) تو اس نے کہا اے اللہ! اب میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس کو باندی بیچنے کا حکم دیا تھا، پھر اس نے حضرت عمر کے سامنے اس بات کا اقرار کیا اور حضرت عمر نے اس کو اسی کوڑے کی حد لگائی۔

عبد الرزاق عن معمر عن قتادة ان امراة جاءت الی عمر فقالت، ان زوجھا زنی بولیدتھا، فقال الرجل لعمر: ان المراة وھبتھا لی، فقال عمر: لتاتین بالبینة او لارضخن راسك بالحجارة فلما رات المراة ذلك، قالت: صدق، قد کنت وھبتھا لہ ولکن حملتنی الغیرة، فجلدھا عمر الحد وخلی سبیلہ۔[2]

امام عبد الرزاق معمر سے اور وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت نے آکر کہا میرے خاوند نے میری باندی سے زنا کیا ہے، خاوند نے حضرت عمر سے کہا اس عورت نے وہ باندی مجھے ہبہ کر دی تھی، حضرت عمر نے فرمایا یا تو تم اس ہبہ پر گواہ لاؤ ورنہ میں تم کو پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ عورت نے جب یہ معاملہ دیکھا تو کہنے لگی یہ سچ کہہ رہا ہے میں نے باندی اس کو ہبہ کر دی تھی لیکن غیرت نے مجھے اس (شکایت) پر ابھارا، پھر حضرت عمر نے اس عورت کو حد (قذف) لگائی اور مرد کو چھوڑ دیا۔

عبد الرزاق عن الثوری عن سلمة بن کھیل علی حجیة ابن عدی ان امراة جاءت الی علی فقالت ان زوجھا وقع علی جاریتھا

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ میرے خاوند نے میری باندی سے زنا کیا ہے!

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج، ص ۳۴۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] " " " " ، المصنف ج، ص ۳۴۸، " "

فقال ان تكوني صادقة نرجمه، وان تكوني كاذبة نجلدك، فقالت: يا ويلها غيرى نغرة قال واقيمت الصلوٰة فذهبت .[1]

حضرت علی نے فرمایا اگر تم سچی ہو تو ہم تمہارے خاوند کو رجم کر دیں گے اور اگر تم جھوٹی ہو تو تم کو حد قذف لگائیں گے۔ وہ عورت کہنے لگی شدید غیرت اور جوشِ غضب پر افسوس ہو! پھر نماز پڑھی گئی اور وہ عورت چلی گئی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے تہمت لگانے پر حضرت علی بھی حد قذف لگاتے تھے۔ یہاں حد قذف لگانے کا ذکر نہیں ہے یا تو راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا یا حضرت علی نے اس لیے حد نہیں لگائی کہ اس کے خاوند نے حد کا مطالبہ نہیں کیا تھا یا چونکہ اس نے مغلوب الغضب ہو کر یہ کلمہ کہا تھا اور فوراً رجوع کر لیا تھا اس لیے آپ نے حد جاری نہیں کی۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ظاہر ہو گیا کہ وہ عورت کو بھی حد قذف لگاتے تھے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن نافع قال وهبت امرأة لزوجها جارية فخرج بها في سفر فوقع عليها فحبلت فبلغت امراته حبلها فاتت عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقالت اني بعثت معي زوجي جارية تخدمه وتقوم عليه فبلغني قد حبلت قال فلما قدم الرجل ارسل اليه عمر رضي الله عنه قال ما فعلت الجارية فلانة؟ احبلتها قال نعم قال اابتعتها قال لا قال فوهبتها لك قال نعم قال فلك بينة على ذلك قال لا فقال لا تأتيني بالبينة اولا ارجمنك فقيل للمرأة ان زوجك يرجم فاتت عمر رضي الله عنه فاقرت انها وهبتها له فجلدها عمر رضي الله عنه اراه حد القذف .[2]

نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اپنی باندی ہبہ کر دی، وہ اس کے ساتھ ایک سفر میں گیا، اس سے جماع کیا اور وہ حاملہ ہو گئی اور اس کی بیوی کو بھی اس کے حمل کی خبر پہنچ گئی۔ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا میں نے اپنے خاوند کے ساتھ ایک باندی خدمت اور کام کاج کے لیے بھیجی تھی اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حاملہ ہو گئی، جب وہ شخص واپس آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور فرمایا تم نے فلاں لونڈی کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس کو حاملہ کر دیا! اس نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم نے اس کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا کیا تمہاری بیوی نے اس کو ہبہ کر دیا تھا؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تم اس ہبہ پر گواہ لاؤ ورنہ میں تم کو رجم کر دوں گا، پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ اس کا خاوند رجم کر دیا جائے گا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اقرار کر لیا کہ اس نے وہ باندی خاوند کو ہبہ کر دی تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو حد قذف لگا دی۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۴۱، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن اشعث عن الحسن انہ سئل عن المراۃ تعلق بالرجل فتقول فعل بی فقال الحسن: قذفت رجلا من المسلمین علیھا الحد قال، وقال ابراھیم ھی طالبۃ حق فکیف تقول۔ [1]

اشعث کہتے ہیں کہ حسن بصری سے سوال کیا گیا ایک عورت نے ایک مرد پر زنا کی تہمت لگائی آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حسن بصری نے کہا اس نے ایک مسلمان شخص پر تہمت لگائی اس کو حد لگے گی! ابراہیم نے کہا آپ کیسے کہہ رہے ہیں وہ اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہے؟

عن الاشعث عن الحسن فی رجل قالت لہ امراۃ: ان ھذا زنی بی قال: تجلد بقذفھا الرجل ولا یجلد الرجل۔ [2]

اشعث کہتے ہیں کہ حضرت حسن سے پوچھا گیا کہ ایک عورت نے ایک شخص کے متعلق کہا اس نے مجھ سے زنا کیا ہے الحسن بصری نے کہا مرد پر تہمت لگانے کی وجہ سے عورت کو کوڑے لگائے جائیں گے اور مرد کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔

ان تمام احادیث اور آثار میں اس بات کی واضح تصریح ہے کہ عورت اگر کسی مرد پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی خواہ وہ یہ تہمت اپنے شوہر پر لگائے یا کسی اجنبی شخص پر۔

سنن ابوداؤد کی اس حدیث میں بھی اس کی صاف تصریح ہے:

عن عائشۃ قالت لما نزل عذری قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فذکر ذلک وتلا تعنی القرآن فلما نزل من المنبر امر بالرجلین والمراۃ فضربوا حدھم۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب میری برائت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کی اور منبر سے اتر کر دو مردوں اور ایک عورت پر حد (قذف) لگانے کا حکم دیا سو ان پر حد لگائی گئی۔

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

فامر برجلین وامراۃ ممن تکلم بالفاحشۃ حسان بن ثابت ومسطح بن اثاثۃ قال النفیلی ویقولون المراۃ حمنۃ بنت جحش۔ [4]

جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان پر حد قذف لگانے کا حکم دیا مردوں میں حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ تھے، نفیلی نے کہا صحابہ کہتے تھے کہ عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔

---

[1] حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۰۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

[2] ″ ″ ″ ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۰۸، ″ ″

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۶ھ

[4] ″ ″ ″ ، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۸، ″ ″ ″

حضرت حمنہ بنت جحش نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل سلمی دونوں پر تہمت لگائی تھی۔ اور ان پر حد قذف لگائی گئی اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر عورت مرد پر تہمت لگائے تو اس کو حد قذف لگائی جاتی ہے۔

کیا حدود جاری کرنا پردہ پوشی اور ستر عیوب کے خلاف ہے؟

اجراء حدود پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اسلام نے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے کی ہدایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری) اور دوسری طرف سختی کے ساتھ حد جاری کرنے کا حکم دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ (نور: ۲) ”اور تمہیں ان کے ساتھ رحمدلی، اللہ کے دین (پر عمل کرنے) میں متاثر نہ کرے۔“ اور حد جاری کرنے کی ایک وجہ مجرم کے خلاف شہادت دینا ہے اور اس سے مجرم کی پردہ دری ہوگی اور یہ پہلے حکم یعنی مسلمان کی پردہ پوشی کرنے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص شامت نفس یا شیطان کے بہکانے سے ایک آدھ بار کوئی جرم کرے اور اس جرم کو چھپائے اور اگر وہ کسی کے علم میں آجائے تو اس کو چھپانا چاہیے، چنانچہ جب حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا اور ان کو ہزال نے یہ مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اپنے جرم کا اعتراف کریں تو آپ نے ہزال کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا لوسترتہ بثوبک لکان خیرا لک۔ ”اگر تم اس کی پردہ پوشی کرتے تو یہ بہتر تھا“ (سنن ابو داؤد) اور اگر کوئی شخص ان برے کاموں کو اپنا مشغلہ بنالے اور ان برے کاموں پر فخر کرے تو اس کے خلاف شہادت دینا واجب ہے تاکہ احکام الٰہیہ کی سبکی اور حدود الٰہیہ کی بے حرمتی نہ ہو۔

کیا اسلامی حدود غیر انسانی اور وحشیانہ سزائیں ہیں؟

اسلامی حدود جاری کرنے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں غیر انسانی اور وحشیانہ ہیں اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس اعتراض کا اصل سبب یہ ہے کہ زنا اور شراب نوشی کا رواج آج بعض ملکوں میں اس قدر عام ہو چکا ہے کہ یہ چیزیں اب ان کے معمولات میں سے ہیں اور اب ان کے لیے یہ کوئی بری بات نہیں ہے، چند سال پہلے انگلستان کی پارلیمنٹ یہ قانون پاس کر چکی ہے اگر ایک اجنبی مرد اور عورت چار سال تک ایک ساتھ رہیں تو ان کو قانونی طور پر شوہر اور بیوی تسلیم کر لیا جائے گا ایسے معاشرے اور ماحول میں اگر زنا کی سزا کو وحشیانہ کہا جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے!

زنا کی پہلی برائی یہ ہے کہ اس سے نسب محفوظ نہیں رہتا اور زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو عرف میں حرامی کہا جاتا ہے، اس کا کوئی قانونی ولی نہیں ہوتا اور اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ دوسری برائی یہ ہے کہ جب عورت قانوناً کسی ایک شخص کی پابند نہیں ہوگی تو کئی شخص اس کے دعویدار ہو جائیں گے اور اس سے فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی نوبت آئے گی، تیسری برائی یہ ہے کہ جب عورت ہر مرد کا فراش بن سکے گی تو اس کی اور ایک جانور کی زندگی میں کوئی فرق نہیں رہے گا، چوتھی برائی یہ ہے کہ جو عورت بغیر نکاح کے لوگوں کی خواہشات پوری

کرے گی۔ آخر وہ کسی نہ کسی کی بہن اور بیٹی ہو گی اب اگر وہ اس عورت کے اس فعل پر راضی رہیں تو یہ بے غیرتی ہے اور اگر راضی نہ ہوں تو اس سے فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ خلاصہ یہ کہ زنا کاری کا فتنہ بے شمار فتنوں کا دروازہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس جرم کو روکنے کے لیے کوڑوں اور رجم کی سزا مقرر فرمائی ہے۔

شراب نوشی کی بھی بے شمار خرابیاں ہیں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ شراب نوشی سے عقل معطل ہو جاتی ہے پھر انسان حیوانوں سے کام کرنے لگتا ہے۔ بہت عرصہ ہوا میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا ایک کلب میں باپ اور بیٹی دونوں شراب کے نشہ میں دھت تھے اور اس نشہ کے عالم میں وہ آپس میں فحش حرکات کرنے لگے! العیاذ باللہ!! دوسری خرابی یہ ہے کہ شراب نوشی کی وجہ سے کئی مہلک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ شراب نوشی کے بعد بعض اوقات انسان کفریہ کلمہ کہہ دیتا ہے امام رازی اور علامہ آلوسی نے بیان کیا ہے کہ ابن ابی الدنیا ایک شرابی کے پاس سے گذرے وہ اپنے پیشاب سے وضو کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام کو نور اور پانی کو پاک کرنے والا بنایا! اس لیے شریعت اسلامیہ نے اس کو پوری شدت سے روکا اور شراب نوشی پر اسی کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی۔

(۲)۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدود میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ غیر انسانی سزائیں ہیں ہم ان سے کہتے ہیں چلیے یہ مان لیا کہ یہ غیر انسانی سزائیں ہیں، لیکن جن افعال پر سزائیں دی جاتی ہیں کیا وہ انسانوں کے کام ہیں؟ بغیر نکاح کے ہوس پوری کر لینا، بغیر کسی استحقاق کے کسی کا مال لے لینا، کسی پاک دامن پر تہمت لگانا، اور شراب نوشی کے بعد حیوانوں کے سے کام کرنا کیا یہ غیر انسانی افعال نہیں ہیں پھر اگر ان کاموں پر اگر ویسی ہی سزا دی جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

(۳)۔ اگر جسم کے کسی عضو میں ایسی بیماری ہو جائے جس سے باقی جسم کو ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق تمام انسان ایک جسم ہیں (المومنون کرجل واحد مشکوٰۃ) اور اشخاص اس جسم کے اعضاء ہیں، اور جب کوئی شخص، چوری، شراب نوشی یا زنا کرتا ہے تو اس جسم کا وہ عضو فاسد ہو گیا اور اس کے فساد سے باقی جسم کے فساد یا اس کو ضرر کا خطرہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس عضو پر حد جاری کر کے اس عضو کی اصلاح کی جائے، کیونکہ اسی میں پوری انسانیت کی بھلائی ہے۔ دیکھیے سعودی عربیہ میں لمبے چوڑے مقدمات نہیں بنتے ہیں نہ لمبے عرصے تک مقدمے چلتے ہیں ادھر کسی شخص نے قتل کیا فوری سماعت ہوئی اور مجمع عام میں اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے، اسی طرح چور کا فوراً مجمع عام میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سعودی عربیہ میں دوسرے ملکوں کی طرح آئے دن قتل ہوتے ہیں نہ چوری کی وارداتیں ہوتی ہیں لوگ اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں اور کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں ہوتی!

(۴)۔ انسان کی عظمت اور اس کا شرف صرف اسی وقت ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی کرتا ہے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی چنانچہ وہ ہاتھ جس کی قیمت اسلام نے بشکل دیت پچاس اونٹ مقرر کی ہے، جب اللہ کی نافرمانی کر کے چوری کرتا ہے تو اس کو دس درہم کے عوض کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

(۵) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سنگسار کرنے یا کوڑے لگانے سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سزا وہ سرکشی اور بغاوت کھا رہی ہے جس نے حدود الٰہیہ کو لائق احترام نہیں سمجھا، اس میں سرکشی اور بغاوت

کی تذلیل ہے۔

(۶)۔ حدود جاری کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے، جب مجمع عظیم کے سامنے کسی کو رجم کیا جائے یا اسے کوڑے لگائے جائیں تو دیکھنے والے ارتکاب زنا سے ڈریں گے، جب ایک کٹے ہوئے ہاتھ بپیر والا سزا یافتہ شخص بار بار لوگوں کے سامنے آئے گا یا لوگوں کے سامنے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو عادی چور بھی چوری سے تائب ہو جائیں گے۔

(۷)۔ اس بحث میں پڑنا کہ کس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیے، یہ فیصلہ کرنا ہمارا منصب نہیں ہے بلکہ جس کی معصیت اور جرم کیا ہے سزا متعین کرنا بھی اسی کا منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور ہم اس کے مملوک مطلق ہیں۔ پس یا تو ہم اپنے آپ کو اس کا بندہ اور مملوک نہ مانیں اور اگر ہم اپنے آپ کو اس کا بندہ اور مملوک مانتے ہیں تو ہمیں اس کے کسی فیصلہ پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

(۸)۔ امام رازی نے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ روز حشر میں ایک حاکم کو پیش کیا جائے گا جس نے حد جاری کرتے وقت ایک کوڑا کم لگایا تھا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا تیرے بندے پر رحم کرنے کے لیے، ارشاد ہوگا کیا تو ہم سے زیادہ رحیم ہے؟ پھر حکم ہوگا اس کو جہنم میں ڈال دو! (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۳۵)

(۹)۔ آج کی مہذب اور شائستہ دنیا سیاسی مجرموں اور نظریاتی مخالفوں پر قابو پانے کے بعد ان سے کیا سلوک کرتی ہے؟ جسم کے نازک حصوں کو عریاں کر کے انہیں سگریٹ سے داغنا، پمپ سے پیٹ میں پانی بھرنا، مجرم کو اس کی بہنوں کے ساتھ جمع کر کے انہیں برہنہ کر دینا، بجلی کے پیہم جھٹکے پہنچانا اور بالآخر اسے ذہنی نفسیاتی اور جسمانی اذیتیں دے دے کر مار ڈالنا، کیا یہ سب کچھ انسانی شرف اور فرشتوں کا تقدس ہے؟ انسان اپنے مجرم کو جو اس کی مخلوق ہے نہ مملوک، جس طرح چاہے سزا دے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور رب کائنات اپنے مجرم کو جو اس کا مملوک اور مخلوق ہے اس سے کم درجہ کی سزا دے تو اعتراض کے لیے ان معترضین کی زبانیں کھل جاتی ہیں۔

بَابُ ۵۵۵ حَدِّ السَّرِقَةِ وَنِصَابِهَا

چوری کی حد اور اس کا نصاب

۴۲۸۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْطَعُ السَّارِقَ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔

۴۲۸۶۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِىِّ بِمِثْلِهِ فِىْ هٰذَا الْاِسْنَادِ۔

۴۲۸۷ ۔ وَحَدَّثَنِىْ اَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى وَحَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ شُجَاعٍ وَاللَّفْظُ لِلْوَلِيْدِ وَحَرْمَلَةَ قَالُوْا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِىْ رُبْعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۴۲۸۸ ۔ وَحَدَّثَنِىْ اَبُوالطَّاهِرِ وَهٰرُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِىُّ وَاَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى وَاللَّفْظُ لِهٰرُوْنَ وَاَحْمَدَ قَالَ اَبُوالطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ مَخْرَمَةُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ عَمْرَةَ اَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تُحَدِّثُ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ الْيَدُ اِلَّا فِىْ رُبْعِ دِيْنَارٍ فَمَا فَوْقَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۴۲۸۹ ۔ حَدَّثَنِىْ بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِىُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ اِلَّا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا۔

۴۲۹۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَإِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْعَقَدِيِّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ مِنْ وُلْدِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْهَادِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

۴۲۹۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّؤَاسِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ تُقْطَعْ يَدُ سَارِقٍ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ جَحَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ وَكِلَاهُمَا ذُو ثَمَنٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت سے کم پر نہیں کاٹا گیا اور یہ (یعنی ڈھال) قیمت والی چیز ہے۔

۴۲۹۲ - وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ ابْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّؤَاسِيِّ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحِيمِ وَأَبِي أُسَامَةَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ ذُو ثَمَنٍ۔

امام مسلم نے تین سندوں کے ساتھ یہ حدیث بیان کی اور اس حدیث میں ہے کہ اس زمانہ میں ڈھال قیمت والی چیز تھی۔

۴۲۹۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ سَارِقًا فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے عوض ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔

۴۲۹۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَأَيُّوبَ بْنِ مُوسَى وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ وَعُبَيْدِ اللَّهِ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْجُمَحِيِّ وَعُبَيْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اللَّيْثِيِّ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّ بَعْضَهُمْ قَالَ قِيمَتُهُ وَبَعْضُهُمْ قَالَ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

امام مسلم نے دس سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی بعض راویوں نے قیمت کا لفظ بولا ہے اور بعض نے ثمن کا اور کہا اس کی قیمت تین درہم تھی۔

۴۲۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ

وَاَبُوْكُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت فرمائے وہ ایک بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

۴۲۹۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ كُلُّهُمْ عَنْ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ يَقُوْلُ اِنْ سَرَقَ حَبْلًا وَاِنْ سَرَقَ بَيْضَةً۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور اس میں ہے اگر اس نے رسی چرائی..... اگر اس نے بیضہ چرایا.....

حد سرقہ کی حکمت

قاضی عیاض نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا، اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کرلے جائے یا غصب کرے تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے، اس کے برخلاف چور چونکہ چھپ کر مال لے جاتا ہے لہٰذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے اس لیے اس کی سزا سخت رکھی تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں، اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کی دیت پانچ ہزار درہم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مسلمان کے ہاتھ کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ ہاتھ اللہ کی حدود کی خلاف ورزی نہ کرے لیکن یہی ہاتھ اگر چوری کر کے حدود الٰہیہ کو توڑ دے تو اس کی قیمت گیارہ درہم بھی نہیں ہے اور صرف دس درہم کی چوری کے عوض اس ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے یعنی جب کوئی شخص ظلماً اس ہاتھ کو کاٹ دے اور یہ مظلوم ہو تو اس کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے اور جب یہ ہاتھ چوری کر کے ظلم کرے اور ظالم ہو تو اس کی قیمت دس درہم ہے یا جب یہ ہاتھ امین ہو تو قیمتی ہے اور جب خائن ہو تو بے قیمت ہے۔

سرقہ کا لغوی معنیٰ

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے ظاہر آ لے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مختلس اور منتہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔ [1]

---

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران ۱۴۰۵ھ

سرقہ کا اصطلاحی معنی علامہ ابن ہمام حنفی سرقہ کا شرعی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اس کی مالیت کی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھائے جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو درآں حالیکہ وہ چیز بسرعت خراب ہونے والی نہ ہو۔ [1]

کن صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا فتاویٰ عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

(۱)۔ جو چیز دارالاسلام میں مباح یا خسیس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسے اتادہ لکڑی، گھاس پھوس، سرکنڈا، مچھلی، ہڑتال اور چونا وغیرہ (ہدایہ کافی اور اختیار)

(۲)۔ سونا، چاندی اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اسی شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)

(۳)۔ جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے جیسے دودھ، گوشت اور تازہ پھل ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)

(۴)۔ جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

(۵)۔ قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے پھر بھی حد نہیں ہے، اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو لیکن غیر محفوظ ہو پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

(۶)۔ مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تبیین)

(۷)۔ درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے (السراج الوہاج)۔

(۸)۔ ہاتھی دانت کی چوری میں حد نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔ (ایضاح)

(۹)۔ شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے (فتح القدیر)

(۱۰)۔ جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان کے چرانے پر حد نہیں ہے خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی، بری ہوں یا بحری۔ (تتارخانیہ)

(۱۱)۔ مہندی، سبزیوں، تازہ پھلوں، گھاس، پانی، گٹھلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں الا یہ کہ کھال سے مصلی یا کوئی اور چیز بنالی گئی ہو۔ (غنا بیہ)

(۱۲)۔ خمر، خنزیر، باقی پرندوں، وحشی جانوروں، کتے، چیتے، مرغی، بطخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے (تمرتاشی)۔

(۱۳)۔ طنبور، دف، مزمار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے (السراج الوہاج)۔

(۱۴)۔ طبل اور بربط اگر لہو ولعب کے لیے ہوں تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ اور اگر جہاد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ (محیط)۔

(۱۵)۔ پنیر اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

(۱۶)۔ شطرنج اور چوسر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)

(۱۷)۔ مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

(۱۸)۔ فقہ، نحو، لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۲۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

(۱۹) تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

(۲۰) سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے، البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں ان پر حد ہے۔ (عتابیہ)

(۲۱) بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (نہر فائق)

(۲۲) جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر مؤجل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض مؤجل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

(۲۳) اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (محیط)

(۲۴) اگر چاندی کے برتن میں نبیذ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی اس کو چرایا تو حد نہیں ہے۔

(۲۵) جس برتن میں خمر (شراب) تھی اس کو چرایا تو اس میں حد نہیں ہے (محیط)

(۲۶) اگر قبر سے درہم، دینار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے (السراج الوہاج)

(۲۷) کفن چرانے پر حد نہیں ہے (کافی)

(۲۸) مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہایہ)

(۲۹) جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح الطحاوی، ظہیریہ)

(۳۰) حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)۔ [۱]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

(۳۱) مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قندیل چرانے پر حد نہیں ہے۔

(۳۲) کعبے کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔

(۳۳) جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا یا چھپا ہوا ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

(۳۴) اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے

(۳۵) لٹیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔

(۳۶) اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

(۳۷) ماں، باپ، اولاد، یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔

(۳۸) اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

(۳۹) اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

(۴۰) غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالکہ کے خاوند کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

(۴۱) اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

(۴۲) حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو، اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

[۱] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۷۹۔ ۱۸۵ ملخصاً مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

(۴۳) اگر کسی شخص کے گھر سے مال چرایا لیکن اس کو باہر نہیں نکالا تو اس پر حد نہیں ہے۔
(۴۴) جس شخص نے کسی گھر میں داخل ہوئے بغیر (سوراخ کر کے یا کسی ترکیب سے) اس سوراخ سے مال نکال لیا تو اس پر حد نہیں ہے۔
(۴۵) اگر قافلہ سے اونٹ یا سامان چرا لیا تو اس پر حد نہیں ہے۔ [۱]

ان شرائط کے علاوہ اور شرائط بھی ہیں جن کے لیے مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، ہم نے صرف مشہور شرائط کے ذکر پر اکتفاء کی ہے اور جن چیزوں کی چوری پر حد نہیں ان پر حاکم تعزیراً کوئی سزا دے سکتا ہے۔

نصاب سرقہ میں مذاہب فقہاء اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ حسن بصری، داؤد ظاہری، امام شافعی کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے: السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما (مائدہ: ۳۸) "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جہازوں کی رسی۔ سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں، ابواسحاق جوزجانی سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا۔ لیث اور ابوثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا" حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبد العزیز، اوزاعی، امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔ اور عثمان بتی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا، سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ علماء، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ

---

[۱] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۵۱-۱۳۲ ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

حجاج بن ارطاۃ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہے۔" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخعی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی (صحیح بخاری و صحیح مسلم) علامہ ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دو پانچ (۲٫۶۲۵) تولہ اور تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ (۳۰٫۶۱۸) گرام چاندی کے برابر ہیں اور تین درہم صفر اعشاریہ سات آٹھ سات پانچ (۰٫۷۸۷۵) تولہ اور نو اعشاریہ ایک آٹھ پانچ چار (۹٫۱۸۵۴) گرام چاندی کے برابر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ جو حدیث نصاب کی زیادہ مقدار پر دلالت کرتی ہے اس باب میں اس پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے، کیونکہ کم مقدار کو نصاب قرار دینے میں عدم جرم کا شبہ ہے اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ [2]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: ہر چند کہ جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت تین درہم تھی لیکن احادیث میں ڈھال کی قیمت اس سے زیادہ بھی ذکر کی گئی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ایمن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا گیا اور اس کی قیمت اس وقت ایک دینار تھی۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت والی حدیث کو روایت کرنے والے ایمن ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ صحابی ہیں یا ثقہ تابعی؟ اگر وہ صحابی ہیں تو پھر کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ ثقہ تابعی ہیں جیسا کہ امام ابو زرعہ اور امام ابن حبان نے ذکر کیا ہے تو ان کی حدیث مرسل ہے اور ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک ارسال کوئی عیب نہیں ہے اور حدیث مرسل حجت ہوتی ہے اس لیے اس کا اعتبار کرنا واجب ہے اور اب اس ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہو گیا آیا وہ تین درہم ہے یا دس درہم پس اکثر کا اعتبار کرنا واجب ہے کیونکہ شریعت نے شبہات کی بناء پر حد ساقط کرنے کو واجب کیا ہے پھر حاکم کی روایت کی سنن نسائی کی اس روایت سے تقویت ہوتی ہے جو الحسن نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت دس درہم تھی اور امام دار قطنی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ مزینہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی چوری ڈھال کی قیمت کو پہنچی ہے اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ اس کی تائید حضرت

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۲۳۹ - ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ ھ

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اولین ص ۵۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

ابن مسعود کی اس روایت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہ حدیث مصنف عبدالرزاق اور معجم طبرانی میں ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے اور معلول اور مرفوع بھی اور

فقہاء احناف کے مسلک کے ثبوت میں احادیث

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال اخبرتنی عائشۃ ان ید السارق لم تقطع علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا فی ثمن مجن حجفۃ او ترس [۲]

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت ہی پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔

اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس ڈھال کی قیمت کتنی تھی؟

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن عطاء و مجاھد عن ایمن قال یقطع السارق فی ثمن المجن وکان ثمن المجن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارًا او عشرۃ دراھم [۳]

عطاء اور مجاہد حضرت ایمن سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ڈھال کی قیمت پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس دراہم تھی۔

اور چار مختلف سندوں کے ساتھ امام نسائی نے یہ حدیث روایت کی

عن عطاء عن ایمن قال لم یقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم السارق الا فی ثمن المجن وثمن المجن یومئذ دینار [۴]

عطاء حضرت ایمن سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ڈھال کی قیمت پر چور کا ہاتھ کاٹا ہے اور ڈھال کی قیمت اس وقت ایک دینار تھی۔

اس حدیث کو امام نسائی نے ایمن سے روایت کیا ہے۔ اس سند پر حاکم نے امام شافعی کا یہ اعتراض ذکر کیا ہے کہ یہ ایمن ام کعب کی بیوی کا بیٹا ہے اور یہ ام ایمن کا بیٹا نہیں ہے (یعنی صحابی نہیں ہے) اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا۔ [۵]

حافظ زیلعی حنفی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ام ایمن کا بیٹا ہے اس کا نام ایمن بن عبید حبشی ہے اور جو ایمن اس حدیث کا راوی ہے وہ جنگ حنین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رہا تھا اور اس نے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایمن حبشی اس حدیث کا راوی ہے پھر کہا ابن ام ایمن اور ابن اسحاق کی سند سے اس نے یہ حدیث روایت کی اور ان دونوں کا صحابہ میں ذکر کیا ہے [۶]

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۲۲۔ ۱۲۳ ملخصًا مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۔ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ کارخانہ نور محمد تجارت کتب کراچی

۴۔ ״ ״ ״ ״ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۸،

۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۳۷۹، مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

۶۔ حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۸، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: کہ ابن ابی خیثمہ نے ایمن حبشی اور ایمن بن ام ایمن میں فرق کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔[۱] حافظ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث معلول ہے پس اگر ایمن صحابی ہیں تو عطاء اور مجاہد نے ان کو نہیں پایا اس لیے یہ حدیث منقطع ہے اور اگر وہ تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے لیکن اس حدیث کی دوسری احادیث مرفوعہ سے تقویت ہے۔[۲] ان میں سے امام ابو داؤد کی یہ حدیث ہے جس کو انھوں نے سنن ابو داؤد (ج ۲ ص ۲۴۶ مطبوعہ مجتبائی لاہور) میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اس ڈھال کی قیمت دینار یا دس دراہم تھی اور اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس سے دس درہم کی حدیث کو امام نسائی کے علاوہ امام حاکم نے بھی بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔[۳]

امام نسائی نے چار مختلف سندوں کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

ان عطاء بن ابی رباح حدثه ان عبد الله بن عباس کان یقول ثمنه یومئذ عشرة دراهم۔[۳]

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں یہ حدیث بیان کی کہ اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم و لم یخرجاه۔[۴]

یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث درج نہیں ہے۔

علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد مقرر رکھا ہے۔[۵]

یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ اور امام عبد الرزاق نے بھی روایت کی ہے۔[۶]

فقہاء احناف کے مسلک کے ثبوت میں آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن القاسم بن عبد الرحمن قال اتی عمر بن الخطاب برجل سرق ثوبا فقال لعثمان

قاسم بن عبد الرحمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا، آپ نے

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ،

۲۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۹ - ۳۵۸، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۳۔ امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۹ - ۲۲۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۳۷۹ - ۳۸۰ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ

۵۔ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۳۷۹،

۶۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۴۷۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۶ھ

۷۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

قومه فقوم ثمانية دراهم فلم يقطعه ۔[۱]

حضرت عثمان سے فرمایا اس کی قیمت لگاؤ، حضرت عثمان نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے[۲] ان کے علاوہ اس کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔[۳]

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن علی قال: لا تقطع فی اقل من دینار اوعشرة دراهم ۔[۴]

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس دراہم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں:

عن ابن مسعود قال: کان لا تقطع الید الا فی دینار او عشرة دراهم ۔[۵]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ ایک دینار یا دس دراہم کی چوری پر کاٹا جاتا تھا۔

اس حدیث کو امام محمد شیبانی[۶]، امام ابن ابی شیبہ[۷] اور امام بیہقی[۸] نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام محمد شیبانی روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم قال لا تقطع ید السارق فی اقل من ثمن الحجفة وکان ثمنها عشرة دراهم وقال ابراهیم ایضاً: لا یقطع السارق فی اقل من ثمن المجن وکان ثمنه یومئذ عشرة دراهم ولا یقطع فی اقل من ذلک ۔[۹]

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ڈھال سے کم کی قیمت پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی، اور ابراہیم نے کہا چور کا ہاتھ ڈھال سے کم قیمت پر نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی اور اس سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

عن ابن المسیب قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سرق السارق ما یبلغ ثمن المجن قطعت یده وکان ثمن المجن

ابن مسیب کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت

۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۵ - ۲۳۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

۲۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۴۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۶۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

۵۔ " " " " المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳،

۶۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ

۷۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵، المصنف ج ۹ ص ۴۷۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۶۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ

عشرۃ دراھم۔[1] دس دراہم تھی۔

عن ابن جریج کان عطاء یقول لا تقطع ید السارق فیما دون عشرۃ دراھم۔[2]

عطاء کہتے تھے کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم پر نہیں کاٹا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات، عہد رسالت کے معمولات اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تصریحات اور فقہاء تابعین میں سے، عطاء، ابراہیم نخعی اور ابن مسیب کے اقوال سے صراحۃً ثابت ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور ربع دینار اور تین درہم کی روایات کے مقابلہ میں یہ روایات کثرت مقدار نصاب اور کثرت طرق کی وجہ سے راجح ہیں اور یہی فقہاء احناف کثرہم اللہ کا مسلک ہے۔

حرز کی تعریف

سرقہ کا حکم لاگو کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چور نے بقدر نصاب مال حرز (محفوظ مقام) سے چرایا ہو اس لیے حرز کو جاننا بھی ضروری ہے۔ ملا نظام الدین حنفی لکھتے ہیں:

حرز کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو اپنی وضع کے اعتبار سے حرز ہو دوسری قسم وہ ہے جو حفاظت کرنے والے کے اعتبار سے حرز ہو۔ پہلی قسم جیسے مکان، حویلی، دوکان اور خیمے وغیرہ یہ تمام جگہیں حرز ہیں اگرچہ ان میں کوئی حفاظت کرنے والا نہ ہو، عام ازیں کہ جس وقت چور نے چوری کی اس وقت دروازہ کھلا ہوا تھا یا اس کا دروازہ ہی نہیں تھا کیونکہ کسی عمارت کو حفاظت کی غرض سے بنایا جاتا ہے البتہ چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب وہ مال کو حرز سے باہر نکال لے گا اور جو حرز محافظ کی وجہ سے ہو اس میں صرف مال اٹھانے سے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو جائے گا۔ دوسری قسم یعنی وہ حرز جو محافظ کی وجہ سے ہو اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص راستہ، صحرا یا مسجد میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس اس کا سامان ہو یہ اس محافظ کی وجہ سے محفوظ ہے یہ اس وقت ہے جب وہ شخص اس سامان کے قریب ہو اور اگر بعید ہو تو پھر وہ محافظ نہیں ہے اور قرب کی حد یہ ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو اور محافظ بیدار ہو یا سویا ہوا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ سامان سونے والے کے سر کے نیچے یا اس کے پاس ہو۔[3]

متعدد چوریوں میں چور کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کی تفصیل اور مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: چور کا دایاں ہاتھ پہنچے (کلائی کا جوڑ) سے کاٹ کر اس کو گرم تیل سے داغ دیا جائے گا۔ ہاتھ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے اور دائیں ہاتھ کی تخصیص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کی وجہ سے ہے (فاقطعوا ایمانہما) اور پہنچے سے ہاتھ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ تو بغل تک ہے اور پہنچے کا ہاتھ ہونا یقینی ہے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچے سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضور نے مفصل (جوڑ) سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۰۵ مطبوعہ ملتان) اور داغنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] " " " " ، المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳ " "

[3] ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۷۹ مطبوعہ کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

اس کا ہاتھ کاٹو اور اس کو داغ دو (مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۸۱) نیز اس لیے کہ اگر اس کے ہاتھ کو داغا نہ جائے تو وہ ہلاک ہو جائیگا اور حد زجر کے لیے ہے ہلاکت کرنے کے لیے نہیں ہے۔

اگر چور دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر تیسری بار چوری کرے تو اس کا ہاتھ یا پیر نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ تائب ہو جائے۔ اور یہ استحسان ہے اور مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ اس کو تعزیر بھی دی جائے گی۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ تیسری بار چوری کرنے پر اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور چوتھی بار چوری کرنے پر اس کا دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چوری کی اس کا ہاتھ کاٹ دو اگر دوبارہ چوری کرے تو پھر کاٹ دو اور اگر پھر چوری کرے تو پھر کاٹ دو (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۸۱، مطبوعہ ملتان) نیز اس لیے بھی کہ تیسری بار جرم کرنا بھی پہلی بار جرم کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے لہٰذا اس پر بھی حد لگے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بات میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کا کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں جس سے وہ کھا سکے اور اس کا کوئی پیر نہ چھوڑوں جس سے وہ چل سکے (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۸۰) اسی دلیل سے حضرت علی باقی صحابہ پر غالب آگئے اور اس پر اجماع ہوگیا۔ نیز اس کے تمام ہاتھ پیر کاٹ ڈالنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور حد زجر کے لیے ہے ہلاکت کے لیے نہیں ہے اور قصاص میں کسی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینا بندے کے حق کی رعایت کی وجہ سے ہے اس لیے اس کو حتی الامکان پورا کیا جائے گا اور امام شافعی نے جو حدیث پیش کی ہے اس پر امام طحاوی نے جرح کی ہے یا پھر وہ سیاست پر محمول ہے۔ [۱]

ملا نظام الدین حنفی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص چوتھی بار چوری کرے تو امام کے لیے اس کو سیاسۃً قتل کرنا جائز ہے کیونکہ وہ زمین میں فساد کی تگ و دو کر رہا ہے۔ (سراجیہ)۔ [۲]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب چور ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹے جانے کے بعد پھر چوری کرے تو پھر اس کا کوئی عضو نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید کر دیا جائے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور حسن، شعبی، نخعی، زہری، حماد، ثوری اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ تیسری بار اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور چوتھی بار اس کا دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا، اور پانچویں بار اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید کر دیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس چور کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹ چکا تھا انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ قتادہ، امام مالک، امام شافعی، ابو ثور اور ابن منذر کا یہی قول ہے اور حضرت عثمان اور حضرت عمرو بن العاص اور عمر بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ تیسری بار چوری پر چور کا بایاں ہاتھ اور چوتھی بار دایاں پیر کاٹ دیا جائیگا

---

[۱] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۲۸ - ۵۲۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[۲] ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

اور پانچویں بار اس کو قتل کر دیا جائے گا ——— کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا اس نے تو فقط چوری کی ہے آپ نے فرمایا: (اس کا ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا وہ دوبارہ لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے تو فقط چوری کی ہے آپ نے فرمایا (اس کا پیر) کاٹ دو چنانچہ (اس کا پیر) کاٹ دیا گیا، وہ پھر تیسری بار لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے تو فقط چوری کی ہے آپ نے فرمایا (اس کا ہاتھ) کاٹ دو چنانچہ (اس کا ہاتھ) کاٹ دیا گیا وہ پھر چوتھی بار لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے تو صرف چوری کی ہے۔ آپ نے فرمایا (اس کا پیر) کاٹ دو۔ چنانچہ کاٹ دیا گیا، وہ پھر پانچویں بار لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، ہم نے لے جا کر اس کو قتل کر دیا، پھر ہم اس کو گھسیٹ کر لے گئے اور اس کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا، اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

سنن نسائی ج ۲ ص ۲۳۱،

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا اگر وہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر پھر چوری کرے تو اس کا پیر کاٹ دو اور اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر پھر چوری کرے تو اس کا پیر کاٹ دو، نیز قصاص میں بایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے لہٰذا چوری میں بھی اس کو دائیں ہاتھ کی طرح کاٹنا جائز ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دے تو قصاص میں اس کے بھی دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دیے جائیں گے۔ اس سے پہلے ہم اس دلیل کا جواب علامہ ابوالحسن سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے چور کے دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدار کرنا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے چور کو لایا گیا جس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جا چکا تھا اور اس نے چوری کی تھی آپ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا اے امیر المومنین اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے آپ نے فرمایا پھر تو تم نے اس کو قتل کر دیا! حالانکہ اس کا قتل کرنا واجب نہیں ہے۔ یہ کس چیز سے کھانا کھائے گا؟ اور کس چیز سے نماز کا وضو کرے گا؟ اور کس چیز سے غسل جنابت کرے گا؟ اور کس چیز سے اپنے کام کرے گا؟ پھر آپ نے اس کو قید میں ڈال دیا پھر اس کو قید سے نکال کر اس کے بارے میں دوبارہ اپنے اصحاب سے مشورہ کیا انھوں نے وہی جواب دیا اور آپ نے اس کو پہلی بار کی طرح مسترد کر دیا پھر اس کو سخت کوڑے لگانے کے بعد چھوڑ دیا۔
اور حضرت علی سے یہ بھی روایت ہے کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں کسی کام کرنے کے لیے اس کا ہاتھ نہ چھوڑوں اور چلنے کے لیے اس کا پیر نہ چھوڑوں۔ نیز اس لیے کہ دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دینے میں جنس منفعت کو تلف کر دینا ہے اور یہ قتل کی طرح کسی اور حد میں مشروع نہیں ہے۔ نیز اس لیے کہ اگر دونوں ہاتھوں کو کاٹ دینا جائز ہوتا تو دوسری چوری پر اس کے بائیں پیر کی بجائے بایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا، کیونکہ وہ بھی دائیں ہاتھ کی طرح پکڑنے کا آلہ ہے اور اس کو صرف اس لیے نہیں کاٹا گیا کہ اس میں خرابی ہے اور وہ اس کے ہلاک کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس وقت اس

کے لیے وضو کرنا ممکن ہو گا نہ غسل کرنا نہ استنجاء کرنا، کسی نجاست سے احتراز کرنا نہ اس کو زائل کرنا۔ نہ وہ کسی سے اپنی مدافعت کر سکے گا نہ کھا سکے گا نہ کسی چیز کو پکڑ سکے اور اگر تیسری چوری پر اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے تو پھر بھی یہ خرابیاں لازم آئیں گی، رہی حضرت جابر کی حدیث تو یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو قتل کا مستحق تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہ فرمایا اس کو قتل کر دو اور پانچویں بار اس کو قتل کر دیا۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

رہی حضرت ابوہریرہ کی روایت اور حضرت ابوبکر اور عمر کا فعل تو اس کے معارض حضرت علی کا قول ہے اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا کیونکہ عبدالرحمان بن عابد سے روایت ہے کہ حضرت عمر کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر چوری میں کاٹا جا چکا تھا اور اس نے پھر چوری کی تھی، حضرت عمر نے یہ حکم دیا کہ اس کا پیر کاٹ دیا جائے، حضرت علی نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے: انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا۔ الآیۃ (مائدہ ۲: ۳۶)

"یہ صرف ان لوگوں کی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں" اور اس شخص کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹا جا چکا ہے لہٰذا اب اس کا پیر نہ کاٹا جائے آپ اس کو بغیر ٹانگ کے چھوڑیں گے تو یہ کیسے چلے گا؟ آپ اس کو یا کوڑے لگائیں یا قید میں ڈال دیں۔ پھر حضرت عمر نے اس کو قید میں ڈال دیا۔ [1]

چور کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے جانے والی روایتوں کی فنی حیثیت

چور کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹنے کے بارے میں ایک حضرت جابر کی روایت ہے جس کا ابھی ہم علامہ ابن قدامہ کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد (ج ۲ ص ۲۴۹)، سنن نسائی (ج ۲ ص ۲۳۲) اور سنن دارقطنی (ج ۳ ص ۱۸۱) میں ہے۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: امام نسائی نے کہا یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند کا ایک راوی مصعب بن ثابت حدیث میں قوی نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کو جس سند سے بیان کیا ہے اس میں ایک راوی محمد بن یزید ہے اس پر جرح کی گئی ہے۔ امام دارقطنی نے اس کو دوسری سند سے بیان کیا ہے اس میں عائذ بن حبیب عبشمی ہے اس کی منکر روایات ہیں، امام دارقطنی نے اس کو تیسری سند سے روایت کیا ہے اس میں سعید بن یحییٰ ہے اس پر جرح کی گئی ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن یزید بن سنان کے بارے میں لکھتے ہیں: ابوحاتم نے کہا یہ قیس بشی ہے، امام بخاری نے کہا اس کی روایات منکر ہیں، امام نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے، امام ترمذی اور امام دارقطنی نے کہا یہ ضعیف ہے۔ [3]

حافظ ابن حجر عسقلانی عائذ بن حبیب کے بارے میں لکھتے ہیں: جوزجانی نے کہا یہ غالی گمراہ ہے، یحییٰ نے کہا یہ کذاب ہے۔ [4]

---

[1] علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۲۶۸۔ ۲۶۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

[2] حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۸۲ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۲۵، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۸۸،

حافظ ابن حجر عسقلانی سعید بن یحییٰ کے بارے میں لکھتے ہیں امام دارقطنی نے کہا یہ ثقہ راوی نہیں ہے۔ لہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کے راویوں کا جو ضعف ظاہر کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس روایت میں اصل علت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینے کے باوجود اس شخص نے پانچویں بار چوری کی اور پھر اس کو قتل کر دیا گیا جبکہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹ جانے کے بعد کسی شخص کا چوری کرنا نادر الوقوع ہے۔

امام شافعی اور امام مالک نے دوسری جس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں چاروں ہاتھ پیر کاٹنے کا ذکر ہے اس کو علامہ ابن قدامہ نے حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت سنن دارقطنی (ج ۳ ص ۱۸۱ مطبوعہ ملتان) میں ہے۔ حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، عبد الحق نے کہا اس میں ارسال ہے اور سند ضعیف ہے اس لیے یہ صحیح نہیں ہے اور ہمارے شیخ علامہ ذہبی نے کہا اشبہ بالحق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور فضل بن مختار نے ایک جماعت سے اس کی تضعیف بغیر توثیق کے نقل کی ہے۔ لہ

اس روایت کی سند میں ایک راوی ہے محمد بن عمر بن واقد واقدی اسلمی اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں امام بخاری نے کہا واقدی متروک الحدیث ہے۔ امام احمد، ابن مبارک، ابن نمیر اور اسماعیل بن زکریا نے اس کو ترک کر دیا تھا، امام احمد نے کہا واقدی کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین نے بھی کہا یہ کذاب ہے۔ مرہ نے کہا یہ لیس بشئی ہے معمر نے کہا یہ ثقہ نہیں۔ لہ

علامہ ابن ہمام اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں: اس کی سند میں واقدی ہے اس کی اور بھی اسانید ہیں لیکن کوئی سند بھی راویوں کے طعن سے خالی نہیں ہے، اس لیے امام طحاوی نے اس کی سند پر جرح کی ہے جیسا کہ مصنف (صاحب ہدایہ) نے ذکر کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہم نے ان تمام روایات کی چھان بین کی اور کسی روایت کی کوئی اصل نہیں پائی اور مبسوط میں ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اگر یہ حدیث ہوتی تو صحابہ حضرت علی سے معارضہ کرتے اور جب حضرت علی نے تیسری بار چور کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کیا تھا تو یہ حدیث پیش کرتے اور بالفرض اگر یہ حدیث ہو تو یہ منسوخ ہے جیسا کہ ابتداء میں حدود میں شدت تھی کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیین کے ہاتھ اور پیر کاٹے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں اور بعد میں یہ عمل منسوخ ہو گیا۔ لہ

حضرت ابوبکر کی طرف جو منسوب ہے کہ انھوں نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تھا علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ پہلے سے کسی وجہ سے کٹا ہوا تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے اس کا تیسری چوری

لہ۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۹، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۲۶ھ

لہ۔ حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

لہ۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

لہ۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۹ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

پر ہاتھ کاٹا اور جس روایت میں ہے کہ تیسری چوری پر ہاتھ کاٹا وہ شخص حضرت ابوبکر کا مہمان تھا اور مہمان کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا کیونکہ جب اس کو مکان میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تو وہ مکان اس کے لیے حرز نہیں رہا۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور پیر کاٹے جانے کے بعد تیسری چوری پر چور کا ہاتھ کاٹنے والی روایات سنداً صحیح ہیں نہ عقلاً اس لیے امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا ہے اور تیسری بار چوری کرنے پر چور کو تعزیراً کوڑے لگانے یا قید میں ڈالنے کو اختیار کیا ہے۔

کیا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد چور اس ہاتھ کا پیوند کرا کے دوبارہ لگوا سکتا ہے؟

شرح صحیح مسلم جلد ثانی کی کتب الجنائز میں ہم اعضاء کی پیوند کاری پر مفصل بحث کر چکے ہیں، وہاں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے اعضاء سے پیوند کاری کے ذریعہ علاج کرنا جائز نہیں ہے، خواہ حالت اختیار ہو یا حالت اضطرار۔ یہ صحیح ہے کہ حالت اضطرار میں حرام چیزوں سے علاج کرانا جائز ہے اور ہو سکتا ہے کہ علاج کرانے والے کو اضطرار لاحق ہو لیکن جو شخص اپنا عضو کاٹ کر دوسرے کو دے رہا ہے اس کو کون سا اضطرار لاحق ہے؟ اس وجہ سے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اعضاء کاٹ کر دوسرے شخص کو دے یا ان اعضاء کی وصیت کرے کیونکہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے وہ اپنے جسم میں صرف ان تصرفات کا مجاز ہے جن کی اس کو شریعت نے اجازت دی ہے۔

میڈیکل سائنس کے جدید ترقی یافتہ دور میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جیسے ہی چور کا ہاتھ کاٹا جائے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو اس کی کلائی کے ساتھ فوراً پیوند کر دیا جائے اور چونکہ کسی دوسرے انسان سے اعضاء لینے یا اس کے اعضاء دینے کا سوال نہیں ہے وہ شخص اپنے ہی ہاتھ کو جڑوا رہا ہے اور اعضاء کی پیوند کاری کا عدم جواز دوسرے انسان کے اعضاء کی وجہ سے تھا اس لیے یہاں صرف یہ دیکھا جائے گا کہ ایک انسان کا اپنے منفصل عضو کو دوبارہ جوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ خواہ اس کا وہ عضو کسی حادثہ میں کٹا ہو یا حد میں۔ اس موضوع پر جب ہم نے فقہاء اربعہ کے اصول اور جزئیات کو دیکھا تو ہمیں معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام احمد کے اصول کے مطابق یہ جائز ہے امام مالک کے اصول اور ان کی فقہی جزئیات کے مطابق بھی یہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے اصول اور فروع کے مطابق یہ جائز نہیں ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ فقہاء کی آراء اور اس کے ذیل میں اس مسئلہ کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد اس پر بحث کریں گے کہ کیا چور کے لیے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پیوند کرانا جائز ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرانے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

واما الآدمی فاختلفوا فی الراجح فیہ فالذی صححہ اکثر العراقیین نجاستہ والذی صححہ جمیع الخراسانیین وجماھیرھم طھارتہ و	آدمی کے نجس یا طاہر ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اکثر عراقیین نے اس کی نجاست کو صحیح قرار دیا ہے اور خراسان کے تمام یا جمہور علماء نے اس کی طہارت کو صحیح قرار

[1] علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۹ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

هٰذا هو الصحيح فقد صح عن الشافعي رجوعه عن تنجيس شعر الآدمي فهو مذهبه وما سواه ليس بمذهب له [۱]

دیا ہے۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ امام شافعی نے آدمی کے بالوں کی نجاست کے قول سے رجوع کر لیا اور یہی ان کا مذہب ہے اور اس کے علاوہ ان کا مذہب نہیں ہے۔

اس میں تو اختلاف ہو گیا کہ امام شافعی کے نزدیک راجح مردہ آدمی اور اس کے اعضاء کی طہارت ہے یا نجاست اگر اصل طہارت ہو تو کٹے ہوئے عضو کو جوڑنا جائز ہو جائے گا اور اگر اصل نجاست ہو تو ناجائز ہو گا لیکن امام شافعی کے بیان کردہ مندرجہ ذیل جزیہ نے اس مسئلہ میں فیصلہ کر دیا ہے، امام شافعی لکھتے ہیں:

ان سقطت سنه صارت ميتة فلا يجوز له ان يعيدها بعد ما بانت [۲]

اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو وہ دانت مردہ ہو جائے گا اور الگ ہونے کے بعد دوبارہ اس دانت کو اس جگہ لگانا جائز نہیں۔

اور اسی قیاس پر کہا جائے گا کہ امام شافعی کے نزدیک کٹے ہوئے ہاتھ کو بھی دوبارہ اپنی جگہ لگانا جائز نہیں ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرانے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں:

ان الخلاف فيما ابين من الآدمي في حال حياته وبعد موته كالخلاف في ميتته (الى قوله) تنبيه على المعتمد من طهارة ما ابين من الآدمي مطلقا يجوز رد سن قلعت لمحلها۔ [۳]

زندگی میں انسان کے جسم سے جو عضو کاٹ کر الگ کر لیا جائے اس کی طہارت اور نجاست کے متعلق وہی اختلاف ہے جو مردہ انسان کی طہارت اور نجاست میں اختلاف ہے اور معتمد قول یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو عضو کاٹ کر الگ کیا جائے وہ مطلقاً پاک (خواہ انسان زندہ ہو یا مردہ) ہے جو دانت اپنی جگہ سے اکھڑ جائے اس کو دوبارہ اس جگہ لگانا جائز ہے۔

نیز علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں:

فاذا سقطت السن جاز ردها وربطها بشريط من ذهب او من فضة وانما جاز ردها لان ميتة الآدمي طاهرة۔ [۴]

جب دانت گر جائے تو اس کو دوبارہ لگانا جائز ہے اور اس کو سونے یا چاندی کے تار سے باندھنا بھی جائز ہے۔ اور گرے ہوئے دانت کو دوبارہ لگانا اس لیے جائز ہے کہ آدمی کا مردہ جسم پاک ہے۔

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب ج ۹ ص ۱۴۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت

[۲] امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، کتاب الام ج ۱ ص ۵۴، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت۔ ۱۳۹۳ھ

[۳] شیخ شمس الدین محمد عرفہ دسوقی، ۱۲۱۹ھ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۵۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت۔

[۴] ″ ″ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۶۳، ″ ″ ″

علامہ صاوی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ [۱]

جس طرح اکھڑے ہوئے دانت کو فقہاء مالکیہ کے نزدیک اس اصول پر دوبارہ اپنی جگہ پر لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کے جسم سے الگ ہونے والے اعضاء پاک ہیں اسی طرح ان کے اصول پر کٹے ہوئے ہاتھ کو بھی دوبارہ جوڑا جا سکتا ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرانے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

الآدمی الصحیح فی المذھب انہ طاھر حیا ومیتا لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن لا ینجس (الی قولہ) وحکم اجزاء الآدمی وابعاضہ حکم جملتہ سواء۔ [۲]

صحیح مذہب یہ ہے کہ آدمی زندہ ہو یا مردہ پاک ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن نجس نہیں ہوتا اور آدمی کے اعضاء اور اجزاء کا حکم وہی ہے جو کل آدمی کا حکم ہے۔

فقہاء حنبلیہ کے اصول سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کٹا ہوا عضو چونکہ پاک ہے اس لیے اس کو دوبارہ جوڑا جا سکتا ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرانے میں فقہاء احناف کا نظریہ

فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے کہ انسان کے جسم سے الگ ہونے کے بعد اس کے اجزاء اور اعضاء طاہر ہیں یا نجس (عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۵)، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک گرے ہوئے دانت کو دوبارہ لگانا جائز نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ولو سقط سنہ یکرہ ان یاخذ من میت فیشدھا مکان الاول بالاجماع وکذا یکرہ ان یعید تلک السن الساقطۃ مکانھا عند ابی حنیفۃ ومحمد ولکن یاخذ سن شاۃ ذکیۃ فیشدھا مکانھا وقال ابو یوسف لا باس بسنہ ویکرہ من غیرہ۔ [۳]

اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو اس دانت کی جگہ مردہ کا دانت لگانا بالاجماع مکروہ ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اسی دانت کو دوبارہ لگانا بھی مکروہ ہے لیکن کسی ذبح شدہ بکری کا دانت لے کر اس کی جگہ لگانا جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف نے کہا اس کے اپنے دانت کو دوبارہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور دوسرے کے دانت کا لگانا مکروہ ہے۔

اس اختلاف پر یہ اختلاف متفرع ہوگا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ لگانا جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

فقہاء احناف کے اس اختلاف میں غور کرنے سے امام ابو یوسف کا قول زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المؤمن لا ینجس۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲) "مومن نجس نہیں ہوتا" علامہ بدر الدین عینی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

---

[۱] علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر علی الدردیر ج ۱ ص ۴۹-۴۰ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۷۴ء

[۲] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[۳] علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

ان المؤمن لا ینجس وانہ طاھر سواء کان جنبا او محدثا حیا او میتا۔[1]

مومن نجس نہیں ہوتا وہ پاک ہے خواہ جنبی ہو یا بے وضو، زندہ ہو یا مُردہ۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں

فان الآدمی لا ینجس بالموت کرامۃ اذ لو نجس لما طھر بالغسل کسائر الحیوانات۔[2]

آدمی اپنی کرامت کی وجہ سے موت سے نجس نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ نجس ہو جائے تو باقی حیوانات کی طرح پھر غسل سے پاک نہ ہو سکے۔

اور جب مومن طاہر ہے اور موت کے بعد بھی طاہر رہتا ہے تو اگر اس کے جسم سے کوئی عضو الگ ہو جائے پھر بھی وہ طاہر رہے گا بنا بریں الگ کئے ہوئے عضو کو دوبارہ جوڑ دیا جائے تو صحیح ہوگا۔

ہم نے اس مسئلہ میں فقہاء اربعہ کی آراء کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص کا کوئی عضو کسی حادثہ میں کٹ جائے تو آیا اس کو دوبارہ پیوند کرانا جائز ہے یا نہیں، رہا یہ کہ چور کا ہاتھ اگر حد میں کاٹ دیا جائے تو کیا وہ بھی اپنے ہاتھ کو پیوند کاری کے ذریعہ جڑوا سکتا ہے، سو اس مسئلہ کو ہم اب بیان کر رہے ہیں۔

چور کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنے کا حکم

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دوبارہ ہاتھ جوڑنے سے منع نہیں کیا اس لیے اگر اس ہاتھ کو دوبارہ جوڑ دیا گیا تو یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے اور حدیں صرف زجر کے لیے ہوتی ہے اعضاء کو تلف کرنے کے لیے نہیں ہوتیں اور ہاتھ کاٹ دینے سے زجر کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے کیونکہ جب مجمع عام میں چور کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ تو اس سے دیکھنے والوں کو عبرت ہوگی اور "نکال" (عبرت) کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ اور سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۰ - ۲۴۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور) میں جو حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے گلے میں ہاتھ لٹکانے کا حکم دیا تو اس روایت کا ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے اور وہ بالاتفاق ضعیف ہے، علاوہ ازیں فقہاء کے نزدیک چور کے گلے میں ہاتھ لٹکانا فقط مستحب ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔ نیز ہاتھ جوڑنے کے بعد بھی اس پر کٹنے کا نشان باقی رہے گا اور یہ چور کی عبرت کے لیے کافی ہے۔

ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا تو ہم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ شریعت نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا جو حکم دیا ہے اس سے شریعت کا منشاء صرف چور کو سزا دینا اور عبرت دلانا نہیں ہے بلکہ اس سے چوری کرنے کے آلہ کو منقطع کرنا اور چوری کرنے کی صلاحیت کو کم کرنا بھی مقصود ہے۔ اگر چور کو صرف سزا دینا مقصود ہوتا تو یوں بھی ہو سکتا تھا کہ چور کی ناک یا کان کو کاٹ دیا جاتا اس سے بھی اس کو سزا مل جاتی اور لوگوں کو عبرت بھی ہوتی اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس عضو سے جرم سرزد ہوا ہو اسی کو سزا دی جائے انسان زبان سے تہمت لگاتا ہے اور اس کے پورے جسم کو اسی کوڑے لگتے ہیں، شراب منہ سے پیتا ہے اور کوڑے پورے جسم کو لگتے ہیں اسی طرح زنا میں پورے جسم کو کوڑے لگتے ہیں یا رجم کیا جاتا

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۳۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] " " " " عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۴۰، " " " "

ہے سو اگر صرف سزا دینا اور عبرت دلانا مقصود ہوتا تو چوری پر کوڑوں کی سزا مقرر کی جا سکتی تھی یا ناک یا کان کاٹنے کا حکم دیا جا سکتا تھا بالخصوص پہلی بار ہاتھ اور دوسری بار پیر کاٹنے کا جو حکم دیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ چوری کرنے کے آلہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ چوری نہ کر سکے یا چوری کرنے کی صلاحیت میں بڑی حد تک کمی ہو جائے اور جب چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد دوبارہ جوڑا جائے گا تو اس سے شریعت کی واضح خلاف ورزی ہوگی، اللہ تعالیٰ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے کر اس کی چوری کرنے کی صلاحیت کم کر رہا ہے اور ہم اس کا ہاتھ جوڑ کر اس کی اس صلاحیت کو دوبارہ بحال کر رہے ہیں!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ (مائدہ: ۳۸)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کرتوت کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے۔

اس آیت میں "نکال" کا لفظ قابل غور ہے ہمیں اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملا جو اس کا صحیح بدل ہو سکے، نکال کے معنی کسی کام سے باز رکھنا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

نکل عن الشیء، صرف عنہ ویقال نکل الرجل عن الامر اذا جبن عنہ ــــ الجوھری نکلت بفلان اذا عاقبتہ فی جرم اجرمہ عقوبۃ تنکل غیرہ عن ارتکاب مثلہ وانکلت الرجل عن حاجتہ انکالا اذا دفعتہ عنھا۔[1]

نکلہ عن الشیء اس وقت کہتے ہیں جب کسی شخص کو کسی کام سے باز رکھا جائے اور نکل الرجل عن الامر اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص کوئی کام نہ کر سکے جوہری نے کہا نکل کا معنی ہے کسی شخص کو جرم کی ایسی سزا دینا جس کی وجہ سے دوسرا اس کام سے باز رہے اور انکل کا معنی ہے کسی شخص کو اس کے کام سے دور کر دیا جائے۔

پس نکال کے معنی ہیں باز رکھنا اور عبرت دلانا دونوں ملحوظ ہیں یعنی چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا اس لیے دی گئی ہے کہ وہ چوری سے باز رہے اور دوسروں کو عبرت ہو۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قال الحلبی وبعض المحققین انہ انما ترک العطف اشعارا بان القطع للجزاء والجزاء للنکال والمنع عن المعاودۃ۔[2]

حلبی اور بعض محققین نے کہا ہے کہ جزاءً بما کسبا اور نکالاً کے درمیان واؤ کو اس لیے نہیں ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہاتھ کاٹنا سزا دینے کے لیے ہے اور سزا دینا عبرت دلانے اور دوبارہ چوری کرنے سے باز رکھنے کے لیے ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ وہ چوری کرنے سے باز رہے اور

---

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۱ ص ۶۷۷، مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ممکن حد تک اس کی چوری کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے اور دوبارہ اس کا ہاتھ جوڑنے میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت ہے ۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد دفن کر دینا چاہیے اس کا اب چور مالک ہے نہ کوئی اور شخص۔ سرقہ کے باب میں یہ آخری بحث تھی جس کو ہم یہاں پیش کرنا چاہتے تھے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم النبین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ من الائمۃ المجتہدین والمحدثین والفقہاء والمفسرین اجمعین الی یوم الدین۔

بَابٌ ۵۵۶ قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيْفِ وَغَيْرِهٖ وَالنَّهْيِ عَنِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ

معزز ہو یا غیر معزز چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اور حدود میں سفارش کی ممانعت

۴۲۹۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا وَفِيْ حَدِيْثِ ابْنِ رُمْحٍ إِنَّمَا هَلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

حضرت عائشہ [1] رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اس بات سے پریشان تھے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی تھی، انھوں نے کہا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سفارش کرے گا؟ لوگوں نے کہا اس کی جرأت سوائے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اور کون کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے ہیں بالآخر حضرت اُسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کرتے اور بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ ــــ ابن رمح کی روایت میں من قبلکم ہے۔

۴۲۹۸- وَحَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الَّتِي سَرَقَتْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ الْفَتْحِ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ فِيهَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ فَقَالَ لَهُ أُسَامَةُ اسْتَغْفِرْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَطَبَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ثُمَّ أَمَرَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقُطِعَتْ يَدُهَا قَالَ يُونُسُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا بَعْدُ وَتَزَوَّجَتْ وَكَانَتْ تَأْتِينِي بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى

بیان کرتی ہیں کہ قریش کو اس بات نے فکرمند کر دیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی۔ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کون کرے گا؟ لوگوں نے کہا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا اس کی جرأت کون کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے ہیں، وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس کی سفارش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ حضرت اسامہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ میرے لیے استغفار کیجئے، جب شام ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا آپ نے ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کی جو اس کی شان کے لائق ہیں، پھر آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا، پھر جس عورت نے چوری کی تھی آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا سو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد اس عورت نے اچھی طرح توبہ کی اور اس نے شادی کر لی اور اس کے بعد وہ میرے پاس آتی جاتی تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی ضروریات بیان کرتی تھی۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۲۹۹ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتِ امْرَأَةٌ مَخْزُومِيَّةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُقْطَعَ يَدُهَا فَأَتَى أَهْلُهَا أُسَامَةَ ابْنَ زَيْدٍ فَكَلَّمُوهُ فَكَلَّمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا ثُمَّ ذَكَرَ بِنَحْوِ حَدِيثِ اللَّيْثِ وَيُونُسَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت لوگوں سے چیزیں عاریۃً لیتی تھی اور بعد میں انکار کر دیتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اس کے خاندان والے حضرت اسامہ بن زید کے پاس گئے اور اس کی سفارش کے لیے کہا، حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کی، اس کے بعد حسب سابق ہے۔

۴۳۰۰ - وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ سَرَقَتْ فَأُتِيَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَاذَتْ بِأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا فَقُطِعَتْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پناہ میں آ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا!

چوری کرنے والی خاتون کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس عورت کا پورا نام اس طرح ہے: فاطمہ بنت اسود بن عبدالاسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم "یہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھیں جو حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سابق شوہر تھے۔[1]

امام ابن سعد واقدی حضرت فاطمہ بنت اسود کے متعلق لکھتے ہیں: آپ اسود بن عبدالاسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی ہیں، آپ نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، چوری کرنے کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ کاٹا تھا، حبیب بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت اسود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زیورات کی چوری کی، لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کے لیے حضرت اسامہ کو منتخب کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کی سفارش قبول کر لیتے تھے، حضرت اسامہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا: اے اسامہ! مجھ سے سفارش نہ کرنا، کیونکہ جب حدود مجھ تک پہنچ جائیں تو پھر ان کو نہیں چھوڑا جاتا اور اگر (بالفرض) فاطمہ

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

بنت محمد بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

امام ابن سعد کہتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق چوری کرنے والی خاتون فاطمہ بنت اسود ہیں اور اہل مدینہ، اہل مکہ اور دوسرے راویوں کی روایت یہ ہے کہ جس خاتون نے چوری کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا اس کا نام یہ ہے "ام عمرو بنت سفیان بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم" اور اس کی ماں عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک کی بیٹی ہے، وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رات کو نکلی اور ایک قافلہ سے کپڑوں کا صندوق چرا لیا لوگوں نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، اس نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے تہبند میں اپنے ہاتھ چھپا لیے پھر آپ کے حکم سے اس کے ہاتھ تہبند سے نکالے گئے اور آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا پھر آپ کے حکم سے اس خاتون کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر وہ چلی گئی درآں حالیکہ اس کے ہاتھوں سے خون ٹپک رہا تھا، پھر وہ حضرت اسید بن حضیر اشہلی کی بیوی کے پاس گئیں جنھوں نے ان کو پہچان کر پناہ دی اور ان کو گرم گرم کھانا پیش کیا، اتنے میں حضرت اسید بن حضیر بھی آگئے اور باآواز بلند کہا: کیا تم جانتی ہو کہ ام عمرو بنت سفیان کے ساتھ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا دیکھو وہ میرے پاس ہیں! حضرت اسید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے اور جا کر آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا تم نے اس پر رحم کیا ہے، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا، پھر جب وہ خاتون اپنے والد کے پاس گئیں تو والد نے انھیں ان کے ماموں حویطب بن عبد العزیٰ کے پاس بھیج دیا۔ [1]

بظاہر یہ دونوں روایتیں متعارض ہیں کہ چوری کرنے والی خاتون حضرت فاطمہ بنت اسود ہیں یا حضرت ام عمرو بنت سفیان؟ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ تحقیق کی ہے کہ یہ دو عورتوں کے الگ الگ واقعات ہیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسود نے غزوہ فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی، (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۲۹۸ میں ہے، سعیدی) اور ام عمرو بنت سفیان نے حجۃ الوداع کے موقع پر چوری کی تھی جیسا کہ امام ابن سعد نے تصریح کی ہے، اور ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علامہ ابن جوزی اور ان کے موافقین کا یہ کہنا غلط ہے کہ چوری صرف ام عمرو بنت سفیان نے کی تھی، اسی طرح ابن طاہر اور ابن بشکوال اور ان کے موافقین کا یہ تردد کرنا بھی غلط ہے کہ پتا نہیں چوری کرنے والی فاطمہ بنت اسود تھی یا ام عمرو بنت سفیان؟ امام عبد الرزاق نے بشر بن تیم سے روایت کیا ہے کہ چوری کرنے والی عورت ام عمرو بنت سفیان تھی، ابن حزم نے اس روایت کی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ام عمرو عاریت کا انکار کرتی تھی اور فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تھی، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ امام ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ ام عمرو نے قافلہ والوں کا صندوق چرایا تھا۔ [2]

چرائی جانے والی چیز کی تحقیق

ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت اسود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے چادر چوری کی تھی، اور حبیب بن ابی ثابت کی مرسل روایت میں ہے کہ اس نے زیور چوری کیے تھے اور ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ وہ زیور چادر میں بندھے تھے گویا اس نے

---

[1] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۶۴ - ۲۶۳، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۸۹ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

دونوں چیزوں کی چوری کی تھی۔ [1]

عاریۃً چیز لے کر انکار کرنے پر حد لگانے کی تحقیق

حدیث نمبر ۴۲۹۹ میں ہے کہ وہ عورت لوگوں سے عاریۃً چیزیں لیتی تھیں اور پھر مکر جاتی تھی اس وجہ سے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جس شخص نے بقدر نصاب کوئی چیز عاریۃً لی اور پھر اس کا انکار کر دیا اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی نظریہ ہے۔ مدنی، کوفی علماء، امام شافعی اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ عاریت کے انکار پر حد نہیں ہے اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے عاریۃً چیزیں لیتی تھی اور مکر جاتی تھی پھر اسی عورت نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ چونکہ وہ عورت چیزیں مانگنے اور پھر مکر جانے میں مشہور تھی اس لیے اس کی تعیین اور تشخیص کے لیے اس کا اس عنوان اور وصف سے ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس عورت کا چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا یہ وہ عورت تھی جو عاریۃً چیزیں لے کر مکر جاتی تھی، یہ مطلب نہیں ہے کہ عاریۃً چیزیں لے کر مکر جانے کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا کیونکہ یہ خیانت ہے اور خیانت میں حد نہیں ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس علی خائن و لا منتهب ولا مختلس قطع "خیانت کرنے والے، لٹیرے اور اچکے پر ہاتھ کاٹنے کی حد نہیں ہے۔"

عاریت کے انکار پر حد میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: کوئی چیز عاریۃً لے کر مکر جانے والے کے متعلق امام احمد سے مختلف روایات ہیں، ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور یہی اسحاق کا قول ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت عاریۃً چیزیں لیتی تھی اور پھر انکار کر دیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ الحدیث (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر ہاتھ کاٹنے کی حد نہیں ہے اور یہی خرقی کا قول ہے اور ابواسحاق بن شاقلا، ابوالخطاب اور باقی فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان شاء اللہ یہی صحیح قول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا قطع علی خائن "خیانت کرنے والے پر ہاتھ کاٹنے کی حد نہیں ہے۔" نیز اس لیے کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور منکر چوری کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ امانت کا انکار کرنے والے کے مشابہ ہے اور وہ عورت جو چیزیں عاریۃً لیتی تھی اس کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا گیا تھا نہ کہ امانت کے انکار کی وجہ سے، کیونکہ صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد بھی (بفرض محال) چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ اور ایک حدیث میں ہے اس عورت نے چادر چرائی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی قصہ ہے اور اس کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا گیا تھا اور حضرت عائشہ نے جو یہ فرمایا کہ وہ عورت چیزیں لے کر مکر جاتی تھی یہ اس کی تعیین اور تشخیص کے لیے فرمایا تھا کیونکہ وہ عورت اپنی اس عادت کی وجہ سے مشہور تھی۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ کاٹنے کا سبب بھی یہی ہو، یہ بھی ممکن تھا کہ حضرت عائشہ اس کا کسی اور وصف سے ذکر کر دیتیں، ہم نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے، یہی قیاس کا تقاضا ہے اور یہی تمام فقہاء

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

کا قول ہے اور ہمارے علم میں کسی نے بھی امانت کے منکر پر حد لازم نہیں کی۔ [1]

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امانت کے منکر کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور عاریت کے منکر کے بارے میں امام احمد سے مختلف روایات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی روایت ہے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی روایت صحیح ہے۔ علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی نے بعینہٖ وہی لکھا ہے جو ہم علامہ موفق الدین ابن قدامہ سے نقل کر چکے ہیں۔ [2]

حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہونے سے پہلے حد کو معاف کیا جا سکتا ہے اس کے بعد نہیں

اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدود میں حاکم سے سفارش کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر حاکم کے پاس مقدمہ پیش کرنے سے پہلے کوئی شخص اپنا حق معاف کر دے تو یہ جائز ہے، مثلاً جس کی چوری ہوئی ہے وہ حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے سے پہلے چور کو معاف کر سکتا ہے لیکن جب حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہو جائے اور جرم کا ثبوت مل جائے تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ مجرم پر حد جاری کر دی جائے اور حاکم کو بھی حدود معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں صدر کو جو یہ اختیار ہے کہ وہ قاتل کی پھانسی کی سزا کو معاف کر دے یا قید میں تبدیل کر دے اس کا شریعت میں کوئی جواز نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ عمرو بن شعیب سے مرفوعاً روایت ہے کہ "آپس میں حدود کو معاف کر دو لیکن جو حد مجھ تک پہنچ جائے گی وہ واجب ہو جائے گی" اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، نیز امام ابوداؤد، امام احمد اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی شفاعت اللہ تعالیٰ کی کسی حد کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کے خلاف کر دیتا ہے، اور طبرانی کی روایت میں ہے اس کی ملک میں مخالفت کر دیتا ہے، ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو پیش کیا گیا اس کے بعد صاحب حق نے اس کو معاف کر دیا آپ نے فرمایا تم نے پہلے معاف کیوں نہیں کیا ——— وہ بڑا حاکم ہے جو حدود کو پیش ہونے کے بعد معاف کر دے، امام مالک نے موطا میں حضرت زبیر سے روایت کیا ہے کہ حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد جو سفارش کرے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے اور سفارش قبول کرنے والے دونوں پر لعنت فرماتا ہے۔ اور امام دارقطنی نے حضرت زبیر سے موصولاً مرفوعاً روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک حاکم کے پاس معاملہ نہیں پہنچا اس کی شفاعت کرو اور جب حاکم کے پاس معاملہ پہنچ جائے اور پھر وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے، امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حدود کے ماسوا میں معزز لوگوں کی لغزشوں میں شفاعت قبول کرو" اس حدیث

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۲۳۷-۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۲۳۷-۲۳۶

سے معلوم ہوا کہ تعزیرات میں شفاعت کرنا جائز ہے۔ حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس میں فقہاء کا اتفاق ہے اور جن احادیث میں مسلمانوں کی پردہ پوشی کا استحباب بیان کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب امام تک مقدمہ نہ پہنچے۔ [1]

بَابُ حَدِّ الزَّانِيْ

زنا کی حد کا بیان

۴۳۰۱ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھ سے سیکھ لو! مجھ سے سیکھ لو! اللہ تعالیٰ نے عورتوں (کی بدکاری) کا حکم بیان کر دیا ہے، جب کنواری عورت اور کنوارا مرد زنا کریں توان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو اور جب شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں توان کو سو کوڑے مارو اور سنگسار کرو۔

۴۳۰۲ - وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے

۴۳۰۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُرِبَ لِذَلِكَ وَتَرَبَّدَ لَهُ وَجْهُهُ قَالَ فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ ذَاتَ يَوْمٍ فَلُقِيَ كَذَلِكَ فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ قَالَ خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ شدت محسوس کرتے اور چہرہ اقدس متغیر ہو جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کی وہی کیفیت ہو گئی اور جب وہ کیفیت زائل ہو گئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے سیکھو! اللہ تعالیٰ نے عورتوں (کی فحاشی) کا حکم بیان کر دیا ہے شادی شدہ عورتوں کا شادی شدہ مردوں کے ساتھ اور کنواری عورتوں کا کنوارے مردوں کے ساتھ زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ شادی شدہ عورتوں کو سو کوڑے مار کر سنگسار کرو اور کنواریوں کو سو کوڑے مار کر شہر بدر کر دو۔

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۸۸ - ۸۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ الثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ رَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ.

۴۳۰۴ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمَا الْبِكْرُ يُجْلَدُ وَيُنْفَى وَالثَّيِّبُ يُجْلَدُ وَيُرْجَمُ لَا يَذْكُرَانِ سَنَةً وَلَا مِائَةً.

امام مسلم نے دو مختلف سندوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے، ان کی روایت میں یہ ہے کہ کنوارے کو کوڑے مارے جائیں اور شہر بدر کیا جائے اور شادی شدہ کو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے، ان کی روایت میں ایک سال اور سو کے عدد کا ذکر نہیں ہے۔

۴۳۰۵ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا فَرَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَإِنَّ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے منبر پر بیٹھے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ آپ پر جو آیات نازل ہوئیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے اس کو پڑھا اور یاد رکھا اور سمجھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، سو مجھے خوف یہ ہے کہ زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ فرض کو ترک کر کے لوگ گمراہ ہو جائیں گے حالانکہ اگر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں اور ان کے خلاف گواہ ہوں یا حمل ہو یا وہ اعتراف کر لیں تو ان کو رجم کرنا کتاب اللہ میں ثابت ہے۔

أَوِ الْاِعْتِرَافُ.

۴۳۰۶ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ أَبِيْ عُمَرَ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ.

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

۴۳۰۷ - وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ ابْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ أَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحّٰى تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتّٰى ثَنّٰى ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبِكَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ فَكُنْتُ فِيْمَنْ رَجَمَهٗ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ فَأَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ وَرَوَاهُ اللَّيْثُ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں ایک شخص آیا اور اس نے باواز بلند کہا: یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے دوسری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کہا یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے! آپ نے اس سے اعراض کر لیا، حتی کہ وہ چار مرتبہ آپ کے سامنے آیا جب اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دے دی تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا جی! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو لے جا کر رجم کر دو! ابن شہاب کہتے ہیں حضرت جابر سے روایت کرنے والے نے کہا، حضرت جابر فرماتے ہیں میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے اس کو رجم کیا، ہم نے اس شخص کو عیدگاہ میں رجم کیا تھا جب اس کو پتھر لگے تو وہ بھاگ پڑا ہم نے اس کو حرہ (پتھریلا میدان) میں جا لیا اور اس کو ہم نے رجم کر دیا، اس سند کے ساتھ اس حدیث کو لیث نے بھی روایت کیا ہے۔

۴۳۰۸ - وَحَدَّثَنِيهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَيْضًا وَفِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ كَمَا ذَكَرَ عُقَيْلٌ -

امام مسلم نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے، اس میں بھی ہے کہ ابن شہاب نے کہا مجھے حضرت جابر سے روایت کرنے والے نے بتایا۔

۴۳۰۹ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَابْنُ جُرَيْجٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ رِوَايَةِ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -

امام مسلم نے دو مختلف سندوں کے ساتھ اس حدیث کی مثل روایت کی ہے۔

۴۳۱۰ - وَحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ جِيءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَصِيرٌ أَعْضَلُ لَيْسَ عَلَيْهِ رِدَاءٌ فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ أَنَّهُ زَنٰى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَعَلَّكَ قَالَ لَا وَاللَّهِ إِنَّهُ قَدْ زَنَى الْأَخِرُ قَالَ فَرَجَمَهُ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ أَلَا كُلَّمَا نَفَرْنَا غَازِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَلَفَ أَحَدُهُمْ لَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ يَمْنَحُ أَحَدُهُمُ الْكُثْبَةَ أَمَا وَاللَّهِ إِنْ يُمْكِنِّي مِنْ أَحَدِهِمْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو میں نے (انھیں) دیکھا وہ ایک کوتاہ قد اور مضبوط شخص تھے اور ان پر چادر نہیں تھی انھوں نے چار مرتبہ اپنے خلاف یہ گواہی دی کہ انھوں نے زنا کیا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم نے (اس کا بوسہ لیا ہو گا) انھوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم، اس بدبخت نے زنا کیا ہے! حضرت جابر کہتے ہیں کہ پھر آپ نے انھیں رجم کر دیا۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: سنو جب ہماری جماعت اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے جاتی ہے تو ان میں سے کوئی شخص پیچھے رہ جاتا ہے اور بکرے کی طرح آوازیں نکالتا ہے اور وہ کسی کو تھوڑا سا دودھ دیتا ہے، سنو! اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے موقع دیا تو میں ان کو ضرور عبرتناک سزا دوں گا!

لَأُنَكِّلَنَّهُ عَنْهُ.

ف: اس میں اشارہ ہے کہ وہ شخص زنا کرتا ہے اور دودھ دینے سے مراد انزال منی ہے۔

۴۳۱۱- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَصِيرٍ أَشْعَثَ ذِي عَضَلَاتٍ عَلَيْهِ إِزَارٌ وَقَدْ زَنَى فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا نَفَرْنَا غَازِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَخَلَّفَ أَحَدُكُمْ يَنِبُّ نَبِيبَ التَّيْسِ يَمْنَحُ إِحْدَاهُنَّ الْكُثْبَةَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُمْكِنِّي مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ إِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا أَوْ نَكَّلْتُهُ قَالَ فَحَدَّثْتُهُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ إِنَّهُ رَدَّهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کوتاہ قد شخص کو لایا گیا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور بدن مضبوط تھا، اس پر ایک چادر تھی اور اس نے زنا کیا تھا، آپ نے دو مرتبہ اس کے اقرار کو مسترد کر دیا، پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی ہماری جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتی ہے تو تم ہی سے کوئی شخص پیچھے رہ جاتا ہے اور بکرے کی طرح آوازیں نکالتا ہے اور کسی عورت کے لیے دودھ نکالتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو میری گرفت میں دیا تو میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔

۴۳۱۲- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ جَعْفَرٍ وَوَافَقَهُ شَبَابَةُ عَلَى قَوْلِهِ فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ وَفِي حَدِيثِ أَبِي عَامِرٍ فَرَدَّهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں بیان کی ہیں، ایک میں دو بار اقرار کا ذکر ہے اور دوسری سند میں دو یا تین بار کا ذکر ہے۔

۴۳۱۳- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک سے پوچھا:

قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ بِجَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ۔

۴۳۱۴ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا دَاوُدُ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهُ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ فَاحِشَةً فَأَقِمْهُ عَلَيَّ فَرَدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرَارًا قَالَ ثُمَّ سَأَلَ قَوْمَهُ فَقَالُوا مَا نَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا إِلَّا أَنَّهُ أَصَابَ شَيْئًا يَرَى أَنَّهُ لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ إِلَّا أَنْ يُقَامَ فِيهِ الْحَدُّ قَالَ فَرَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَنَا أَنْ نَرْجُمَهُ قَالَ فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى بَقِيعِ الْغَرْقَدِ قَالَ فَمَا أَوْثَقْنَاهُ وَلَا حَفَرْنَا لَهُ قَالَ فَرَمَيْنَاهُ بِالْعَظْمِ وَالْمَدَرِ وَالْخَزَفِ قَالَ فَاشْتَدَّ وَاشْتَدَدْنَا خَلْفَهُ حَتَّى أَتَى عُرْضَةَ الْحَرَّةِ فَانْتَصَبَ لَنَا فَرَمَيْنَاهُ بِجَلَامِيدِ الْحَرَّةِ يَعْنِي الْحِجَارَةَ حَتَّى سَكَتَ قَالَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا مِنَ الْعَشِيِّ فَقَالَ أَوَ كُلَّمَا انْطَلَقْنَا غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ تَخَلَّفَ رَجُلٌ فِي عِيَالِنَا لَهُ نَبِيبٌ

تمہارے متعلق مجھے جو خبر پہنچی ہے کیا وہ درست ہے؟ حضرت ماعز نے پوچھا: آپ کو میرے متعلق کیا خبر پہنچی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے فلاں کی لونڈی سے زنا کیا ہے! حضرت ماعز نے کہا ہاں! حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ انھوں نے چار مرتبہ گواہی دی تب آپ نے انھیں رجم کرنے کا حکم دیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم میں ایک شخص تھے ماعز بن مالک، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: مجھ سے زنا ہو گیا ہے، آپ مجھ پر حد قائم کر دیجیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول کو کئی بار مسترد کیا، پھر آپ نے ان کی قوم سے اس معاملہ کو دریافت کیا: انھوں نے کہا ہمیں اس کی کسی دماغی خرابی کا علم نہیں، لیکن اس سے کوئی ایسا کام ہو گیا ہے جس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ سوا حد قائم کیے جانے کے اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے! وہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو پھر آپ نے ہمیں اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ پھر ہم اس کو بقیع الغرقد میں لے گئے، ہم نے اس کو باندھا تھا نہ گڑھا کھودا تھا، پھر ہم نے اس کو ہڈیوں، پتھروں اور ٹھیکریوں سے مارا، حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا اور ہم بھی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ وہ حرہ (ایک میدان) کے عرض میں آگیا وہاں وہ رکا تو ہم نے حرہ کے پتھروں سے اس کو مارا حتیٰ کہ اس کا جسم ساکت ہو گیا، شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا ہم جب کبھی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتے ہیں تو کوئی شخص پیچھے ہماری عورتوں میں رہ جاتا ہے اور بکرے کی طرح آوازیں نکالتا ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں ہر اس شخص کو عبرتناک سزا دوں جس نے

كَنَبِيبِ التَّيْسِ عَلَيَّ أَنْ لَا أُوتَى بِرَجُلٍ فَعَلَ ذٰلِكَ إِلَّا نَكَّلْتُ بِهِ قَالَ فَمَا اسْتَغْفَرَ لَهُ وَلَا سَبَّهُ.

یہ کام کیا ہو اور اسے میرے سامنے لایا گیا ہو، پھر آپ نے اس کے لیے دعا کی نہ اس کو برا کہا۔

۴۳۱۵ - **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ مَعْنَاهُ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَشِيِّ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ أَقْوَامٍ إِذَا غَزَوْنَا يَتَخَلَّفُ أَحَدُهُمْ عَنَّا لَهُ نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ وَلَمْ يَقُلْ فِي عِيَالِنَا.

امام مسلم نے اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے جہاد میں جانے کے بعد ہمارے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بکرے کی سی آوازیں نکالتے ہیں، اس میں ہماری عورتوں والا جملہ نہیں ہے۔

۴۳۱۶ - **وَحَدَّثَنَا** سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كِلَاهُمَا عَنْ دَاوُدَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ بَعْضَ هٰذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنٰى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں سفیان کی روایت میں ہے اس نے تین مرتبہ زنا کا اعتراف کیا۔

۴۳۱۷ - **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلٰى وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ الْمُحَارِبِيُّ عَنْ غَيْلَانَ وَهُوَ ابْنُ جَامِعٍ الْمُحَارِبِيُّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے، آپ نے فرمایا: تمہیں ہلاکت ہو، جاؤ اللہ سے استغفار کرو، اور توبہ کرو، انھوں نے پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کہا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا، حتیٰ کہ چوتھی بار ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو کس چیز سے پاک کروں؟ انھوں نے کہا زنا سے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَ أُطَهِّرُكَ فَقَالَ مِنَ الزِّنٰى فَسَأَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِهِ جُنُونٌ فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ فَقَالَ أَشَرِبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزَنَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فَكَانَ النَّاسُ فِيهِ فِرْقَتَيْنِ قَائِلٌ يَقُولُ لَقَدْ هَلَكَ لَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ وَقَائِلٌ يَقُولُ مَا تَوْبَةٌ أَفْضَلَ مِنْ تَوْبَةِ مَاعِزٍ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَالَ اقْتُلْنِي بِالْحِجَارَةِ قَالَ فَلَبِثُوا بِذٰلِكَ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ جُلُوسٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ فَقَالُوا غَفَرَ اللّٰهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ قَالَ ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْأَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

کے متعلق پوچھا کیا ان کا دماغ خراب ہے؟ انھوں نے کہا نہیں وہ کوئی میراقی یا پاگل نہیں ہیں، آپ نے پوچھا کیا اس نے شراب پی ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر ان کا منہ سونگھا تو شراب کی بدبو محسوس نہیں کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر حضرت ماعز کے متعلق لوگوں کی دو رائیں ہو گئیں، بعض کہتے تھے کہ حضرت ماعز ہلاک ہو گئے اور اس گناہ نے انھیں گھیر لیا اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ حضرت ماعز کی توبہ سے کسی کی توبہ افضل نہیں ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا عرض کیا مجھے پتھروں سے مار ڈالیے، حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ دو تین دن صحابہ میں یہی اختلاف رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے درآں حالیکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے، پھر آپ نے فرمایا ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو، صحابہ نے کہا اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی مغفرت کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے اگر اس کو تمام امت پر تقسیم کر دیا جائے تو اسے کافی ہو گی پھر آپ کے پاس قبیلہ غامد سے جو ازد کی شاخ ہے ایک عورت آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا: تمہیں ہلاکت ہو، جاؤ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، وہ کہنے لگی میرا خیال ہے کہ آپ مجھے اسی طرح واپس کر رہے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کر دیا تھا، آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا وہ زنا سے حاملہ ہے، آپ نے فرمایا: تم خود؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا تم وضع حمل تک رک جاؤ۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں پھر ایک انصاری شخص نے اس کی خبر گیری اپنے ذمہ لے لی حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو گیا، حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ پھر وہ انصاری نبی صلی اللہ

طَهِّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكِ ارْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ فَقَالَتْ أَرَاكَ تُرِيدُ أَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ وَمَا ذَاكِ قَالَتْ إِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزِّنَى فَقَالَ آنْتِ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ لَهَا حَتَّى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ قَالَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ إِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ إِلَيَّ رَضَاعُهُ يَا نَبِيَّ اللهِ قَالَ فَرَجَمَهَا۔

علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا غامدیہ کا وضع حمل ہو گیا، آپ نے فرمایا: ہم اس حال میں اس کو رجم نہیں کریں گے کہ اس کا بچہ چھوٹا ہو اور اس کو دودھ پلانے والا کوئی نہ ہو، پھر ایک انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو دودھ پلانا میرے ذمہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اس عورت کو رجم کر دیا۔

۴۳۱۸ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَتَقَارَبَا فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا بَشِيرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَاعِزَ ابْنَ مَالِكٍ الْأَسْلَمِيَّ أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَزَنَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ تُطَهِّرَنِي فَرَدَّهُ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَرَدَّهُ الثَّانِيَةَ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ أَتَعْلَمُونَ بِعَقْلِهِ بَأْسًا تُنْكِرُونَ مِنْهُ شَيْئًا فَقَالُوا مَا نَعْلَمُهُ إِلَّا وَفِيَّ الْعَقْلِ مِنْ صَالِحِينَا فِيمَا نُرَى فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ أَيْضًا فَسَأَلَ عَنْهُ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کر کے زنا کیا ہے۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں، آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، پھر آپ نے کسی شخص کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور فرمایا کیا تمہارے خیال میں اس کی عقل میں فتور ہے، اور اس میں کوئی بے ربط بات ہے؟ انھوں نے کہا: ہمارے خیال میں ان کی عقل ہم سب سے اچھی ہے، حضرت ماعز آپ کے پاس پھر تیسری بار آئے، آپ نے پھر ان کی قوم کی طرف کسی کو بھیج کر ان کے متعلق پوچھا اور انھوں نے یہ خبر دی کہ انھیں کوئی بیماری ہے نہ ان کی عقل میں کوئی فتور ہے۔ جب وہ چوتھی بار آئے تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا، اس کے بعد غامدیہ آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میں

بِهِ وَلَا بِعَقْلِهِ فَلَمَّا كَانَ الرَّابِعَةَ حَفَرَ لَهُ حُفْرَةً ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ قَالَ فَجَاءَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَطَهِّرْنِي وَإِنَّهُ رَدَّهَا فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ تَرُدُّنِي لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزًا فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَحُبْلَى قَالَ إِمَّا لَا فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي فَلَمَّا وَلَدَتْ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي خِرْقَةٍ فَقَالَتْ هٰذَا قَدْ وَلَدْتُهُ قَالَ اذْهَبِي فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي يَدِهِ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا إِلَى صَدْرِهَا وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَجَرٍ فَرَمَى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَسَمِعَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّهُ إِيَّاهَا فَقَالَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ۔

۴۳۱۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنِي ابْنَ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ أَنَّ أَبَا الْمُهَلَّبِ حَدَّثَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتْ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حُبْلَى مِنَ

نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے اس کو واپس کر دیا، دوسرے دن آ کر اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا؟ شاید آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں! خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تو نہیں ٹلتی تو بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ اس بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی، اور کہا لیجئے یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: جا، جا کر اس کو دودھ پلا، حتیٰ کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے، جب بچہ کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ اس کو لے کر آئی اور اس بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگی لیجئے! اے نبی اللہ! اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا، اور یہ حکم دیا کہ سینہ تک اس کے لیے ایک گڑھا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت خالد بن ولید نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا، حضرت خالد کا منہ اس کے خون سے لتھڑ گیا، حضرت خالد نے اس کو کوئی برا کلمہ کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کلمہ کہتے ہوئے سن لیا، آپ نے فرمایا: اے خالد ایسا نہ کہو، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر (ظلماً) ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کو بخش دیا جاتا، پھر آپ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اس کو دفن کر دیا گیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی درآں حالیکہ وہ زنا سے حاملہ تھی، اس نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے، آپ مجھ پر حد قائم کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا اس کی اچھی طرح نگہداشت کرنا اور جب اس کا حمل وضع ہو جائے تو اسے میرے

الزِّنٰى فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ فَدَعَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا فَقَالَ أَحْسِنْ إِلَيْهَا فَإِذَا وَضَعَتْ فَائْتِنِي بِهَا فَفَعَلَ فَأَمَرَ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ عُمَرُ تُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَقَدْ زَنَتْ فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى۔

پاس لے کر آنا، اس نے ایسا ہی کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کپڑے کس کر باندھنے کا حکم دیا (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا، پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ زانیہ ہے! آپ نے فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کیا جائے تو انھیں کافی ہو گی، اور کیا تم نے اس سے افضل کوئی توبہ دیکھی ہے کہ اس (توبہ کرنے والے) نے اللہ کے لیے اپنی جان دے دی ہو!

۴۳۲۰۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبَانُ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۳۲۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُمَا قَالَا إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْشُدُكَ اللّٰهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ الْخَصْمُ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ نَعَمْ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے موافق میرا فیصلہ کریں، اس کے مخالف نے کہا جو اس سے زیادہ فصیح تھا: ہاں ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجیے اور مجھے بولنے کی اجازت دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو، اس نے کہا میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی عورت سے زنا کیا، اور مجھے یہ بتایا گیا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک باندی کو فدیہ میں دے دیا، پھر میں نے علماء سے پوچھا انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے

وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةٍ فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا الرَّجْمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا قَالَ فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَتْ.

مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے اسے شہر بدر کیا جائے گا اور اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، باندی اور بکریاں تمہیں واپس کی جائیں گی، اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اے انیس! اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اگر وہ اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ صبح اس کے پاس گئے، اس نے اقرار کر لیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا۔

۴۳۲۲ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور اسانید بیان کی ہیں۔

۴۳۲۳ - حَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَقَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِيَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةٍ قَدْ زَنَيَا فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَاءَ يَهُودَ فَقَالَ مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ عَلَى مَنْ زَنَى قَالُوا نُسَوِّدُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی علماء کے پاس گئے اور فرمایا تورات میں زنا کرنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور دونوں کو ایک سواری پر اس طرح بٹھا کر گھماتے ہیں کہ ہر ایک کا منہ مخالف جانب ہوتا ہے، آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو یہ حکم

وُجُوهَهُمَا وَنُحَمِّلُهُمَا وَنُخَالِفُ بَيْنَ وُجُوهِهِمَا وَيُطَافُ بِهِمَا قَالَ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَجَاءُوا بِهَا فَقَرَءُوهَا حَتَّى إِذَا مَرُّوا بِآيَةِ الرَّجْمِ وَضَعَ الْفَتَى الَّذِي يَقْرَأُ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ وَقَرَأَ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا وَرَاءَهَا فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ وَهُوَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْهُ فَلْيَرْفَعْ يَدَهُ فَرَفَعَهَا فَإِذَا تَحْتَهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُمَا فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَقِيهَا مِنَ الْحِجَارَةِ بِنَفْسِهِ

تورات میں دکھاؤ، وہ تورات لے کر آئے، اور جب تورات پڑھنے لگے تو ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے آپ سے عرض کیا اس کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیجیے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان دونوں کو رجم کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا، میں نے دیکھا وہ مرد خود پتھر کھا کر اس عورت کو بچا رہا تھا۔

۴۳۲۴- وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُمْ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ فِي الزِّنَى يَهُودِيَّيْنِ رَجُلًا وَامْرَأَةً زَنَيَا فَأَتَتِ الْيَهُودُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِنَحْوِهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے جرم میں دو یہودیوں کو رجم کیا، ایک مرد تھا اور ایک عورت، ان دونوں نے زنا کیا تھا، یہودی ان دونوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۳۲۵- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ قَدْ زَنَيَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی ایک یہودی مرد اور عورت کو لے کر گئے جنھوں نے زنا کیا تھا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

نَافِعٍ۔

۴۳۲۶- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَهُودِيٍّ مُحَمَّمًا مَجْلُودًا فَدَعَاهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ قَالُوا نَعَمْ فَدَعَا رَجُلًا مِنْ عُلَمَائِهِمْ فَقَالَ أَنْشُدُكَ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى أَهَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ قَالَ لَا وَلَوْلَا أَنَّكَ نَشَدْتَنِي بِهَذَا لَمْ أُخْبِرْكَ نَجِدُهُ الرَّجْمَ وَلَكِنَّهُ كَثُرَ فِي أَشْرَافِنَا فَكُنَّا إِذَا أَخَذْنَا الشَّرِيفَ تَرَكْنَاهُ وَإِذَا أَخَذْنَا الضَّعِيفَ أَقَمْنَا عَلَيْهِ الْحَدَّ قُلْنَا تَعَالَوْا فَلْنَجْتَمِعْ عَلَى شَيْءٍ نُقِيمُهُ عَلَى الشَّرِيفِ وَالْوَضِيعِ فَجَعَلْنَا التَّحْمِيمَ وَالْجَلْدَ مَكَانَ الرَّجْمِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِلَى قَوْلِهِ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ يَقُولُ ائْتُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ أَمَرَكُمْ بِالتَّحْمِيمِ وَالْجَلْدِ فَخُذُوهُ وَإِنْ أَفْتَاكُمْ بِالرَّجْمِ فَاحْذَرُوا فَأَنْزَلَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہودی گزرا جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا، اور اس کو کوڑے مارے جا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلا کر فرمایا: کیا تمہاری کتاب میں زنا کی یہی سزا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر آپ نے ایک یہودی عالم کو بلا کر فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا ہے، کیا تمہاری کتاب میں زنا کی حد (سزا) یہی ہے؟ اس نے کہا اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتا! ہماری کتاب میں زنا کی سزا رجم ہے، لیکن ہمارے معزز لوگ بکثرت زنا کرتے ہیں تو جب ہم کسی معزز شخص کو پکڑتے ہیں تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب کسی غریب آدمی کو پکڑتے ہیں تو اس پر حد جاری کر دیتے ہیں سو ہم نے کہا چلو سب مل کر ایک ایسی سزا تجویز کریں جس کو ہم معزز اور غیر معزز ہر شخص پر جاری کر سکیں، پھر ہم نے کوڑے مارنے کو رجم کی جگہ حد مقرر کر دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! سب سے پہلے میں تیرے حکم کو اس وقت زندہ کرتا ہوں جبکہ یہ لوگ اس حکم کو مار چکے ہیں، چنانچہ آپ کے حکم سے وہ شخص رجم کیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر میں تیز رفتار ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا ہم ایمان لے آئے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور جو یہودیوں سے جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے وہ اللہ کے کلام کو اس کے مواقع سے بدل دیتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (ہمارا بتایا ہوا حکم) دیا جائے تو اس کو

اللهُ تَعَالَى وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فِي الْكُفَّارِ كُلُّهَا.

مان لو! اور اگر تم کو یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے بچو (مائدہ: ۴۱) یعنی یہودی کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دور رہنا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (ترجمہ:) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں" "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں" "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں" یہ تمام آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں۔

۴۳۲۷ - **حَدَّثَنَا** ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ إِلَى قَوْلِهِ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَ وَلَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ مِنْ نُزُولِ الْآيَةِ.

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا اور اس کے بعد آیات نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

۴۳۲۸ - **وَحَدَّثَنِي** هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ رَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَامْرَأَتَهُ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک مرد اور ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا۔

۴۳۲۹ - **حَدَّثَنَا** إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَامْرَأَةً.

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں امرأۃ کا لفظ ہے۔

۴۳۳۰ - **وَحَدَّثَنَا** أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ

ابو اسحاق شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى هَلْ رَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ بَعْدَ مَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةُ النُّوْرِ أَمْ قَبْلَهَا قَالَ لَا أَدْرِي۔

بن ابی اوفی سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو رجم کیا تھا، انھوں نے کہا ہاں! میں نے کہا سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا اس کے بعد، انھوں نے کہا مجھے پتا نہیں!

۴۳۳۱ - وَحَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہاری کوئی باندی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اس پر کوڑوں کی حد لگاؤ اور اس کو جھڑکنا مت، اور اگر وہ دوبارہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارنا اور جھڑکنا مت، پھر اگر وہ تیسری بار زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اس کو بیچ ڈالنا خواہ ایک رسی کے ٹکڑے کے عوض بیچو۔

۴۳۳۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسٰى ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ح وَحَدَّثَنِي هٰرُوْنُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ

امام مسلم پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ باندی کے تین بار زنا کرنے تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑوں کی سزا بیان کی اور چوتھی مرتبہ کے متعلق فرمایا: اس کو فروخت کر دو۔

السَّرِيُّ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنَّ ابْنَ إِسْحٰقَ قَالَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَلْدِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ ثَلَاثًا ثُمَّ لْيَبِعْهَا فِي الرَّابِعَةِ۔

۴۳۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ قَالَ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ بِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ لَا أَدْرِي أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ وَقَالَ الْقَعْنَبِيُّ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَالضَّفِيرُ الْحَبْلُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر شادی شدہ باندی کی سزا کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو اس کو پھر کوڑے مارو، اور اگر پھر زنا کرے تو اس کو پھر کوڑے لگاؤ پھر اس کو بیچ ڈالو خواہ اس کو رسّی کے عوض فروخت کرنا پڑے ابن شہاب نے کہا پتا نہیں (فروخت کرنے کا) تیسری بار فرمایا تھا یا چوتھی بار۔ ایک روایت میں ہے کہ ضفیر کا معنی رسّی ہے۔

۴۳۳۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ ابْنِ

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باندی کی سزا کے متعلق پوچھا گیا اس کے بعد حسب سابق ہے اور اس میں ابن شہاب کے اس قول کا ذکر نہیں ہے کہ ضفیر کا معنی رسّی ہے۔

شِهَابٍ وَالضَّفِيرُ الْحَبْلُ۔

۴۳۳۵۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ كِلاَهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ وَالشَّكُّ فِي حَدِيثِهِمَا جَمِيعًا فِي بَيْعِهَا فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کیں ان دونوں روایتوں میں تیسری بار یا چوتھی بار بیچنے میں شک کا ذکر ہے۔

۴۳۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ خَطَبَ عَلِيٌّ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا عَلَى أَرِقَّائِكُمُ الْحَدَّ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ فَإِنَّ أَمَةً لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا فَإِذَا هِيَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ۔

ابو عبدالرحمان کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں اور باندیوں پر حد قائم کرو، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کیا تو آپ نے مجھے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا لیکن اس کے ہاں تازہ ولادت ہوئی تھی مجھے ڈر لگا کہ یہ کوڑے کھانے سے مر جائے گی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔

۴۳۳۷۔ وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنِ السُّدِّيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ اتْرُكْهَا حَتَّى تَمَاثَلَ۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے، اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی اور اس میں یہ زیادہ ہے کہ اس کو چھوڑ دو، حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔

قرآن اور سنت سے زنا کی حرمت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کر دیا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا ۔ (اسراء: ٣٢)

اور زنا کے قریب مت جاؤ، بلاشبہ وہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

والذين لا يدعون مع الله الها اخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثاما ۞ يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهانا ۔ (الفرقان، ٦٩-٦٨)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور اس جان کو قتل نہیں کرتے جس کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ماسوا حق کے حرام کر دیا ہے اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے گا وہ (اپنے کیے کی) سزا پائے گا، قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

اسی طرح احادیث میں بھی زنا کو حرام فرمایا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: (سب سے بڑا گناہ) یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے! میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اس خوف سے اپنے بچہ کو قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا! میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

ابتداء اسلام میں زنا کی سزا یہ تھی کہ زنا کرنے والی شادی شدہ عورتوں کو تاحیات گھروں میں بند کر دیتے تھے اور کنواری لڑکیوں یا غیر شادی شدہ مردوں کو زنا کرنے پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے:

واللاتي ياتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم فان شهدوا فامسكوهن في البيوت حتى يتوفهن الموت او يجعل الله لهن سبيلا ۞ واللذان ياتينها منكم فاذوهما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما ان الله كان توابا رحيما ۔ (نساء: ١٦-١٥)

اور جو تمہاری عورتیں زنا کریں، تو ان پر چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو تاوقتیکہ انہیں موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راستہ بیان کر دے اور تم میں سے جو لوگ زنا کریں تو تم ان کو ڈانٹ ڈپٹ سے (اذیت پہنچاؤ) پس اگر وہ توبہ کر لیں اور ٹھیک ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

پھر اس سزا کو منسوخ کر دیا گیا، کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو، مجھ سے سیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے ان (زنا کرنے والوں) کا راستہ مقرر کر دیا ہے، اگر کنوارہ شخص کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو۔ اور اگر شادی شدہ شخص شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اس کو ایک سو کوڑے مارو ... اور رجم (سنگسار) کر دو۔ (صحیح مسلم و سنن ابو داؤد) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا حکم سنت سے کیسے منسوخ کیا جائے گا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف اور حنابلہ کے نزدیک قرآن مجید کے

حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے کیونکہ تمام احکام اللہ کی جانب سے ہیں البتہ بعض احکام ہم تک وحی متلو (قرآن مجید) سے پہنچے ہیں اور بعض وحی غیر متلو (سنت) سے پہنچے ہیں۔ اور جو سنت سے قرآن مجید کے نسخ کو ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک جواب یہ ہے کہ یہ نسخ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی تفسیر اور اس کا بیان ہے کیونکہ نسخ اس کو کہتے ہیں کہ جو حکم بظاہر مطلقاً بیان کیا گیا ہو اس حکم کو ختم کر دیا جائے لیکن جو حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو اور وہ شرط زائل ہو جائے تو اس کو نسخ نہیں کہتے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے گھروں میں بند رکھنے کے حکم کو ایک شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے اور وہ ہے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے راستہ مقرر کر دے" اور سنت میں اس راستہ کا بیان کر دیا ہے لہٰذا یہ اس حکم موعود کا بیان ہے نسخ نہیں ہے، اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا نسخ سنت سے نہیں قرآن مجید سے ہوا ہے، کیونکہ کوڑے مارنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اور رجم کا حکم پہلے قرآن مجید میں تھا لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم اب بھی باقی ہے۔

زنا کا لغوی معنی سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں: لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پہ چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے "کسی ایسی مشتہیٰ فرج میں حشفہ کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو" علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ وہ بغیر عقد شرعی کے کسی عورت سے وطی کرنا ہے۔ [1]

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً مشتہیٰ ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پہ حد واجب ہوتی ہے، اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے، اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی، دوسری شرط ہے حریت پس غلام، مکاتب، ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں۔ اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ [2]

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے "کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو" فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو غیر فرج میں ہو، اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں، تعزیر ہے۔ [3]

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۸۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ۔

[3] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قُبُل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دُبُر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملک میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے، لہٰذا یہ قُبُل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسآئکم (نساء: ١٥) "تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں" اور دُبُر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا: اتاتون الفاحشۃ (اعراف ٨٠) "کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟" یعنی مرد، مردوں کی دبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قوم لوط کے لوگ عورتوں کی دُبُر میں وطی کرتے تھے پھر مردوں کی دبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے، کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے، نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مُردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے، ابوبکر نے کہا میرا بھی یہی قول ہے مُردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے، کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے ——— اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں، اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے، اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق اس پر حد واجب ہے، حسن، جابر بن زید، امام مالک، امام شافعی، امام ابویوسف، امام محمد، اسحاق، ابوایوب ابن ابی خیثمہ کا یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا اس لیے اس وطی سے حد واجب نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کر لے اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔ جامع ترمذی ص ٢٣١ مطبوعہ نور محمد کراچی۔ اور یہی امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے، کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، اور سنن ابن ماجہ میں

ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی درآں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا کہاں جا رہے ہیں انھوں نے کہا ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو" علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے۔ جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔ [1]

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی کہتے ہیں جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبُل (اندام نہانی) میں وطی حرام کرے درآں حالیکہ وہ قُبُل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔[2] علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔[3]

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدر سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا پس جس وطی سے حد واجب ہوگی اس میں بقدر سپاری داخل ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہوگی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا، اگر بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا، بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے اس حدیث کو امام ترمذی[4] اور امام ابو داؤد[5] نے روایت کیا ہے۔

قُبُل: عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دُبُر (سرین) میں وطی امام ابو حنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہو گئی، اس کے برخلاف امام ابو یوسف، امام محمد اور فقہاء شافعیہ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دُبُر میں وطی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دُبُر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا، نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی زنا کی تعریف سے خارج ہو گئی، کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مُردہ کے ساتھ وطی زنا کی تعریف سے خارج ہو گئی، کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۵۵ - ۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۱۳۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۶ھ

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو، اسی طرح حد کے وجوب کے لیے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے مکرَہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے، کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے: حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ثوبان، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء، نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اٹھا لیا گیا۔ [1]

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی، کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابویوسف، اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دار العدل: دار العدل سے مراد دار الاسلام ہے کیونکہ دار الحرب اور دار الکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دار الحرب میں یا دار الکفر میں زنا کرے گا تو بھی وہ اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ قاضی اسلام، دار الکفر یا دار الحرب میں اسلامی سزا میں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، دار الکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود، چوری، ڈاکہ، قتل اور دیگر جرائم دار الکفر اور دار الحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں، اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکامِ اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے، کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا، مسلمان اور ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقتِ ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کر لی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں وطی کر لی یا روزہ دار یا محرمہ بیوی سے وطی کر لی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے۔ کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب ملک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادرؤا الحدود بالشبہات [2] "شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو" مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا میں مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا: انت و مالک لابیک "تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے" [3]۔ اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام ابوعبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا: یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو، مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کر لی، نکاح متعہ کر کے وطی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آ گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی، رضاعی یا سسرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہو گی خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنبلیہ، امام ابویوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح، اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو، جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔

(بدائع صنائع ج ۷ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۴۵، المہذب ج ۲ ص ۲۶۸، المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۳۵۱، المغنی ج ۸ ص ۱۸۲، الفروق ج ۴ ص ۱۷۴، رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ۱۳۶)

حد زنا کی شرائط حد زنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) زنا کرنے والا بالغ ہو، نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۲) زنا کرنے والا عاقل ہو۔ پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی، البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب نوشی کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس نے حقوق الٰہیہ کا التزام نہیں کیا، فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے، البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

(۴) زانی مختار ہو اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

(۵) عورت سے زنا کرے، اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے البتہ

تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

(۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادۃً وطی ہو سکتی ہو اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے۔ نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

(۷) زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ اس کی بیوی یا باندی ہے، اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس پر حد ہے، جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے، مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

(۸) اس کو زنا کی حرمت کا علم ہو اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۹) عورت غیر حربی ہو اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۱۰) عورت زندہ ہو اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

(۱۱) مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قُبُل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے اگر عورت کی دُبُر میں وطی کرے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے، اسی طرح لواطت (اغلام) پر بھی حد نہیں ہے، اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

(۱۲) زنا دارالاسلام میں کیا جائے، دارالکفر یا دارالحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ [۵]

احصان کی تحقیق فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس لیے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں: احصان کا اصل میں معنی ہے منع کرنا، عورت اسلام، پاکدامنی، حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے، جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ" الآ کی تفسیر میں کہا باندی کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے، حضرت ابن عباس نے کہا باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر

---

[۵] الدکتور وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۳۸-۳۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

میں کہا مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان، زنا سے رُکنا ہے اور احصنت فرجہا کا معنی پاکدامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور والمحصنت من النساء کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ [1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ حد زنا میں جو احصان معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

(۱) خاوند نے بیوی کی قبل میں وطی کی ہو، اس شرط میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الثیب بالثیب الجلد والرجم "اگر شادی شدہ، شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو اور رجم کردو۔" اور ثیابت (شادی شدہ ہونا) قبل میں وطی سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر عورت بکارت (کنواری ہونے) سے نہیں نکلتی اور ثیبہ نہیں ہوتی۔

(۲) مرد یا عورت نکاح میں ہوں کیونکہ نکاح کو احصان کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والمحصنات من النساء (نساء: ۲۴) "شادی شدہ عورتیں" اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ زنا یا وطی بالشبہۃ سے کوئی شخص محصن نہیں ہوتا اور نہ ہی باندی کے ساتھ وطی کرنے سے کوئی محصن ہوتا ہے۔

(۳) نکاح صحیح ہو۔ یہ شرط اکثر اہل علم کے نزدیک ہے۔ قتادہ، عطاء، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا یہی قول ہے، البتہ ابو ثور نے یہ کہا ہے کہ نکاح فاسد سے بھی احصان حاصل ہو جاتا ہے، لیث اور اوزاعی سے بھی یہی منقول ہے۔

(۴) حریت، ابو ثور کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک حریت شرط ہے اس لیے باندی یا غلام محصن نہیں ہیں، جمہور کی دلیل یہ آیت ہے: فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب (نساء: ۲۵) "اگر باندیاں زنا کریں تو ان کو آزاد عورتوں کی نصف سزا دی جائے گی" اس آیت میں محصنہ کا اطلاق باندیوں کے مقابلہ میں آزاد عورتوں پر کیا گیا ہے۔

(۵-۶) عقل اور بلوغ۔ اگر بچہ وطی کرے اور پھر بڑا ہو جائے یا مجنون وطی کرے اور پھر ٹھیک ہو جائے تو وہ محصن نہیں ہوگا۔

(۷) مرد اور عورت دونوں میں کمال پایا جائے پس آزاد عاقل بالغ مرد، آزاد عاقلہ بالغہ عورت سے وطی کرے تو احصان ثابت ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک شرط ہے، امام مالک کہتے ہیں اگر ان دونوں میں سے ایک بھی کامل ہو تو احصان ثابت ہو جائے گا البتہ اگر بچہ بڑی عورت سے وطی کرے تو اس عورت کا احصان ثابت نہیں ہوگا۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول ہماری مثل ہے اور ایک قول امام مالک کی مثل ہے۔ [2]

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو احصان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا۔ (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی

---

[1] سید محمد مرتضیٰ زبیدی حسینی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۹، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۲۵-۱۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

سے وطی کرنا۔ لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر، نکاح فاسد، عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ [۱]

زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر زانی مرد یا زانیہ عورت محصن نہ ہو تو قرآن مجید میں اس کی سزا سو کوڑے مارنا بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة۔ (نور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارو۔

بعض احادیث میں سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۰۱ میں ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا غیر شادی شدہ زنا کی حد میں سو کوڑوں کے علاوہ شہر بدر کرنا بھی داخل ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کے زنا کرنے کی حد میں جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے۔ خلفاء راشدین سے بھی یہی مروی ہے، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، فقہاء تابعین میں سے عطاء، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور کا بھی یہی نظریہ ہے امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام احمد کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن یہ کہتے ہیں ——— کہ شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان دونوں کو شہر بدر کرنا انہیں فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ اور ابن مسیب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی بناء پر خیبر میں جلا وطن کر دیا۔ وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا تب حضرت عمر نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہیں کروں گا، نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جمہور کے موقف پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن کا ذکر صحیح مسلم کے اس باب میں آگیا ہے۔ [۲]

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البکر بالبکر جلد مائة وتغریب عام۔

(صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی) "کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو"، نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان پہچان والے کم ہوں گے

---

[۱] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳۸ - ۳۷، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

[۲] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاجلدوا "بس کوڑے مارو" اللہ تعالیٰ نے کل سزا سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں الزانی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہ)۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیا آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے پینے، رہائش، کپڑوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوگا اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنالیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے، کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔ اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کردو (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)۔

علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں یہ صراحۃً ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ترجیح بالمرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ان کو جمع کرنا واجب ہے پہلے کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے، حضرت علی، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ، داؤد، اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اقتصار کیا جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے قصہ سے ظاہر ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد) ——— نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیر آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب واضح کریں گے ——— سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصلحت ہو تو

وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کر سکتا ہے، یہ تعزیر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امام کی رائے پر موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تعزیر اور سیاست پر محمول ہے۔ [1]

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواتر یا خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطور حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو لہٰذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سھل بن سعد عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان رجلا اتاہ فاقر عندہ انہ زنی بامراۃ سماھا، فبعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی المراۃ فسألھا عن ذلک فانکرت ان تکون زنت فجلدہ الحد وترکھا۔ [2]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔

عن ابن عباس ان رجلا من بکر بن لیث اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاقر انہ زنی بامراۃ اربع مرات فجلدہ مائۃ وکان بکرا، ثم سألہ البینۃ علی المراۃ فقالت: کذب واللّٰہ یا رسول اللّٰہ! فجلدہ حد الفریۃ ثمانین۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے، آپ نے اس کو سو کوڑے لگائے پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ، عورت نے کہا خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے، پھر آپ

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۹۳-۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

[3] " " " ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۷،

نے اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ، وزید بن خالد رضی اللہ عنہما، قالا: سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الامۃ اذا زنت ولم تحصن؟ قال اذا زنت فاجلدوھا، ثم ان زنت فاجلدوھا، ثم ان زنت فاجلدوھا ثم بیعوھا ولو بضفیر[1]

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو، اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو پھر اس کو بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے[2] اور امام حمیدی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔[3]

ان تینوں احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محصن کو حد میں سو کوڑے مارنے یا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا نہ شہر بدر کرنے کا حکم دیا اس لیے جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ سیاست پر محمول ہیں۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن جریج عن عبد اللہ بن عمر ان ابا بکر بن امیۃ بن خلف غرب فی الخمر الی خیبر فلحق بھرقل، قال: فتنصر، فقال عمر: لا اغرب مسلما بعدہ ابدا وعن ابراھیم ان علیا قال، حسبھم من الفتنۃ ان ینفوا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر بن امیہ بن خلف کو شراب کی سزا میں خیبر کی طرف شہر بدر کیا گیا وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب میں کبھی کسی مسلمان کو شہر بدر نہیں کروں گا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کو شہر بدر کر دیا جائے۔

امام محمد روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم قال: کفی بالنفی فتنۃ۔ قال

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کے

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۱-۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام عبداللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ، المسند ج ۲ ص ۳۵۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

[4] امام عبداللہ بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۳۱۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

محمد فقلت لابی حنیفة : ما یعنی ابراهیم بقوله : کفی بالنفی فتنة ؟ ای لا ینفی ؟ قال : نعم قال محمد وهذا قول ابی حنیفة و قولنا ، ناخذ بقول علی بن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه۔ [۱]

لیے شہر بدر کرنا کافی ہے ، امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے کہا ابراہیم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے ؟ کیا شہر بدر نہ کیا جائے ؟ فرمایا ہاں ! امام محمد کہتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور یہی ہمارا قول ہے ، ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

ان آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی آخری رائے یہی تھی کہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی حد صرف کوڑے مارنا ہے اور ان کو شہر بدر کرنا حد کا جز اور حصہ نہیں ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کرنے اور نہ کرنے کی متعارض روایات میں تطبیق

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے گذر چکا ہے اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے غیر شادی شدہ زانی کی حد صرف سو کوڑے بیان فرمائی ہے اور عملاً بھی صرف سو کوڑوں کی سزا دی ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گذر چکا ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی رحمہ اللہ ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شروع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ زانی کو ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا مناسب خیال کیا کیونکہ لوگ زمانہ جاہلیت کی بری عادتوں سے ابھی تازہ تازہ الگ ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی اس عادت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے سو کوڑے لگانے کے بعد ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کو بھی آپ نے مناسب سمجھا جس طرح شراب کی حرمت کے وقت شروع میں آپ نے شراب کے مشکوں اور برتنوں کو بھی توڑنے کا حکم دے دیا تھا کیونکہ اس وقت برائی کا قلع قمع کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ [۲]

شہر بدر کرنے کے حد نہ ہونے پر دلیل

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں : حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھ سے علم حاصل کرو ، اللہ تعالٰی نے ان کے لیے سبیل مقرر کر دی ہے اور یہ کوڑے مارنے کے حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے ، کیونکہ اگر آیت اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے نازل ہوتی تو زانیوں کے لیے یہ سبیل اس آیت سے ماخوذ ہوتی جبکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سبیل کے سلسلہ میں آپ پر کوئی وحی خفی نازل ہوئی تھی کیونکہ اگر قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس کا حوالہ دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہوا ہے وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے اور اس میں شہر بدر کرنے کا حکم نہیں ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ

---

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ ، کتاب الآثار ص ۱۳۴ ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ، ۱۴۰۷ھ

[۲] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ ، احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۷ - ۲۵۶ ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ، ۱۴۰۰ھ

آیت شہر بدر کرنے کے اس حکم کے لیے ناسخ ہو جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ شہر بدر کرنے کے تعزیر ہونے اور حد نہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حد کی مقدار اور انتہا معلوم اور متعین ہوتی ہے اسی لیے اس کو حد کہتے ہیں کیونکہ اس مقدار پر زیادتی اور اس سے کمی جائز نہیں ہوتی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر بدر کرنے کی جگہ کا ذکر کیا اور نہ مدت اور مسافت کا ذکر کیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ حد نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ تعزیر کی طرح امام کی رائے پر موقوف ہے اگر یہ حد ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ معین فرماتے کہ اتنی مسافت پر اس کو شہر بدر کرنا جس طرح آپ نے وقت کی تحدید کی ہے جگہ کی تحدید بھی کرتے۔[1]

رجم کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے اور فقہاء اسلام میں سے کسی مستند شخص نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی، بعض خارجیوں نے اس اجماع کی اگر مخالفت کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ ہمارے زمانہ میں منکرین حدیث کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے سنت کی حجیت کا انکار کیا اور مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر اگلا اس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ ان لوگوں نے جہاں اسلام کے اور بہت سے اجماعی اور مسلمہ عقائد کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زانی کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے اور جن احادیث میں رجم کا ذکر ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

منکرین سنت کا یہ قول قطعاً باطل اور مردود ہے اول تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا اصلاً ذکر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اشارۃً رجم کا ذکر موجود ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب ہم واضح کریں گے اور ثانیاً یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ رجم کا حکم اخبار آحاد سے ثابت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رجم کا حکم پچاس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے اور یہ احادیث معنیً اخبار متواترہ ہیں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے اور اخیر میں ہم منکرین سنت کے مشہور اور اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ۔ (مائدہ: ۴۳)

اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ (جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۲۵ میں ہے) یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دور رہنا۔ علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شان نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابو داؤد میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے فرمایا تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے آپ نے ان کو قسم دے کر

---

[1] علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

پوچھا ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انھوں نے کہا تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انھوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کر دیا جائے آپ نے فرمایا تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آکر یہ گواہی دی کہ انھوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انھیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ [۱]

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم طلبوا الرخصة بالتحكيم۔ [۲]

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کے لیے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:

پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے ۔ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ۔

(استثناء : ۲۱)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے ۔ تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ۔ [۳]

(استثناء : ۲۲-۲۳)

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی، بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے ، یوحنا کی انجیل میں ہے :

اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا ۔ اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے ۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ ۔ انھوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تاکہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا ۔ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے ۔ [۴]

(یوحنا : باب ۸، آیت : ۳-۸)

۱۔ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۷، ۵، ۷۵، ۵، مطبوعہ دار الاندلس بیروت ۱۳۸۵ ھ
۲۔ امام محمد بن ضیاء الدین عمر فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ ھ
۳۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ تورات) ص ۱۸۷، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور
۴۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ۔ انجیل) ص ۹۰، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور

تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزول قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصدق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزار تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق۔ (مائدہ: ۴۸)

ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے درآں حالیکہ یہ ان آسمانی کتابوں کی مصدق اور نگہبان ہے جو اس کے سامنے ہیں سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے۔ اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ جائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصدق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ التلاوت آیت

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن زر بن حبیش قال قال لی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کاین تعد او کاین تقرء سورۃ الاحزاب قلت ثلث وسبعین آیۃ قال اقط لقد رایتھا وانھا لتعدل سورۃ البقرۃ وان فیھا الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔[1]

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سورۂ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ:) جب بڑا مرد یا بوڑھی عورت زنا کرے تو ان کو ضرور سنگسار کرو وہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔

"سورۂ احزاب ابتداءً سورۂ بقرہ کے برابر تھی" اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا، قرآن مجید میں ہے: ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (بقرہ: ۱۰۶) جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں"۔ جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کر دیا گیا، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھ لیتے تھے جس کو بعد میں حذف کر دیا۔

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن كثير بن الصلت قال كنا عند مروان وفينا زيد بن ثابت قال زيد كنا نقرأ الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة قال فقال مروان افلا نجعله في المصحف قال لا، الا ترى الشابين الثيبين يرجمان، قال وقال ذكروا ذلك وفينا عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال انا اشفيكم من ذاك قال، قلنا كيف قال أتي النبي صلى الله عليه وسلم فاذكر كذا وكذا فاذا ذكر الرجم اقول يا رسول الله اكتبني اية الرجم قال فاتيته فذكرته قال فذكر اية الرجم قال فقال يا رسول الله اكتبني آية الرجم قال استطيع ذلك. في هذا وما قبله دلالة على ان آية الرجم حكمها ثابت وتلاوتها منسوخة وهذا مما لا اعلم فيه خلافا۔[1]

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت زید نے کہا یہ آیت ہم پڑھتے تھے جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کر دو، مروان نے کہا ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کر دیں، حضرت زید نے فرمایا نہیں! کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو بھی رجم کیا جاتا ہے، حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کر رہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انھوں نے کہا اس مسئلہ میں میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا، جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، آپ نے فرمایا مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

امام حاکم روایت کرتے ہیں:

عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال من كفر بالرجم فقد كفر

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا، حالانکہ

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

بألقران من حيث لا يحتسب قوله عزوجل يا أهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم كثيرا مما كنتم تخفون من الكتاب فكان الرجم مما اخفوا هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه [1]

اس کو گمان بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آچکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے" اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔

عن كثير بن الصلت قال كان ابن العاص وزيد بن ثابت يكتبان المصاحف فمرعلى هذه الاية فقال زيد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة فقال عمرو لما نزلت اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت اكتبها فكانه كره ذلك فقال له عمرو الا ترى ان الشيخ اذا زنى وقد احصن جلد ورجم واذا لم يحصن جلد وان الشيب اذا زنى وقد احصن رجم هذا حديث صحيح الاسناد لم يخرجاه [2]

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو، حضرت عمرو نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا اس آیت کو لکھ دیجیے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا، حضرت عمرو نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے، اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انھوں نے اس کے منسوخ التلاوت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں بما قضيا من اللذة۔ "انھوں نے جو لذت حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)" نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ [3]

اس آیت کے منسوخ التلاوت ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے: كلامي لا ينسخ كلام الله (مشکوٰۃ ص ۳۲) "میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا" پھر حدیث سے یہ آیت کیسے

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۹، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[2] " " " " المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰، " " "

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

منسوخ ہوگئی ہیں میں نے اس کے جواب میں کہا کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ منضبط ہیں اور وہ الفاظ تواتر سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے منسوخ التلاوت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا وہ بات یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طول زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں بے شک اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔ (بخاری شریف جلد ثانی ۱۰۰۹، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مؤطا امام مالک ص ۶۸۵)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیة والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کے لیے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحتہً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحتہً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں، جو چیز قرآن سے ثابت ہو، اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے، اسے خلاف قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح پانچ نمازیں ان کی تعداد رکعات اور ادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع، سجود، قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے، اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف اقیموا الصلوٰة اور اٰتوا الزکوٰة کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ادائے زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ قرآن کے معنی سمجھ میں آجائیں اور مراد الٰہی کے مطابق احکام قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ التلاوۃ ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم نزول کے الفاظ، اور نسخ تلاوت کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وكيف يحكمونك وعندهم التوراة فيها حكم الله۔ "اور اے رسول وہ یہودی کس طرح آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے" (المائدہ: ۴۳)

جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے"۔ [۵]

رجم کی احادیث متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد و شمار کا ذکر کیا ہے، یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود اور دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں اس لیے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ مرسلہ آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں، بہرحال ہم نے جو اعداد و شمار تتبع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معناً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس کثرت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں رہے آزاد اور محصن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے۔ جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ الزانیۃ والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے: فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ "یعنی باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے"۔ یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سورۂ نساء میں اس کی نصف بیان کی گئی ہے۔ اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہو گئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے، اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مختص قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے پہلے ہم رجم کی احادیث مرفوعہ متصلہ بیان کریں گے جو ترپن صحابہ کرام سے مروی ہیں، اس کے بعد چودہ رجم کی مرفوع مرسل روایات بیان کریں گے، پھر چودہ آثار صحابہ اور اس کے بعد پانچ فتاویٰ تابعین کا ذکر کریں گے اور یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

---

[۵] علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ، مقالات کاظمی ج ۳ ص ۴۰۰۔ ۳۹۹، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۴۰۷ھ

حضرات صحابہ کی روایت کردہ احادیث رجم

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۱۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک مزدور کی مالکہ کو بربناء اعتراف رجم کرنا۔ ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعز کو رجم کرنا۔	جامع ترمذی ص ۲۳۶۔ (مطبوعہ نور محمد کراچی) مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸ (مطبوعہ بیروت)
۲۔	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کرنا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸ (مطبوعہ کراچی)، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۳، (مطبوعہ کراچی)، مؤطا امام مالک ص ۶۸۲، (مطبوعہ لاہور) ترمذی ص ۲۲۵، سنن دارمی ص ۳۰۳ (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور) کنز العمال ج ۵ ص ۴۲۹ (مطبوعہ بیروت)۔
۳۔	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	فرمان رسول کے مطابق شادی شدہ زانی کے خون کا حلال ہونا اور اس کو رجم کرنا۔	سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۹، (مطبوعہ کراچی) سنن دارمی ص ۲۹۹، مستدرک للحاکم، ج ۴ ص ۳۵۰ (مطبوعہ بیروت)
۴۔	حضرت علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ	۱۔ رجم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۵ (مطبوعہ کراچی) جامع الاصول ج ۳ ص ۵۴۰ (مطبوعہ بیروت)
۵۔	ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	بحکم رسول شادی شدہ زانی کو رجم کردیا جائے۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹ (طبع کراچی) سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۳ (طبع لاہور) سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۵ (طبع کراچی) مستدرک ج ۴ ص ۳۶۷۔

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۶۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	بحکم رسول، شادی شدہ زانی کے خون کا مباح ہونا،	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹، جامع ترمذی ص ۲۲۱، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۵، مسند حمیدی ج ۲ ص ۶۵۔
۷۔	حضرت امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ	ا۔ بحکم رسول، شادی شدہ زانی کے خون کا مباح ہونا۔	سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۵
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بربنائے اعتراف حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۱ (مطبوعہ بیروت)
۸۔	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	ا۔ بحکم رسول شادی شدہ زانی کے خون کا مباح ہونا۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۰۔ بحوالہ طبرانی (طبع بیروت)
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کرنا۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۴۔ بحوالہ مسند ابو یعلی۔
		۳۔ غامدیہ خاتون کو بربنائے اعتراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رجم کیا گیا۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۸۔ بحوالہ طبرانی مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۲۔ بحوالہ مسند بزار، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۵۔
۹۔	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما	ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بربنائے اعتراف حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۶، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۴، ۳۲۰، ۳۱۹۔ جامع الاصول ج ۳ ص ۲۸
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تورات کے مطابق ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۹، سنن ابوداؤد، ج ۲ ص ۲۵۴، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۱۹، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۴، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۷
		۳۔ قرآن مجید میں آیت رجم (الشیخ والشیخۃ اذا زنیا) پہلے موجود تھی	مسند حمیدی ج ۱ ص ۵۴۲
		۴۔ بحکم رسول شادی شدہ زانی کے خون کا مباح ہونا۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۲
۱۰۔	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ	ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے	سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۲، سنن دارمی

	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
		ایک شخص کو رجم کیا گیا۔	ص ۳۰۱، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۶،
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۷ (طبع کراچی)
		۳۔ تورات کے فیصلہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہودیوں کو رجم کیا گیا۔	مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۵
۱۱۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بربنائے اعتراف حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۶، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۲، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۲۲، کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۱، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۰۵، (طبع بیروت)
		۲۔ ایک مزدور کی مالکہ کو بوجہ اعتراف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رجم کیا گیا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸، موطا امام مالک ص ۶۸۵، سنن دارمی ص ۳۰۲، مسند حمیدی ج ۲ ص ۳۵۵۔۳۵۴، ترمذی ص ۲۲۵، سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۲۱۲، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۶،
		۳۔ تورات کے فیصلہ کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زنا کرنے والے ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا۔	سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۴، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۱۶، کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۱۔
		۴۔ قرآن مجید میں پہلے آیت رجم موجود تھی۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۰
۱۲۔	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۔ تورات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زنا کرنے والے	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۱، سنن دارمی ص ۳۴۳، موطا امام مالک ص ۶۸۴، مسند حمیدی

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
		ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا	ج ا ص ۷۰۳، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۱۸، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۴، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۸
		۲۔ رجم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸،
		۳۔ قرآن مجید میں آیت رجم (الشیخ والشیخۃ اذا زنیا الخ) پہلے تھی۔	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۴، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۸
۱۳۔	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۱۔ رجم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۷۶۔۷۵، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۲۔۲۱۱۔
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بوجہ اعتراف حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۲، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۱، جامع الاصول ج ۳ ص ۲۶، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۹
		۳۔ تورات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زنا کرنے والے ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا۔	مسند احمد ج ا ص ۲۶۱، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۴، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۳۔
۱۴۔	حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بربناء اعتراف ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸، جامع ترمذی ص ۲۲۵، مسند حمیدی ج ۱ ص ۳۵۲۔۳۵۵، سنن دارمی ص ۳۰۲، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۲۔
۱۵۔	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	بحکم رسالت مآب شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، سنن دارمی ص ۳۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸۰۔ مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۹۔ سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۰، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۱۔
۱۶۔	حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۶، سنن ابو داؤد

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
		برنباء اعتراف حضرت ماعز کو رجم کر دیا گیا	ج ۲ ص ۲۵۱، سنن دارمی ص ۳۰۲-۳۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸۳-۷۳، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۲، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۰۵، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۳۰، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۶
		۲۔ تورات کے مطابق بحکم رسول ایک زنا کرنے والے یہودی مرد اور ایک عورت کو رجم کیا گیا۔	مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۰۵، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۴،
		۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے برنباء اعتراف ایک مزدورہ کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	جامع ترمذی ص ۲۲۶۔
۱۷۔	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۔ حضرت ماعز کو بوجہ اعتراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رجم کیا گیا۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۷، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۲۔ سنن دارمی ص ۳۰۲، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۶، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۳، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۴۔
		۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غامدیہ خاتون کو برنباء اعتراف رجم کیا گیا	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۳، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۲۵۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۰۰۔ سنن دارمی ص ۳۰۴۔ جامع الاصول ج ۳ ص ۵۳۳۔
		۳۔ ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	جامع ترمذی ص ۲۲۶۔
۱۸۔	حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ	تورات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زنا کرنے والے ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۴، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۶۔

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب حدیث
۱۹-	حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔ ۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک غامدیہ خاتون کو رجم کیا گیا۔ ۳- ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۳، سنن دارمی ص ۳۰۲، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۹۲، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۱۷، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۲۔ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۳، سنن طبری ص ۳۰۳، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۳۔ جامع ترمذی ص ۲۲۶
۲۰-	حضرت نعیم بن ہزال رضی اللہ عنہ	۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعز کو رجم کیا گیا ۲- ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۸، ۱۷، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۳۔ جامع ترمذی ۲۲۶۔
۲۱-	حضرت دعر بن اخرم بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ	۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۷، سنن دارمی ص ۳۰۲،
۲۲-	حضرت مصعب بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ	〃 〃	طبقات کبریٰ ج ۴ ص ۳۲۰، اصابہ ج ۳ ص ۴۲۲۔
۲۳-	حضرت ابو الفیل خزاعی رضی اللہ عنہ	〃 〃	اصابہ ج ۴ ص ۱۵۶۔
۲۴-	حضرت عبد اللہ بن جبیر خزاعی رضی اللہ عنہ	〃 〃	اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۷۴
۲۵-	ایک صحابی رضی اللہ عنہ	〃 〃	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۷، مسند احمد ج ۴ ص ۶۶-۶۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۹۔
۲۶-	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	۱- 〃 〃 ۲- ایک شخص کو رجم کیا گیا۔	مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۶۸۔ سنن دارقطنی ج ۳ ص ۹۹
۲۷-	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۱- ایک غامدیہ خاتون کو رجم کیا گیا۔ ۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سفر میں ایک شخص کو رجم کیا گیا۔	مسند احمد ج ۵ ص ۷۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۵

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۲۸-	حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	۱۔ حضرت ماعز کو رجم کیا گیا	مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۳، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۸
		۲۔ ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	جامع ترمذی ص ۲۲۶
۲۹-	حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ	ایک غامدیہ خاتون کو رجم کیا گیا۔	سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۳، جامع الاصول ج ۵ ص ۵۳۴
۳۰-	حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ	"	اصابہ ج ۱ ص ۴۲۷
۳۱-	حضرت خزیمہ بن معمر انصاری رضی اللہ عنہ	" "	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۵ (بحوالہ طبرانی)
۳۲-	حضرت یزید بن طلحہ تیمی رضی اللہ عنہ	"	مستدرک ج ۴ ص ۳۶۴،
۳۳-	حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ	۱۔ ایک شخص کو رجم کیا گیا۔	سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۹
۳۴-	حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ	شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	جامع الاصول ج ۳ ص ۵۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۶۔
		۲۔ ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔	جامع ترمذی ص ۲۲۶۔
۳۵-	حضرت قبیصہ بن حریث رضی اللہ عنہ	شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۴۔
۳۶-	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	" "	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۳
۳۷-	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۱۔ " "	مستدرک ج ۴ ص ۳۶۰
		۲۔ آیت رجم کی قراءت	سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱
۳۸-	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	مستدرک ج ۴ ص ۳۶۰،
۳۹-	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۔ " "	سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، مستدرک ج ۴ ص ۳۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸۱، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۳۰
		۲۔ آیت رجم کی قراءت	سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۰۲-۳۰۱۔
۴۰-	حضرت عجماء رضی اللہ عنہا	شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۵۱۔
۴۱-	حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ	جس شخص نے اپنی بیوی کی باندی سے زنا کیا اس کو رجم کر دیا جائے۔	سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۶، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۳، سنن دارمی ص ۳۰۵-۳۰۴،

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
			مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۲، مستدرک ج ۴ ص ۶۵
۴۲ -	حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک عورت کے ساتھ جبراً زنا کرنے والے شخص کو رجم کر دیا گیا۔ (کتاب الحدود کے مقدمہ میں ہم نے اس حدیث کو جامع ترمذی اور سنن ابو داؤد کے حوالہ سے روایۃً" اور درایۃً" رد کر دیا تھا۔ البتہ امام دارقطنی کی روایت میں کسی ایسی چیز کا ذکر نہیں ہے جس کا ہم نے پہلے رد کیا تھا۔ اس لیے ہم نے یہاں صرف ان کا حوالہ ذکر کیا ہے)	سنن دارقطنی ج ۳ ص ۹۳ - ۹۲
۴۳ -	حضرت شبل رضی اللہ عنہ	ایک مزدور کی مالکہ کو رجم کر دیا گیا۔	جامع ترمذی ص ۲۲۵، سنن دارمی ص ۳۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸ - ۹، مسند حمیدی ج ۱ ص ۳۵۵ - ۳۵۴۔
۴۴ -	حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کر دیا گیا۔	مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۱
۴۵ -	حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رجم کرنے کو بیان کرنا۔	مسند احمد ج ۱ ص ۲۹، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۲۔
۴۶ -	حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ	حضرت عمر نے جابیہ میں ایک عورت کو رجم کیا۔	سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۵۔
۴۷ -	حضرت عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ	حاملہ عورت کا جب تک وضع حمل نہ ہو اس کو رجم نہ کیا جائے۔	سنن ابن ماجہ ص ۱۹۳، جمع الجوامع ج ۱ ص ۴۴۴۔
۴۸ -	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	" "	جمع الجوامع ج ۱ ص ۴۴۴۔
۴۹ -	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	" "	جمع الجوامع ج ۱ ص ۴۴۴۔
۵۰	حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ	" "	جمع الجوامع ج ۱ ص ۴۴۴۔

نمبر شمار	روایت کرنے والے صحابی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۵۱۔	حضرت عبداللہ بن حرس رضی اللہ عنہ	غامدیہ خاتون کو رجم کیا گیا۔	الاسماء المبہمۃ ص ۳۶۱
۵۲۔	حضرت اسعد ابو امامہ بن سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ (علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳)	حضرت ماعز کو رجم کیا گیا۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۱۔
۵۳۔	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	غامدیہ خاتون کو رجم کیا گیا۔	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۸۔ ۳۰۷

رجم کے متعلق حضرات تابعین کی روایت کردہ احادیث مرسلہ

نمبر شمار	روایت کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۱۔	سعید بن مسیب	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا۔	مؤطا امام مالک ص ۶۸۴، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۶۷، کنز العمال ج ۵ ص ۴۲۳، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۲۹۔
۲۔	ابن شہاب زہری	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بربنا اعتراف رجم کیا۔ ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔	مؤطا امام مالک ص ۶۸۴، جامع الاصول ج ۳ ص ۵۳۰۔ مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۲۹۔ ۳۲۸۔
۳۔	عبداللہ بن ملیکہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو بربنا اعتراف وضع حمل اور	مؤطا امام مالک ص ۶۸۵۔ ۶۸۴ جامع الاصول ج ۳ ص ۵۳۲

	روایت کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
۴۔	زید بن اسلم	بچہ کو دودھ پلانے کے بعد رجم کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بربنائے اعتراف رجم کر دیا۔	موطا امام مالک ص ۸۶
۵۔	عطا بن ابی رباح	۱۔ " "	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۱۹، کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۵۔
		۲۔ غامدیہ خاتون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرا دیا۔	مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۲۵۔۳۲۰، کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۵۔
۶۔	طاؤس	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ حضرت ماعز (رجم کے وقت) بھاگ پڑے تھے تو فرمایا: تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا!	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۲۱۔۳۲۰،
۷۔	حمید بن ہلال	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کر دیا۔	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۲۱۔
۸۔	عکرمہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے اعتراف کے بعد تفتیش کی۔	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۲۱
۹۔	مجاہد	حکم رسول سے حضرت ماعز کو رجم کر دیا گیا۔	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۲۲
۱۰۔	محمد بن منکدر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک عورت کو رجم کیا گیا۔	مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۲۶۔
۱۱۔	نخعی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے رجم کیا۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۸۰
۱۲۔	شعبی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا۔	مصنف عبد الرزاق ج ۱۰، ص ۷۳۔
		نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی مرد اور ایک عورت کو رجم کیا۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۴۔
۱۳۔	ابو سلمہ بن عبد الرحمان	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعز	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۷

	روایت کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ حدیث	کتب احادیث
		کو رجم کیا گیا۔	
۱۴-	عبید بن عمیر	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو بربنائے اعتراف وضع حمل کے بعد رجم کیا۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۴۵

رجم کے متعلق آثار صحابہ

نمبر شمار	روایت کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ اثر	کتب احادیث
۱-	صفیہ بنت ابی عبید	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک باندی سے زنا کے اعتراف کی بناء پر رجم کیا۔	مؤطا امام مالک ص ۶۸۶، جامع الاثیر ج ۳ ص ۵۳۸۔
۲-	ابو واقد لیثی	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو اعتراف کی بناء پر رجم کیا۔	مؤطا امام مالک ص ۶۸۴، جامع الاثیر ج ۳ ص ۵۳۹ - ۵۳۸۔
	سعید بن مسیب	حضرت عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا حضرت ابوبکر نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۷، کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۱۔
۳-	مالک بن انس	حضرت عثمان نے ایک عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔	جامع الاثیر ج ۳ ص ۵۳۹
۴-	عامر شعبی	حضرت علی نے ایک عورت کو رجم کیا۔	جامع الاثیر ج ۳ ص ۵۴۰
۵-	قاسم بن عبدالرحمن	حضرت علی نے ایک گڑھے میں کھڑا کر کے ایک عورت شراحۃ ہمدانیہ کو رجم کیا۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۲۷، مستدرک ج ۴ ص ۳۶۴۔
۶-	ابن سیرین	حضرت عمر رجم کرتے تھے اور کوڑے لگاتے تھے اور حضرت علی رجم کرتے تھے اور کوڑے لگاتے تھے۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸۱۔

نمبر شمار	روایت کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ اثر	کتب احادیث
۔۷	قاسم	حضرت ابوذر نے کہا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۸۲
۔۸	قاسم بن عبدالرحمن	حضرت علی نے جمرات کو کوڑے مارے اور جمعہ کو رجم کیا۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۸۲ ،
۔۹	شعبی		مستدرک ج ۴ ص ۳۶۴
۔۱۰	ابن جریج	حضرت علی نے ایک شادی شدہ عورت کو رجم کیا۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۵
۔۱۱	ابراہیم نخعی	حضرت عمر نے رجم کیا اور کوڑے نہیں مارے۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۸۔
۔۱۲	ثوری	حضرت علی نے رجم کیا اور کوڑے مارے۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۹۔
۔۱۳	عمران بن ذہل	ایک شادی شدہ شخص نے زنا کا اعتراف کیا تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم تم کو رجم کریں گے۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۴
۔۱۴	شعبی	حضرت علی نے فرمایا قرآن کی رُو سے کوڑے ماروں گا اور سنت کی رو سے رجم کروں گا۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۳
		حضرت علی نے فرمایا: اگر میرے پاس کسی شادی شدہ شخص کے زنا کا مقدمہ لایا گیا تو میں اس کو رجم کر دوں گا۔	کنز العمال ج ۵ ص ۴۳۱

رجم کے متعلق فتاویٰ تابعین

نمبر شمار	فتویٰ جاری کرنے والے تابعی کا نام	خلاصہ فتاویٰ	کتب احادیث
۔۱	مسروق	غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کیا جائے۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۸۱

نمبر شمار	فتویٰ جاری کرنیوالے تابعی کا نام	خلاصہ فتاویٰ	کتب احادیث
۲۔	ثوری	شادی شدہ کو رجم کیا جائے۔	مصنف عبدالرزاق ج، ص ۳۲۹
۳۔	قتادہ	جس شخص کو رجم کیا جائے اس کے لیے گڑھا کھودا جائے۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۷
۴۔	شعبی	وضع حمل سے پہلے حاملہ پر حد نہ لگائی جائے۔	مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۲۵۔
۵۔	طاؤس	شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جائے۔	مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۸۲۔

رجم کے واقعات آیا سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں یا بعد کے

بعض مستشرقین نے رجم کی سزا پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی جو سزائیں نافذ کی ہیں۔ وہ سب سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے کے واقعات ہیں اور آپ یہ فیصلے تورات کی اتباع میں کرتے تھے لیکن جب سورۂ نور نازل ہوئی اور اس میں زنا کی حد سو کوڑے مارنا بیان کی گئی تو رجم کی سزا منسوخ ہو گئی اور سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد آپ نے کسی کو رجم نہیں کیا۔

معترضین کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن الشیبانی قال سالت عبد اللہ بن ابی اوفی ھل رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قلت قبل سورۃ النور او بعد قال لا ادری۔[1]

شیبانی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد؟ انہوں نے کہا پتا نہیں!

ظاہر ہے کہ اس ...ن سے معترضین کا استدلال ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ... کو علم نہیں تھا کہ سورۂ نور کب نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے

اگر یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نور کے ذکر سورۂ نور واقعہ افک (حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کا قصہ) میں نازل ہوئی

---

[1] ... متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ

اور یہ واقعہ چار یا پانچ یا چھ ہجری میں ہوا۔ کیونکہ واقعہ افک غزوہ بنو مصطلق میں پیش آیا اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا یا پانچ یا چھ میں؛ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ غزوہ بنو المصطلق کو غزوۃ المریسیع بھی کہتے ہیں، ابن اسحاق نے کہا یہ چھ ہجری میں ہوا، موسیٰ بن عقبہ نے کہا چار ہجری میں اور فلاں بن راشد نے زہری سے نقل کیا کہ واقعہ افک غزوۃ المریسیع میں ہوا (فتح الباری ج ۷، ص ۴۲۸) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ بہر حال سورۂ نور کا نزول سات ہجری سے پہلے ہوا ہے اور رجم سات ہجری کے بعد ہوا کیونکہ رجم کی احادیث روایت کرنے والے ایک صحابی حضرت ابوہریرہ ہیں وہ سات ہجری میں اسلام لائے اور رجم کی روایت کرنے والے حضرت ابن عباس ہیں اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ نو ہجری میں آئے تھے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ رجم سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد ہوا ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس بات پر دلیل قائم ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ نور کا نزول واقعہ افک میں ہوا ہے اور واقعہ افک میں اختلاف ہے کہ چار ہجری میں ہوا یا پانچ میں یا چھ میں اور رجم اس کے بعد ہوا کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابوہریرہ حاضر تھے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے۔ [2]

سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیے جانے پر دلائل

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہودیوں کو رجم کیا ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو سب سے پہلے رجم کیا وہ یہودی تھا [3] اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہودیوں کو رجم کیا تو یہ کلمات فرمائے "اے اللہ! میں وہ شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو سب سے پہلے اس وقت زندہ کیا جب کہ لوگوں نے اسے ختم کر دیا تھا [4]" اور امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہودیوں کو رجم کیا [5]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نو ہجری میں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ آئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ پہلا رجم سات ہجری کے بعد ہوا ہے اور یہ سورۂ نور کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔ (امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ بھی رجم کرنے والوں میں تھے۔ تفسیر ابن جریر (ج ۶ ص ۲۵)

حافظ نورالدین الہیثمی نے مسند بزار اور طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شادی شدہ یہودی اور یہودیہ کو پیش کیا گیا، جنھوں نے

---

[1]۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
[2]۔ حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
[3]۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۷ ص ۳۱۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ ھ۔
[4]۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ ھ۔
[5]۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۱۱ ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ ھ۔

زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ان کو رجم کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث یہودیوں کو رجم کرنے والوں میں شامل تھے اور حضرت عبداللہ بن حارث اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہو کر فتح مکہ کے بعد مدینہ آئے تھے اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بھی اس رجم کا مشاہدہ کیا تھا۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی کی ان تصریحات اور مجمع الزوائد کی اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رجم کا پہلا واقعہ آٹھ ہجری کے بعد واقع ہوا ہے!

اس دلیل پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہودیوں کو رجم کرنے کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہودی مدینہ منورہ میں رہتے تھے، حالانکہ بنو نضیر کو دو ہجری میں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور بنو قریظہ کو پانچ ہجری میں قتل کر دیا گیا تھا اس لیے رجم کے یہ واقعات پانچ ہجری سے پہلے ہونے چاہئیں اور سورۂ نور کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ ہجری میں نازل ہوئی لہٰذا یہ ثابت نہیں ہوا کہ رجم کے یہ واقعات سورہ نور کے نزول کے بعد ہیں بلکہ اس کے برعکس ثابت ہوا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بنو نضیر کو جلاوطن کرنے اور بنو قریظہ کو قتل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدینہ میں کوئی یہودی نہیں رہا تھا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

حضرت ماعز کو جو رجم کیا گیا یہ بھی سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد تھا اس پر ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت ماعز کو یہودیوں کے بعد رجم کیا گیا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کو رجم سورہ نور کے نزول کے بعد کیا گیا فلہٰذا حضرت ماعز کا رجم بھی سورۂ نور کے نزول کے بعد ہے۔

اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے حضرت ماعز کے قصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت ماعز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے حاضرین سے پوچھا: کیا تمہارا یہ ساتھی پاگل ہے؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے حاضرین کی طرف دیکھا.... الحدیث [3]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعز کو رجم کرتے وقت حضرت ابن عباس بھی موجود تھے اور علامہ ابن حجر کے حوالے سے یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ابن عباس مدینہ منورہ میں نو ہجری کو آئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ماعز کو نو ہجری میں رجم کیا گیا اور یہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

غامدیہ خاتون کو بھی سورہ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا کیونکہ صحیح مسلم کے اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۲۶ میں ہے کہ غامدیہ کو رجم کرتے وقت حضرت خالد بن ولید نے ان کو پتھر مارا تھا اور حضرت خالد آٹھ ہجری میں مدینہ منورہ آئے

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۱، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

تھے کیونکہ امام ابن سعد نے حضرت خالد بن ولید سے روایت کیا ہے کہ میں اسلام قبول کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو بن العاص کے ہمراہ آٹھ ہجری یکم صفر کو مدینہ منورہ پہنچا [1]۔ اس سے ثابت ہوا کہ غامدیہ کو بھی آٹھ ہجری میں یا اس کے بعد رجم کیا گیا ہے اور یہ بھی سورہ نور نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ نیز صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۳۱۶ میں ہے غامدیہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے بھی ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ غامدیہ کو رجم کرنے کا واقعہ ماعز کو رجم کرنے کے بعد پیش آیا اور حضرت ماعز کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رجم کیا گیا سو غامدیہ کو بھی سورہ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا۔

رہا مزدور کی مالکہ کو رجم کرنے کا واقعہ تو اس کی تفصیل جس طرح کتب حدیث میں ہے اور امام مسلم نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (حدیث نمبر ۴۳۲۹) کہ اس کے والد نے کہا میرا لڑکا اس شخص کے ہاں کام کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا پہلے مجھے بتایا گیا اس کو رجم کیا جائے گا پھر میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ الحدیث۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تو سورۂ نور نازل ہو چکی تھی اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہو چکا تھا، کیونکہ سورۂ نور سے پہلے زنا کی سزا یہ تھی کہ زانیہ عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا جائے حتیٰ کہ انہیں موت آجائے اور اس کے بعد سورۂ نور میں زانیہ اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہوا۔ للہذا اس حدیث کی داخلی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ مزدور کی مالکہ کو رجم کرنے کا واقعہ بھی سورہ نور کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابوہریرہ ہیں اور صحیح بخاری میں ہے کہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے آکر اپنا مقدمہ پیش کیا [2]۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہ اس وقت موجود تھے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے ہیں پس یہ سات ہجری کے بعد کا واقعہ ہے اور سورۂ نور اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ پس ثابت ہو گیا کہ رجم کے تمام واقعات سورہ نور نازل ہونے کے بعد پیش آئے اور چونکہ یہ واقعات تواتر معنوی سے ثابت ہیں (کیونکہ ہم اس کے ثبوت میں چھیاسی احادیث پیش کر چکے ہیں) اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کی سورہ نور میں جس زانیہ اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے آزاد اور غیر شادی شدہ زانیہ اور زانی مراد ہیں، رہے غلام یا لونڈی تو ان کی حد پچاس کوڑے ہے اور شادی شدہ زانیہ اور زانی کی سزا رجم ہے جیسا کہ ان احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک۔

باندیوں کی نصف سزا سے رجم کی نفی پر استدلال کا جواب

منکرین رجم کا ایک اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں شادی شدہ باندیوں کی سزا محصنات کی سزا کی نصف مقرر کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن پھر اگر وہ باندیاں شادی شدہ ہو جانے کے

---

[1] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ (نساء : ۲۵)

بعد کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو شادی شدہ عورتوں کو اس جرم پر دی جاتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ باندیاں زنا کریں تو انھیں آزاد شادی شدہ عورتوں کی نصف سزا دی جائے گی لیں اگر شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا رجم ہو تو شادی شدہ باندیوں کو رجم کی نصف سزا دی جائے گی اور رجم کا نصف نہیں ہو سکتا اس لیے ماننا پڑے گا کہ آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا رجم نہیں بلکہ سو کوڑے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں "المحصنات" سے شادی شدہ نہیں بلکہ آزاد کنواری عورتیں مراد ہیں جن کی سزا سورۂ نور میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے اور شادی شدہ باندیوں کی سزا اس کا نصف یعنی پچاس کوڑے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ محصنات کا مصدر احصان ہے جس کا مادہ حصن ہے، حصن قلعہ کو کہتے ہیں جو حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ احصان چار چیزوں سے ہوتا ہے، اسلام، حریت، نکاح، اور عفت (پاک دامنی) کفر کی وجہ سے جو تکالیف پیش آسکتی ہیں ان سے اسلام حفاظت کرتا ہے، غلامی کی تکلیف سے حریت حصن محفوظ رکھتی ہیں۔ عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے نکاح حصار ہے اور عفت اور پاکیزگی بھی شرم و حیاء کا ایک قلعہ ہے جو بد اخلاقی سے روکتا ہے قرآن مجید میں احصان کا مادہ ان چاروں معنوں میں استعمال ہے۔:

۱۔ والذین یرمون المحصنات۔ (نور : ۲۳)

وہ لوگ جو مسلمان عورتوں کو تہمت لگائیں۔ یہاں احصان اسلام کے معنی میں ہے۔

۲۔ والمحصنات من النساء۔ (نساء : ۲۴)

اور شادی شدہ عورتوں (سے نکاح کرنا تم پر حرام کر دیا گیا ہے)؛ یہاں احصان شادی شدہ کے معنی میں ہے۔

۳۔ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات۔ (نساء : ۲۵)

اور تم سے جو شخص آزاد اور کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تو ...... یہاں احصان آزاد کے معنی میں ہے۔

۴۔ محصنات غیر مسافحت ولا متخذات اخدان۔ (نساء : ۲۵)

وہ باندیاں پاک دامن ہوں، ظاہراً بدکار ہوں نہ پوشیدہ۔ یہاں احصان عفت اور پاکدامنی کے معنی میں ہے۔

قرآن مجید کی آیات کی ترتیب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس آیت میں المحصنات سے آزاد کنواری عورتیں مراد ہیں جن کا ذکر اسی آیت میں نکاح کی طاقت نہ رکھنے والوں کے ساتھ لفظ المحصنات میں آچکا ہے، یعنی زنا کے جرم میں باندیوں کو وہ سزا دی جائے جو آزاد کنواری عورتوں کی سزا کا نصف ہے یعنی پچاس کوڑے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات (الی ان قال اللہ تعالیٰ) فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب۔ (نساء : ۲۵)

اور تم میں سے جو لوگ یہ وسعت نہ رکھتے ہوں کہ مسلمان آزاد کنواری عورتوں سے نکاح کریں تو وہ مسلمان باندیوں سے نکاح کر لیں..... پھر اگر وہ رنڈیاں آزاد ہو جانے کے بعد کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں تو ان کو آزاد کنواری عورتوں کی نصف سزا دی جائے۔

اب یہ بات بحث طلب رہ جاتی ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ اس آیت میں المحصنات سے مراد آزاد کنواری عورتیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں ہے ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات۔ الآیۃ۔ یہاں المحصنات سے "مسلمان عورتیں" مراد نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس کے متصل بعد المؤمنات کا ذکر ہے اور المحصنات سے پاک دامن عورتیں بھی مراد نہیں ہو سکتیں، کیونکہ اس کے مقابلہ میں مسلمان لونڈیوں کا ذکر ہے اور یہ ایک بے جوڑ اور بے ربط معنی ہو گا کہ "تم میں سے جو شخص پاک دامن عورتوں سے شادی نہ کر سکے وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرے" اور یہاں المحصنات سے تیسرا معنی "شادی شدہ عورتیں" بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اب معنی یوں ہو گا کہ "تم میں سے جو شخص شادی شدہ عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے" کیونکہ شادی شدہ یعنی غیر کی منکوحہ سے تو نکاح کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ اس لیے متعین ہو گیا کہ یہاں احصان کا چوتھا معنی مراد ہے اور المحصنات سے مراد ہے "آزاد اور کنواری عورتیں" اور آیت کا معنی ہے "تم میں سے جو شخص آزاد اور کنواری عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرلے" اور اس کے بعد جب دوسری بار اسی آیت میں المحصنات کا لفظ آیا تو اس سے بھی لامحالہ یہی معنی مراد ہو گا، چنانچہ اس آیت میں ہے: فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ "پھر اگر وہ لونڈیاں آزاد ہو جانے کے بعد کسی بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان کو آزاد کنواری عورتوں کی نصف سزا دی جائے" یہاں المحصنات کا معنی "آزاد اور کنواری عورتیں" ہیں اس پر اول تو سیاق کلام قرینہ ہے کیونکہ جب پہلے اس آیت میں المحصنات سے آزاد اور کنواری عورتیں مراد لیا گیا تو دوبارہ جب اسی آیت میں یہ لفظ آیا تو اس سے یہی معنی مراد ہونا چاہیے۔ ثانیاً المحصنات کا لفظ دونوں جگہ معرفہ لایا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک کلام معرفہ کو مکرر لایا جائے تو ثانی عین اول ہوتا ہے اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ لفظ معرف باللام ہے اور لام میں اصل عہد خارجی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ لام سے پہلے ذکر کیے ہوئے لفظ کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول۔ "ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی یعنی جس رسول کو بھیجا تھا" اور یہاں معنی ہو گا کہ "اگر باندیاں آزاد ہونے کے بعد بدکاری کریں تو ان کو ان محصنات کے عذاب کا نصف دیا جائے" یعنی آزاد اور کنواری عورتوں کے عذاب کا نصف عذاب دیا جائے۔

المحصنات سے آزاد اور کنواری عورتیں مراد لینے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ احادیث میں باندیوں کے زنا کی سزا مطلقاً کوڑے مارنا بیان کی گئی ہے اور کسی حدیث میں بھی باندی کے زنا کی سزا رجم نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن مجید میں جو باندیوں کے زنا کی سزا المحصنات کا نصف عذاب بیان کی گئی ہے وہ سو کوڑوں کا نصف ہو تاکہ قرآن مجید اور احادیث میں مطابقت رہے اور العذاب سے مراد سو کوڑے جب ہی ہوں گے جب المحصنات سے مراد آزاد اور کنواری عورتیں ہوں گی اور جو شخص قرآن کے ساتھ سنت پر بھی ایمان رکھتا ہو اس کے لیے المحصنات میں آزاد اور کنواری عورتیں مراد لینے پر یہ واضح قرینہ ہے۔ ہم نے پہلی دلیل مجرد قرآن مجید کے لحاظ سے دی ہے اور دوسری دلیل میں قرآن مجید اور سنت دونوں ملحوظ ہیں۔ ان دو دلیلوں کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ چونکہ احادیث متواترہ سے رجم ثابت ہے اس لیے ضروری ہے کہ المحصنات سے مراد آزاد اور کنواری عورتیں ہوں تاکہ قرآن مجید اور سنت میں منافات نہ ہو۔ میں اس آیت میں کافی غور کرتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ دلائل القاء کیے والحمد للہ

رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد سید المرسلین۔

ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ کسی حدیث میں باندی کے زنا کی سزا رجم نہیں ہے بلکہ باندی کی سزا مطلقاً کوڑے مارنا بیان کی گئی ہے خواہ وہ باندی کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث لائق توجہ ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ وزید بن خالد رضی اللہ عنھما قالا سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الامۃ اذا زنت ولم تحصن قال اذا زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فاجلدوھا ثم بیعوھا ولو بضفیر۔[1]

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر محصنہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اس کے بعد بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم ان معقل بن مقرن المزنی جاء الی عبد اللہ فقال ان جاریۃ لی زنت فقال اجلدھا خمسین قال لیس لھا زوج قال اسلامھا احصانھا۔[2]

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ معقل بن مقرن مزنی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس گئے اور کہا میری باندی نے زنا کیا ہے! انھوں نے کہا اس کو پچاس کوڑے مارو، انھوں نے کہا وہ غیر شادی ہے، حضرت عبداللہ نے کہا اس کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے۔

ازواج مطہرات کو بر تقدیر فاحشہ ضعف عذاب کی وعید سے نفی رجم پر استدلال کا جواب۔!

منکرین رجم کا ایک اور یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ازواج مطہرات کو یہ وعید سنائی گئی ہے کہ اگر انھوں نے فاحشہ کا ارتکاب کیا تو ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور رجم کو دوگنا نہیں کیا جاسکتا اس لیے ماننا پڑے گا کہ اس عذاب سے رجم مراد نہیں ہے بلکہ سو کوڑے سزا مراد ہے یعنی اگر ازواج مطہرات نے (بالفرض) زنا کیا تو ان کو دو سو کوڑے مارنے کی سزا دی جائے گی اس سے ثابت ہو گیا کہ شادی شدہ زانیہ کی سزا سو کوڑے مارنا ہے اور اس کی سزا رجم نہیں ہے۔

الجواب سب سے پہلے ہم اس آیت کو بیان کرتے ہیں جس سے منکرین رجم نے استدلال کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یانساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ

اے نبی کی ازواج تم میں سے جس نے بھی کھلی

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

[2] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۳۹۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ۔

مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین و کان ذلک علی اللہ یسیرا۔ (احزاب، ۳۰) بدچلنی (اعلانیہ گناہ) کا ارتکاب کیا، اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

منکرین رجم کا یہ اعتراض ان تینوں باتوں پر موقوف ہے کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زنا ہو اور عذاب سے مراد دنیاوی سزا ہو اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ازواج مطہرات (العیاذ باللہ) زنا کر سکتی ہیں!

سو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ فاحشہ مبینہ (علانیہ گناہ) سے مراد زنا نہیں ہو سکتا کیونکہ زنا کھلم کھلا اور علانیہ نہیں کیا جاتا بلکہ چھپ کر پوشیدہ طور پر کیا جاتا ہے، لہٰذا اس سے مراد زنا کے علاوہ کوئی اور گناہ ہے، مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسا مطالبہ کرنا جو آپ کے لیے رنج اور پریشانی کا باعث ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے زنا کا صدور عادۃً ممتنع ہے۔ رازی لکھتے ہیں انبیاء علیہم السلام کو کفار کی طرف وعظ و نصیحت کے لیے بھیجا جاتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے کفار ان سے متنفر ہوں اور کسی انسان کی بیوی کا زانیہ ہونا اس شخص کے ذلیل و رسوا ہونے اور لوگوں کے اس سے متنفر ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے اور چونکہ ان کے نزدیک کفر کوئی عیب نہیں ہے اس وجہ سے کسی نبی کی بیوی کافر تو ہو سکتی ہے جیسے حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں، لیکن کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی کیونکہ زنا ایک ایسا عیب ہے جو کافر اور مسلمان ہر ایک کے نزدیک باعث مذمت ہے اور چونکہ نبی کا لوگوں کی نگاہوں میں معزز شریف اور وجیہ ہونا ضروری ہے اس لیے اس کی بیوی کا زنا سے معصوم اور محفوظ ہونا ضروری ہے۔ [۱]

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کی ازواج کا اس برائی سے معصوم ہونا ضروری ہے تو ضروری ہوا کہ یہاں فاحشہ مبینہ سے مراد زنا نہ ہو بلکہ کوئی اور گناہ ہو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں عذاب سے مراد دنیاوی سزا نہیں ہے بلکہ اخروی سزا مراد ہے یعنی نبی کی زوجہ نے کوئی علانیہ گناہ کیا تو عام مسلمان کی بیوی کی بہ نسبت اس کو دگنا عذاب ہوگا۔ [۲]

چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر فاحشہ مبینہ سے مراد زنا اور عذاب سے مراد دنیاوی سزا ہو تو ہم کہیں گے کہ پھر بھی عذاب سے مراد سو کوڑے نہیں بلکہ رجم ہے اور رہا یہ کہ رجم کو دگنا کرنا محال ہے یعنی محال عادی ہے تو ہم کہیں گے کہ ازواج مطہرات سے زنا کا وقوع بھی محال عادی ہے اور محال کا محال کو مستلزم ہونا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین۔ (زخرف: ۸۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔

حالانکہ اللہ کا بیٹا ہونا بھی محال ہے اور رسول اللہ کا اللہ کے بیٹے کی عبادت کرنا بھی محال ہے اسی طرح ازواج مطہرات کا زنا کرنا بھی محال ہے اور رجم کا دگنا کیا جانا بھی محال ہے اس لیے فرمایا اگر ازواج میں سے کسی نے زنا کیا تو اس کو دو بار رجم کیا جائے گا۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے کیونکہ یہ محال عادی ہے محال عقلی نہیں ہے۔ بہرحال ان چار وجوہ سے

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

منکرین رجم کا رجم پر یہ اعتراض دور ہو گیا۔ وللہ الحمد علی ذالک۔

رجم کے خلاف قرآن نہ ہونے پر دلائل

منکرین رجم کے جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں ان سب میں یہ قدر مشترک ہے کہ رجم کا حکم قرآن مجید کے خلاف ہے۔ یہ بات آج تک کوئی نہ کہہ سکا کہ سنت متواترہ سے رجم ثابت نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں اس لیے حجت نہیں۔ اور یہ صرف ان کا مفروضہ ہے کہ یہ احادیث قرآن کے خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی مخالفت اس وقت ہوتی جب قرآن مجید میں یہ ہوتا کہ محصن اور غیر محصن ہر زانی کو سو کوڑے مارے جائیں اور اس کے برخلاف احادیث میں یہ ہوتا کہ غیر محصن کو کوڑے مارے جائیں اور محصن کو رجم کیا جائے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے قرآن مجید نے بغیر کسی تفصیل کے زانیہ اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور سنت میں اس کی تفصیل کی گئی کہ غیر محصن کو سو کوڑے مارے جائیں اور محصن کو رجم کر دیا جائے تو پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کے مخالف ہیں!

ان معترضین نے اس پر غور نہیں کیا کہ جس طرح قرآن مجید کے احکام حجت ہیں اور ان کی قانونی حیثیت ہے اسی طرح ان احکام کی جو تعبیر اور تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ بھی حجت ہے اور ان کی قانونی حیثیت وہی ہے جو قرآن مجید کے احکام کی ہے۔ اور اگر یہ اصرار کیا جائے کہ قرآن مجید نے جو احکام بغیر کسی تفصیل اور قید کے مطلقاً بیان کیے ہیں ان کو اسی طرح اطلاق اور عموم پر محمول کیا جائے گا اور احادیث صحیحہ اور سنت ثابتہ میں جو اس کی تعبیر اور تشریح اور تفصیلات اور قیود بیان کی گئی ہیں ان کا لحاظ نہیں کیا جائے گا تو بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔

جس طرح قرآن مجید نے الزانیۃ والزانی کو بغیر کسی تفصیل اور قید کے بیان کیا ہے اسی طرح قرآن مجید نے بغیر کسی تفصیل اور قید کے فرمایا ہے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو" (مائدہ: ۳۸) قرآن مجید نے یہ نہیں بیان کیا کہ کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے، کس جگہ چوری پر ہاتھ کاٹا جائے، کہاں سے ہاتھ کاٹا جائے۔ اور اگر اس کو سنت کی بیان کردہ تفصیل کے ساتھ نہ مقید کیا جائے اور اس کو اپنے عموم اور اطلاق پر رکھا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ ایک کیل یا ایک کھجور کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے، خواہ وہ دکان سے کھجور چرائے یا مسجد سے، قبر سے کفن چرائے یا جیب کاٹ کر لے جائے ہر چور کا ہر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ خواہ وہ ایک روپے کی چوری ہو یا ایک لاکھ روپے کی چوری ہو اور چونکہ پہنچے سے لے کر بغل تک ہاتھ ہوتا ہے اس لیے جلاد کی مرضی ہے کہ وہ چور کا ہاتھ پہنچے سے کاٹے، کلائی سے کاٹے، کہنی سے کاٹے یا بغل سے ہاتھ کاٹ دے ہر صورت میں یہ قرآن مجید کے حکم پر عمل ہوگا۔!

اسی طرح قرآن مجید نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کی ہے اس لیے رضاعی بیٹی کی حرمت قرآن کے خلاف ہونی چاہیے، قرآن مجید صرف دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کرتا ہے لہٰذا خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت خلاف قرآن ہوگی اور ایک شخص کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اپنی رضاعی بیٹی سے شادی کر لے یا خالہ اور بھانجی کے ساتھ بیک وقت نکاح کرے اور پھوپھی اور بھتیجی سے بیک وقت نکاح کرے!

قرآن مجید کہتا ہے واشھدوا اذا تبایعتم (بقرہ: ۲۸۲) "جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لو" تو اس حکم کی رو سے ضروری ہوگا کہ ہر خرید و فروخت کے لیے گواہ بنانا ضروری ہو کیونکہ یہ حکم بھی مطلق اور عام ہے اور جو خرید و فروخت

بغیر گواہی کے ہو وہ ناجائز اور باطل ہو، لہٰذا ہمارے روزمرہ کی وہ خرید و فروخت جس میں گواہ نہیں بنائے جاتے، باطل قرار پائے گی،
سنت کو چھوڑ کر مجرد قرآنی فقہ کے یہی ثمرات اور نتائج ہیں یہاں ہم نے چند مثالیں پیش کی ہیں ورنہ عبادات اور معاملات میں قرآن مجید کے بیان کردہ تمام احکام کا یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصولی احکام بیان کیے ہیں اور ان کی تفصیل اور تعبیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی ہے اور آپ کی سنت کو چھوڑ کر مجرد قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا جا سکتا!

جس طرح عبادات اور معاملات کے باقی احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفصیل اور تشریح کے مطابق مشروع کیے گئے اسی طرح زنا کی حد بھی آپ کی بیان کردہ تفصیل پر محمول کی جائے گی، کیونکہ قرآن مجید نے مطلقاً زنا کی سزا کو بیان کیا ہے یہ نہیں بتایا کہ شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے اور غیر شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے، اس کا علم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حاصل ہوا کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے کیونکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے (ہم اس سلسلہ میں چھیاسی ۸۶ احادیث متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے پیش کر چکے ہیں) کہ نہ صرف یہ کہ آپ نے رجم کا حکم دیا بلکہ آپ نے عملاً متعدد مقدمات میں رجم کا فیصلہ کیا اور آپ کے بعد چاروں خلفاء راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اس کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا بھی یہی معمول رہا، ائمہ اربعہ اور ہر زمانہ میں تمام فقہاء اسلام کا یہی نظریہ تھا تا آنکہ بعض معتزلہ اور خوارج نے اور اس دور میں منکرین سنت نے اس کا انکار کیا اور ظاہر ہے کہ تمام صحابہ، تابعین اور تمام فقہاء اسلام کے مقابلہ میں ان کے انکار کی کیا وقعت ہو سکتی ہے!

ثبوت رجم کے سلسلہ میں ہم نے بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں منکرین سنت نے رجم کے خلاف بہت شور و غوغا کیا ہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے بھی اس کو اپنے فیصلہ میں خلاف شرع لکھا بعد میں صدر پاکستان محمد ضیاء الحق کی مداخلت کے سبب وفاقی شرعی عدالت نے اپنے اس فیصلہ کو تبدیل کیا لیکن اس کے بعد بھی سیکولر قسم کے وکیل عدالت میں رجم کے خلاف دلائل دیتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کے جو دلائل مجھ تک پہنچے ہیں میں نے اوراق سابقہ میں ان کے جوابات ذکر کر دیے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور اسے منکرین کی ہدایت اور اصلاح اور عام مسلمانوں کے عقائد کی تقویت کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

مرجوم کو گولی سے ہلاک کر دینے کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۱۲ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حضرت ماعز کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ہم ان کو بقیع الغرقد میں لے گئے، ہم نے ان کو باندھا تھا، نہ گڑھا کھودا تھا، پھر ہم نے ان کو ہڈیوں، پتھروں اور ٹھیکریوں سے مارا۔

علامہ نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ پتھر، ڈھیلے، ہڈی، ٹھیکری یا لکڑی جس چیز سے بھی قتل کا حصول ہو اس سے رجم کا حصول ہو جاتا ہے اور رجم کرنے کے لیے پتھر مارنا ضروری اور شرط نہیں ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔[1]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

علامہ شربینی شافعی لکھتے ہیں: زیادہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں نہ ماری جائیں تاکہ اس کو سزا دینے کا عمل طویل نہ ہو جائے اور نہ بہت بڑے بڑے پتھروں سے رجم کیا جائے جن سے وہ ایک دم ہلاک ہو جائے اور اس رجم سے جو عبرت مقصود ہے وہ حاصل نہ ہو سکے۔ ؎۱

علامہ عبدالقادر عودہ مصری لکھتے ہیں: زانی کو متوسط سائز کے پتھروں سے رجم کیا جائے اور جو چیز پتھروں کے قائم مقام ہو مثلاً ڈھیلوں اور کنکریوں سے رجم کیا جائے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ زانی کو ہڈیوں، ڈھیلوں، ٹھیکریوں وغیرہ سے رجم کیا گیا اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے نہ رجم کیا جائے تاکہ اس کو عذاب دینے کا عمل طویل نہ ہو، اور بہت بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ بھی رجم نہ کیا جائے جن سے وہ فوراً مر جائے اور اس سزا سے جو عبرت دلانا مقصود ہے وہ حاصل نہ ہو سکے۔

رجم کے لیے پتھروں کی تعداد معین نہیں ہے، بعض دفعہ چند پتھر لگنے سے ہی مرجوم (زانی) ہلاک ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بہت زیادہ پتھر مارنے سے بھی مرجوم ہلاک نہیں ہوتا اور پھر بڑے بڑے پتھر مارنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ رجم سے مقصود زانی کو قتل کرنا ہے، اس لیے اس کو موت تک پتھر مارے جاتے ہیں۔

قتل کرنے کا کوئی اور آلہ رجم کے قائم مقام نہیں، مثلاً زانی کا تلوار سے سر قلم کر دیا جائے یا اس کو پھانسی دے دی جائے اور جب مرجوم ہلاک ہو جائے تو اس کا جسم ورثاء کے حوالے کر دیا جائے گا اور وہ اس کے ساتھ وہ سب کچھ کریں گے جو باقی مردوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کو غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیں گے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو رجم کرنے کے بعد فرمایا تھا اس کے ساتھ وہ کارروائی کرو جو تم اپنے مُردوں کے ساتھ کرتے ہو۔ ؎۲

حضرت ماعز کو رجم کرنے کے واقعہ میں صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ ان کو پتھروں، ڈھیلوں، ٹھیکریوں اور کنکریوں سے رجم کیا گیا اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رجم میں صرف پتھر مارنا ضروری نہیں ہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کے نتیجہ میں مرجوم ہلاک ہو جائے اس سے اس کو رجم کرنا جائز ہے۔ بنا بریں اگر اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پتھروں سے رجم کرنے کے طریقہ میں ترمیم کر کے یہ طریقہ وضع کر لیا جائے کہ پہلے کچھ پتھر مارنے کے بعد زانی کو گولی مار دی جائے، کیونکہ اس سے رجم کا وہ طریقہ تبدیل ہو جائے گا جو شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رجم کے دوران کسی شخص نے اتفاقاً مرجوم کو گولی مار دی جس سے وہ ہلاک ہو گیا تب بھی مقصود حاصل ہو جائے گا، لیکن اس طریقہ کو مستقل حیثیت دینا مقاصد شرع کے خلاف ہے، رجم کے دوران اتفاقاً گولی مار کر ہلاک کرنے پر اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

امام ابوداؤد نعیم بن ھزال سے روایت کرتے ہیں:

فلما رجم فوجد مس الحجارة فجزع فخرج

جب حضرت ماعز کو رجم کیا گیا اور ان کے جسم پر

؎۱ شیخ محمد الشربینی الخطیب، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۵۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۵۲ھ

؎۲ علامہ عبدالقادر عودہ مصری، التشریع الجنائی ج ۲ ص ۴۴۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت

یشتد فلقیہ عبد اللہ بن انیس وقد عجز اصحابہ فنزع لہ بوظیف بعیر فرماہ بہ فقتلہ ۔ [۱]

پتھر لگے تو وہ گھبرا کر بھاگے، جس وقت ان کے ساتھی ان کو پکڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اس وقت عبد اللہ بن انیس نے ان کو جا لیا اور انھوں نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی انھیں کھینچ کر ماری جس سے وہ ہلاک ہو گئے ۔

❋

مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے میں مذاہب فقہاء

حدیث نمبر ۴۳۱۲ میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نہ ہم نے حضرت ماعز کو باندھا نہ ان کے لیے گڑھا کھودا ۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: رجم کیے جانے والے مرد اور عورت کے متعلق فقہاء کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مرد یا عورت کسی کے لیے بھی گڑھا نہ کھودا جائے اور قتادۃ ابوثور، امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ دونوں کے لیے ایک گڑھا کھودا جائے، اور بعض مالکیہ کا یہ قول ہے کہ جس کو گواہوں کی وجہ سے رجم کیا جائے اس کے لیے گڑھا کھودا جائے اور جس کو اقرار کی وجہ سے رجم کیا جائے اس کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے۔ اور فقہاء شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے خواہ اس کو گواہوں کی بناء پر رجم کیا جائے یا اقرار کی وجہ سے اور عورت کے متعلق فقہاء شافعیہ کے تین قول ہیں: (۱) سینہ تک گڑھا کھودنا مستحب ہے تاکہ اس کا زیادہ ستر ہو سکے۔ (۲) گڑھا کھودنا مستحب ہے نہ مکروہ بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے (۳) اگر گواہوں کی وجہ سے رجم کیا جائے تو گڑھا کھودنا مستحب ہے اور اگر اس کے اقرار کی وجہ سے رجم کیا جائے تو گڑھا نہ کھودنا مستحب ہے تاکہ اس کے بھاگنے کی گنجائش رہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے جو فقہاء گڑھا کھودنے کا حکم دیتے ہیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ غامدیہ کے لیے گڑھا کھودا گیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ماعز کے لیے بھی گڑھا کھودا گیا تھا۔

اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ گڑھا نہ کھودا جائے وہ حضرت ابو سعید خدری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ماعز کو باندھا تھا اور نہ ان کے لیے گڑھا کھودا تھا، اور حضرت ماعز کے لیے دوسری روایت اور حضرت غامدیہ کی روایت کو بیان جواز پر محمول کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے اور عورت کے لیے کھودا جائے، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ماعز کے لیے گڑھا نہیں کھودا گیا تھا اور غامدیہ کے لیے کھودا گیا تھا۔ [۲]

علامہ قاضی خان حنفی لکھتے ہیں: مرد کو کھڑا کر کے رجم کیا جائے، نہ اس کو پکڑا جائے نہ باندھا جائے نہ اس کے لیے گڑھا کھودا جائے اور عورت کے لیے امام چاہے تو گڑھا کھودے اور چاہے تو نہ کھودے، حد اور تعزیر میں مرد کے

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور
[۲] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

باقی کپڑے اتار کر صرف شلوار پہننے دی جاتے۔ اور عورت کے کپڑے کسی حد میں بھی نہیں اتارے جائیں گے لیکن زائد کپڑے اتار لیے جائیں گے اور حاملہ عورت کو وضع حمل تک رجم نہیں کیا جائے گا اور نفاس میں بھی رجم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ حیض میں حد جاری کرنا منع نہیں ہے۔ [1]

علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ مرد کے لیے گڑھا کھودنا جائز نہیں ہے اور عورت کے لیے گڑھا کھودا جائے لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر اقرار کی بنا پر عورت کو حد لگائی گئی ہے تو اس کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے تاکہ اس کے لیے بھاگنے کی گنجائش رہے۔ [2]

سنت قطعیہ حکماً کتاب اللہ کے مساوی ہے

حدیث نمبر ۴۳۲۹ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کے باپ سے فرمایا! قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ اور آپ نے فیصلہ کیا کہ اس کے بیٹے کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور مزدور کی مالکہ کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دیا جائے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کو بھی کتاب اللہ کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ رجم کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ (مائدہ: ۴۳) "وہ آپ کو کیسے حکم (منصف) بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔" اور اس حکم اللہ سے مراد رجم ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہر چند کہ رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے لیکن چونکہ کتاب اللہ کی وضاحت ہے اس لیے آپ نے اس کو کتاب اللہ کا فیصلہ قرار دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو سنت قطعی الثبوت ہو وہ کتاب اللہ کے مساوی ہے۔

حد زنا کے ثبوت کے طریقے

اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۰۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا خطبہ روایت کیا ہے جس میں یہ ہے:

ان الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحبل او الاعتراف۔ [3]

جب شادی شدہ مرد اور عورتیں زنا کریں تو ان کو رجم کرنے کا حکم کتاب اللہ میں برحق اور ثابت ہے۔ جب ان کے خلاف گواہ قائم ہوں، یا عورت کو حمل ہو جائے یا وہ اعتراف کر لیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا کی حد جاری کرنے کے تین طریقے ہیں، گواہی حمل اور اعتراف، سب سے پہلے ہم گواہی پر

---

[1] علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ، فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۷۵، ۴۷۲۔ مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ھ

گنگکر یں گے۔

زنا کے گواہوں کی شرائط

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: زنا کی گواہی کی سات شرطیں ہیں:

شرط اول: زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ ضروری ہیں، یہ اجماعی شرط ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم (نساء: ۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کے خلاف اپنے مردوں میں سے چار گواہ لاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (نور: ۴)

وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، اور اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔

اور اس حدیث میں ہے حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یہ بتلائیے کہ اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو کیا اس کو چار گواہ لانے تک مہلت دوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (موطا امام مالک، سنن ابوداؤد)

(شرط ثانی): زنا کے تمام گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی کسی حال میں قبول نہیں کی جائے گی' اس مسئلہ میں بھی ائمہ اربعہ متفق ہیں اور اہل علم میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ عطاء اور حماد سے یہ روایت ہے کہ اس میں تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے لیکن یہ قول شاذ ہے اور اس پر کسی کا اعتماد نہیں ہے، کیونکہ اربعۃ کا لفظ مذکر کے لیے ہے اور جب بعض گواہ عورتیں ہوں تو اس پر اربعۃ شہداء صادق نہیں ہوگا اور یہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ نیز عورتوں کی گواہی میں غلطی کا امکان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری (بقرہ: ۲۸۲) "کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو اس کو دوسری یاد دلا دے۔" اور شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

(شرط ثالث): زنا کے تمام گواہ آزاد ہوں، لہٰذا اس میں غلام کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، اس مسئلہ میں بھی اہل علم میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی، ابو ثور کا بھی یہی قول ہے نیز اس لیے بھی کہ وہ مسلمان مرد ہے اس لیے آزاد کی مثل اس کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ باقی حقوق میں اس کی گواہی کے قبول ہونے میں اختلاف ہے اور اس سے اس کی گواہی کی مقبولیت میں شبہ واقع ہوتا ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

(شرط رابع): گواہ عادل (نیک) ہوں، اس شرط میں بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ باقی معاملات میں بھی گواہ کا نیک ہونا شرط ہے تو یہاں پر تو زیادہ احتیاط مطلوب ہے، اس لیے فاسق کی گواہی مقبول ہوگی اور نہ اس مستور الحال کی جس کے نیک ہونے کا علم نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ فاسق ہو۔

(شرط خامس): گواہ مسلمان ہوں لہٰذا زنا میں اہل ذمہ کی گواہی مقبول نہیں ہوگی خواہ وہ مسلمانوں کے خلاف گواہی دیں یا ذمیوں کے، کیونکہ ذمی کافر ہیں، دینی امور میں ان کی روایت اور خبر قبول نہیں کی جاتی سو ان کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی'

(شرط سادس): گواہ زنا کی کیفیت کا بیان کریں اور یہ کہیں کہ انہوں نے مرد کے آلہ کو عورت کے اندام نہانی میں

اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں یا رسی کنویں میں، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا یہی قول ہے کیونکہ حضرت ماعز کے قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اسی طرح اقرار کرایا تھا، اور جب اقرار میں یہ بیان ضروری ہے تو شہادت میں بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

(شرط سابع) زنا کے تمام گواہ ایک مجلس میں آئیں۔ علامہ خرقی نے کہا ہے اگر حاکم مجلس قضاء میں بیٹھا ہوا ہو اور چاروں گواہ الگ الگ آئیں تو ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی، اور اگر بعض گواہ حاکم کے اٹھنے کے بعد آئیں تو وہ تہمت لگانے والے قرار دیے جائیں گے اور ان پر حد قذف لازم ہوگی۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی، بتی اور ابن منذر نے کہا یہ شرط نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لولا جاءو علیه باربعة شهداء (نور: ۱۳) "وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لے کر آئے" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجلس کا ذکر نہیں کیا، اور جس طرح باقی معاملات میں گواہی کے لیے اتحاد مجلس شرط نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی شرط نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر کے سامنے حضرت ابوبکرہ، نافع اور شبل بن معبد نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف زنا کی گواہی دی اور زیاد نے گواہی نہیں دی تو ان تینوں کو حد قذف لگائی گئی اور اگر ایک مجلس میں گواہی کی شرط نہ ہوتی تو ان کو حد لگانا جائز نہ ہوتا، کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ دوسری مجلس میں ایک اور گواہ پیش کر کے چار گواہیاں مکمل کر لیتے، نیز اس لیے کہ اگر تین شخص گواہی دیں اور ان کو حد لگ جائے پھر چوتھا شخص آکر گواہی دے تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور اگر اتحاد مجلس کی شرط نہ ہوتی تو اس صورت میں ان کی شہادت پوری ہو چکی تھی، اس اعتبار سے یہ دوسری شہادتوں سے ممتاز ہے۔

امام شافعی نے قرآن مجید کی جس آیت سے استدلال کیا ہے، اس کو اتحاد مجلس کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے اور اگر اس کو زمانہ کے اعتبار سے عام اور مطلق رکھا جائے تو ایک گواہ آکر گواہی دے گا اور کہے گا باقی گواہ پھر آئیں گے اور اس کو حد قذف لگانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے ایک مجلس میں اگر چار گواہ متفرق طور پر یکے بعد دیگرے بھی آجائیں تو جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ایک مجلس میں متفرق طور پر آئے تو وہ تہمت لگانے والے قرار دیے جائیں گے کیونکہ وہ آنے میں مجتمع نہیں ہوئے اس لیے ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔

اور ہماری دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کا واقعہ ہے کیونکہ ان کے خلاف گواہ یکے بعد دیگرے آئے اور ان پر حد اس لیے لگائی گئی کہ چار گواہ مکمل نہیں ہوئے اور حدیث میں ہے حضرت ابوبکرہ نے کہا یہ بتائیے کہ اگر چوتھا شخص بھی آکر ان کے خلاف گواہی دے تو کیا آپ انہیں رجم کر دیں گے؟ حضرت عمر نے کہا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! [1]

نصاب شہادت مکمل نہ ہونے کی تقدیر پر گواہوں کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں ـــــــ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور اکثر اہل علم کے نزدیک جب زنا کے چار گواہ مکمل نہ ہوں تو ان پر

[1] علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۷۴ - ۱۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

حد قذف لازم ہوگی۔ ابوالخطاب حنبلی نے اس میں دو روایتیں ذکر کی ہیں اور امام شافعی کے دو قول نقل کیے ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ وہ گواہ ہیں اس لیے ان پر حد واجب نہیں ہوگی جیسا کہ اگر چار گواہ ہوتے اور ان میں سے ایک فاسق ہوتا تو ان پر حد نہ ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة (نور: ۴) "جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے مارو" اس آیت سے ہر اس تہمت لگانے والے پر حد قذف لازم ہوتی ہے جو اپنے قول پر چار گواہ نہ پیش کر سکے۔ نیز اس پر اجماع صحابہ بھی ہے کیونکہ جب حضرت ابوبکرہ اور ان کے ساتھی، حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف چار گواہ مکمل نہ کر سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے سامنے ان پر حد قذف لگائی اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے پاس آکر حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی، حضرت عمر کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، پھر دوسرے نے آکر شہادت دی، حضرت عمر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا پھر تیسرے نے آکر شہادت دی اور یہ شہادت حضرت عمر پر بہت گراں گذری، پھر چوتھا شخص ہاتھ آگے پیچھے کرتا ہوا آیا تب حضرت عمر نے زور سے چیخ مار کر کہا اے جھلسانے والی آگ! تیرے پاس کیا ہے، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ وہ اتنے زور کی چیخ تھی کہ میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا، اس نے کہا اے امیر المؤمنین میں نے ایک برا کام دیکھا ہے (یعنی چوتھے گواہ نے زنا کی تصریح نہیں کی۔ سعیدی غفرلہٗ) حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو شیطان بُری راہ پر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوا، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں پھر حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے سامنے تین آدمیوں نے حضرت مغیرہ کے خلاف گواہی دی اور ابھی زیاد باقی تھے حضرت عمر نے فرمایا: میں ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو رسوا ہونے سے بچالے گا، زیاد نے کہا اے امیر المؤمنین میں نے دُبر (سرین) اونچی دیکھی، سانس چڑھا ہوا دیکھا اور میں نے دیکھا کہ عورت کی ٹانگیں اس کی گردن پر اس طرح تھیں جیسے گدھے کے کان ہوں، اور اس کے پیچھے کیا تھا یہ مجھے پتا نہیں! (یعنی یہ نہیں کہا کہ میں نے ان کے آلہ کو اس کی اندام نہانی میں اس طرح دیکھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں یا رسی ڈول میں ہوتی ہے! سعیدی غفرلہٗ) حضرت عمر نے کہا: اللہ اکبر! اور ان تینوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا سو ان پر حد قذف لگائی گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوبکرہ اور ان کے ساتھیوں نے اس اجماع کی مخالفت کی اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی کہ وہ حد قذف کے مستحق ہیں انھوں نے اس واقعہ کے مشاہدہ کی مخالفت کی یعنی وہ حضرت مغیرہ کے زنا کرنے کے دعویٰ دار تھے جب کہ زیاد نے زنا کا مشاہدہ کرنے سے انکار کیا نیز اس لیے کہ انھوں نے زنا کی تہمت لگائی تھی اور وہ اس پر چار گواہ نہیں لائے اس لیے ان پر اسی طرح حد قذف ہوگی جس طرح بغیر گواہی کے تہمت پر ہوتی ہے۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کی اس طویل اور مدلل عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بالاتفاق زنا کے نصاب شہادت مکمل نہ ہونے پر گواہ حد قذف کے مستحق ہوتے ہیں البتہ امام شافعی اور امام احمد کے اس میں دو قول

---

[1] علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۷۶-۱۷۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

ہیں، راجح قول امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی مثل ہے اور مرجوح قول یہ ہے کہ اگر زنا کے متعدد میں چاروں گواہ زنا پہ بالاتفاق گواہی نہ دیں بلکہ ایک یا دو گواہ مختلف بیان دیں یا چار سے کم گواہ پیش ہوں تو ان پہ حد لازم نہیں آتی۔ ظاہر یہ کا یہی مختار ہے۔ ان دونوں میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ حد ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ ان پہ حد نہیں ہے، کیونکہ وہ شہادت دینے کے لیے آئے ہیں تہمت لگانے کے لیے نہیں آئے، نیز اس لیے کہ اگر ہم ان پہ حد لازم کر دیں تو شہادت دینے کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ ہر گواہ کو یہ خطرہ ہو گا کہ شاید دوسرا گواہ اس کی موافقت نہ کرے اور اس پر حد لگ جائے۔ [۱]

شیخ ابن حزم امام الظاہر یہ لکھتے ہیں: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زنا کے گواہ پر حد نہیں ہے خواہ صرف ایک گواہ ہو یا دو یا تین گواہ ہوں ان کا یہ قول صحیح ہے اور قرآن اور حدیث کے مطابق ہے، قرآن مجید میں ہے: والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ”جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو“ اس آیت میں تہمت لگانے والوں اور گواہوں میں فرق کیا ہے اور حد قذف تہمت لگانے والوں پر لازم کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والے سے فرمایا: البینة والاحد فی ظهرک ”گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے“ اس حدیث میں گواہ اور قاذف میں فرق کیا ہے اور حد قاذف پر لازم کی ہے۔ نیز حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں اور تمہاری کھالیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح اس مہینہ میں آج کے دن کی حرمت ہے، پس گواہ کی کھال بلاشک و شبہ حرام ہے۔ اور قرآن اور سنت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ جب زنا کا گواہ ایک ہو تو اس کو کوڑے مارو، اور قرآن اور سنت نے گواہ اور قاذف میں فرق کیا ہے، اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تہمت لگانے والے کا حکم گواہ پر لاگو کر دیا جائے، قرآن اور سنت سے یہی چیز ثابت ہے۔

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں کہ اجماع کا بھی یہی تقاضا ہے کہ گواہ پر حد نہ لگائی جائے، کیونکہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زنا کے چار عادل گواہ یکے بعد دیگرے پیش ہوں تو ان پر حد نہیں ہے اسی طرح اس پر بھی بغیر کسی اختلاف کے اجماع ہے کہ ایک ہزار عادل شخص کسی عورت یا مرد پر الگ الگ یا مجتمع ہو کر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو ان پر حد قذف ہوگی اور اگر چار گواہ لے آئیں تو ان پر حد قذف نہیں ہوگی۔ اس سے بطریق اجماع یہ ثابت ہو گیا کہ قاذف اور شاہد کا حکم الگ الگ ہے اور اگر زنا کے گواہ چار سے کم ہوں تو ان پر حد قذف نہیں ہوگی۔

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں کہ قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ چار سے کم زنا کے گواہوں پر حد قذف نہ لگائی جائے کیونکہ اگر چار سے کم گواہوں پر حد لگائی گئی تو زنا پر گواہی کبھی صحیح نہیں ہو سکتی، کیونکہ مجلس قضاء میں بیک وقت چاروں تو گواہی نہیں دے سکتے اس لیے ایک ایک کر کے ہی گواہی دیں گے اور جب ایک شخص گواہی دے گا تو وہ ان کے اصول پر قاذف ہو جائے گا اور یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ چار گواہ اگر یکے بعد دیگرے آکر گواہی دیں تو ان کی گواہی فقہاء اربعہ کے

---

[۱] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۳۹۸ھ

[۲] شیخ ابو محمد علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۱۱ ص ۲۶۱-۲۶۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ

نزدیک مقبول نہیں ہے۔ لیکن وہ اس پر حد قذف کا حکم نہیں لگاتے جیسا کہ خود شیخ ابن حزم نے بھی اجماع کی بحث میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ سعیدی)۔

اسی طرح جب دوسرا شخص گواہی دے گا تو وہ بھی قاذف ہو جائے گا وعلیٰ ہذا القیاس پھر زنا کے خلاف شہادت منعقد ہی نہیں ہو سکے گی اور یہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف ہے۔

ہمارے نزدیک قول راجح یہ ہے کہ اگر زنا کے گواہوں کے بیان میں اختلاف ہو جائے یا ان کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف لازم نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس مقدمہ میں گواہ کی حیثیت سے آئے ہیں، اور قاذف وہ شخص ہے جو مدعی ہے، اور قرآن مجید اور سنت نے بھی قاذف اور گواہوں میں فرق کیا ہے اور حد قذف کا مستحق مدعی اور قاذف کو قرار دیا ہے گواہوں کو حد قذف کا مستحق نہیں ٹھہرایا۔ اور اگر اس طرح زنا کے گواہوں کو سزا دی جانے لگے تو زنا کی شہادت کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ گواہوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا یقین نہیں ہو سکتا کہ سب کے بیان متفق ہوں گے اور ان میں سے کوئی گواہ رجوع نہیں کرے گا، ان حالات میں اسی کوڑوں کی سزا کا خطرہ مول لے کر کون عدالت میں گواہی دینے جائے گا، اسی لیے معقول بات یہی ہے کہ جس طرح ملزم کو شبہ کا فائدہ پہنچتا ہے اس طرح گواہوں کو بھی شبہ کا فائدہ ملنا چاہیے، اگر اختلاف شہادت یا نصاب شہادت میں کمی ملزم پر حد لازم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے تو گواہوں پر حد قذف لاگو کرنے کی موجب بھی نہیں ہے۔

اقرار سے حد لازم کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حد یا اقرار سے واجب ہوتی ہے یا گواہی سے، اگر اقرار سے ثابت ہو تو زانی کے چار مرتبہ اقرار کرنے کا اعتبار ہوگا، حکم، ابن ابی لیلیٰ اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا یہی مسلک ہے۔ اور حسن، حماد، امام مالک، امام شافعی، ابو ثور اور ابن منذر یہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقرار کرنے سے بھی زانی پر حد لگا دی جائے گی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انیس صبح اس عورت کے پاس جانا اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا۔" اور ایک بار کا اعتراف بھی اعتراف ہے، اور جہنیہ کو ایک بار اعتراف کے بعد رجم کر دیا گیا تھا، اور حضرت عمر نے کہا: جو شادی شدہ شخص زنا کرے اس کو رجم کرنا برحق اور واجب ہے، جبکہ اس کے خلاف گواہ ہوں، یا وہ اعتراف کرے یا حمل ہو۔ نیز اس لیے کہ یہ ایک حق ہے اس لیے ایک بار کے اعتراف سے ثابت ہو جائے گا جیسا کہ باقی حقوق ثابت ہوتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں ایک اسلمی شخص آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے! آپ نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے دوسری طرف سے آ کر کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے! آپ نے اس سے منہ پھیر لیا حتیٰ کہ اس نے چار بار اقرار کیا کہ اس نے زنا کیا ہے اور جب اس نے چار بار اپنے خلاف گواہی دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے پوچھا کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا جی! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رجم کر دو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سو اگر ایک مرتبہ اقرار کرنے سے حد واجب ہو جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلی بار اعراض نہ کرتے! کیونکہ جو حد اللہ کے لیے واجب ہو اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

امام احمد کے نزدیک چار بار اقرار کرنا ضروری ہے عام ازیں کہ ایک مجلس میں چار بار اقرار کرے یا مجالس متعددہ میں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حد اس وقت واجب ہوگی جب وہ چار مختلف مجالس میں اقرار کرے گا کیونکہ حضرت ماعز

نے چار مختلف مجالس میں اقرار کیا تھا۔ [۱]

حمل کی بناء پر حد لازم کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب کوئی عورت بغیر شوہر اور مالک کے حاملہ ہو جائے تو صرف اس حمل کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہوگی بلکہ اس سے تفتیش کی جائے گی اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کے ساتھ جبراً وطی کی گئی ہے یا کسی شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کی گئی ہے یا وہ زنا کا اعتراف نہ کرے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس جگہ کی باشندہ ہے اور مسافرہ نہیں ہے تو اس پر حد لازم ہوگی الا یہ کہ اس پر جبر کی علامات ظاہر ہوں بایں طور کہ وہ فریاد طلب کرتی ہوئی یا چیختی ہوئی پائی گئی ہو کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا شادی شدہ مرد یا عورت پر زنا سے حد واجب ہوتی ہے جب ان کے خلاف گواہ قائم ہوں یا حمل ثابت ہو جائے یا وہ اعتراف کر لیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ شبہ سے یا جبراً وطی کی گئی ہو اور شبہات سے حد ساقط ہو جاتی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عورت بغیر وطی کے بھی حاملہ ہو جاتی ہے بایں طور کہ مرد کا پانی عورت کی فرج میں داخل کر دیا جائے خواہ وہ عورت خود داخل کرے یا کوئی اور داخل کرے (جیسا کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں ہوتا ہے۔) اس وجہ سے کنواری عورت کا حاملہ ہونا بھی متصور ہے۔ اور اس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں سعید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو پیش کیا گیا جو بغیر خاوند کے حاملہ ہو گئی تھی جب حضرت عمر نے اس سے تفتیش کی تو اس نے کہا میں بے خبر ہو کر گہری نیند سوتی ہوں، میں سوئی ہوئی تھی کہ مجھ سے ایک شخص نے وطی کی اور میں اس وقت بیدار ہوئی جب وہ فارغ ہو چکا تھا، یہ سن کر حضرت عمر نے اس سے حد ساقط کر دی۔ [۲]

کیا مادہ منویہ کے اتحاد کی بناء پر حد لگائی جا سکتی ہے؟

آج کل میڈیکل سائنس کی حیرت انگیز ترقی کے دور میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ لیبارٹری میں میڈیکل ٹیسٹ سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ اجزاء منویہ فلاں شخص کے ہیں یا نہیں! فرض کیجئے ایک عورت کے ساتھ کسی شخص نے زنا بالجبر کیا۔ وہ عورت پولیس کے پاس پہنچ گئی۔ پولیس نے عورت کو لیبارٹری میں بھیج کر اس کی اندام نہانی سے اجزاء منویہ نکلوا کر محفوظ کرا لیے پھر جس شخص کے خلاف اس عورت نے زنا بالجبر کرنے کا دعویٰ کیا تھا اس کے اجزاء منویہ حاصل کر کے ان محفوظ شدہ اجزاء منویہ سے مقابلہ کیا گیا اور میڈیکل رپورٹ سے وہ دونوں اجزاء ایک ہی شخص کے ثابت ہوئے تو کیا اس دلیل کی بناء پر اس شخص پر حد لگانی جائز ہے یا نہیں؟

ہم نے اس سوال پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس صورت میں حد لگانی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ رپورٹ بہرحال ظنی ہے یہ ہو سکتا ہے کہ تجزیہ کرنے میں کوئی خامی رہ گئی ہو یا کوئی غلطی لاحق ہو گئی ہو اور مسلمان کی جان کی حفاظت قطعی ہے اور اس کو قتل کرنا حرام ہے اور جب ظنی دلیل کا تقاضا قتل کرنا ہو اور قطعی دلیل کا تقاضا قتل نہ کرنا ہو تو قطعی دلیل کا اعتبار کرنا واجب ہے اس لیے میڈیکل رپورٹ کی بناء پر اس کو رجم کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام اپنے ذاتی علم (یقین) کی بناء پر حد نہ جاری کرے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۶۱ - ۱۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ،

[۲] 〃 〃 〃 المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۸۶ - ۱۸۷

سے یہی روایت ہے، امام مالک، اصحاب ثلاثہ (فقہاء احناف) اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے اپنے علم کی بناء پر حد جاری کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ جب وہ گواہوں کے بیان اور اعتراف کی بناء پر رجم کر سکتا ہے جو ظن کا فائدہ دیتے ہیں تو اپنے علم اور یقین کی بناء اس کا حد جاری کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ [1]

البتہ جس عورت نے کسی شخص کے خلاف زنا بالجبر کا دعویٰ کیا اور میڈیکل رپورٹ سے اس کے دعویٰ کی تصدیق ہو گئی اس عورت پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔

لواطت (اغلام) کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: لواطت کے حرام ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لواطت اور لواطت کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين ○ انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون.

(اعراف: ۸۱: ۸۰)

اور (حضرت لوط) کو (بھیجا) جب انھوں نے اپنے (ملک کے) لوگوں سے فرمایا: کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو، (صرف انسانیت ہی نہیں) بلکہ تم تو (حیوانیت کی) حد سے (بھی) گذر جانے والے ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قوم لوط کا عمل کرنے والے پر لعنت فرمائے، اللہ تعالیٰ قوم لوط کا عمل کرنے والے پر لعنت فرمائے، اللہ تعالیٰ قوم لوط کا عمل کرنے والے پر لعنت فرمائے۔

عمل قوم لوط کرنے کی حد کے بارے میں امام احمد سے مختلف روایات ہیں، امام احمد سے ایک روایت ہے کہ ایسا شخص شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کو رجم کر دیا جائے، حضرت علی، حضرت ابن عباس، جابر بن زید، عبداللہ بن معمر، زہری، ابن حبیب، ربیعہ، اسحاق اور امام مالک کا یہی قول ہے، امام شافعی کا بھی ایک یہی قول ہے، ان کے علاوہ قتادہ، اوزاعی، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب مرد، مرد سے بدکاری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں اور جب یہ زنا ہے تو اس کا ارتکاب کرنے والوں کو رجم کرنا چاہیے۔

حضرت ابو بکر صدیق سے یہ روایت ہے کہ لوطی کو آگ میں جلا دیا جائے، اور حضرت ابن الزبیر کا بھی یہی قول ہے، صفوان بن سلیم نے خالد بن ولید سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عرب کے بعض علاقوں میں دیکھا کہ مرد، مردوں سے اس طرح نکاح کرتے ہیں جس طرح عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے، حضرت ابو بکر نے اس معاملہ میں دیگر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی کی رائے اس میں بہت سخت تھی انھوں نے کہا صرف ایک امت نے یہ کام کیا اور تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کیا سزا دی، میری رائے ہے کہ ان لوگوں کو آگ میں جلا دینا چاہیے پھر حضرت ابو بکر نے حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا جائے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا اپنی باندی کی دُبر میں دخول کرے تو ہر چند کہ یہ فعل حرام ہے لیکن اس پر حد نہیں ہے۔ [۱]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی عورت کی سیرین میں دخول کیا، یا عمل قوم لوط کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے، تعزیر ہے۔ اور جامع الصغیر میں ہے اس کو قید خانہ میں رکھا جائے گا اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل زنا کی مثل ہے اور اس پر حد لگائی جائے گی، امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول کو قتل کر دو، (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۴) اور ایک روایت میں ہے اوپر والے اور نیچے والے کو رجم کر دو (سنن ابن ماجہ ص ۱۸۴) اور امام ابویوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل بھی حکماً زنا ہے کیونکہ اس میں بھی محل شہوت میں حرام طریقہ پر مکمل شہوت کو پورا کیا جاتا ہے امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ زنا نہیں ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ اس کی کیا سزا ہونی چاہیے، بعض صحابہ نے کہا اس کی سزا آگ میں جلانا ہے، بعض نے کہا دیوار گرانا ہے، بعض نے کہا کسی بلند جگہ سے اس کو لٹکایا جائے اور اس پر پتھر برسائے جائیں، وغیرہ وغیرہ۔ (مثلاً کسی بدبودار جگہ میں اس کو قید کر دیا جائے) اور یہ زنا کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ اس میں بچہ کو ضائع کرنا ہے نہ نسب کا اشتباہ ہے اور اس کا وقوع زنا کی بہ نسبت بہت کم ہے کیونکہ دونوں جانبوں سے اس کا باعث بہت کم ہوتا ہے۔ [۲]

جانور سے بدکاری کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس، عطاء، نخعی، شعبی، حکم، ثوری، امام احمد، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جانور سے بدکاری کرنے والے پر حد نہیں ہے اس کو تعزیر دی جائے گی، امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کا اور لواطت کرنے والے کا ایک حکم ہے۔ حسن نے کہا اس پر زنا کی حد جاری ہو گی، اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس کو اور جانور کو قتل کر دیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جانور سے بدکاری کرے اسے اور جانور کو قتل کر دو (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۷) [۳]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جو شخص جانور کے ساتھ بدکاری کرے اس پر حد نہیں ہے کیونکہ یہ فعل جنایت میں زنا کی طرح نہیں ہے اور نہ تحریک میں زنا کے حکم میں ہے کیونکہ طبیعت سلیم اس فعل سے متنفر ہوتی ہے اور اس کا سبب انتہائی جہالت یا انتہائی شہوت ہے، اسی وجہ سے جانور کی فرج کو چھپانا واجب نہیں ہے البتہ اس پر تعزیر لگائی جائیگی اور جس روایت میں ہے کہ اس جانور کو ذبح کر دیا جائے یا جلا دیا جائے تو اس کی وجہ ایک بری بات کے ذکر کو ختم کرنا ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے۔ [۴]

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ: جانور کو جلانے کا حکم اس وقت ہے جب وہ حلال نہ ہو، اگر وہ حلال جانور

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۵۷-۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ

[۲] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۹۷-۴۹۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[۳] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

[۴] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۹۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کہتے ہیں اس کو پھر بھی جلا دیا جائے، اگر جانور کسی اور شخص کا ہے تو مالک بدکاری کرنے والے سے اس کی قیمت وصول کر کے اس کو ذبح کر دے۔[1]

مردہ عورت سے وطی کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ سید دردیر مالکی لکھتے ہیں کہ مردہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے حد لازم آئے گی۔[2] کیونکہ یہ آدمیہ کی فرج میں وطی ہے اس لیے اس پر زنا کی تعریف صادق آئے گی اور اس میں میت کی حرمت کو پامال کرنا ہے اس لیے یہ زیادہ شدید گناہ ہے۔

فقہاء احناف، فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک یہ زنا نہیں ہے اس لیے اس پر حد نہیں ہے، البتہ تعزیراً اس کو سزا دی جائے گی۔ زنا کی تعریف میں ہم اس پر مکمل بحث کر چکے ہیں اس لیے اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

عورت کا عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا حکم

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر دو عورتیں ایک دوسرے کے جسم کے ساتھ جسم رگڑیں تو وہ زانیہ اور ملعون ہیں کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت عورت سے مباشرت کرے تو وہ دونوں ملعون ہیں، لیکن اس پر حد نہیں تعزیر ہے کیونکہ اس میں دخول نہیں ہے اور یہ اس کے مشابہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ بغیر جماع کے مباشرت کرے اور اس صورت میں حد نہیں ہوتی کیونکہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا یا رسول اللہ! میری ایک عورت سے ملاقات ہوئی اور میں نے جماع کے علاوہ اس سے سب کچھ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات۔ "دن کی دو طرفوں میں اور رات کے قریب نماز پڑھو بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں" اس شخص نے کہا کیا یہ آیت صرف میرے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے۔[3]

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس شخص پر تعزیر ہے کیونکہ یہ ایسی معصیت ہے جس میں حد ہے نہ کفارہ تو یہ لوگوں کو مارنے اور ان کے ساتھ زیادتی کرنے کے مشابہ ہے اور بظاہر حدیث کی اس پر دلالت ہے کہ اس پر تعزیر بھی نہیں ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تائب ہو کر آیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی تعزیر نہیں کی۔ اور صرف اس کے نماز پڑھ لینے کو کافی قرار دیا۔[4]

علامہ شمس الدین ابن قدامہ کی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ مساحقت (عورت کی عورت کے ساتھ مباشرت) میں بھی تعزیر نہیں ہونی چاہیے اور حدیث میں جو اس پر لعنت ہے وہ عدم توبہ پر محمول ہے۔

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۳، مطبوعہ مطبعۃ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[2] علامہ ابوالبرکات سید احمد دردیر مالکی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۴ ص ۳۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[3] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

[4] علامہ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمان بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

استمناء کا حکم

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سئل ابن عباس عن رجل يعبث بذكره حتى ينزل فقال ابن عباس ان نكاح الامة خير من هذا وهذا خير من الزنا[1]

حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنے آلۂ تناسل سے کھیلتا ہے حتیٰ کہ اس کو انزال ہو جاتا ہے حضرت ابن عباس نے کہا باندی سے نکاح کرنا اس سے بہتر ہے اور یہ زنا سے بہتر ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں استمناء بالید (ہاتھ سے منی نکالنا) مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ناکح الید ملعون "ہاتھ سے جماع کرنے والا ملعون ہے" اور اگر اس شخص کو زنا میں پڑنے کا خدشہ ہو تو امید ہے اس پر وبال نہیں ہوگا۔[2]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: اگر یہ متعین ہو جائے کہ استمناء کرنے سے وہ زنا سے بچ جائے گا تو اس پر استمناء کرنا واجب ہے کیونکہ یہ اخف البلیتین ہے (یعنی دو گناہوں میں سے کم تر گناہ ہے) اور علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر وہ اپنی شہوت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے استمناء کرے تو امید ہے اس کو عذاب نہیں ہوگا۔ معراج الدرایہ میں امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم نقل کیا گیا ہے کہ استمناء میں رخصت ہے اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ البتہ بیوی یا باندی کے ہاتھ سے استمناء کرانا جائز ہے۔ اور عنقریب شارح (صاحب درمختار) حدود میں جوہرہ سے نقل کر کے یہ ذکر کریں گے کہ یہ مکروہ ہے اور اس سے ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لیے یہ معراج الدرایہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ استمناء جائز ہے، اور السراج میں ہے کہ اگر کوئی شخص مجرد ہو، اس کی بیوی ہو نہ باندی یا بیوی ہو لیکن وہ اس تک پہنچنے پر قادر نہ ہو اور اس کو بہت زور سے شہوت آئے اور اس کا دل اس شہوت کے علاوہ اور کسی چیز پر توجہ نہ کر سکے تو اس صورت میں امام ابواللیث نے کہا ہے کہ مجھے امید ہے اس پر استمناء سے کوئی وبال نہیں ہوگا اور اگر وہ حصول شہوت کے لیے یہ فعل کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ البتہ یہ چیز قابل غور ہے کہ استمناء میں گناہ کی علت کیا چیز ہے؟ آیا انسان کا اپنے جز مثلاً ہاتھ یا رانوں سے استمتاع کرنا حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ہاتھ سے جماع کرنے والا ملعون ہے یا پانی کو بہانا اور شہوت کو غیر محل میں پورا کرنا حرام ہے جیسا کہ علامہ ابواللیث نے لکھا ہے کہ حصول شہوت کے لیے استمناء کرنا گناہ ہے؟ میں نے یہ کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کی وضاحت کی ہو، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر علت ہے کیونکہ بیوی یا باندی کے ہاتھ سے استمناء کرانے میں بھی پانی کو بہانا ہے لیکن چونکہ یہ جزو مباح کے ساتھ ہے اس لیے جائز ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پیٹ یا اس کے رانوں میں رگڑے اور انزال ہو جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے اس کے برخلاف اپنے ہاتھ سے رگڑ کر پانی نکالنا جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوار میں ڈال کر پانی نکالنا بھی ناجائز ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ قرطبی نے استمناء بالکف کے عدم جواز پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۳۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

[2] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۷-۱۳۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

والذین ھم لفروجھم حافظون ○ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (مؤمنون: ۶-۵) "وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور باندیوں کے غیر سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں" علامہ زیلعی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف بیوی اور باندی سے استمتاع کو جائز رکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی اور باندی کے سوا اور کسی ذریعہ سے استمتاع کرنا یعنی قضاءِ شہوت جائز نہیں ہے، یہ وہ نکتہ ہے جو مجھ پر منکشف ہوا، اور اللہ سبحانہ بہتر جانتا ہے۔ ۱؎

انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے ایک عضو کو رگڑے کیونکہ اس کو اس کی اجازت نہیں دی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے اعضاء کا علی الاطلاق مالک نہیں ہے اور جب وہ اپنے اعضاء کو علی الاطلاق استعمال نہیں کر سکتا تو پیوندکاری کے لیے کسی دوسرے شخص کو کاٹ کر کب دے سکتا ہے؟ اور اگر یہ شبہ ہو کہ غلبہ شہوت اور اضطرار میں استمناء کی اجازت ہے تو اضطرار میں اعضاء کاٹ کر دینا بھی جائز ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ اضطرار اعضاء مانگنے والے کو ہے، دینے والے کو تو کوئی اضطرار نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے استمناء بالکف کیا تو اس نے ایک فعل حرام کیا لیکن اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا البتہ اگر اس کو انزال ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا (علامہ حصکفی حنفی اور علامہ شامی حنفی نے بھی یہی لکھا ہے۔ سعیدی) کیونکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ بوسہ لینے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ۲؎

کیا خلیفہ حدود سے مستثنیٰ ہے؟

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جو ملک کا سب سے بڑا امام ہو (یعنی سربراہ مملکت یا خلیفہ) وہ جو کام بھی کرے اس پر حد نہیں ہے، البتہ اس سے جان اور مال کا قصاص لیا جائے گا، کیونکہ حدود اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اور حدود کو قائم کرنا خلیفہ کی طرف مفوض ہے اس کے علاوہ اور کسی کی یہ ذمہ داری نہیں ہے اور اس کے لیے خود اپنے اوپر حد قائم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ غیر مفید ہے، اس کے برخلاف حقوق العباد کو صاحب حق وصول کر سکتا ہے یا تو اس کو خلیفہ خود موقع دے گا یا وہ عام مسلمانوں کی مدد سے قوت حاصل کر کے اپنا حق وصول کرے گا، اور قصاص اور اموال حقوق العباد سے ہیں اور حد القذف میں فقہاء کہتے ہیں کہ حق شرع غالب ہے، پس اس کا حکم وہ ہے جو باقی ان حدود کا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۳؎

علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ اور سربراہ مملکت خواہ زنا کرے، چوری کرے، شراب پیئے یا کسی پاک دامن کو تہمت لگائے اس پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ دوسروں پر تو وہ حد قائم کرتا ہے، اس پر کون حد قائم کرے گا؟ اور جب اس کے اوپر کوئی اور حاکم نہیں ہے اور کوئی انسان خود اپنے آپ کو سزا نہیں دیتا اس لیے جن حدود کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے وہ اس پر قائم نہیں کی جائیں گی۔

علامہ ابن ہمام حنفی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جس طرح حقوق العباد یعنی اموال اور قصاص میں یہ کہا ہے کہ خلیفہ کسی اور شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کرے اور وہ لوگوں کے حقوق وصول کرے اسی طرح حقوق اللہ میں بھی کسی شخص کو خلیفہ پر حدود جاری

۱؎ ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۷ - ۱۳۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

۲؎ ۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۳، ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳؎ ۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۰۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

کرنے کے لیے مقرر کر دیا جائے اور اگر خلیفہ کسی کو مقرر نہیں کرتا تو عام مسلمان یہ فریضہ انجام دیں۔ بلکہ حقوق اللہ وصول کرنے کے لیے کسی شخص کو خلیفہ کا قائم مقام مقرر کرنا زیادہ ضروری ہے۔ [1]

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما (نور: ۲) اس آیت میں بغیر کسی استثناء کے ہر زانیہ اور زانی پر حد جاری کرنے کا حکم دیا ہے اور احادیث میں بھی یہ حکم ہر زنا کرنے والے کو علی العموم دیا ہے اور ان یہودیوں کی مذمت کی ہے جو عام لوگوں پر زنا کی حد جاری کرتے تھے اور معززین پر یہ حد نہیں جاری کرتے تھے اس وجہ سے خلیفہ کو حد سے مستثنیٰ کرنا قرآن اور سنت دونوں کے خلاف ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ فقہاء احناف کا یہ اصول ہے کہ قرآن مجید کے عام کو خبر واحد اور قیاس سے خاص نہیں کیا جا سکتا اور الزانیۃ والزانی میں لام استغراق ہے اور یہ لفظ عام ہے لہٰذا اس کو قیاس سے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔

صحیح اور معقول بات یہی ہے کہ اگر خلیفہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جس پر حد جاری ہو تو مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے اس کو معزول کر کے اس پر حد جاری کی جائے گی اسلام کے عمومی مزاج عدل اور حضرت ابوبکر اور عمر کے خطبات سے یہی چیز ثابت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے اپنے ابتدائی خطبہ میں ارشاد فرمایا: سنو! میں ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی شخص سے بہتر نہیں ہوں، جب تم مجھے صحیح کام کرتے دیکھو تو میری پیروی کرنا اور جب تم دیکھو کہ میں راہ استقامت سے ہٹ گیا ہوں تو میری اصلاح کرنا، ایک اور روایت میں ہے: اے لوگو! میں سنت کی پیروی کرنے والا ہوں، دین میں نئی باتیں نکالنے والا نہیں ہوں، جب میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور جب میں حق سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ [2]

حدود سے خلیفہ کو مستثنیٰ کرنا، فقہ حنفی کو بدنام کرنا ہے اور بے دین سوشلسٹ لوگوں کو اسلام کے خلاف باتیں کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے، صاحب ہدایہ نے اگرچہ یہ مسئلہ بیان کیا ہے لیکن اس کے آخر میں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کہہ کر اس کا ضعف ظاہر کر دیا ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بھی اس کی شرح میں فیہ تامل کہہ کر اس کا ضعف ظاہر کر دیا ہے [3] اور علامہ ابن ہمام حنفی نے بھی اس پر اعتراض کیے ہیں۔ الغرض یہ کہ فقہاء احناف کے نزدیک یہ ایک ضعیف روایت ہے اور فقہاء احناف کے اساسی قواعد کے خلاف ہے اس لیے حدود میں خلیفہ کے استثناء کو فقہاء احناف کا مسلک قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ

شراب کی حد کا بیان

۴۳۳۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے خمر (انگور کی شراب) پی تھی، آپ نے اس کو دو چھڑیوں سے چالیس بار مارا، حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تاریخ الخلفاء ص ۷۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، البنایہ ج ۲ ص ۶۸۷، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ قَالَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَخَفَّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ۔

نے بھی اسی طرح کیا، جب حضرت عمر کا دور خلافت ہوا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا، حضرت عبد الرحمن نے کہا کم از کم حد اسی کوڑے ہے، پھر حضرت عمر نے اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

۴۳۳۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اس کے بعد اس کی مثل حدیث ہے۔

۴۳۴۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَدَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ ثُمَّ جَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ وَدَنَا النَّاسُ مِنَ الرِّيفِ وَالْقُرَى قَالَ مَا تَرَوْنَ فِي جَلْدِ الْخَمْرِ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا كَأَخَفِّ الْحُدُودِ قَالَ فَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِينَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر (شراب نوشی) پر درخت کی شاخ اور جوتوں سے مارا، پھر حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے مارے، پھر جب حضرت عمر کا دور خلافت ہوا اور لوگ سبزہ زار اور دیہاتوں کے قریب رہنے لگے تو انہوں نے کہا کہ شراب نوشی کی حد (سزا) کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ میری رائے ہے کہ آپ اس کی سب سے کم حد مقرر کر دیں، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر نے اسی کوڑے مارے۔

۴۳۴۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔

۴۳۴۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ أَرْبَعِينَ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمَا وَلَمْ يَذْكُرِ الرِّيفَ وَالْقُرَى۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی پر چالیس جوتے اور چھڑیاں مارتے تھے، پھر پہلی سندوں کی طرح حدیث ہے اور اس میں سبزہ زار اور دیہاتوں کا ذکر نہیں ہے۔

۴۴۳۳- وحدثنا ابو بكر بن ابي شيبة وزهير بن حرب وعلي بن حجر قالوا حدثنا اسماعيل وهو ابن علية عن ابن ابي عروبة عن عبد الله الداناج ح وحدثنا اسحق بن ابراهيم الحنظلي واللفظ له اخبرنا يحيى بن حماد حدثنا عبد العزيز بن المختار حدثنا عبد الله بن فيروز مولى ابن عامر الداناج حدثنا حضين بن المنذر ابو ساسان قال شهدت عثمان بن عفان واتي بالوليد قد صلى الصبح ركعتين ثم قال ازيدكم فشهد عليه رجلان احدهما حمران انه شرب الخمر وشهد آخر انه راه يتقيا فقال عثمان انه لم يتقيا حتى شربها فقال يا علي قم فاجلده فقال علي قم يا حسن فاجلده فقال الحسن ول حارها من تولى قارها فكانه وجد عليه فقال يا عبد الله بن جعفر قم فاجلده فجلده وعلي يعد حتى بلغ اربعين فقال امسك ثم قال جلد النبي صلى الله عليه وسلم اربعين وجلد ابو بكر اربعين وعمر ثمانين وكل سنة وهذا احب الي. زاد علي بن حجر في روايته قال اسماعيل وقد سمعت حديث الداناج منه فلم احفظه.

حصین بن منذر ابو ساسان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں گیا اتنے میں ولید بن عقبہ کو لایا گیا انھوں نے صبح کی نماز دو رکعت پڑھائی پھر کہا میں تمہارے لیے یہ نماز زیادہ کرتا ہوں (یعنی دو دو رکعت اور پڑھا دیں) اس کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی، ان میں سے ایک حمران تھے انھوں نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے انھیں قے کرتے دیکھا ہے، حضرت عثمان نے کہا جب تک شراب نہ پی ہو اس کی قے کیسے کر سکتا ہے اور کہا اے علی کھڑے ہو کر اس کو کوڑے مارو، حضرت علی نے فرمایا اے حسن! تم اس کو کوڑے مارو، حضرت حسن نے کہا کوڑے مارنے کی حرارت بھی اسی پر ڈالیے جو اس کی (یعنی حکمرانی کی) ٹھنڈک حاصل کر چکا ہے، حضرت علی اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا: اے عبداللہ بن جعفر تم کھڑے ہو کر اس کو کوڑے مارو، وہ کھڑے ہو کر کوڑے مارنے لگے اور حضرت علی گننے لگے جب چالیس پر پہنچے تو فرمایا رک جاؤ! پھر کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت ابو بکر نے بھی چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر نے اسی کوڑے مارے اور سب سنت ہیں اور میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے، علی بن حجر نے اپنی روایت میں یہ زیادتی بیان کی ہے، اسماعیل نے کہا میں نے اس سے داناج کی حدیث سنی تھی لیکن میں اس کو یاد نہیں رکھ سکا۔

۴۴۳۴- حدثني محمد بن منهال الضرير حدثنا يزيد بن زريع حدثنا سفيان

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں شراب کی حد کے سوا اگر کسی حد کو جاری کرنے سے کوئی شخص مرجائے

الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ عُمَيْرِ ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كُنْتُ أُقِيمُ عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتَ فِيهِ فَأَجِدَ مِنْهُ فِي نَفْسِي إِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ لِأَنَّهُ إِنْ مَاتَ وَدَيْتُهُ لِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهُ.

تو مجھے ملال نہیں ہوگا لیکن اگر شراب نوشی کی حد سے کوئی مر گیا تو میں اس کی دیت دلاؤں گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد مقرر نہیں فرمائی۔

۴۳۴۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

سفیان نے اسی سند کے ساتھ اس کی مثل حدیث بیان کی ہے۔

حرمت خمر میں مذاہب

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر (انگور کا کچا شیرہ جس میں سڑنے کی وجہ سے جھاگ پیدا ہو گئے ہوں) حرام قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروب حرام ظنی ہیں، خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہے اور باقی نشہ آور مشروب جس مقدار میں نشہ آور ہوں حرام ہیں، اس کی تفصیل ہم باب نمبر ۵۱ "شراب کی بیع کی حرمت" میں بیان کر چکے ہیں اور اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ کتاب الاشربہ میں بیان کریں گے۔

شراب کی حد میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: شراب کی حد (سزا) میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ شراب کی حد اسی کوڑے ہے امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری اور ان کے تابعین کا یہی نظریہ ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ حضرت عمر نے صحابہ سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے یہ مشورہ دیا کہ کم از کم حد اسی کوڑے ہے لہٰذا شراب کی حد اسی کوڑے کر دیجئے، چنانچہ حضرت عمر نے شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کر دی اور جوزجانی اور دارقطنی وغیرہما سے یہ روایت ہے کہ مشورہ کے وقت حضرت علی نے فرمایا جب انسان نشہ میں ہوتا ہے تو بے ہودہ باتیں کرتا ہے اور جب بے ہودہ باتیں کرتا ہے تو کسی پر افتراء باندھتا ہے لہٰذا اس پر مفتری کی حد لگائی جائے۔

امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ شراب کی حد چالیس کوڑے ہے، اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے، کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے ولید بن عقبہ کو چالیس کوڑے مارے اور پھر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر نے اسی کوڑے مارے اور ہر ایک فعل سنت ہے۔ اور یہ (یعنی چالیس کوڑے) مجھے زیادہ پسند ہے۔

شراب کی حد میں فقہاء احناف کے موقف کے ثبوت میں احادیث

امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر (انگور کی شراب) پینے کی حد اسی کوڑے ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو، اور باقی شرابوں سے اگر نشہ ہو جائے تو اسی کوڑے حد ہے۔
امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الحسن ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرب فی الخمر ثمانین۔[1]

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے۔

عن الحسن قال ہم عمر بن الخطاب ان یکتب فی المصحف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب فی الخمر ثمانین۔[2]

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے یہ ارادہ کیا کہ مصحف (کی تفسیر) میں یہ لکھ دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے۔

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من شرب بسقۃ خمر فاجلدوہ ثمانین۔[3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے خمر پی اس کو اسی کوڑے مارو۔

امام محمد روایت کرتے ہیں:

عن عبد الکریم بن ابی المخارق یرفع الحدیث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اتی بسکران فامرھم ان یضربوہ بنعالھم وھم یومئذ اربعون رجلا فضرب کل احد بنعلیہ فلما ولی ابو بکر رضی اللہ عنہ اتی بسکران فامرھم فضربوہ بنعالھم فلما ولی عمر رضی اللہ عنہ واستخرج الناس ضرب بالسوط. قال محمد بھذا ناخذ نری الحد علی السکران من نبیذ کان او غیرہ ثمانین جلدۃ بالسوط یحبس حتی یصحو ویذھب عنہ السکر، ثم یضرب الحد ویفرق علی الاعضاء ویجرد الا انہ لا یضرب الفرج ولا الوجہ ولا الراس وضربہ اشد من ضرب القاذف وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ

عبد الکریم بن ابی المخارق بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخمور (جو نشہ میں ہو) شخص لایا گیا، آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو جوتوں سے ماریں، اور اس وقت وہ چالیس آدمی تھے ہر شخص نے اس کو دو جوتے مارے، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان کے پاس بھی ایک مخمور شخص لایا گیا، انہوں نے بھی اس کو جوتے مارنے کا حکم دیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ لوگوں کے مشورہ سے کوڑے مارنے لگے، امام محمد نے کہا ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں جو شخص نبیذ یا کسی اور چیز سے نشہ میں ہو اس کو اسی کوڑے مارے جائیں، اس کو قید کیا جائے حتی کہ اس کا نشہ اتر جائے اور اس کے ہوش و حواس درست ہو جائیں پھر اس پر حد لگائی جائے اس کے اعضاء پر متفرق جگہ کوڑے مارے جائیں، کوڑے مارتے وقت اس کے کپڑے اتار لیے جائیں البتہ اس کی شرمگاہ چہرے اور سر پر کوڑے نہ مارے جائیں اور اس کو قاذف کی بہ نسبت سخت کوڑے

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۷، ص ۳۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ ھ

[2] 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۳۸۰،

[3] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ ھ، شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۴ ھ

اللہ تعالیٰ ۔ [1]

مارے جائیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب فی الخمر بنعلین اربعین اربعین فجعل عمر رضی اللہ عنہ بکل نعل سوطاً [2]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے پر دو جوتے چالیس چالیس بار مارے اور حضرت عمر نے جوتے کی جگہ کوڑا مقرر کر دیا۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عکرمۃ ان عمر بن الخطاب شاور الناس فی جلد الخمر، وقال، ان الناس قد شربوھا واجترؤا علیھا، فقال لہ علی: ان السکران اذا سکر ھذی واذا ھذی افتری فاجعلہ حد الفریۃ فجعلہ عمر حد الفریۃ ثمانین [3]

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں سے خمر کی حد کے بارے میں مشورہ کیا اور کہا لوگ خمر پیتے ہیں اور اس کی جرأت کرتے ہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ جب کوئی شخص نشہ میں ہوتا ہے تو بے ہودہ باتیں کرتا ہے اور جب بیہودہ باتیں کرتا ہے تو کسی پر تہمت لگاتا ہے لہٰذا اس کو تہمت کی حد لگائیے، پھر حضرت عمر نے شراب کی حد، تہمت کی حد اسّی کوڑے مقرر کر دی۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

چالیس کوڑوں اور اسّی کوڑوں کی روایات میں تطبیق

درحقیقت ابتداء میں رسول اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی کوئی معین حد مقرر نہیں فرمائی تھی، اور شراب پینے والوں کو لاٹھیوں، جوتوں، درخت کی شاخوں اور کپڑوں سے مارتے تھے اور مارنے کا کوئی عدد مقرر نہیں تھا، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسّی کوڑے مقرر فرما دیے۔ بسا اوقات دو جوتے چالیس بار مارے جاتے تو اس سے یہ عدد حاصل ہو جاتا تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوسعید خدری کی احادیث اور حضرت حسن بصری کی مراسیل سے ظاہر ہے لیکن اکثر صحابہ سے یہ امر مخفی رہا، البتہ حضرت ابوبکر صدیق دو جوتوں کو چالیس بار مار کر اسی کا عدد پورا کرتے تھے، کیونکہ امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق شراب نوشی پر دو جوتوں کو چالیس بار مارتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شراب نوشی کی حد میں کوڑوں کا عدد مشتبہ تھا، آیا وہ چالیس کوڑے ہیں یا اسّی کوڑے کیونکہ دو جوتوں کو چالیس بار مارا جاتا تھا اگر ان دو جوتوں کو اکٹھا لحاظ کیا جائے تو چالیس کا عدد حاصل ہوتا ہے اور اگر الگ الگ

---

[1] ۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

[2] ۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

[3] ۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۳۷۸، مطبوعہ مطبع مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

[4] ۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۲۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

لحاظ کیا جائے تو اسی کا عدد حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے انھوں نے باہم مشورہ کیا اور حضرت علی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے اسی کوڑے مارنے کا مشورہ دیا کیونکہ شراب نوشی اکثر تہمت لگانے پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس بنا پر تمام صحابہ کا اسی کوڑے مارنے پر اتفاق ہو گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت علی ولید بن عقبہ کو چالیس کوڑے مارنے کے بعد رک گئے تھے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر نے اسی کوڑے مارے اور سب سنت ہیں اور میرے نزدیک یہ زیادہ مستحب ہے۔ جیسا کہ امام مسلم نے (حدیث نمبر ۴۳۴۲) میں بیان کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ولید بن عقبہ کو کوڑے مارنے کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس میں اسی کوڑے مارنے کا ذکر ہے۔[1] اور امام طحاوی نے محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے جس کوڑے سے ولید کو حد لگائی تھی اس کی دو طرفیں تھیں اور حضرت علی کا اس ارشاد سے مقصد یہ تھا کہ شراب نوشی کی حد میں ایک جوتے یا ایک طرف والے کوڑے کو اسی بار مارا جائے یا دو جوتوں یا دو طرفوں والے کوڑے کو چالیس بار مارا جائے سب سنت ہیں، ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ایک طرف والے کوڑے کو چالیس بار مارا جائے۔[2]

حضرت علی حد خمر میں اسی کوڑوں کے قائل تھے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عطاء عن ابیہ ان علیاً ضرب النجاشی الحارثی الشاعر، شرب الخمر فی رمضان فضربہ ثمانین ثم حبسہ فاخرجہ الغد فضربہ عشرین ثم قال لہ انما جلدتک ھذہ العشرین لجرأتک علی اللہ وافطارک فی رمضان۔[3]

عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نجاشی حارثی شاعر نے رمضان شریف میں شراب پی، حضرت علی نے اس کو اسی کوڑے مارے اور اس کو قید کیا پھر قید سے صبح نکال کر اس کو بیس کوڑے مارے اور کہا میں نے تجھ کو بیس کوڑے اس لیے زیادہ مارے ہیں کہ تو نے اللہ تعالیٰ پر دلیری کی اور رمضان میں روزہ نہیں رکھا۔

شراب نوشی کی اس مقدار کا بیان جس پر حد واجب ہوتی ہے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جو شخص کسی بھی نشہ آور مشروب کو پیے اس پر حد واجب ہوتی ہے خواہ اس نے اس کی قلیل مقدار پی ہو یا کثیر، انگور کے کچے شیرہ کے پینے میں ہمارے علم کے مطابق کسی کا اختلاف نہیں ہے اس کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوتی ہے، امام احمد انگور کے کچے شیرے (خمر) اور دیگر نشہ آور مشروب کو ایک حکم میں قرار دیتے ہیں۔ حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، قتادہ، اوزاعی، امام مالک اور امام شافعی کا بھی نظریہ ہے اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ (خمر کے ماسوا میں) اس وقت تک حد

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

[3] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۳۸۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

نہیں لگائی جائے گی جب تک کہ اس کو نشہ نہ ہو۔ چنانچہ ابو وائل، نخعی، فقہاء اہل کوفہ اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا یہی نظریہ ہے اور ابو ثور نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی شراب کو حرام سمجھ کر پیئے اس پر حد ہے اور جو شخص کسی شراب کو تاویل سے پیئے اس پر حد نہیں ہے کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے اور وہ بغیر ولی کے نکاح کرنے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من شرب الخمر فاجلدوہ (سنن ابو داؤد) "جو شخص خمر پیئے اس کو کوڑے لگاؤ" اور یہ ثابت ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اس لیے یہ حدیث قلیل اور کثیر نشہ آور کو شامل ہے، نیز اس لیے کہ یہ وہ شراب ہے جس کے پینے سے نشہ آتا ہے اس لیے خمر کی طرح اس کی قلیل مقدار کو پینے سے بھی حد واجب ہوگی۔ احمد بن قاسم کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ یہ کہتے ہیں کہ نشہ آور مشروب کی تحریم میں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس احادیث کا علم ہے، بعض احادیث میں ہے: کل مسکر حرام "ہر نشہ آور مشروب حرام ہے" اور بعض احادیث میں ہے: کل مسکر خمر "ہر نشہ آور مشروب خمر ہے"۔ [1]

فقہاء احناف میں سے امام محمد کی رائے بھی جمہور کے ساتھ ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خمر حرام قطعی ہے اور خمر ان کے نزدیک انگور کا کچا شیرہ ہے جو پڑے پڑے سڑ گیا ہو اور اس میں جھاگ پیدا ہو گئے ہوں، لغت میں خمر کا یہی معنی ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ قد تکون الخمر من الحبوب، قال ابن سیدہ واظنہ تسمحا منہ لان حقیقۃ الخمر انما ھی العنب دون سائر الاشیاء والعرب تسمی العنب خمرا قال: واظن ذلک لکونھا منہ حکاھا ابو حنیفۃ: قال وھی لغۃ یمانیۃ۔ وقال فی قولہ تعالٰی انی ارانی اعصر خمرا، ان الخمر ھنا العنب۔ [2]

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کبھی خمر مختلف دانوں سے بنائی جاتی ہے اور ابن سیدہ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے، کیونکہ خمر حقیقت میں صرف انگور سے بنتی ہے کسی اور چیز سے نہیں بنتی اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں، ابن سیدہ نے کہا یہ اس وجہ سے ہے کہ خمر انگوروں سے بنتی ہے، امام ابو حنیفہ نے کہا کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ قرآن مجید میں ہے: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں' یہاں پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انگور کے پھل پر خمر کا اطلاق کیا ہے۔

اور علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

الخمر ما اسکر من عصیر العنب خاصۃ وھو مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی والکوفیین مراعاۃ لغۃ اللغۃ۔ [3]

خمر بالخصوص انگور کے اس شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو، یہ امام ابو حنیفہ اور کوفیین کا مذہب ہے۔ تاکہ فقہی معنی میں لغت کی رعایت ہو۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ ھ

[2] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ، لسان العرب ج ۴ ص ۲۵۵، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم ایران، ۱۴۰۵ ھ

[3] علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ ھ، تاج العروس ج ۳ ص ۱۸۶، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ ھ

علامہ زبیدی نے ابن سیدہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حقیقت میں خمر انگوروں کی شراب کو کہتے ہیں اور باقی دانوں کی شراب پر خمر کا اطلاق مجازاً ہے۔ جس کو ہم لسان العرب کے حوالے سے ابھی بیان کر چکے ہیں۔

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ اہل عرب کے عرف اور لغت میں خمر صرف انگور کی شراب کو کہتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی خمر کا اطلاق اسی معنی کے اعتبار سے کیا گیا ہے اور چونکہ قرآن مجید نے خمر کو حرام قرار دیا ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ انگور کی شراب حرام قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے کیونکہ ان کی حرمت حدیث اور قیاس سے ہے۔ خمر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے اور اس کے پینے سے حد لازم آتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو، خمر یعنی انگور کی شراب کا رکھنا، خریدنا، بیچنا، اس پر گواہی دینا یہ سب کام حرام اور گناہ کا موجب ہیں۔

خمر کے علاوہ تین اور قسم کی شرابیں ہیں جن کا پینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے۔

ا۔ الطلاء :۔ انگور کا وہ شیرہ جو جوش دینے کے بعد دو تہائی سے کم رہ جائے۔

ب۔ نقیع التمر :۔ اس کو سکر بھی کہتے ہیں یہ کھجوروں کا کچا شیرہ ہے، جو گاڑھا ہو اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں۔

ج۔ نقیع الزبیب :۔ انگوروں کو پانی میں ڈال دینے سے وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش کھانے کے بعد جھاگ چھوڑ دے۔

علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ ان شرابوں کی حرمت خمر سے کم ہے کیونکہ ان کی حرمت اجتہادی ہے اس لیے ان کو جائز کہنا کفر نہیں ہے اور علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ ان کی نجاست خفیفہ ہے۔ [1]

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ ہدایہ میں ان کی نجاست کے بارے میں دو روایتیں بیان کی ہیں ایک یہ ہے کہ ان کی نجاست خفیفہ ہے اور ایک یہ روایت ہے کہ ان کی نجاست غلیظہ ہے۔ [2]

ان شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہو گی جب ان کے پینے سے نشہ ہو جائے اس کے برخلاف خمر کے پینے سے مطلقاً حد واجب ہوتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو۔ [3]

فقہاء احناف نے خمر کی جو تعریف کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

الخمر وهی النئ من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد [3]

خمر انگور کے اس کچے شیرے کو کہتے ہیں جو جوش کھا کر جھاگ چھوڑ دے۔

کیا امام ابوحنیفہ کے قول پر مروجہ شرابیں حلال ہیں؟

اب صرف یہ بات تحقیق طلب رہ جاتی ہے کہ خمر اور ان تین مذکور الصدر مشروبات کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کا امام ابوحنیفہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟ علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وقال فی الجامع الصغیر ما سوی ذلک من الاشربۃ فلا بأس بہ قالوا ھذا الجواب علی ھذا العموم والبیان لا یوجد فی غیرہ وھو

امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس قول کی تفصیل کرتے ہوئے)

---

[1]۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۴۰۰ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2]۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵، ص ۴۰۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3]۔ 〃 〃 〃 ، رد المحتار ج ۵، ص ۳۹۷، 〃

نص على ان ما يتخذ من الحنطة و الشعير والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفة ولا يحد شاربه عنده وان سكر منه ولا يقع طلاق السكران منه بمنزلة النائم.[1]

فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (امام محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے، اور اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہوگی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ہدایہ کی اس عبارت کی بناء پر بعض لوگ فقہ حنفی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق موجودہ دَور کی تمام شرابیں حلال ہیں کیونکہ ان شرابوں میں سے کوئی شراب بھی فقہ حنفی کی تعریف کے مطابق خمر، طلاء، نقیع التمر یا نقیع الزبیب نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب ہم باب نمبر ۱۵ "شراب کی بیع کی حرمت" میں بھی لکھ چکے ہیں۔ یہاں اس جواب کو ہم مزید وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ امام محمد نے جامع الصغیر میں جو یہ لکھا ہے: وما سوی ذلك من الاشربة فلا باس به "ان چار شرابوں کے ماسوا میں کوئی حرج نہیں ہے" اس عبارت میں ماسوا سے اس قسم کا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج کرنے والوں نے سمجھا ہے حتیٰ کہ جو شراب بھی نشہ آور ہو وہ حلال ہو جائے، بلکہ ماسوا سے مراد وہ مشروبات ہیں جو نشہ آور نہ ہوں کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نبیذ اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اس کے پینے سے حد لازم آتی ہے اگر وہ نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق ہو جاتی ہے، خود امام محمد نے بھی یہ لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب کتاب الآثار کے حوالے سے نقل کریں گے، اس لیے جامع الصغیر کی اس عبارت میں ایسا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج اور تفصیل کرنے والوں نے بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دیں، اس پر حد لازم نہ کریں اور اس کی طلاق واقع نہ کریں، اب ہم ٹھوس حوالہ جات کے ساتھ اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف بیان کرتے ہیں: فنقول وبالله التوفيق وبه الاستعانة يليق.

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

فالنبيذ هو ماء التمر اذا طبخ ادنى طبخة يحل شربه فى قولهم ما دام حلوا و اذا غلا و اشتد وقذف بالزبد۔

کھجور کے پانی کو معمولی جوش دیا جائے تو یہ نبیذ ہے فقہاء احناف کے قول کے مطابق اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ یہ میٹھا ہو اور جب یہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے

عن ابی حنیفة و ابی یوسف یحل شربه

تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶۔۴۹۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] فقہاء کی اصطلاح میں تخریج کا معنی ہے قول مجمل کی تفصیل کرنا۔ سعیدی غفرلہ۔

للتداوی والتقوی الا المحدی المسکر۔[1]

کہ دوا اور طاقت حاصل کرنے کے لیے اس کا پینا جائز ہے البتہ اگر یہ نشہ آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

نبیذ ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ جب وہ نشہ آور ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

• ورواية عبد العزيز عن ابي حنيفة و سفيان انهما سئلا فيمن شرب البنج فارتفع الى راسه وطلق امرأته هل يقع قالا ان كان يعلمه حين شربه ما هو يقع۔[2]

عبد العزیز نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور سفیان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بھنگ کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو کیا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؟ امام ابوحنیفہ اور سفیان نے کہا اگر بھنگ پیتے وقت اس کو بھنگ کا علم تھا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

بھنگ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھنگ کے نشہ سے طلاق ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

نری الحد على السكران من نبيذ كان او غيره ثمانين جلدة بالسوط الى قوله وهو قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى۔[3]

جس شخص کو نبیذ یا کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو ہماری رائے میں اس کو اسّی کوڑے حد لگائی جائے گی، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اس عبارت میں امام محمد نے صاف تصریح کی ہے کہ جس مشروب سے بھی نشہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نشہ والے شخص پر اسّی کوڑے حد لگائی جائے گی۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

ان السكر من النبيذ موجب للحد كشرب الخمر۔[4]

نبیذ سے نشہ ہو تو اس سے حد لگانا اس طرح واجب ہے جس طرح خمر پینے سے حد لگانا واجب ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

ومن سكر من النبيذ حد۔[5]

جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو گیا اس کو حد لگائی

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثانی ص ۵۰۴، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد۔

[2] علامہ کمال الدین ابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۸۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۲۹، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[5] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۰۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

جلائے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ای شراب کان غیر الخمر اذا شربه لایحد الا اذا سکر به۔[۱] خمر کے علاوہ کسی شراب کو بھی پیا جائے اس سے حد لازم نہیں ہوگی البتہ اگر اس سے نشہ ہو جائے تو حد لازم ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

او سکر من نبیذ حد۔[۲] نبیذ سے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

من سکر من النبیذ حد۔[۳] جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو جائے اس کو حد لگائی جائے گی۔

مبسوط سرخسی، ہدایہ، درمختار، رد المحتار اور عالمگیری سے ہم نے اس پر حوالہ جات پیش کیے ہیں کہ نبیذ یا خمر کے علاوہ کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو اس پر حد ہے ہر چند کہ ان عبارات میں امام ابو حنیفہ کے قول کی تصریح نہیں کی گئی لیکن اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ فقہا احناف کی کتابوں میں جب مطلقاً کسی مسئلہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ امام ابو حنیفہ کا ہی قول ہوتا ہے اور جہاں امام محمد یا امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہوتا ہے تو یہ تصریح کر دی جاتی ہے کہ یہاں امام اعظم کا یہ موقف ہے اور فتوی امام محمد یا امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ لہٰذا ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ہر وہ مشروب حرام ہے جس سے نشہ ہو اور اس کے پینے پر حد لازم ہے اور اگر اس کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب اور ان کے اقوال کو بیان کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں اور انھوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابیں حلال ہیں اور ان کے پینے پر حد نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ جس شخص کو نبیذ یا کسی اور چیز سے نشہ ہو جائے اس پر حد ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور جامع الصغیر کی عبارت کی جو اس کے خلاف تخریج اور تفصیل کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے اور اس تخریج کی بنیاد پر ہدایہ، تبیین الحقائق یا بعض دوسری کتابوں میں جو صرف چار شرابوں کو حرام کہا گیا ہے اور باقی نشہ آور شرابوں کو حلال کہا گیا ہے یا ان پر حد لازم نہیں کی وہ سب صحیح نہیں ہے۔ اس بحث کو بغور پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ بحث ہماری کتاب کی خصوصی ابحاث میں سے ہے اور شاید کہ اس کتاب کے علاوہ یہ بحث آپ کو اور کہیں نہیں ملے گی کیونکہ میں نے جامع صغیر کی اس تخریج کو اپنے زمانہ کے بعید علماء پر پیش کیا اور یہ اشکال وارد کیا کہ امام اعظم کے قول پر تو تمام مروجہ شرابیں حلال ہو گئیں، لیکن وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ ذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء۔

---

[۱] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[۲] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[۳] علامہ نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۰ مطبوعہ مطبعہ کبری امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

خمر اور باقی شرابوں کا فرق

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: خمر کے علاوہ باقی نبیذوں میں نشہ کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہے اور خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد لازم آتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور حد کی موجب ہے کیونکہ امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: کل مسکر خمر "ہر نشہ آور چیز خمر ہے"[۱] اس حدیث کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم کتاب الاشربہ میں بیان کریں گے۔

چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کی تحقیق

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ۔[۲]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شراب پی اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اس کو قتل کردو۔

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا، کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جو شخص شراب پیے اس کو کوڑے مارو، اور اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اس کو قتل کردو، حضرت جابر کہتے ہیں اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی تھی، آپ نے اس کو کوڑے مارے اور اس کو قتل نہیں کیا، اسی طرح حضرت قبیصہ بن ذویب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ قتل کا حکم اٹھا لیا گیا اور پہلے اس کی اجازت تھی، عام اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں متقدمین اور متاخرین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ متعدد اسانید سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کو تین باتوں کے سوا اور کسی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں ہے جان کا بدلہ جان، شادی شدہ زانی اور دین (اسلام) کو چھوڑنے والا۔[۳]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے متعدد بار شراب پی ہو، امام ترمذی اور دیگر ائمہ نے اس اجماع کو نقل کیا ہے، قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ قول باطل ہے اور صحابہ اور بعد کے فقہاء کے اجماع کے خلاف ہے۔[۴]

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور کوڑے لگانا مشروع ہے اور

---

[۱] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۸۰ - ۷۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[۲] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹، جامع ترمذی ص ۲۲۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[۳] " " " ، جامع ترمذی ص ۲۲۸،

[۴] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

اسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ [1]

علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب قتل کا حکم معمول بہ نہیں ہے تو کوڑے مارنا بھی معمول بہ نہ ہو کیونکہ وہ بھی اسی حدیث میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل کے معارض تو یہ حدیث ہے کہ تین باتوں کے سوا کسی مسلمان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اور شراب پینا ان تین باتوں میں سے نہیں ہے اور کوڑے مارنے کے حکم کا چونکہ کوئی معارض نہیں ہے اس لیے وہ حکم بدستور باقی اور معمول بہ ہے۔ [2]

اور علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت جابر کی حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی بار شراب پینے پر قتل نہیں کیا بلکہ کوڑے لگائے اور قتل کا حکم اٹھا دیا گیا۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت جابر کی حدیث سے قتل کے حکم کو منسوخ قرار دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کو اس حدیث سے منسوخ قرار دیا جائے جس میں ہے: "تین چیزوں کے سوا مسلمان کا قتل کرنا جائز نہیں"، کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ حدیث قتل کے اس حکم کی ممانعت کے بعد ہو، البتہ یہ توجیہ کرنا ممکن ہے کہ یہ نسخ اجتہادی ہے۔ یعنی چوتھی بار شراب کے بعد قتل کے حکم میں ان دونوں حدیثوں کا تعارض ہے تو ہم نے قتل کی ممانعت والی حدیث کو ترجیح دی اور اس سے قتل کے حکم والی حدیث منسوخ ہو گئی اور تعارض کے وقت اس قسم کی ترجیح لازم ہے۔ [3]

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی بار شراب پینے پر نعیمان کو کوڑے مارے اور اس سے مسلمانوں نے یہ جان لیا کہ حد واقع ہو گی اور قتل کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کے علاوہ علامہ عینی نے قتل کے منسوخ ہونے پر اور بھی متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔ [4]

علامہ جلال الدین خوارزمی کرلانی نے بھی چوتھی بار شراب پینے پر قتل کو منسوخ قرار دیا ہے۔ [5]

ملا علی قاری حنفی حضرت جابر کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ [6]

الغرض جمہور فقہاء اسلام اور فقہاء احناف نے یہی تصریح کی ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے یہ لکھا ہے کہ احناف کے نزدیک یہ حدیث معمول بہ ہے اور چوتھی بار شراب پینے پر تعزیراً قتل کرنا جائز ہے۔ فرماتے ہیں: امام ابو عیسیٰ ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کو غیر معمول بہ ٹھہرایا لیکن علامہ معین نے اپنی کتاب "دراسات اللبیب" میں امام ترمذی کے اس کلام پر تعاقب کیا کہ یہ دونوں حدیثیں بھی معمول بہ ہیں۔ قاضی شوکانی نے

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ ص ۲۹۴، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان۔

[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۵ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ الجزء الرابع ص ۳۳۰، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد۔

[5] علامہ جلال الدین خوارزمی کرلانی حنفی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۹ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[6] علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۷ ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

بھی "نیل الاوطار" میں ان دونوں حدیثوں کو معمول بہ کہا، خود حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں معمول بہ ہیں، بایں طور کہ جمع بین الصوتین سے مراد جمع فعلی ہے اور ہر چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کرنے سے متعلق دوسری حدیث تعزیر پر محمول ہے۔ [1]

شیخ ابن حزم نے چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کے حکم کی متعدد اسانید سے احادیث روایت کیں، اور اس کے بعد لکھتے ہیں: یہ احادیث کم از کم درجہ تواتر کی احادیث ہیں، جیسے نشہ آور نبیذ پینے پر احناف روایات بیان کرتے ہیں (شیخ ابن حزم کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے، فقہاء احناف نشہ آور نبیذ کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: اس سلسلہ میں حضرت معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ سے احادیث مروی ہیں جن سے قتل کرنے پر حجت قائم ہے، اور مخالفین یہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر اور حضرت قبیصہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی بار شراب پینے پر قتل نہیں کیا کوڑے لگائے اور قتل کا حکم اٹھا لیا گیا۔ [2]

حیرت ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ صرف دو صحابہ سے قتل کرنے کا حکم مروی ہے اور شیخ ابن حزم اس کو متواتر کہہ رہے ہیں اور حضرت جابر اور حضرت قبیصہ سے صراحۃً اس حکم کا منسوخ ہونا مروی ہے اس کے علاوہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں ہے کہ تین باتوں کے سوا کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں اور ان میں شراب پینے کا ذکر نہیں ہے اور پھر اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ابن حزم نے ان تمام دلائل کا لحاظ نہیں کیا۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک چوتھی بار شراب پینے پر تعزیراً قتل کرنا جائز ہے ہرچند کہ فقہاء احناف نے اس کی تصریح نہیں کی ہے لیکن فقہاء احناف کا اصول ہے کہ حاکم کی صوابدید سے تعزیراً قتل کرنا جائز ہے اس لیے حضرت شیخ کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر شیخ ابن حزم کے قول کو بھی تعزیراً قتل پر محمول کر دیا جائے تو چنداں بعید نہیں ہے۔

باب ۵۵۹ قَدْرِ اَسْوَاطِ التَّعْزِيْرِ
تعزیر کے کوڑوں کی مقدار

۴۳۴۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اِذْ جَآءَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ فَحَدَّثَهٗ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا سُلَيْمَانُ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُجْلَدُ اَحَدٌ فَوْقَ عَشَرَةِ اَسْوَاطٍ اِلَّا فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔

حضرت ابو بردہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود کے علاوہ کوئی شخص دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے۔

---

[1] علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ، مقالات کاظمی ج ۳ ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال

[2] شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۱۱ ص ۳۶۸-۳۶۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ

تعزیر کی مقدار میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: تعزیر میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا تعزیر میں دس کوڑوں پر زیادتی جائز ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل، اشہب مالکی اور بعض اصحاب شافعیہ کا قول یہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر لگانا جائز نہیں ہے اور جمہور صحابہ، فقہاء تابعین اور بعد کے مجتہدین کا یہ نظریہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر لگانا جائز ہے۔ پھر ان میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ تعزیر چالیس کوڑوں سے کم ہونی چاہیے۔ ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے پچھتر کوڑوں تک تعزیر ہو سکتی ہے، امام مالک اور امام ابویوسف سے بھی ایک یہی روایت ہے، حضرت عمر سے یہ روایت ہے کہ اسی کوڑوں سے متجاوز نہ ہو، اور ابن ابی لیلیٰ سے دوسری روایت یہ ہے کہ تعزیر سو کوڑوں سے کم ہونی چاہیے۔ ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے، ابن ابی ذئب اور ابن ابی یحییٰ نے کہا تادیب میں تین کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ امام شافعی اور جمہور اصحاب شافعیہ کا یہ قول ہے کہ کسی انسان کی تعزیر اس کی ادنیٰ حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، لہٰذا غلام کی تعزیر بیس کوڑوں سے اور آزاد کی تعزیر چالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ کسی کی تعزیر چالیس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو، اور بعض اصحاب شافعیہ نے یہ کہا کہ کسی کی تعزیر بیس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو۔ اور امام مالک، امام ابویوسف، امام محمد، ابوثور، اور امام طحاوی نے یہ کہا کہ تعزیر کے لیے کوئی حد معین نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے اور امام کو حد سے زیادہ تعزیر لگانے کا بھی اختیار ہے۔ کیونکہ جس شخص نے بیت المال کی جعلی مہر بنوائی تھی اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو کوڑے مارے حد لگائی تھی۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب شافعیہ نے اس باب کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے مارے ہیں اور اصحاب مالکیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ تعزیر کی یہ مقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مختص تھی لیکن یہ تاویل ضعیف ہے۔ [1]

تعزیر کی مقدار میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: تعزیر کی مقدار میں امام احمد سے مختلف روایات ہیں، ان سے ایک روایت یہ ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبردہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی حدود کے علاوہ کسی شخص کو بھی دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ تعزیر، حد سے کم ہونی چاہیے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، اس بناء پر کوئی حد چالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ شراب نوشی میں غلام کی حد چالیس کوڑے ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے ہے تو غلام کی حد بیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی اور آزاد کی حد چالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے لہٰذا غلام کی تعزیر انیس کوڑوں سے اور آزاد کی تعزیر انتالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اور ابن ابی لیلیٰ اور امام ابویوسف نے کہا کہ کم از کم حد اسی کوڑے ہے لہٰذا اناسی کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ لگائی جائے۔

امام احمد کے کلام کا یہ منشاء بھی ہو سکتا ہے کہ کسی جرم کی بھی تعزیر اس کی جنس کی حد کے برابر نہ ہو البتہ کسی اور جرم کے جنس کی حد سے زیادہ تعزیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بناء پر اگر کسی شخص کو وطی کی بناء پر تعزیر لگائی جائے تو

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۳-۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

سو کوڑوں سے کم ہونی چاہیے اور اگر وطی کے علاوہ کوئی اور سبب ہے تو کم از کم حد سے کم تعزیر ہونی چاہیے۔ کیونکہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کی اجازت سے اس کی باندی سے وطی کی اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور یہ تعزیر ہے، کیونکہ اس صورت میں شادی شدہ کی حد رجم ہے اور سو کوڑے رجم سے کم ہیں، اور سعید بن مسیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص مشترکہ باندی سے وطی کرے اس کو حد سے ایک کوڑا کم تعزیر لگائی جائے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ امام کی رائے سے تعزیر حد سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ روایت ہے کہ معن بن زائدہ نے بیت المال کی مہر کے نقش کے مطابق ایک مہر بنائی، پھر بیت المال کا محافظ اس کو پکڑ کر لایا اور اس سے مال برآمد کر لیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے اس کو سو کوڑے لگائے اور قید بھی کیا، پھر اس سے گفتگو کی اور پھر سو کوڑے لگائے پھر سہ بارہ اس سے بات کی اور سو کوڑے مزید لگائے اور شہر بدر کر دیا اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک نجاشی کو لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی تو حضرت علی نے اس کو اسی کوڑے حد لگائی اور رمضان کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے اس کو بیس کوڑے مزید لگائے۔ اور روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو الاسود کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا اور ان کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس نے گھر کا تمام سامان اکٹھا کر لیا تھا لیکن گھر سے سامان نکالا نہیں تھا، ابو الاسود نے کہا اس نے اس مسکین کو جلدی پکڑ لیا اور اس کو پچیس کوڑے لگا کر چھوڑ دیا۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے کسی ایسے جرم میں حد جاری کی جو حد کا مستوجب نہیں تھا وہ شخص حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے" نیز اس لیے کہ سزا بقدر جرم دی جاتی ہے اور جن جرائم کی حدود مقرر ہیں وہ دوسرے جرائم سے بڑے ہیں اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کم جرم میں زیادہ جرم کی سزا دی جائے اور مالکیہ کا جو قاعدہ ہے (کہ تعزیر حد سے زیادہ ہو سکتی ہے) اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ جو شخص کسی اجنبی عورت کو بوسہ دے اس کو زنا کی حد سے زیادہ سزا دی جائے اور یہ ناجائز ہے، اور جب زنا کی حد سے زیادہ کسی کو تعزیر نہیں دی جا سکتی جب کہ وہ بہت بڑی بے حیائی ہے تو جو جرائم اس جنس سے کم ہیں ان میں بطریق اولیٰ حد سے زیادہ تعزیر نہیں دی جا سکتی۔ اور معن بن زائدہ کو جب حضرت عمر نے تین سو کوڑے لگائے تھے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے اور بھی جرائم ہوں اور حضرت عمر نے ان سب کی اکٹھی سزا دی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے بیت المال سے بار بار مال نکالا ہو، نیز اس کے تین جرم تھے ایک جھوٹ بولا، دوسرا بیت المال سے ناجائز مال لیا، تیسرا جعلی مہر بنانے کا طریقہ ایجاد کیا، اور حضرت علی نے نجاشی کو دو جرموں پر سزا دی تھی، ایک شراب پی اور دوسرا رمضان کا روزہ نہیں رکھا اور ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کسی جرم پر بیس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ [1]

تعزیر کی مقدار میں فقہاء مالکیہ کا موقف اور حد اور تعزیر کے فرق کی تفصیل

علامہ ابو عبد اللہ العبدری مالکی لکھتے ہیں: علامہ ابن شاس نے کہا ہے کہ حد کی موجب جنایات سات ہیں، ان کے علاوہ جو جنایات یا ان کے مبادی ہیں وہ تعزیر کی موجب

[1] علامہ شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی شرح کبیر ج ۱۰ ص ۳۴۷-۳۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

ہیں اور تعزیر امام کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ ــــــــ حدود معین ہیں اور تعزیر معین نہیں ہے، اور حد کا قائم کرنا واجب ہے اور تعزیر کا قائم کرنا واجب نہیں ہے اور حد امر تعبدی ہے لہٰذا ربع دینار کی چوری ہو یا ایک لاکھ دینار کی چوری ہو دونوں کی ایک سزا ہے (یعنی ہاتھ کاٹنا) اس کے برخلاف تعزیر میں جرم کے اعتبار سے سزا دی جاتی ہے، حد صرف گناہوں کی سزا ہے اس کے برخلاف تعزیر مکلفین کو، جانوروں کو اور پاگلوں کو بھی لگائی جاتی ہے، نیز تعزیر توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، تعزیر میں جرم کو معاف کرنا اور شفاعت کرنا جائز ہے، حد میں عفو اور شفاعت جائز نہیں ہے، حد خواہ غیر مؤثر ہو اس کو قائم کیا جاتا ہے اس کے برخلاف تعزیر اگر کم ہونے کی وجہ سے غیر مؤثر ہو تو ساقط ہو جاتی ہے اور اگر زیادہ ہو تو عدم موجب کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن شاس نے کہا ہے کہ مالک اپنے حق میں بھی ملازم کو سزا دے سکتا ہے اور حقوق اللہ میں بھی سزا دے سکتا ہے، جو شخص کسی اجنبی عورت سے چھیڑ خوانی کرے اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں اور جو کسی عورت کو قید کرے اس کو چالیس کوڑے لگائے جائیں اور اگر عورت کی مرضی شامل ہو تو اس کو بھی چالیس کوڑے لگائے جائیں، اور اگر کوئی شخص کسی عورت کو بوسہ دے تو پچاس کوڑے لگائیں اور اگر عورت کی مرضی شامل ہو تو اس کو بھی پچاس کوڑے لگائیں۔

علامہ ابن شاس نے کہا ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا دی جائے، بعض کو کوڑے لگائے جائیں، بعض کو قید کیا جائے، بعض کو مجلس میں کھڑا کر دیا جائے اور بعض کی پگڑی اتار دی جائے۔ علامہ ابن شاس کہتے ہیں کہ تعزیر کی جنس کوڑوں کی ضرب یا ہاتھ کی ضرب یا قید وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں ہے خواہ وہ حد سے زیادہ ہو جائے۔ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ امام کے اجتہاد سے تعزیر کا حد سے زیادہ ہونا صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر نے بیت المال کی جعلی مہر بنانے والے کو سو کوڑے مارے تھے۔ علامہ ابن شاس نے کہا ہے کہ تعزیر میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ حد سے کم ہو اور اس تعزیر کو قتل تک پہنچانا جائز ہے۔ ایک شخص کسی بچے کے ساتھ ننگا پایا گیا، امام مالک نے اس کو چار سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اس کا بدن متورم ہو گیا اور وہ شخص مر گیا لیکن امام مالک نے اس پر افسوس نہیں کیا۔ [1]

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور قول یہ ہے کہ مجرم کو اس کے جرم اور اس کے فسق کی شہرت کے اعتبار سے سزا دینا امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، امام محمد بن حسن سے بھی یہی روایت ہے کہ ہزار کوڑوں تک بھی سزا دی جا سکتی ہے اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ حدود اللہ کے ماسوا میں کسی کو دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ اس کے جواب میں فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا جب مجرم کو یہ سزا کافی ہوتی تھی دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حکم حقوق اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ ابو الحسین مدینی امتیہ کے دور حکومت میں تونس میں ایک شخص بہت مشہور غنڈہ تھا جس کا نام ابن محمود تھا۔ اس کی غنڈہ گردی بہت پھیل چکی تھی۔ شیخ نے کہا اس کو اگر تین سو کوڑے بھی لگائے جائیں تو یہ اس کا اہل ہے۔ [2]

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، التاج والاکلیل لمختصر خلیل ج ۶ ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۸ھ،

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ ابی وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

تعزیر کی مقدار میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ تعزیر کے متعلق فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ امام احمد اور اسحاق کا نظریہ ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

۲۔ لیث سے روایت ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں اور اس سے زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔

۳۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ بیس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

۴۔ حضرت عمر سے دوسری روایت ہے کہ تیس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

۵۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ بیس سے کم کوڑے لگائے جائیں۔

۶۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے کہ چالیس سے کم کوڑے لگائے جائیں، امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے۔

۷۔ امام ابویوسف اور ابن ابی لیلی کا قول ہے کہ پچھتر کوڑے تک لگائے جا سکتے ہیں۔

۸۔ امام مالک کہتے ہیں کہ تعزیر لگانا امام کے اجتہاد پر موقوف ہے اور تعزیر کی سزا حد سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے، امام ابویوسف اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

۹۔ شیخ ابن حزم اور غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ تعزیر میں نو کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

۱۰۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ تعزیر کا حدود پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ تعزیر قاضی کی صواب دید پر موقوف ہوتی ہے اور تعزیر میں کبھی سزا کم دی جاتی ہے اور کبھی زیادہ۔ [۱]

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی حدود کے سوا کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔" [۲]

علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس جرم کا تعلق معصیت سے نہ ہو اس میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے، جیسا کہ باپ کا بیٹے کو تادیباً مارنا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جن جرائم کی سزا شریعت میں مقرر ہے (یعنی حدود) ان میں دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ دی جائے، اور جن جرائم کی سزا شریعت نے مقرر نہیں کی ان میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا دی جا سکتی ہے، امام مالک کی رائے یہ ہے کہ تعزیر میں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا ہوتی ہے اور یہ امام کی رائے پر موقوف ہے اور یہ سزا حد سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ علامہ مہلب نے کہا ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواصلین کو زیادہ سزا دی ہے اسی طرح امام کے لیے بھی اپنے اجتہاد سے زیادہ سزا دینا جائز ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس کے جرم کے اعتبار سے سزا دینا واجب ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ حدود سات ہیں: (۱) ارتداد (۲) ڈاکہ (۳) زنا (۴) زنا کی تہمت لگانا (۵) شراب نوشی (۶) چوری کرنا (۷) عاریت کا انکار کرنا جمہور نے ساتواں قتل کو شمار کیا ہے۔ سیدی) ان کے علاوہ باقی جرائم پر تعزیر ہے، ان جرائم میں بعض یہ ہیں: شراب نوشی کی تہمت لگانا، خنزیر کھانا، قوم لوط کا فعل کرنا، جانوروں سے بدکاری کرنا، عورتوں کا آپس میں مباشرت کرنا، بلا انکار نماز نہ پڑھنا، رمضان کا روزہ نہ رکھنا اور جادو کرنا۔ [۳]

---

[۱] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ،

[۲] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[۳] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ تعزیر چالیس کوڑوں تک نہیں پہنچنی چاہیے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے اسی روایت پر عمل کیا ہے۔ انھوں نے کہا کم از کم حد چالیس کوڑے ہے، کیونکہ اگر غلام تہمت لگائے یا شراب پیے تو اس کو حد میں چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص غیر حد میں حد جاری کرے وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے" امام ابو یوسف کا بھی یہی پہلا قول تھا پھر انھوں نے اس سے رجوع کر کے تعزیر میں پچھتر کوڑوں کا قول کیا، کیونکہ کم از کم حد اسی کوڑے ہے، اور غلام کی حد آزاد کی حد کی نصف ہے وہ کامل حد نہیں ہے، امام محمد کا بھی ایک یہی قول ہے اور امام ابو یوسف سے اناسی کوڑوں کی بھی ایک روایت ہے اور اس کی بھی وہی دلیل ہے کہ کم از کم حد یعنی اسی کوڑوں سے کم ہے۔ [1]

بوس وکنار، نصاب سے کم چوری اور غنڈہ گردی وغیرہ پر تعزیر کی تفصیل

علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی غیر محرم عورت کے ساتھ پکڑا جائے اور وہ دونوں جماع کے علاوہ باقی تمام حرام افعال کے مرتکب ہوئے ہوں تو ان کو تعزیر میں انتالیس کوڑے مارے جائیں، اور ہم کتاب الحدود میں بیان کر چکے ہیں کہ جس فعل حرام کی حد مقرر نہیں ہے اس میں تعزیر دی جائے گی اور یہ تعزیر امام کی رائے پر موقوف ہے اور یہ تعزیر جرم کی نوعیت کے اعتبار سے لگائی جائے گی اور یہ بہت بڑا جرم ہے، اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ تعزیر میں حد کی بہ نسبت زیادہ شدید ضرب لگائی جاتی ہے کیونکہ تعزیر میں صرف عدد کے اعتبار سے تخفیف ہے، اور تعزیر میں ضرر پہنچانے کے لیے اس کے کپڑے اتار لیے جائیں گے اور اس کی پشت پر کوڑے لگائے جائیں گے اور مختلف اعضاء پر کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ یہ رعایت صرف حدود میں ہے۔

جب کوئی چور کسی گھر میں نقب لگائے اور اس نے سامان کو ابھی گھر سے باہر نہ نکالا ہو یا وہ سامان گھر سے باہر نکال لیا ہو لیکن وہ دس درہم سے کم مالیت کا ہو تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے، اور عورت کو بھی مرد کی طرح تعزیر لگائی جائے گی، اور جو شخص غنڈہ گردی میں مشتبہ ہو اس کو پکڑ کر قید کر دیا جائے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت کی بناء پر قید کر دیا تھا۔

بلا عذر روزہ نہ رکھنے اور دیگر کبائر کی تعزیر کا بیان

اگر کوئی شخص رمضان کے مہینہ میں زنا کرے اور شبہ کی بناء پر اس سے حد ساقط ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو تعزیر لگائی جائے گی، جو مسلمان سود کھاتا ہو اور شراب بیچتا ہو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اسی طرح مخنث، نوحہ کرنے والی اور گانے والی کو ارتکاب حرام کی وجہ سے تعزیر لگائی جائے گی اور جب تک یہ توبہ نہ کریں ان کو قید میں رکھا جائے گا۔

اگر مسلمان کسی ذمی عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اسی طرح اگر مسلمان کسی ایسی عورت کو زنا کی تہمت لگائے جو زنا کر چکی ہے یا مسلمان کسی زانی مرد کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر تعزیر ہے کیونکہ ہر چند کہ یہ لوگ غیر محصن ہیں لیکن یہ افعال احرام ہیں کیونکہ ان میں اشاعت فاحشہ ہے اور بلاوجہ مسلمان کی پردہ دری ہے اور یہ موجب تعزیر ہے۔ [2]

---

[1] شمس الائمہ ابو الطفیل محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۳۶ - ۳۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] " " " ، المبسوط ج ۲۴ ص ۳۶ - ۳۵، " " "

مدافعت میں قتال کا جواز

جب ڈاکو راستہ میں کسی قوم پر ڈاکہ ڈالیں تو ان کے لیے اپنی جانوں اور اپنے اموال کی مدافعت اور حفاظت کے لیے ان سے قتال کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل ہو جائے وہ شہید ہے" اگر ڈاکو مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو مسلمانوں کے لیے ان کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان پر ڈاکوؤں سے قتال کرنا لازم ہے کیونکہ برائی سے روکنا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی امت کی اسی بنا پر تعریف کی ہے (یہ امت نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے) اس لیے جب وہ ڈاکوؤں سے مقابلہ پر قادر ہوں تو اس کو ترک کرنا ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان پر تلوار سونت لے یا چھری یا چاقو نکالے یا لاٹھی اٹھائے تو خواہ اس نے وار نہ کیا ہو پھر بھی اس پر تعزیر واجب ہے کیونکہ اس نے مسلمان کو ڈرایا اور اس کے قتل کا قصد کیا اور یہ ناجائز ہے۔

اگر کسی کے گھر میں شراب ہو اور وہ شخص فاسق ہو یا کچھ لوگ شراب کی مجلس لگائے بیٹھے ہوں تو ان پر تعزیر ہے کیونکہ شبہات سے حد ساقط ہوتی ہے تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔ روایت ہے کہ بعض فقہاء نے اس صورت میں ان پر حد لازم کر دی، امام ابوحنیفہ نے پوچھا ان پر حد کیوں لازم کی ہے؟ انھوں نے کہا ان کے پاس آلات شراب ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا پھر ان کو رجم بھی کرو کیونکہ ان کے پاس آلات زنا ہیں۔ [1]

مرد اور عورت کے اختلاط پر تعزیر

امام مالک، اور امام طحاوی کے نزدیک تعزیر کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور تعزیر میں زیادہ سے زیادہ کوڑے لگائے جا سکتے ہیں، امام ابویوسف اور ابوثور کا بھی ایک قول یہی ہے۔ حسب ذیل آثار میں مرد اور عورت کے اختلاط پر سو کوڑوں کی سزا بیان کی گئی ہے اور یہ امام مالک، امام طحاوی، امام ابویوسف اور امام طحاوی کی دلیل ہے:

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

محمد بن جعفر عن ابیہ عن علی انہ کان اذا وجد الرجل والمرأۃ فی ثوب واحد جلدھما مأۃ کل انسان منھما۔ [2]

جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب مرد اور عورت ایک کپڑے میں پائے جائیں تو حضرت علی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارتے تھے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

عن الحسن ان رجلا وجد مع امرأتہ قد اغلق علیھما وقد ارخی علیھما الاستار فجلدھما عمر بن الخطاب مأۃ مأۃ۔ [4]

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد ایک عورت کے ساتھ پکڑا گیا درآں حالیکہ انھوں نے دروازہ بند کیا ہوا تھا اور انھوں نے پردہ ڈالا ہوا تھا، حضرت عمر بن الخطاب نے ان کو سو سو کوڑے مارے۔

---

[1] شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۳۰-۳۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ
[2] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۴۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
[3] امام ابوبکر ابو عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۵ ص ۵۲۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
[4] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۴۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

تعزیر میں قتل کرنے کی تحقیق

قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ تعزیر میں کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

من قتل نفسا بغير نفس او فساد فی الارض فكانما قتل الناس جميعًا (مائدہ ۳۲:۵)

جس شخص نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد کے بغیر کسی انسان کو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح قصاص میں کسی کو قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح فساد پھیلانے کی وجہ سے بھی کسی شخص کو قتل کرنا جائز ہے، اور احادیث، آثار اور فقہ اسلام میں فساد پھیلانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

بعض علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے کیونکہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین وجوہات کے سوا کسی ایسے مسلمان شخص کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جو یہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، (وہ وجوہات یہ ہیں:) جان کا بدلہ جان، شادی شدہ زانی، دین (اسلام) ترک کر کے جماعت کو چھوڑنے والا۔[1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: قاضی ابن العربی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ قتل کے دس اسباب ہیں، اور وہ کسی حال میں ان تین وجوہات سے خارج نہیں ہیں، کیونکہ جس نے جادو کیا یا اللہ یا رسول یا فرشتہ کو گالی دی وہ کافر ہے اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: من قتل نفسا بغير نفس او فساد فی الارض فكانما قتل الناس جميعا (مائدہ ۳۲:۵) "جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد کے بغیر کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا" اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی شخص کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے اسی طرح کسی شخص کو زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے بھی قتل کرنا جائز ہے۔ (اور یہ تعزیراً قتل کرنے کے جواز کی قوی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ) اسی طرح یہ حدیث اس حدیث سے بھی منسوخ ہے جس میں ہے عمل قوم لوط کرنے والے فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔ اور جانور سے بدکاری کرنے والے کو قتل کر دو۔[3]

اب ہم ان احادیث کو پیش کر رہے ہیں جن میں تعزیراً قتل کرنے کا ثبوت ہے!

احادیث سے تعزیر میں قتل کرنے کا ثبوت

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن قرة بن اياس المزنی ان رجلا تزوج امرأة ابيه فامر النبی صلی الله عليه وسلم بقتله۔[4]

حضرت قرۃ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن البراء بن عازب قال لقیت عمی و معہ رایۃ فقلت له این ترید فقال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل نکح امراۃ ابیہ فامرنی ان اضرب عنقہ و آخذ مالہ [1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی ان کے پاس ایک جھنڈا تھا، میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا مال ضبط کر لوں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ ومن وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ واقتلوا البھیمۃ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو، اور جو شخص جانور سے بدکاری کرے اس کو قتل کر دو، اور جانور کو بھی قتل کر دو۔

تعزیر میں قتل کرنے کے ثبوت میں فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد سے یہ روایت ہے کہ محارم سے وطی کرنے والے کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا، جابر بن زید، ابو ایوب اور ابن ابی خیثمہ کا بھی یہی قول ہے اور اسماعیل بن سعید نے امام احمد سے یہ روایت کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی یا کسی اور محرم سے نکاح کیا۔ اس شخص کو قتل کر دیا جائے اور اس کے مال کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ [4]

سنن ابوداؤد کی حدیث اور امام احمد کے اس قول میں یہ بھی دلیل ہے کہ تعزیراً مال ضبط کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام ابوعبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ

[4] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

وقالوا جاز فیه احد الامرین انه للاستحلال او امر بذلك سياسة وتعزيرا۔[1]

فقہاء نے کہا ہے کہ اس شخص کو قتل کرنے کا حکم آپ نے یا اس وجہ سے دیا تھا کہ اس نے محارم سے نکاح کو حلال سمجھ لیا تھا (یعنی وہ مرتد ہو گیا تھا) اور یا آپ نے اس کو سیاسۃ اور تعزیراً قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

عمل قوم لوط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ حدیث میں جو فاعل اور مفعول کو قتل کرنے کا حکم ہے یہ سیاسۃً (تعزیراً) ہے۔[3]
علامہ بابرتی لکھتے ہیں: یہ مسئلہ امام کی رائے پر موقوف ہے اگر وہ شخص لواطت کا عادی ہو تو اس کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو کوڑے مارے اور قید کر دے۔[4]
علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا لواطت کی سزا میں اختلاف تھا۔ بعض نے کہا ان کو آگ میں جلا دیا جائے، بعض نے کہا ان پر دیوار گرا دی جائے، بعض نے کہا ان کو بلندی سے پھینک کر ان پر پتھر برسائے جائیں۔[5]
علامہ سرخسی حنفی نے لواطت کے بارے میں صحابہ کرام کی مختلف آراء کو بیان کرنے کے بعد لکھا:

بقيت هذه جريمة لا عقوبة لها في الشرع مقدرة فيجب التعزير فيه يقينا وما وراء ذلك من السياسة موكول الى راى الامام ان راى شيئا من ذلك فى حق فلان يفعله شرعا۔[6]

یہ وہ جرم ہے جس کی شریعت میں کوئی ایک سزا مقرر نہیں ہے اس لیے اس میں تعزیر یقیناً واجب ہے اور یہ تمام سزائیں امام کی رائے پر موقوف ہیں، اگر امام کسی شخص کے بارے میں یہ سزا ضروری خیال کرے تو اس کو یہ سزا دینے کا شرعاً اختیار ہے۔

علامہ عبدالعلی برجندی حنفی لکھتے ہیں: کافی میں ہے تعزیر کبھی قید سے ہوتی ہے کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے اور کبھی کوڑے

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[4] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[5] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[6] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۹ ص ۷۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

مارنے سے، امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ مال کا جرمانہ لازم کرنے سے بھی تعزیر ہوتی ہے، شرح الطحاوی میں ہے کہ اشراف مثلاً علماء اور مشائخ کی تعزیر یہ ہے کہ کہا جائے آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، عام بازاری لوگوں کی تعزیر قید کرنا ہے اور بدمعاش اور غنڈوں کی تعزیر ان کو کوڑے مارنا، قید کرنا اور ان کی سزا کو شہرت دینا ہے۔

علامہ برجندی لکھتے ہیں: ان سزاؤں کے علاوہ بھی تعزیر ہے مثلاً مبتدعین کے امام کا گھر جلا دیا جائے اس کو شہر بدر کر دیا جائے یا اس کو سیاستاً قتل کر دیا جائے۔ [1]

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: فقہاء نے تعزیر میں قتل کرنے کا بھی ذکر کیا ہے تبیین الحقائق میں ہے ہندوانی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک مرد کو ایک عورت کے ساتھ (زنا کرتے ہوئے) دیکھا کیا اس کے لیے اس مرد کو قتل کرنا جائز ہے۔ ہندوانی نے کہا اگر اس کو یہ یقین ہے کہ اس کے شور مچانے اور بغیر اسلحہ کے مارنے سے وہ باز آ جائے گا تو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس کو یقین ہے کہ وہ اس سے باز نہیں آئے گا تو اس کے لیے قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت رضامند ہو تو اس عورت کو بھی قتل کرنا جائز ہے منیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی مرد کو اس شخص کی بیوی سے زنا کرتے دیکھا یا اس شخص کی محرم سے زنا کرتے دیکھا درآں حالیکہ وہ دونوں رضامند ہیں تو وہ مرد اور عورت دونوں کو قتل کر دے، اھ (علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:) اس فرق سے یہ واضح ہوا کہ اجنبی عورت کو اس وقت تک قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ یقین نہ ہو کہ وہ ڈانٹ ڈپٹ سے باز نہیں آئے گی اور بیوی اور محرم کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ جب بھی وہ کسی مسلمان کو زنا کرتے دیکھے تو اس کو قتل کر دے اور اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ شخص اس کو قتل کر دے گا یا اس کے زنا کرنے کی تصدیق نہیں کی جائے گی تو وہ قتل کرنے سے باز رہے، اسی طرح زبردستی ظلم کرنے والوں، ناجائز ٹیکس لینے والوں اور ڈاکوؤں کو بھی قتل کرنا جائز ہے اور ان کو قتل کرنا باعث اجر ہے اھ صاحب مجتبیٰ کہتے ہیں کہ مصنف نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان ظالموں اور معصیت کاروں کو کون قتل کرے گا فقہاء نے کہا ہے کہ جس وقت وہ ارتکاب معصیت کر رہے ہوں تو ہر مسلمان کے لیے ان کو قتل کرنا جائز ہے، اور ارتکاب معصیت کے بعد حاکم کے علاوہ اور کسی کے لیے ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص کو ایسی بدکاری کرتے دیکھا جس پر تعزیر ہے اور اس نے قاضی یا حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو سزا دی تو اگر اس نے ارتکاب معصیت کے بعد سزا دی ہے تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ سزا دینے والے کو سزا دے اور اگر ارتکاب معصیت کے دوران سزا دی ہے تو ٹھیک ہے کیونکہ یہ برائی سے روکنا ہے اور اس کا ہر شخص مکلف ہے۔ [2]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: خانیہ میں ہے ایک شخص نے کسی آدمی کو اپنی بیوی سے زنا کرتے دیکھا، یا کسی اور کسی شخص کی بیوی سے زنا کرتے دیکھا اور زنا کرنے والا شادی شدہ تھا، اس نے اسے چیخ کر ڈانٹا لیکن وہ زنا سے باز نہیں آیا تو اس شخص کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر اس نے اس زنا کرنے والے کو قتل کر دیا تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہے، چوری میں بھی اسی طرح حکم ہے، ایک شخص نے کسی کو اپنا مال چراتے دیکھا یا اپنی یا کسی اور کی

---

[1] علامہ عبد العلی برجندی، برجندی علی شرح وقایہ ج ۴ ص ۶۸، مطبوعہ منشی نولکشور ۱۳۲۲ھ

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق ج ۵ ص ۴۲-۴۱، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

دیوار میں نقب لگاتے دیکھا دراں حالیکہ وہ چور معروف ہو تو اس شخص کے لیے اس چور کو قتل کرنا جائز ہے اور اس پر قصاص نہیں ہے۔[1]

قاضی شوکانی لکھتے ہیں: سنن نسائی کے علاوہ تمام کتب صحاح ستہ میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدود کے سوا کسی حد میں اسی کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ اور اس حدیث میں حدود سے مراد حدود مخصوصہ مثلاً زنا وغیرہ کی حدود مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حد سے مراد مطلقاً معصیت کی سزا ہے کیونکہ ان حدود مخصوصہ کے ساتھ حد کو خاص کر لینا متاخرین فقہاء کی اصطلاح ہے اور شریعت میں ہر معصیت پر حد کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ، شیخ ابن قیم کی بھی یہی رائے ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جو ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ باپ جو چھوٹے بچے کو تادیباً سزا دیتا ہے وہ دس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔[2]

نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا شرابی کو چوتھی بار شراب پینے کے بعد قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، شیخ ابن حزم نے اس نظریہ کو تقویت پہنچائی ہے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے اور عدم قتل کے دعویٰ اجماع کو رد کر دیا ہے اور حضرت ابن عمرو کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔[3]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک بھی تعزیراً قتل کرنا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ، فتاویٰ تابعین اور فقہاء اسلام کی تصریحات کی روشنی میں تعزیراً قتل کرنا جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ایسا جرم ہو جس کی سزا میں قتل کرنا قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

بَابُ الْحُدُوْدِ كَفَّارَاتٌ لِأَهْلِهَا　حدود گناہوں کا کفارہ ہیں

۴۳۴۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِدْرِيْسَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَجْلِسٍ فَقَالَ تُبَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں تھے، آپ نے فرمایا تم لوگ مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، اور زنا نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام کر دیا ہے اس کو بے گناہ قتل نہیں کرو گے، تم میں سے جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس نے ان محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کر لیا اور اس کو سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے، اور جس نے ان میں سے کسی حرام کام کو کیا اور اللہ نے

---

[1] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق علی ہامش البحر ج ۵ ص ۴۲-۴۱، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

[2] قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، نیل الاوطار ج ۹ ص ۲۰، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۸ھ

[3] نیل الاوطار ج ۹ ص ۱۶، 〃 〃 〃 〃

تَسْرِقُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَعُوْقِبَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ.

اس پر پردہ رکھا، تو اس کا معاملہ اللہ کی طرف مفوض ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے۔

۴۳۴۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَزَادَ فِي الْحَدِيْثِ فَتَلَا عَلَيْنَا اٰيَةَ النِّسَآءِ اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا الْاٰيَةَ.

امام مسلم نے اسی سند کے ساتھ زہری سے یہ روایت بیان کی ہے اور اس میں یہ زیادہ ہے: آپ نے سورۂ نساء کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ان لا یشرکن باللہ شیئا الایۃ

۴۳۴۹- وَحَدَّثَنِيْ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ سَالِمٍ اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْاَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اَخَذَ عَلَى النِّسَآءِ اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا وَلَا يَعْضَهَ بَعْضُنَا بَعْضًا فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَتٰى مِنْكُمْ حَدًّا فَاُقِيْمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ وَمَنْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهٗ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اسی طرح عہد لیا جس طرح آپ نے عورتوں سے عہد لیا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، ہم چوری نہ کریں، ہم زنا نہ کریں، ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں اور نہ ہم میں سے کوئی دوسرے پر افترا باندھے۔ آپ نے فرمایا سو تم میں سے جس نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر ہے، اور تم میں سے جس نے کسی حد کا ارتکاب کیا اور اس پر وہ حد قائم کر دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے۔

۴۳۵۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ اَبِي الْخَيْرِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّهٗ قَالَ اِنِّيْ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی، اور آپ نے ہم سے اس پر بیعت لی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے،

لِمِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا نَنْتَهِبَ وَلَا نَعْصِيَ فَالْجَنَّةُ إِنْ فَعَلْنَا ذٰلِكَ فَإِنْ غَشِيْنَا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا كَانَ قَضَاءُ ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ رُمْحٍ كَانَ قَضَاؤُهُ إِلَى اللّٰهِ۔

ہم زنا نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے، ہم اس کو حق کے سوا قتل نہیں کریں گے اور ہم لوٹ مار نہیں کریں گے اور نہ معصیت کریں گے، تو ہمارے لیے جنت ہے، اگر ہم نے ان ممنوعہ کاموں میں سے کسی کام کو کیا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھ لیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے ذمہ ہے، ابن رمح نے کان قضاءہ الی اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسلام میں بیعت کا تصور

اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۴۷ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تم لوگ مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے" الحدیث"

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ بیعت علی الاسلام کا معنی ہے اسلام کا عقد اور معاہدہ کرنا اس پر بیعت کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ اس عقد کو عقد مالی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ عقد مالی میں ایک شخص ایک چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کے عوض میں اس کو مال دیتا ہے اور یہاں مسلمانوں کی طرف سے اطاعت کا التزام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثواب کا وعدہ ہے۔ [۱]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ۔ (توبہ: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

امام رازی لکھتے ہیں علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے، کہ جب مکہ میں لیلۃ العقبہ کو ستر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے نفس کے لیے ہم سے جو شرط چاہیں منوالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کے لیے یہ شرط ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور میرے لیے شرط یہ ہے کہ تم اپنی جانوں اور مالوں کو جن چیزوں سے باز رکھتے ہو ان سے مجھ کو بھی باز رکھنا یعنی جس طرح اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو اس طرح میری حفاظت کرنا، صحابہ کرام نے عرض کیا جب ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا صلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت، صحابہ نے کہا یہ منفعت بخش بیعت ہے، ہم اس بیعت کو توڑیں گے نہ توڑنے کا مطالبہ کریں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

---

[۱] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۵۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[۲] امام فخرالدین محمد بن ضیاءالدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ

اسلام میں بیعت کا اطلاق دو چیزوں پر کیا جاتا ہے، ایک بیعت علی الامارۃ ہے یعنی خلیفہ یا امیر کی بیعت، دوسری بیعت استرشاد ہے یعنی کسی مرد صالح یا مرشد کی بیعت کرنا، بیعت امارت کا تصور اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ومن بایع اماما فاعطاہ صفقۃ یدہ وثمرۃ قلبہ فلیطعہ ان استطاع[1]

جس شخص نے کسی امام سے بیعت کی، اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور دل سے اس کے ساتھ ہو، وہ بقدر استطاعت اس کی اطاعت کرے۔

اور بیعت استرشاد کا تصور اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ (مائدہ ۵، ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

ایمان، اعمال صالحہ، فرائض کی ادائیگی، اتباع سنت اور محرمات اور مکروہات سے بچنا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کے قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور جس مرد صالح اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الٰہی کے ذریعہ میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قول جمیل میں لکھتے ہیں کہ آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے، اور اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند، پس تلاش بنا بر فلاح حقیقی و فوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری است و سنۃ اللہ بر ہمیں منوال جاریست لہٰذا بدون مرشد راہ یابی نادر است۔[2]

اہل سلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ گردانتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں، اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے، اس لیے مرشد کی راہنمائی کے بغیر اس راہ کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

شیخ طریقت کی شرائط

مرشد کے لیے چار شرائط ہیں، جس شخص میں یہ چار شرائط نہ ہوں اس کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱)۔ مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو، یعنی اہل سنت و جماعت ہو، امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے جن بدعقیدہ گیوں کا رد کیا ہے ان میں سے کسی میں ملوث نہ ہو۔

(۲)۔ عقائد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو، حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کر سکتا ہو۔

(۳)۔ علم کے مطابق عمل کرتا ہو، فرائض، واجبات اور سنن اور مستحبات پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچتا ہو۔

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] شیخ محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ، صراط مستقیم ص ۵۰، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی نسبت متصل ہو یعنی اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو یہ چار شرطیں ضروری ہیں ان کے علاوہ اگر اس کو سند خلافت حاصل ہو اور بیعت کرنے کی اجازت بھی ہو تو بہتر ہے۔ وہ لوگ جو کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور شریعت پر عمل نہیں کرتے یا جن کو شریعت کا علم نہیں اور حقیقت اور معرفت کی باتیں کرتے ہیں ان کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے اور اس زمانے میں ایسے پیشہ ور پیر بکثرت ہیں، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

یہ شرائط امام احمد رضا قادری نے فتاویٰ افریقیہ [۱] اور الملفوظ میں بیان کی ہیں۔ [۲]

بیعتِ برکت ارباب سلوک نے بیان کیا ہے کہ بیعت کی دو قسمیں ہیں: بیعت ارادت اور بیعت برکت۔ بیعت برکت یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے کے لیے کسی سلسلہ میں بیعت کر لی جائے، آج کل عام طور پر یہی بیعت ہوتی ہے، اس بیعت کے لیے بھی ضروری ہے کہ ایسے شخص سے بیعت کی جائے جو مذکور الصدر چار شرائط کے ساتھ متصف ہو، یہ بیعت بھی دنیا اور آخرت میں نہایت مفید ہے کیونکہ مقربین بارگاہ الٰہیہ کے سلسلہ سے متصل ہو جانا فی نفسہٖ سعادت ہے نیز اس سے ان لوگوں سے مشابہت ہوتی ہے جو اس راہ میں حقیقۃً سالک ہیں، اور فرمان رسالت کے بموجب "جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے" تو کچھ عجب نہیں کہ تبرکاً بیعت کرنے والے کا شمار بھی حقیقی سالکوں ہی سے ہو جائے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں کہ خرقہ دو قسم کا ہے خرقہ ارادت اور خرقہ تبرک، اور مشائخ اپنے مریدین کے لیے جس چیز کا درحقیقت قصد کرتے ہیں وہ خرقہ ارادت ہے اور خرقہ تبرک خرقہ ارادت کے مشابہ ہے اور جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے اس کا اسی میں شمار ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل فرماتا ہے ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔ [۳] "یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہوتا، لہٰذا جو شخص صالحین سے تبرکاً بھی بیعت کرے خواہ ان کی مکمل اتباع نہ کرے وہ ان کی برکت سے محروم نہیں ہوگا، محبوبانِ خدا آیت رحمت ہیں۔ وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا بنا لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں، سیدی ابوالحسن نورالدین بہجۃ الاسرار میں لکھتے ہیں، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ جس شخص نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت نہ کی ہو، مگر وہ آپ کا نام لیوا ہو کیا اس کا حضور کے مریدین میں شمار ہو گا؟ فرمایا جو شخص اپنی نسبت میری طرف کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راستہ پر ہو تو اس کو توبہ کی توفیق دے گا اور وہ میرے مریدوں میں شامل ہے اور بے شک میرے رب نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میرے مریدوں اور میرے ہم مذہبوں کو اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا، والحمد للہ رب العالمین۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے تانبے

---

[۱] امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ ص ۱۴۷ - ۱۴۲، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

[۲] " " ، الملفوظ ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

[۳] امام ابوالحسین قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

قتل کیے پھر اس نے یہ پوچھنا شروع کیا: کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے ایک راہب (پیر یا درویش) سے یہ سوال کیا اس نے کہا تیری توبہ نہیں ہے، اس نے اس راہب کو قتل کر دیا، پھر اس نے ایک عالم سے سوال کیا، عالم نے کہا تمہاری توبہ ہو سکتی ہے، اور اپنے علاقہ کی طرف لوٹ کر نہ جانا کیونکہ وہ برا علاقہ ہے، وہ شخص روانہ ہو گیا اور ابھی راستے میں تھا کہ اسے موت نے آ لیا پھر اس کے متعلق رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں بحث ہوئی، رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ تائب ہو کر اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر آیا تھا، اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیکی نہیں کی پھر ایک فرشتہ ان کے پاس آدمی کی صورت میں آیا جس کو انہوں نے اپنے درمیان فیصل بنا لیا، اس نے کہا ان دونوں زمینوں کی پیمائش کرو اور جس زمین کے یہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرو، جب انہوں نے اس زمین کی پیمائش کی تو وہ اس بستی کے قریب تھا جس کی طرف اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا، سو رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا تھا کہ وہ دور ہو جائے اور اس زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جائے[1]

اور یہ صرف اللہ کے نیک بندوں کے پاس جا کر عبادت کرنے کا ارادہ تھا اور ان نیک بندوں کی برکت تھی کہ ابھی وہاں گیا نہیں، ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، توبہ نہیں کی، صرف ان کے پاس جانے کی نیت کی وجہ سے بخشا گیا!

بیعت ارادت

بیعت ارادت یہ ہے کہ مرید اپنے ارادہ اور اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ کامل، ہادی برحق اور واصل بحق کے ہاتھ میں بالکلیہ سپرد کر دے اور راہ سلوک میں اس کو مطلقاً اپنا حاکم مالک، اور متصرف سمجھے، راہ سلوک میں کوئی قدم اس کی مرضی کے بغیر نہ رکھے، اس کی کسی بات پر دل میں اعتراض نہ کرے دھیان رہے کہ یہ شیخ کامل کے لیے ہے جو متبع شریعت ہو، وہ پیشہ ور پیر جو خلاف شرع کام کرتے ہیں، اس حکم میں داخل نہیں ہیں) راہ سلوک کی ہر مشکل اور دشواری اس پر پیش کرے اور اس کے ساتھ اس طرح رہے جیسے مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، یہ بیعت سالکین ہے اور مشائخ مرشدین کا یہی مقصود ہے، یہی بیعت اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی بیعت لی ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی کہ ہر آسانی اور دشواری اور ہر خوشی و ناخوشی میں آپ کا حکم سنیں گے اور آپ کی اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم سے اس وقت تک سرتابی نہیں کریں گے جب تک دلائل سے اس کا کھلم کھلا کفر ثابت نہ ہو[2]

شیخ کامل اور ہادی برحق کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور رسول اللہ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں مجال دم زدن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص

کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی حکم دیں تو

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ ھ

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵، ″ ″ ″

الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبيناً۔ (احزاب، ۳۶)

پھر اس کو اس حکم میں کوئی اختیار ہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

شیخ شہاب الدین عوارف المعارف میں لکھتے ہیں: شیخ کامل کے زیر حکم ہونا اللہ اور رسول کے زیر حکم ہونا ہے اور سنت بیعت کو زندہ کرنا ہے، اور یہ صرف اس مرید کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی جان کو شیخ کے احکام میں مقید کر دے، اپنے ارادہ سے بالکلیہ باہر نکل آئے اور اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہو جائے، نیز فرماتے ہیں: شیخ کامل پر اعتراض کرنے سے بچے کہ یہ مریدوں کے لیے زہر قاتل ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی مرید اپنے شیخ برحق پر اعتراض کرے اور پھر اس کو فلاح حاصل ہو، اگر اس کو شیخ کامل کے کچھ کام بظاہر صحیح معلوم نہ ہوں تو قرآن میں حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات کو یاد کرے کیونکہ ان سے بظاہر ایسے کام صادر ہوئے تھے جن پر سخت اعتراض ہوتا تھا جیسے مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کر دینا اور بے گناہ بچے کو قتل کر دینا، پھر جب انھوں نے اس کی وجہ بتائی تو معلوم ہوا کہ حق وہی تھا جو انھوں نے کیا تھا۔ اسی طرح مرید کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ شیخ کامل کا جو فعل مجھے بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا شیخ کے پاس ضرور اس کی صحت کے لیے کوئی دلیل قطعی ہوگی۔

تاہم اس مسئلہ میں اس چیز کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور ان کے جو افعال بظاہر خلاف شریعت تھے وہ سب احکام خداوندی کے مطابق تھے کیونکہ ان پر وحی نازل ہوتی تھی اور وہ جو کچھ کرتے تھے وحی الٰہی کے مطابق کرتے تھے اور اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے بعد وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے اب صرف شریعت معیار ہے جو شخص شیخ اور پیر ہونے کا دعویٰ کرے اور حرام کام کرے یا فرائض کو ترک کر دے اس سے بیعت توڑ دینی واجب ہے۔ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں: کسی شخص نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہو چکے ہیں یعنی اب ہم پر شریعت کی اتباع لازم نہیں ہے، حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: انھوں نے سچ کہا وہ واصل تو ضرور ہوئے ہیں مگر جہنم میں واصل ہوئے ہیں، چور اور زانی ایسے عقیدہ والوں سے بہتر ہیں۔

ان تمام مطالب کی مکمل تفصیل کے لیے فتاویٰ افریقیہ ملاحظہ فرمائیں۔ [۱]

تبدیل بیعت اور تجدید بیعت کا حکم

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں: تبدیل بیعت بلا وجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید بیعت جائز بلکہ مستحب ہے مثلاً کوئی شخص سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت نہ ہوا ہو، وہ اپنے شیخ سے انحراف کیے بغیر اس سلسلہ عالیہ میں بیعت کرے تو یہ تبدیل نہیں بلکہ تجدید ہے۔ کیونکہ جمیع سلاسل اسی سلسلہ عالیہ کی طرف راجع ہیں۔ [۲]

ایک اور مقام پر امام احمد رضا قادری تجدید بیعت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اکوع سے ایک جلسہ میں تین بار بیعت لی جیسا کہ جابر سے تھے پہلی بار فرمایا

۱؎ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ ص ۱۶۰ - ۱۵۰، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲؎ ،، ،، الملفوظ ج ۱ ص ۱۴۳، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

تو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، تھوڑی دیر بعد حضور نے فرمایا سلمہ تم بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی حضور ابھی کر چکا ہوں! فرمایا پھر بھی! انہوں نے پھر بیعت کی، آخر میں جب سب حضرات بیعت سے فارغ ہوئے پھر ارشاد ہوا سلمہ تم بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میں دو بار بیعت کر چکا ہوں فرمایا پھر بھی! غرض ایک مجلس میں آپ نے حضرت سلمہ سے تین بار بیعت لی۔ [1] اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک استاذ سے نسبت تلمذ توڑے بغیر کوئی شخص دوسرے استاذ سے بھی سبق پڑھے۔ سعیدی غفرلہٗ

کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض یا ضروری ہے؟

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں لکھا ہے "میں نے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ جس نے کسی فلاح پانے والے کی زیارت نہیں کی وہ فلاح نہیں پانے گا" نیز لکھا ہے کہ سیدنا بایزید بسطامی نے فرمایا جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ امام قشیری رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتا کیونکہ بایزید یہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

ان عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے کسی پیر کی بیعت کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو وہ فلاح نہیں پاسکتا اور جس کا کوئی مرشد نہ ہو وہ شیطان کا مرید ہے۔ امام احمد رضا قادری اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں: فلاح دو قسم کی ہے فلاح ظاہر اور فلاح باطن۔

فلاح ظاہر یہ ہے کہ قلب اور بدن دونوں پر جس قدر احکام الٰہیہ ہیں سب کو بجا لائے نہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ کسی گناہ صغیرہ پر اصرار کرے، اسی طرح قلب میں کسی سے کینہ اور بغض نہ رکھے، بدگمانی نہ کرے، بخل نہ کرے، غفلت اور سنگدلی نہ کرے۔ اس کو فلاح ظاہر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ کرنا یا نہ کرنا ہے اس کے احکام شریعت میں ظاہر اور واضح ہو چکے ہیں۔

فلاح باطن یہ ہے کہ قلب اور بدن برے کاموں سے خالی ہوں اور نیک کاموں سے مزین ہوں اس کے بعد دل کو شرک خفی سے پاک کیا جائے حتیٰ کہ لا مقصود الا اللہ، لا مشہود الا اللہ اور پھر لا موجود الا اللہ سے متصف ہو جائے یعنی اولاً دل ارادہ غیر سے خالی ہو پھر نظر غیر نہ رہے پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لیے باقی ہے باقی سب ظل اور سایہ ہے۔ بہر حال فلاح کے لیے مرشد ضروری ہے خواہ فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن!

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں: مرشد کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مرشد عام، دوسرا مرشد خاص۔ مرشد عام کلام اللہ، کلام رسول، کلام ائمہ شریعت و طریقت اور کلام علماء دین ہے۔ عوام کا رہنما کلام علماء، علماء کا رہنما، کلام ائمہ شریعت و طریقت، ائمہ کا مرشد کلام رسول، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی کلام اللہ۔ فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن وہ اس مرشد عام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جو اس مرشد عام کو نہ مانے وہ کافر یا گمراہ ہے اور اس کی عبادت ضائع اور مردود ہے۔

مرشد خاص یہ ہے کہ مسلمان کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے۔ [2]

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن، سنت، ائمہ مجتہدین اور علماء کے فتاویٰ کو مانتا ہو اور ان کے احکام کے مطابق عمل

---

[1] امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ ج ۲ ص ۵۷-۵۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

[2] " " فتاویٰ افریقیہ ص ۱۴۸-۱۳۸، مجملاً مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

کرتا ہو وہ بے مرشد نہیں اور اس کے لیے کسی خاص شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا فرض یا ضروری نہیں ہے البتہ کسی مرد صالح کے ہاتھ پر بیعت کر کے تائب ہونا اور کسی سلسلہ طریقت میں منسلک ہو جانا مستحسن ہے اور دنیا اور آخرت کی بہت سی سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

قتل اولاد سے ممانعت کی تخصیص کے جوابات

حدیث نمبر ۴۳۴۹ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا کہ "ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں" اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ غیر اولاد کا قتل بھی تو ممنوع ہے اور اس حدیث سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ غیر اولاد کو قتل کرنا جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور مفہوم مخالف سے استدلال جائز نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اس وقت اعتبار ہوتا ہے جب کوئی حکم باعتبار عادت غالبہ کے نہ لگایا جائے اور یہ حکم باعتبار عادت غالبہ کے لگایا گیا ہے کیونکہ اولاد کو قتل کرنا اہل عرب کی عادت غالبہ تھی، وہ لوگ رزق کی تنگی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عرب اولاد کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور یہ قتل کی انتہائی قبیح صورت ہے اس وجہ سے اس سے بالخصوص منع فرمایا اور چوتھا جواب یہ ہے کہ قتل اولاد میں دو جرم ہیں ایک قتل ہے اور دوسرا قطع رحمی کرنا اس وجہ سے اس سے بالخصوص منع فرمایا۔

ثواب اور عذاب میں اہل سنت اور دیگر مکاتب فکر کے نظریات

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، نیکوکاروں کو ثواب دینا اور گنہ گاروں کو معاف کرنا اس کا فضل ہے اور کفار کو عذاب دینا اس کا عدل ہے، وہ کسی چیز کا پابند نہیں ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے پکڑ لے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں ہے جس نے کوئی حرام کام کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کی طرف مفوض ہے، اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے، اور اس میں اس کی دلیل ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب توبہ کرنے سے پہلے مر گیا تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو ابتداءً جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو عذاب دینے کے بعد جنت میں داخل کرے، یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کی معافی نہیں ہو سکتی اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور خوارج گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث ان دونوں کے خلاف حجت ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کسی شخص کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے ماسوائے اس شخص کے جس کے متعلق حدیث میں کوئی تصریح ہو۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم میں سے جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر (واجب) ہے، اس کلمہ (علی) سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اجر دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجوب بندے کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی جہت سے ہے کیونکہ کریم جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہیں کرتا، رہا یہ کہ لفظ اجر کا اطلاق بھی استحقاق کا مشعر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق صوری ہے یعنی نیک اعمال پر ثواب کے ترتب کو مزدور کی اجرت دینے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بُرے کاموں کے نہ کرنے پر بیعت لی ہے نیک کاموں کے کرنے پر بیعت نہیں لی ——— اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث نمبر ۴۲۵۰ میں ہے اور نہ معصیت کریں گے اور امام بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "اور نہ کسی نیک کام کرنے میں معصیت کریں گے" اور اس ایک جملہ میں تمام نیکیوں کا حکم آگیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیکی نہ کرنا بھی معصیت ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ نیکی کرنے کی بہ نسبت بُرائی سے بچنا زیادہ اہم ہے اس لیے آپ نے بُرے کام نہ کرنے پر خصوصاً بیعت لی، ایک یہ سوال بھی ہے کہ اس حدیث میں تمام بُرے کاموں سے بچنے پر بیعت نہیں لی گئی مثلاً مال یتیم نہ کھانے اور سود نہ کھانے پر بیعت نہیں لی اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو ان کاموں کی اس وقت تک حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، یا بعض کو بعض پر قیاس کر لیا گیا یا ان کاموں کے نہ کرنے پر عہد لیا گیا جن کی حرمت زیادہ شدید ہے۔

حدود کے کفارہ ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں ہے "جس نے محرمات میں سے کسی کام کا ارتکاب کیا اور اس کو سزا دے دی گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے" حدیث کے اس جز کی وجہ سے ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ شرک کے سوا جب کسی جرم پر حد نافذ کر دی جائے تو آیا وہ حد اس جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے اور اس سے اُخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ملا علی قاری لکھتے ہیں: اکثر علماء نے اس حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ حدود کفارہ ہو جاتی ہیں، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ "مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں!" اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ اس حدیث سے پہلے کی حدیث ہے کیونکہ پہلی حدیث میں علم کی نفی ہے اور اس میں اثبات ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے ان گناہوں پر توبہ نہ کی تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ توبہ نہ کرنا بھی گناہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون۔ "جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں" [1]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ حدود جرائم کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں، لیکن حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث باعتبار سند کے زیادہ صحیح ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت، حضرت عبادہ سے پہلے کی ہو اور بعد میں آپ کو یہ علم ہو گیا ہو، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ [2]

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس واقعہ کا ذکر ہے، جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں بیعت عقبہ کی

---

[1] علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

تھی یہ پہلی بیعت تھی جو منیٰ میں واقع ہوئی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے کافی بعد سات ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر اسلام لائے تھے تو حضرت ابوہریرہ کی روایت حضرت عبادہ بن صامت کی روایت پر مقدم کیسے ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ سنا ہو بلکہ کسی اور صحابی سے سنا ہو جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے سنا ہو اور یہ نہیں سُنا ہو کہ آپ نے بعد میں فرمایا ہے حدود کفارہ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ حضرت عبادہ نے سُنا تھا، بعض علماء نے اس جواب کو رد کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے خود سننے کی تصریح کی ہے اور اس وقت تک حدود کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

علامہ عینی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حضرت عبادہ کی حدیث پر مقدم ہے لیکن حضرت عبادہ بن صامت کی روایت میں جو بیعت کا واقعہ مذکور ہے یہ لیلۃ العقبہ (ہجرت سے پہلے حج کے موقع پر جن گھاٹیوں میں حضور مدینہ سے آنے والوں کو تبلیغ اسلام کرتے تھے) کا واقعہ نہیں ہے، لیلۃ العقبہ کو جو بیعت لی تھی وہ اس سے مختلف واقعہ ہے جس کو ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے جب سورہ ممتحنہ کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی؛ یاایھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك "اے نبی جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں بیعت کے لیے آئیں" اور یہ آیت بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت عبادہ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بیعت کرتے وقت یہ آیت پڑھی تھی (صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۳۴۹ میں ہے حضرت عبادہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس طرح عہد لیا جس طرح عورتوں سے عہد لیا تھا) اور معجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لی تھی، ان تمام دلائل میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عبادہ نے جو بیعت کا واقعہ بیان کیا ہے یہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور اگر اس سے پہلے سات ہجری میں حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا تھا کہ پتا نہیں حدود کفارہ ہوتی ہیں یا نہیں! "تو وہ حضرت عبادہ کی اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں ہے کہ "حدود کفارہ ہیں" کیونکہ یہ بعد کا واقعہ ہے۔[1]

قرآن مجید کی روشنی میں حدود کے کفارہ نہ ہونے کا بیان

فقہاء احناف کے نزدیک حد اس وقت کفارہ ہوتی ہے جب اس سے پہلے مجرم نے توبہ کر لی ہو اور بغیر توبہ کے حدود کفارہ نہیں ہوتیں اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب حدود مقرون بالتوبہ ہوں۔ فقہاء احناف کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلك لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ چن چن کر قتل کیے جائیں یا وہ سُولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ (وطن) کی زمین سے نکال دیے جائیں یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، ماسوا ان لوگوں

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۵۸-۱۵۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

کے جنھوں نے تمہارے پکڑنے سے پہلے توبہ کر لی۔ (مائدہ: ۳۳-۳۴)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہو گا البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت ہے۔

حدود کے کفارہ نہ ہونے کے بارے میں فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہو گا، ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطاع الطریق کی آیت پر عمل کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا.... ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم ۰ الا الذین تابوا ۔ "یہ ان ڈاکوؤں کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے ماسوا ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کر لی" اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے۔" تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو۔ کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔ [۱]

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

فان المذهب ان الحد لا یعمل فی سقوط اثم (الی قوله) و یجب ان یحمل الحدیث علی ما اذا تاب فی العقوبة لانه هو الظاهر [۲]

فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کو ساقط کرنے میں حد کا کوئی عمل نہیں ہے اور حدیث اس صورت پر محمول ہے جب سزا کے وقت وہ شخص توبہ کرے اور یہی ظاہر ہے۔

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں:

اذ الحد یقام علی کره منه فلا یکون محصلا للثواب، سبلا فلا تحصل به الطهرة فان تاب کان الحد طهرة له والا لا یکون طهرة بل یکون خزیا ونکالا کما قال الله تعالیٰ فی قطاع الطریق ذلک لهم

کیونکہ حد جبراً قائم کی جاتی ہے اس لیے وہ ثواب کے حصول کا اصلاً سبب نہیں ہے پس حد سے گناہ پاک نہیں ہو گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو حد اس کے لیے پاک کرنے والی ہے ورنہ نہیں بلکہ اس کے لیے رسوائی اور عبرت ہے

[۱] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵، ص ۳-۲، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ۔
[۲] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳-۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

خزی فی الدنیا و لهم فی الآخرة عذاب عظیم [1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکوؤں کے متعلق فرمایا: یہ ان کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

والطهرة من الذنب لیست بحکم اصلی لاقامة الحد لانها تحصل بالتوبة لا باقامة الحد۔ [2]

گناہوں سے پاک کرنا حد کا حکم اصلی نہیں ہے کیونکہ یہ چیز توبہ سے حاصل ہوتی ہے، حد قائم کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

علامہ شلبی حنفی لکھتے ہیں:

قال علماءنا اذا ارتکب العبد ذنبا یوجب الحد فاجری علیه الحد لا یحصل له التطهیر به من غیر توبة۔ [3] (شرح البنرودی)

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسا گناہ کرے جس پر حد واجب ہوتی ہے اور اس پر حد جاری کی جائے تو بغیر توبہ کے وہ اس گناہ سے پاک نہیں ہوگا۔

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں:

ولیس الحد کفارة للمعصیة بل التوبة المسقطة عنه عذاب الآخرة [4]

حد گناہ کا کفارہ نہیں ہے بلکہ عذاب آخرت کو ساقط کرنے والی چیز توبہ ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

ولیس مطهراً عندنا بل المطهر التوبة [5]

ہمارے نزدیک حد پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ توبہ پاک کرنے والی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

فاذا حد ولم یتب یبقی علیه اثم المعصیة واوضح دلیلنا فی النهر [6]

جب کسی شخص پر حد لگی اور اس نے توبہ نہیں کی تو اس پر اس معصیت کا گناہ باقی رہے گا اور ہماری واضح ترین دلیل نہر فائق میں ہے۔

عالمگیری میں ہے:

والطهرة من الذنب لیست بحکم اصلی لاقامة

گناہوں سے پاک کرنا، حد کا حکم اصلی نہیں ہے،

---

[1] علامہ جلال الدین خوارزمی کرلانی حنفی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] علامہ شہاب الدین احمد شلبی حنفی، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[4] علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، حاشیۃ الدرر والغرر ج ۲ ص ۶۱، مطبوعہ مطبعہ عامرہ شرفیہ مصر ۱۳۰۴ھ

[5] علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[6] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

الحد لانها تحصل بالتوبة لا باقامة الحد [۱] — کیونکہ یہ چیز حد سے نہیں توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

علامہ ابو سعود حنفی لکھتے ہیں:

ولیس مطهراً عن الذنب عندنا بل المطهر انما هو التوبة۔ [۲]

ہمارے نزدیک حد گناہ سے پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ پاک کرنے والی چیز توبہ ہے۔

حدود کے کفارہ نہ ہونے کے بارے میں مفسرین احناف کی تصریحات

علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الأخرة عذاب عظيم) يدل على ان اقامة الحد عليه لا تكون كفارة لذنوبه لاخبار الله تعالى بوعيده في الأخرة بعد اقامة الحد عليهم۔ [۳]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ حد (سزا) ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کو عذاب عظیم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ڈاکوؤں پر حد قائم کرنا ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حد قائم ہونے کے بعد آخرت میں عذاب کی خبر دی ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

والأية اقوى دليل لمن يقول ان الحدود لا تسقط العقوبة في الأخرة۔ [۴]

یہ آیت ان فقہاء کی بہت قوی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدود سے آخرت کا عذاب ساقط نہیں ہوتا۔

مذہب احناف کے بیان میں بعض شارحین کا تسامح

علامہ ابو بکر جصاص، علامہ آلوسی اور علامہ زین الدین ابن نجیم، علامہ کمال الدین ابن ہمام، علامہ جلال الدین خوارزمی، علامہ قرطبی، علامہ شرنبلالی، علامہ ابو سعود، علامہ حصکفی، علامہ شامی، علامہ شبلی اور فتاویٰ عالمگیری کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک حدود کفارہ نہیں ہوتیں اور ہمیں اس پر سخت حیرت ہے کہ فقہاء احناف کی اس قدر کثیر اور واضح تصریحات کے باوجود شیخ انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے کہ حدود کے کفارہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق فقہاء احناف کا موقف مجھ پر اب تک منکشف نہیں ہوا، لکھتے ہیں:

ولم يتحقق عندي ما مذهب الحنفية بعد۔

مجھ پر ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا کہ اس میں حنفیہ کا کیا مذہب ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری کو یہ اشکال لاحق ہوا ہے کہ علامہ عینی نے اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کی، اور امام طحاوی نے بھی اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں کی اور علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں۔ [۵]

---

[۱] علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۳، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[۲] علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ، حاشیۃ ابی السعود علی ملا مسکین ج ۲ ص ۳۴۹، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، ۱۲۸۷ھ

[۳] علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۱۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[۴] علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶ ص ۱۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[۵] شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۱ ص ۸۲، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ

ہر چند کہ امام طحاوی اور علامہ عینی نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی تاہم اصاغر و اکابر حنفیہ نے تو تصریح کی ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک حدود کفارہ نہیں ہوتیں، اس لیے اس مسئلہ میں تردد کی کوئی وجہ نہیں ہے، رہا یہ کہ علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں[1] تو اس میں وہی تاویل کی جائے گی جو حدیث شریف میں تاویل کی گئی ہے یعنی جب حد جاری ہونے کے وقت توبہ کر لے تو حد کفارہ ہو جائے گی تاکہ علامہ کاسانی کی عبارات دیگر اکابر احناف کے معارض نہ ہو اور نہ قرآن مجید کے خلاف ہو۔

شیخ تقی عثمانی نے بھی تمام اکابر احناف کو رد کر کے شیخ انور شاہ کشمیری کی تائید کی ہے، لکھتے ہیں:

واشتهر عن الحنفية انهم قائلون بان الحدود ليست بكفارة ولكن رده شيخ مشائخنا الانور رحمه الله في فيض البارى، بان هذه النسبة مبنية على المسامحة ولذلك لم يذكر الامام الطحاوى فيه خلافا۔[2]

مشہور یہ ہے کہ فقہاء احناف اس بات کے قائل ہیں کہ حدود کفارہ نہیں ہوتیں لیکن ہمارے شیخ المشائخ انور رحمہ اللہ نے فیض الباری میں اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ احناف کی طرف یہ نسبت تسامح پر مبنی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے اس مسئلہ میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔

شیخ عثمانی اور شیخ کشمیری نے صرف یہ دیکھ کر کہ امام طحاوی نے اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا یا علامہ عینی نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی نجانے کیوں اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ فقہ حنفی کی تمام معتبر اور مستند کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک حدود کفارہ نہیں ہیں، نیز صریح قرآن میں ہے کہ اگر ڈاکوؤں نے توبہ نہیں کی تو حد جاری ہونے کے بعد بھی ان کو آخرت میں عذاب ہوگا اور علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی آیت قطعیہ کا یہ حکم ہے کہ بغیر توبہ کے حدود کفارہ نہیں ہیں اور حدیث میں ہے کہ حدود کفارہ ہیں اور حدیث ظنی ہے پس ظنی کو قطعی کے تابع کرنا چاہیے نہ کہ اس کے برعکس قطعی یعنی قرآن کو حدیث کے تابع کیا جائے۔ اس لیے حدیث میں یہ تاویل کی جائے کہ اگر توبہ کر لی جائے تو حدود کفارہ ہوں گی ورنہ نہیں۔ اور یہ بالکل معقول بات ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق ہے اور تمام اکابر احناف نے اسی کو لکھا ہے اگر علامہ عینی یا امام طحاوی نے یہ مسئلہ نہیں لکھا تو کیا فرق پڑتا ہے انہوں نے اس کے خلاف تو نہیں لکھا اگر وہ خلاف بھی لکھتے تو اس کو رد کر دیا جاتا پھر سخت حیرت ہے کہ جو بات قرآن مجید کے مطابق ہے، امام اعظم کے اصول کے موافق اور جمہور اکابر احناف کی تصریح ہے اس کو مبنی بر مسامحہ اور مردود قرار دیا جائے!

شیخ محمود الحسن دیوبندی نے اس مسئلہ پر جو گفتگو کی ہے وہ شیخ انور شاہ کشمیری کی عبارت سے بھی زیادہ حیرت ناک ہے انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدود کفارہ نہیں ہیں لیکن ان کے نزدیک چونکہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول حدیث کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک حدود کفارہ ہیں اور ہمارے نزدیک حدود زاجرات (عبرت ناک سزائیں) ہیں، اور اس باب کی حدیث اس نظریہ کے خلاف ہے، اس لیے احناف (کون سے احناف؟) نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں

---

[1] ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۲، مطبوعہ ایچ، ایم، سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

[2] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۵۱۷، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۰۷ھ

اگرچہ ہمارے امام نے یہ کہا ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہوتیں، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ مجھے پتا نہیں کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں اس سے امام ابوحنیفہ کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں عدم علم کا ذکر ہے اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حدود کفارہ نہیں ہیں اور حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے۔[۵]

ہائے میرے خدا! ان حضرات نے اس مسئلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں کو کیوں نہیں دیکھا جن میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ قرآن مجید کی آیت محاربہ (مائدہ: ۳۳-۳۴) پر مبنی ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت پر اور اس حدیث کو فقہاء احناف نے قرآن مجید کے موافق کر کے اقتران بالتوبہ پر محمول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول حدیث کے خلاف ہے نہ فقہاء احناف کے اقوال مسامحہ پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمتیں نازل فرمائے وہ پہلے قرآن مجید سے حکم حاصل کرتے ہیں اور اگر کوئی حدیث بظاہر قرآن مجید کے خلاف ہو تو حدیث میں تاویل کر کے اس کو قرآن مجید کے موافق کرتے ہیں اور اگر اقوال صحابہ بظاہر حدیث کے خلاف ہوں تو ان اقوال میں تاویل کر کے ان کو حدیث کے موافق کرتے ہیں۔

بَابُ جُرْحِ الْعَجْمَآءِ وَالْمَعْدِنِ وَالْبِئْرِ جُبَارٌ

جانور یا کان اور کنوئیں کی وجہ سے زخمی ہونے کا مالی معاوضہ نہیں ہے

۴۳۵۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جانور کے زخمی کرنے کا مالی معاوضہ نہیں ہے اور کنوئیں میں گرنے کا مالی معاوضہ نہیں ہے اور معدنیات (کان) میں گرنے یا زخمی ہونے کا مالی معاوضہ نہیں ہے، اور معدنیات (یا دفینہ) میں سے خمس ادا کرنا واجب ہے۔

۴۳۵۲- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ يَعْنِي ابْنَ عِيسَى حَدَّثَنَا مَالِكٌ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ مِثْلَ حَدِيثِهِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں بیان کی ہیں۔

۵۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، تقریر ات ترمذی مع جامع ترمذی ص ۶۵۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

۴۳۵۳- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی مثل مروی ہے۔

۴۳۵۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَيُّوبَ ابْنِ مُوسَى عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْبِئْرُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جَرْحُهُ جُبَارٌ وَالْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنوئیں میں گرنے کا مالی معاوضہ نہیں ہے اور معدنیات (کان) میں گرنے یا زخمی ہونے کا مالی معاوضہ نہیں ہے، اور جانور کے زخمی کرنے کا مالی معاوضہ نہیں ہے اور معدنیات (یا دفینہ) میں سے خمس ادا کرنا واجب ہے۔

۴۳۵۵- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَلَّامٍ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی اس روایت کی تین اور سندیں بیان کی ہیں۔

جانور کے کیے ہوئے نقصان میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: جب جانور کے ساتھ ہنکانے والا یا چلانے والا ہو یا اس پر کوئی شخص سوار ہو اور وہ جانور کسی چیز کو اپنے پیروں یا منہ سے ضائع کر دے تو جو شخص اس پر سوار یا اس کے ساتھ ہو اس پر اس چیز کا تاوان واجب ہے خواہ وہ شخص اس جانور کا مالک ہو یا اس کو کرائے پر لینے والا ہو یا اس کو عاریتاً لینے والا ہو یا غاصب ہو یا امین ہو یا وکیل وغیرہ ہو، البتہ اگر وہ جانور کسی آدمی کو زخمی کر دے تو اس کی دیت اس شخص کی عاقلہ پر واجب ہے (عاقلہ کی وضاحت کے لیے باب قسامت ملاحظہ کریں) اور اس کا کفارہ اس شخص کے مال سے ادا کیا جائے گا، جیران کے زخمی کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ضائع کر دے خواہ زخمی کر کے یا کسی اور طریقے سے۔

قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں کہ: تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دن کے وقت جب جانور کے ساتھ کوئی شخص نہ ہو تو جانور کے نقصان کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے، اور جب اس کے ساتھ کوئی سوار یا چلانے والا یا ہنکانے والا ہو تو جمہور

علماء کا موقف یہ ہے کہ اس کے نقصان کا تاوان ہے، داؤد اور اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے یہ کہا ہے کہ اس کے نقصان کا کسی حال میں تاوان نہیں ہے الآیہ کہ جو شخص اس جانور کے ساتھ ہو وہ اس کو نقصان پہنچانے پر برانگیختہ کرے یا بالقصد نقصان کرائے، اور امام مالک اور مالکی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جانور کے نقصان کرنے کا تاوان اس کے مالک پر ہوگا، اور اگر وہ جانور نقصان کرنے میں مشہور ہو تو امام شافعی کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اس شخص پر اس جانور کو باندھنا لازم تھا، اور اگر جانور رات کے وقت کوئی نقصان کر دے تو امام مالک یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اس کے ساتھ ہو وہ اس نقصان کا تاوان ادا کرے گا، اور امام شافعی اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نقصان میں جانور کی تقصیر کا کوئی دخل ہے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ نہیں! اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جانور دن کے وقت کوئی نقصان کرے یا رات کے وقت اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ دن کے وقت جانور کوئی نقصان کرے تو اس کا تاوان نہیں ہے، اور لیث اور سحنون نے یہ کہا ہے کہ دن کے وقت نقصان کا بھی تاوان ہوگا۔[1]

جانور کے کیے ہوئے نقصان میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب کسی شخص کی سواری کا جانور راستہ میں پیشاب کر دے جس سے کوئی جوان پھسل کر گر پڑے اور مر جائے تو ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس جانور کے سوار پر تاوان ہوگا جبکہ وہ اس پر سوار ہو یا اس کو ہنکانے والا یا چلانے والا ہو، کیونکہ نقصان اس کی سواری سے ہوا ہے جو اس کے زیر تصرف تھی، اور یہ نقصان ایسا ہی ہے جو اس جانور کے منہ یا اگلے پاؤں سے ہوتا اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس نقصان کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اس کا دخل نہیں ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے لہٰذا اس پر اس نقصان کا تاوان نہیں ہوگا جیسا کہ اگر جانور کے پچھلے پاؤں سے نقصان ہوتا تو اس کا تاوان نہ ہوتا، اور جس طرح اگر وہ جانور اس کے تصرف میں نہ ہوتا تو اس کا نقصان نہ ہوتا اور اگر جانور اگلے پاؤں یا منہ سے نقصان کرے تو اس نقصان کا اس کا صاحب ضامن ہوگا کیونکہ اس نقصان سے حفاظت کرنا ممکن ہے۔[2]

جانور کے کیے ہوئے نقصان میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو عبداللہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: رات یا دن کے وقت اگر مویشی کوئی نقصان کر دیں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا مطلقاً تاوان لازم آتا ہے اور بعض نے مطلقاً تاوان کی نفی کی۔ امام مالک کے مذہب میں مشہور تفصیل ہے (یعنی دن کے وقت اگر مویشی نقصان کر دیں تو تاوان ہے اور رات کے وقت نقصان میں تاوان نہیں ہے) امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ موطا امام مالک میں یہ حدیث ہے: حرام بن سعید بن محیصہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس کو خراب کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہ فیصلہ کیا کہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والوں کی ذمہ داری ہے اور رات کو جو مویشیوں نے باغ خراب کیا ہے اس کا تاوان مویشی والے ادا کریں گے۔ (موطا امام مالک ص ۶۴۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور) ۔علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں یہ حدیث مفسر ہے اور

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۹ ص ۵۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

یہ العجماء جبار "حیوان کے نقصان کا تاوان نہیں ہے" کی مخصص ہے۔

امام مالک نے جو یہ کہا ہے کہ "مویشی اگر دن کے وقت نقصان کر دیں تو اس کا تاوان نہیں ہے" اس کی تفسیر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کھیتوں میں فصل اتنی گھنی اور اتنی زیادہ ہو کہ کھیت والے اس کی حفاظت کرنے پر قادر نہ ہوں اور ایک قول اس کے برعکس ہے کیونکہ جب فصل بہت گھنی اور بہت زیادہ ہوگی تو مویشی والے بغیر چرواہے کے اپنے مویشیوں کو نہیں نکال سکیں گے اور جب مویشیوں کے ساتھ چرواہے نہیں ہوں گے تو ان کے مالکوں کو نقصان کا تاوان ادا کرنا ہوگا یا اگر مویشیوں کے ساتھ چرواہے ہوں اور ان کی غفلت کی وجہ سے نقصان ہوا ہو پھر بھی ان کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چرواہوں کی تقصیر نہیں ہوگی تو مویشیوں کے مالکوں پر تاوان نہیں ہوگا۔ [۱]

جانور کے کیے ہوئے نقصان میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ سے گذرنا مباح ہے بشرطیکہ اس نقصان دہ چیز سے احتراز کیا جائے جس سے احتراز کرنا ممکن ہو، کسی عام راستہ پر اگر سواری نے کسی چیز کو روند ڈالا تو اس کا سوار ضامن ہوگا اور اگر اس کے اگلے یا پچھلے پیروں یا اس کے سر سے کسی کو نقصان پہنچا یا اس نے اپنے منہ سے کسی چیز کو چبا ڈالا تو اس سواری کا مالک ضامن نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان حادثات کا سبب محقق ہے اور ان حادثات کے افعال سے مباشر اور متصف نہیں ہے، البتہ اگر مالک سواری پر سوار تھا اور اس نے کسی چیز کو روند کر ہلاک کر دیا تو اس کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس شخص کی ہلاکت میں اس کے بوجھ کا بھی دخل ہے اور اگر مذکورہ حادثات غیر کی ملک میں اس کی اجازت سے پیش آئے تو وہ ملکیت کے حکم میں ہیں اور اس شخص کا حکم مالک کی طرح ہے۔ (قہستانی) اور اگر مالک کی اجازت کے بغیر کسی نے سواری کو استعمال کیا اور یہ حادثات پیش آ گئے تو وہ مطلقاً ان نقصانات کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے بلا اجازت سواری استعمال کر کے حد سے تجاوز کیا ہے۔

اگر سواری نے چلتے ہوئے اپنے پچھلے پیروں سے یا دم سے کسی کو ضرب لگائی تو اس کا سوار ضامن نہیں ہوگا، اسی اگر سواری نے چلتے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے، پیشاب کر دیا، یا لید کر دی اور اس کی وجہ سے پھسل کر کوئی گرا اور ہلاک ہو گیا تو اس کا سوار ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس نے راستہ کے علاوہ کسی اور جگہ سواری کو کھڑا کیا اور اس نے لید یا پیشاب کیا اور اس کی وجہ سے کوئی ہلاک ہوا تو اس کا سوار ضامن ہوگا۔

اگر سواری کے اگلے یا پچھلے پیروں سے کوئی کنکری یا گٹھلی گی یا اس نے غبار اڑایا یا کوئی کنکر اڑایا اور وہ کسی کی آنکھ میں لگ گیا یا کسی کے کپڑے خراب ہوئے تو اس کا سوار ضامن نہیں ہوگا کیونکہ ان چیزوں سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اگر بڑا پتھر لگا تو اس کا سوار ضامن ہوگا، کیونکہ اس سے احتراز ممکن ہے اور جن چیزوں کا سوار ضامن ہوتا ہے ان کا ضامن سواری کو چلانے والا اور ہنکانے والا بھی ہوگا۔ [۲]

کنویں اور کان میں گرنے کا حکم

اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۵۱ میں ہے، معدنیات میں گرنے کا تاوان نہیں ہے

[۱] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[۲] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۵۳۱-۵۳۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کنواں کھودتا ہے یا جس آبادی میں اس کے لیے کنواں کھودنا جائز ہے وہاں کنواں کھودتا ہے، یا کنواں کھودنے کے لیے کسی مزدور کو اجرت پر حاصل کرتا ہے اور کنواں کھودنے سے مزدور گر کر ہلاک ہوجاتا ہے یا کوئی شخص اس کنویں میں گر کر ہلاک ہوجاتا ہے تو مالک پر اس کا تاوان نہیں ہے، اسی طرح کان کھودنے کے لیے کسی مزدور کو حاصل کیا اور وہ اس میں گر کر ہلاک ہوجائے تو مالک پر تاوان نہیں ہے۔ بعض روایات میں ہے والنار جبار یعنی کسی شخص نے اس جگہ آگ جلائی جہاں آگ جلانا اس کے لیے جائز تھا اور وہ آگ آگے پھیل گئی اور اس نے کسی چیز کو جلا دیا تو اس پر تاوان نہیں ہے۔ [1]

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر چار آدمی مل کر کنواں کھود رہے ہوں اور کنواں ان پر منہدم ہوجائے اور اس سے ایک آدمی مرجائے تو بقیہ تین آدمی ضامن ہوں گے اور اگر صرف ایک آدمی کھود رہا ہو اور اس پر کنواں منہدم ہوجائے تو اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہے، پہلی صورت میں بقیہ تین آدمی اس لیے ضامن ہوں گے کہ وہ اس شخص کی ہلاکت کا سبب بنے ہیں۔ [2]

"رکاز" سے دفینہ مراد ہے یا معدن

اس حدیث میں ہے کہ رکاز میں سے خمس ادا کرنا واجب ہے۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک رکاز سے مراد دفینہ جاہلیت ہے، ہمارا، اہل حجاز کا، اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ اور دیگر اہل عراق نے یہ کہا ہے کہ رکاز سے مراد معدن ہے، اور یہ حدیث ان کے نظریہ کو مسترد کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں رکاز کا معدن پر عطف ہے اور عطف مغایرت کو مستلزم ہے۔ [3]

علامہ نووی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رکاز کا معدن پر عطف ہے حدیث کی پوری عبارت یہ ہے البیر جرحہا جبار والمعدن جرحہا جبار والعجماء جرحہا جبار وفی الرکاز الخمس۔ پہلے تین جملے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں کیونکہ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کنویں میں گرنے کا تاوان نہیں، معدن (کان) میں گرنے کا تاوان نہیں اور جانور کے ہلاک کرنے کا تاوان نہیں اور اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ رکاز میں خمس ادا کرنا واجب ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ اس آخری جملہ میں ایک نیا اور علیحدہ حکم بیان کیا ہے نیز رکاز کے قریب عجماء کا لفظ ہے اور شروع میں بیر کا لفظ ہے اگر یہاں عطف ہوتا تو قریب کے لفظ عجماء پر ہوتا یا پہلے لفظ بیر پر ہوتا درمیان کے لفظ پر عطف کرنے کا کیا باعث ہے؟

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

"وفی الرکاز الخمس" الرکاز عند اهل الحجاز: کنوز الجاهلیة المدفونة فی الارض وعند اهل العراق: المعادن، والقولان تحتملهما اللغة لان کلا منهما مرکوز فی الارض والحدیث انما جاء فی التفسیر الاول وهو الکنز الجاهلی

حدیث میں ہے "رکاز میں خمس (پانچواں حصہ ادا کرنا) ہے۔ اہل حجاز کے نزدیک زمانہ جاہلیت کے دفن شدہ خزانوں کو رکاز کہتے ہیں اور اہل عراق کے نزدیک رکاز معادن (کانوں) کو کہتے ہیں، اور لغت میں ان دونوں قولوں کی گنجائش ہے، کیونکہ معدنیات اور خزانے دونوں زمین میں مرکوز ہوتے

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۵۲۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

وقد جاء فی مسند احمد فی بعض طرق هذا الحديث وفی الركائز الخمس كانها جمع ركيزة اور كانزة والركيزة والركزة القطعة من جواهر الارض المركوزة فيها ومنه حديث عمر ان عبدا وجد ركزة على عهده فاخذها منه ای قطعة عظيمة من الذهب و هذا يعضد التفسير الثانی. له

ہیں اور حدیث مذکور پہلی تفسیر پر ہے یعنی دفینہ جاہلیت کے معنی میں ہے، اور مسند احمد میں بعض اسانید سے یہ روایت بھی ہے "رکائز میں خمس ہے" اور رکائز رکیزۃ یا کانزۃ کی جمع ہے اور رکیزۃ اور رکزۃ زمین کے ان جواہرات کو کہتے ہیں جو زمین میں ہوں، اسی معنی میں حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے عہد میں رکزۃ یعنی سونے کا ایک بڑا ٹکڑا پایا تو حضرت عمر نے اس سے خمس لے لیا اور ان احادیث سے رکائز کے دوسرے معنی یعنی معدن کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

والركاز قطع ذهب وفضة تخرج من الارض او المعدن و فی الحديث: وفی الركاز الخمس قال ابو عبيد اختلف اهل الحجاز والعراق فقال اهل العراق وفی الركاز المعادن كلها فما استخرج منها من شئ فالمستخرجه اربعة اخماسه ولبيت المال الخمس قالوا وكذلك المال العادی يوجد مدفونا هو مثل المعدن سواء قالوا، انما اصل الركاز المعدن والمال العادی الذی قد ملكه الناس مشبه بالمعدن وقال اهل الحجاز: انما الركاز كنوز الجاهلية فاما المعادن فليست بركاز وانما فيها مثل ما فی اموال المسلمين من الزكاة اذا بلغ ما اصاب مائتی درهم كان فيها خمسة دراهم و ما زاد فبحساب ذلك و هذان القولان تحتملها اللغة لان كلا منهما مركوز فی الارض قال ابن الاعرابی الركاز ما اخرج المعدن وقال غيره

سونے اور چاندی کے وہ ٹکڑے جو زمین یا کان سے نکلتے ہیں ان کو رکاز کہتے ہیں، حدیث میں ہے "رکاز میں خمس ادا کرنا واجب ہے" ابو عبید نے کہا: اہل حجاز اور اہل عراق کا اس میں اختلاف ہے، اہل عراق نے یہ کہا کہ رکاز معدنیات کو کہتے ہیں پس معدنیات میں سے جو چیز بھی برآمد ہو اس کا ۴/۵ معدنیات نکالنے والے کے لیے ہے اور ۱/۵ بیت المال کے لیے ہے، اسی طرح زمین میں سے جو دفینہ بھی برآمد ہو اس کا یہی حکم ہے، انہوں نے کہا معدن اور دفینہ کا ایک حکم ہے، رکاز اصل میں معدن ہے اور دفینہ کو اس کی مشابہت کی وجہ سے معدن کا حکم دیا گیا ہے اور اہل حجاز نے یہ کہا کہ رکاز اصل میں زمانہ جاہلیت کے دفینوں کو کہتے ہیں اور معدنیات رکاز نہیں ہیں اور معدنیات کا حکم وہ ہے جو مسلمانوں کے باقی اموال کا حکم ہے کہ جب وہ دو سو درہم کی مالیت کو پہنچ جائیں تو اس میں سے پانچ درہم نکالے جائیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ اسی حساب سے نکالا جائے، اور ان دونوں قولوں کی لغت میں گنجائش ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک زمین میں مرکوز ہے۔ ابن الاعرابی نے

له علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۲ ص ۲۸۵، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

ارکز صاحب المعدن اذا کثر ما یخرج منه له من فضة وغیرها والرکاز: الاسم وهی القطع العظام مثل الجلامید من الذهب والفضة تخرج من المعادن وهذا یعضد تفسیر اهل العراق۔ [1]

کہا جس چیز کو کان سے نکالا جائے وہ رکاز ہے اور دوسروں نے کہا جب کان سے بکثرت چاندی اور دوسرے معدنیات نکلیں تو کہتے ہیں" ارکز صاحب المعدن" اور رکاز سونے اور چاندی کے ان بڑے بڑے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو کان سے نکلتے ہیں اور یہ تفسیر اہل عراق کے مطابق ہے۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

الرکاز ککتاب وهو ما رکزه الله تعالیٰ فی المعادن ای احدثه واوجده وهو التبر المخلوق فی الارض وهذا الذی توقف فیه الامام الشافعی رضی الله عنه کما نقله عنه الازهری وجاء فی الحدیث عن عمرو بن شعیب ان عبدا وجد رکزة علی عهد عمر رضی الله عنه فاخذها منه عمر ویقال الرکزة القطعة من جواهر الارض المرکوزة فیها کالرکیزة وقال احمد بن خالد الرکاز جمع والواحدة رکیزة کانه رکز فی الارض رکزا۔ [2]

رکاز کتاب کے وزن پر ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں پیدا کیا ہے، اور یہ وہ سونا ہے جو زمین میں پیدا کیا گیا ہے، ازہری نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے اس میں توقف کیا ہے اور عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر کے عہد میں ایک شخص کو رکازہ ملا حضرت عمر نے وہ (یعنی خمس) اس سے لیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رکزہ زمین کے ان جواہرات کو کہتے ہیں جو زمین میں مرکوز ہیں اسی طرح رکیزہ ہے اور احمد بن خالد نے کہا رکاز جمع ہے اور رکیزہ اس کا واحد ہے۔

اس کے بعد علامہ زبیدی نے تفصیل سے وہ سب کچھ لکھا ہے جس کو علامہ ابن منظور نے بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر چند کہ لغت میں دفینہ اور معدن دونوں پر رکاز کے اطلاق کی گنجائش ہے لیکن ائمہ لغت کی تصریحات کے اعتبار سے معدن پر رکاز کا اطلاق راجح ہے۔

علامہ طاہر پٹنی نے رکاز کا معنی بیان کرتے ہوئے بعینہٖ وہی لکھا ہے جس کو ہم علامہ ابن اثیر کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

وفی الرکاز الخمس وهو عند الحجاز کنوز الجاهلیة المدفونة فی الارض وعند اهل العراق المعادن لان کلا منهما مرکوز فی الارض الخ۔ [3]

حدیث میں ہے: "رکاز میں خمس ادا کرنا واجب ہے" اہل حجاز کے نزدیک زمانہ جاہلیت کے مدفون خزانوں کو رکاز کہتے ہیں اور اہل عراق کے نزدیک معدنیات کو رکاز کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں زمین میں مرکوز ہیں۔

علامہ ابن اثیر، علامہ ابن منظور، علامہ زبیدی اور علامہ طاہر پٹنی ان تمام علماء لغت کے حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ لغت میں

---

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۵ ص ۳۵۶ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۴ ص ۳۹، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[3] علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۲ھ، مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ہند

رکاز کا معدنیات پر اطلاق ہوتا ہے اور علامہ ابن منظور اور علامہ زبیدی نے مسند احمد کی حدیث اور حضرت عمر کے اثر سے بھی یہ شہادت پیش کی ہے کہ رکاز کا اطلاق معدن پر ہے اور یہی صحیح ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ امام بیہقی نے "معرفۃ" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الرکاز الذهب الذی ینبت بالارض " رکاز اس سونے کو کہتے ہیں جو زمین میں پیدا ہوتا ہے، اور امام ابو یوسف نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکاز میں خمس ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! رکاز کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ سونا ہے جو زمین میں اس وقت سے پیدا کیا گیا ہے جب سے زمین پیدا کی گئی ہے۔ اور یہ حدیث بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ رکاز معدن ہی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ صریح وہ روایت ہے جو امام دارقطنی نے کتاب العلل میں بیان کی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکاز وہ ہے جو زمین میں پیدا ہوتا ہے اور حمید بن زنجویہ نسائی نے کتاب الاموال میں ذکر کیا کہ حضرت علی بن ابی طالب نے معدن کو رکاز قرار دیا اور اس میں خمس واجب کیا اور امام بیہقی نے مکحول سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے رکاز کو معدن کے حکم میں رکھا اور اس میں خمس واجب کیا۔ [1]

معدنیات کی اقسام اور ان اقسام کے احکام

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: معدن کی تین قسمیں ہیں: (۱) آگ میں پگھل جاتا ہے اور ڈھلتا نہیں ہے، جیسے چونا، سرمہ، ہڑتال اور گیرو (سرخ مٹی) وغیرہ (۲) پہاڑوں میں پایا جاتا ہے جیسے یاقوت، زمرد اور فیروزج وغیرہ (۳) مائع اور سیال ہو جیسے تارکول، مٹی کا تیل اور سندری نمک۔ (معدن کی اب ایک چوتھی قسم بھی دریافت ہو گئی ہے اور وہ ہے قدرتی گیس۔ سعیدی) ہمارے نزدیک خمس ادا کرنے کا وجوب صرف پہلی قسم کے ساتھ مختص ہے اور آخری قسموں میں خمس ادا کرنا واجب نہیں ہے اور امام احمد کے نزدیک تمام اقسام میں خمس ادا کرنا واجب ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صرف سونے اور چاندی میں خمس ادا کرنا واجب ہے اور حدیث کا عموم ان کے خلاف حجت ہے۔ [2]

درحقیقت اس مسئلہ میں امام احمد کا مسلک ہی حدیث کے مطابق ہے اور وہی صحیح ہے اس لیے ہر قسم کے معدن میں خمس ادا کرنا واجب ہے۔

معدنیات میں نصاب اور سال گذرنے کی شرط کی تحقیق

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: رکاز قلیل ہو یا کثیر اس میں خمس ادا کرنا واجب ہے اور ہمارے نزدیک اس میں نصاب کی شرط نہیں ہے اور امام مالک، امام شافعی کے نزدیک یہ شرط ہے کہ رکاز کی مقدار نصاب کے مطابق ہو البتہ انہوں نے سال گذرنے کی شرط نہیں لگائی، وہ کہتے ہیں کہ اس پر تجانے کتنے سال گذر چکے ہیں۔ لیکن اس دلیل کا ضعف ظاہر ہے کیونکہ اس پر جو سال گذرے ہیں وہ رکاز دریافت کرنے والے کی ملکیت میں نہیں

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] " " " " ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۳، " " " "

گذرے، لہٰذا ان سالوں کا شمار کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ داؤد، اسحاق، ابن منذر، امام احمد، مزنی، امام شافعی اور بویطی نے نصاب کی شرط عائد کی ہے اور سال گذرنے کی شرط بھی عائد کی ہے (غالباً یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ سعیدی غفرلہ)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جن احادیث میں رکاز پر خمس ادا کرنے کا حکم دیا ہے ان میں نصاب کی شرط ہے نہ سال گذرنے کی، اس لیے بغیر کسی دلیل کے یہ شرط عائد کرنا صحیح نہیں ہے۔ [1]

جس جگہ معدنیات پائے گئے اس جگہ کے اعتبار سے معدنیات کے احکام

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اگر مسلمان یا ذمی اپنے گھر میں کسی معدن کو دریافت کرے تو وہ اس کی ملک ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، البتہ جب اس پر سال گذر جائے گا تو وہ اس میں نصاب زکوٰۃ کے مطابق ادا کرے گا، اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر علی الفور خمس ادا کرنا واجب ہے، اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس پر علی الفور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ اور دکان اور حویلی گھر کے حکم ہی میں ہیں۔

سونا، چاندی اور عنبر اور موتی جو سمندر سے حاصل ہوتے ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان میں خمس ہے نہ زکوٰۃ بلکہ وہ سب اس شخص کی ملک ہیں جس نے ان کو سمندر سے نکالا ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابویوسف سے یہ روایت ہے کہ اس میں خمس ادا کرنا واجب ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس میں زکوٰۃ واجب ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک صرف سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اگر کسی شخص نے معدنیات کو جنگلوں، پہاڑوں اور غیر آباد زمینوں میں پایا تو اس میں خمس ادا کرنا واجب ہے اور باقی معدنیات پانے والے کی ملکیت ہیں اور اگر معدنیات کو آباد زمینوں میں پایا در آں حالیکہ امام نے وہ زمین کسی غازی کو دے دی تھی تو اس میں خمس ہے اور باقی غازی کے لیے ہے یا اس کے وارثوں کے لیے اور اگر وارثوں کا پتا نہ چلے تو اس کے بعد کی زمین کے مالک یا اس کے ورثاء کی ملک ہے اور اگر ان کا پتا بھی نہ چلے تو پھر بیت المال کے لیے ہے۔ اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ پانے والے کو ملے گا، اور یہ استحسان ہے اور اگر وہ جگہ کسی کی ملک نہ ہو جیسے پہاڑ اور جنگلات تو بالاتفاق ۵/۴ پانے والے کو ملے گا اور ۵/۱ حکومت کو دیا جائے گا۔ [2]

معدنیات کو حاصل کرنے والے کے اعتبار سے معدنیات کے احکام

معدن کو دریافت کرنے والا مسلمان ہو، ذمی ہو یا مستامن، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو، غلام ہو یا مکاتب ہر صورت میں ۵/۱ بیت المال کو دیا جائے گا اور بقیہ اس کی ملکیت ہوگا، البتہ حربی کافر کا یہ حکم نہیں ہے۔ تمام فقہاء کے نزدیک یہ حکم عام ہے البتہ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ ذمیوں سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی۔ [3]

---

[1] علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] 〃 〃، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۴، ۱۰۳، 〃 〃 〃

[3] 〃 〃، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۴، 〃 〃 〃

معدنیات کا مصرف اور زمین کے اعتبار سے معدنیات کا حکم

ہمارے نزدیک معدنیات کے خمس کا مصرف وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا مصرف ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے، امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ اس کا مصرف دینی طلبہ، ادویات، حکام کے سیکرٹری اور ڈاکخانہ کا عملہ ہے۔ امام محمد سے بھی ایک یہی روایت اور مزنی اور بعض شافعیہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اس کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے، اور اگر صاحب معدن نے اس کو خود صدقہ کر دیا ہے تو اس کو امام نافذ کر دے، امام احمد اور ابو منذر کا بھی یہی قول ہے اور ابو ثور نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے خود صدقہ کر دیا تو امام اس کو ضامن کرے گا، اور محتاج کے لیے اس کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی نے معدن کو اس کے نکالنے والے پر لوٹا دیا تھا۔ مبسوط میں ہے کہ معدن نکالنے والا امیر ہو یا غریب اس سے خمس ساقط نہیں ہوگا کیونکہ حدیث میں کوئی تخصیص نہیں ہے، معدن کے حکم میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ جس زمین میں معدن پایا گیا ہے وہ صلح سے فتح ہوئی تھی یا جنگ سے یا وہ عرب کی سرزمین ہے، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے، امام مالک نے یہ کہا ہے کہ عرب کی سرزمین میں خمس ادا کرنے کے بعد باقی معدن، پانے والے کی ملکیت ہے اور جو زمین صلح سے فتح ہوئی ہے اس میں معدن اس شہر والوں کی ملکیت ہے اور معدن پانے والے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور جو زمین جنگ سے فتح ہوئی ہے اس میں خمس ادا کرنے کے بعد باقی معدن شہر کے فاتحین میں تقسیم کیا جائے گا۔ جو ہر، لوہے، سیسہ وغیرہ میں امام مالک پہلے خمس کے قائل تھے بعد میں انھوں نے کہا اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ [1]

اگر آج کل کسی کی زمین سے قدرتی گیس یا تیل نکل آئے تو ادائیگی خمس کی کیا صورت ہوگی؟

آج کل قدرتی گیس اور تیل وغیرہ بعض زمینوں میں نکل آتے ہیں اور ان کی تلاش کے لیے حکومت زر کثیر خرچ کرتی ہے، حکومت دوسرے ممالک کی کمپنیوں سے اس سلسلے میں معاہدے کرتی ہے، اور بیسیوں جگہ تجربہ کرنے کے بعد کسی جگہ قدرتی گیس یا تیل کا پتا چلتا ہے پھر اس کو نکالنے اور گیس کو پائپ لائنوں کے ذریعہ تمام ملک میں پہنچانے پر بے تحاشا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی تمام تیل یا تمام گیس کو بیک وقت نکالا جا سکتا ہے جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ ⅕ اتنا ہے اور ⅘ اتنا ہے، ان حالات میں اگر کسی شخص کی زمین سے قدرتی گیس یا تیل دریافت ہو درآں حالیکہ حکومت اپنے ذرائع اور وسائل سے تلاش کرے اور ملک میں اس کی ترسیل اور فروخت کا انتظام کرے اور تیل صاف کرنے کے کارخانے لگائے تو اس صورت میں اس کا کیا حل ہونا چاہیے اور خمس والی حدیث پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے اور یہ گیس اور تیل اس شخص کی ذاتی ملکیت ہوگی یا قومی ملکیت تصور کی جائے گی۔

ہماری رائے یہ ہے کہ یا تو حکومت اس زمین کو اس کے مالک سے اس کی رضامندی سے خرید لے اور پھر اپنے طور پر تیل اور گیس کے حصول کا انتظام کرے اور اگر مالک اس کو رضامندی سے فروخت نہ کرے تو حساب لگایا جائے کہ اس کی تلاش اور اس کی ترسیل میں کیا خرچ ہوا ہے اور تمام خرچ منہا کرنے کے بعد اس کی آمدنی کا ⅕ قومی خزانے

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۰۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

میں داخل کیا جائے اور ۱/۵ مالک کو دیا جائے اور جب تک اس سے آمدنی ہوتی رہے سالانہ یا ششماہی آمدنی سے راعی کے طور پر کچھ حصہ مقرر کر سکتی ہے اور بیراعتی بانمی افہام وتفہیم سے طے کی جاسکتی ہے۔

حد قذف

اسلام میں پانچ جرائم کی حدود بیان کی گئی ہیں، ڈکیتی، چوری، زنا، شراب نوشی اور قذف (کسی پاکدامن مسلمان کو زنا کی تہمت لگانا) اس کی حد اسی کوڑے ہے امام مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الحدود میں اول الذکر چار جرائم کی حدود کے ابواب قائم کیے ہیں اور مؤخر الذکر یعنی حد قذف کا باب قائم نہیں کیا اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حد قذف سے متعلق احادیث اور اس کے احکام فقہی مذاہب اور ضروری تفصیل بیان کر دیں تاکہ اسلامی احکام کا مطالعہ کرنے کے لیے جو شخص ہماری اس کتاب کو پڑھے اس کو اس کتاب میں کوئی تشنگی محسوس نہ ہو، سو ہم پہلے قذف کا معنی اور پھر قذف سے متعلق قرآن مجید کی آیات بیان کریں گے، اس کے بعد قذف سے متعلق احادیث اور آثار کا ذکر کریں گے، اس کے بعد اس کے فقہی احکام بیان کریں گے ...

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف بالحجارۃ کا معنی ہے پتھر پھینکنا اور قذف المحصنۃ کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے گالی دینا، اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی، اصل میں قذف کا معنی ہے پھینکنا پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ [1]

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاکدامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو" اس آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہرچند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے، بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جاسکے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ [2]

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۶ ص ۲۱۷، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰-۲۹، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون ٥ (النور: ۴)

جو لوگ مسلمان پاکدامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں پھر چار مرد گواہ نہ لائیں ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاکدامن، بے خبر مسلمان عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ وما ھن قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاکدامن، مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

اس حدیث کو امام مسلم[2]، امام ابوداؤد[3]، اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ کی سرزمین میں پہنچے .... نجاشی نے اپنے مذہب کے علماء کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلایا اور کہا: اس دین میں کیا (خصوصیت) ہے؟ جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے الگ ہو گئے اور میرے دین میں داخل ہوئے نہ کسی اور قوم کے دین میں داخل ہوئے، حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں تب حضرت جعفر بن ابی طالب نے یہ تقریر کی،

ایھا الملک کنا قوما اھل جاھلیۃ نعبد

اے بادشاہ! ہم عہد جاہلیت میں گرفتار تھے،

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ
[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۴، " " ۱۳۷۵ ھ
[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ ھ
[4] امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۱۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

الاصنام ونأکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونقطع الارحام ونسئ الجوار یأکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذٰلک حتی بعث الینا رسولا منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعانا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ماکنا نعبد من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونھانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنۃ وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ لانشرک بہ شیئا وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام قال فعدد علیہ امور الاسلام فصدقناہ وآمنا بہ واتبعنا علی ماجاء بہ [1]

بتوں کو پوجتے تھے اور مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا قوی شخص کمزور کا مال کھا جاتا تھا، ہمارا یہی حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہمیں میں سے ایک رسول بھیج دیا، ہم اس کے نسب کو جانتے تھے، اور اس کی صداقت، امانت اور پاکدامنی کے معترف تھے، اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اس کی توحید بیان کریں، اس کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم جن بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اس کو چھوڑ دیں، اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرنے، قتل وغارت اور حرام کام سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور ہم کو بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اور ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم کو نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہم اس پر ایمان لائے اور جو احکام وہ لے کر آیا اس کی ہم نے پیروی کی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن صفوان بن عسال المرادی ان یہودیین قال احدھما لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبی نسئلہ قال لا تقل لہ نبی فانہ ان یسمعھا تقول نبی کانت لہ اربعۃ اعین فاتیا النبی فسالاہ عن قول اللہ تعالیٰ ولقد اتینا موسی تسع ایات بینات فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا تسرقوا ولا تسحروا

صفوان بن عسال مرادی کہتے ہیں کہ دو یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اس نبی کے پاس چلو، ان سے کچھ سوالات کریں، اس (دوسرے) نے کہا ان کو نبی نہ کہو اگر انہوں نے سن لیا تو ان کی تو چار آنکھیں ہو جائیں گی، وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو آیات بینات دی ہیں وہ نو آیات کونسی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، جس کا قتل

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲، ج ۵ ص ۲۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ولا تمشوا ببرئ الی سلطان فیقتله و لا تاکلوا الربوا ولا تقذفوا محصنة ولا تفروا من الزحف شك شعبة وعلیکم الیهود خاصة الا تعتدوا فی السبت فقبلا یدیه ورجلیه.[1] (الحدیث)

کرنا اللہ تعالیٰ نے حق کے سوا حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو اور چوری نہ کرو اور جادو نہ کرو، اور کسی بے قصور کو قتل کرانے کے لیے بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، سود نہ کھاؤ اور کسی پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت نہ لگاؤ، جنگ کے دن پیٹھ نہ موڑو، اور اے یہود! تم بالخصوص ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو، (یہ سن کر) انھوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا۔

اس حدیث کو امام نسائی[2]، اور امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة قالت لما نزل عذری قام النبی صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر فذکر ذلك وتلا تعنی القرآن فلما نزل من المنبر امر بالرجلین والمرأة فضربوا حدهم[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت نازل ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا سو ان کو حد لگائی گئی۔

عن محمد بن اسحاق بهذا الحدیث قال فامر برجلین وامرأة ممن تکلم بالفاحشة حسان بن ثابت ومسطح بن اثاثة قال النفیلی و یقولون والمرأة حمنة بنت جحش[5]

محمد بن اسحاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔ تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہو گی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۴۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۲، " " "

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[5] " " " " سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸، " " " "

روایات منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے، امام شافعی، ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچے کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد، صاحب عقل اور پاکدامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے۔ یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو۔ اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔ [1]

احصان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاکدامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب "ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے" اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا، اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اشرک باللہ فلیس بمحصن "جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔" (سنن دارقطنی) اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔ [2]

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انھوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیئے، اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو، کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا، مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے، اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر، چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا اس کے چہرے اور شرمگاہ سے اجتناب کرو۔ تمام حدود میں مجرم کو کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں، کیونکہ حضرت علی نے فرمایا مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں، کوڑے مارتے وقت کوڑا مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں، البتہ عورت کے صرف فالتو کپڑے اتارے جائیں گے سارے کپڑے اتار کر یا صرف

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اولین ص ۵۰۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ [۱]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو، نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو، اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو بھیل کر نرم کر لیا جائے، کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیے جائیں پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔" علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو، کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے آپ نے فرمایا اس سے کم لاؤ پھر ایک نرم شاخ لائی گئی آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ، پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ [۲]

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور پاکدامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسّی کوڑے حد لازم ہوگی۔

حد قذف کے اصولی مباحث کچھ ہم نے کتاب الحدود کے شروع میں بیان کر دیے ہیں اور کچھ زنا کے چار گواہوں کی بحث میں بیان کر دیے ہیں اس کے علاوہ قرآن و سنت سے دلائل اور حد قذف کی شرائط کو ہم نے یہاں بیان کر دیا ہے۔

اور یہاں پہنچ کر کتاب الحدود ختم ہو گئی ہے۔ والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین قائد الغر المحجلین اکرم الاولین والأخرین حبیب الہ العالمین وعلی اٰلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الراشدین المہدیین وازواجہ الطاہرات واولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والائمۃ المجتہدین والفقہاء والمفتین اجمعین الی یوم الدین۔

---

[۱] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۹۰۔ ۴۸۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[۲] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۶۔ ۱۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

اختتامیہ

الحمد للہ علی احسانہ آج مورخہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ بروز جمعہ بمطابق ۲۱ اپریل ۱۹۸۹ء کو شرح صحیح مسلم کی چوتھی جلد ختم ہو گئی، اللہ تعالیٰ کا میں کس زبان سے شکر ادا کروں کہ اس نے مجھ ایسے گنہگار، بے بضاعت اور کم علم شخص کو دین کا اس قدر عظیم کام کرنے کی توفیق ارزانی کی۔ الٰہ العالمین جس طرح آپ نے شرح صحیح مسلم کی یہ چار جلدیں مکمل کرنے کی توفیق دی ہے اس کی باقی مجلدات کو تمام و کمال تک پہنچانے کی سعادت بھی مرحمت فرمائیں۔ اس کتاب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں۔ اس کے فیض کو تا قیام قیامت جاری و ساری کریں اور مصنف کے لیے اس کتاب کو صدقہ جاریہ کر دیں۔ اے بار الٰہ اس کتاب کے مصنف کی اس کے پڑھنے والوں کی اور اس کے معاونین کی مغفرت فرما، خیر و برکت عطا فرما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما، اجر جزیل عطا فرما، ہر قسم کے شر اور ہر بلا سے اپنی پناہ میں رکھ، دنیا، برزخ اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھ اور ہمارے لیے دارین کی سعادت مقدر کر دے اور مصنف کو صحت اور قوت عطا فرما، اس کو صرف اپنا محتاج رکھ کسی اور کا محتاج نہ کر۔ ایمان اور اسلام پر قائم رکھ اور اسی پر خاتمہ فرما۔ امین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات وتسلیمات۔

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

احادیث

۴۔ صحیح بخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ

۵۔ صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ

۶۔ جامع ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

۷۔ سنن ابو داؤد، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ

۸۔ سنن نسائی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ

۹۔ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ

۱۰۔ صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ

۱۱۔ موطا امام مالک، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ

۱۲۔ مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ

۱۳۔ موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ

۱۴۔ کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ

۱۵۔ کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ

۱۶۔ مصنف عبد الرزاق، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ

۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ، امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ

۱۸۔ مسند احمد بن حنبل، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

۱۹۔ مسند دارمی، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، ۱۲۹۳ھ، امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ

۲۰۔ سنن دارقطنی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ

۲۱۔ شمائل ترمذی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

۲۲۔ شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ، امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ

۲۳۔ سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ

۲۴۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

۲۵۔ مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

۲۶۔ شرح السنۃ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ، امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ

۲۷۔ الادب المفرد، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ

۲۸۔ المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ، امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ

۲۹۔ جامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

۳۰۔ مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ

۳۱۔ فردوس الاخبار، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، حافظ شیرویہ بن شہردار الدیلمی متوفی ۵۰۹ھ

۳۲۔ تلخیص المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ

۳۳۔ خصائص کبریٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

۳۴۔ الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ

۳۵۔ نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ، حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ

۳۶۔ مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔ شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ

۳۷۔ اعلاء السنن، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ

۳۸۔ کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ، علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ

۳۹۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ، امیر علاؤالدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ

۴۰۔ مسند طیالسی مطبوعہ ہند، امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی متوفی ۲۰۴ھ

۴۱۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول، مطبوعہ مطبعۃ الملاح بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام مجد الدین ابوالسعادات مبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ۔

۴۲۔ المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، حافظ عبداللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ

۴۳۔ مسند ابویعلیٰ الموصلی، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ، حافظ احمد بن علی المثنیٰ التمیمی متوفی ۳۰۷ھ

تفاسیر

۴۴۔ احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ

۴۵۔ تفسیر کبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ

۴۶۔ الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۸۷ھ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ

۴۷۔ تفسیر خازن، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ پشاور، علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ

۴۸۔ عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ، علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ

۴۹۔ تفسیر ابوسعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ

۵۰۔ روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ۔

۵۱۔ تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ

۵۲۔ تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ

۵۳۔ روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ

۵۴۔ فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ

۵۵۔ انوار التنزیل، مطبوعہ دار صادر بیروت، قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ

۵۶۔ الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ مصر، ۱۳۰۳ھ، شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ

۵۷۔ الدر المنثور، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

۵۸۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ دار الاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ، حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

۵۹۔ فتح البیان، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ

۶۰۔ خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، صدر الافاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ

۶۱۔ بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ

۶۲۔ حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ

۶۳۔ معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ، مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ

۶۴۔ مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور، علامہ ابوالبرکات احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ

۶۵۔ البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ، علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ

۶۶۔ فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ، سید محمد قطب شہید مصری

۶۷۔ احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی متوفی ۵۴۳ھ

۶۸۔ زاد المسیر، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت، علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ

۶۹۔ جامع البیان، مطبوعہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۷۳ھ، علامہ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ

۷۰۔ تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ

علوم قرآن

۷۱۔ البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ

۷۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

شرح حدیث

۷۳۔ تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ، علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ

۷۴۔ عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ

۷۵۔ فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۷۶۔ ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ

۷۷۔ فیض الباری مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ، شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ

۷۸۔ فیوض الباری، مطبوعہ مکتبہ رضوان لاہور، ۱۹۸۶ء، علامہ محمود احمد رضوی لاہور

۷۹۔ تفہیم البخاری، مطبوعہ مکتبہ نبویہ رضویہ فیصل آباد، مولانا غلام رسول رضوی فیصل آباد

۸۰۔ شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ

۸۱۔ اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ

۸۲۔ مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ

۸۳۔ السراج الوہاج، مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال، ۱۳۰۲ھ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ

۸۴۔ فتح الملہم، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی، شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ

۸۵۔ تکملہ فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۰۷ھ، شیخ محمد تقی عثمانی

۸۶۔ تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ

۸۷۔ بذل المجہود، مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ ملتان، شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ

۸۸۔ عون المعبود، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ

۸۹۔ تمہید، مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ

۹۰۔ مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۹۱۔ اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ

۹۲۔ منتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ، علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ

۹۳۔ شرح المؤطا، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، علامہ محمد باقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ

۹۴۔ فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۱ھ، علامہ عبد الرؤف مناوی

۹۵۔ شرح مسند امام اعظم، مطبع محمدی لاہور، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۹۶۔ التعلیق الصبیح، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، شیخ محمد شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ
۹۷۔ التعلیق الممجد، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، مولانا عبد الحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ
۹۸۔ تقریرات ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ

اسماء رجال

۹۹۔ تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، حافظ ابو بکر علی بن احمد خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ
۱۰۰۔ تہذیب التہذیب، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
۱۰۱۔ لسان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن ۱۳۳۰ھ، حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
۱۰۲۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی۔
۱۰۳۔ الاکمال فی اسماء الرجال، اصح المطابع دہلی، شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ
۱۰۴۔ کتاب الثقات، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۱ھ، حافظ محمد ابن حبان تمیمی متوفی ۳۵۴ھ
۱۰۵۔ کتاب الجرح والتعدیل، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۱ھ، حافظ عبد الرحمان بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ
۱۰۶۔ میزان الاعتدال، مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ، حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۵ھ
۱۰۷۔ المقاصد الحسنۃ، مطبوعہ مکتبہ الخانجی مصر، ۱۳۷۵ھ، ابو الخیر شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ
۱۰۸۔ موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ
۱۰۹۔ العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ، علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ

لغت

۱۱۰۔ المفردات، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ،
۱۱۱۔ نہایہ، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ، علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۲ھ
۱۱۲۔ تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ
۱۱۳۔ قاموس، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، علامہ مجد الدین فیروز آبادی
۱۱۴۔ لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ
۱۱۵۔ تاج العروس شرح القاموس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱۳۰۶ھ، سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ
۱۱۶۔ المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء، لوئیس معلوف الیسوعی
۱۱۷۔ المنجد مترجم، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، لوئیس معلوف الیسوعی
۱۱۸۔ مجمع بحار الانوار، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ، علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ
۱۱۹۔ لغات الحدیث، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ
۱۲۰۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۵۰ء

۱۲۱- دائرۃ المعارف القرن العشرین، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۹۷۱ھ، علامہ محمد فرید وجدی

۱۲۲- الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ، علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ

۱۲۳- اقرب الموارد، مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، ایران، ۱۴۰۳ھ، علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی۔

فضائل و سیرت

۱۲۴- شفاء، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان، قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ

۱۲۵- نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ

۱۲۶- شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۲۷- سعادۃ الدارین، مطبوعہ مطبعۃ بیروت، بیروت، ۱۳۱۲ھ، علامہ محمد یوسف نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ

۱۲۸- مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ

۱۲۹- الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، علامہ عبد الرحمان ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ

۱۳۰- زاد المعاد، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۶۹ھ، علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ

۱۳۱- المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ

۱۳۲- شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ محمد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ

۱۳۳- البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

۱۳۴- انسان العیون، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۸۴ھ، علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ

۱۳۵- الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ

۱۳۶- استیعاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ ابو عمر ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ

۱۳۷- اصابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۱۳۸- اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ

۱۳۹- تاریخ یعقوبی، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی ایران، شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۲۸۴ھ

۱۴۰- التاریخ الخمیس، مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت، ۱۲۸۳ھ، علامہ حسین بن محمد دیار بکری

۱۴۱- الروض الانف، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان، علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ

۱۴۲- مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ المطبعۃ العربیہ ۱۳۹۹ھ، شیخ عبد اللہ بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۴۲ھ

۱۴۳- سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، مطبوعہ مجلس علمی قاہرہ ۱۳۵۲ھ، علامہ محمد بن یوسف شامی صالحی متوفی ۹۴۲ھ

۱۴۴- المدخل مطبوعہ مصر، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد المشہور بابن الحاج متوفی ۷۳۷ھ

۱۴۵- الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ

۱۴۶- تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ

۱۴۷- تاریخ ابن خلدون، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۳۹۰ھ علامہ عبد الرحمان بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ

۱۴۸۔ تاریخ الخلفاء، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ
۱۴۹۔ مرآۃ الجنان، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت، علامہ عبداللہ بن اسعد بن علی شافعی متوفی ۷۶۸ ھ
۱۵۰۔ وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ ھ، علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ ھ
۱۵۱۔ الجواہر المنظم، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۴۰۵ ھ، علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ ھ
۱۵۲۔ الجواہر البحار، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱۳۷۱ ھ، علامہ محمد یوسف نبہانی متوفی ۱۳۵۰ ھ
۱۵۳۔ کتاب الاذکار، مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ مصر، علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ
۱۵۴۔ الصارم المسلول، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ ھ
۱۵۵۔ لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ مصر، علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ ھ
۱۵۶۔ الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ ھ، علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ ھ
۱۵۷۔ الحدیقۃ الندیہ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۱۹۷۷ء، علامہ عبد الغنی نابلسی متوفی ۱۱۴۳ ھ

فقہ حنفی

۱۵۸۔ مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ ھ
۱۵۹۔ الجامع الصغیر، مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند ۱۲۹۱ ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ ھ
۱۶۰۔ کتاب الحجۃ، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ ھ
۱۶۱۔ شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشرکۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ ھ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ
۱۶۲۔ مبسوط (شرح الکافی) مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ ھ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ
۱۶۳۔ فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مطبعہ کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ ھ، علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ ھ
۱۶۴۔ فتاویٰ النوازل، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ، علامہ ابو اللیث سمرقندی متوفی ۳۷۳ ھ
۱۶۵۔ بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ ھ، علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ ھ
۱۶۶۔ ہدایہ اولین، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ
۱۶۷۔ ہدایہ اخیرین، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ
۱۶۸۔ عنایہ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ ھ
۱۶۹۔ کفایہ، ″ ، علامہ جلال الدین خوارزمی
۱۷۰۔ فتح القدیر ″ ، علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ
۱۷۱۔ بنایہ، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ
۱۷۲۔ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ ھ، علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ ھ
۱۷۳۔ منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ ھ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ ھ
۱۷۴۔ تبیین الحقائق، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ ھ

۱۷۵۔ درمختار، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ، علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ

۱۷۶۔ رد المحتار، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ

۱۷۷۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۵ھ، علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ

۱۷۸۔ مراقی الفلاح، مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ

۱۷۹۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مطبوعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ

۱۸۰۔ غنیۃ المستملی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ

۱۸۱۔ صغیری، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ

۱۸۲۔ درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر، ۱۳۰۴ھ، ملا احمد بن فراموز خسرو، ۸۸۵ھ

۱۸۳۔ حاشیۃ الدرر و غرر، مولانا عبد الحلیم

۱۸۴۔ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ، علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ

۱۸۵۔ الجوہرۃ النیرۃ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ ابو بکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ

۱۸۶۔ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ، ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ

۱۸۷۔ فتاویٰ بزازیہ، 〃 〃 〃 علامہ محمد شہاب الدین ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ

۱۸۸۔ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ

۱۸۹۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ

۱۹۰۔ تقریرات رافعی، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۴ھ، شیخ عبد القادر رافعی مفتی الدیار المصریہ۔

۱۹۱۔ شرح النقایہ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۹۲۔ فتاویٰ غیاثیہ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ، علامہ داؤد بن یوسف الخطیب

۱۹۳۔ حاشیۃ الدرر و الغرر، مطبوعہ مطبعہ عامرہ شرفیہ مصر ۱۳۰۴ھ، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی، متوفی ۱۰۶۹ھ،

۱۹۴۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ محمد سلیمان داماد آفندی متوفی ۱۰۷۸ھ

۱۹۵۔ المسلک المتقسط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۹۶۔ حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ شہاب الدین احمد شلبی

۱۹۷۔ تکملہ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ، علامہ محمد بن حسین بن علی طوری۔

۱۹۸۔ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ، شیخ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی

۱۹۹۔ المنتقی علی ملتقی الابحر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ محمد علاؤ الدین من علماء قرن حادی العشر، ۱۱۰۰ھ

۲۰۰۔ شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ، علامہ معین الدین الہروی المعروف بمحمد ملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ

۲۰۱۔ فتاویٰ عبد الحی، مطبوعہ مطبع یوسفی ہند، ۱۳۲۵ھ مولانا عبد الحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ،

۲۰۲۔ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۴ھ، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ

۲۰۳۔ الزبدۃ الزکیۃ، مطبوعہ محبوب المطابع دہلی، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ

۲۰۴ كفل الفقيه، مطبوعه مطبع اہل سنت وجماعت بریلی، ۱۳۲۴ھ، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ

۲۰۵ فتاویٰ افریقہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ

۲۰۶ اسلام میں عورت کی دیت، مطبوعہ بزم سعید لاہور، علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ

۲۰۷ بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ

۲۰۸ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، شیخ عزیز الرحمان، مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۹ھ

۲۰۹ شرح النقایۃ، مطبوعہ ایچ، ایم، سعید اینڈ کمپنی کراچی، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۲۱۰ حاشیۃ ابی السعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ

۲۱۱ فتاویٰ مسعودی، مطبوعہ سرمد پبلیکیشنز کراچی، ۱۴۰۷ھ، شاہ محمد مسعود دہلوی متوفی ۱۳۹۲ھ

۲۱۲ جامع الفتاویٰ، مطبوعہ مطبع اسلامی پریس شاہ جہاں پور، ۱۳۲۲ھ، مولانا ریاست علی خاں

۲۱۳ فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ

۲۱۴ حاشیۃ برجندی، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۳۲۰ھ، علامہ عبد العلی برجندی

۲۱۵ کتاب الاشباہ والنظائر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ زین العابدین ابراہیم الشہیر بابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ

۲۱۶ غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، سید احمد بن محمد حنفی حموی

۲۱۷ انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مطبوعہ مجلس مسائل تحقیق حاضرہ کراچی، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ

۲۱۸ پراویڈنٹ فنڈ پر سود اور زکوٰۃ کا مسئلہ، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ

۲۱۹ اوزان شرعیہ، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، مفتی محمد شفیع، متوفی ۱۳۹۶ھ

۲۲۰ رسائل و مسائل، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور، سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ

۲۲۱ ۵-اے- ذیل دار پارک (اردو مجالس سید مودودی) مطبوعہ البدر پبلیکیشنز ۱۹۷۵ء سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ

۲۲۲ حقوق الزوجین، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ

فقہ شافعی

۲۲۳ کتاب الام، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۳ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ

۲۲۴ المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، شیخ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ

۲۲۵ شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ

۲۲۶ تکملہ شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ

۲۲۷ فتح العزیز شرح الوجیز، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو القاسم محمد رافعی متوفی ۶۲۳ھ

۲۲۸ مغنی المحتاج، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ محمد شربینی الخطیب من قرن العاشر

۲۲۹ احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ

۲۳۰ الحاوی للفتاوی، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ
۲۳۱ مختصر المزنی، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ
۲۳۲ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ ھ، علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ
۲۳۳ فقہ السنۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ڈاکٹر یوسف قرضاوی۔

فقہ مالکی

۲۳۴ المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ ھ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ ھ
۲۳۵ بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ ھ
۲۳۶ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک، مطبوعہ دار المعارف مصر، ۱۳۸۴ ھ، علامہ ابو البرکات احمد بن محمد الدردیر مالکی، ۱۱۹۷ ھ
۲۳۷ التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ ھ
۲۳۸ الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو البرکات سیدی احمد دردیر مالکی، ۱۱۹۷ ھ
۲۳۹ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، شیخ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی مالکی، ۱۲۱۹ ھ
۲۴۰ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر للدردیر، مطبوعہ دار المعارف مصر، ۱۹۴۷ء علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ ھ
۲۴۱ مواہب الجلیل، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی متوفی، ۹۵۴ ھ

فقہ حنبلی

۲۴۲ المقنع، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ ھ، علامہ ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی متوفی ۳۳۴ ھ
۲۴۳ المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ ھ، علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ
۲۴۴ المغنی مع الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ ھ، علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ،
۲۴۵ الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ ھ، علامہ شمس الدین عبد الرحمان بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ ھ
۲۴۶ الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۶ ھ، علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ ھ
۲۴۷ مجموع الفتاوی، مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل السعود، شیخ ابو العباس تقی الدین احمد ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ ھ
۲۴۸ کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ ھ، علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ ھ
۲۴۹ تصحیح الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۳۸۸ ھ، علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ ھ

فقہ ظاہریہ (غیر مقلدین)

۲۵۰ المحلی، مطبوعہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۹ ھ، شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ
۲۵۱ نیل الاوطار، مطبوعہ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۸ ھ، شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ ھ
۲۵۲ مسک الختام، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ ھ

۲۵۳ ایک مجلس کی تین طلاقیں، مطبوعہ فضا کتب خانہ لاہور۔

مذاہب اربعہ

۲۵۴ میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۹ھ، علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ
۲۵۵ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ عبدالرحمن الجزیری۔
۲۵۶ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، ۱۴۰۰ھ
۲۵۷ الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی
۲۵۸ التشریع الجنائی، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، علامہ عبدالقادر عودہ

کتب شیعہ (حدیث و فقہ)

۲۵۹ الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ،
۲۶۰ من لایحضرہ الفقیہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، شیخ ابو جعفر محمد بن علی قمی، متوفی ۳۸۱ھ
۲۶۱ تہذیب الاحکام، 〃 〃 〃، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ
۲۶۲ الاستبصار، 〃 〃 〃 〃 〃
۲۶۳ توضیح المسائل، مطبوعہ سازمان تبلیغ اسلامی ایران، ۱۴۰۲ھ، شیخ روح اللہ خمینی

عقائد و کلام

۲۶۴ شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ
۲۶۵ شرح مواقف، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ
۲۶۶ شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۶۷ حاشیۃ الخیالی، مطبوعہ حاجی عبدالحکیم اینڈ سنز پشاور، علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ
۲۶۸ المنقذ من الضلال، مطبوعہ ہیئۃ الاوقاف لاہور، ۱۴۰۵ھ، علامہ محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ
۲۶۹ الیواقیت والجواہر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۸ھ، علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ
۲۷۰ نبراس، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۷ھ، مولانا عبدالعزیز پرہاروی

اصول فقہ

۲۷۱ مستصفیٰ، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۹۳ھ، امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ
۲۷۲ فواتح الرحموت، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ، بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ،
۲۷۳ الرسالۃ، مطبوعہ مطبع بولاق قاہرہ، ۱۳۱۲ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ

۲۷۴ الاحکام فی اصول الاحکام، مطبوعہ مطبع محمد علی و اولادہ مصر، ۱۳۴۷ھ، علامہ سیف الدین علی بن علی آمدی متوفی ۶۳۱ھ
۲۷۵ اصول بزدوی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی متوفی ۴۸۲ھ
۲۷۶ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ

اصول حدیث

۲۷۷ الکفایہ فی علم الروایہ، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ
۲۷۸ لقط الدرر، مطبوعہ مطبعہ شرکۃ مصطفی البابی حلبی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ عبداللہ بن حسین خاطر
۲۷۹ شرح شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۸۰ امعان النظر، مطبوعہ اکادمی شاہ ولی اللہ حیدرآباد سندھ، قاضی محمد اکرم سندھی
۲۸۱ تدریب الراوی، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ۱۳۹۲ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

متفرقات

۲۸۲ کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ
۲۸۳ الجامع اللطیف، محمد جار اللہ متوفی ۹۸۵ھ
۲۸۴ فتاوی حدیثیہ، مطبوعہ مطبعۃ مصطفے البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ
۲۸۵ سباحۃ الفکر، مولانا عبدالحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ
۲۸۶ الکبریت الاحمر، مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۸ھ، علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ
۲۸۷ الاعتصام، دار المعرفۃ بیروت، علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی متوفی ۷۹۰ھ
۲۸۸ بوادر نوادر، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ
۲۸۹ براہین قاطعہ، مطبوعہ مطبع بلالی ڈھونڈ، شیخ خلیل احمد انبیٹھوی، متوفی ۱۳۴۶ھ
۲۹۰ اسلام اور موسیقی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۸ء، شاہ محمد جعفر پھلواری
۲۹۱ المہند علی المفند، مطبوعہ کتب خانہ دیوبند، شیخ خلیل احمد انبیٹھوی، متوفی ۱۳۴۶ھ
۲۹۲ دو اسلام، مطبوعہ شیخ غلام اینڈ سنز، ڈاکٹر غلام جیلانی برق
۲۹۳ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۰ء، حضرت مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ
۲۹۴ حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۵ھ، علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ھ
۲۹۵ عجائب المخلوقات، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۵ھ، علامہ ذکریا بن محمد بن محمود
۲۹۶ الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ
۲۹۷ تکمیل الایمان، مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ، ۱۹۱۲ء، شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ
۲۹۸ منہاج السنۃ، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ

۲۹۹ تقویۃ الایمان، مطبوعہ مطبع علمی لاہور، شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ

۳۰۰ تحقیق الفتوی، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۹ھ، علامہ فضل حق خیرآبادی متوفی ۱۸۶۱ھ

۳۰۱ ماثبت بالسنۃ، مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور، شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ

۳۰۲ شمائم امدادیہ، مطبوعہ مدنی کتب خانہ ملتان، ۱۴۰۵ھ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ

۳۰۳ امداد المشتاق، مطبوعہ المکتبۃ اسلامیہ لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ

۳۰۴ فیصلہ ہفت مسئلہ، مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ

۳۰۵ المورد الروی فی المولد النبوی، مطبوعہ المدینۃ المنورہ، ۱۴۰۰ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

۳۰۶ ابجد العلوم، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۴۰۳ھ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ

۳۰۷ الدرر الکامنۃ، مطبوعہ دار الجیل بیروت، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۳۰۸ روزنامہ جنگ کراچی، میر خلیل الرحمان مدیر اعلی

۳۰۹ جمہرۃ انساب العرب، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۳ھ، ابو محمد علی بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ

۳۱۰ التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۳۱۱ ماہنامہ ضیاء حرم لاہور

۳۱۲ الحیلۃ الناجزۃ، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۷ھ، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ

۳۱۳ احسن الفتاوی، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۷ھ، مفتی رشید احمد

۳۱۴ الابریز من کلام سیدی عبدالعزیز، مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ مصر، ۱۳۸۰ھ، سیدی احمد بن عبدالمبارک

۳۱۵ تحذیر الناس، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ۱۳۹۵ھ، شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ

۳۱۶ ازاحۃ العیب بسیف الغیب، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور، ۱۳۳۰ھ، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ

۳۱۷ صراط مستقیم، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور، شیخ محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ

۳۱۸ میری داستان حیات، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق

۳۱۹ رمز ایمان، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔

۳۲۰ اتحاف السادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ سید محمد مرتضی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ

شرح صحیح مسلم

از رشحات قلم

علامہ غلام رسول سعیدی

شرح صحیح مسلم کی خصوصیات

۱۔ احادیث کا آسان اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔

۲۔ متقدمین شارحین کی روشنی میں ہر باب کی احادیث کی مختصر اور واضح تشریح۔

۳۔ علم اصول حدیث کی روشنی میں احادیث پر فنی گفتگو۔

۴۔ ائمہ اربعہ کی اقہات کتب سے ان کے مذاہب کا مع دلائل بیان۔

۵۔ فقہ حنفی کی ترجیح کا بیان۔

۶۔ منکرین حدیث کے شبہات کے جوابات اور حجیت حدیث پر دلائل کا انبار۔

۷۔ اختلافی مسائل پر مہذب علمی گفتگو۔

۸۔ مسائل حاضرہ مثلاً فوٹوگراف، ریڈیو، ٹی۔ وی، وڈیو، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، پوسٹ مارٹم، الوپیتھک ادویہ، انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، اسقاط حمل، ضبط تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، رویت ہلال کمیٹی کے اعلان، پاکستان اور دیگر بعید ممالک میں اختلاف رویت ہلال کے اثر سے مختلف احکام، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، میعادی قرضوں کی ادائیگی پر زکوٰۃ، قطبین میں روزے اور نماز کے احکام، ٹیلیفون پر نکاح، اسلام میں کفو کی حیثیت، ایک مجلس میں تین طلاقیں، عدالتی طلاق، نوٹ، سود اور معدود وتعزیر، انعامی بانڈز، بینک نوٹ، افراط زر کی پیچیدگیاں، مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے بہت سے مسائل پر محققانہ بحث۔

۹۔ مصنف نے ہر مسئلہ میں معروضی بحث کی ہے۔ قرآن مجید، احادیث آثار، اقوال تابعین، جمہور فقہاء اسلام اور فقہاء احناف کے ارشادات کی روشنی میں ہر مسئلہ کو لکھا ہے، کسی گروہ بندی فکر کے تابع ہو کر نہیں لکھا۔

۱۰۔ اس شرح میں شائستگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کسی کے خلاف مبتذل لہجہ اختیار نہیں کیا گیا۔